تفسیر نعیمی

مؤلفہ

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی

ناشر

نعیمی کتب خانہ

[illegible] گجرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

○ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ○ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ○ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ ○ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

○ حضرت جبرائیل علیہ السلام ○ حضرت میکائیل علیہ السلام ○ حضرت اسرافیل علیہ السلام ○ حضرت عزرائیل علیہ السلام

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

○ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ○ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ○ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ○ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

گیارواں پارہ

مُفسّر

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ

چوک پاکستان، گجرات،

کتاب تفسیرِ نعیمی گیارواں پارہ
مصنف حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
ناشر نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات
تعداد گیارہ سو
سال اشاعت 2004
ہدیہ

تقسیم کار

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7220479-7221953
فیکس نمبر:۔042-7238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:۔7225085
14۔ انفال پلازہ، اردو بازار، کراچی
Email:- zquran@brain.net.pk

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا

عذر کریں گے وہ لوگ طرف تمہارے جب واپس ہو گے تم لوگ طرف ان کے فرما دینا کہ حیلے

تم سے بہانے بنائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تم فرمانا بہانے

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ

نہ کرو ہرگز نہیں مانیں گے ہم تمہاری بیشک دے دی ہیں ہم کو اللہ نے خبریں

نہ بناؤ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دیدی ہیں

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ

اور عنقریب دیکھیں گے اعمال تمہارے اللہ اور پیغمبر اس کے پھر لوٹائے جاؤ گے تم طرف

اور اب اللہ و رسول تمہارے کام دیکھیں گے پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

جاننے والے کے چھپی کھلی خبروں کو پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تم تھے کرتے

چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے وہ تمہیں جتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں اُن حیلے بہانوں کا ذکر ہوا جو منافقین نے مسلمانوں کے غزوۂ تبوک میں جاتے وقت حضور انور سے کیئے تھے اب اُنہیں کے ان حیلے بہانوں کی غیبی خبر دی جا رہی ہے جو وہ مسلمانوں کی واپسی پر حضور انور سے کریں گے کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں تھیں اس لئے اس غزوہ میں ہم نہ جاسکے گویا ایک قسم کے بہانوں کے بعد دوسری قسم کے بہانوں کا تذکرہ ہے **دوسرا تعلق** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ غزوۂ تبوک میں غیر حاضر رہنے پر پکڑ ان لوگوں کو ہے جو غنی ہونے کے باوجود آپ سے اجازت لینے حاضر ہوئے اب ان پر دنیاوی پکڑ کا ذکر ہے یعنی اُن کے قول و فعل کا اعتبار نہ ہونا اُن کے کھلے نفاق کا ظاہر ہو جانا اُن کا بدنام ہو جانا گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیت کی تفسیر یا تفصیل ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بہت دور سے منافقین کی اس حرکت پر عتاب چلا آرہا تھا کہ وہ غزوۂ تبوک سے قادر ہوتے ہوئے غیر حاضر رہے حیلے بہانے بنا کر اب ارشاد ہے کہ بہانہ نہ کرو اس جرم سے مقبول توبہ کرو کہ آئندہ غزوات میں اخلاص سے شرکت کرو۔ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ گویا دل کے میل کا ذکر پہلے ہوا قلبی صابن کا ذکر اب ہے۔ جرم کے بعد مقبول توبہ کا تذکرہ ہے زخم کے بعد مرہم عطا ہو رہا ہے۔

نزول یہ آیۃ کریمہ ہے تو مدنیہ کہ بعد ہجرت نازل ہوئی مگر مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ مقام تبوک میں یا اس کی راہ میں حضور کے تشریف لاتے ہوئے یا واپس ہوتے ہوئے نازل ہوئی۔ جیساکہ اس کے مضمون سے ظاہر ہے اور اس میں ایک غیبی خبر ہے جو ہوبہو پوری ہوئی (از روح البیان)

تفسیر یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں منافقوں کی آئندہ کی ایک حرکت کی غیبی خبر دی گئی ہے اعتذار درست و غلط دونوں قسم کے عذر پیش کرنے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں غلط عذر مراد ہے یعنی جھوٹے بہانے بنانا اس فاعل وہ ہی مذکورہ منافقین ہیں الیکم میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ضمیر کا جمع فرمانا تعظیم کے لیے ہے جیسے وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ اور یا سارے غازیان تبوک سے خطاب ہے چونکہ اعتذار کے معنیٰ ہیں عذر پیش کرنا اس لیے اس کے بعد الیٰ لایا گیا (از روح المعانی) یہ منافقین حضور انور کے غزوۂ تبوک کے لیئے روانگی کے وقت بھی بہانے بناتے حاضر ہوئے تھے کہ یہ عذر ہے ہم معذور ہیں اور واپسی پر بھی کہ ہم کو فلاں عذر تھا اس لیئے معذور تھے انہیں پہلے عذر پر قرار نہیں ہوا۔ جھوٹے کو جھوٹ پر خود بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ یہ بہانہ خور منافق اَسّی سے کچھ زیادہ تھے۔ (روح البیان) اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْھِمْ یہ فرمانِ عالی ظرف ہے یعتذرون کا رجعتم میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور جمع تعظیم کے لیے یا غازیان تبوک سے چونکہ انہیں اپنے جھوٹ فریب کی وجہ سے چین و قرار نہ تھا اس لیے ہر صحابی سے معذرت کرتے تھے۔ چین سے نہ بیٹھتے تھے دن رات مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْھِمْ کے ساتھ بالمدینۃ نہیں فرمایا جس میں اشارۃً فرمایا کہ وہ لوگ مدینہ کے راستے میں ہی تم لوگوں کو ملیں گے تمہارے مدینہ پہنچنے کا انتظار نہیں کریں گے اور یہاں راستے سے ہی حیلے بازیاں شروع کر دیں گے۔ (روح البیان، معانی) قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ۔ اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انہوں نے بہانہ بازیاں خواہ صحابہ کرام سے کی ہوں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر بہر حال جواب حضور سے دلوایا گیا کہ یہ حضور ہی کا منصب تھا۔ (روح المعانی) قل کے معنیٰ ہیں کہ آپ اُن سے کہہ دینا انہیں یہ جواب دے دینا یہ معذرتیں اور اُن کے جوابات آئندہ ہونے والے تھے۔ نُّؤْمِنَ ایمان سے نہیں بنا بلکہ اَمْنٌ سے بنا بمعنیٰ اطمینان یا یقین یعنی اے منافقو بہانہ بازیاں نہ کرو۔ کیونکہ ہم تمہاری باتوں کا یقین نہیں کریں گے۔ تمہاری یہ کوشش بے کار ہے قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ۔ یہ فرمانِ عالی وجہ ہے لَنْ نُّؤْمِنَ کی جیسے لَنْ نُّؤْمِنَ وجہ تھی لَا تَعْتَذِرُوْا کی نَبَّاَ نباء بنا ہے نَبَاءٌ سے بمعنیٰ بڑی شاندار یعنی غیبی خبریں۔ اسی سے نَبِیٌّ ہے بمعنیٰ غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبریں رکھنے والا مِنْ اَخْبَارِکُمْ میں مِنْ نہ تو زائدہ ہے کہ مِنْ زائدہ نفی میں ہی آتا ہے مثبت کلام میں نہیں آتا اور نہ تبعیض کا بلکہ بیانیہ ہے ایک پوشیدہ چیز کا بیان اصلی عبارت یوں ہے جُمْلَۃً مِّنْ اَخْبَارِکُمْ یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ساری خبریں دے دی ہیں (روح المعانی) یا بذریعہ وحی یا بذریعہ کشف و الہام ہم تمہارے دل کی گہرائیوں کی خبر رکھتے ہیں وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ یہ فرمانِ عالی لَا تَعْتَذِرُوْا الخ پر معطوف ہے اور قل کا مفعول لہٰذا واؤ عاطفہ ہے یَرٰی بنا ہے رَاْیٌ سے بمعنیٰ دیکھنا اس سے مراد علم ظہور ہے جو کسی شئی کے ہو جانے کے بعد ہوتا ہے

عمل سے مراد اُن منافقوں کے آئندہ کے عمل ہیں توبہ کرنا۔ آئندہ غزوات میں شرکت کرنا وغیرہ مقصد یہ ہے کہ تم زبانی دعوے نہ کرو بلکہ آئندہ توبہ اور نیک اعمال کر کے دکھاؤ۔ تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ بھی دیکھے گا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو سکتا ہے کہ عمل جنس ہو جس میں سارے کھلے چھپے ارکانی۔ نفسانی اور دلی اعمال مراد ہوں اور اس میں دلوں کے نفاق واخلاص کفر وایمان سب ہی داخل ہوں۔ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اس فرمان عالی میں قیامت کا ذکر ہے تُرَدُّوْنَ سے مراد ہے کہ تم لوگ یہاں دنیا سے واپس ہو کر بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جاؤ گے۔ وہاں کچھ بنائے نہ بنے گا۔ کیونکہ حاکم ہر چھپی کھلی چیز کو جاننے والا ہے لہٰذا یہاں ہی اپنے کو درست کر لو۔ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اس وقت رب تعالیٰ تم کو تمہارے سارے کھلے چھپے اعمال بتائے گا جتائے گا پھر اس پر سزا وجزا دے گا ما کُنتُمْ میں ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ عمل سے مراد دنیا کے اعمال ہیں۔ جن کی سزا وجزا ملنی ہے خیال رہے کہ قیامت میں لوگوں کو ان کے اعمال کی خبر دینا نامۂ اعمال دکھانا ان سے اقرار کرانا فرشتوں کا کام ہو گا مگر چونکہ یہ سب کچھ رب تعالےٰ کے حکم سے ہو گا اس لیئے یہاں یُنَبِّئُكُمْ کا فاعل رب تعالےٰ ہوا یہ بھی خیال رہے کہ یہ خبر دینا کسی کے لیے علانیہ ہو گا کسی کے لیے خفیہ کسی کے نیک اعمال کی خبر دینا علانیہ ہو گا۔ گناہوں کی خبر خفیہ یہ معاملہ حضور انور کی امت سے ہو گا کہ ان کی نیکیوں کا حساب ظاہر ظہور ہو گا۔ گناہوں کا خفیہ تاکہ بدنام نہ ہوں۔ کہ اگرچہ گنہگار ہیں مگر محبوب کی امت ہیں۔ شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے　　کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو

یہ کرم نوازی دنیا میں بھی ہو رہی ہے شان ستاری کی جلوہ گری ہے۔

خلاصۂ تفسیر

اے غزوۂ تبوک کے غازیو۔ صحابیو۔ ہمارے محبوب پر اپنی جانیں چھڑکنے والو۔ ہم تم کو آج ہی غیبی خبر دے دیتے ہیں کہ جب تم یہاں سے واپس ہو ؤ گے تو وہ منافقین جو حیلے بہانے بنا کر رہ گئے ہیں راستہ ہی میں تم سے آملیں گے اور طرح طرح کے حیلے بہانے پھر بنائیں گے کہ ہم کو تمہارے ساتھ نہ جانے کا بہت افسوس ہے۔ ہم کو فلاں فلاں عذر تھے۔ جب ایسا ہو تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے صاف صاف فرما دینا کہ بس بہانے نہ بناؤ کیونکہ ہم تمہاری ایک بات بھی نہ مانیں گے کیسے مانیں ہم کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ساری کھلی چھپی حالت کی خبر دے دی ہے۔ ہم تمہارے دلوں کے اسرار جانتے ہیں۔ ۵

اے فروغت صبح آثار و وصور　　چشم تو بینندۂ ما فی الصدور
سر عرش پر ہے تری گذر　　دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئی　　نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اب تمہارے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ آئندہ اپنے حالات سنبھالو۔ اعمال درست کرو آئندہ باتیں نہ بناؤ تمہارے ہر کھلے چھپے عمل اللہ تعالیٰ بھی دیکھے گا اور اس کا رسول بھی صلی اللہ علیہ وسلم پھر آخر کار تم یہاں دنیا سے اپنے اصل کی طرف لوٹو گے

پھر وہ اللہ جو کھلی چھپی خبروں کو جاننے والا ہے تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ کہ تم نے فلاں فلاں وقت یہ کام کیے تھے تم وہاں کوئی عذر نہ کر سکو گے۔ کیونکہ حاکم علیم بھی ہے خبیر بھی اس دن کا انتظام آج ہی کر لو۔ نفاق چھوڑو۔ اخلاص اختیار کرو گزشتہ کوتاہیوں کا کفارہ آج ہی کر لو۔ ؎

آج کچھ کر لو عبادت ورنہ کل روز قیام سامنے حق کے خجالت ہوگی تم کو لاکلام
پرسشِ اعمال خالق جس گھڑی فرمائے گا مال و دولت جاہ و حشمت کچھ نہ واں کام آئے گا

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ حضور انور کے صدقہ سے حضور کے خدام کو آئندہ ہونے والی خبروں کی پہلے سے خبر دے دیتا ہے۔ یہ فائدہ یَعۡتَذِرُوۡن الخ سے حاصل ہوا کہ رب نے تبوک یا تبوک کی راہ میں ہی حضرات صحابہ کرام کو منافقین کے اگلے بہانے بنانے کی خبر دے دی آج بھی بعض اولیاء کو آئندہ واقعات پر پہلے ہی مطلع فرما دیا جاتا ہے اس کا اصل یہ ہی آیت ہے۔ دوسرا فائدہ منافقین کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہ تھا۔ مسلمانوں کا خوف تھا یہ فائدہ اِلَیۡکُمۡ فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ لوگ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے تھے۔ مومنین کی خوشامد کرتے تھے اپنا نفاق چھپانے کے لیئے۔ تیسرا فائدہ تبوک سے واپسی کے موقعہ پر منافقین راستہ میں ہی مسلمانوں سے جاملے تھے عذر کرنے کے لیے زیادتی خوف کی وجہ سے یہ فائدہ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَیۡهِمۡ سے حاصل ہوا کہ یہاں الی المدینۃ نہ فرمایا۔ چوتھا فائدہ جھوٹے کو چین نہیں آتا اپنا عیب چھپانے کے لیئے مختلف تدبیریں کرتا رہتا ہے۔ اور ڈرتا رہتا ہے۔ کہ کہیں میرے راز نہ کھل جاویں۔ یہ فائدہ بھی یَعۡتَذِرُوۡن الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین غزوۂ تبوک سے روانگی کے وقت بھی بہانے بنا چکے تھے مگر پھر بھی انہیں چین نہ آیا واپسی پر پھر مسلمانوں کے پاس راستہ میں جاملے اور خوشامد بہانہ کرنے لگے۔ پانچواں فائدہ۔ بارگاہ نبوت میں اپنی سچائی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں انہیں سب کے متعلق سب کچھ ہی معلوم ہے وہاں شیخی نہ کرو بلکہ توبہ کرو۔ یہ فائدہ لَا تَعۡتَذِرُوۡا الخ سے حاصل ہوا۔ شعر۔

یا رسول اللہ بدر گاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہے آمدم کوہے گناہ آوردہ ام

چھٹا فائدہ اللہ کے بندوں کے پاس جا کر توبہ کرنا بہت اچھا ہے قبولیت کا ذریعہ۔ دیکھو یہاں اُن منافقین کے حاضر بارگاہ ہونے پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ بلکہ بہانے بنانے پر اعتراض ہوا۔ رب فرماتا ہے وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ اور فرماتا ہے اُدۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ۔ ساتواں فائدہ۔ جیسا گناہ ویسی توبہ چاہیئے۔ برے کاموں کی توبہ آئندہ اچھے کاموں سے ہونی چاہیئے۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ آئندہ تمہارے کام اللہ رسول دیکھیں گے یعنی دیکھا جاوے گا۔ کہ تم اب کیا کرتے ہو۔ اس جرم کا کفارہ اچھے اعمال سے کرتے ہو یا نہیں۔ آٹھواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں اُن سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ فائدہ وَسَيَرَى اللّٰهُ فرمانے سے حاصل ہوا فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَخۡفٰى عَلَىَّ رُكُوۡعُكُمۡ وَسُجُوۡدُكُمۡ وَخُشُوۡعُكُمۡ۔

مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کے عجز و انکسار مخفی نہیں۔ **نواں فائدہ** خدا تعالیٰ کے نام سے حضور انور کا نام ملانا جائز بلکہ سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ بھی وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول بھلا کریں اللہ رسول نے ہم کو غنی کر دیا۔ وغیرہ۔ **دسواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریف کے بعد بھی ہر ایک کا ہر عمل دیکھ رہے ہیں یہ فائدہ بھی سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ سے حاصل ہوا۔ اس لیئے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی جس کے بعد حضور انور نے کوئی غزوہ نہیں کیا اب خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہی غزوات ہونے تھے یہ منافقین ان میں شرکت کر کے اس جرم کا کفارہ کر سکتے تھے اُن کے متعلق ارشاد ہوا سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ تمہارے وہ عمل اللہ رسول دیکھیں گے یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہیئے **گیارھواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے کام خود رب تعالیٰ کے کام ہیں یہ فائدہ فَيُنَبِّئُكُمْ الخ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ قیامت میں انسانوں کا حساب کتاب اُن کے اعمال کی خبریں دینا یہ سب کچھ فرشتے کریں گے مگر فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ تم کو خبر دے گا۔

پہلا اعتراض منافقین غزوہ تبوک میں جاتے وقت ہی حیلے بہانے کر چکے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ آیات سے ظاہر ہے۔ پھر ان کے متعلق کیوں ارشاد ہے کہ وہ بہانے کریں گے۔ ماضی کو مستقبل کیوں بنایا گیا۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ لوگ اگرچہ پہلے بھی بہانے کر چکے تھے مگر اپنے جھوٹے ہونے کی وجہ سے اُن کے دلوں کو قرار نہ تھا اُسی بے قراری کی وجہ سے غازیوں کی واپسی پر بھی از روئے جھوٹی خوشامد اُن کو راضی کرنے کے لیئے بہانے بناتے پہنچنے والے تھے۔ اُس کی غیبی خبر اس آیت میں ہے گذشتہ آیات میں اور قسم کے بہانوں کا ذکر تھا۔ یہاں دوسری قسم کے بہانوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ کیوں ارشاد ہوا اِلَى الْمَدِيْنَةِ کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب** اس لیئے کہ بہت سے منافق غازیوں سے راستہ میں ہی مل کر حیلے بہانے کرنے والے تھے اور بعض منافق غازیوں کے مدینہ منورہ پہنچنے پر ان دونوں صورتوں کو شامل فرمانے کے لیئے اِلَيْهِمْ فرمایا فِي الْمَدِيْنَةِ نہ فرمایا۔ **تیسرا اعتراض** اس واقعہ کی خبر پہلے سے کیوں دے دی گئی جب وہ بہانے بناتے تب ہی یہ آیت نازل ہوتی۔ **جواب** اِن منافقوں کو زیادہ ذلیل و خوار کرنے کے لیئے اور اس واقعہ کی اہمیت ظاہر کرنے کو جیسے سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ (الخ) تبدیلِ قبلہ پر کفار کے جو اعتراض ہونے والے تھے انہیں مع جواب کے پہلے ارشاد فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ نفاق یا اخلاص یوں ہی عداوت و محبت دل کے حالات ہیں مگر یہ چیزیں زبان اور چہرے سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جیسے چہرے کا غبار نہیں چھپتا یوں ہی دل کا غبار پوشیدہ نہیں رہتا بلکہ اُس کی چکنی چپڑی باتیں زیادہ عذر معذرت ہی نفاق ظاہر کر دیتی ہیں اور انہیں جواب ملتا ہے لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ۔ اگر سونے والا بہت قسمیں کھا کر کہے کہ سونا کھرا ہے تو یہ علامت ہے کہ اس میں کھوٹ ہے مولانا فرماتے ہیں۔

از منافق عذر رد آمد نہ خوب — زانکہ درلب بود آں نہ درقلوب
کذب چوں خس باشد دل چوں دہاں — خس نہ گردد در دہاں ہرگز نہاں

یعنی منافقین کے عذر صرف لب پر تھے دل میں نہ تھے۔ اس لیئے نہ وہ توبہ بنے نہ قبول ہوئے۔ جھوٹ جھوٹ رہے دل مثل منہ کے ہے۔ منہ پر کوڑا نہیں چھپتا۔ دل کا کوڑا بھی نہیں چھپتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی چھانی عطا فرماتا ہے جس سے وہ سچے جھوٹے کو چھان لیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عذر احمق بدتر از جرمش بود — عذر ناداں زہر ہر دانش بود

عذر کی کسوٹی آئندہ کے اعمال ہیں کہ فرمایا گیا وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ اس آیت نے حق و باطل میں فرق کرنے کا ذریعہ بتا دیا اچھوں کے آستانہ پر بری باتیں اور نہ زیادہ بری ہوتی ہیں۔ کہ یہ ڈبل گناہ بن جاتی ہیں جھوٹ اور پھر کہاں سچوں کے اچھوں کے سامنے رب تعالےٰ اچھا بنائے اور اچھوں کے آستانوں پر اچھی باتیں کرنے کی توفیق دے دہاں توبہ چاہیئے نہ کہ جھوٹے عذر۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا
عنقریب قسمیں کھائیں گے وہ اللہ کی واسطے تمہارے جب کہ لوٹو گے تم طرف اُن کے تاکہ منہ
اب تمہارے آگے اللہ کی قسم کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ جاؤ گے اس لیئے کہ
عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ
پھیرو تم اُن سے پس منہ پھیرو تم اُن سے تحقیق وہ گندے ہیں اور ٹھکانہ اُن کا
ان کے خیال میں نہ پڑھو تو ہاں تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو بڑے پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا
جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ
دوزخ ہے سزا اس کی جو وہ کمائی کرتے تھے قسم کھائیں گے۔
جہنم ہے بدلہ اس کا جو کماتے تھے تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ
لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ
وہ واسطے تمہارے تاکہ راضی ہو جاؤ اُن سے پس اگر راضی ہو جاؤ تم ان سے پس تحقیق اللہ
تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بے شک اللہ تو فاسق

لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

راضی نہیں ہوتا	قوم	بدکار سے
لوگوں سے راضی نہ ہو گا		

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں منافقین کے جھوٹے حیلوں بہانوں کا ذکر تھا اب ان کی جھوٹی قسموں کا تذکرہ ہے جو وہ مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے متعلق کھاتے تھے۔ یا بعد غزوہ تبوک کھانے والے تھے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں منافقین کے ایک گناہ کا ذکر تھا یعنی جھوٹے حیلے بہانے بنانا اب اُس سے بڑے جُرم کا ذکر ہے یعنی اِس جھوٹ پر جھوٹی قسم کھانا۔ رب تعالیٰ کو اس پر ضامن بنانا رب کے نام کی توہین کرنا۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں مدینہ منورّہ میں رہنے والے منافقوں کی آئندہ حرکت کی غیبی خبر دی گئی تھی کہ وہ لوگ طرح طرح کے بہانے بنائیں گے اب دیہاتی منافقوں کی خبر دی جا رہی ہے کہ جب آپ لوگ بخریت مدینہ منورہ پہنچ جاویں گے تو وہ لوگ حاضر بارگاہ ہو کر جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ **نوٹ** یہ بات تفسیر کبیر نے فرمائی کہ اس فرمان عالی میں دیہاتی منافقوں کا ذکر ہے۔

نزول سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت جد ابن قیس اور معتب ابن قشیر اور اُن کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپس ہو کر اُن کے مکمل بائیکاٹ کا حکم دیا تھا۔ وہ لوگ بائیکاٹ کھلوانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ اُن کے متعلق خبر دی گئی کہ اب یہ آخری مرحلے میں جھوٹی قسموں سے کام لیں گے کہ ہم فلاں فلاں مجبوری کی وجہ سے غزدۂ میں شریک نہیں ہو سکے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ ابن ابی منافق کے متعلق نازل ہوئی کہ اب یہ قسمیں کھا کر کہے گا کہ آئندہ جہادوں میں اپنی جماعت کے ساتھ ضرور حاضر رہا کروں گا۔ ایسا ہی ہوا (خازن وکبیر۔ روح المعانی) بہر حال یہ آیت منافقین ہی کے متعلق ہے

تفسیر يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ (الخ) چونکہ منافقین کی یہ جھوٹی قسمیں آئندہ ہونے والی تھیں اس لیئے اس کے اول میں سین ارشاد ہوا۔ یعنی عنقریب قسمیں کھائیں گے قسم کھانے والے کون ہیں یا تو وہ بہانہ بنانے والے منافقین جن کا ذکر پہلے ہو چکا تو مقصد یہ ہے کہ اولاً تو وہ لوگ بہانے بنائیں گے جب تم اُن کے بہانے قبول کرنے سے انکار کرو گے تو قسمیں کھائیں گے یا قسمیں کھانے والے دوسرے منافقین ہیں علاوہ اُن بہانہ بازوں کے کس بات پر قسم کھائیں گے اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ہم واقعی معذور تھے۔ اِس لیئے ہم نہ جا سکے دوسرے یہ کہ ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ غزوات میں ہم ضرور شریک ہوں گے لَكُمْ فرما کر یہ بتایا کہ اُن کی یہ قسمیں صرف تم کو دھوکا دینے کے لیئے ہیں یا تم کو راضی کرنے کے لیئے نہ کہ کسی نیک ارادے سے اِذَا انْقَلَبْتُمْ

اِلَیۡہِمۡ یہ فرمانِ عالی ظرف ہے سَیَحۡلِفُوۡنَ الخ کا۔ انقلاب سے مراد ہے غزوہ تبوک سے واپسی خیال رہے کہ ان خطاب کی ضمیروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں صرف غازیانِ تبوک سے خطاب ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ یہ فرمانِ عالی لَکُمۡ کا بدل اشتمال ہے حضور انور نے غازیوں کو ان منافقوں کی بے ایمانی جھوٹ وغیرہ کی خبریں دے دی تھیں۔ اب ان کا قسمیں کھانا اس لیے نہ تھا کہ تم لوگ حضور کی بات اور رب تعالیٰ کے فرمان پر دھیان نہ دو۔ ہماری قسموں کا اعتبار کر لو۔ ہم سمجھے ہیں یہ تو کسی مومن سے ممکن نہیں چہ جائیکہ غازیانِ تبوک بلکہ مطلب یہ تھا کہ تم ہم کو بدنام نہ کرو۔ ہماری اس حرکت سے بے توجہ ہو جاؤ یا آپ لوگ یقین کر لو کہ ہم آئندہ غزوات میں شریک ہوا کریں گے حضور انور نے ہمارا گذشتہ حال بیان کیا ہم اپنا آئندہ حال بیان کر رہے ہیں۔ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے جس میں مومنوں کو منافقین سے منہ پھیر لینے اُن سے بے تعلق ہو جانے کا حکم ہے مگر یہ بے تعلقی غضب کی ہے نہ کہ محبت کرم کی انہوں نے اس کے عکس کی خواہش کی تھی یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور ہم سے اعراض چشم پوشی کرو ہم فرماتے ہیں کہ تم اُن سے چشم پوشی کرو غضب و ناراضی کی اُن سے الگ ہو جاؤ۔ کیونکہ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ وہ گندے ہیں اور گندوں سے دوری ضروری ہے جب جسمانی گندگی سے اس لیئے دور رہتے ہو کہ تمہارے کپڑے یا بدن گندے نہ ہو جائیں تو اُن دلی اور روحانی گندوں سے بھی الگ رہو کہ کہیں تمہارے دل اُن کی محبت میں گندے نہ ہو جائیں۔ خیال رہے کہ نجس سے رجس خاص ہے۔ نجس تو اصل ذاتی اور عارضی ناپاکی دونوں کو کہا جاتا ہے مگر رجس اصلی ذاتی گندگی کو کہا جاتا ہے۔ پیشاب بھی نجس ہے اور جس کپڑے پر پیشاب لگے وہ بھی نجس مگر رجسٌ صرف پیشاب پاخانہ ہے ناپاک کپڑا رجس نہیں اس لیئے سؤر کے گوشت کو رب نے رِجۡسٌ فرمایا۔ خیال رہے کہ رب تعالےٰ نے مشرکین کو نجس فرمایا۔ اِنَّمَا الۡمُشۡرِکُوۡنَ نَجَسٌ اور منافقین کو رِجۡسٌ جس سے معلوم ہوا کہ منافقین بدتر ہیں مشرکین و کفار سے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس نجاستٌ یا رِجۡسٌ سے دلی باطنی عقائد کی گندگی و نجاست مراد ہے جسمانی اور ظاہری نجاست مراد نہیں کہ شرعاً انسان پاک ہے اگرچہ کافر یا منافق ہو۔ دنیا میں اُن کا یہ حال ہے اور آخرت میں۔ وَمَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور دوزخ کا کونسا طبقہ اسے دوسری جگہ بیان فرمایا اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی منافقین آگ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے مَاوٰی فرما کر یہ بتایا کہ دوزخ میں ان کا رہنا عارضی نہ ہوگا بلکہ دائمی ہوگا کیونکہ دوزخ ان کی منزل نہیں بلکہ ٹھکانا اور اصلی جائے قرار ہے ماوٰی اسم ظرف ہے اَوٰیٰ کا بمعنی پناہ اٰوِیۡۤ اِلٰی رُکۡنٍ شَدِیۡدٍ یہ کنعان بن نوح نے کہا تھا جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ۔ قوی یہ ہے جزاءً دائم ایک پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے یعنی یُجۡزَوۡنَ جزاءً کسب سے مراد منافقوں کے سارے خبیث کام ہیں جسم کے ہوں یا دل کے اس میں مذکورہ جھوٹے حیلے بہانے اور جھوٹی قسمیں بھی داخل ہیں۔ یعنی یہ سب سزائیں بلاوجہ نہیں بلکہ ان کی دائمی حرکتوں کی سزا ہے یہ خیال رہے کہ لفظ جزا ثواب اور سزا دونوں کے لیئے بولا جاتا ہے اگر یہ مومن اور جنت کے ساتھ آئے تو بمعنی ثواب ہوگا اور اگر کافر منافق دوزخ کے ساتھ آئے تو بمعنی سزا۔ یہاں اسی معنی میں ہے یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ قوی یہ ہے کہ یہ فرمانِ عالی

سیحلفون دالخ کا بدل ہے اس میں بھی قسم سے اللہ کی قسم مراد ہے اور قسم کھانے والے وہ ہیں منافقین لترضوا میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور رضا سے مراد ہے دھوکہ دے کر ناراضگی دور کر دینا یعنی وہ اس لیے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان کی قسموں سے دھوکا کھا جاؤ اور ان سے کچھ نہ کہو تمہارے دلوں کی ناراضی دور ہو جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ان کی قسموں سے دھوکا کھا سکتے تھے نہ ان سے دھوکے کی رضا ممکن کیونکہ حضور کو رب تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا۔ فرماتا ہے لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ قَلِيْلًا اور فرماتا ہے يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ اس فرمانِ عالی میں بھی خطاب صرف غازیانِ تبوک سے ہے اور رضا سے مراد ہے ان مردود دل کے دھوکے میں آجانا اور گذشتہ ناراضی کو دل سے دور کر دینا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ یہ فرمانِ عالی فَاِنْ تَرْضَوْا کی جزا نہیں اس کی خبر، پوشیدہ ہے یعنی لَا تَنْفَعُهُمْ اور یہ جملہ اُس جزا کی وجہ لہذا اس میں ف تعلیلیہ ہے اور یہاں بھی رضا سے مراد دھوکے کھا جانا اور دھوکے سے راضی ہو جانا ہے (روح المعانی) یعنی اے مسلمانو اگر تم ان منافقوں کے دھوکے میں آگئے اور ان سے راضی ہو بھی گئے تو بھی انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ تو ان کے دھوکوں میں آئے اور نہ اُن سے راضی ہو وہ بہرحال دوزخی ہیں۔ لہٰذا آیت بالکل واضح ہے یہ ناممکن ہے کہ جس سے حضور راضی ہوں اس سے رب ناراض ہو رب کی رضا حضور کی رضا سے حاصل ہوتی ہے بلکہ جسے حضور مل جاویں اُسے خدا تعالیٰ مل جاتا ہے۔ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ (الخ) شعر۔

کشف رازِ من رآنی سے کھلا   تم ملے تو حق تعالےٰ مل گیا

یہ بھی ناممکن ہے کہ جس سے حضرات صحابہ صحیح معنی میں خوش ہو جاویں اس سے حضور ناراض رہیں۔ بلکہ یہ بھی ناممکن ہے کہ جس سے اولیاء اللہ بلکہ ایک ولی اللہ صحیح معنی سے راضی ہوں اس سے حضور ناراض۔ اِن میں رہنا ہی حضور کی رضا ہے اور حضور کی رضا میں خدا تعالیٰ کی رضا۔ شعر۔

بھیکا وہ نر کو نڑ جے جانے گر کو ادر   رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور

اگر ہماری حرکتوں سے رب ناراض ہو جاوے تو اُسے حضور راضی کر دیں۔ لیکن اگر حضور ناراض ہوں تو پھر کہیں ٹھکانا نہیں۔ یہ بات خیال میں رہے مگر رضا ر رضا میں فرق ہے۔

خلاصۂ تفسیر اے غازیانِ تبوک عنقریب وقت آتا ہے کہ تم تبوک سے واپس ہو گے۔ تو منافقین تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم واقعی سخت مجبوری کی وجہ سے تمہارے ساتھ غزوہ میں نہ جا سکے یا آئندہ ضرور تمہارے ساتھ غزوات میں جایا کریں گے۔ یہ قسمیں نیک نیتی سے نہ ہوں گی بلکہ صرف اس لیئے کہ تم اُن سے چشم پوشی کرو اور کچھ نہ کہو۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ اُن سے علیحدہ ہو جاؤ انہیں منہ نہ لگاؤ۔ کیونکہ تم پاک لوگ یہ گندے لخبث العین۔ اِن کے دل گندے خیالات گندے کام گندے۔ گندا کپڑا پاک کپڑے سے ملے تو اسے گندا کر دیتا ہے۔ گندے دل والا آدمی پاک آدمی سے میل جول رکھے

تو اُس کو نقصان پہنچا دیتا ہے اور پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے تمہارا ٹھکانہ جنت۔ جنتیوں کو دوزخیوں سے کیا کام یہ سب کچھ اُن کی کرتوتوں کا بدلہ ہے وہ صرف اس لیئے قسمیں کھائیں گے کہ تم دھوکا کھا کر اُن سے درگذر کرو ناراضی دل سے نکال دو۔ راضی ہو جاؤ لیکن اگر تم ان کے دھوکے میں آ بھی گئے تو ان کے لیے کچھ مفید نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو نہ ان کے دھوکے میں آئے نہ ان سے راضی ہو۔ رب کے ناراض ہوتے ہوئے کسی بندے کو دھوکا دے کر راضی کر لینا بالکل بے کار ہے ابلیس نے جھوٹی قسم کھا کر آدم کو دھوکا دے دیا قَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ لیکن وہ رہا ابلیس ہی اُسے اس حرکت سے کوئی فائدہ نہ پہنچا یہ بھی رہیں گے منافق ہی جائیں گے دوزخ میں ہی بہتر ہے کہ مخلص بن جائیں۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** منافقین اور گمراہ لوگ بہت قسمیں کھا کر اپنا مسلمان ہونا ثابت کرتے ہیں یہ فائدہ سَيَحْلِفُونَ الخ سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ مومنوں کو ان ترکیبوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اصلی سونے والا کبھی قسمیں نہیں کھاتا۔ ہمیشہ نقلی سونے والا قسمیں کھا کر ہی اُسے اصلی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ **دوسرا فائدہ** جس کے دل میں کھوٹ ہو اُسے کبھی چین نہیں آتا اُسے ہمیشہ اپنے پول کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے یہ فائدہ بھی سَيَحْلِفُونَ الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان منافقین نے غازیوں کے تبوک جاتے وقت بھی حیلے بہانے کیے تھے اور اُن کی واپسی پر بھی حیلے بہانے قسمیں سب کچھ ہی کیں اسی بے چینی کی وجہ سے۔ الحمد للہ اخلاص میں چین بھی ہے سکون بھی۔ شعر۔

تن اُجلا من کالا بگلے کے سے بھیک اس سے تو کاگا بھلے کہ اوپر نیچے ایک

بگلے سے کوا اچھا کہ اوپر نیچے کالا ہے۔ بگلا اوپر سفید دل کی جگہ کالا۔ **تیسرا فائدہ**۔ منافقین کے ساتھ میل ملاپ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا وغیرہ سب ممنوع ہے یہ فائدہ أَعْرِضُوا عَنْهُمْ سے حاصل ہوا۔ سانپ سے چور سے دوری اچھی۔ یہ حکم تب ہے جب کہ اُن کی اصلاح کی امید نہ رہے۔ **چوتھا فائدہ**۔ منافقین دل کے خیالات کے ارادوں کے عقائد کے اعمال کے گندے ہیں یہ فائدہ إِنَّهُمْ رِجْسٌ سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس مومنین بفضلہ تعالیٰ ان تمام باتوں میں پاکیزہ ہیں۔ **پانچواں فائدہ** گہرے منافق گویا نجس العین ہیں کہ کسی پانی سے پاک نہیں ہو سکتے۔ یہ فائدہ بھی رجس سے حاصل ہوا۔ کہ انہیں رب نے نجس نہ کہا رجس کہا۔ نجس اور رجس کا فرق ابھی تفسیر میں بتایا گیا۔ **چھٹا فائدہ**۔ منافق عبادات بھی مخلوق کو راضی کرنے کے لیئے کرتا ہے۔ یہ فائدہ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ صرف مسلمانوں کو راضی کرنے اپنا نفاق چھپانے کے لیئے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے اس کے برعکس مومن بفضلہ تعالیٰ رضاءِ الٰہی کے لیئے عبادت کرتا ہے۔ **ساتواں فائدہ** مسلمانوں کو دھوکا فریب دے کر راضی کر لینا اُن کی ناراضی سے بچ جانا منافقوں کا طریقہ ہے اُن کے مقابل مومن بفضلہ تعالیٰ اپنے برے کاموں کی تاویلیں نہیں کرتا بلکہ صاف صاف توبہ کر لیتا ہے۔ توبہ اور دھوکے کا فرق یاد رکھنا چاہیے۔ اپنے بُرے کاموں کی تاویلیں کر کے انہیں اچھا ثابت کرنا منافقوں کا عیب ہے۔ **آٹھواں فائدہ** اگر مسلمان دھوکے سے منافقوں یا کافروں پر بھروسہ کرے تو گناہ گار نہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کے راضی ہو جانے پر عتاب یا وعید نہ کی بلکہ یہ فرمایا کہ اگر تم اُن کے

دھوکوں میں آکر ان سے راضی ہو گئے تو اللہ ان سے راضی نہ ہوگا یہ نہ کہا کہ تم سے ناراض ہو جاوے گا۔

پہلا اعتراض مذکورہ منافقین تو پہلے ہی حیلے بہانے کر کے تبوک جانے سے رُکے تھے۔ پھر واپسی پر وہ حیلے اور جھوٹی قسمیں کیوں کھانے لگے۔ **جواب** اس لیے کہ ان کے دل میں چور تھا انہیں کبھی اطمینان و چین نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قسمیں کھا لیتے پھر خیال کرتے کہ نامعلوم مسلمانوں نے ہم کو سچا مانا یا نہیں تو پھر آکر قسمیں کھاتے۔ جیسا کہ آج بھی بد مذہبوں بے دینوں میں دیکھا جا رہا ہے کہ ہر جمعہ ہر وعظ کے خطبہ میں اپنے سنی ہونے پر قسمیں کھاتے قرآن اٹھاتے ہیں کہ ہم سنی ہیں۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ وہ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم اُن سے منہ پھیر لو۔ پھر رب نے اسی کا حکم دیا کہ اُن سے منہ پھیر لو۔ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ان کا منشا تو پورا ہوگیا جو انہوں نے چاہا تھا وہ ہی رب نے حکم دیا۔ **جواب** انہوں نے کہا تھا کہ ہم سے محبت کا اعراض کرو یعنی ہم کو اپنا دوست سمجھو رب نے فرمایا اُن سے نفرت کرتے ہوئے منہ پھیرو۔ پھر اُن کا منشا کیسے پورا ہوا۔ اُن کے لیئے تو یہ حکم موت کا پیغام ہوگیا۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں ارشاد ہوا کہ منافقین رِجْسٌ یعنی نجسُ العَین ہیں مگر شریعت کا قانون یہ ہے کہ انسان اگرچہ کافر یا منافق ہو پاک ہے وہ قانون اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب** یہاں رِجْسٌ سے مراد ہے عقائد و اعمال کی نجاست و گندگی لہٰذا اگر ہم کافر کا تر ہاتھ چھو لیں تو ہمارا ہاتھ ناپاک نہ ہوگا کہ کافر کا جسم پاک ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ جب پچھلی آیات میں خبر دے دی گئی تھی کہ منافقین تمہاری واپسی پر حیلے بہانے کرینگے حضور انور نے بھی اُن کے نفاق کی خبر دے دی تھی پھر مسلمان اُن کی قسموں سے دھوکا کیسے کھا سکتے تھے۔ اُن کا اعتبار کیسے کر سکتے تھے پھر کیوں فرمایا کہ اگر تم اُن سے راضی ہو گئے تو ہم راضی نہ ہوں گے۔ **جواب** اس اعتراض کے ۲ جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے رب نے فرمایا تھا کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے اور اس درخت کے قریب نہ جانا پھر آدم علیہ السلام نے شیطان کو اپنا خیر خواہ کیوں سمجھ لیا اور اُس کے کہنے سے گندم کیوں کھا لیا۔ اس کی وجہ ہم بتفصیل تفسیر پارہ اول میں عرض کر چکے ہیں جواب تحقیقی یہ ہے کہ مومن فطری طور پر بھولا ہوتا ہے چالاک نہیں ہوتا۔ جب منافقین قسمیں کھا کر دو باتیں کہتے تھے ایک یہ کہ ہم اس وقت معذور تھے جہاد میں نہ جا سکے۔ دوسرے یہ کہ آئندہ ہر جہاد میں ضرور جایا کریں گے تو مومنین ایسے اُن کی توبہ خیال کر سکتے تھے کہ جیسے توبہ سے شرک و کفر معاف ہو سکتا ہے ایسے ہی منافقت بھی معاف ہو سکتی ہے اور حضور انور کی خبر اس وقت کے لیئے تھی جبکہ انہوں نے توبہ نہیں کی تھی۔ آدم علیہ السلام نے یہ ہی خیال فرمایا تھا کہ گندم کھانے سے ممانعت اُس خاص وقت میں تھی نیز شیطان کی عداوت اب رب نے دوستی میں بدل دی۔ کیونکہ وہ قسمیں کھا کر کہہ رہا تھا۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ کوئی بھی اللہ کی قسم جھوٹی نہیں کھا سکتا۔ **پانچواں اعتراض**۔ تم کہتے ہو کہ اللہ کے ولی کو راضی کر لو تو حضور راضی ہو جاتے ہیں اور حضور راضی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے مگر یہاں اِن صحابہ کرام سے ارشاد ہو رہا ہے جو تمام ولیوں کے سرتاج ہیں کہ اگر تم اِن منافقوں سے راضی ہو جاؤ تو اللہ تعالےٰ راضی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ولی نبی کی رضا سے خدا کی رضا حاصل

نہیں ہوتی رد ہا بی) جواب اللہ کے مقبولوں کو راضی کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو اُن کی خدمت کر کے راضی کرنا دوسرے انہیں دھوکا فریب دے کر راضی کر لینا۔ دوسری قسم کی رضا سے اللہ تعالیٰ اور زیادہ ناراض ہوتا ہے۔ پہلی قسم کی رضا وہ ہے جو اللہ کو راضی کرتی ہے فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ اس کی مثال یہ ہے کہ مخلص مومن حضور انور سے دعاءِ مغفرت کراتے تھے اُن کے لیئے ارشاد ہوا لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۔ منافقین بھی اپنی چالاکیوں سے دعاءِ مغفرت کراتے تھے اُن کے لیئے ارشاد اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَهُمْ اگر آپ ستر بار بھی اُن کے لیئے دعاءِ مغفرت کریں تو بھی ہم نہیں بخشیں گے دعا کرانے اور دعا لینے میں بڑا فرق ہے ایسے ہی راضی کر لینے اور دھوکا دینے میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ مخلص مومن کا گناہ بھی کبھی ذریعہ قرب بن جاتا ہے بدنیت منافق کی عبادت ذکر اللہ بھی رب سے دوری کا ذریعہ ہو جاتی ہے۔ شعر۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی نہ ہو تو مردِ مسلماں ہے کافرِ زندیق۔ (اقبال)

حضور والے کا تصور رضاءِ رب غفور کا ذریعہ ہے بے نور والے دور کی نماز بھی حجاب ہے۔ شعر

ترا امام بے حضور۔ تیری نماز بے سرور ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گذر

منافقین دن رات جھوٹی قسموں میں اللہ کا نام لیتے تھے مگر رب نے انہیں رِجْسٌ یعنی نجس اُلعین فرمایا کہ گندا جسم مسجد کے لائق نہیں گندے دل صحابہ کرام اور حضور کی بارگاہ کے لائق نہیں۔ جو حضور انور کی نگاہ سے پاک نہ ہو سکے وہ کبھی کسی چیز سے پاک نہ ہو گا حضور کی نظر وہ رحمت کا پانی ہے جو دل کو کفر، شرک اور تمام نجاستوں سے پاک کر دیتی ہے بشرطیکہ وہ آرضی ہوں۔ اصل نجاست کیسے پاک ہو پانی گوبر پر پڑے تو اُس کی گندگی اور پھیل جاتی ہے یہاں اُن نجس العین۔ لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اے جماعتِ صحابہ اگر تم اِن مردودوں کی باتوں میں آ کر اِن سے راضی بھی ہو جاؤ تو ہم راضی نہ ہوں گے۔ صوفیا نے فرمایا کہ منافق ہے وہ جو اپنے گناہ کی غلط تاویلیں کر کے انہیں جائز ثابت کرنے کی کوشش کرے اور بدترین منافق ہے وہ جو اپنے غلط عقیدوں غلط عملوں کو قرآن مجید و حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرے گویا اپنی بات بنانے کے لیئے قرآن و حدیث کو بگاڑے یہ بیماری آجکل بے دین علماء میں عموماً پائی جاتی ہے۔ شعر۔

زِ ماں ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے کر سکتے ہیں قرآن کو پاژند
مگر تاویلِ شاں در حیرت انداخت خدا و جبرائیل و مصطفےٰ را !!

منافقت کی طینت خبیث تو اُن کے اعمال بھی خبیث اوصاف بھی خبیث ان کا علم بھی خبیث اُن کی ظاہری عبادات بھی خبیث اس لیئے وہ دنیا میں جدائی کی آگ کے آخرت میں دوزخ کی آگ کے مستحق ہوئے۔ منافقت کی اصل محبتِ دنیا اور الفتِ اہلِ دنیا ہے۔ حکایت۔ حضرت شبلی نے ایک عورت کو دیکھا جو روتی ہے اور کہتی ہے ہائے افسوس میرے بچے کی جدائی آپ نے چیخ ماری بولے ہائے افسوس میرے رب کی جدائی۔ جب تو مخلوق کی جدائی پر گریہ زاری کر سکتی ہے۔

جو آخر جدا ہونے والی ہے تو میں رب کی دوری پر گریہ کیوں نہ کروں۔ شعر۔

فرزند و یار چونکہ بمیرند عانیت اسے دوست دل مبند بجز حیِّ لایموت۔

دیکھو تفسیر روح البیان یہی مقام۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عذرِ احمق بدتر از جرمش بود عذر ناداں زہر ہر دانش بود

عذر گناہ بدتر از گناہ

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

دیہاتی لوگ زیادہ سخت ہیں کفر اور منافقت میں اور زیادہ لائق ہیں اس کے کہ نہ جانیں حدیں

گنوار کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ اللہ نے جو حکم اپنے رسول

مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اس کی جو اوتارا اللہ نے رسول پر اپنے اور اللہ علم حکمت والا ہے

پر اتارے اس سے جاہل رہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ

اور دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو بناتے ہیں اسے جو خرچ کرتے ہیں جرمانہ اور

اور کچھ گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اسے تاوان سمجھیں اور

يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ

انتظار کرتے ہیں تم پر گردشوں کا اور ان ہی پر ہے گردش بری اور اللہ سننے والا

تم پر گردشیں آنے کے انتظار میں ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

جاننے والا ہے

سنتا جانتا ہے

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ میں شہری منافقوں کے

عیوب بیان ہوئے اب دیہاتی منافقوں کا تذکرہ اور ان کے عیوب کا بیان ہے ۔ گویا ایک قسم کے منافقوں کے بعد دوسرے قسم کے منافقوں کا ذکر ہے ۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جن کی اصلاح کی امید تھی ۔ یعنی صحابہ کرام کے ساتھ رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے والے حضور انور کی مجالس میں حاضری دینے والے منافقین کہ ان کے متعلق یہ سوچا جا سکتا تھا کہ ان پاک صحبتوں پاک مجلسوں کی برکت سے مخلص ہو جائیں گے ۔ اب ان منافقوں کا ذکر ہے جن کی اصلاح کی امید بہت کم ہے بلکہ نہیں ہے ۔ کیونکہ انہیں نہ تو حضرات صحابہ کی حاضری میسر ہے نہ حاضری بارگاہِ عالی نصیب یعنی حضور سے دور لوگ ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جو صرف منافق تھے ۔ اب ایسے منافقین کا ذکر ہے جن میں منافقت اور جہالت دونوں جمع ہیں گویا ہلکے منافقوں کے بعد سخت تر منافقوں کا تذکرہ ہو رہا ہے ۔

شان نزول ۔ مدینہ منورہ کے آس پاس کچھ فاصلے پر قبیلہ اسد غطفان ۔ بنی تمیم آباد تھے ان میں کچھ لوگ منافق تھے ۔ جن میں وہ عیوب تھے جو ان آیات میں مذکور ہیں یہ دونوں آیتیں ان کے متعلق نازل ہوئیں (خازن)

تفسیر اَلْاَعْرَابُ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے جس میں اَلْاَعْرَابُ مبتدا ہے اور اشدلام، خبر ۔ پانچ صوبہ کے مجموعۂ ملک کا نام عَرَب ہے حجاز، عراق، یمن، بحرین، نجدان کے علاوہ کو عجم اس ملک میں رہنے والے کو عربی کہتے ہیں اس کی جمع عُرَب ہے یعنی واحد و جمع میں فرق صرف الف کا ہے ۔ اور وہاں کے دیہاتی اور جنگلی علاقہ کو اَعراب کہتے ہیں ۔ وہاں کے باشندوں کو اِعرابی ۔ اس کی جمع اَعراب ہے یہاں بھی واحد اور جمع میں فرق صرف ی ا کا ہے ۔ جیسے یہودی مجوسی واحد ہیں اور یہود مجوس جمع ۔ عربی کی جمع اعارِب بھی آتی ہے مگر کم عرب میں جمع عموماً آتی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حُبُّ الْعَرَبِ مِنَ الْاِیْمَانِ اگر کسی دیہاتی عرب کو کہو یا عربی تو وہ خوش ہو جاتا ہے اگر کسی شہری کو کہو یا اعرابی تو وہ ناراض ہوتا ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت مرد کی فاسق مومن کی اعرابی مہاجر کی امامت نہ کرے (کبیر) خیال رہے حضرت اسماعیل کی اولاد اولاً جس جگہ آباد ہوئی اس کا نام عربہ تھا ۔ اس لئے ان کا نام عرب ہوا ۔ یعنی عربہ زمین کے رہنے والے ۔ بعض نے فرمایا کہ زبانِ عربی تمام زبانوں سے زیادہ مختصر اور جامع ہے ۔ اس زبان میں انسان اپنی دل کی بات خوب ظاہر کر سکتا ہے ۔ اس لئے انہیں عرب کہتے ہیں ۔ یعنی اعلیٰ اور فصیح زبان والے ۔ بعض محققین نے فرمایا کہ روم کی حکمت ان کے دماغ میں ہے ۔ ہند کی حکمت ان کے ہاتھوں میں ہے یونان کی حکمت ان کے دلوں میں عرب کی حکمت ان کی زبان میں کہ یہ زبان نہایت میٹھی ہے ۔ اَلْاَعْرَابُ میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی خاص جماعت کا ذکر نہ ہوا لہٰذا عہدی نہیں ہو سکتا ۔ بعض کی صفات کل کی طرف منسوب فرما دی گئیں جیسے وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (کبیر ۔ معانی) چنانچہ اگلی آیت میں اعراب کے ایمان کی تعریف بھی آ رہی ہے ۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ آیت پڑھے وہ اگلی آیت بھی ضرور پڑھے تاکہ اس کے دل میں اعراب کی حقارت نہ بیٹھے (معانی) اَشَدُّ کُفْرًا وَّ نِفَاقًا ۔ یہ عبارت اَلْاَعْرَابُ کی خبر ہے یعنی عرب کے دیہاتی لوگ بمقابلہ شہریوں کے کفر و نفاق میں سخت ہیں ۔ ان کے کفار شہری کفار سے ان کے منافقین شہری منافقین سے سخت ہیں اس کی چند وجہیں ہیں ۔ ۱ ۔ دیہاتی جنگلی لوگ وحشی جانوروں کی طرح

مہذَّب دنیا سے متنفر ہیں۔ ۲؎ عرب کے جنگلوں کی خشک وگرم ہوا نے ان میں غرور وتکبر پیدا کر دیا ہے ۳؎ انہیں اچھے معلم اچھی سیاست میسر نہیں ہوتی اُن کی پرورش نفسانی ہوتی ہے ۴؎ شہری کفار ومنافقین دن رات حضور انور کے وعظ سنتے صحابہ کرام کی صحبت میں رہتے دیہاتی لوگ اِن سے یکسر محروم اِس وجہ سے اُن میں سختی زیادہ ہے۔ جنگلی خودرو درخت وپھل سے شہری اور پرورش کردہ درخت وپھل اعلیٰ ہوتے ہیں وحشی جانوروں سے شہری خصوصًا پالتو جانور زیادہ مفید ہوتے ہیں تفسیر کبیر وَاَجْدَرُ اَنْ لَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ اِس فرمان عالی میں دیہاتی عرب کا دوسرا عیب بیان ہوا اَجْدَرُ بنا ہے جَدْرٌ سے بمعنی جڑ اور اصل اسی سے ہے جِدار بمعنی دیوار کہ وہ جڑ والی اور مضبوط اصل والی ہوتی ہے۔ محاورہ میں بمعنی لائق آتا ہے جدیر لائق اَجْدَرُ زیادہ لائق وقابل۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ سے مراد اللہ تعالیٰ کے سارے احکام ہیں حدود سے مراد اُن کے مراتب ہیں کہ کون حکم فرض کون واجب کون سنت ومستحب اور کیا چیز حرام ہے اور کیا چیز مکروہ تحریمی یا تنزیہی وغیرہ یعنی وہ دیہاتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہنے کی وجہ سے اِس لائق ہیں کہ شرعی احکام سے جاہل بھی رہیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ اللہ تعالیٰ کامل علم والا ہے ہر شہری دیہاتی کے حال کو اعمال کو خوب جانتا ہے۔ حکمت والا بھی جسے جہاں رکھا جس طرح رکھا جس حال میں رکھا اُس میں ہزارہا حکمتیں ہیں اُس پر اعتراض نہیں وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یَّتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ مَغْرَمًا اس فرمانِ عالی میں دیہاتی منافقوں کا ایک عملی عیب بیان فرمایا گیا جس میں اُن کی بدعقیدگی کو بھی دخل ہے لہٰذا یہ جملہ نیا ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ اَلْاَعْرَاب سے مراد وہی مذکورین منافقین ہیں اُن کی گذشتہ بدعقیدگی تو سارے امیر وغریب منافقین میں موجود تھی اس لیئے وہاں اَلْاَعْرَابُ ارشاد ہوا بغیر مَن کے اور یہ عیب اُن کے مالداروں میں تھا جو کبھی جہادوں وغیرہ میں چندے اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی دیتے رہتے تھے۔ یہاں اِتِّخَاذٌ سے مُراد سمجھنا ہے یعنی دل کا بنانا واقعہ میں تو زکوٰۃ وغیرہ بطورِ عبادت شروع ہوئیں مگر انھوں نے یہ سمجھ لیا لہٰذا یَتَّخِذُ فرمانا بالکل درست ہے مَا یُنْفِقُ عام ہے جس سے ہر وہ مال مراد ہے جسے وہ عبادت کی شکل میں خرچ کرتے تھے۔ مسلمانوں کے خوف سے اور اپنا نفاق چھپانے کے لیئے نہ کہ اللہ رسول سے قرب حاصل کرنے کے لیئے مغرم بنا ہے غُرْمٌ یا غرامت سے ہر وہ مالی نقصان جو بغیر کسی جرم کے ہو جائے۔ خواہ حکومت کی طرف سے ہو یا اور وجہ سے ٹیکس وغیرہ بوجھل قرض کو بھی غرامت کہتے ہیں اور مقروض کو غریم یعنی ان دیہاتی منافقین میں جو مالدار ہیں جنہیں زکوٰۃ جہاد میں چندہ۔ حج وغیرہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے وہ اس خرچ کو بوجھل ٹیکس سمجھتے ہیں جس کے کرنے پہ ثواب نہیں نہ کرنے پر عذاب محض مال کی بربادی ہے (نعوذ باللہ) جو مسلمانوں کے ڈر سے انہیں برداشت کرنا پڑتی ہے وَّیَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ یہ عبارت معطوف ہے یَتَّخِذُ الخ پر چونکہ مسلمانوں کی ہلاکت مالدار منافقین بہت چاہتے تھے تاکہ انہیں خیرات وغیرہ سے نجات ملے۔ اس لیئے یہ انتظار بھی انہیں کی خصوصی صفت تھی ورنہ سارے منافق سارے کفار مسلمانوں کی تباہی خوشی سے چاہتے تھے اور اب بھی چاہتے ہیں۔ تَرَبُّصٌ کے معنی انتظار کرنا دوائر جمع ہے دائرۃ کی بمعنی گھومنے والی چیز اِس سے مراد وہ آفت ہے جو مسلم قوم کو اپنے گھیرے میں لے لے یا بار بار گھوم کر آ دے یعنی یہ مالدار منافقین تم پر زمانے کی آفات وگردشوں کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں اُن کا

خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے پر نہ مسلمان رہیں گے نہ اسلام نہ ہم پر زکوٰۃ و جہاد وغیرہ ہم اس خرچ کی مصیبت سے بچ جائیں گے۔ عَلَیْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ قوی یہ ہے کہ یہ بددعا نہیں بلکہ ایک اہم غیبی خبر ہے عربی میں سُوْءٌ سین کے پیش سے صفت مشبہ ہے اور سَوْءٌ سین کے فتح سے مصدر ہے سَاءَ یَسُوْءُ کا یعنی سُرُوْرٌ کا مقابل دائرہ موصوف ہے اور سوء اس کی صفت یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اور اس کو سُوْ فرمانا مبالغہ کے لئے ہے جیسے زیدٌ عدل (روح البیان وروح المعانی) یعنی اے مسلمانوں مطلع رہو کہ ان بدخواہ منافقین پر ہی بری گردش ہے یا ہو گی کہ ان کا نفاق سب پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ جس سے یہ بدنام ہوں گے۔ محبوب کا چاند ہمیشہ منوّر رہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اللہ تعالیٰ سننے والا بھی ہے جاننے والا بھی وہ ان منافقوں کی خفیہ سازشیں خصوصی مجلسوں کی خاص باتیں مشورے اسلام کے خلاف خوب سنتا ہے اور ان کے برے ارادے خوب جانتا ہے ان کو اس کی سخت سزا دے گا۔ حاکم قدیر بھی ہے علیم و سمیع بھی۔

خلاصۂ تفسیر اے مسلمانو! اب تک تم نے شہری منافقوں کا حال سنا۔ مدینہ منورہ کے آس پاس کے دیہاتی منافقین بمقابلہ شہری منافقوں کے کفر میں بھی سخت ہیں منافقت میں بھی بڑھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے سخت جاہل ہیں۔ کیونکہ انہیں نہ تو تمہاری صحبت میسر ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی یا آپ کے وعظ و نصیحت کا سننا۔ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی اس نے جسے جہاں رکھا ہے درست رکھا ہے یہ تو عام دیہاتی منافقوں کا حال ہے رہے ان کے مالدار ان میں دو عیب اور زیادہ ہیں ۱۔ انہیں جو زکوٰۃ جہاد وغیرہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے وہ خرچ تو کرتے ہیں۔ مگر تاوان یا ٹیکس سمجھ کر جس کے ثواب کی انہیں کوئی امید نہیں صرف اپنا نفاق چھپانے کے لئے خرچ کرتے ہیں ۲۔ تم مسلمانوں کے متعلق انہیں بے چینی سے انتظار ہے کہ تم پر ہلاک کرنے والی گردش آجاوے۔ کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو اور خاکش بدہن اسلام ختم ہو جاوے مسلمان مٹ جاویں اور وہ زکوٰۃ وغیرہ خرچے چھوٹ جاویں مگر خیال رکھو کہ ہلاکت کی گردش انہیں پر آوے گی۔ میرے محبوب کا سورج ہمیشہ چمکے گا انہیں کوئی اچھائی سے یاد بھی نہ کرے گا۔ تا قیامت ان پر پھٹکار ہی رہے گی۔ شعر۔

نماند ستمگارِ بد روزگار بماند بر و لعنتِ پائیدار

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** عموماً علم و حکمت بمقابلہ گاؤں کے شہر میں زیادہ ہوتے ہیں اور جہالت و بے علمی گاؤں میں زیادہ۔ اہل عرب کہتے ہیں اَلْعِلْمُ فِی الْاَمْصَارِ وَالْجَهْلُ فِی الْقُرٰی۔ علم شہروں میں ہوتا ہے جہالت گاؤں میں۔ کیونکہ عموماً وہاں علماء کی صحبت میسر نہیں ہوتی۔ شعر۔

دہ مردہ مرد را احمق کند عقل را بے نور و بے رونق کند

یہ فائدہ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ ... وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ سے حاصل ہوا مگر یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں اس لئے فقہا کی اصطلاح میں بے علم جاہل کو اعرابی کہتے ہیں وہ جو فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ اعرابی کو امام نہ بناؤ وہاں اعرابی سے یہی مراد ہے (روح البیان)

دوسرا فائدہ بمقابلہ شہری کفار کے دیہاتی کفار سخت تر ہوتے ہیں کہ ان کے پاس نہ اسلامیت ہوتی ہے نہ انسانیت شہری

کفار کے پاس اسلامیت تو نہیں مگر اچھی صحبتوں کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تہذیب و انسانیت ہوتی ہے یہ فائدہ اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ کُفۡرًا الخ سے حاصل ہوا۔ مگر یہ حکم بھی عمومی ہے قاعدہ کلیہ نہیں۔ **تیسرا فائدہ** جو علم رب تعالیٰ کی بارگاہ میں علم کہلانے کا مستحق ہے وہ شریعت کا علم ہے باقی علوم اگر شرعی علوم کے خدام ہوں تو ٹھیک ہیں۔ ورنہ ان میں عمر صرف کرنا وقت ضائع کرنا ہے اور اگر شرعی علوم کے خلاف ہوں تو نری گمراہی ہیں۔ شعر۔

علم دیں فقہ است و تفسیر و حدیث — ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

چوتھا فائدہ بے سوچے سمجھے قرآن و حدیث کے ترجمے علم دین نہیں بلکہ کبھی انسان اس سے گمراہ ہو جاتا ہے قرآن و حدیث کیلئے فقہ ضروری ہے اسی کو قرآن مجید میں حکمت فرمایا گیا وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا اگر صرف ترجمہ سے ایمان مل جاتا تو ابوجہل و ابولہب مومن ہو جاتے کہ ترجمہ قرآن و حدیث تو ان کو بھی آتا تھا۔ یہ فائدہ بھی اَنۡ لَّا یَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سے حاصل ہوا۔ آجکل ہر بے دین ترجمہ قرآن پر بہت زور دے رہا ہے اور ترجمے عموماً بے دینوں کے ہیں۔ ان ترجموں سے لوگ قادیانی۔ وہابی۔ دیوبندی بن گئے رب فرماتا ہے وَالَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِّرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ لَمۡ یَخِرُّوۡا عَلَیۡہَا صُمًّا وَّعُمۡیَانًا مومن وہ ہیں جو رب کی آیتوں پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں رب تعالیٰ قرآن و حدیث کا تفقہ یعنی سمجھ عطا فرمائے

پانچواں فائدہ سارا قرآن رب تعالیٰ کا کلام اور رب کے سارے احکام برحق ہیں مگر ان احکام کی حدود مختلف ہیں قرآن مجید میں امر ستر معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ بھی امر ہے اور وَمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ بھی امر ہے مگر مقاصد میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ کرو۔ یا فائدہ بھی حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ سے حاصل ہوا۔ صوم و صلوٰۃ۔ زکوٰۃ کے الفاظ قرآن مجید میں ہیں ان کی تفصیل یا شرح حدیث شریف میں اور اس کی شرح کی حدود علم فقہ میں کہ نماز میں کون کام فرض ہیں کون واجب کون مستحب کون مکروہ تنزیہی کون مکروہ تحریمی اور کس واجب کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے کس سے نہیں یہ بھی حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ میں داخل ہیں۔ **چھٹا فائدہ** اللہ کی راہ میں خرچ کو عبادت سمجھے اور خوش دلی سے کرے اسے ٹیکس یا جرمانہ یا تاوان نہ جانے ورنہ قبول کی امید نہیں۔ نیز یہ طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ یَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا سے حاصل ہوا۔ جب خیرات کرو تو ہاتھ دینے میں مصروف ہوں دل اس توفیق کے شکریہ میں آنکھ رونے میں کہ خدایا اسے قبول کر۔

ساتواں فائدہ مسلمانوں کا برا چاہنا ان پر گردش زمانہ کا انتظار کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ و دعا گو رہو یہ فائدہ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** اللہ کے پیاروں کا بد خواہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے جس کا اب بھی تجربہ ہو رہا ہے یہ فائدہ عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ سے حاصل ہوا۔ شعر۔

چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ دار الشو — کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود حاصل

اگر چاہتے ہو کہ تمہارا چراغ روشن رہے تو ان کے دروازوں پر جاؤ جن کی راتیں روشن رہتی ہیں۔ خوش نصیبی خوش نصیبوں کے آستانوں سے ملتی ہے۔ **نواں فائدہ** اللہ تعالےٰ اپنے پیارے بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے یہ فائدہ بھی عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ سے

حاصل ہوا کہ منافقین نے بدخواہی کی رب نے انہیں جواب دیا۔ دیکھو ایک دفعہ ابولہب نے حضور انور سے کہا تھا تَبًّا لَّكَ رب نے خود جواب دیا تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ ۔

پہلا اعتراض تم نے کہا کہ دیہات میں جہالت سختی دل وغیرہ ہوتی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام دیہات میں ہی رہتے تھے۔ کیا وہ بھی ایسے تھے وَجَآءَ بِكُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ ۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ دیہات کے باشندے تھے۔

جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں اکثریہ ہے یعنی اکثر دیہاتی لوگ بے علم سخت دل ہوتے ہیں کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ شہری جاہل سخت دل ہوتے ہیں اور دیہاتی عالم فاضل۔ دیہات میں جہالت کی وجہ یہ ہی ہے کہ وہاں نبوت کا فیض بمقابلہ شہر کم پہنچتا ہے۔ جب پیغمبر ہی وہاں جلوہ گر ہوں تو وہ گاؤں شہر سے بڑھ جاتا ہے **دوسرا اعتراض** اگر دیہات میں جہالت۔ غفلت سختی دل زیادہ ہوتی ہے تو عرب کے شہری لوگ عموماً اپنے بچوں کی پرورش گاؤں میں کیوں کراتے تھے حتی کہ حضور انور کی ابتدائی پرورش بی بی حلیمہ کے گاؤں میں ہوئی۔ اس میں کیا حکمت تھی۔ **جواب** ہر جگہ گاؤں کی آب و ہوا شہر سے اچھی ہوتی ہے۔ صحت کے لیے مفید ہے اور عرب کے گاؤں کی زبان بمقابلہ شہروں کے اچھی تھی۔ کہ وہ خالص عربی بولتے تھے شہری لوگ مخلوط عربی بولتے تھے وہاں اب بھی یہ ہی حال ہے۔ بچوں کے لیئے صحت زبان کی سادگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیئے وہاں عموماً بچوں کی پرورش گاؤں میں کرائی جاتی تھی۔ پرورش کے زمانہ کے حالات اور ہوتے ہیں تعلیم و تربیت کے زمانہ کے حالات دوسرے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ حدود کیوں فرمایا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فرمانا ہی کافی تھا۔

جواب دیہاتی منافقوں کے پاس اَنۡزَلَ اللّٰهُ یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف تو پہنچی تھیں۔ مگر احکام شرعیہ کی حدیں نہ پہنچتی تھیں کہ یہ چیزیں علماء کی صحبت سے معلوم ہوتی ہیں۔ احکام کے حدود کی تفصیل ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ مثلاً انہیں یہ تو خبر تھی کہ نمازیں پانچ ہیں مگر یہ خبر نہ ہوتی تھی کہ نمازوں میں فرائض۔ واجبات سنتیں مستحبات۔ مکروہات۔ کون کون سے ہیں یہ صرف ایک مثال ہے۔

چوتھا اعتراض یہاں ارشاد ہوا کہ بعض دیہاتی صدقہ و خیرات کو ایک ٹیکس سمجھتے ہیں یہ عیب تو بعض شہری لوگوں میں بھی ہے۔ پھر خصوصیت سے دیہاتیوں کا ذکر کیوں ہوا۔ **جواب** یا تو اس لیئے کہ دیہات میں ایسے ناسمجھ لوگ زیادہ ہوتے ہیں شہر میں کم یا اس لیئے کہ خیرات کو ٹیکس سمجھنا اور مومنوں کی ہلاکت کا انتظار کرنا۔ ان دونوں کا مجموعہ دیہاتی منافقوں میں تھا۔ شہری منافقین مسلمانوں کے حالات اسلام کا فروغ آنکھوں سے دیکھتے رہتے تھے۔ اس لیئے وہ ان کے روشن مستقبل سے واقف تھے۔ ان کی ہلاکت سے مایوس لہٰذا ان دونوں کے مجموعہ کے اعتبار سے دیہاتیوں کا ذکر فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ جہاں نبوت کا نور نہ پہنچے وہ جگہ گاؤں ہے اگرچہ آبادی کے لحاظ سے شہر ہو اور وہاں کے باشندے دیہاتی ہیں۔ اور جہاں نبوت کا فیضان پہنچے وہ جگہ شہر ہے اگرچہ آبادی کے اعتبار سے گاؤں ہو۔ اور وہاں کے باشندے اعرابی یعنی دیہاتی نہیں بلکہ عربی یعنی شہری ہیں۔ بلکہ جہاں محبوب رہے وہ جگہ شہر ہے اگرچہ بظاہر جنگل ہو۔ اور جہاں محبوب نہ ہو وہ جگہ گاؤں ہے اگرچہ بظاہر شہر ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر۔

گفت معشوقے بہ عاشق اے فتا　　تو بہ غربت دیدۂ بس شہر ہا!
پس کدامی شہر زانہا خوشتر است　　گفت آں شہرے کہ در وے دلبر است

محبوب نے عاشق سے پوچھا کہ تونے بہت شہر دیکھے بتا کونسا شہر بہت اچھا ہے وہ بولا جہاں محبوب ہے وہ اچھا شہر ہے اگرچہ جنگل ہو اقبال کہتے ہیں سہ

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر است　　اے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

مدینہ منورہ کی خاک دونوں جہان سے پیاری ہے۔ مبارک ہے وہ شہر جہاں اپنا دلبر جانی ہے۔ رب فرماتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس دل میں عشقِ رسول نورِ محبوب ہو وہ بسا ہوا شہر ہے۔ جس دل میں حضور کا عشق و شوق نہ ہو وہ اجڑا ہوا گاؤں ہے۔ وہاں کفر و نفاق بے علمی سب کچھ ہے ایسے دل والے اگر نیک کار کریں تب بھی وہ کام عبادت نہ بنیں گے۔ صرف عادت رہیں گے۔ جن کا کوئی اجر و ثواب نہیں ان کے لیئے زکوٰۃ صدقات بوجھ تاوان ہیں۔ ان آیات میں ایسے ہی خشک بے نور سے بے پیرے لوگوں کا ذکر ہے ایسے اجڑے ہوئے دیاروں کو چھوڑ دیار والی بستی میں آؤ۔ سہ

ترا امام بے حضور تیری نماز بے سرور　　ایسے امام سے گذر ایسی نماز سے گذر

مثنوی شریف میں یہ ہی فرمایا گیا۔

قولِ پیغمبر شنو اے مجتبیٰ　　کورِ عقل آمد وطن در روستا

اگر دل میں نفس کی تاریکی سرایت کر جاوے تو دل گاؤں ہے اور اگر نفس میں دل کی روشنی آجاوے تو نفس شہر ہے۔ دل والے عود یا اگر بتی کی طرح جل کر فنا ہو کر بھی خوشبو دیتے ہیں۔

گو زہار اصل عود چو بیست　　بہبیں دود ش چہ مستی و خوب است

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
اور دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور دن آخر پر اور
اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور
يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ
بناتے ہیں اسے جو خرچ کرتے ہیں نزدیکیاں پاس خدا تعالیٰ کے اور پیغمبر کی دعائیں
جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا

أَلَآ إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ

خبردار تحقیق وہ ان کے لیئے نزدیکی ہے عنقریب داخل کرے گا ان کو اللہ رحمت میں اپنی

ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہاں ان کے لیئے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٩﴾

تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ع ۱۲ ۱

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کا ذکر ہوا کہ وہ شہری منافقوں سے بدتر ہیں اب دیہاتی مخلص مومنوں کا تذکرہ ہے کہ وہ بڑے کامل الایمان ہیں گویا دیہاتی منافقوں کی بے ایمانی کے بعد دیہاتی مومنوں کی ایمانداری کا شاندار بیان ہو رہا ہے ظلمت کے بعد نور کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کی نیکیاں برباد ہونے کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے صدقات کو مغرم یعنی ٹیکس سمجھتے ہیں اب دیہاتی مومنوں کی نیکیاں قبول ہونے ان کی محنت ٹھکانے لگنے کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنے صدقات کو مغنم یعنی غنیمت اور نافع کام سمجھتے ہیں۔ گویا مغرم والوں کے بعد مغنم والوں کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کے حضور انور سے دوری کا ذکر ہوا اور اب دیہاتی مومنوں کی بارگاہ عالی میں حضوری کا تذکرہ ہے کہ وہ اگرچہ حضور انور سے دُور رہتے ہیں مگر حضوری میں ہیں۔ کہ اُن کی دعائیں لیتے ہیں۔ صدقات و خیرات بھی کرتے ہیں تو اس نیت سے کہ خدا سے قرب کے ساتھ حضور کی دعائیں بھی ملیں گویا دور والوں کے بعد حضور والوں کا بے نور والوں کے بعد باشعور حضرات کا تذکرہ ہے۔

شان نزول مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ مزینہ کے ایک خاندان بنی مقرن کے متعلق ان کے فضائل میں نازل ہوئی امام کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت قبیلہ اسلم۔ غفار جہنیہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیت عبداللہ ذی بجادین ابن نہم قرنی کے متعلق نازل ہوئی۔ (خازن۔ روح المعانی وغیرہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم کو خدا سلامت رکھے غفار کی اللہ مغفرت کرے۔ (مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ میں ہی نہیں کہہ رہا ہوں رب تعالےٰ کا فرمان ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قریش انصار۔ جہینہ۔ مُزَینہ اسلم۔ اَشجع۔ غفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں ان کا اللہ رسول کے سوا کوئی دوست نہیں (تفسیر خازن) بہر حال یہ آیت دیہات کے قبیلوں کے متعلق نازل ہوئی۔

تفسیر وَمِنَ الْاَعْرَابِ اس فرمان عالی کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں کی جا چکی ہے کہ اس میں مِن بعضیت کا ہے اعراب عرب کے دیہاتیوں کو کہا جاتا ہے۔ یعنی بعض دیہاتی تو وہ ہیں جن کی بد باطنی تم سن چکے اور بعض دیہاتی انکے

مقابل وہ بھی ہیں مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اس طرح کہ ان دونوں کو اور ان کے درمیان تمام ایمانی باتوں کو بذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مانتے ہیں کہ حضور کو مان کر پھر آپ کے فرمان سے انہیں مانتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت یہ ہی ہے فقیر کی یہ تفسیر خیال میں رہے کہ آمن کی بجائے یومن فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایمان پر قائم ہیں ایمان لانا کمال نہیں بلکہ ایمان پر قائم رہنا کمال ہے۔ اس فرمانِ عالی میں رب تعالیٰ نے ان کے ایمان اور بقاء ایمان کی خبر دی۔ انکے عقائد کا تو یہ حال ہے ان کے نیک اعمال کا یہ حال ہے کہ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے یومن باللہ (الخ) پر اِتِّخَاذُ کے معنی ہیں سمجھنا جاننا یعنی دل کا بنانا۔ اس نیت سے یہ کام کرنا مَا یُنْفِقُ سے مراد سارے چھوٹے بڑے صدقات ہیں خواہ فرض صدقے ہوں جیسے زکوٰۃ یا واجب صدقے جیسے فطرہ و قربانی یا نفل صدقات جیسے مجاہدین پر حجاج پر مساجد پر خرچ کرنا اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے خرچے مراد ہوں۔ خواہ عبادت میں خرچ ہو یا عادت میں حتیٰ کہ اپنا اور اپنے بچوں کا کھانا پہننا بھی پہلی صورت میں صرف مالدار مراد ہوں گے اور اس صورت میں امیر فقیر سب۔ قُرُبٰتٍ دوسرا مفعول ہے یَتَّخِذُ کا یہ جمع ہے قُرْبَۃٌ کی اس سے مراد ہے ذریعہ قربِ الٰہی اور قرب سے مراد جگہ کا قرب ہونا نہیں بلکہ قبولیت کا قرب مراد ہے ہر صدقہ یا ہر خرچہ ایک قسم کے قرب کا ذریعہ ہے اس لیئے قربات جمع ارشاد ہوا۔ عند اللہ یا تو قربات کی صفت ہے یا یتخذ کا ظرف اور ہو سکتا ہے کہ قربات کا ظرف ہو کر قربات بمعنی مقربات ہو (روح المعانی) یعنی اپنے صدقات کو قرب الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں کہ خالص اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں خوشی اور محبت و اخلاص سے۔ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ یہ معطوف ہے قربات پر صلوات جمع ہے صلوٰۃ کی بمعنی دعا اس دعا سے مراد یا تو وہ دعا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر صدقہ لانے والے کو دعا دیتے تھے جیسے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی یا اللہ ابی اوفی کی اولاد پر رحمت کر۔ یا اس سے حضور انور کی وہ دعا ہے جو خوش ہو کر دیتے تھے اور دیتے ہیں۔ پہلی صورت میں یہ خبر اس زمانہ سے خاص ہے۔ دوسری صورت میں تا قیامت یہ دعا میسر ہے کہ حضور انور ہر امتی کی نیکی ملاحظہ فرما کر خوش ہوتے۔ اور اس امتی کو دعائیں دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کی قربت کے بعد رسول کی صلوٰۃ کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ اللہ کا قرب حضور کی دعا سے حاصل ہوتا ہے کیوں نہ ہو کہ حضور ہر نعمت و رحمت کا وسیلہ عظمیٰ ہیں اللہ کے فضل و کرم کا دروازہ ہیں۔ نعمت دروازہ سے ہی ملتی ہے اس لیے فقیر دروازہ پر کھڑے ہو کر صدا دیتا ہے (تفسیر صاوی) چونکہ ہر صدقہ پر حضور الگ دعا دیتے ہیں یا ایک ایک نیکی پر بہت دعائیں دیتے ہیں۔ اس لیے صلوات جمع ارشاد ہوا۔

اَلَآ اِنَّھَا قُرْبَۃٌ لَّھُمْ۔ اس فرمانِ عالی میں قبولیت کی بشارت ہے کہ جس صدقہ میں اللہ کے قرب حضور کی دعا کی نیت کی جاوے وہ قربۃ ہی ہوتا ہے اِنَّھَا میں ھَا کا مرجع یا تو مَا یُنْفِقُ ہے کہ مَا اگرچہ مذکر ہے مگر اس سے مراد صدقات ہیں اور صدقہ مونث اور یا اس کا مرجع صلوات الرسول ہے (تفسیر خازن) یعنی آگاہ رہو کہ حضور کی دعائیں ان لوگوں کے لیئے ذریعۂ قرب الٰہی ہے کہ ان کی دعا سے قربِ الٰہی بھی حاصل ہوتا ہے عمل قبول بھی ہوتے ہیں دلوں کو چین بھی ملتا ہے اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّھُمْ اور دلی پاکیزگی بھی میسر ہوتی ہے تُطَھِّرُھُمْ وَتُزَكِّیْھِمْ بِھَا وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں سَیُدْخِلُھُمُ اللّٰہُ فِیْ رَحْمَتِهٖ پچھلے فرمان میں تو رب

تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کی درستی کی گواہی دی تھی اب اس کے سوا ایک انعام کا ذکر ہے اس میں سین تاکید کے لیے ہے کیونکہ اثبات میں سین ایسا ہی ہے جیسے نفی میں لن۔ رحمت سے مراد یا تو جنت ہے جو آخرت میں عطا ہوگی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم ہے وَمَا اَرسلناکَ الا رحمۃً للعالمین۔ یعنی رب تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی رحمت خاص میں داخل فرمائے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌ رَّحِیۡمٌ۔ اس فرمانِ عالی میں ان حضرات سے دو اور وعدے ہیں یعنی ان کے تمام خطاؤں کی معافی اور رحم و کرم کی عطا۔

خلاصہ تفسیر دیہات کے بعض باشندے وہ بھی ہیں جو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور قیامت پر بھی اس طرح کہ ان دونوں کو آپ کے ذریعہ سے مانتے ہیں عقیدے کا تو اُن کا یہ حال ہے ان کے اعمال خصوصاً صدقات و خیرات کا یہ حال ہے کہ جو کچھ وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُسے وہ دو چیزوں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے قرب کہ یہ خرچ خوشنودی خدا تعالیٰ کا ذریعہ بنے دوسرے حضور انور کی دعائیں لینا کہ وہ سرکار اس سے خوش ہوں۔ اور دعائیں دے دیں۔ ان کی دعا سے بیڑا پار ہو جاوے ان کی یہ نیت بالکل درست ہے۔ بیشک اُن کے صدقات یا اُن کے لیے محبوب کی دعائیں واقعی ان کے لیے قرب الٰہی کا باعث ہیں جن کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ہی قرب پا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل فرمائے گا۔ یا دنیا میں اپنی رحمت یعنی رحمۃ للعالمین کے دامن کرم میں داخل کرے گا۔ اس کے سوا ان کے سارے گناہ خطائیں معاف فرما دیگا کیونکہ وہ غفور ہے اور انہیں اپنی رحمت سے اور بہت نعمتیں دے گا۔ کیونکہ وہ رحیم ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ اور قیامت کو جاننا یا ماننا کچھ اور ہے مگر ان پر ایمان لانا کچھ اور ان پر ایمان یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انہیں مانا جائے یہ فائدہ یومن باللّٰہِ والیوم الآخر سے حاصل ہوا کیونکہ منافقین بلکہ اہل کتاب کفار بلکہ بہت سے دوسرے کفار رب کو بھی مانتے ہیں اور قیامت کو مگر قرآن نے انہیں مومن نہ کہا صرف ان حضرات کو مومن کہا جن کا یہاں ذکر ہے یعنی رسول کو ماننے والے۔ **دوسرا فائدہ** ایمانیات کی ابتدا ذات الٰہی سے ہے اور انتہا قیامت پر باقی سارے ایمانیات ان میں آجاتے ہیں یہ فائدہ بھی یومنُ باللّٰہِ وَالیَومِ الآخِر سے حاصل ہوا کہ فرشتوں۔ جنت۔ دوزخ کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ سب اس میں آگئے۔ **تیسرا فائدہ** نیک اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے ساتھ حضور انور کی خوشنودی کی نیت کرنا شرک نہیں بلکہ قبولیت کا ذریعہ ہے یہ فائدہ قربات عند اللہ کے ساتھ وصلوات الرسول فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ساری عبادات میں یہ نیت کرنا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور حضور انور خوش ہو کر دعائیں دیں بہت ہی اچھا ہے حضور کی رضا رب تعالیٰ کی رضا ہے رب فرماتا ہے واللّٰہ ورسولہ احق ان یرضوہ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ کا قرب صرف حضور انور کی دعا ان کی نظر کرم سے حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ انھا قربۃ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جو تفسیر خازن نے کی یعنی انہیں سے مراد صلوات الرسول ہے۔ یہاں تفسیر خازن نے چند باتیں فرمائیں ۱۔ ہر عمل میں حضور انور کی رضا کا لحاظ چاہیے۔ کیونکہ اللہ کی ہر نعمت ہم تک حضور کے واسطے سے پہنچی ۲۔ جب رب تعالیٰ نے ہم کو اپنا بندہ بنا یا تو حضور کے واسطے سے ہم پر کرم کیا حضور کے واسطہ سے تو ہم حضور سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں فرمایا

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۳ جو حضور انور کے واسطے کے بغیر رب سے ملنا چاہے اس کی ساری کوششیں برباد ہیں۔ ۴ حضور انور اللہ کا وسیع دروازہ ہیں جو وہاں سے آئے اسی دروازہ سے آئے جو رب تک پہنچے اسی دروازے سے پہنچے۔ شعر۔

وانت باب اللّٰه اىّ امرءٍ اتاہ من غيرك لا يدخل

۵ حضور انور تک پہنچنا رب تک پہنچنا ہے۔ کیونکہ دربار رسول اور دربار خدا ایک ہی ہیں جو ان دونوں درباروں میں فرق کرے وہ معرفت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ (تفسیر صاوی) **پانچواں فائدہ** صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کو دعا دے یہ سنت ہے یہ فائدہ وصلوات الرسول سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** صدقہ دیتے یا لیتے وقت دعا کرنا سنت ہے قرآن مجید سے ثابت ہے۔ حضور کی خدمت میں جب کوئی صدقہ لاتا تو حضور فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ صلِّ على فلانٍ۔ لہٰذا فاتحہ نیاز ختم شریف وغیرہ بالکل جائز ہے کہ اس میں صدقہ کرتے وقت دعا کی جاتی ہے کہ خدا اس کا ثواب فلاں کو عطا فرما یہ بھی صدقہ کے وقت کی دعا ہے۔ حضور انور اپنی امت کی طرف سے قربانی کر کے فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ هذا من امة محمد فتقبل۔ الٰہی یہ میری امت کی طرف سے اسے قبول فرما۔ یہ ہی ختم فاتحہ میں کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ کوئی مسجد عشار میں دو نفل پڑھ کر کہہ دے کہ اَللّٰهُمَّ هذه لابى هريرة۔ الٰہی یہ ابو ہریرہ کی طرف سے ہے اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ یہ فقیر ہمیشہ رات کے نوافل کی نیت میں یہ الفاظ کہہ لیتا ہے لسیدنا ونبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم **ساتواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو دعا دیتے ہیں اس کی دعا کی نوعیت اور ہے کہ اس سے ان کے اعمال قبول اور ان کے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے ادھر امت بھی ہر دم حضور انور کو دعائیں دیتی ہے مگر یہ دعا ایسی ہے جیسے بھکاری بھیک مانگنے کے لیے در بھیک پاکر داتا کو دعائیں دیتے ہیں۔ شعر۔

قلب کی صورت غنچہ بستہ اس کو کرم سے کر دو شگفتہ دے گا دعائیں حافظ خستہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء کرام یا فرشتوں کو دعا علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ السلام کے الفاظ سے دیں گے اور عام مسلمانوں کو مرحوم۔ مغفور۔ غفر لہ کے الفاظ سے دیں گے مقبول امتیوں کو رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے دعائیں دیں۔ نبی اور فرشتوں کے سوا کسی اور کو علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا علی علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام نہیں کہنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت جبریل یا حضرت موسےٰ کو رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ یا مرحوم مغفور نہیں کہہ سکتے۔ اس کی تفصیل روح المعانی میں اسی مقام پر دیکھو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزوجل نہیں کہہ سکتے کہ یہ رب تعالیٰ کے لیے ہیں اگرچہ حضور انور اللہ کے کرم سے عزت والے بھی ہیں اور جلیل بھی۔ (روح المعانی) اس مسئلہ کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما علیہ کی ضمیر نبی کی طرف ہے جس سے اشارۃً معلوم ہوا صلوٰۃ وسلام نبی کے لیے ہے دوسرے انسان کے لیے نہیں۔ بعض لوگ علی علیہ السلام حسین علیہ السلام

کہتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ یہ ہی روافض کی علامت ہے (از روح المعانی) یہ مسائل اچھی طرح یاد رکھنا چاہیں۔

پہلا اعتراض یہاں مَنْ یُّؤْمِنُ کیوں فرمایا گیا مَنْ آمَنَ کیوں نہ فرمایا۔ **جواب** مقصود یہ ہے کہ وہ ایمان لا چکے اور ایمان پہ قائم ہیں آمَنَ فرمانے سے ایمان پر رہنا معلوم نہ ہوتا ایمان لانا کمال نہیں بلکہ ایمان پر رہنا کمال ہے شیطان پہلے ایمان لایا مگر اس پر قائم نہیں رہا۔ **دوسرا اعتراض**۔ اکثر منافقین یہودی تھے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کو بذریعہ نبی موسیٰ علیہ السلام مانتے تھے پھر وہ کافر کیوں رہے اور حضور کا کلمہ پڑھنے والے مومن کیوں ہوئے۔ اُن کے بارے میں فرمایا گیا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ **جواب** ان نبیوں کی نبوتیں ختم ہو چکیں اب ان کے واسطہ سے رب تعالیٰ اور تمام ایمانیات کو ماننا ایمان نہیں۔ اب صرف حضور انور کے ذریعہ یہ چیزیں ماننا ایمان ہے جس سکّہ کا چلن بند ہو جائے اُس سے سودا نہیں ملتا جو راستہ آگے سے بند کر دیا جائے اس کے ذریعہ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس آیت میں قُرُبٰتٍ اور صَلَوٰتِ کو جمع کیوں فرمایا گیا۔ قربۃ اور صلوٰۃ واحد فرمانا بھی کافی تھا۔ **جواب**۔ اس لئے کہ وہ دیہاتی حضرات اپنے ہر صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی بہت قربتیں اور حضور کی بہت دعاؤں کی آرزو کرتے تھے اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ ہم بھکاریوں کو دیکھ کر نہیں دیتے بلکہ اپنی شان اپنا کرم دیکھ کر بھیک دیتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض**۔ پھر رب نے یہ کیوں فرمایا اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ یہاں بھی قُرُبٰتٌ جمع فرمانا چاہیئے تھا۔ کیا رب نے اُن کی آرزو پوری نہیں کی **جواب** یہاں قربۃ اسم جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ سب داخل ہیں اور ۃ کی تنوین عظمت کی۔ یعنی اُن کی آرزو سے زیادہ کی عطا ہے **پانچواں اعتراض** تم نے کہا کہ نبی اور فرشتوں کے سوا کسی کو علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے مگر ہم درود ابراہیمی میں پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الخ آلِ رسول بھی تو نبی نہیں پھر اُن پر صلوٰۃ کیوں بھیجی جاتی ہے۔ **جواب** غیر نبی پر مُسْتَقِلًّا درود یا انہیں علیہ السلام کہنا ممنوع ہے نبی کے تابع کر کے کہنا جائز ہے (دیکھو روح المعانی اور عام کتب فقہ جب اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کہہ لیا تو آگے وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِهٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِهٖ وَعُلَمَاءِ مِلَّتِهٖ وَعَلٰی سَیِّدِنَا غَوْثِ الْاَعْظَمِ وغیرہ کہنا جائز ہو گیا۔ مگر اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وغیرہ یا امام حسین یا علی یا عمر علیہ السلام کہنا ممنوع۔ **چھٹا اعتراض** ابھی تم نے حدیث نقل کی کہ حضور انور صدقہ لانے والوں کو ان الفاظ سے دعا دیتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ فُلَانٍ وہاں صَلِّ ہے اور نبی کا ذکر نہیں غیر نبی پر مستقلاً درود ہے پھر ہمارے واسطے ناجائز کیوں۔ **جواب** اَللّٰهُمَّ صَلِّ یا صَلَّی اللّٰہُ یا عَلَیْهِ السَّلَامُ حضور انور کا اپنا حق ہے اگر حضور اپنا حق کسی کو دے دیں تو آپ سرکار مختار ہیں مگر ہم کو یہ حق دوسرے کو دینا منع ہے بہت سے الفاظ حضور انور فرما سکتے ہیں ہم نہیں کہہ سکتے۔ حضور انور نے اپنی بعض ازواج پاک کو فرمایا۔ عقری حلقی۔ مُنْڈی بانجھ۔ اگر ان بی بیوں کے متعلق ہم کہیں تو ایمان سے ہی باہر ہو جاویں غرضکہ حضور انور کے احکام اور ہیں۔ اور ہمارے احکام جداگانہ یعنی کچھ اور

لطیفہ بعض شیعہ نواز سُنی عموماً کہتے ہیں علی علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام مگر کبھی حضرت عمر علیہ السلام یا عثمان علیہ السلام نہیں کہتے یا صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی اِمَامِ حُسَیْن یا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اِمَامِ حُسَیْن نہیں کہتے اس فرق کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی انشاء اللہ اس کی

کچھ بحث هُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ کی تفسیر میں کی جاوے گی۔ **ساتواں اعتراض** یہ دیہاتی مخلص مومنین اپنے گاؤں میں خفیہ یا ظاہر کم یا زیادہ خیراتیں کرتے تھے اس پر حضور انور کی دعائیں انہیں کیسے ملتی تھیں نبی کریم تو اُن سے دور مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے **جواب** اس زمانے میں ظاہری مال یعنی زمین و جانوروں کی زکوٰۃ نبی کریم کا مقرر کردہ عامل وصول کرکے بارگاہِ عالیہ میں پیش کرتا تھا اس کے علاوہ دوسرے صدقات بھی مسلمان اپنی خوشی سے حضور انور کی بارگاہ میں لاتے تھے اور دعائیں پاتے تھے نیز حضور انور پر کسی مومن کا حال چھپا ہوا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تا قیامت ہر جگہ کے سارے مسلمان حضور انور کے اعرابی دیہاتی ہیں۔ شعر۔

فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی — لافِ مہرش چہ زنم من حبشی او قرشی

ہر مومن اپنے ہر عمل نیک میں دو نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہونے اور حضور انور کا خوش ہو کر دعائیں دے دینے کی بلکہ ہمارے اعمال حضور کی دعاؤں کا ذریعہ ہیں اور حضور کی دعائیں اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ صلواتِ رسول ان کے لئے قربِ الٰہی ہے۔ ایسے خوش نصیبوں کے لئے تین بشارتیں ہیں۔ عطاءِ قرب۔ مغفرتِ گناہ رحمتِ خاص میں داخلہ مومن اپنی ہر نیکی میں خواہ بدنی ہو یا مالی یا جانی حضور کی دعا ملنے کی آس لگائے کیونکہ حضور کو ہمارے ہر عمل کی خبر ہے۔ لَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَسُجُوْدُکُمْ وَخُشُوْعُکُمْ جیسے ہر عضو کے ہر حرکت کی روح کو خبر ہے وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا۔ قسم رب کی اگر ایک دفعہ نگاہِ کرم فرما دیں ہم جیسے کروڑوں کا بیڑا پار ہو جائے۔ شعر۔

لب بہ جنباں اے شہِ کون و مکان — تا بہ یابند ہیچو حاسد ہا امان

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ

اور اوّل درجے کے سبقت لے جانے والے مہاجر اور انصار اور

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر و انصار اور

الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

وہ جو پیروی کریں ان کی ساتھ بھلائی کے راضی ہے اللہ اُن سے اور راضی

جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ

عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

ہوئے وہ اللہ سے اور تیار کیں اللہ نے واسطے اُن کے جنتیں کہ بہتی ہیں نیچے اُن کے

اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۰۰﴾

ہمیشہ رہیں گے وہ	ان میں	یہ	کامیابی	ہے	بڑی

ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں دیہاتی منافقین اور مومنین مخلصین کا بالترتیب ذکر ہوا منافقین کا ذکر غضب سے اور مخلصین کا رحمت کے ساتھ اور شہر مدینہ منوّرہ میں رہنے والے مخلصین صحابہ کے درجات کا تذکرہ ہے تاکہ ان حضرات کی خصوصی شان معلوم ہو۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ان دیہاتی مخلصین کا ذکر ہوا جو اخلاص سے اپنے مال راہ خدا میں خرچ کریں۔ جہاد۔ زکوٰۃ وغیرہ میں اب اُن خوش نصیب صحابہ کا ذکر ہے جنہوں نے راہ خدا میں وطن اور اپنی جانوں کی قربانی دی گویا مالی قربانی کے بعد وطنی و جانی قربانی کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں اُس عبادت کا ذکر ہوا جس سے اللہ کا قرب۔ حضور انور کی دعائیں۔ جنت میں داخلہ۔ گناہوں کی مغفرت حاصل ہو اور اُس پر عمل تاقیامت ہو سکے۔ اب اُس خصوصی عبادت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو۔ جو سب سے اعلیٰ ہے اور وہ خاص نصیب وروں کو مل چکیں یعنی سبقت۔ ہجرت۔ نصرت کہ یہ نعمتیں خاص صحابہ کو میسر ہوئیں۔ باقی لوگ ان کے دعاگو ہو کر رب سے انعام حاصل کریں۔

تفسیر وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ۔ اس آیت کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں اور آسان ترکیب یہ ہے کہ اَلسّٰبِقُوْنَ موصوف ہے اور اَلْاَوَّلُوْنَ صفت مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ اس کا بیان پھر رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اِلخ اس کی خبر۔ سابقین بنا ہے سبقت سے بمعنی درجہ میں آگے ہونا۔ اَوَّلُوْنَ بنا ہے اَوَّلِیَّتْ سے بمعنی تعداد و شمار یا زمانہ میں پہلے ہونا۔ اس میں گفتگو ہے کہ اس سے کون حضرات مراد ہیں اِس کے متعلق چار قول ہیں ۱۔ اِس میں وہ صحابہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نمازیں پڑھیں یعنی تبدیلیٔ قبلہ سے پہلے ایمان لائے۔ تبدیلی قبلہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد یعنی ۲ھ ہجری ماہِ شعبان منگل کے دن ہوئی۔ ۲۔ اس سے مراد غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ ہیں یہ غزوہ ۱۷ رمضان ۲ھ میں ہوا۔ ۳۔ اس سے مراد بیعۃ الرضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ۶ھ ہجری میں ہوا۔ (روح البیان وخازن وغیرہ) ۴۔ اس سے مراد ہجرت میں پہل کرنے والے صحابہ ہیں یعنی مہاجرین اوّلین جو حضور انور کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے اور حضور کی ہجرت کے بعد امداد نصرت میں پہل کرنے والے انصار یعنی بیعت عقبہ میں شرکت کرنے والے اس تفسیر کو امام رازی نے ترجیح دی اور اسی پر بہت زور دیا۔ خیال رہے کہ اول مومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں پھر اس میں گفتگو ہے کہ پہلے ایمان کون لایا ترجیح اسے ہے کہ بوڑھوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے۔ بچوں میں پہلے حضرت علی۔ غلاموں میں حضرت زید ابن حارثہ۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر حضرت عثمان ابن عفان۔ زبیر ابن عوام۔ عبدالرحمٰن ابن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص۔ طلحہ ابن عبیداللہ

ان سب کو حضرت صدیق حضور کی خدمت میں لائے اور اُن آٹھ صاحبوں نے اولاً نماز پڑھی (تفسیر خازن) یعنی پانچ یہ حضرات چھٹے خود صدیق ساتویں حضرت علی۔ آٹھویں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی وہ جو حضور انور اپنے اجتہاد سے پڑھتے تھے۔

خیال رہے کہ ان حضرات سابقین میں پھر ترتیب ہے سب سے افضل خلفا راشدین پھر بقیہ عشرہ مبشرہ میں سے چھ حضرات سعد سعید ابو عبیدہ۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن پھر غازیانِ بدر پھر غازیانِ احد بیعت رضوان والے (روح البیان) مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْاَنْصَارِ۔ اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ مِن تبعیضیہ کا ہے۔ اور معنیٰ یہ ہیں کہ مہاجرین و انصار میں سے اولین سابقین کے یہ فضائل ہیں۔ اس صورت میں ان دونوں مبارک جماعتوں کے دو حصے ہوگئے ایک سابقین اوّلین دوسرے ان کے تابعین جن کا ذکر ابھی آرہا ہے چونکہ مہاجرین صحابہ انصار سے افضل ہیں اس لئے مہاجرین کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ انصار کا بعد میں۔ اس بنا پر مہاجرین قریش خلفا اور انصار وزرا قرار پائے (روح المعانی) خیال رہے کہ حضور انور کی ہجرت سے پہلے انصار مدینہ نے تین بار حضور انور کے ہاتھ شریف پر بیعت کی۔ تینوں منیٰ میں حج کے موقعہ پر جمرہ عقبہ کے پیچھے پھر منیٰ عقبہ اولیٰ عقبہ ثانیہ۔ بیعت عقبہ ثالثہ۔ پہلی بیعت میں چھ انصاری شریک ہوئے۔ اسعد ابن زرارہ۔ عوف ابن مالک۔ رافع ابن مالک۔ ابن عجلان قطبہ ابن عامر جابر ابن عبداللہ ابن رباب اور عقبہ ابن عامر۔ پھر اگلے سال دوسری بیعت اسی جگہ ہوئی جس میں بارہ حضرات شریک ہوئے۔ پھر تیسری بیعت ہوئی اس میں ستر حضرات نے شرکت کی جن میں برا ابن معرور۔ عبداللہ ابن عمرو۔ ابن حرام۔ ابو جابر۔ سعد ابن عبادہ۔ سعد ابن ربیع عبداللہ ابن رواحہ جیسے جلیل القدر انصار شامل ہوئے۔ پھر حضور انور نے حضرت مصعب ابن عمر کو مدینہ منورہ تعلیم دین کے لئے بھی بھیجا ان کے ہاتھ پر سب اہل مدینہ ایمان لائے۔ مرد۔ عورتیں بچے بوڑھے (خازن و خزائن) اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً۔ جس سے پتہ لگا کہ صحابہ کے درجے یکساں نہیں بعض بعض سے افضل ہیں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہاں مِن بیانیہ ہے اور مہاجرین و انصار سابقون کا بیان ہے اب مطلب یہ ہوا کہ سارے مہاجرین و انصار سابقین اوّلین ہیں کہ وہ اسلام کی صفِ اوّل میں ہیں۔ یہ سب جنتی ہیں۔ رب ان سب سے راضی اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى۔ اللہ نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔ ان کے جنتی ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ اس فرمان عالی کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ مہاجرین و انصار ہیں جو سابقین اوّلین کے بعد ان کے تابع ہیں یہ تفسیر تب ہے جبکہ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ کا مِن تبعیضیہ کا ہو اور مطلب یہ ہے کہ ان صحابہ سے بھی رب تعالیٰ راضی ہے جو سابقین اوّلین صحابہ کے پیروکار ہیں۔ بھلائی میں اخلاص سے ان کی اتباع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد تاقیامت سارے مسلمان ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ (الخ) کا مِن بیانیہ ہو مطلب یہ ہے کہ سارے صحابہ جو سابقین اوّلین ہیں ان سے بھی رب راضی اور تاقیامت تمام وہ مومنین جو ان صحابہ کے دل سے متبع ہیں ان سے بھی رب راضی اس تفسیر کی تائید ان آیات سے ہے ۱ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (جمعہ ع ۲) وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ (حشر ع ۳) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ (انفال) (روح المعانی، کبیر، خازن وغیرہ) لطیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اس آیت کی تلاوت یوں کرتے تھے وَالْاَنْصَارُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ الخ یعنی انصار کو پیش پڑھتے تھے۔ اور اَلَّذِیْنَ سے پہلے واؤ نہیں پڑھتے تھے۔ اور تفسیر یوں کرتے تھے کہ اللہ سارے مہاجرین سے بھی راضی جو سابقین آولین ہیں اور ان انصار سے بھی جو مہاجرین کے متبع ہیں حتیٰ کہ حضرت اُبی ابن کعب نے عرض کیا کہ وَالْاَنْصَارِ میں رِ کو کسرہ ہے اور وَالَّذِیْنَ واؤ کے ساتھ ہے پھر آپ نے حضرت زید ابن ثابت سے پوچھا جو کاتبِ وحی تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اُبی بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ حضرت جبریل نے یوں ہی تلاوت کی اور حضور انور نے مجھے یوں ہی لکھوائی تب حضرت عمر نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ (تفسیر روح المعانی وکبیر) روایت ہے حمید ابن زیاد سے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے محمد ابن کعب قرظی سے کہا کہ حضور انور کے بعد حضرات صحابہ کی آپس میں بہت جنگیں ہوئیں آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے اُن سب کو بخش دیا۔ اُن کے لیئے جنت واجب فرما دی ہے میں نے کہا کہ آپ یہ کہاں سے کہتے ہیں فرمایا قرآن مجید سے اور آپ نے یہ ہی آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ دیکھو رب نے اُن سے جنت کا وعدہ بغیر شرط فرمایا مگر اُن کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ وعدہ ایک شرط سے کیا۔ کہ فرمایا بِاِحْسَانٍ یعنی اُن کی اتباع کریں بھلائی سے اُن کو اچھا کہتے ہوں تو جنتی ہیں اور کہا کہ بِاِحْسَانٍ کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے مسلمان صحابہ کے نیک اعمال میں اُن کی اتباع کریں رہے اُن کے دوسرے اعمال جنگیں وغیرہ اُن کا ذکر تک نہ کریں نہ اُس میں اُن کی اتباع کریں تب جنتی ہوں گے۔ حمید کہتے ہیں کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے یہ آیت پڑھی ہی نہ تھی۔ آج پڑھی ہے۔ (کبیر روح المعانی، خازن وغیرہ) رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ یہ فرمانِ عالی مذکورہ مبتدا کی خبر ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی۔ غریبی۔ امیری صحت بیماری جس حال میں رکھے وہ اُس سے راضی ہیں کبھی کسی چیز کی شکایت نہیں کرتے۔ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ یہ معطوف ہے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ الخ پر۔ اور ان لوگوں کی دوسری جزا کا ذکر ہے یعنی جنتیں اُن کے نامزد کر دی گئیں جن میں بہار یہ ہے کہ اُن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور رہیں گی خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا۔ یہ فرمانِ عالی لَهُمْ کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ خیال رہے کہ آئندہ کی ہمیشگی کو ابد کہتے ہیں۔ گذشتہ کی ہمیشگی کو ازل اور دو طرفہ ہمیشگی کو سرمد کہا جاتا ہے۔ ابد الاباد اور ازل الازال (روح البیان) ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ذٰلک سے اشارہ تمام مذکورہ چیزوں کی طرف ہے یعنی اللہ کی رضا جنتیوں کا نامزد ہونا اُن میں ہمیشہ رہنا ہی بڑی کامیابی ہے جس کے مقابل کوئی کامیابی نہیں۔

خلاصۂ تفسیر ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ کرام میں اگلے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جو بھلائی کے ساتھ اُن کی پیروی کریں اُن کی شان یہ ہے کہ اللہ اُن سے راضی ہو چکا اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہو چکے۔ اللہ نے اُن کے لیئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ نعمتیں بڑی ہی کامیابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر شریف میں مکہ معظمہ میں وحی آئی۔ کچھ لوگ حضور انور پر ایمان لائے جنہیں

کفارِ مکہ نے بہت ستایا تو اُن میں اسی مسلمان حضور انور کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ یہ ہجرت رجب میں نبوت کے پانچویں سال ہوئی۔ یہ ہی اول ہجرت ہے پھر نبوت کے گیارہویں سال پہلی بیعت عقبہ ہوئی اور بارھویں سال دوسری بیعت عقبہ پھر مبعوث ہونے کے چودھویں کی ابتدا میں حضور انور نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد جو مسلمانوں نے ہجرت کی وہ دوسری ہجرت ہے پہلوں کو مہاجرین اولین اور سابقین کہتے ہیں اور جن انصار نے بیعت عقبہ میں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا وہ سابقین انصار ہیں۔ حضور انور کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد جن حضرات نے بیعت کی وہ گویا لاحقین ہیں۔ (روح البیان) یہاں سابقین مہاجرین و انصار کے فضائل مذکور ہوئے۔ بعض حضرات دو ہجرت والے ہیں انہیں صاحب ہجرتین کہتے ہیں کہ حضور انور کی ہجرت سے پہلے وہ حبشہ وغیرہ ہجرت کر گئے پھر حضور کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر کے آگئے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ پرانا مسلمان ہونا رب تعالیٰ کی نعمت ہے اور انسان کی اچھی صفت دیکھو اس آیت میں پرانے مومنوں کو سابقین اولین فرمایا اور بعد والوں کو تابعین۔ اس لیئے کہا جاتا ہے وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ **دوسرا فائدہ** آڑے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی خدمت کرنا بڑی فضیلت کا باعث ہے یہ فائدہ بھی اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ الخ یہ فائدے اس آیۃ کریمہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوئے جبکہ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ سے بعد کے مہاجرین و انصار مراد ہوں۔ **تیسرا فائدہ** کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر صحابی کی گردِ قدم کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ وہ حضرات سابقین اولین ہیں تا قیامت تمام اقسام کے مومنین اُن کے تابع ہیں۔ یہ فائدہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ سے تا قیامت مومنین مراد ہیں۔ **چوتھا فائدہ** مہاجرین صحابہ انصار سے افضل ہیں اگرچہ دونوں جماعتیں اللہ کی مقبول ہیں یہ فائدہ مہاجرین کو انصار سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ **پانچواں فائدہ** حضرات صحابہ کرام اور تا قیامت سارے مقبول مومنین کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں یہ فائدہ رضی اللہ عنہم (الخ) سے حاصل ہوا ایک جگہ ارشاد ہے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ۔ **چھٹا فائدہ** حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں کیونکہ ہجرت میں جو سبقت انہیں میسر ہوئی وہ کسی کو نہیں کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح ہجرت کی کہ حضور کو اپنے کندھے پر لے کر غارِ ثور پر چڑھے پھر غار میں اندھیری رات میں اکیلے اُترے اسے ہاتھ سے صاف کیا اپنے کپڑے پھاڑ کر اس کے سوراخ بند کئے پھر حضور کو اپنے گھٹنوں پر سلایا اپنی انگلی میں سانپ کٹوایا وغیرہ وغیرہ اس لیئے آپ ہی خلافتِ رسول میں سابق اور پہلے رہے۔ (تفسیر کبیر) رب نے انہیں ثانی فرمایا پھر انہیں ثالث یعنی تیسرا کون کرتا۔ شعر۔

موت میں قبر میں اور حشر میں ثانی ہی رہے ثانی اثنین کے اِس طرح ہیں مظہر صدیق

ساتواں فائدہ۔ خلفاء ثلثہ یعنی حضرت صدیق اکبر فاروق اعظم ۔ عثمان غنی کی خلافتیں برحق ہیں اور وہ امام برحق کیونکہ اگر اُن کی خلافتیں باطل ہوتیں تو نہ رب تعالیٰ اُن سے راضی ہوتا نہ ان کے لیئے جنت ہوتی ۔ نہ وہ کامیاب ہوتے مگر قرآن کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ رب ان سے راضی ہے ان کے لیئے جنت ہے وہ بڑے کامیاب ہیں (تفسیر کبیر) کیونکہ سابقین کے جو بھی معنیٰ کئے جائیں وہ ہر معنیٰ سے سابق ہیں ۔ **آٹھواں فائدہ** تا قیامت وہ ہی مسلمان حق پر ہیں جو حضرات صحابہ یعنی مہاجرین و انصار کے پیروکار اُن کے ثناخواں اُن کا ذکر خیر کرنے والے ہیں صرف وہ ہی جنتی ہیں رب تعالیٰ انہیں سے راضی ہے یہ فائدہ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا ۔ جب رب تعالےٰ حضرات صحابہ کے غلاموں پیروکاروں سے راضی ہے تو خود اُن سے کتنا راضی ہوگا ۔ لہٰذا روافض و خوارج باطل پر ہیں ۔ **نواں فائدہ** سارے صحابہ عادل ۔ ثقہ ۔ متقی ہیں اُن میں کوئی فاسق نہیں ۔ یہ فائدہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا ۔ دوسری جگہ فرماتا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى جو تاریخی واقعہ اِن کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹا ہے قرآن مجید سچا ہے

مسئلہ صحابہ کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے ان میں اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں ۔ خلفاء راشدین چار اور یار غار افضل الخلق بعد الانبیا ایک جیسے نبیوں کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اُن میں رسول تین سو تیرہ ۔ مرسلین چار اور مصطفٰے ایک ۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رضی اللہ عنہ صرف حضرات صحابہ کو کہنا چاہیئے ۔ دوسروں کو نہیں ۔ کیونکہ یہاں سابقین اور تابعین صحابہ کو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فرمایا گیا ۔ پھر تم لوگ غوث اعظم ۔ امام اعظم اور اعلیٰحضرت کو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کیوں کہتے ہو ۔ **جواب** ۔ اسی آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ سارے مقبول مومنوں کو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کہہ سکتے ہیں کیونکہ اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا کی ایک تفسیر یہ بھی ہے ۔ کہ اس سے تا قیامت حضرات صحابہ کرام کے متبعین مراد ہیں دوسری آیت میں اسے بالکل ہی صاف کر دیا گیا ہے ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ہر خوف خدا رکھنے والے سے رب راضی ہو چکا ۔

دوسرا اعتراض ۔ سابقین اور اوّلین ایک ہی ہیں پھر انہیں علیحدہ کیوں بیان کیا جو سابق ہے وہ اوّل ہے اور اس کے برعکس ۔

جواب سابقین سے مراد ہیں درجے میں سبقت رکھنے والے اوّلین سے مراد ہیں تعداد میں اوّلیت والے یا سابقین سے مراد ہیں حضور انور کی خدمت کرنے میں سبقت والے اور اوّلین سے مراد اسلام کی خدمت میں پہل کرنے والے یا سابقین سے مراد ہیں دنیا میں دوسروں پر سبقت والے اور اوّلین سے مراد ہیں آخرت میں سب سے اوّل رہنے والے یا سابقین کا تعلق مہاجرین سے ہے اور اوّلین کا تعلق انصار سے یعنی ہجرت میں سبقت کرنے والے اور نصرت رسول میں اوّلیت والے اس کی اور بہت توجیہیں ہو سکتی ہیں ۔ **تیسرا اعتراض** اتباع کے ساتھ احسان کی قید کیوں لگائی کہ فرمایا وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ **جواب** صحابہ کرام کی صرف اتباع نجات کے لیئے کافی نہیں صرف اتباع تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ اُن کی اِتّباع احسان کے ساتھ چاہیئے ۔ احسان کے معنی ہیں اچھا کہنا ۔ اچھا جاننا ۔ اچھا ماننا ۔ یعنی مُنہ سے اُن کا مدح خواں ہو ۔ دل سے انہیں اچھا مانے پھر اُن کی اِتّباع کرے احسان نے حضرات صحابہ میں اور ہم مسلمانوں میں فرق کر دیا کہ اُن حضرات سے رب تعالیٰ مطلقاً راضی ہے کہ وہ سابق اور اوّل ہی رہے تم لوگ تو

تم سے رب دو شرطوں سے راضی ہو گا۔ ایک یہ کہ انہیں اپنا متبوع پیشوا مانو دوسرے یہ کہ انہیں برحق نیک کار متقی جانو۔ ان میں عیب نہ نکالو۔ فقیر کے نزدیک یہ جواب بہت قوی ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر کبیر وغیرہ نے جو جوابات دیئے وہ قوی نہیں کہ انہوں نے باِحسانٍ میں ب کو معنی فی لیا۔ یعنی اچھی باتوں میں ان کی اتباع کریں۔ باقی میں نہیں یہ جواب قوی نہیں۔ شعر۔

رسول اللہ میں طیب انکے سب ساتھی بھی طاہر ہیں　　　چنیدہ بہر پاکان حضرت فاروق اعظم ہیں

چوتھا اعتراض۔ حضرات صحابہ سے بڑے بڑے گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں۔ کیا ان کے ان گناہوں کی بھی تعریف کی جائے اور ان میں بھی ان کی اتباع کی جائے۔ **جواب** اسی وجہ سے امام رازی نے باحسان کے معنے کئے فی احسان مگر فقیر اس کے جواب میں یہ آیت پیش کرتا ہے اَلَّذِیْنَ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ توبہ کے بعد گناہ بھی نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان چیزوں میں ان حضرات کی اتباع یوں کرے کہ جب گناہ ہو جائے تو اُن کی سی توبہ کرے کر خود حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرے یا رسول اللہ مجھ سے گناہ ہو گیا۔ ہلاک ہو گیا۔ مجھے پاک فرما دو انشاء اللہ ادھر سے وہ ہی جواب ملے گا جو حضرت ماعز کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ ماعز کو برا نہ کہو وہ اللہ رسول کا پیارا ہے اپنی خطا پر سنگسار ہو گئے مگر محبوبیت سے خارج نہ ہوئے۔ ماں کیچڑ میں لتھڑے بچے کو نہیں پھینک دیتی۔ جناب مصطفیٰ ہم جیسے گناہوں میں لتھڑے ہوؤں کو نہیں نکال دیتے ان کی صفت ہے وَیُزَکِّیْهِمْ وہ پاک وصاف فرما دیتے ہیں۔ ہاں ان سے نہ بھاگو۔ ان کی طرف بھاگو۔ شعر۔

کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ　　　تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود!

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف　　　تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ سَاتِرِ الْعُیُوْبِ غَافِرِ الذُّنُوْبِ مَعَاذِ الْاَنَامِ مَلَاذِ ذَوِی الْاٰثَامِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ۔

تفسیر صوفیانہ

بفضلہٖ تعالیٰ حضور انور کی ساری امت از صحابہ کرام تا یوم القیامہ اولین و آخرین سارے ہی سابقین ہیں یہاں اَلسّٰبِقُوْنَ مبتدا ہے اور اُلْاَوَّلُوْنَ سے لے کر باحسان تک اس کی خبر اس سبقت کی چند وجہیں ہیں ۱۔ ازلی عنایت میں پہلے یہ ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی۔ ۲۔ پیدائش میں عدم سے وجود میں پہلے یہ آئے بعد میں دوسرے لوگ ۳۔ عالم ارواح میں صف اول میں یہ تھے پچھلی صفوں میں اور امتیں ۴۔ جب میثاق کے دن حضرت آدم کی پیٹھ سے روحیں نکالی گئیں تو پہلے یہ امت نکلی بعد میں اور لوگ ۵۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں پہلے اس امت نے بلیٰ کہا۔ پھر دوسری امتوں نے ۶۔ قدم سلوک سے چل کر پہلے یہ امت رب تک پہنچی پھر دوسری امتیں ۷۔ قیامت میں پہلے اس امت کا حساب شروع ہو گا۔ پھر دوسری امتوں کا ۸۔ جنت میں پہلے یہ امت داخل ہو گی۔ پھر دوسری امتیں غرضکہ قدم اور عدم دونوں میں یہ امت ہی سابق ہے۔ اس لئے حضور انور نے فرمایا نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ لهذا اولین مہاجرین و انصار اور تا قیامت ان کے متبعین سارے ہی سابقین ہیں۔ روح البیان۔ اس امت سے اللہ ان کی تھوڑی عبادت سے راضی یہ لوگ اس کے تھوڑے رزق پر راضی ان کے لئے شریعت و طریقت۔ حقیقت معرفت کے وہ باغات تیار کئے جن کے نیچے خوف خدا

عشق رسول کی نہریں بہتی ہیں یہ اُس میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ شعر۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

اُمت رسول ہونا ہی بڑی کامیابی ہے بڑا کامیاب وہ ہے جس کا سر حضور کے قدم تک پہنچ جائے یہ ہی انسانیت کی کامل معراج ہے

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا　　میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ سبقت قدم سے نہیں بلکہ ھمم سے ہے۔ جسم کعبہ تک پہنچنے میں سواریوں کا محتاج ہے۔ دل و روح آن میں پہنچتے ہیں ؎

دل بہ کعبہ می رسد در ہر زماں　　جسم طبعی دل بگیرد ز امتحان

ایں دراز و کوتہی بر جسم راست　　چہ دراز و کو تا آنجا کہ خداست

چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد　　رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ

اور ان میں سے جو تمہارے ارگرد میں دیہاتی منافق ہیں اور بعض

اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ

أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ

مدینہ والوں میں سے جو ماہر ہو گئے نفاق پر نہیں جانتے تم

مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق۔ تم انہیں نہیں جانتے

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ

ان کو ہم جانتے ہیں ان کو عنقریب عذاب دیں گے ہم اُن کو دو دفعہ پھر لوٹائے

ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں دو بار عذاب کریں گے پھر بڑے

عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

جائیں گے وہ طرف عذاب بڑے کے

عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** گذشتہ پچھلی آیات میں دُور کے دیہاتی منافقوں کا ذکر ہوا۔ جن تک ایمان کی روشنی نبوت کا فیضان بمشکل پہنچا تھا۔ اب مدینہ منورہ سے بالکل قریب بستیوں میں رہنے والے منافقوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق** ابھی پچھلی آیت میں مدینہ منورہ کے مومنین کا اُن کے درجات کا ذکر ہوا۔ اب اس مبارک شہر میں رہ کر منافق رہنے والوں کا تذکرہ ہے گویا مرحومین کے بعد محرومین کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ ابھی پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرات صحابہ کرام کے متبعین اگرچہ کبھی ہوں کہیں ہوں اُن سے اللہ راضی ہے۔ یعنی اُن حضرات کی اتباع تا قیامت مومنوں کے درجے بلند کردے گی۔ اب ارشاد ہے کہ ان کی اتباع کئے بغیر خود اُن کے پاس رہ کر بھی محروم رہتے ہیں کہ مدینہ میں رہیں صحابہ کے ساتھ رہیں منافق گویا نوریوں کے بعد ناریوں کا تذکرہ ہے۔

تفسیر وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ یہ جملہ نیا ہے لہذا واؤ ابتدائیہ ہے مِمَّنْ میں مِنْ بعضیت کا ہے مَنْ موصولہ سے مراد قبیلہ جہینہ، مزینہ، اسلم، اَشجع اور غفار ہیں یہ لوگ مدینہ منورہ سے قریب ہی آباد تھے۔ اور بڑے مخلص مومنین تھے۔ انہیں حضور انور نے بہت دعائیں دی ہیں مگر مکہ کے پاس بَدُّو۔ ان میں بعض لوگ بدترین منافق تھے یہی بدنصیب لوگ یہاں مراد ہیں لَكُمْ میں خطاب اہل مدینہ سے ہے حَوْلٌ کے معنی ہیں گھومنا اس لئے سال کو حَول کہتے ہیں کہ وہ گھوم گھوم کر آتا ہے اصطلاح میں آس پاس کی زمین اور اس زمین میں رہنے والوں کو حول کہتے ہیں۔ یہاں آس پاس کے رہنے والے مراد ہیں اعراب کے معنی اور عربی و اعرابی کا فرق ہم پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یعنی اے اہل مدینہ تمہارے قریب تمہارے آس پاس بسنے والوں میں بعض لوگ منافقین ہیں۔ خیال رہے کہ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مقدم خبر ہے اور مِنَ الْاَعْرَابِ اس کا بیان اور مُنٰفِقُوْنَ مبتداء مؤخر ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ۔ اس عبارت کی چند ترکیبیں اور تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ نیا ہے اور مَرَدُوْا سے پہلے قوم پوشیدہ ہے وہ موصوف ہے اور مَرَدُوْا الخ اُس کی صفت یہ مبتدا مؤخر ہے اور مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ خبر مقدم یعنی خود مدینہ میں رہنے والوں میں ایک قوم ہے جو منافقت پر ڈٹی ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ معطوف ہے مِمَّنْ حَوْلَكُمْ پر یہ دونوں مل کر خبر ہیں اور منافقون ان دونوں کا مبتدا ہے اور مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ علیحدہ جملہ ہے یا منافقون کی صفت یعنی مدینہ کے آس پاس والوں اور خود مدینہ والوں میں ایسے منافقین ہیں جو منافقت میں بڑے ماہر ہیں کہ انہیں پہچاننا بہت مشکل ہے۔ (تفسیر روح المعانی، کبیر، خازن)۔ خیال رہے کہ مدینہ مطلقاً شہر کو کہتے ہیں مگر جب مطلقاً بولا جائے تو اُس سے مراد مدینہ منورہ جس میں نبوت کا آفتاب چمک رہا ہے مراد ہوتا ہے اور وہ ہی یہاں مراد ہے یہ لفظ یا تو مَدَنٌ سے بنا ہے بمعنی رہنا ٹھہرنا کہا جاتا ہے مَدَنَ بِالْمَكَانِ جگہ میں رہا اس صورت میں اس کی میم اصلی ہے اور یہ بروزن فعیلۃٌ ہے یعنی محبوب کے رہنے کی جگہ اس کی جمع مُدُن اور مدائن ہے ہمزہ سے یا یہ دَانَ سے بنا ہے بمعنی اطاعت کی اس کا مصدر دِیْنٌ بمعنی اطاعت وجزاء اطاعت مالکِ یوم الدین تو میم زائد ہے۔ مدینہ اطاعت و فرمانبرداری کی جگہ

اس کی جمع مداین ی کے ساتھ ہے۔ جیسے معیشۃ کی جمع معائش (روح البیان) اس پاک بستی کے بہت نام ہیں۔ مدینہ۔ طیبہ۔ طابہ بطحیٰ وغیرہ اسے یثرب کہنا ممنوع ہے اس کی کچھ بحث انشاء اللہ یَا اَہْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ سورہ احزاب میں کی جاوے گی۔ مگر زیادہ مشہور اور وجد آور نام مدینہ ہے۔ ؎

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں — مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

میرا دل زار مدینہ میں ہے — میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے

غلہ کا بازار مدینہ میں ہے — احمد مختار مدینہ میں ہے

یاد رہے کہ مَرَدُوْا بنا ہے مَرْدٌ سے مَرْدٌ کے لغوی معنی ہیں چکنا ہونا۔ اس لئے چکنے پتھر کو مرد کہتے ہیں رب فرماتا ہے صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ۔ بے داڑھی والے لڑکے کو اَمْرَدْ ریگستانی علاقہ کو مُردار کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مُرد کے معنی ہیں ظاہر ہونا۔ اس لئے جس درخت کے پتے جھڑ جاویں اُسے شجرہ مرداء کہتے ہیں۔ سرکش انسان کو متمرد شیطان کو مارد اور مَرِيْد (میم کے فتح سے) کہا جاتا ہے اصطلاح میں تجربہ کاری۔ مہارت عادی ہو جانے کو مُرد کہتے ہیں۔ وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی یہ لوگ منافقت کے فن میں بڑے ہی ماہر تجربہ کار ہیں کہ انہیں پہچاننا آسان نہیں (روح المعانی وکبیر) لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔ یہ فرمان عالی مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ کا بیان ہے یعنی یہ ایسے مہارت والے تجربہ کار منافق ہیں انہیں اپنی منافقت چھپانا ایسا آتا ہے کہ تم انہیں نہیں جانتے اُن کی منافقت۔ خیال۔ عقل وہم سے معلوم نہیں کر سکتے۔ انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم عَلَّامُ الْغُیُوْب ہیں اگر لَا تَعْلَمُهُمْ میں خطاب ہر قرآن پڑھنے والے سے ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے خواہ تو کتنا ہی ذکی ذہین کیوں نہ ہو مگر اپنی ذکاوت سے ان کی منافقت کا پتہ نہیں لگا سکتا تب تو مطلب ظاہر ہے اور اگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو یا تو علم سے مراد اندازہ سے ذکاوت سے جاننا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ باوجود اس قدر عقل وفراست کے انہیں اپنی فراست اندازے سے نہیں پہچان سکتے یا یہ آیۃ کریمہ علم منافقین عطا فرمانے سے پہلے کی ہے لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ۔ آپ انہیں اُن کی گفتگو کی روش سے جان لیتے ہو ہماری وحی یا کشف یا الہام کے ذریعہ یا یہ فرمان اظہار غضب کے لئے ہے کہ اے محبوب ان خبیثوں کو تم نہیں جانتے انہیں تو ہم ہی جانتے آپ ان کی سفارش نہ کریں۔ ان کو ہم سزا دیں گے۔ یہ کلام انتہائی غضب ظاہر کرنے اور سفارش کرنے والے کو سفارش سے روکنے کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ (از تفسیر خازن وکبیر وروح المعانی وبیان وغیرہ مع اضافہ)

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ۔ اس فرمان عالی میں مذکورین منافقین کی ڈبل سزا کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا ہم انہیں دوبارہ سزا دیں گے اس دو بار سزا دینے سے کون کونسی سزائیں مراد ہیں اس میں آٹھ قول ہیں ۱۔ ایک سزا دنیا میں رسوائی اور فضیحت کی دوسری سزا قبر میں عذاب قبر کی۔ چنانچہ اُس دفعہ جمعہ کے دن حضور انور نے خطبہ جمعہ کے دوران تمام مسلمانوں کے روبرو چھتیس منافقوں کو نام بنام پکار کر فرمایا کہ اے فلاں نکل تو منافق ہے اُس کے اُٹھنے اور نکلنے پر سب نے انہیں

پہچان لیا (تفسیر روح المعانی و خازن وغیرہ) ع۲ دنیا میں سخت بیماری سے اور قبر میں عذاب قبر سے۔ چنانچہ ان منافقوں کے سینہ میں ایک زہریلہ دانہ نمودار ہوا جو پیٹھ میں پھوٹا جس سے دوزخ کی آگ کی تکلیف تھی (تفسیر کبیر و خازن) مومن کے لیے بیماریاں رحمت ہیں منافقین کے لیے عذاب ع۳ پہلی سزا اُن کے مال و اولاد کی ہلاکت ان کے سامنے اور دوسری سزا عذاب قبر (خازن وغیرہ) ع۴ پہلی سزا اسلام کی فروغ حضور انور کا غلغلہ دوسری سزا عذاب قبر وہ اسلام کا فروغ دیکھ کر دل میں سخت کڑھتے تھے انہیں حسد کی وجہ سے چین نہیں آتا تھا۔ ع۵ پہلی سزا ان کی مسجد ضرار کا ڈھایا جانا۔ اُس سے دھواں نکلنا۔ دوسری سزا عذاب قبر (خازن) ع۶ پہلی سزا نزع کے وقت فرشتوں کا ان کے چہرے پیٹ و پیٹھ کو گرزوں (ہتوڑوں) سے مارنا۔ دوسری سزا عذاب قبر ع۷ پہلی سزا اُن سے زکوٰۃ اور مال چندہ وغیرہ وصول ہونا۔ دوسری سزا جانکنی کی بشدت (معانی) ع۸ مَّرَّتَيْنِ سے مراد صرف دو بار نہیں بلکہ بار بار ہے یعنی ہم ان کو بار بار عذاب دیں گے جیسے فارجع البصر کرتین میں کرتین سے مراد بار بار ہے کچھ بھی سہی اس میں عذاب آخرت داخل نہیں کیونکہ اس کا ذکر آگے آرہا ہے ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔ اس عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے چونکہ وہ عذاب قیامت کے بعد ہوگا ابھی بہت دور ہے اس لیے ثُمَّ ارشاد ہوا۔ چونکہ انہیں اُن کی قبروں میں دوزخ کا عذاب دیا جاتا رہا کہ وہاں کی ہی آگ۔ بدبو۔ وغیرہ قبر میں پہنچتی رہی پھر وہ قیامت کے دن اپنا فیصلہ سننے کے لیے بارگاہِ الٰہی میں پیش کئے جائیں گے پھر دوزخ میں ڈالے جائیں گے اس لیے یہاں يُرَدُّونَ فرمایا گیا۔ چونکہ دوزخ کا یہ عذاب گذشتہ دنیا و قبر کے عذاب سے سخت بھی ہوگا اور دائمی بھی۔ نیز بمقابلہ کھلے کافروں کے انہیں سخت تر ہوگا اس لیئے اُسے عظیم فرمایا گیا۔ یعنی پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ لوگ ایک بہت بڑے عذاب کی طرف واپس کئے جائیں گے بہرحال انہیں تین عذاب ہوں گے دونوں مذکورہ عذاب اور تیسرا یہ بڑا عذاب۔

خلاصۂ تفسیر اے مدینہ منورہ کے باشندے مومنو تمہارے آس پاس جو قبیلہ جہینہ۔ مزینہ۔ اسلم۔ اشجع۔ غفار آباد ہیں اُن میں بھی بعض لوگ منافق ہیں اُن سے غافل نہ رہنا وہ تو پھر بھی کچھ فاصلہ پر آباد ہیں۔ خود مدینہ منورہ کے رہنے والے کچھ لوگ وہ ہیں جو منافقت میں بڑے تجربہ کار ماہر ہیں نفاق اُن کی رگ رگ میں رچ گیا ہے مگر وہ اپنے کو ایسا چھپائے ہوئے ہیں کہ تم کتنے ہی عقل و ہوش والے ہو مگر اُن کی منافقت کو اپنی عقل درایت انداز سے نہیں معلوم کر سکتے انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں اس لیئے کہ ہم علام الغیوب ہیں ان خبیثوں کو ہم اُن کی تین زندگیوں میں تین عذاب دیں گے۔ دنیوی زندگی میں تو انہیں رسوائی۔ ذلت۔ خواری کا عذاب بعد موت قبر میں برزخ کا عذاب پھر اُن دونوں عذابوں کے عرصہ کے بعد آخرت کا سخت تر عذاب کہ انہیں ہمیشہ کے لیئے دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں رکھا جائے گا۔ جہاں سے انہیں کبھی نہ رہائی ملے گی نہ کبھی اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ازلی بدبخت کو نہ اچھوں کی صحبت سے فائدہ ہو نہ اچھی جگہ رہنے سے نفع یہ فائدہ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ اور مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہ مذکورین

لوگ حضرات صحابہ کو دیکھنے مدینہ منورہ میں رہنے کے باوجود منافق رہے۔ حالانکہ ان صحابہ نے عرب وعجم ایران توران۔ روم شام فلسطین کے کفار کو ایمان بخشا۔ شعر۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بداست　　　تربیت نا اہل راچوں گردگاں برگنبد است

دوسرا فائدہ۔ بڑے خزانہ پر چور ڈاکو بھی بڑے ہی بڑھتے ہیں یہ فائدہ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقت اُن کی رگ رگ میں رچ گئی یہ ایسے گہرے منافق ہیں کہ ان کو بڑے سے بڑا ماہر تجربہ کار بھی نہیں پہچان سکتا۔ بڑی جگہ بڑے اعلیٰ وقت سے اگر نیکی ملے گی تو بڑی۔ گناہ ملے گا تو بڑا۔ رمضان شریف میں گناہ کرنے والا بدترین مجرم ہے۔ زمین مدینہ میں رہ کر کافر و منافق رہنے والا بدترین کافر و منافق ہے۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک کے ایمان۔ اخلاص۔ نفاق بلکہ ان کے درجات کا علم بخشا۔ حضور جانتے ہیں کہ کس کا ایمان یا کفر کس درجہ کا ہے۔ یہ فائدہ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ کی تفسیر سے حاصل ہوا یعنی انہیں ہم جانتے ہیں یا وہ جسے ہم بتا دیں۔ دیکھ لو حضور انور نے ایک مجلس پاک سے چھتیس منافقوں کا نام بنام پکار کر اُٹھا کر نکال کر اُن کی منافقت سب کو بتا دی۔ دیکھو تفسیر۔ چوتھا فائدہ بمقابلہ اصلی کافروں کے منافق کفار کا عذاب سخت تر ہے یہ فائدہ عَذَابٌ عَظِيْمٌ سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ان کے تین عذاب بیان کئے۔ دنیوی زندگی میں برزخی زندگی میں اور اُخروی زندگی میں اور یہ تیسرا عذاب بہت سخت ہے۔ رب تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اخلاص عطا کرے۔

پہلا اعتراض تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ قبیلہ جہنیہ۔ اسلم۔ غفار وغیرہ منافقین تھے حالانکہ حضور انور نے ان قبیلوں کی بہت تعریف فرمائی اور ان کے لیئے دعائیں کیں۔ کہ فرمایا اللہ تعالیٰ اسلم کو سلامت رکھے غفار کی مغفرت کرے۔ **جواب**۔ ان قبیلوں کے اکثر لوگ مخلصین مومن کاملین تھے بعض لوگ ان میں منافقین بھی تھے دعا مخلص مومنین کے لیئے ہوئی۔ یہ آیت کریمہ منافقین کے لیئے آئی۔ دیکھو مدینہ منورہ میں اوس خزرج انصار کے دو قبیلے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام کی مہاجرین کی بڑی خدمات کیں حتیٰ کہ اُن کا نام انصار ہوا مگر انہیں قبیلوں میں بعض لوگ منافق بھی ہوئے۔ یہ تو رب تعالیٰ کی بے نیازی ہے۔ والد نبی بیٹا کافر ایک ہی گھر میں دونوں آباد۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ بعض مدینہ والے منافق ہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ ہمارا مدینہ بھٹی ہے خبیث لوگوں کو نکال دیتا ہے ان منافقوں کو زمین مدینہ نے کیوں نہیں نکالا۔ **جواب** واقعی زمین مدینہ خبیث لوگوں کو نکال پھینکتی ہے مگر کسی کو جلد کسی کو دیر سے حتیٰ کہ بعض کو مرے بعد کہ اُس کی لاش فرشتے زمین سے نکال کر باہر ڈال دیتے ہیں۔ دیکھو ہماری تفسیر نعیمی پہلے پارہ کا آخری حصہ۔ **تیسرا اعتراض**۔ تم نے اس جملہ کی ایک تفسیر یہ کی کہ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ صفت ہے۔ اس کا موصوف قوم پوشیدہ ہے عربی قاعدہ سے یہ ترکیب درست نہیں کہ موصوف پوشیدہ ہو صفت ظاہر اُس کا قائم مقام ہو۔ **جواب**۔ یہ بالکل جائز ہے فصحاء عرب سے ایسی ترکیب ثابت ہے ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

اَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا　　　مَتٰى اَضَعُ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُوْنِىْ

تفسیر بیضاوی اور روح المعانی نے یہ ہی جواب دیا۔ **چوتھا اعتراض** تم نے اس آیۃ کی ایک ترکیب یہ بھی کی کہ مَرَدُوا عَلَی النِّفَاقِ صفت ہے منافقوں کی اور منافقون مبتدا ہے اور ممن حولکم اور من اہل المدینۃ سب مل کر خبر ہیں مگر ایسی صورت میں موصوف اور صفت میں فاصلہ ہوگا اور فاصلہ جائز نہیں۔ **جواب**۔ جائز ہے جبکہ فاصلہ اجنبی کا نہ ہو۔ **پانچواں اعتراض** اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو نہیں جانتے تھے فرمایا گیا لَا تَعْلَمُهُمْ پھر تم کیسے کہتے ہو کہ حضور انور ہر شخص کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا۔ اور ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں بہت تفصیل سے دیا ہے کہ اگر لَا تَعْلَمُهُمْ میں خطاب قرآن پڑھنے والے مومن سے ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو یہاں عقل و اندازے سے علم کی نفی ہے۔ یعنی آپ باوجود بڑے عقل و فہم والا ہونے کے ان کی منافقت عقل سے نہیں جانتے بلکہ وحی سے اسی لیئے ساتھ ہی فرمایا نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ انہیں ہم جانتے ہیں یا یہ آیت اُس وقت کی ہے جب حضور کو منافقین کا علم عطا نہ ہوا۔ پھر جب عطا ہوا تو فرمایا لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ۔ آپ انہیں اُن کی روش کلام سے پہچان لیتے ہیں۔ یہ جواب عام مفسرین نے دیا اس کا مقصد حضور کے علم کی نفی نہیں بلکہ اظہار غضب ہے۔ حیرت ہے کہ جو ذات کریمہ پتھر کے دل کا حال جانے کہ فرمایا احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے ہم اُس سے محبت کرتے ہیں اُس سے انسان کے دل کا حال کیونکر چھپا رہے گا۔ ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکا کہ حضور انور نے چھتیس منافقوں کو اپنی مجلس سے نکالا اگر اُن کا علم نہ تھا تو نکالا کیسے آج ہم کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن ابی اور فلاں فلاں شخص منافق تھے۔ کس کے بتانے سے کہتے ہیں۔ فقط حضور انور کے ہم کو تو اُن کا علم ہو مگر حضور انور کو نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کریمہ میں منافقوں کے تین عذابوں کا ذکر ہوا۔ ایک عذاب جسمانی۔ دوسرا عذاب جنانی اور تیسرا عذاب روحانی۔ یہ آخری عذاب سخت ہے یہ عذاب فراق اور محجوبیت کا ہے یعنی ان کا درگاہ عزت سے دور کر دیا جانا۔ کہ مخلصین عبادت کر کے محبوب بنیں اور یہ عبادات کریں مگر محجوب ہی رہیں۔ اُن کا یہ حال ہو کہ نورانی چیزیں ان کے لیئے نیران بن جاویں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب کا سخت تر عذاب فراق یار کی نار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

صد ہزاراں مرگ تلخ از دست تو — نیست مانند فراق روئے تو
زانکہ اینہا بگذرد واں نگذرد — دولت آں دارد کہ جاں آگاہ بود
گر بگویم از فراق چوں شرار — تا قیامت یک بود از صد ہزار (روح البیان)

یعنی لاکھوں موت کی تلخیوں سے اے محبوب تیرے فراق کی تلخی سخت تر ہے کہ وہ تلخیاں آنی فانی ہیں یہ تلخی جاودانی اس فراق کا درد لوچھنا ہے تو اُن جانوروں لکڑیوں سے پوچھو جو حضور انور کی دوری میں تڑپتی تھیں۔ شعر۔

در فراق تو مرا چوں سوخت جاں — چوں نہ نالم بے تو اے جان جہاں
مسندت من بودم از من تاختی — بر سر منبر تو مسند ساختی

عشاق مخلصین مدینہ منورہ سے دُور رہ کر حضور میں ہیں مگر منافقین وہ مردود دین ہیں جو حضور میں رہ کر دور ہیں ان کے لیے فرمایا ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیْمٍ

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا

اور دوسرے ہیں جنہوں نے اقرار کرلیا اپنے گناہوں کا اور ملائے انہوں نے اچھے کام

اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مُقِر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا

وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور دوسرے برے نزدیک ہے کہ اللہ توبہ ڈالے ان پر تحقیق اللہ

اور دوسرا بُرا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

بخشنے والا مہربان ہے وصول کرو آپ مالوں سے اُن کے صدقہ پاک کرو

بخشنے والا مہربان ہے اے محبوب ان کے مال سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَکِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ

اُن کو اور صاف کرو انہیں بذریعہ اس صدقہ کے اور دعاء خیر کرو ان کے لیے بیشک دعا

تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے

سَکَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۳﴾

آپ کی سکون ہے اُن کا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ غزوہ تبوک سے بلا عذر رہ جانے والے تین قسم کے لوگ تھے ۱؎ منافقین جو نفاق پر اڑے رہے۔ اُن کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا۔ ۲؎ مخلصین جو سستی سے رہ گئے مگر فوراً تائب ہو گئے اُن کا ذکر اس آیت میں ہے وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ (۳؎) (صاوی) دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ان منافقین کا ذکر ہوا جو غزوۂ تبوک سے رہ گئے اور پھر جھوٹی قسمیں جھوٹے وعدے جھوٹے عذر بہانے لگے اب ان کا

ذکر ہے جو رہ تو گئے تھے مگر بعد میں انہوں نے سچی توبہ سے کفارہ ادا کیا۔ گویا جھوٹے اور غلط علاج کے بعد سچے اور درست علاج کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں مدینہ منورہ کے سرکش منافقوں کا ذکر ہوا۔ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ۔ اب اُس مدینہ کے خطاکاروں کا ذکر ہے جو باغی نہ تھے گویا غداروں کے بعد خطاکاروں اور اُن کی بخششوں کا تذکرہ ہے۔

شانِ نزول

غزوۂ تبوک کی حاضری سے دس صحابہ کرام صرف سستی کی بنا پر رہ گئے تھے۔ جن میں حضرت رفاعہ ابن عبدالمنذر یعنی ابولبابہ۔ جو صفہ والوں میں سے تھے اوس ابن ثعلبہ۔ ودیعہ ابن خرام بھی تھے۔ جب حضور انور کی واپسی کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت ابولُبابہ اور آپ کے ساتھ چھ اور حضرات نے یعنی کل سات نے اپنے کو مسجد نبوی کے ستونوں سے بندھوا دیا کہ اب ہم حضور انور کے ہاتھ سے کھلیں گے ہم نے سخت قصور کیا ہے اگر حضور نے ہم کو نہ کھولا تو ہم اسی طرح جان دے دیں گے۔ جب حضور انور حسب دستور مدینہ منورہ پہنچ کر پہلے مسجد نبوی میں نفل قدوم ادا فرمانے تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ لوگ کیوں بندھے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے ماجرا عرض کیا۔ فرمایا رب کی قسم میں انہیں اُس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک رب تعالیٰ نہ کھلوائے یہ حضرات بارہ دن بھاری زنجیروں میں جکڑے رہے نماز اور استنجا کے لیئے ان کے بچے کھولتے تھے۔ تب پہلی آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا الخ نازل ہوئی۔ اور حضور انور نے انہیں کھول دیا۔ خیال رہے کہ ابولبابہ دوبار مسجد کے ستون سے بندھے ہیں۔ ایک غزوۂ خندق کے بعد جب بنی قریظہ یہودِ مدینہ کو انہوں نے اشارہ سے حضور انور کا راز بتا دیا تھا۔ دوسرے اِس بار (صاوی) پھر یہ حضرات اپنے گھروں کو گئے اپنے سارے مال حضور کی خدمت میں لائے اور عرض گزار ہوئے۔ کہ یارسول اللہ اس مال کی محبت نے ہم کو غزوۂ تبوک کی حاضری سے محروم رکھا۔ اب ہم یہ مال اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے حضور یہ مال ہمارے اس قصور کا کفارہ ہے اسے آپ اپنے دست اقدس سے فقراء میں تقسیم فرما دیں اور اس کفارے کی قبولیت کی دعا بھی فرما دیں۔ حضور انور نے فرمایا کہ رب تعالےٰ نے مجھے یہ مال لینے کا حکم نہیں دیا ہے میں وصول نہ فرماؤں گا۔ تب دوسری آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الخ نازل ہوئی جس میں حضور انور کو اُن کے مال کا کچھ وصول فرمانے کا حکم دیا گیا۔ اس پر حضور انور نے اُن کا تہائی مال وصول فرمایا۔ اور دو تہائی انہیں واپس فرما دیا (تفسیر صاوی۔ روح المعانی و بیان۔ کبیر۔ خازن۔ مدارک جلالین وغیرہ)

تفسیر

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ۔ اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں اور دو نحوی ترکیبیں ہیں۔ ایک یہ کہ نیا جملہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ ہے۔ آخرون مبتدا اور اعْتَرَفُوْا (الخ) خبر۔ یا آخرون موصوف ہے اعترفوا صفت اور عَسَی اللّٰہُ خبر دوسرے یہ کہ عبارت معطوف ہے (ومن اهل المدینة (الخ) پر تو معنی یہ ہوں گے کہ مدینہ والوں میں سے بعض تو سخت تر منافق ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیتے ہیں (الخ) آخرون سے مراد ہیں۔ رہ جانے والے دس صاحبوں میں سے وہ سات جنہوں نے اپنے کو ستونوں سے بندھوا دیا تھا اعتراف کے معنی ہیں اقرار کر لینا خواہ اپنے گناہوں کا یا رب کی نعمتوں کا یا حضور انور کی رحمتوں کا یہاں پہلا اقرار مراد ہے اگر اس کے ساتھ گذشتہ پر شرمندگی آئندہ نہ کرنے کا ارادہ بھی ہو تو یہ ہی توبہ ہے

(تفسیر خازن) ذنوب جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ یہاں اس سے مراد ہے سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک سے غیر حاضری چونکہ ان ساتوں میں سے ہر ایک نے یہ خطا کی تھی لہٰذا ذنوب جمع ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ اُن کے اس رہ جانے میں چند خطائیں شامل ہوں ۱ حضور انور کے ساتھ نہ جانا ۲ حضور انور کے فرمان عالی پر عمل نہ کرنا ۳ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں قیام کرنا ۴ منافقین سے مشابہت کہ اُس وقت بلا عذر حضور کے فرمان کے خلاف مدینہ میں رہنا منافقوں کی علامت تھی اس صورت میں ہر ایک کی چند خطائیں تھیں۔ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا یہ فرمان عالی بھی آخَرُوْنَ کی صفت ہے یا حال تو قد پوشیدہ ہے۔ خلط کے معنیٰ ہیں ملانا خواہ اس طرح ملانا کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ رہے اور ہر ایک دوسرے کا اثر قبول کرے۔ جیسے دودھ میں پانی یا شکر شہد ملانا۔ یا اس طرح کہ امتیاز باقی رہے جیسے روپیہ پیسہ ملانا یا آدمیوں کو بعض سے ملانا وغیرہ یعنی جمع کرنا پہلے معنی سے اس کے ساتھ ب آتی ہے۔ کہا جاتا ہے خَلَطْتُ الْمَآءَ بِاللَّبَنِ دوسرے معنی میں اس کے ساتھ واو آتا ہے جیسے خلطت الدراھم بالدنانیر۔ یہاں دوسرے معنی کا خلط مراد ہے یعنی جمع کرنا۔ کیونکہ نیکیاں اور گناہ جمع ہو کر ایک دوسرے کا اثر نہیں لیتے نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ (تفسیر کبیر و خازن) نیک و بد اعمال سے کیا مراد ہے۔ اس میں دو قول ہیں ۱ بُرا عمل غزوہ تبوک میں نہ جانا۔ اچھا عمل سچی توبہ اور ستون سے بندھ جانا چونکہ توبہ اعلیٰ ہے اس لیے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ یہ سات حضرات بندھنے کے زمانہ میں بھوکے پیاسے رہے حتیٰ کہ ساتویں دن بیہوش ہو کر گر گئے۔ (خازن) ۲ نیک عمل تمام جہادوں میں حضور کے ساتھ جانا اور بُرا عمل تبوک میں نہ جانا۔ نیک عمل سے مراد ساری نیکیاں ہیں۔ بُرے سے مراد سارے گناہ۔ اور یہ آیت تاقیامت عام مسلمانوں کو شامل ہے اگرچہ اس کا نزول خاص لوگوں کے لیے ہے (تفسیر خازن و کبیر) لہٰذا عَمَلًا صَالِحًا اور آخَرَ سَیِّئًا دونوں اسم جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ دونوں شامل ہیں۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ یہاں رب کی طرف سے وجوب ہے کہ کریم وعدہ کر کے ضرور پورا کرتے ہیں اور بندوں کی طرف سے امید توبہ اگر بندہ کا فعل ہو تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا اگر رب کا فعل ہو تو معنی ہوتے ہیں اس لوٹنے کو قبول فرما لینا۔ اور ارادۂ عذاب سے ارادہ ثواب کی طرف رجوع کرنا پہلے معنی سے توبہ کے بعد الیٰ آتا ہے توبوا الی اللّٰه دوسرے معنی سے اس کے بعد علیٰ آتا ہے یہاں دوسرے معنیٰ ہیں یعنی قریب ہے کہ رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے مقصد ہے کہ قبول فرمائی اس لیے حضور انور نے اس کے نزول پر اُن حضرات کو کھول دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یہ فرمانِ عالی ان حضرات کے لیے اور ان کے صدقہ میں ہم جیسے سارے گناہ گاروں کے لیے بڑی بشارت ہے۔ غفور فرما کر یہ بتایا کہ ہم توبہ سے گناہ بخش دیتے ہیں رحیم فرما کر یہ بتایا توبہ پر ثواب بھی دیتے ہیں کہ توبہ ایک عبادت ہے یہ کرم نوازیاں اس محبوب کے صدقہ سے ہیں جن کا نام نامی نبی التوبہ بھی ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اس فرمان عالی کا تعلق اُن حضرات کے اس عمل سے ہے کہ وہ ستونوں سے کھلنے کے بعد اپنے گھروں سے اپنے سارے مال حضور انور کی بارگاہ میں لائے کہ انہیں بطور کفارہ وصول فرما کر فقراء میں تقسیم فرما دیں۔ ظاہر یہ ہے کہ خذ امر اباحت کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں کیونکہ نہ تو ان حضرات پر یہ مال خیرات کرنا واجب تھا نہ حضور انور پر اس کا وصول فرمانا واجب مقصد

یہ ہے کہ آپ ان کی یہ خوشی پوری فرما دیں ان کی طرف سے یہ مال اپنے ہاتھ شریف سے خیرات کریں۔ ان سے نہ فرما دیں کہ تم خود خیرات کر دو من فرما کر بتایا کہ سارے مال وصول نہ کریں بلکہ ان کا کچھ حصہ چونکہ ان میں سے ہر صاحب اپنا مال لائے تھے اس لیے اموال جمع ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ ہر صاحب اپنے مختلف مال لائے تھے اس لیے اموال جمع فرمایا۔ صدقہ فرما کر بتایا کہ یہ مال حضور انور نے اپنے لیے وصول نہیں فرمائے بلکہ صدقہ و خیرات کے لیے۔ اس روش سے معلوم ہو رہا ہے کہ صدقہ سے زکوٰۃ یا کوئی دوسرا واجب صدقہ مراد نہیں بلکہ صدقہ نفل مراد ہے۔ یعنی خیرات چونکہ خیرات دینے والے کی صدق نیت پر رہبری کرتی ہے اس لیے اسے صدقہ کہتے ہیں صدقہ بہت قسم کا ہے فرض۔ واجب۔ سُنت۔ مستحب۔

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا۔ اس فرمان کی چند ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ عبارت خذ کے فاعل انت کا حال ہے اور یہ دونوں صیغے واحد مخاطب ہیں۔ ان میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بہا میں ب سببی ہے طہارت سے مراد ہے دلوں کا گناہ کے میل سے پاک ہونا اور زکوٰۃ سے مراد اُن کے مالوں کا بڑھنا۔ اس میں برکت ہونا یا یا انہیں ابرار کے درجات تک پہنچانا۔ یعنی اے محبوب آپ انہیں اس صدقہ کے ذریعہ گذشتہ کے سارے گناہوں سے پاک صاف فرما دیں۔ اور ان کی مال و اولاد میں برکتیں دیں یا انہیں درجۂ ابرار تک پہنچا دیں (روح المعانی، روح البیان خازن وغیرہ) خیال رہے کہ تطہر اور تزکی دونوں باب تفعیل سے ہیں مبالغہ کے لیے یعنی آپ انہیں خوب پاک و صاف کریں۔ اور خوب ان کے جان و مال میں برکتیں دیں اور انہیں ترقی درجات عطا فرما دیں۔ تفسیر خازن نے یہاں فرمایا فانک تطھرھم باخذھا من دنس الاثام۔ اے محبوب آپ یہ صدقات وصول فرما انہیں گناہوں کے میل سے پاک فرما دو گے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ یہ اپنے محبوب کو دوسرا حکم ہے معطوف ہے خذ الخ پر صَلِّ بنا ہے صلوٰۃ سے قرآن مجید میں صلوٰۃ تین معنی میں ارشاد ہوا ہے ۱۔ نماز ۲۔ مطلقاً دعا ۳۔ نماز جنازہ۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی ان کے لیے دعاء خیر کریں اگر اس سے مراد اللھم صل علی فلاں کہنا مراد ہے تو یہ حضور انور کی خصوصیت ہے۔ ہم کسی غیر نبی کو اس طرح دعا نہیں دے سکتے اور اگر مطلقاً دعا مراد ہے تو یہ حکم عام ہے کہ ہر صدقہ لینے والا فقیر یا صدقہ وصول کرنے والا سلطان اسلام صدقہ دینے والے کو دعاء خیر دے مگر یہاں یہ حکم صرف حضور انور کو ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ اس فرمان عالی میں صل علیھم کی حکمت بیان فرمائی گئی۔ سکن مصدر ہے بمعنی سکون قلب اطمینان۔ قرار دل لھم سے مراد یا تو وہی سات حضرات ہیں یا سارے صحابہ یا سارے امت والے یعنی آپ کی دعا ان سب کے دلوں کا چین قلب کا قرار دلوں کا اطمینان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اب رب تعالےٰ نے ہمارا صدقہ قبول فرما لیا ہم سے راضی ہو گیا۔ کیونکہ حضور نے دعا دے دی حضور کی دعا رب کی رضا ہے۔ شعر۔

دل کی لگی مرے نبی تیرے سوا بجھائے کون　　تم ہو قرارِ بے قرار تم ہو دوائے دردِ دل

بلکہ خود حضور انور بلکہ حضور کا نام قرار بے قرار ہے دلوں کا چین ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ شعر۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو　جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں
اُن کا مبارک نام بھی ہے چین دل کا چین ہے　جو ہو مریض لا دوا اُس کی دوا یہ ہی تو ہیں

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اس فرمانِ عالی میں حضرات صحابہ کے اقوال اعمال احوال سب کی تعریف ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اِن نیازمندوں کی باتیں سنتا ہے۔ ان کے ارادے جانتا ہے یہ حضرات قول فعل نیت ارادے کے سچے ہیں اس لیئے ان کی سفارش فرماتا ہے۔

خلاصۂ تفسیر اِن مدینہ والوں میں کچھ لوگ تو وہ منافقین ہیں جن کا ذکر تم سن چکے اور دوسرے وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے اپنے قصوروں کا سچے دل سے اقرار کر لیا۔ گذشتہ پر نادم ہو گئے۔ آئندہ کے لیئے غزوات میں شرکت کا عہد و پیمان کر لیا یہ وہ حضرات ہیں جن کے اعمال ملے جلے ہیں۔ کچھ اچھے کچھ برے گذشتہ غزوات میں آپ کے ساتھ جانا اچھے عمل تھے غزوہ تبوک میں نہ جانا برا کام۔ پھر اس سے سچی توبہ کر لینا اچھا کام۔ قریب ہے کہ رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے (یعنی فرمالی)، کیونکہ اللہ تعالےٰ غفور بھی ہے گناہ بخش بھی دیتا ہے اور رحیم بھی ہے کہ توبہ کرنے والے کے درجات بڑھا دیتا ہے۔ اے محبوب یہ لوگ آپ کی خدمت گرامی میں اس خطا کے کفارہ پر اپنے مال صدقہ کے لیئے لائے ہیں آپ اِن مالوں میں سے کچھ حصہ وصول فرمالیں۔ اس صدقہ کے ذریعہ آپ اُن کو اُنکے گناہوں کے میل کچیل سے پاک و صاف بھی کر دو اور اُن کے جان مال ایمان میں برکتیں بھی بخش دو۔ اُن کے درجات بھی بڑھادو۔ ساتھ ہی ان کے لیئے دعاءِ خیر بھی فرمادو۔ کیونکہ آپ کی دعا اُن کے دلوں کا چین ہے انہیں اس سے اطمینان نصیب ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ بس اب ہم سے رب راضی ہو گیا۔ ہمارا صدقہ قبول ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتیں بھی سنتا ہے ان کے دلی ارادے قوتِ ایمان آپ کے ساتھ خلوص سب کچھ جانتا بھی ہے۔ یہ مخلصین صادقین مومنین ہیں اس لیے ہم آپ سے اُن کی سفارش فرماتے ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ بندہ کا اپنے گناہ پر نادم ہونا رب تعالیٰ کو بڑا ہی پسند ہے۔ ندامت اعلیٰ درجہ کی توبہ ہے بغیر ندامت صرف توبہ توبہ کہہ لینا کچھ مفید نہیں یہ فائدہ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ بعض لوگوں کی سزا شریعت نے مقرر کی ہے جیسے اگر کوئی رمضان میں روزہ توڑ دے تو اکسٹھ روزے رکھے۔ ساٹھ روزے کفارے یعنی جرمانے کے اور ایک روزہ قضاء۔ ایسے ہی قسم توڑنے اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے کفارے لیکن اگر کوئی مجرم اپنے لیئے خود کوئی جائز سزا تجویز کرے تو کوئی مضائقہ نہیں یہ فائدہ اس آیت کے شانِ نزول سے حاصل ہوا۔ دیکھو اُن صحابہ کرام نے اپنے کو مسجد کے ستونوں سے بندھوا دیا مگر اس عمل کو نہ تو حضور انور نے برا کہا نہ رب تعالیٰ نے بلکہ رب نے اس عمل کو گناہ کا اقرار فرمایا اور اس کی تعریف کی بعض لوگ ایک نماز قضا ہو جانے پر بہت نوافل بطورِ کفارہ پڑھتے ہیں۔ اُن کا ماخذ یہ واقعہ ہے۔ بعض لوگ اپنے پر کوئی سختی لازم کر لیتے ہیں وہ بھی اس واقعہ سے دلیل پکڑتے ہیں۔ تیسرا فائدہ حضور انور کو حلّالِ مشکلات سمجھنا حضرات صحابہ سے ثابت

ہے ۔ یہ فائدہ بھی اس آیت کے شانِ نزول سے حاصل ہوا کہ اُن حضرات نے کہا کہ اب ہم کو حضور انور اپنے ہاتھ سے کھولیں گے تو ہم کھلیں گے ۔ یعنی حضور کا کھولنا ہماری توبہ قبول ہونے کی دلیل ہوگا ۔ **چوتھا فائدہ ۔** عموماً نیک و بد اعمال اپنے حال پر رہتے ہیں کہ نہ نیکی گناہ بن جاتی ہے نہ گناہ نیکی ۔ بلکہ نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ یہ فائدہ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا الخ سے حاصل ہوا ۔ ہم تحلیل کے قائل نہیں جیسے روپیہ اشرفیاں ملا دو یا کھرے کھوٹے سکے ملا دو تو کھوٹا کھوٹا رہتا ہے اور کھرا کھرا ۔ دیکھو یہاں وَ اٰخَرَ سَیِّئًا فرمایا اگر کوئی نمازی بھی ہو شرابی بھی تو وہ گناہ گار بھی ہے نیکو کار بھی ۔ اگر کوئی عمل تبدیل ہو جاتا تو مخلوط کیسے ہوتا ۔ (تفسیر کبیر) **پانچواں فائدہ ۔** بندہ کا کام ہے توبہ کرنا رب کا کرم ہے توبہ قبول کرنا ۔ اگر اُدھر سے یہ کرم نہ ہو تو توبہ بیکار ہے ۔ بلکہ بندہ کو توبہ کی توفیق ملنا بھی رب کے کرم سے ہے ۔ یہ فائدہ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ سے حاصل ہوا کہ اس توبہ کا فاعل رب تعالیٰ ہے ۔ **چھٹا فائدہ ۔** اعلیٰ درجہ کا مقبول بندہ بھی رب تعالیٰ سے بے خوف نہ ہو اللہ کا خوف رکنِ ایمان ہے ۔ رب کی بے نیازی سے ڈرتا رہے یہ فائدہ عَسَی اللّٰہُ الخ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ **ساتواں فائدہ ۔** ہماری نیکیاں تب قابلِ قبول ہیں جب حضور کے ذریعہ رب کی بارگاہ میں پیش ہوں ۔ یہ ہی صحابہ کرام کا عقیدہ تھا یہ فائدہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً الخ سے حاصل ہوا ۔ دیکھو صدقہ رب کی عبادت ہے مگر حضرات صحابہ حضور کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے کہ آپ اپنے ہاتھ شریف سے فقراء کو دیں کہ آپ کے ہاتھ کی برکت سے قبول ہو جائے ۔ **آٹھواں فائدہ** اللہ رسول ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں یہ فائدہ مِنْ اَمْوَالِهِمْ سے حاصل ہوا ۔ دیکھو وہ حضرات اپنے سارے مال خیرات کرنے لائے تھے ۔ حکم ہوا کہ کچھ حصہ وصول فرماؤ حضور نے ایک تہائی قبول کیا باقی انہیں خرچ کے لیئے واپس فرما دیا یہ فائدہ مِنْ اَمْوَالِهِمْ کے مِنْ سے حاصل ہوا ۔ **نواں فائدہ** پاکیزگی صرف نیک اعمال سے نہیں ملتی وہ تو حضور انور کی نگاہِ کرم سے ملتی ہے یہ فائدہ تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا سے حاصل ہوا ۔ نیک اعمال پاکیزگی کا ذریعہ ہیں ۔ جیسے قلم خود نہیں لکھتا کاتب اس کے ذریعہ لکھتا ہے ۔ صابن کپڑا خود نہیں دھوتا ۔ دھونے والے کا ہاتھ اس کے ذریعہ دھوتا ہے ۔ یہ خوب یاد رکھو یہ قاعدہ تا قیامت جاری ہے رب فرماتا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ **دسواں فائدہ** تا قیامت مسلمان اپنی نیکیاں حضور انور کے طفیل کسی کو بخشتے ہیں ۔ نذرِ اللہ نیازِ رسول اللہ ۔ یہ مسئلہ اس آیت اور صحابہ کے اس عمل سے ماخوذ ہے ۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ تا قیامت امت کے نیک و بد اعمال حضور انور پر پیش ہوتے رہیں گے ۔ حضور نیک اعمال دیکھ کر اللہ کا شکر کرتے ہیں اور برے اعمال ملاحظہ فرما کر دعاء مغفرت فرماتے ہیں ۔ حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَمَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ الخ تفسیر صاوی ۔ **گیارھواں فائدہ** رب تعالیٰ جسے جو دیتا ہے حضور انور کی دعا سے ۔ حضور کے دلوانے سے دیتا ہے ۔ دینے والا رب ہے دلوانے والے حضور انور ۔ یہ فائدہ وَصَلِّ عَلَیْهِمْ سے حاصل ہوا کہ فرمایا تم اُن کے لیئے دعا کرو ۔ مقصد یہ ہے کہ تم دعا کرو تاکہ ہم دیں ۔ **بارھواں فائدہ** تا قیامت حضور انور کی دعائیں امت کے لیئے دلوں کا چین ہیں بلکہ اُن کا نام بھی دلوں کا چین ہے یہ فائدہ

اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّهُمْ سے حاصل ہوا دلوں کی بے چینی گناہوں سے ہوتی ہے اور چین وسکون اللہ کی رحمت سے

پہلا اعتراض یہ سات حضرات جو بارہ دن تک ستونوں سے بندھے رہے انہوں نے ان دنوں کی نمازیں کیسے پڑھیں۔ کیا ایک نفل کام کے لیے فرض چھوڑ دو گے۔ جواب ابھی شان نزول میں گذر ہو گیا کہ ان کے بچے انہیں نماز اور استنجے وضو کے لیئے وقت پر کھول دیتے تھے بعد میں باندھ دیتے تھے۔ **دوسرا اعتراض** آخر اس کام سے فائدہ کیا تھا کیا اپنے کو بندھوالینا بھی کوئی عبادت ہے۔ **جواب** تاکہ یہ حالت زار دیکھ کر حضور انور کو رحم آجائے حضور کے رحم سے رب تعالیٰ بھی رحم فرماتا ہے یہ سب کچھ دریاء رحمت جوش میں لانے کا بہانہ تھا۔ کوئی یار کو رو کر مناتا ہے کوئی بندھ کر کوئی حالت زار دکھا کر عاشقوں کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ شعر۔

واہ رے آپ کا کرم کرکے گنہ جو ڈرے ہم پھر انہیں رحم آ گیا حالت زار دیکھ کر

تیسرا اعتراض۔ ابو لبابہ نے اپنے کو ستون سے غزوہ خندق کے بعد بندھوایا تھا۔ جب انہوں نے بنی قریظہ کو حضور انور کا ایک راز بتا دیا تھا تم نے اس موقعہ پر بندھوانے کا واقعہ بیان کیا۔ **جواب** تفسیر صاوی نے فرمایا کہ دونوں موقعوں پر اپنے کو بندھوایا ہے۔ دیکھو تفسیر جواہی کی گئی۔ **چوتھا اعتراض**۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک اور بداعمال ایک دوسرے میں مدغم اور حل نہیں ہو جاتے۔ نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں سے گناہ بھی نیکی میں تبدیل ہو جاتے ہیں فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ اور ریا گناہ سے نیکی برباد ہو جاتی ہے تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ آیات میں تعارض ہے۔ یہاں اس آیت سے دونوں کا بقا معلوم ہوتا ہے وہاں ایک کا دوسرے سے فنا۔ **جواب** ان آیات میں خصوصی نیکیوں مخصوص گناہوں کا ذکر ہے یہاں اس آیت میں عمومی نیک و بداعمال کا تذکرہ یعنی کبھی کوئی نیکی گناہ مٹا دیتی ہے۔ کوئی گناہ کبھی نیکی برباد کر دیتا ہے۔ مگر عموماً خلط ہی ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنا صدقہ خود نہ دے بلکہ حضور انور کے حوالہ کرے۔ حضور انور کے بعد ان کے تابعین سلطان اسلام وغیرہ کو دیا کرے۔ دیکھو فرمایا گیا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً خذ امر ہے جو وجوب چاہتا ہے **جواب** یہاں صدقہ مراد ہر صدقہ نہیں بلکہ خاص وہ صدقہ ہے جو حضرات اُس وقت بطور کفارہ لائے تھے یہ خیال رہے۔ **مسئلہ** ظاہری مال یعنی جانور پیداوار اُن کی زکوٰۃ سلطان اسلام کو دی جاتی رہی ہے باطنی مال یعنی سونا چاندی وغیرہ ان کی زکوٰۃ مالک خود دیتے تھے۔ یہ حکم خلافت عثمان تک رہا۔ خلافت عثمانیہ میں یہ حکم ختم ہو گیا۔ لوگ اپنے ہر مال کی زکوٰۃ خود دینے لگے اب بھی حکم یہ ہی ہے بلکہ فقہا فرماتے ہیں کہ اب حکام اکثر ظالم ہیں زکوٰۃ وصول کرکے خود کھا جاتے ہیں لہٰذا انہیں زکوٰۃ کسی قسم کی نہ دی جاوے دیکھو مرآت شرح مشکوٰۃ جلد سوم ص۲۲۔ وہاں مرقات نے بھی یہ ہی تحقیق کی ہے۔ **مسئلہ** بعض علماء نے اس سے نماز جنازہ ثابت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صَلِّ عَلَيْهِمْ کے معنیٰ ہیں آپ اُن پر نماز جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ اس جگہ تفسیر روح البیان نے نماز جنازہ کے بہت احکام بیان کئے وہ معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ اے محبوب آپ ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھیں۔ کیونکہ آپ کی نماز سے

مُردوں اور اُن کے وارث زندہ کو دل کا چین ہے۔ **چھٹا اعتراض** تُطَهِّرُهُمْ صیغہ مونث غائبہ کا ہے معنی یہ ہیں کہ وہ صدقہ انہیں پاک کرے گا تم نے یہ کیسے کہا کہ حضور انور پاک فرماتے ہیں۔ **جواب** واقعی تُطَهِّرُهُمْ کی ایک تفسیر یہ بھی ہے مگر تُزَكِّيهِمْ میں یہ احتمال نہیں کیونکہ وہاں ساتھ ہی بِهَا ہے مگر قوی تفسیر یہ ہے کہ بِهَا کا تعلق تُزَكِّيهِمْ دونوں سے ہے یعنی اے محبوب آپ انہیں ان صدقات کے ذریعہ پاک بھی کر دیں اور ستھرا بھی۔

تفسیر صوفیانہ جسمانی بیماریوں کے علاج نرم بھی ہوتے ہیں گرم بھی میٹھی دواؤں سے علاج نرم ہے کڑوی دواؤں اپریشن سے علاج گرم پاکی نرمی سے بھی ہوتی ہے گرمی سے بھی ناپاک جسم دھو کر پاک کرنا نرمی سے پاکی ہے اور گندے گوبر کو جلا کر راکھ کر دینا۔ لوہے۔ تانبے پیتل کی چیزیں اگر ناپاک ہو جائیں اور انہیں آگ میں تپا لیا جاوے تو وہ پاک ہو جائے گی مگر یہ پاکی گرم ہے یوں ہی گندے نفس کی پاکی اس کا علاج گرم بھی ہے نرم بھی۔ جن کے متعلق یہ آیت آئی ہے انہوں نے اپنی خطا کی معافی گرمی سے کرائی کہ اپنے کو ستون سے بندھوا دیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اس گرمی کو رب نے اعتراف یعنی اقرار گناہ قرار دیا اور انہیں شاندار معافی بخشی۔ بعض صوفیاء نفس امارہ کا زور توڑنے کے لئے بڑی مشقت والی عبادت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حضرات دریا میں کھڑے ہو کر وظیفے پڑھتے ہیں حضرت فرید گنج شکر نے کنوئیں میں لٹک کر وظیفے پڑھے ان سب کی اصل یہ آیت اور اس کا یہ شان نزول ہے۔ ایک دن بابا فرید کے سر پہ کوا بیٹھ گیا۔ آنکھوں میں چونچیں مارنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ شعر۔

کاگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس   دو نیناں مت کھائیو کہ ان سے پیا ملن کی آس

اے کوے میرا سارا تن کھالے مگر آنکھیں نہ کھانا۔ کہ ان سے محبوب کا جمال دیکھنے کی امید ہے اس شعر پر آپ کی ساری منزلیں طے ہو گئیں۔ مولانا تمنا مراد آبادی فرماتے ہیں۔ شعر۔

کاگا نین نکاس دے اور پیا پیا کے پاس   پہلے درشن دکھائیو اور پیچھے لیجو کھاس

اے کوے میری آنکھیں نکال کر محبوب کے پاس لے جا۔ پہلے دیدار دکھا نا پھر کھا لینا۔ جب ناپاک اور پاک چیز خلط ملط ہو تو کبھی ناپاک پاک کو ناپاک کر دیتی ہے جیسے کنوئیں میں گندگی گر جائے سارا پاک پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس کہ پاک کو پاک کر دیتا ہے۔ جیسے بہتے پانی یا تالاب دریا سمندر میں پیشاب گرے تو وہ ناپاک نہ ہوں گے۔ بلکہ اُس کے قطرے پاک ہو جائیں گے۔ اُن حضرات نے نیکیاں اور گناہ مخلوط کئے مگر حضور کی محبت میں آنسو بہا لئے تو گناہ ہی ختم ہو گئے۔ رب نے اعلان فرما دیا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تا قیامت مسلمانوں کے نیک اعمال رب تک پہنچتے ہیں جب حضور کے کرم کے دریا میں بہہ جائیں۔ اس دریا کا ایک کنارہ گنہگار کی طرف ہے دوسرا کنارہ ربِ غفار کی طرف اس لئے ارشاد ہوا۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

کیا نہ جانا انہوں نے کہ تحقیق اللہ ہی قبول فرماتا ہے توبہ بندوں سے اپنے

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور صدقے خود اپنے

وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور لیتا ہے خیراتیں اور تحقیق اللہ وہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

دست قدرت میں لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ

اور فرما دو کہ کیے جاؤ پس عنقریب دیکھے گا اللہ کام تمہارے اور پیغمبر اس کے اور

اور تم فرماؤ کام کرو اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کے رسول اور

الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ

مسلمان اور جلد اس کی طرف پلٹو گے جو چھپا اور کھلا سب جانتا ہے

مومن لوگ اور عنقریب لوٹائے جاؤ گے تم طرف جاننے والے کے غائب اور حاضر

فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ۚ

کو پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تھے تم عمل کرتے

تو وہ تمہارے کام تمہیں جتا دے گا

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضرات صحابہ کی توبہ اور ان کے صدقات کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا تھا کہ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ صراحۃً قبولیت کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ اب اس قبولیت کی تصریح فرمائی جا رہی ہے۔ گویا امید دلانے کے بعد کرم نوازی فرمانے کا تذکرہ ہے دکیرا دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں توبہ اور صدقہ قبول کرنے والوں کی قبولیت کا ذکر ہوا اب توبہ نہ کرنے والوں کو اس کی رغبت دی جا رہی ہے کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم اس شاندار طریقہ سے توبہ و صدقات قبول کرتے ہیں تو تم لوگ بھی توبہ کیوں نہیں کر لیتے۔ گویا مقبولین کی قبولیت دکھا کر دوسروں کو مقبول بننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ

میں حضور انور کو حکم دیا گیا تھا کہ اے محبوب ان توبہ کرنے والوں کے صدقات قبول فرما لو۔ خذ من اموالھم (الخ) اب ارشاد ہے کہ ان محبوب کا قبول فرمانا بعینہٖ ہمارا قبول فرمانا ہے ہاتھ ان کا ہے کرم نوازی ہماری۔ چوتھا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور کو فرمایا گیا کہ آپ ان کے حق میں دعاء خیر فرما دیں اب ارشاد ہے کہ آپ کی دعا سے توبہ و صدقہ قبول ہوتے ہیں۔ لب آپ کے ہلتے ہیں دریا کرم ہمارا جوش میں آتا ہے۔

شان نزول جب مذکورین سات صحابہ کی توبہ قبول ہوئی اور تمام صحابہ میں اُن کی عظمت قبولیت مشہور ہوئی تو جن لوگوں نے توبہ میں دیر لگائی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کل تک تو ان حضرات کا اور حال تھا آج ان کا رنگ ہی بدل گیا۔ تب اُن کے جواب میں یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ جن میں بتایا گیا۔ کہ یہ سب ہمارے مقبول توبہ اور مقبول صدقہ کی ہیں۔ (کبیر۔ روح المعانی۔ مدارک۔ خازن وغیرہ)

تفسیر اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا۔ ظاہر یہ ہے کہ یَعۡلَمُوۡا کا فاعل توبہ و صدقہ کرنے والے صحابہ ہیں تو یہ سوال تقریری یعنی ثابت کرنے کے لیئے ہے یعنی انہوں نے یہ جان لیا تب توبہ و صدقہ کیا اور ہوسکتا ہے کہ یَعۡلَمُوۡا کا فاعل توبہ نہ کرنے والے یا توبہ میں دیر لگانے والے لوگ ہوں۔ تب یہ سوال تعجب دلانے کے لیئے ہے علم دو مفعول چاہتا ہے۔ اور اگر معنی معرفت یعنی پہچاننا ہو تو ایک ہی مفعول کافی ہوتا ہے۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی جاننا اور اس کے دو مفعول ہیں اَنَّ اللّٰہَ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ۔ یہ عبارۃ یَعۡلَمُوۡا کے دونوں مفعولوں کی جگہ ہے۔ قبول فرمانے سے مراد ہے وہ گناہ بخش دینا۔ جس سے توبہ کی گئی ہو۔ اور توبہ کرنے کا ثواب عطا فرمانا۔ کیونکہ توبہ بھی عبادت ہے۔ اَلتَّوۡبَۃَ میں الف لام عہدی ہے اور اُس سے توبہ مراد ہے۔ جس میں توبہ کے ارکان شرائط سنتیں مستحبات سب جمع ہوں ناممکن ہے کہ ایسی توبہ قبول نہ ہو۔ رب نے اس توبہ کی قبولیت کا وعدہ فرما لیا ہے خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ۔ کفر کی توبہ ایمان ہے حقوق العباد سے توبہ حقوق کا ادا کرنا یا حق والے سے معاف کرا لینا ہے۔ شرعی حقوق سے توبہ ان کا ادا کر دینا ہے۔ علانیہ گناہ کی توبہ بھی علانیہ۔ چھپے گناہ کی توبہ بھی چھپ کر۔ گذشتہ پر ندامت آئندہ جرم نہ کرنے کا پختہ ارادہ۔ خدا توفیق دے۔ تو توبہ کے وقت اشک رواں دل پشیمان ہو۔ عن یا تو معنی مِنۡ ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے چونکہ توبہ میں تجاوز اور درگذر کے معنی ہوتے ہیں اس لیئے اس کے بعد عَنۡ ارشاد ہوا قوی یہ ہے عِبَادِہٖ سے مراد سارے جن و انس ہیں۔ جن سے گناہ سرزد ہوں۔ فرشتے۔ جانور وغیرہ اگرچہ اللہ کے بندے ہیں مگر وہ گناہ نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کی توبہ بھی نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ان بندوں سے مراد وہ سات حضرات ہیں جن کا واقعہ پہلے گذرا۔ مگر بات قوی ہے۔ وَیَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ یہ فرمان عالی معطوف ہے یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ (الخ) پر۔ چونکہ توبہ سے گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ اور صدقات رب تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ انہیں بڑھاتا ہے۔ اس لیئے توبہ کے لیئے قبول اور صدقات کا لینا ارشاد ہوا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مومن صدق دل سے ایک لقمہ خیرات کرے تو رب تعالیٰ اسے رحمت کے ہاتھ میں

لیتا ہے اس کی پرورش فرماتا ہے حتی کہ قیامت میں وہ لقمہ اُسے پہاڑ بن کر ملے گا۔ قوی یہ ہے کہ صدقات سے سارے فرضی واجب نفلی خیراتیں مراد ہیں کبھی جانوروں کی خیرات کو صدقہ پیداوار کی خیرات عشر سونے چاندی کی خیرات کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ مراد نہیں عام خیراتیں مراد ہیں۔ (روح البیان) خیال رہے کہ یہاں صدقات سے بھی صحیح صدقے مراد ہیں۔ جو حلال مال سے اخلاص کے ساتھ درست مصرف میں خرچ کئے جاویں۔ انشاء اللہ ایسے صدقے ضرور قبول ہوتے ہیں۔ وعدہ ربانی ہے۔ چونکہ حضور انور کا صدقات قبول فرمانا درحقیقت رب تعالیٰ کا ہی قبول فرمانا ہے اس لئے پچھلی آیت میں اس لینے کی نسبت حضور انور کی طرف کی گئی۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اور یہاں رب تعالیٰ کی طرف (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یہ فرمان عالی گذشتہ ارشاد کی دلیل ہے۔ تَوَّاب کا تعلق ہے۔ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ سے اور رَحِيْمُ کا تعلق ہے صدقات لینے سے یعنی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے کیونکہ وہ تواب ہے اور صدقات وصول فرماتا ہے کیونکہ وہ رحیم ہے یہ سب اس کے فضل و کرم سے ہے نہ کہ تمہارے استحقاق سے۔ خیال رہے کہ دونوں جگہ هُوَ سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یعنی اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی تواب و رحیم ہے اس کے بعض بندے رحیم ہیں تو اس کے بنانے سے اس کے سوا نہ کوئی حقیقی تواب ہے نہ کوئی حقیقی رحیم۔ خیال رہے کہ جب تواب صفت ہو رب تعالیٰ کی تو معنی ہوتے ہیں بہت توبہ قبول فرمانے والا اور جب صفت ہو بندے کی تو معنی ہیں بہت توبہ کرنے والا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ رحیم اور رحمان کا فرق ہم پہلے پارہ میں بِسْمِ اللّٰهِ کی تفسیر میں کر چکے ہیں لہذا معنی ہوئے کہ مومنوں پر خصوصاً توبہ کرنے والوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ انہیں توبہ پر ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔ وَقُلِ اعْمَلُوْا یہ نیا فرمان عالی ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور قُلْ میں خطاب ظاہر یہ ہے کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ہے اور روئے سخن سارے لوگوں سے ہے توبہ کرنے والے ہوں یا نہ کرنے والے یا دیر لگانے والے بلکہ مومنین ہوں یا کفار عمل سے مطلق عمل مراد ہے۔ کفر ہو یا ایمان نیکی ہو یا بدی، دنیاوی کام ہوں یا دینی یہ فرمان عالی اجازت دینے کے لئے بلکہ لوگوں کو ڈرانے ہیبت دلانے کے لئے یا مومنوں کو امید دلانے اور کافروں کو خوف دلانے کے لئے یہاں روح البیان نے فرمایا کہ یہ فرمان بظاہر ترخیص و تخییر ہے درحقیقت ترغیب و ترہیب فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ یہ فرمان عالی وجہ یا تاکید ہے۔ اِعْمَلُوْا کی لہذا اس کی فَ تعلیلیہ یعنی وجہ کی ہے یریٰ بنا ہے رویۃ سے بمعنی دیکھنا یہاں اسی معنی میں ہے کیونکہ کسی چیز کا جاننا اس کے ہونے سے پہلے بھی ہو جاتا ہے مگر اس کا دیکھنا اس کے ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے آج ہم قیامت کو جانتے ہیں دیکھتے نہیں۔ مگر قیامت کے دن اُسے دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو سب کے سب اعمال پہلے ہی سے جانتے ہیں مگر اعمال دیکھیں گے ان کے کرتے وقت۔ اللہ تعالیٰ تو اس لئے دیکھے گا کہ وہ سمیع بصیر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ہر غائب و حاضر دور و نزدیک اندھیرے اجالے کی چیزوں کا دیکھنے والا بنایا ہے۔ شعر

اے فروغت صبح آثار و دہور چشم تو بینندۂ ما فی الصدور

مومنین اس لیے دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہر نیک و بد عمل لوگوں پر قدرتی طور پر شائع کر دیتا ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کوئی پتھر کی ایسی چٹان میں چھپ کر عمل کرے جس میں دروازہ کھڑکی تو کیا کوئی سوراخ بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ اعمال لوگوں میں شائع کر دیتا ہے دیکھا گیا ہے کہ خفیہ متقیوں کو لوگ قدرتی طور پر متقی کہتے ہیں خفیہ فاسق و فاجر کو قدرتی طور پر فاسق و فاجر کہا جاتا ہے یہ ہے مومنوں کا دیکھنا۔ لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ بعض لوگوں نے مومنوں سے مراد کاتب اعمال فرشتے لیئے۔ بعض شیعوں نے کہا کہ مومنوں سے مراد اُن کے معصوم بارہ امام ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال ہمارے اماموں پر پیش ہوتے ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مگر یہ تحریف ہے تفسیر نہیں۔ (تفسیر روح البیان) بعض نے فرمایا کہ یہاں دیکھنے سے مُراد ہے سزا و جزا دینا تو اس سزا جزا سے مراد دنیاوی سزا و جزا ہے کہ دنیا میں نیک نامی عزت و احترام دنیا کا ثواب ہے اور یہاں کی بدنامی ذلت و خواری کا عذاب (تفسیر روح البیان و معانی و کبیر) یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال پر حضور انور کو مطلع فرماتا ہے۔ یہ حضور کا دیکھنا ہے اور مومنوں کے دلوں میں صالحین کی محبت اور گنہگاروں کی نفرت پیدا فرماتا ہے یہ مومنین کا دیکھنا ہے (خازن) وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ یہ فرمان عالی معطوف ہے فَسَيَرَى اللّٰهُ پر اس میں اُن کی اُخروی سزا و جزا کا ذکر ہے چونکہ ہر شخص رب کے پاس سے دنیا میں آیا ہے لہٰذا اب بعد موت اُسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا لوٹنا واپس ہونا ہے چونکہ موت ہم سے بہت ہی قریب ہے اس لیئے یہاں سین ارشاد ہوا۔ غیب و شہادت سے مُراد لوگوں کے چھپے کھلے اعمال کا جاننے والا ہے فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یہ عبارت معطوف ہے سَتُرَدُّوْنَ الخ پر اگر وہاں واپسی سے مراد قیامت کے دن اٹھنا تھا تو یہاں يُنَبِّئُكُمْ الخ سے مراد اعمال کی سزا و جزا دینا ہے کہ یہ سزا و جزا قیامت میں سنائی جائے گی۔ پھر دوزخ اور جنت میں دی جاوے گی۔ اور اگر وہاں واپسی سے مراد موت تھی تو یہاں يُنَبِّئُكُمْ سے مراد آگاہ کرنا خبردار کرنا ہے کہ قبر یعنی برزخ میں اگرچہ اعمال کا حساب نہیں صرف ایمان کا حساب ہے مگر وہاں ہی بندے کو اپنے اعمال سامنے آجاتے ہیں حتیٰ کہ چغلی کرنے والا۔ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے والا قبر کی تنگی میں گرفتار ہوتا ہے مسجدیں روشنی کرنے والا قبر میں روشنی پاتا ہے لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے اور خبر و شر یا وعدے وعید دونوں کو شامل ہے۔ یہ آیت ہی تقویٰ کے لیئے کافی ہے۔

خلاصۂ تفسیر جو لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے میں پس و پیش کرتے یا دیر لگاتے ہیں کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر خالص توبہ جو وقت پر کر لی جاوے ضرور ہی قبول فرما لیتا ہے۔ اس سے اپنے بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے۔ اور اُس کے بندے اخلاص کے ساتھ جو بھی صدقہ و خیرات کریں چھوٹا یا بڑا۔ علانیہ یا چھپا ہوا اللہ تعالیٰ اُسے اپنے داہنے ہاتھ یعنی رحمت والے ہاتھ میں لیتا انہیں بڑھاتا ہے حتیٰ کہ قیامت میں ایک کھجور کا دانہ جو صدق دل سے خیرات کیا جاوے پہاڑ بن کر عطا ہوگا۔ اور کیا انہیں یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور توبہ والوں پر مہربان

ہے کہ پھر گناہ پر عذاب نہیں دیتا۔ بلکہ توبہ کا ثواب مرحمت کرتا ہے۔ اے محبوب میرے سارے بندوں سے فرما دو کہ تم جو چاہو نیک و بد عمل کرو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھے گا کہ تم کرتے ہو گے وہ دیکھتا ہو گا۔ کہ وہ بصیر بھی ہے خبیر بھی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ تعلیم الٰہی تمہارے اعمال دیکھیں گے۔ ان کی نگاہ سے تمہارے اعمال چھپے ہوئے نہیں اور قریب ہے کہ تمہارے کھلے چھپے نیک و بد اعمال مسلمان بھی دیکھیں گے۔ کہ تمہارے اعمال کے آثار تمہارے چہروں پر ظاہر ہوں گے اور قدرتی طور پر لوگوں کو صالحین سے محبت و الفت ہو گی۔ اور بدکاروں سے نفرت و حقارت۔ دنیا میں تو نیک و بد اعمال کا یہ نتیجہ ہے۔ آخرت میں تم سب اس ذات پاک کی طرف واپس جاؤ گے جو تمہارے چھپے کھلے بُرے بھلے اعمال سے خبردار ہے۔ پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا کہ قبر میں اطلاع دے گا۔ قیامت میں سزا و جزا۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** جو کوئی صحیح طور سے اللہ تعالیٰ تواب اور رحیم مانے وہ کبھی سچی توبہ اور اس کی اطاعت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ مجرم کا اس کے دروازے سے بھاگے پھرنا اس سے غفلت کی بنا پر ہے یہ فائدہ الم یعلموا سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ ہم سب کی آنکھیں کھولے۔ **دوسرا فائدہ** زبان سے رب تعالیٰ کو تواب رحیم قادر مانے مگر توبہ نہ کرے اطاعت سے منہ موڑے وہ درحقیقت اُسے تواب و رحیم مانتا نہیں۔ ماننے کا دعویٰ کرتا ہے یہ فائدہ بھی الم یعلموا الخ سے حاصل ہوا۔ منافقین اس وقت یہودی تھے جو رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے مگر دل میں ایمان نہیں لاتے تھے۔ غزوات میں شرکت سے جان چراتے تھے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا الم یعلموا۔ **تیسرا فائدہ** وہ صحیح توبہ جو شرائط ارکان کی جامع ہو اور صحیح وقت میں کی جاوے وہ بفضلہ تعالیٰ ضرور قبول ہوتی ہے اگر کسی کی کوئی توبہ قبول نہ ہو تو وہ سمجھے کہ میری توبہ میں کوئی کمی ہے۔ یہ فائدہ یقبل التوبۃ سے حاصل ہوا۔ اس کا رب نے وعدہ فرمایا ہے اس کا وعدہ خلاف نہیں ہو سکتا۔ شعر

مری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوئیں   میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

چوتھا فائدہ۔ یوں ہی صدقات و خیرات اگر صدق دل سے ہوں تو رب تعالیٰ انہیں ضرور قبول فرماتا ہے اور انہیں بڑھاتا بھی ہے۔ حتیٰ کہ ایک دانہ جس کی خیرات وہاں قبول ہو جاوے قیامت میں پہاڑ ہو کر ملے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ یاخذ الصدقات سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے یمحق اللہ الربوٰا ویربی الصدقات دوسری جگہ فرماتا ہے کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ سچی توبہ سے گناہ معاف فرماتا ہے ثواب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ توبہ عبادت ہے اور عبادت باعث ثواب یہ فائدہ تواب کے ساتھ رحیم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** امر ہمیشہ وجوب کے لیے نہیں آتا اس کے بہت مقاصد ہوتے ہیں حتیٰ کہ کبھی کسی کام سے روکنے اور جھڑکنے کے لیے بھی آتا ہے یہ فائدہ دقل اعملوا سے حاصل ہوا کہ اعملوا میں ہر اچھے بُرے کام کا نہ حکم ہے نہ اجازت۔ بلکہ جھڑک ہے فرماتا ہے ومن شاء فلیکفر وہاں بھی کفر کی اجازت نہیں۔ **ساتواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے

کرو وہ ہمیشہ سے علیم ہے خبیر ہے مگر روایت یعنی دیکھنا چیز کے موجود ہونے پر ہوتا ہے جسے علم ظہور کہا جاتا ہے یہ فائدہ فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ کے سین سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت بلکہ سارے جہان کے سارے کاموں کو ملاحظہ فرماتے ہیں کبھی کا کوئی کام حضور انور سے پوشیدہ نہیں یہ فائدہ وَرَسُوْلُہٗ فرمانے سے حاصل ہوا اور کیوں نہ ہو کہ حضور انور سب کے سارے اعمال وایمان کے گواہ ہیں۔ گواہ کو مشاہدہ کرایا جاتا ہے وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا اور فرماتا ہے وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا خود فرماتے کہ مجھ پر تمہارے رکوع سجود دل کا خشوع وخضوع چھپا نہیں رہتا۔ (بخاری شریف) **نواں فائدہ** اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی نیک وبد اعمال چہرے کے آثار سے اور وجوہ سے لوگوں پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ اندرونِ خانہ کیئے ہوئے اعمال فاش کر دیتا ہے یہ فائدہ اَلْمُؤْمِنُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** قیامت میں ہر ایک کو اس کا ہر عمل بتا دیا دکھا دیا جاوے گا۔ اقرارِ جرم کرا کے سزا دی جاوے گی یہ فائدہ فَیُنَبِّئُکُمْ الخ سے حاصل ہوا۔ بلکہ مرتے ہی بلکہ مرنے کے وقت ہی انسان کو اپنے اعمال وانجام کا پتہ لگ جاتا ہے رب تعالیٰ نیک اعمال نصیب کرے

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ توبہ ضرور قبول فرماتا ہے مگر دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی توبہ بلکہ ایمان قبول نہیں بھی ہوتا۔ دیکھو جمیل اپنی زکوٰۃ بار بار حضور انور اور صحابہ کرام کے پاس لایا مگر نا منظور ہوئی۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کلمہ پڑھا مگر نا منظور ہوا وہ آیات اس آیت کے خلاف ہے **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں توبہ سے سچی توبہ اور ہر وقت توبہ مراد ہے۔ جمیل نے سچی توبہ نہیں کی تھی۔ ہر بار منافقت سے زکوٰۃ لاتا تھا۔ فرعون نے توبہ کا وقت نکال دیا عذاب دیکھ کر توبہ کی جو نا مقبول ہوئی۔ **دوسرا اعتراض۔** فقہاء فرماتے ہیں کہ حضور انور کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں وہ قول اس آیت کریمہ کے خلاف ہے یہاں ہر توبہ قبول ہونے کا وعدہ ہے۔ **جواب** حضور انور کے گستاخ کی توبہ عند اللہ قبول ہے۔ قاضی قبول نہ کرے گا۔ اسے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ شرعی حد کی وجہ سے قتل کرائے گا۔ جیسے قتل کا قصاص بہر حال لیا جائے گا۔ اگرچہ قاتل توبہ کرے تاوقتیکہ صاحبِ حق معاف نہ کرے۔ یہاں حضور انور صاحبِ حق ہیں اُن کی معافی کیسے حاصل کی جاوے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ صدقات لیتا ہے دوسری جگہ ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً اے محبوب آپ اُن کے مال کے صدقے لو۔ حضور انور نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا کہ تم امیروں سے صدقات لو۔ فقراء کو دو ان میں کونسی آیت درست ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** تینوں آیات درست ہیں یہاں حقیقت کا ذکر ہے ان آیات میں ظاہر سبب کا۔ کیونکہ حضور کے عامل یا فقیر کا صدقہ لینا بالواسطہ حضور انور کا قبول فرمانا ہے اور حضور انور کا قبول فرمانا درحقیقت رب تعالیٰ کا قبول فرمانا ہے۔ **چوتھا اعتراض** اگر اس آیت سے حضور انور کا علم غیب حاضر وناظر لوگوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنا ثابت کرتے ہو تو یہ ہی صفات سارے مسلمانوں کے لیئے بھی مانو کیونکہ یہاں سَیَرَی کا فاعل اللہ تعالیٰ، رسول، مومنین سب ہی ہیں۔ لوگوں کے اعمال سب ہی دیکھتے ہیں۔ **جواب** اللہ رسول کے

دیکھنے اور مومنوں کے دیکھنے میں کئی طرح فرق ہے۔ مومن صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات دیکھتے ہیں۔ اللہ رسول ہر جگہ اندھیرے اجیالے کے اعمال کو۔ ع۲ مومنین علامات کے ذریعہ دیکھتے ہیں۔ اللہ رسول کو ان علامات کی ضرورت نہیں غرضکہ نوعیت رویت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھو ان اللّٰہ وملائکتہ یصلون علی النبی میں لفظ صلوٰۃ یعنی درود ایک ہے مگر نوعیت صلوٰۃ میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا درود اور نوعیت کا ہے فرشتوں کا دوسری نوعیت کا **پانچواں اعتراض** اگر یہاں سَتُرَدُّوْنَ اِلٰی سے مراد مرکر قبر میں جانا ہو تو وہاں اعمال کی خبر دینے کے کیا معنی۔ قبر میں تو اعمال کا حساب ہے ہی نہیں وہاں صرف عقائد کا حساب ہے۔ **جواب** واقعی قبر میں اعمال کا حساب نہیں مگر اعمال کی علمی خبر دینا وہاں بھی ہے کہ بعض گناہوں پر قبر کی تاریکی تنگی وحشت ہوگی۔ اور بعض نیکیوں پر قبر کی فراخی، روشنی، دل کا سکون وچین وغیرہ میسر ہوں گے۔ لہٰذا آیت کریمہ درست ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے سارے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ مِنْ عِبَادِہٖ میں عِبَادْ میں اطلاق ہے مگر بہت سی مخلوق توبہ کے لائق ہی نہیں۔ جیسے اینٹ پتھر جانور وغیرہ بعض مخلوق توبہ کرتی نہیں جیسے فرشتے اور حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء کہ ان سے گناہ ہوتے ہی نہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب** یہاں عباد جمع عبد کی ہے اور عبد سے مراد عبودیت والے بندے ہیں وہ صرف جن و انس ہی ہیں حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء۔ اگرچہ گناہ نہیں کر سکتے مگر توبہ ضرور کرتے ہیں۔ شعر۔

عابدان از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

ہم لوگ صرف توبہ کرتے ہیں وہ حضرات توبہ۔ زُدْبَہ کے ساتھ توبہ کرتے ہیں توبہ۔ زدبہ توبہ کے فرق پہلے پارہ میں عرض ہو چکے

تفسیر صوفیانہ جس دانہ کو اچھی زمین قبول کرے تو اُسے ضائع نہیں ہونے دیتی بلکہ بطور امانت اُسے محفوظ رکھتی ہے۔ اور چند در چند کرکے اُسے واپس کرتی ہے یہ تو زمین کا حال ہے جو نیکی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے وہ کیسے ضائع ہو سکتی ہے۔ وہ رب کے پاس محفوظ رہتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ کُن کا مَنْ اور ذرہ کا پہاڑ بن جاتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ اور عبد لفظاً ایک ایک ہیں لیکن معناً ان میں بڑا فرق ہے، جیسا بندہ ویسی اُس کی توبہ اور جیسی توبہ ویسی اُس کی قبولیت جیسی قبولیت ویسا اُس کا انجام۔ اللہ تعالیٰ مومن کی نیکیاں دیکھتا بھی ہے دکھاتا بھی ہے مگر مومن کے گناہ دیکھتا ہے دکھاتا نہیں بلکہ چھپاتا ہے اُس کی صفت دکھانا بھی ہے، چھپانا بھی اور مٹانا بھی۔ کفار کی نیکیاں مٹاتا ہے گھٹاتا بھی ہے بڑھاتا بھی یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُہُمْ وَاِمَّا
اور دوسرے لوگ موخر کیئے ہوئے ہیں حکم الٰہی تک یا سزا دے انہیں اور یا
اور کچھ موقوف رکھے گئے ہیں اللہ کے حکم پر یا ان پر عذاب کرے یا ان کی

يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾

توبہ ڈالے اُن پر اور اللہ علم والا حکمت والا ہے
توبہ قبول کرے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں غزوۂ تبوک سے رہ جانیوالی دو جماعتوں کا ذکر ہوا۔ منافقین مبادرین یعنی بہت جلد توبہ کرنے والے اب ان کی تیسری جماعت کا ذکر ہے یعنی واقفین۔ جن کی توبہ میں دیر ہوئی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے بندوں کی توبہ قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔ اب ارشاد ہے کہ کبھی توبہ جلدی قبول ہو جاتی ہے اور کبھی دیر میں لہٰذا دیر سے مایوس نہ ہو جانا چاہیے۔ گویا قبولِ توبہ کے بعد وقتِ قبول کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اب ارشاد ہے کہ اللہ کے بندے دو طرح کے ہیں ایک وہ جو گناہ کرتے ہی تڑپ جاتے ہیں اور بہت جلد کفارہ ادا کر دیتے ہیں دوسرے وہ جن میں تڑپ دیر سے پیدا ہوتی ہے گویا تائبین کی ایک قسم کے بعد دوسری کا ذکر ہو رہا ہے **چوتھا تعلق** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تمہارے کام اللہ تعالیٰ نورِ الوہیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نورِ نبوت سے اور مومنین حضور انور کے بتانے یا علامتِ خاصہ سے دیکھ لیں گے اب اُس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ مذکورین سات آدمیوں کے ہر قسم کے اعمال بھی دیکھ لیے گئے اور ان تین صاحبوں کے اعمال بھی اور ان دونوں جماعتوں کے اعمال کا تا قیامت چرچا ہوتا رہے گا۔

شانِ نزول غزوۂ تبوک سے دس مخلص صحابہ سستی کی وجہ سے غیر حاضر رہے تھے جن میں سے سات حضرات نے وہ شاندار فوراً توبہ کی جس کا ذکر ہو چکا مگر تین حضرات نے یعنی کعب ابن مالک ہلال ابن امیہ مرارہ ابن ربیع۔ انہوں نے اگرچہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا تو نہیں مگر حضور انور کی بارگاہ میں کوئی بہانہ بھی نہیں کیا۔ صاف صاف اپنی خطا قبول کرلی کہ ہم سے قصور ہو گیا سستی کی وجہ سے حاضر نہ ہوئے حضور انور نے اُن سے فرمایا کہ جب رب تعالیٰ تمہاری توبہ قبول ہونیکا اعلان فرمائے گا تب قبول ہوگی۔ اور ان تینوں حضرات کا مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا۔ کہ ان سے مسلمانوں نے سلام کلام، اُٹھنا بیٹھنا خرید و فروخت سب یکدم بند کر دی حتیٰ کہ اُن کو اپنی بیویوں سے صحبت حرام کر دی گئی۔ پچاس دن بائیکاٹ رہا۔ یہ آیت کریمہ اُن کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ تینوں حضرات غازیانِ بدر سے تھے۔ اِس آیت میں اُن کی اِسی تاخیرِ قبول کا ذکر ہوا (تفسیر خازن بیضاوی۔ مدارک کبیر وغیرہ)۔

تفسیر وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ۔ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ الخ پر لہٰذا اس کا واؤ عاطفہ ہے اور واؤ کے بعد مِنْهُمْ قَوْمٌ پوشیدہ ہے اٰخَرُوْنَ سے مراد وہ ہی تین حضرات ہیں جن کی توبہ پچاس دن کے

بعد قبول ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابو لبابہ وغیرہم کی طرح اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہیں۔ اُن میں اِن جیسی تڑپ پیدا نہ ہوئی مُرْجَوْنَ بنا ہے رَجْئٌ سے بمعنی دیر لگانا۔ ٹھہرانا۔ موقوف رکھنا۔ اسی سے ہے قبیلۂ مرجیہ یہ اصل میں مُرْجَیُوْنَ تھا۔ ی گر گئی۔ یُرْمُوْنَ کے قاعدے سے لِاَمْرِ اللّٰہِ میں لام بمعنی الیٰ ہے اور اَمْرِ اللّٰہِ سے مراد وہ آیات ہیں جو آگے آئیں گی وَعَلَی الثَّلٰثَۃِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا الخ یعنی اِن میں پیچھے رہ جانے والوں میں دوسری قوم وہ ہے جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک موقوف رکھا گیا ہے۔ اسوقت اُن کا فیصلہ ہوگا۔ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ۔ اس فرمانِ عالی میں مُرْجَوْنَ کا مقصد بیان فرمایا جارہا ہے۔ یوں سمجھو کہ آخَرُوْنَ مبتدا ہے اور مُرْجَوْنَ الخ اور اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ اس خبر کا بیان (تفسیر روح المعانی) خیال رہے کہ یہاں عذاب سے مراد ان کی توبہ قبول نہ کرنا ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ یا تو انہیں سزا دے گا کہ انہیں اس توبہ کی شرائط پورے کرنے مذکورہ قصور کا کفّارہ ادا کرنے کی توفیق نہ دے اور وہ بائیکاٹ کے زمانہ میں گھبرا جائیں یا اُن کی توبہ قبول فرمائے۔ اس طرح کہ انہیں بائیکاٹ کے زمانہ کی مصیبت جھیلنے کی ہمت دیدے اور اس قصور کے کفارہ کی توفیق بخشے وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اس فرمانِ عالی میں اس تاخیر قبول کی وجہ کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن سات کے اخلاص و تڑپ کو بھی جانتا ہے۔ اور ان کی اقرار خطا کو اس تاخیر قبول میں بہت حکمتیں ہیں اس تاخیر سے ہی ان حضرات کی عظمت دین پر استقامت حضور انور کے اختیار خداداد تمام مومنوں کے حضور انور کے دامن سے مکمل وابستگی ظاہر ہوگی خیال رہے کہ ان تینوں حضرات کے بائیکاٹ کے زمانہ میں حضرت کعب ابن مالک کے پاس شاہِ مُلکِ شام نے خط بھیجا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی قدر نہ کی آپ ہمارے پاس آجائیں ہم آپ کو وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ دیتے ہیں آپ نے یہ خط تو جلا دیا اور بہت روئے عرض کیا الٰہ العالمین کیا اب میں اِس حد تک پہنچ گیا کہ مجھے کفّار دعوت دینے لگے اگر اس زمانہ میں میری موت ہوگئی تو حضور انور میرا جنازہ بھی نہ پڑھیں گے اس خیال سے تڑپ گئے رب کے ہاں تڑپ ہی تو محبوب ہے۔ چنانچہ توبہ قبول ہوگئی۔ دیکھو بخاری شریف وغیرہ۔ تمام کتبِ حدیث قصۂ توبہ کعب ابن مالک غرضکہ اس تاخیر میں بہت حکمتیں ہیں۔

خلاصۂ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سُستی کر جانے والے مخلصین مخلفین میں کچھ لوگ وہ ہیں آپ نے جن کا بائیکاٹ کر دیا ہے اور ان کا معاملہ موقوف کر دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن کا فیصلہ ہوگا۔ حکم الٰہی آنے تک انہیں یوں ہی رہنے دیں رب کو اختیار ہے یا تو وہ انہیں سزا دے کہ توبہ قبول نہ کرے اِس طرح کی انہیں زمانۂ بائیکاٹ کی مشقتیں جھیلنے کی ہمت نہ دے ان سے اِس توبہ کی شرائط پوری نہ ہوں اور یہ قبولیت سے محروم رہیں یا اِن کو اِن تمام کی توفیق ملے اور اِن کی توبہ قبول ہو جاوے اللہ تعالیٰ عَلِیْمٌ بھی ہے اِن کے دلوں کا حال جانتا ہے حکیم بھی اِس تاخیرِ قبول میں بہت حکمتیں ہیں یہ لوگ انتظار کریں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عالم میں نائب کبریا ہیں کہ حضور کا فیصلہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ دیکھو ان تین حضرات کو حضور انور نے معلق فرما دیا ان کا بائیکاٹ کر دیا

رب نے اس کی تائید اس آیت سے فرمائی یہ آیت حضور انور کے حکم کی تائید کے لیئے آئی ہے۔ **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے۔ دیکھو سلام کا جواب دینا فرض ہے مسلمان سے مصافحہ کرنا سنت مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا اس سے میل جول سنت۔ مگر حضور انور کے حکم بائیکاٹ سے حضرت کعب کے سلام کا جواب دینا مسلمان کے لیئے ممنوع ہوگیا۔ اُن سے مصافحہ کلام سلام حرام ہوگیا۔ یہ ہے میرے محبوب کی سلطنت مُطلقہ۔ **تیسرا فائدہ** حضور انور ہم سب مسلمانوں کے مالک ہیں ہم سب آپ کے مملوک غلام بلکہ حضور کو ہر مسلمان پر وہ حق ہے جو مولیٰ کو غلام پر نہیں ہوتا۔ دیکھو کوئی مولیٰ۔ بادشاہ۔ ماں باپ استاد پڑوسی کسی پر اُس کی بیوی کو باوجود نکاح قائم رہنے کے حرام نہیں کرسکتا۔ مگر حضور انور کے شاہی احکام و اختیار دیکھو کہ اس پچاس دن کی مدت میں ان تینوں صاحبوں کی بیویاں اُن کے نکاح میں رہیں مگر اُن سے صحبت حرام ہوگئی۔ یہ ہے اُس شہنشاہ کا راج رب تعالیٰ نے ان سب فرمانوں کی تائید ایک کلمہ سے فرما دی کہ آخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ (الخ) اس کا اثر یہ ہوا کہ ان تینوں صاحبوں کے بھائی برادر اور ماں باپ بیویوں کو بھی ان سے کلام و سلام حرام ہوگیا۔ **چوتھا فائدہ** ملک کی سالمیت کے لیئے مسلمانوں کا اتحاد ضروری ہے۔ دیکھو حضرات صحابہ کا اتحاد کہ حضور انور کے ایک اشارہ پر حضرت کعب وغیرہ سے سارے مسلمان ایسے پھر گئے کہ کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ انہوں نے بزبان حال کہہ دیا کہ اے کعب اگر تم حضور کے اور حضور تمہارے ہیں تو ہم سب تمہارے اگر اس میں فرق ہے تو ہمارے قریبی عزیز تمہارے نہیں رب تعالیٰ یہ اتحاد ہم کو نصیب کرے۔ **پانچواں فائدہ** مومن کی علامت یہ ہے کہ حضور انور کی غلامی یہاں کی سختی دل و جان سے قبول کرے کفار کی وزارت کو اس کے مقابلہ میں ٹھکرا دے۔ دیکھو حضرت کعب نے اس کس پُرسی کے زمانہ میں بادشاہ شام کے پیش کردہ عہدۂ وزارت کو ٹھکرا دیا۔ یہ فائدے اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوئے۔ **چھٹا فائدہ** عمل اور توبہ کی قبولیت میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ خواب کی تعبیر دعا کی قبولیت یونہی نیک اعمال اور توبہ کی قبولیت کبھی دیر سے ظاہر ہوتی ہے اس دیر میں رب کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** توبہ کے لیئے کچھ شرائط ہیں کچھ سنتیں کچھ مستحبات اور پھر اس کا ایک وقت بھی ہے ان سب کے اجتماع کی توفیق رب کی طرف سے ملتی ہے۔ یہ توفیق نہ ملنا رب کا عذاب ہے یہ فائدہ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس خبر کی تفسیر۔ ہمیشہ رب تعالیٰ سے توفیق خیر مانگو۔ **آٹھواں فائدہ** اس امت میں سب سے افضل و اعلیٰ حضرات صحابہ ہیں جب ان کے متعلق یہ ارشاد ہے اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ اَوْ یَتُوْبُ عَلَيْهِمْ۔ تو ہم تم کیسی گنتی اور شمار میں ہیں بس کرتے جاؤ اور ڈرتے جاؤ۔

پہلا اعتراض جہاد فرض کفایہ ہے جو بعض کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہوجاتے ہیں پھر غزوۂ تبوک میں بہت صحابہ کرام شریک ہوگئے تھے۔ اگر یہ دس حضرات شریک نہ ہوئے تو ان پر اتنا عتاب کیوں ہوا۔ **جواب**۔ تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ انصار مدینہ پر ہر جہاد فرض عین تھا کیونکہ انہوں نے حضور انور سے جہاد پر بیعت کی ہوئی تھی وہ حضرات فخریہ طور پر یہ کہا کرتے تھے۔ شعر۔

نحن الذین بایعو محمداً علی الجہاد بالبینا بالیقین ابداً

اب جب کوئی انصاری جہاد سے رہ گیا وہ فرض عین کا تارک ہوا۔ لہٰذا عتاب درست ہوا مگر فقیر کے نزدیک یہ جواب قوی نہیں۔ کیونکہ بہت جہادوں میں بہت سے انصار شریک نہیں ہوئے حتی کہ غزوۂ بدر میں سارے انصاری شریک نہ تھے ورنہ غازی بہت زیادہ ہوتے تین سو تیرہ ہی نہ ہوتے۔ فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ اس غزوہ میں حضور انور نے ان تمام حضرات کو شرکت کا قطعی حکم دیا تھا۔ اس حکم سے ان سب پر فرض عین ہو گیا تھا۔ فرض عین یا فرض قطعی یا سنت یا واجب بنانے والی حضور انور کی زبان شریف ہے چنانچہ جن حضرات کو مدینہ منورہ میں چھوڑا گیا جیسے حضرت علی۔ اُن پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔ بلکہ ان پر مدینہ میں رہنا فرض ہو گیا۔ تبوک میں جانا حرام ہو گیا۔ سرکاری حکم بڑی چیز ہے۔ مصرع۔

تیری رضا رضائے رب تیری قضا قضائے رب

دوسرا اعتراض۔ ان تین حضرات نے حضور انور کے واپس آتے ہی اپنی خطا کا اقرار کر لیا۔ یہ اقرار توبہ تھا پھر ان کا معاملہ معلق کیوں کر دیا گیا رب تعالیٰ نے قبول توبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ **جواب** بعض خطاؤں کی توبہ کے لیئے ادا کفارہ ضروری ہوتا ہے کفارہ ادا کرنے تک توبہ معلق رہتی ہے۔ فوراً قبول نہیں ہوتی۔ تبوک سے رہ جانے والوں کے لیئے کچھ تکلیف برداشت کرنا گویا اس خطا کا کفارہ تھا۔ ان سات نے جن میں ابو لبابہ شامل تھے اپنے کو ستونوں سے بندھوا کر یہ مشقت برداشت کر کے کفارہ ادا کر دیا۔ ان تین حضرات کے لیئے پچاس دن کے بائیکاٹ کی تکلیف کفارہ بنی انہیں اس کفارہ کا انتظار کرنا پڑا رب تعالیٰ نے قبولِ توبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ فوراً قبولیت کا وعدہ نہیں ہے **تیسرا اعتراض** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے پچاس دن ان تین حضرات کا بائیکاٹ رکھا مگر دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ نہ چھوڑے رہے اس دوران میں اس سے بول چال شروع کر دے ان دونوں میں تعارض ہے۔ **جواب** تمہاری پیش کردہ حدیث میں ذاتی یا نفسانی لڑائی کی بنا پر چھوڑنا ہے۔ یہاں بطورِ سزا یا بطورِ کفارہ بائیکاٹ کرایا گیا۔ اور اس سے تربیت و تعلیم مقصود تھی یہ زیادہ عرصہ تک رہ سکتی ہے۔ رب فرماتا ہے وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ اپنی نافرمان بیویوں کو اُن کے بستروں میں چھوڑ دو اُن کا بائیکاٹ کر دو۔ اس آیت میں تین دن کی قید نہیں یہ فرق خیال میں رہے۔ **چوتھا اعتراض** اِمَّا شک کے لیے آتا ہے اللہ تعالیٰ شک و تردد سے پاک ہے پھر اس نے اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ کیوں فرمایا **جواب** یہ فرمانِ عالی اُن حضرات کو تردد میں رکھنے کے لیئے فرمایا یعنی یہ تینوں حضرات نہ تو رب سے مایوس ہوں اور نہ بے خوف بلکہ قبولیت کی امید رکھیں عذاب کا خوف۔ اس امید و خوف پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت پر عشاق وجد کرتے ہیں رب نے ان تین حضرات کو فراق کی سزا دی۔ فراق یار وہ درخت ہے جس میں وصال کے پھل لگتے ہیں بشرطیکہ اُسے تڑپ و بے قراری کا کھاد اور آنسوؤں کا پانی ملتا ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر۔

ہر چند کہ ہجران ثمر وصل بر آرد دہقان ازل کاش کہ ایں تخم نہ کشتے

حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ بعض مقبولین سے اوّلاً خطا سرزد ہو پھر وہ توبہ کریں تو فوراً قبول نہ ہو بلکہ انہیں امید و خوف کے درمیان رکھا جائے جس سے اُن کی تربیت ہو وہ حضرات اِن خوف و امید کے پردوں سے اڑ کر بارگاہِ قدس تک پہنچیں جہاں ان پر وحدت کی تجلی پڑے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت جانتا ہے کسی کو قرب کی لذت دے کر کسی کو فراق کا مزہ چکھا کر اپنے تک بلاتا ہے اُس کے ہر کام میں حکمت ہے درروح البیان، غزوۂ تبوک کے موقعہ پر غازیوں نے دراز سفر کی مشقتیں جھیلیں اِن حضرات نے اس زمانہ میں آرام کیا۔ یہ زمانہ پچاس دن کا تھا اُس مدت تک انہیں فراق، بائیکاٹ رہنے تڑپنے کی مشقت میں ڈالا گیا تاکہ اُس آرام کا کفارہ بن جاوے (تفسیر صاوی) روایات میں ہے کہ بائیکاٹ کے زمانہ میں جب حضرت کعب مسجد میں جماعتِ نماز کے لیئے آتے اور کہتے السلام علیکم تو کوئی جواب نہ دیتا۔ یہ کبھی حاضرین کا منہ تکتے کبھی حضور انور کے لب مبارک تکتے کہ جواب کے لیئے ہلے یا نہیں۔ حضور کا انداز محبوبانہ یہ تھا کہ جب کعب کی نظر اور طرف ہوتی تو حضور کعب کا چہرہ دیکھتے مگر جب کعب حضور کی نگاہ کو دیکھتے تو حضور صلعم فوراً آنکھیں پھیر لیتے حضرت کعب منہ تکتے رہ جاتے۔ قسم رب کی کعب کو وہ مزہ آتا ہوگا جسے وہ ہی جانتے ہیں۔ شعر۔

اب لذت زخم جگری پوچھتے کیا ہو جبتک تم ہی نمک پاش ہو پھر کیوں نہ مزہ ہو

ان اداؤں کی لذتیں باوفاؤں سے پوچھو عشاق ان اداؤں پر فدا ہو جاتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا

اور وہ لوگ کہ بنائی اُنہوں نے مسجد ضرار دینے کے لیئے اور کفر کے لیئے اور جدائی

اور جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب

بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ

کرنے کے لیئے درمیان مومنوں کے اور پناہ دینے کے لیئے جو مخالف ہے اللہ اور

اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور

رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ

رسول کا اس کے پہلے سے اور البتہ ضرور قسم کھا جائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر

اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے ہم نے تو بھلائی چاہی

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے تحقیق وہ البتہ جھوٹے ہیں نہ کھڑے ہوں آپ اس میں کبھی

اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ

البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی جس کی پرہیزگاری پر پہلے دن سے ہی زیادہ حق دار ہے

بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس

اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ

اس کی کہ کھڑے ہوں آپ اس میں۔ اس میں لوگ ہیں ایسے جو پسند کرتے ہیں یہ کہ

قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں وہ لوگ

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

خوب پاک ہوں اور اللہ پسند کرتا ہے پاکوں کو

ہیں جو خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** گذشتہ پچھلی آیات میں منافقوں کی مختلف بد کاریوں کا ذکر ہوا کہ ان میں سے بعض یہ حرکات کرتے اور بعض فلاں حرکت اب منافقوں کے ایسے کاموں کا ذکر ہے جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت بُرے ہیں جیسے بُری نیت سے مسجد بنانا گویا ان کے کھلے عیوب کے بعد ان کے چھپے عیوب کا ذکر ہے جو ہیں عیب مگر خوبی کی صورت میں ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں مخلص مومنوں کے ایسے عمل بیان ہوئے جو ابتداءً بُرے تھے مگر ان کا انجام اچھا ہوا۔ جیسے غزوہ تبوک سے رہ جانا جس کے بعد انہیں شاندار توبہ میسر ہوئی اب منافقوں کے ایسے کام بیان ہو رہے ہیں جو ابتدًا اچھے معلوم ہوئے مگر ان کی انتہا خراب ہوئی جیسے مسجد ضرار کی تعمیر۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات کا منشا یہ تھا کہ مخلص مومنین سے اگر کوئی غلط کام بھی ہو جائے تو اے محبوب آپ اُن سے کنارہ کش نہ ہوں انہیں اپنے دامن کرم میں رکھیں اب اِس آیت کا منشا یہ ہے کہ منافقین اگر بظاہر کوئی اچھا کام بھی کریں تب بھی آپ ان کی طرف التفات نہ کریں کہ اِن خبیثوں کی خوبیوں کی بنا خباثت پر ہے۔ **چوتھا تعلق**۔ گذشتہ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ منافقین صدقات و خیرات بھی دیتے ہیں تو بُری نیت سے یعنی ٹیکس یا جرمانہ

سمجھ کر یَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ مَغۡرَمًا اب ارشاد ہے کہ اگر یہ مسجد بھی بناتے ہیں تو برے ارادے سے گویا اُن کے وقتی صدقہ کے ذکر کے بعد اُن کے صدقہ جاریہ کے حال کا ذکر ہے ۔

شانِ نزول

زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا ابو عامر راہب۔ جو عیسائی ہوگیا تھا اور توریت و انجیل کا عالم بن گیا تھا لوگوں میں اس کی بڑی عزت تھی حضرت حنظلہ جن کا لقب غسیل الملائکہ ہے اسی مردود کے فرزند ہیں۔ جب اسلام کا آفتاب مدینہ منورہ میں چمکا۔ تمام لوگ حضور انور کے قدموں میں گرنے لگے تو ابو عامر راہب کی عزت نہ رہی یہ اس پر جل گیا حضور انور کی خدمت میں آکر بولا آپ کونسا دین لائے ہیں فرمایا دینِ حنیف ملتِ ابراہیم وہ بولا اِس ملت پر تو میں ہوں آپ نے تو اپنی طرف سے یہ دین گھڑا ہے فرمایا کہ ہمارا اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے پھر دعا کی کہ مولیٰ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اسے سفر اور پشیمانی کی موت دے۔ حضور انور نے فرمایا آمین پھر غزوۂ اُحد میں حضور انور سے بولا کہ جو قوم آپ سے جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ آپ کے مقابل ہوں گا۔ جب غزوۂ حنین میں حضور انور کے مقابلہ سے ہوازن بھاگے تو یہ بھی بھاگا۔ شام پہنچا اور منافقین مدینہ کو پیغام بھیجا کہ تم میرے لیئے ایک مسجد اپنے محلہ میں بناؤ جو بظاہر مسجد حقیقت میں میرا قیام گاہ اور حضور انور کے خلاف سازش گاہ ہو وہاں حضور انور کے مقابلہ کے لیئے اسلحہ اور جنگی سامان جمع کر دیں قیصر روم سے لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کر دوں گا۔ اس وقت تم میری مدد کرنا۔ چنانچہ اِن منافقین نے مسجدِ قبا شریف کے قریب ایک مسجد بنائی جب حضور انور تبوک تشریف لے جا رہے تھے تو منافقین حضور انور کی خدمت میں آئے بولے یا رسول اللہ ہم نے بوڑھوں کمزوروں اور دور والوں کے لیئے جو مسجدِ قبا میں نہ پہنچ سکیں یہ مسجد بنائی ہے نیز بارش اور اندھیری راتوں میں ہم بھی اس مسجد میں بہ آسانی نماز پڑھ لیا کریں گے حضور انور ایک نماز یہاں پڑھ لیں اور دعا خیر کریں۔ حضور انور نے فرمایا کہ ابھی تو ہم تبوک کی طرف پا بہ رکاب ہیں۔ واپسی پر اگر اللہ نے چاہا تو ہم وہاں نماز پڑھیں گے۔ یہ فرما کر حضور تبوک چلے گئے واپسی پر جب سرکار مقام ذِی اَوَان پہنچے جو مدینہ منورہ سے قریب ہے تو یہ منافقین پھر حاضرِ خدمت ہوئے اور وہ ہی درخواست کی۔ تب اس جگہ یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں۔ حضور انور نے اُس دم حضرت وحشی (قاتل امیر حمزہ) مالک ابن دخشم۔ معن ابن عدی اور عامر ابنِ سکن کو حکم دیا کہ تم لوگ فوراً اس مسجد کو آگ لگا کر ختم کر دو۔ اور اس کی جگہ روڑھی (گھورا) بنا دو جہاں کوڑا کچرا ڈالا جایا کرے چنانچہ یہ حضرات وہاں گئے اور آن کی آن میں اُسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا اس مسجد ضرار میں مجمع ابن جاریہ نے کچھ دن غلطی سے امامت کی پھر توبہ کی۔ عہدِ فاروقی میں بہت مسجدیں بنائی گئیں مگر حکم دیا کہ اس جگہ کبھی مسجد نہ بنے اور مجمع ابن جاریہ کہیں امام نہ بنے کیونکہ انہوں نے اس مسجد میں امامت کی تھی انہوں نے اپنی بے خبری ظاہر کی تب انہیں امامت کی اجازت ملی۔ (تفسیر روح البیان خازن۔ روح المعانی۔ بیضاوی۔ خزائن العرفان وغیرہ۔) ابو عامر راہب ملکِ شام میں مقام قنسرین میں تنہائی میں ہلاک ہوا۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ پھر ثابت ابن ارقم کو عطا فرما دی۔ انہوں نے وہاں گھر بنا کر

رہنا شروع کیا تو اس کے اولاد نہ ہوئی ایک دن اس میں کسی ضرورت کے لیئے گڑھا کھودا تو اس میں سے دھواں نکلا (روح البیان)

تفسیر وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اَلَّذِیْنَ سے پہلے مِنْھُمْ پوشیدہ ہے یعنی منافقوں میں سے بعض وہ ہیں ۔ اَلَّذِیْنَ سے مراد وہ بارہ منافقین ہیں جنہوں نے یہ مسجد ضرار بنائی اور پھر حضور انور کی خدمت میں وہ درخواست کی ۔ ودیعہ ابن ثابت ۔ خذام ابن خالد ۔ ثعلبہ ابن حاطب ۔ جاریہ ابن عمر اس کے دو بیٹے مجمع اور زاہد ۔ معتب ابن قشیر ۔ عباد ابن حنیف ۔ ابو حبیبہ ابن اذعر ۔ نبتل ابن حارث ۔ بجاد ابن عثمان ۔ بجدح ضبعی ۔ (خازن ۔ روح المعانی) ان میں سے خذام ابن خالد نے اپنے گھر میں سے ایک حصہ اس مسجد کے لیئے نکالا اتخاذ کے معنی ہیں بنانا ۔ مسجد سے مراد مسجد ضرار ہے ۔ اگرچہ وہ جگہ ان بدنصیبوں نے اسلام کے خلاف سازشی گھر بنایا تھا مگر چونکہ اُسے مسجد کی شکل دی تھی اور مسجد کا نام رکھا تھا اس لیئے اُسے مسجد فرمایا گیا یعنی ان کی خیالی مسجد ۔ لفظ مسجد کی تحقیق ساتویں پارے میں ہو چکی ہے کہ مسجد جیم کے کسرہ سے خلاف قیاس ہے ۔ صرفی قاعدے سے مسجد ۔ جیم کے فتحہ سے ہے اب محاورہ میں مسجد جیم کے فتحہ سے جاءِ سجود یعنی مصلی اور مسجد جیم کے کسرہ سے پوری عمارت جو نماز کے لیے وقف ہو ۔ ان لوگوں نے یہ مسجد چار مقصدوں کے لیے بنائی تھی ۔ ۱؎ ضِرَارًا ۔ یہ مفعول لہٗ اِتَّخَذُوْا کا ۔ یہ آسان اور قوی ہے ۔ ضرار بروزن فعال بمعنی ضرر ہے ۔ (نقصان دینا) یعنی اپنی قریبی مسجد قبا کو نقصان پہنچانے کے لیئے کہ وہاں نمازی کم ہو جائیں ۔ ان میں سے کچھ یہاں آ جایا کریں اس میں مسلمانوں میں اتحاد نہ رہے ۔ یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیئے کہ یہاں اسلام کے خلاف سازشیں کی جایا کریں ۔ دوسری توجیہ قوی ہے کیونکہ مسجد قبا شریف کو نقصان دینے کا ذکر تو آگے آ رہا ہے ۲؎ وَكُفْرًا یہ معطوف ہے ضِرَارًا پر اور اِتَّخَذُوْا کا مفعول لہٗ کفر سے مراد ہے اس مسجد میں جمع ہو کر کفریات بکا کریں ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف اپنے خاص لوگوں میں شبہات پیدا کریں ۔ وہ لوگ تو کافر پہلے ہی تھے ۔ ۳؎ وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یہ عبارت معطوف ہے كُفْرًا پہ تفریق بنا ہے فرق بمعنے جدائی سے اَلْمُؤْمِنِیْنَ سے مراد مسجد قبا شریف کے نمازی ہیں ۔ کہ سارے قبا والے ایک مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے پنجگانہ نماز کے ذریعہ اُن سب کی آپس میں ملاقات ہوتی رہتی تھی ۔ سب متفق و متحد تھے ۔ ان بدنصیبوں نے چاہا کہ یہ لوگ پھٹ جاویں ان کا شیرازہ بکھر جاوے ۔ اور یہاں کے نمازیوں کا آہستہ آہستہ اسلام سے پھیر دیا جاوے ۴؎ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۔ یہ عبارت معطوف ہے ۔ تَفْرِیْقًا پر اور اِتَّخَذُوْا کا مفعول لہٗ ہے ۔ جس میں مسجد ضرار بنانے کی چوتھی وجہ بیان ہوئی ۔ اِرْصَادٌ کے معنی عداوت کے لیئے کسی کا انتظار کرنا بھی ہیں ۔ اور کسی کے خلاف تیاری کرنا بھی رب فرماتا ہے وَاِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۔ (کبیر ۔ خازن ۔ معانی وغیرہ) جس کا ترجمہ اردو میں ہے ۔ گھات لگانا ۔ مَن سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے جس کے لیئے یہ ساری تیاری کی گئی تھی ۔ اللہ رسول سے جنگ کرنے سے مراد گذشتہ جنگوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ مل کر حضور کے مقابل آنا ۔ قبل سے مراد ہے مسجد ضرار کی تعمیر سے پہلے یعنی اس مسجد کی تعمیر کا چوتھا مقصد یہ ہے کہ وہ ابو عامر جو اس سے پہلے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آتا رہا ہے

اس کے لئے گھات اور اڈہ بنانا کہ وہ مدینہ منورہ آ کر یہاں ٹھہرا کرے اور حضور انور کے مقابل اُن سے مشورے کیا کرے۔ اُن کی مسجد ضرار کی تعمیر کے مقاصد تو یہ ہیں اور اُن کے دعووں کا یہ حال ہے وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی. ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی معطوف ہے اِتَّخَذُوْا مَسْجِدًا الخ پر اور واؤ عاطفہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور واؤ ابتدائیہ قسم کا فاعل وہی منافقین۔ مسجد ضرار بنانے والے حُسْنٰی سے مراد اچھی بات یعنی کمزوروں بیماروں بوڑھوں کے لئے نماز میں سہولت پیدا کرنا اور اندھیری اور بارش والی راتوں میں نمازیوں پر آسانی کرنا یعنی اگر حضور انور یا صحابہ کرام ان سے پوچھیں کہ تم نے مسجد کیوں بنائی تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ اچھائی کا ہے کہ اس سے نمازیوں کو آسانی مہیا کی جاوے۔ یہاں اللہ کا ذکر۔ نمازیں۔ اذان ہوا کرے۔ یہ ہے اُن کی تقیہ بازی۔ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ یہ فرمان عالی اُن کی بکواس کی تردید کے لئے ہے یعنی اللہ گواہ ہے کہ وہ اس بکواس میں نرے جھوٹے ہیں۔ اُن کے وہ ہی چار ارادے ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا یہ نیا جملہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور کے طفیل سے سارے مسلمانوں کو مسجد ضرار میں جانے سے وہاں ٹھہرنے وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔ قیام سے مراد یا تو وہاں نماز پڑھنا ہے۔ اکثر قیام سے مراد نماز ہوتی ہے۔ نماز تہجد کو قیام اللیل کہا جاتا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا الخ اس حدیث میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے محبوب آپ اُس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھیں یا قیام سے مراد وہاں جانا ٹھہرنا ہے یعنی آپ وہاں کبھی نہ جائیں نہ ٹھہریں اس صورت میں جانے ٹھہرنے سے مراد وہاں احتراماً جانا ٹھہرنا ہے۔ چار صحابہ اُسے جلانے ڈھانے گئے تھے۔ ابداً فرما کر یہ بتایا کہ یہ ممانعت ہمیشہ کے لئے ہے۔ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى میں لام یا تو قسم کا ہے یا تاکید کا اُسِّسَ بنا ہے اَسَاسٌ سے معنی بنیاد تاسیس بنیاد ڈالنا۔ اس مسجد کی بنیاد خود حضور انور نے رکھی تھی۔ **خیال** رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو بارہ ربیع الاول پیر کے دن۔ نبوت کے تیرھویں سال اولاً قبا میں قبیلہ بنی عمرو ابن عوف میں کلثوم ابن ہدم کے ہاں بطور مہمان رہے۔ قبا مدینہ منورہ سے قریباً دو میل ایک محلہ سا ہے اب اُسے پرانا مدینہ کہا جاتا ہے تو حضرت عمار ابن یاسر نے لوگوں سے کہا کہ اس طرح حضور انور کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کے لئے کوئی جگہ ہونی چاہیئے۔ جہاں آپ آرام فرمایا کریں۔ اور نماز بھی پڑھا کریں۔ لوگوں نے کچھ پتھر جمع کئے۔ اس کا پہلا پتھر حضور انور نے رکھا۔ اس مسجد میں اطمینان نماز پہلے پڑھی گئی۔ حضور انور نے تیرہ یا چودہ دن یا کم و بیش قبا میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس فرمان عالی میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (روح البیان وغیرہ) چونکہ اس مسجد شریف کی بنیاد اچھے ارادہ پر اچھے کاموں کے لئے رکھی گئی اس لئے عَلَى التَّقْوٰى ارشاد ہوا۔ پھر حضور انور ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں تشریف لے جاتے تھے اور فرمایا کہ جو مدینہ منورہ میں وضو کرے اور دو نفل مسجد قبا میں پڑھے تو اُسے عمرہ کا ثواب ہے۔ اب بھی حجاج اور اہل مدینہ روزانہ خصوصاً ہفتہ کے دن اس مسجد شریف کی زیارت کرتے ہیں۔ اس گنہگار نے بھی وہاں بارہا نوافل پڑھے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور پھر نصیب کرے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے بعض نے

فرمایا دونوں مسجدیں مگر قولِ اول قوی ہے۔ مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اس کا تعلق اُسِّسَ سے ہے اوّلِ یوم یعنی پہلے دن سے مراد وہ ہی بنیاد رکھنے کا دن ہے۔ قوی یہ ہے کہ مِنْ ابتدائیہ ہے اور یہ زمان و مکان دونوں پر داخل ہو سکتا ہے مکان کے ساتھ خاص نہیں بعض نے فرمایا کہ مِنْ بمعنیٰ فی ہے کیونکہ مِنْ صرف مکان یعنی جگہ پر آتا ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے (روح المعانی) اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ یہ فرمانِ عالی لَمَسْجِدٌ (الخ) کی خبر ہے اس میں اَحَقُّ بمعنیٰ حقیقی یعنی صفت مشبہ ہے۔ لہذا آیت واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہاں بھی قیام سے مراد یا نماز پڑھنا ہے یا وہاں جانا۔ ٹھہرنا ہے یعنی مسجد قبا اس لائق ہے کہ آپ اس میں نمازیں پڑھیں یا آپ اس میں ٹھہریں۔ اس کی زیارت فرمادیں۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ دوسرے یہ کہ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا۔ فِیْهِ میں ضمیر سے مراد یا تو محلہ قبا ہے جس میں یہ مسجد شریف واقع ہے یا مسجدِ قبا۔ جس میں وہاں کے انصار نمازیں پڑھتے تھے۔ رجال سے مراد وہ ہی بنی عمرو بن عوف یعنی اُس کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ جو وہاں رہتے تھے جنہوں نے یہ مسجد بنائی یَتَطَهَّرُ یعنی خوب پاک ہونے سے مراد یا تو ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرنا ہے۔ اور جنابت کی حالت میں نہ سونا۔ یا بدعملیوں سے پاک و صاف رہنا۔ یعنی تقویٰ یا بدعقیدگیوں سے پاک و صاف رہنا یعنی مومن صادق ہونا۔ یا سارے معانی مگر پہلے معنی کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبا سے پوچھا کہ رب تعالیٰ نے تمہاری پاکیزگی کی تعریف فرمائی۔ تم لوگ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں۔ وہ قابلِ تعریف یہ ہی طہارت ہے۔ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اس میں پاکیزہ لوگوں کی تعریف ہے یعنی اللہ تعالیٰ خوب پاک ستھروں کو پسند فرماتا ہے۔ جب وہ پیارے ہیں تو اُن کی مسجد بھی پیاری اور جب مسجد پیاری تو اس میں نماز بھی رب کو پیاری۔ جب نماز پیاری تو وہاں کے نمازی بھی پیارے سبحان اللہ یہ پیار و محبت کا سلسلہ بہت دور تک پہنچتا ہے۔ شعر۔

میں اپنے دل کو چاہوں تم کو چاہوں چاہوں مسجد کو مجھے تو دل سے الفت دل کو تم سے تم کو مسجد سے

یہ تو اس مسجد قبا کا ذکر ہے جس میں انصار رہتے ہیں۔ تو جس مسجد میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوں کیسی ہوگی۔ یہ فرمانِ عالی بہت ہی ہمت افزا ہے۔

خلاصۂ تفسیر منافقوں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے مسجد قبا کے متصل ایک مسجد بنائی مگر رضاء الٰہی اور اطاعت رسول کے لیئے نہیں بلکہ چار مقصدوں کے لیئے ۱ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیئے کہ یہاں جمع ہو کر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کی جاویں گویا اس کا نام مسجد ہوا اور یہاں کام دار الندوہ کے ہوں۔ ۲ کفر کرنے کے لیئے کہ یہاں جمع ہو کر آپس میں اسلام میں شبہات پیدا کئے جاویں اور جو کوئی اُن کے جال میں پھنس جاوے اُسے یہاں رکھ کر پختہ کافر بنا دیا جائے اور مومنوں کا اتفاق و اتحاد توڑنے کے لیئے کہ مسجد قبا کے نمازیوں کو متفرق کر دیا جائے اُن میں سے ٹوٹ کر کچھ نمازی یہاں آنے لگیں۔ وہاں کی رونق کم ہو جاوے اور جو یہاں آنے لگیں انہیں کافر بنایا جاوے۔ گویا یہ مسجد نہیں

شکارگاہ ہے اور وہ ابو عامر راہب جو پہلے سے اللہ رسول سے جنگ کرتا رہا ہے جنگوں میں کفار کے ساتھ مل کر حضور انور کے مقابل آتا رہا ہے۔ اس کی رصد گاہ (گھات) تیار کریں تاکہ وہ جب بھی مدینہ منورہ میں آیا کرے اس مسجد میں ٹھہرا کرے لیکن اگر اُن سے پوچھا جاوے تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی کی نیت کی ہے۔ کہ بوڑھے کمزور نمازیوں کو آسانی ہو۔ بارش اور اندھیری راتوں میں جماعت کی سہولت ہوا کرے اے محبوب ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اے پیارے آپ اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھنا۔ کہ اس سے مخلصین دھوکا کھائیں گے کہ شاید یہ مسجد منظوری والی ہے۔ آپ کی نماز کے لائق تو مسجد قبا ہے جس میں دو خوبیاں ہیں ایک یہ کہ اس کی بنیاد تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ آپ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا ہے حضرت عمار اور انصار نے اس کی تعمیر کی۔ دوسرے یہ کہ اس مسجد میں ایسے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں جنہیں خوب پاک دستھرا ہونا پسند ہے کہ ان کے کپڑے جسم۔ دل۔ دماغ روح اعمال اقوال احوال سب کچھ پاک ہیں اللہ کو پاک ستھرے لوگ پسند ہیں۔ اُن کی مسجد پسند اُن کی مسجد میں نمازیں پسند بلکہ وہاں کے نمازی پسند اے محبوب آپ اس میں نمازیں پڑھیں۔ صحبت بجلی کے پاور کی طرح ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اعلیٰ سے اعلیٰ کام بُری نیت اور فاسد ارادے سے بُرا ہو جاتا ہے۔ دیکھو مسجد بنانا اسلام میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کا بڑا ثواب ہے مگر منافقین نے بُرے ارادوں سے مسجد ضرار بنائی تو اس کا نام مسجد ضرار ہوا۔ ڈھادی گئی اور اس حرکت سے ان منافقوں کی مردودیت اور بھی بڑھ گئی۔ بلکہ منافقوں کا کلمہ پڑھنا ان کی اور مردودیت کا ذریعہ بنا قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ فائدہ مسجدًا ضرارًا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** کفار اور منافقین کی وقف شرعًا معتبر نہیں نہ وہ وقف ہے نہ اس پر وقف کے احکام جاری ہیں۔ یہ فائدہ بھی مَسْجِدًا ضِرَارًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور نے وہ مسجد ڈھا کر وہاں گھورہ (روڑی) بنا دیا۔ **تیسرا فائدہ**۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا اسلام کے مقابل کفار کا مددگار بننا کفر ہے اور ایسا آدمی کافر مطلق ہے یہ فائدہ کُفْرًا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مسجد ضرار کو وہاں ہونے والی سازشوں کو کفر قرار دیا۔ **چوتھا فائدہ** مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا اُن کی جماعت توڑنا ان میں فرقے بنانا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** مسلمانوں کے خلاف کفار کو اپنے پاس پناہ دینا اُن کی کسی طرح حمایت کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** حضور انور سے جنگ رب تعالیٰ سے جنگ ہے۔ حضور سے دشمنی رب سے دشمنی ہے اس کے برعکس حضور سے محبت رب سے محبت ہے۔ یہ فائدہ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ابو عامر راہب نے حضور انور سے جنگیں کی تھیں رب نے فرمایا اُس نے اللہ رسول سے جنگیں کیں حضور سے دوری خدا سے دوری ہے حضور سے قرب خدا سے قرب ہے۔ شعر۔

کشف رازِ مَنْ رَّاٰنِیْ یوں ہوا   تم ملے تو حق تعالیٰ مل گیا

ساتواں فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضور کے دشمنوں کے خلاف گواہ ہے ان کی بدعقیدگیوں کا اور بدعملیوں کا بھی بدنیتی کا بھی ۔ دیکھو یہاں منافقین کی بدنیتی کے متعلق فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ اور سورہ منافقون میں ان کی کلمہ گوئی کے متعلق ارشاد ہوا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۔ یوں ہی رب تعالیٰ مخلصین کے ایمان و تقویٰ کا گواہ ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

آٹھواں فائدہ ایک مسجد کے قریب بلا ضرورت شرعی دوسری مسجد نہ بنائی جاوے ۔ یونہی سیاسی سازبازکے لیئے مسجد نہ بنائی جائے کہ ایسی مسجدیں مسجد ضرار ہیں یہ فائدہ پہلی آیت وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا (الخ) سے حاصل ہوا ۔ نواں فائدہ کفار و منافقین کی تعمیر کردہ وقف کردہ مسجدوں میں نماز نہ پڑھی جائے نہ وہ مسجدیں ہی ہیں نہ اُن پر مسجد کے احکام جاری ۔ یہ فائدہ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا سے حاصل ہوا ۔

مسئلہ کافر سے مسجد کی تعمیر یا کسی خرچ میں چندہ نہ لیا جائے ۔ اگر کافر اس رقم کا مالک کسی مسلمان کو کردے ۔ پھر وہ مسلمان یہ رقم مسجد میں لگائے تو جائز ہے ۔ کہ اب مسلمان کی رقم لگی نہ کہ کافر کی ۔ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے مسئلہ یوں ہی مسلمان کفار کے لیئے مندر گرجے وغیرہ نہ بنوائیں نہ اُن میں چندہ دیں کہ یہ کفر پر مدد ہے یوں ہی مسلمان کاریگر کفار کے لیے بت تراشی نہ کریں کہ بُت سازی بت فروشی سب ہی حرام ہے ۔ اس کی اجرت بھی حرام ہے ۔ دسواں فائدہ مسجد حلال پیسہ اخلاص اور نیک نیتی سے بنائی جائے یہ فائدہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى سے حاصل ہوا مسئلہ مسجد کا سنگِ بنیاد کسی مقبول محبوب بندے سے رکھوایا جائے ۔ مقبول و محبوب سے اس کا افتتاح کرایا جائے ۔ دیکھو مسجد قبا کی بنیاد کا پتھر حضور انور نے رکھا ۔ رب نے اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى کا خطاب دیا ۔ گیارہواں فائدہ جس مسجد کو صالحین نے بنایا جس میں صالحین رہتے ہوں یا وہاں نماز پڑھتے ہوں یا جس مسجد کے متصل کسی صالح بزرگ کی قبر ہو ۔ وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے ۔ وہاں نماز زیادہ قبول ہے یہ فائدہ فِيْهِ رِجَالٌ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا سے حاصل ہوا کہ مسجد قبا کی ایک وجہ فضیلت رب نے یہ بتائی کہ یہ پاک وصاف مومنین یعنی انصار کی مسجد ہے ۔ اس میں وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں مسئلہ اکثر جگہ بزرگوں کے مزارات کے پاس مسجدیں بنائی جاتی ہیں اس کا ماخذ یہ آیت ہے ۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا اس کی بحث ہماری کتاب جاءالحق میں دیکھو ۔ بارھواں فائدہ مسجد قبا شریف بڑی عظمت و حرمت والی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس کا ذکر بہت احترام سے کیا اور اس کی دو عظمتیں بیان فرمائیں ۔ ایک اس کی ابتدا تقویٰ پر ہونا دوسرے اُس میں پاک و ستھرے لوگوں کا رہنا اب بھی حجاج اس کی زیارت کرتے ہیں ۔ وہاں نوافل پڑھتے ہیں وہاں دو رکعت نفل کا ثواب عمرہ کے برابر ہے ۔ مسئلہ جو شخص بعد جماعت فجر اس جگہ بیٹھا رہے جہاں جماعت سے فجر کے فرض پڑھے ہیں آفتاب بلند ہونے پر دو نفل اشراق کے پڑھ کر وہاں سے ہٹے تو اُسے حج و عمرہ دونوں کا ثواب ہے ۔ حضور نے یہ فرماکر فرمایا تامۃً تامۃً ۔ حج و عمرہ پورے کا پورے کا ۔ تیرھواں فائدہ چھوٹے بڑے دونوں استنجے ڈھیلے سے کرکے پھر پانی سے یہ بہت ہی بہتر ہے یہ فائدہ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسے بہت ہی پاکی فرمایا ۔ اگر نجاست مقعد سے نکل کر روپیہ برابر آس پاس پھیل جائے تو پانی سے استنجا کرنا واجب ہے ۔ اگر روپیہ سے زیادہ پھیل جائے تو فرض اور اگر روپیہ بھر سے کم ہو تو سنت یعنی ڈھیلوں سے استنجا کرنا کافی ہے مگر پانی سے استنجا ثواب در کتب فقہ

لطیفہ. سب سے پہلے پانی سے استنجا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا (روح البیان) لطیفہ استنجا صرف تین چیزوں سے کرے۔ پانی۔ ڈھیلہ. بغیر نوک والے پتھر. اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نہ کرے جیسے پتے۔ ہڈی وغیرہ کہ اس سے فقیری آتی ہے (روح البیان) چودھواں فائدہ مسلمان بلاوجہ بے غسل نہ رہے حتیٰ کہ اگر رات میں نہانے کی حاجت ہو جاوے تو وضو کر کے سونا بہتر ہے۔ یہ فائدہ بھی يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ سے حاصل ہوا۔ بلاوجہ بے غسل رہنا فقیری لاتا ہے۔ پندرھواں فائدہ مسجد قبا والے انصار بحکم قرآن مومن متقی۔ طیب و طاہر ہیں اُن بزرگوں نے مسجد قبا نہایت اخلاص سے بنائی۔ اُن کی تعمیر قبول ہوئی جو ان کے ایمان و تقوے کا انکار یا شک کرے وہ اس آیت کا منکر ہے رب نے ان کے متعلق فرمایا فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا۔

پہلا اعتراض

مسجد تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اُس پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ زمین مسجد اور قابل احترام ہے۔ پھر حضور انور نے اُسے گرا کر وہاں گھوڑا (روڑی) کیوں بنوایا۔ اس میں مسجد کی توہین ہے۔ **جواب** جب مسجد بنے تو قیامت تک رہے گی وہ جگہ مسجد بنی ہی نہیں کیونکہ منافقین و کفار کا وقف شرعاً درست نہیں۔ **دوسرا اعتراض** حضور انور نے اسے گروا کیوں دیا اُسے قائم رکھتے ہاں وہاں سے منافقوں کو نکال دیا ہوتا۔ **جواب** اس کے باقی رکھنے میں دو خرابیاں ہوتیں ایک یہ کہ اس مسجد کا وقف درست ماننا پڑتا یہ غلط تھا دوسرے یہ کہ اس سے جرم کی جڑ نہ کٹتی۔ کبھی یہ ہی منافقین یا دوسرے اُسے اڈہ بنا لیتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کا بچھڑا آگ میں جلوا دیا۔ اس کا سونا باقی نہ رکھا نہ کسی کو اُس سونے کے استعمال کی اجازت دی تاکہ جرم کی جڑ کٹ جاوے۔ **تیسرا اعتراض**۔ تو چاہیئے کہ اولیاء اللہ کی قبور پر بنے ہوئے گنبد بلکہ اُن کی قبریں ڈھا دی جائیں کہ یہ شرک و کفر کا مرکز اور ہزارہا گناہوں کا اڈہ ہیں یہ مسجد ضرار سے بڑھ کر نقصان دہ ہیں (دیوبندی وہابی) **جواب** مسجد ضرار اصل سے مسجد بنی ہی نہیں اس کا وقف درست ہی نہیں ہوا۔ اُس کی خرابی اصلی تھی۔ لیکن ان قبور ان کے گنبدوں کا وقف درست ہے۔ ان کا اصل صحیح ہے اگر جہلا وہاں کچھ خرابیاں پیدا کر دیں۔ ناچ گانا وغیرہ تو یہ خرابی عارضی ہے۔ اس خرابی کو مٹا دو۔ اصل عمارت باقی رکھو۔ خانہ کعبہ میں بُت رکھے گئے حضور انور نے ان بتوں کی وجہ سے کعبہ نہیں ڈھایا۔ بلکہ موقع ملنے پر وہاں سے بُت نکال دیئے۔ اصل اور عارضی خرابی کا فرق دھیان میں رہے آج نکاح کے وقت بہت گناہ کیے جاتے ہیں اِن گناہوں کو مٹاؤ اصل نکاح بند نہ کرو مزارات پر عمارت سنت صحابہ سے ثابت ہے زیارت قبور بھی سنت ہے کسی عارضی خرابی سے سنت نہ مٹاؤ نکاح سنت ہے جو خرابیوں کی وجہ سے بند نہ کیا گیا۔ اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق اول میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض نحوی** قاعدے سے مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ کی ترکیب درست نہیں۔ کیونکہ مِنْ مکانی ابتدا کے لیئے آتا ہے۔ اور اَوَّلِ يَوْمٍ جگہ نہیں بلکہ وقت ہے اس پر منذ آنا چاہیئے نہ کہ مِنْ **جواب** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں مِنْ بمعنی فی ہے مگر فقیر کے نزدیک یہ نحوی قاعدہ درست نہیں اپنے قاعدے سے قرآن میں قیدیں نہ لگاؤ۔ مِنْ زمان و مکان دونوں پر آ سکتا ہے۔ **پانچواں اعتراض** یہاں مسجد قبا کے متعلق ارشاد ہوا اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ وہ آپ کے قیام کی زیادہ حقدار ہے۔ اَحَقُّ اسم تفضیل ہے جس سے لازم آیا کہ مسجد ضرار بھی حضور کے قیام کی حقدار ہے مگر مسجد قبا زیادہ کہ اسم تفضیل کا یہ ہی مطلب ہوتا ہے۔ **جواب** یہاں اَحَقُّ اسم تفضیل نہیں بلکہ صفت مشبہ ہے اس لیئے نہ تو الف لام سے

آیا نہ من سے بنا اضافت سے افعل کا وزن مضارع واحد متکلم کے صیغے بھی آتا ہے۔ صفت مشبہ کے بھی اور اسم تفضیل کیلئے بھی اس واسطے اسے افعل التفضیل کہتے ہیں کہ افعل دوسرے معنی کے لیے آتا ہے۔ اور اگر تفضیل ہی کا ہو تو یہ تفضیل مسجد ضرار سے مقابلہ میں نہیں۔ بلکہ دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی یوں تو مسلمانوں کی ہر مسجد آپ کے قیام کے لائق ہے مگر زیادہ مسجد قبا مگر پہلا جواب قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اے مومن تیرے اندر مسجد ضرار بھی ہے اور مسجد قبا بھی۔ نفسانی خطرات گویا مسجد ضرار ہے۔ جنہیں منافق نفس امارہ نے تعمیر کیا۔ رحمانی الہامات گویا مسجد قبا ہیں جنہیں مومن دل نے تعمیر کیا۔ اس مسجد کی بنیاد پہلے دن یعنی میثاق کے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں بلیٰ کہا۔ اس مسجد کے باشندے عیوب برے اخلاق وجود وحدوث کے میل سے پاک ہیں اللہ ایسے پاک لوگوں کو پسند کرتا ہے نماز اطاعت جسم ولباس وغیرہ کو پاک کرکے ادا کی جاتی ہے مگر نماز عشق دل ودماغ کو اغیار کے خیال سے پاک کرکے ادا ہوتی ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

طہارت ارنہ بخون جگر کند عاشق　　بقول مفتی عشقش درست نیست نماز

روئے ناشستہ نہ بیند روئے حور　　لَا صَلٰوۃَ گفت اِلَّا بِالطُّہور　(روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ فاعل کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ مسجد ضرار اور مسجد قبا دونوں بظاہر مسجدیں تھیں۔ ایک ہی جگہ تھیں ایک ہی قسم کے سامان سے بنائی گئی تھیں۔ مگر چونکہ مسجد ضرار کے بانی منافقین تھے وہ ڈھادی گئی۔ مسجد قبا کے بانی مخلصین تھے۔ تاقیامت باقی رکھی گئی۔ محبت بجلی کے کرنٹ کی طرح ہے کہ جو محبوب سے چھو بھی جاوے اس میں بھی محبت کا کرنٹ پہنچ جاتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو حضور انور پیارے تو حضور کے خدام انصار بھی پیارے۔ پھر انصار کی مسجد بھی پیاری پھر اس مسجد کی نماز بھی پیاری پھر اس کے نمازی بلکہ اس کے زائر بھی پیارے پھر اس بجلی کا کرنٹ آنی فانی نہیں بلکہ باقی اور ہادوائی ہے اب وہاں حضرات انصار نہیں انہیں گذرے ہوئے قریباً چودہ سو برس ہوگئے مگر مسجد کی مقبولیت ومحبوبیت فیضان ویسے ہی باقی ہے اور تاقیامت باقی رہیں گے سورج کے ڈوبنے کے بعد بھی بہت دیر تک جانب مغرب میں روشنی رہتی ہے۔ مومن کی وفات کے بعد اس کے فیضان رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس مسجد میں انصار ہیں وہ حضور احمد مختار کا جائے قرار جائے قیام ہوئی۔ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ جس دل میں ابرار رہیں وہاں ہی وہ سرکار رہتے ہیں فرماتے ہیں اَبْغُوْنِیْ فِیْ ضُعَفَاءِکُمْ خدا کرے ہمارے دل مسجد قبا بنیں۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَہٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ وَ
کیا پس وہ شخص کہ رکھی اس نے بنیاد اپنی ڈرنے پر اللہ سے　اور
تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ سے ڈر　اور

رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

رضامندی وہ بہتر ہے یا وہ کہ رکھی اُس نے بنیاد اپنی اوپر کنارہ گھڑھے گدڑے

اس کی رضا پر وہ بھلا یا وہ جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ

والے کے پس گر گیا وہ ساتھ آگ میں اس دوزخ کی آگ میں اور اللہ

تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھہ پڑا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ

نہیں ہدایت دیتا قوم ظلم والی کو رہے گی اُن کی عمارت وہ جو

ظالموں کو راہ نہیں دیتا وہ تعمیر جو چنی ہمیشہ ان کے دلوں

الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ

بنائی انہوں نے تردد دلوں میں ان کے مگر یہ کہ کٹ جائیں دل اُن کے

میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ / ۱۱ / ۲

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں مسجد ضرار اور مسجد قبا کا فرق مبدا کے لحاظ سے کیا گیا کہ مسجد ضرار کی تعمیر چار فاسد مقصدوں سے ہے اور مسجد قبا کی تعمیر صرف ایک اعلیٰ مقصد پر اب ان دونوں مسجدوں کا فرق انتہا کے اعتبار سے ارشاد ہو رہا ہے کہ مسجد ضرار کا انجام دوزخ ہے اور مسجد قبا کا انجام جنت گویا مبدا کے بعد منتہیٰ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں مسجد ضرار اور مسجد قبا کے احکام کا فرق ارشاد ہوا کہ مسجد ضرار میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اور مسجد قبا میں نماز کا زیادہ ثواب ہے اب اس فرق احکام کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ مسجد ضرار دوزخ کے گڑھے پر ہے وہاں نماز کیسی؟ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مسجد ضرار کے بانی قول۔ عمل۔ عقیدے کے جھوٹے ہیں اور مسجد قبا کے بانی پرہیزگار ہیں اب اُن جھوٹے اور سچوں کے عملوں کا فرق ارشاد ہو رہا ہے۔ گویا فاعلوں کے فرق کے بعد

مفعولوں کے فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ فاعل کی نیت وارادے کا اثر فعل پہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں سوال انکاری ہے رب تعالیٰ نے یہ سوال فرمایا ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ہر قرآن پڑھنے والے مومن سے۔ مَن سے مراد یا مسجد قبا بنانے والے انصار ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تا قیامت مخلصین مومنین ہوں جو نیک نیتی سے اچھے کام کریں۔ اُسِّسَ بنا ہے تاسیس سے جس کا مادہ اُسٌّ ہے بمعنیٰ بنیاد تاسیس کے معنیٰ ہیں بنیاد رکھنا۔ چونکہ بنیاد کا ذکر خود آرہا ہے اس لیے اس کے معنیٰ ہیں رکھنا۔ بنیان بروزن غفران مصدر ہے بمعنی بنانا اس سے مراد بنائی چیز بھی ہوتی ہے یعنی بنیاد اور پوری عمارت۔ حضور انور نے علامت قیامت میں فرمایا کہ بکریاں چرانے والے یَتَطَاوَلُوۡنَ فِی الۡبُنۡیَانِ عالی شان عمارتوں میں فخر کریں گے۔ وہاں بنیان سے مراد بنائی عمارات ہے اعلحضرت قدس سرہ نے یہاں بُنیان بمعنیٰ بنیاد کیا اور ہٗ کا مرجع مَنۡ یعنی اپنی بنیاد رکھی اس میں سارے اعمال داخل ہو گئے۔ تعمیر مسجد ہو یا نماز روزے وغیرہ یا سارے عبادات و معاملات۔ بعض مفسرین نے ہٗ سے مراد مسجد قبا لی یعنی وہ انصار جنہوں نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی مگر پہلی توجیہ قوی بھی ہے اور سب کو شامل بھی۔ عَلٰی تَقۡوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٍ۔ یہ فرمان متعلق ہے اُسِّسَ کے۔ تقویٰ کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ باب ضَرَبَ کا مصدر ہے۔ اصل میں وَقۡیٰی تھا۔ بروزن وَعۡدٌ یا دَعۡوٰی مِنَ اللّٰهِ کا تعلق تقوے سے ہے اگر تقوی کیلئے تقویٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کے معنے ہوتے ہیں ڈر یا خوف اور اگر اس کے بعد ذکر ہو آگ وغیرہ کا تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں بچنا یا بچاؤ۔ یہاں بمعنیٰ ڈر و خوف ہے۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں اول درجہ بدعقیدگی سے پرہیز دوسرا درجہ بدعملی یعنی گناہوں سے پرہیز۔ تیسرا درجہ ہر غافل کرنے والی چیز سے پرہیز۔ یہاں دوسرے درجہ کا تقویٰ مراد ہے یعنی اللہ کا وہ خوف جو انسان کو بدعملیوں سے بچاوے۔ دیکھو تفسیر روح البیان۔ رضوان معطوف ہے تقویٰ پر اس کے معنیٰ اللہ کی رضا طلب کرنا اس کی اطاعت کرکے (روح البیان) یعنی جس نے اپنی اور اپنے اعمال کی بنیاد اللہ سے خوف اور اللہ کی رضا پر رکھی کہ ہر کام اس لیئے کئے کہ وہ راضی ہو جاوے۔ خَیۡرٌ یہ خبر ہے مَنۡ کی خیر سے مراد شر کا مقابل ہے۔ یعنی کیا یہ متقی اچھا ہے۔ یا اَمَّنۡ اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ۔ یہاں مَنۡ سے مراد یا تو مسجد ضرار بنانے والے منافقین ہیں یا تا قیامت سارے کھلے چھپے کافر جو بدنیتی سے اچھے اعمال کریں۔ لوگوں کو پھانسنے کے لیئے بنیانہٗ میں وہ مذکورہ دو احتمال ہیں کہ یا اس سے مراد ہے مسجد ضرار یا یہ ضمیر لوٹ رہی ہے مَنۡ کی طرف یعنی یا وہ اچھا ہے جو اپنی یعنی اپنے سارے اعمال کی بنیاد رکھے۔ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ۔ یہ متعلق ہے اَسَّسَ کے۔ شَفَا بمعنیٰ کنارہ اسی سے ہے شفیر۔ صحت پانے کو شفا اس لیئے کہتے ہیں کہ انسان بیمار مرض سے کنارہ پہ ہو جاتا ہے۔ جَرَفٌ۔ شَفَا طَرَفٌ سب قریبًا ہم معنیٰ ہیں جرف صفت مشبہ ہے جَرَفَ یَجۡرِفُ کا اس کا مصدر جَرۡفٌ ہے۔ جیم کے فتحہ رکے سکون سے۔ جَرۡفٌ کے معنیٰ ہیں، کانا کھوکھل یعنی اندر سے خالی کرنا۔ اصطلاح میں جرف وہ زمین جس کے نیچے کی مٹی دریا کا پانی بہا کرلے گیا۔ اوپر کچھ مٹی رہ گئی۔ بہت کمزور کہ جو یا تو خود ہی گر جائے یا پاؤں رکھتے ہی گر جائے یا وہ کنواں یا گہرا غار جس پہ کچھ مٹی سے منہ بند کر دیا جاوے کہ جب اس پہ ہاتھی یا شیر یا چیتا آئے گر جائے۔ شیر یا ہاتھی کا شکار اسی کنوئیں سے کیا جاتا ہے۔ هَارٍ اسم فاعل ہے هَارَ یَهُوۡرُ یا یَهِيۡرُ کا اس کا مادہ هَوۡرٌ یا هَيۡرٌ

اصل میں ھَایِرٌ تھا۔ اس کی ی ر کے بعد کر دی گئی جیسے شاک اصل میں شایک تھا پھر شاکی کر دیا گیا۔ اس کے معنی پھٹ جانے والی۔ عنقریب گرنے والی جسے اردو میں گراؤ کہتے ہیں۔ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ یہ عبارت معطوف ہے اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ انہار پر اسی ھَوْرٌ سے بنا باب انفعال کا ماضی ہے اس کا فاعل بنیان ہے بہ کی ب تعدیہ کی ہے ۂ کا مرجع مَنْ ہے یعنی اس پر عمارت بنانے والا یعنی وہ گراؤ زمین اس شخص کو لے کر دوزخ میں گر گئی خود بھی آگ میں گری اسے بھی لے گئی۔ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں ظالمین سے مراد یہ ہی چالاک منافقین ہیں جو نیکی بھی کریں تو بری نیت اور برے ارادوں سے یعنی ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ اخلاص اور راست بازی کی ہدایت نہیں دیتا۔ جب اس کریم کا کرم ہوتا ہے تو بندہ کو اخلاص عطا ہوتا ہے پھر نیک اعمال کی توفیق۔ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا۔ اب تک تو ان منافقوں کے گذشتہ حالات کا ذکر ہوا اب ان مردودوں کی آئندہ بیقراری اور صدمہ کا ذکر ہے یہاں بنیان بمعنی عمارت ہے جیساکہ اَلَّذِیْ بَنَوْا سے ظاہر ہے بَنَوْا کے بعد مفعول کی ہ ضمیر پوشیدہ ہے رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ یہ عبارت لا یزال فعل ناقصہ کی خبر ہے رِیْبَةٌ کے لفظی معنی ہیں تردد یا شک۔ یہاں مراد ہے کھٹک یا صدمہ قُلُوْبِهِمْ میں ھم کا مرجع مسجد ضرار کے بانی منافقین ہیں یعنی یہ عمارت تو فنا ہو گئی اسے ڈھا کر اس میں آگ لگا دی گئی مگر اس کے ڈھائے جانے کا صدمہ انہیں مرتے دم تک رہے گا۔ کیونکہ عمارت ہی نہیں ڈھائی گئی بلکہ ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ انہوں نے کچھ سوچا تھا رب تعالیٰ نے کچھ اور ہی کر دیا۔ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ یہ عبارت لَا یَزَالُ الخ سے استثنا یا استدراک ہے۔ غرضکہ اِلَّا یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی لٰکِنْ یا بمعنی اِلٰی ہے اس کے معنی ہیں مگر یا لیکن یہاں تک تقطع اصل میں تَتَقَطَّعَ تھا۔ باب تفعّل کا مضارع۔ اس کا معنی ہیں ٹکڑے ہو جائیں۔ جس سے ان کے دل میں سے منافقت کے عیوب نکل جائیں۔ اسلام و اخلاص کی خوبیاں سما جائیں۔ (روح المعانی، بیضاوی، مدارک وغیرہ) وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ وہ مومنوں منافقوں مسجدِ ضرار مسجد قبا بنانے والوں کی نیت سے بھی خبردار ہے اور اس نے جو مسجد ضرار کو اپنے محبوب کے ہاتھوں فنا کرا دیا اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں۔

خلاصۂ تفسیر اِن آیاتِ کریمہ میں رب تعالیٰ نے مومنین مخلصین اور منافقین مُفسِدین کے اعمال کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تشبیہ دی ہے۔ مومنین عمارت بنانے والے ہیں۔ ان کے اعمال گویا عمارت ہیں۔ ان کے دل کا تقویٰ اور اخلاص گویا وہ مضبوط و پختہ زمین ہے جس پر عمارت قائم رہتی ہے۔ منافقین بھی عمارت بنانے والے ہیں اور ان کے ظاہری نیک اعمال گویا ان کی عمارت ہیں ان کے برے ارادے فساد و فتنہ کی نیت گویا وہ کھوکھلی زمین ہے جو صرف اوپر سے زمین معلوم ہوتی ہے اور نیچے سے بالکل خالی ہو چکی۔ ایسی زمین میں عمارت بنانے کا انجام یہ ہے کہ وہ زمین خود بھی گرے گی عمارت اور اس میں رہنے والوں کو بھی لے بیٹھے گی۔ یعنی غور تو کرو کہ وہ مومن مخلص جس نے اپنے اعمال کی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور رضاءِ الٰہی کی مضبوط زمین پر رکھی کیا وہ اچھا ہے یا وہ فسادی منافق اچھا ہے جس نے اپنے اعمال کی بنیاد اس اندر سے کٹی ہوئی زمین پر رکھی۔ جو صرف اوپر سے زمین معلوم ہو مگر نیچے سے یہ خالی ہو چکی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی خالی زمین پر جو عمارت قائم ہو گی وہ خود بھی گرے گی

اور عمارت میں رہنے والوں کو بھی گرائے گی۔ یوں ہی اُن کے اعمال کی عمارت بُری نیت پر قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود بھی دوزخ میں جاوے گی اور عاملین کو بھی وہاں گرائے گی۔ ایسے شرارتی فسادی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اخلاص۔ حسن نیت کی ہدایت ہی نہیں دیتا۔ **خیال رکھو** کہ اُن کی مسجد ضرار ڈھا تو دی گئی مگر اس ڈھائے جانے کا صدمہ انہیں ہمیشہ رہے گا۔ ہاں یا تو یہ مر کر مٹی ہو جائیں۔ اُن کا دل بھی ٹکڑے ہو کر گل سڑ جاوے یا ان کا دل کرِّ ربانی سے چِرے اس میں سے نفاق نکلے ایمان داخل ہو۔ تب تو یہ صدمہ جائیگا ورنہ نہیں جائے گا۔ ایسوں کی اس مسجد میں اے محبوب آپ نماز کیوں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ مسجد ضرار اور مسجد قبا کے مذکورہ واقعہ میں تا قیامت بہت سے مسائل لوگوں کے لیئے نمونہ ہیں۔ اس سے اخلاص کے فائدے۔ ریاکاری۔ چالبازی کے نقصانات کا ان ہی واقعات سے پتہ لگتا ہے۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ ایمان۔ عبادات معاملات غرض کہ ساری چیزیں تقوٰی و پرہیزگاری کے ساتھ ہوں تو قبول ہیں ورنہ مردود۔ تقوٰی جڑ ہے یہ سب چیزیں شاخیں یا تقوٰی بنیاد ہے اور یہ ساری چیزیں اس پر عمارت۔ یہ فائدہ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ الخ سے حاصل ہوا لفظ بنیان مطلق ہے جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم۔ بُنْيَانَهٗ اپنی بنیاد یعنی اپنے ایمان و اعمال کی بنیاد۔ **دوسرا فائدہ** مسجد قبا والے انصار بگواہی قرآن مجید مومن مخلص متقی اللہ کی رضا چاہنے والے ہیں انہوں نے مسجد قبا نہایت اخلاص سے بنائی اور وہ مسجد اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ یہ فائدہ بھی اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ سے حاصل ہوا بلکہ اُن کے سارے اعمال اخلاص سے ہیں۔ کیونکہ خود اُن کی بنیاد اخلاص پر ہے۔ دیکھو بنیانہٗ کی تفسیر جو انہیں کافر یا منافق کہے وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے۔ ان سارے انصار نے خلفاء ثلٰثہ کی بیعت کی تو وہ بیعت حق ہوئی اور ان حضرات کی خلافت حق تھی۔ کیونکہ انصار کے سارے کام تقوٰی پر ہیں یہ بیعت بھی اُن کا ہی کام ہے **تیسرا فائدہ**۔ منافقین خود بھی دوزخی ان کی مسجد ضرار بھی دوزخ کے کنارے پر اس مسجد میں دیدہ دانستہ نمازیں پڑھنے والے۔ اُسے برحق ماننے والے سب ہی دوزخی ہیں یہ فائدہ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ گمراہوں بے دینوں کی مسجدیں خصوصًا وہ مسجدیں جو وہ اپنی بدمذہبی پھیلانے کے لیے بنائیں اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں وہ سب مسجد ضرار ہیں۔ یہ فائدہ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ سے حاصل ہوا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد سے دوزخ کا دھواں نکلتا ہوا دیکھا۔ جب وہ ڈھائی گئی (روح البیان) مسجد ضرار ڈھائے جانے کے بعد ایک بار اس زمین میں گڑھا کھودا گیا تو وہاں سے دھواں نکلا (روح المعانی وغیرہ) **پانچواں فائدہ**۔ فساد کی جڑ کاٹ دینی چاہیئے اگرچہ وہ اچھی شکل میں ہو۔ یہ فائدہ مسجد ضرار کے اس پورے واقعہ سے حاصل ہوا کہ مسجد ضرار اگرچہ مسجد کی شکل ہی میں تھی مگر فساد کی جڑ تھی۔ لیکن خیال رہے کہ یہ حکم اس کے لیئے ہے جو فساد کے لیئے بنائی جائے اگر کسی مسجد میں لوگ فساد شروع کر دیں تو وہ نہیں گرائی جائے گی۔ جیسا کہ ہم نے ابھی پچھلی آیت کے اعتراض و جواب میں عرض کیا۔ **چھٹا فائدہ** مومن کے اعمال مضبوط و پختہ ہوتے ہیں کفار کے اعمال نہایت کمزور۔ کیونکہ مسلمانوں کے اعمال کی بنیاد تقوے پر ہے اور کفار کے اعمال کی بنیاد گرا ور زمین یعنی بدنیتی پر۔ یہ فائدہ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ (الخ) سے حاصل ہوا۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کی بنیاد یعنی نیت کو

مضبوط کرے ساتواں فائدہ ۔ کفر کا علاج ایمان ہے اور نفاق کا علاج اخلاص۔ جیسے گناہ کا علاج نیکی یہ فائدہ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ تَقَطَّعَ سے مراد ہوا منافقین کا مومن مخلص بن جانا۔ آٹھواں فائدہ ۔ اصل بدبختی نبی کی صحبت سے بھی دور نہیں ہو سکتی بارش بوئے ہوئے تخم نہیں بدل سکتی یہ فائدہ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ سے مراد ہوا اُن کا مر کر قبر میں گل سڑ جانا مرتے دم تک اُن کا یہ صدمہ دور نہ ہونا۔

پہلا اعتراض تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ میں مِنْ کیسا ہے۔ تقوی اللہ ہونا چاہئے تھا۔ **جواب** ۔ یہ مِنْ یا توصلہ کا ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں ڈرنا اور ڈرنا سلطان سے بھی ہوتا ہے موذی جانوروں سے بھی اور رب توفیق دے تو اللہ تعالیٰ سے۔ مِنَ اللّٰهِ میں یہ ہی بتایا گیا کہ خوفِ الٰہی عطیہ ربانی ہے محض اپنی کوشش سے نہیں ملتا۔ **دوسرا اعتراض** ۔ اَسَّسَ کے معنی ہیں بنیاد رکھی پھر بعد میں بنیان کیوں ارشاد ہوا یہ تو اَسَّسَ کے اندر ہی آگیا کہ وہ بنا اُسّ سے اُسی سے ہے اَساس۔ بنیان زائد ہے **جواب** عربی اصطلاح میں اسے تجرید کہتے ہیں یعنی لفظ کو اس کے بعض معنی سے خالی کرلینا۔ یہاں وہ ہی ہے۔ یعنی اَسَّسَ کے معنی ہوئے رکھی۔ بنیاد کے معنی سے خالی کر لیا گیا جیسے رب نے فرمایا اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا دیکھو اسرا کے معنی ہیں۔ رات میں سیر کرنا۔ راتوں رات لے جانا مگر تجرید کر کے اس کے معنی اسرا سیر سے لیا گیا۔ اور رات کا ذکر بعد میں علیحدہ کر دیا۔

تیسرا اعتراض ۔ یہاں ارشاد ہوا کہ ان منافقوں کو اس کا صدمہ یہاں تک رہے گا کہ اُن کے دل کٹ جاویں۔ دل کٹ جانے پر تو وہ خود ہی مر جائیں گے پھر صدمہ کیسا۔ **جواب** اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ انہیں یہ صدمہ زندگی بھر رہے گا۔ مرے بعد اس صدمہ سے چھوٹیں گے جیتے جی نہیں چھوٹ سکتے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ دل کٹنے سے مراد دل کا فنا ہو جانا ہو۔

تفسیر صوفیانہ نیک اعمال ایسی عمارت ہیں جس میں قلب در درح سایہ اور پناہ لیتے ہیں۔ اور اچھے اعتقاد۔ اخلاص اس عمارت کی بنیاد پانی پر قائم نہیں ہوتی بلکہ سخت زمین پر قائم ہوتی ہے۔ اگر عمارت بہت اونچی لے جانی ہو تو بنیاد بہت گہری کھودی جاتی ہے۔ اسے اینٹ سیمنٹ بجری وغیرہ سے اور بھی سخت کیا جاتا ہے یوں ہی اعمال کی عمارت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے کہ صرف رضاءِ الٰہی کے لئے عمل ہوں۔ اُس میں نفس کے نفع کا شائبہ بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس کے ثواب یعنی جنت حور و قصور کے لئے عمل نہ کرے صرف رضاءِ رب غفور کے لئے ہوں۔ ایسی بنیاد پر جو عمل قائم ہوگا وہ سدا بہار باغ یا دائمی عمارت کی طرح ہمیشہ آباد رہے گا۔ دیکھ لو کعبہ معظمہ اب تک آباد ہے اس کی آبادی کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص پر ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسجد ضرار بظاہر نماز کے لئے تھی در حقیقت منافقوں کے گندے اقوال و احوال کی تبلیغ کے لئے تھی۔ اس لئے حضور انور نے اس کو کوڑا گھر بنا دیا۔ تاکہ معنی کا ظہور ظاہر پر ہو۔ منافقین کے پاس اٹھنا بیٹھنا شقاوت کا باعث ہے اگرچہ مسجد ہی میں ہو۔ یوں ہی صدیقین کے پاس نشست و برخواست سعادت کا ذریعہ ہے۔ ان کے پاس سے اخلاص سے گذر جانے والا بھی محروم نہیں رہتا۔

(روح البیان)

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ

تحقیق اللہ نے خرید لیا مسلمانوں سے جانوں کو ان کی اور مالوں کو

بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں

بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ

ان کے بدلے اس کے تحقیق ان کیلئے جنت ہے جنگ کریں گے وہ راستہ میں اللہ کے

اس بدلے پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں

وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ

پس قتل کریں اور قتل کیے جاویں وعدہ ہے اس پر سچا توریت میں اور انجیل میں

اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل

وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا

اور قرآن میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے وعدہ کو اپنے اللہ سے پس خوشی

اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون ہے تو خوشیاں مناؤ

بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ

حاصل کرو تم لوگ تجارت سے اپنی وہ کہ تجارت کی تم نے اس سے اور یہی ہے

اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

کامیابی بڑی

کامیابی ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں غزوۂ تبوک سے رہ جانے والے منافقین پر عتاب تھا اب جہاد کرنے والے مخلصین پر کرم نوازی کا تذکرہ ہے۔ گویا عتاب والوں کے بعد ثواب والوں کا ذکر ہو رہا ہے (تفسیر کبیر) دوسرا تعلق ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ مومن کے نیک اعمال کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور تقویٰ

گویا مضبوط زمین ہے جس کے دھنس جانے کا اندیشہ نہیں اب اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ مومنوں کے جان و مال رب تعالٰے خرید چکا ہے اب ان کے سارے کام رب کے لیے ہیں لہٰذا پختہ ہیں گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اب اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافق مسجد بھی بنائیں تو بے ایمان ہیں کہ ان کی نیت خراب ہے۔ مومن مسجد بنائیں تو مقبول کیونکہ ان کی نیت خیر ہے اب ارشاد ہے کہ اگر ایک میدان میں مومن و کافر لڑیں تو کافر کی جنگ فساد ہے اور مومن کی جنگ جہاد۔ کیونکہ اللہ کے ہاتھ بکا ہوا ہے اس کا ہر کام اُسی رب کے لیے ہے گویا مسجدوں کے فرق کے بعد جنگ کے فرق کا تذکرہ ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر تھا جو جہاد میں نہ جاتے تھے اور اس نہ جانے پر خوش ہوتے تھے۔ کہ ہم نفع میں رہے کہ جہاد کی تکالیف سے بچ گئے اب ان کی تردید ہو رہی ہے کہ مومن مزے میں رہے کہ اپنے جان و مال رب کے ہاتھ فروخت کر دیئے جنت کے عوض وہ نفع کا سودا کر آئے (صاوی)۔

شانِ نزول

دوسری بیعت عقبہ کے موقعہ پر ستر انصار نے حضور انور کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ جو چاہیں ہم پر شرط لگائیں ہم کو منظور ہے فرمایا میں تم پہ دو شرطیں لگاتا ہوں ایک رب تعالٰی کے لیے دوسری اپنے لیے رب کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی ہی عبادت کرو۔ اپنے لیے یہ کہ جو چیز تم لوگ اپنے لیے پسند نہ کرو میرے لیے روا نہ رکھو۔ عبداللہ بولے کہ اگر ہم یہ شرطیں پوری کردیں تو ہم کو کیا ملے گا۔ فرمایا جنت بولے خوب خوب یہ تو بڑے نفع کی تجارت ہے ہم نے یہ سودا کر لیا اب ہم اسے فسخ نہ کریں گے (تفسیر روح البیان، روح المعانی، خازن، خزائن العرفان تفسیر کبیر) مگر سورہ توبہ مدینہ میں سوا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ دو آیتوں کے اور بیعۃ عقبہ کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ نیز اس آیت میں جہاد کا حکم بعد ہجرت آیا۔ بیعۃ عقبہ کے وقت نہ جہاد کا حکم تھا نہ مجاہدین کا۔ نہ شہداء کا۔ اس لیے تفسیر جلالین۔ صاوی وغیرہ نے اس آیت کا کوئی شانِ نزول بیان نہ کیا۔ یونہی تفسیر بیضاوی مدارک وغیرہ نے بھی ہاں یہ کہو تو کہہ لو کہ اس آیت میں آئندہ جہادوں کا ذکر ہے کہ جب جہاد فرض ہو جائے تو یہ لوگ جہاد شوق سے کریں۔

تفسیر

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ چونکہ بہت لوگ اس مضمون کے انکاری تھے اس لیے اسے اِنَّ سے شروع فرمایا۔ اشتراء کے معنی ہیں خریدنا یعنی اپنے مال کے عوض دوسرے کا مال لینا۔ اللہ تعالٰی کے لیے معنی نہیں بنتے۔ کیونکہ ہمارے جان و مال بھی رب کے ہیں۔ اور جنت بھی رب کی لہٰذا اس سے مراد ہے مومنوں کی جان و مال اپنی راہ میں خرچ کرا کر انہیں ثواب کا وعدہ فرمالینا۔ (تفسیر بیضاوی) چونکہ یہ عوض مومنوں کو ضرور ملے گا اس لیے اسے خریدنا فرمایا گیا۔ جیسے ارشاد ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا کون ہے جو اللہ کو قرض دے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سودا میثاق کے دن ہو چکا اور مومنین سے مراد ساری اُمتوں کے مومن ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ سودا حضور انور کے ذریعہ ہوا جبکہ حکم جہاد آگیا اور مومنین سے مراد صرف مسلمان ہوں یعنی حضور انور کی امت یا صرف مجاہدین یا سارے مومنین۔ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ یہ اشتریٰ کا مفعول ہے نفس کے معنی ہیں۔ خون جان۔ ذات یہاں بمعنی ذات ہے اگر بمعنی جان ہو تو جسم جان کے تابع ہے جب جان فروخت ہوگئی تو جسم بھی فروخت ہو گیا

خیال رہے کہ خریدنے والا تو رب مگر بیچنے والے یا تو مومنین ہیں جو میثاق کے دن سودا کر چکے یا جو حضور انور کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت سودا کر چکے اس لیئے اسے بیعت کہتے ہیں یعنی بک جانا۔ فروخت ہو جانا وہ لفظ یہاں سے لیا گیا یا خود رب نے ہی یہ سودا کیا یعنی رب تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی جان و مال خود اپنے ہاتھ فروخت کیں خود ہی خریدیں۔ جیسے مولیٰ اپنے غلام کا مال اپنے ہاتھ فروخت کر دے کہ غلام کا وکیل ہوا اپنی طرف سے اصیل۔ (از تفسیر کبیر) مولیٰ اپنے غلاموں کے مال میں اس قسم کی خرید و فروخت کر سکتا ہے کہ دو طرفہ کا وکیل ہو یا ایک طرف کا وکیل دوسری طرف کا اصیل۔ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ یہ اس خرید کی قیمت کا ذکر ہے لہٰذا اس میں بِ مقابلہ اور عوض کی ہے لَهُمْ میں لام ملکیت کا ہے لَهُمْ کو جنت پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اگر ھم ضمیر مومنین کی طرف ہے تو جنت سے مراد مطلقاً جنت ہے۔ اور حصر بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ جنت صرف مومنوں کی ہے کافروں یا منافقوں کی نہیں اور اگر ھُمْ سے مراد مومن غازی و شہید ہیں تو جنت سے مراد جنت کا وہ حصہ ہے جو خاص غازیوں شہیدوں کے لیئے ہے تب بھی حصر درست ہے۔ یہاں جنت میں پانچ باتوں کا خیال رہے ۱؎ جنت کو قیمت بنایا مومنوں کی جان و مال کو تجارتی مال کیونکہ تجارت میں مال اعلیٰ ہوتا ہے قیمت ادنیٰ مال مقصود ہوتا ہے۔ قیمت تابع لہٰذا رب نے مومنوں کی جان و مال کو جنت سے اعلیٰ قرار دیا ۲؎ لھم کو جنت سے پہلے بیان فرمایا تاکہ حصر کا فائدہ ہو۔ یعنی جنت صرف انہیں کی ہے بلا شرکت غیرے۔ ۳؎ لھم میں لام ملکیت کا ارشاد فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ آج ہی جنت اُن کی ہو چکی وہ اس کے مالک ہو چکے اگرچہ قبضہ بعد قیامت دیا جائے گا۔ ۴؎ لَهُمُ الْجَنَّةَ جملہ اسمیہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ مومنوں کی یہ ملکیت دائمی ہے عارضی نہیں لہٰذا جنت اُن کی ملکیت سے نہ کبھی نکل سکتی ہے نہ فنا سے نہ وہاں سے نکالے جائیں نہ فروخت یا ہبہ کر دینے سے ۵؎ مومنوں کو خود جنت کا مالک کر دیا تو وہاں کی نعمتیں حور۔ قصور۔ حوض نہریں۔ باغات سب ہی کے وہ مالک ہوئے یہ نہیں کہ جنت کا سامان علیحدہ کر کے صرف عمارت کا مالک کیا۔ اس میں مومنوں کی بڑی عزت افزائی ہے اس وجوہ سے نہ تو یہ کہا ہم نے جنت کو تمہارے جان و مال کے عوض بیچ دیا۔ ہم بائع تم خریدار نہ یہ کہا کہ تمہاری جان و مال جنت کے عوض خریدیں بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

خویشتن نہ شناخت مسکیں آدمی　　　از فزونی آمد و شد در کمی!

خویشتن را آدمی ارزاں فروخت　　　بود اطلس خویش را بر دلق دوخت

یعنی دنیا دار آدمی نے اپنی قیمت نہ جانی وہ بڑا قیمتی تھا اس نے اپنے کو ارزاں کر دیا ریشم تھا گدڑی پر سی دیا۔

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔ یہ فرمان عالی نہ تو مومنین کی صفت ہے نہ حال بلکہ نیا جملہ ہے جس میں پہلے کا طریقہ ارشاد ہوا یعنی اس بیچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب جہاد کی ضرورت ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ (صاوی۔ روح البیان وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے جان مال تو ہمارے ہو چکے میدان جہاد میں اُن کا قبضہ ہم کو دے دو۔ اور جنت تمہاری ہو چکی اس کا ایک طرح کا قبضہ تم کو شہید ہوتے ہی دیا جائے گا۔ کہ تمہاری روحیں جنت میں داخل ہو جاویں گی اور دوسری قسم کا قبضہ بعد قیامت دیا جائے گا۔ کہ تم جسموں کے ساتھ

وہاں داخل ہو گئے۔ خیال رہے کہ یہاں تین چیزیں ارشاد ہوئیں۔ قتال یعنی جہاد کرنا کفار کو قتل کرنا۔ ان کے ہاتھوں قتل رشہید ہونا، جو مومن جہاد میں گیا اُسے نے قتال کر لیا خواہ وہ لڑے یا لڑنے والوں کی خدمت یا اُن کی مدد یا ان کی ہمت افزائی کرے۔ لہٰذا یقاتلون بہت عام ہے پھر خواہ صرف قتل کرے اور بخریت واپس آجاوے یا قتل کر کے خود بھی قتل ہو جاوے۔ فقیر کی یہ تفسیر یادر ہے خلاصہ یہ ہے کہ میدان جہاد میں کفار کے مقابل پہنچ جانا اپنے جان و مال ہر چیز خریدار یعنی رب غفار کو قبضہ دے دینا ہے اب اس کی مرضی ہے کہ تمہیں اپنے پاس رکھ لے یا وطن واپس بھیج دے تم تو اپنا کام کر چکے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تینوں کام کرنا ضروری ہیں داز روح المعانی وغیرہ) وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا اس فرمان عالی میں اس بیع کی نوعیت کا ذکر ہے کہ یہ بیع نقد کی نقد سے نہیں بلکہ نقد کی ادھار اور وعدہ پر ہے کیونکہ تمہارے جان و مال اس دنیا میں ہیں اور اُن کی قیمت یعنی جنت دوسری دنیا یعنی آخرت میں ہاں اس کا وعدہ مضبوط ہے وَعْدًا پوشیدہ فعل وَعَدَ کا مفعول مطلق ہے یہ موصوف ہے عَلَيْهِ حَقًّا اس کی صفت اس طرح کہ عَلَيْهِ حقاً کا حال ہے علیہ کی ضمیر رب کی طرف ہے۔ یعنی عطاء جنت کا رب کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ ہے جو لازم ہو چکا نا ممکن ہے کہ پورا نہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی و کبیر معانی وغیرہ) فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ لفظ مثبتًا کے متعلق ہو کر وعدًا کی دوسری صفت ہے یعنی یہ وعدہ ایسا پختہ ہے کہ اس کا اعلان توریت و انجیل قرآن مجید ساری کتابوں میں کر دیا گیا اس پر اُن انبیاء کرام کو گواہ بنا دیا گیا۔ خیال رہے کہ اگر المومنین سے مراد ساری امتوں کے مومن ہیں تو آیت کا مطلب ہے کہ توریت میں دین موسوی کے مومنوں مجاہدوں سے اور انجیل میں دین عیسوی کے مومنوں مجاہدوں غازیوں شہیدوں سے اور قرآن مجید میں دین محمدی کے مومنوں غازیوں سے یہ وعدہ کر دیا گیا جس سے پتہ لگا کہ ان دینوں میں بھی جہاد تھے اور اگر مومنین سے مراد صرف دین محمدی کے مومن ہیں تو مطلب یہ ہے کہ توریت و انجیل میں بھی اس وعدے کا اعلان ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ دوسری تفسیر قوی ہے کیونکہ دین عیسوی میں جہاد نہ تھا۔ حضرت مسیح کی یہ تعلیم تھی کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا گال بھی اُس کے سامنے کر دے اس اعلان میں حضور انور کے غازیوں کی انتہائی عظمت و عزت کا اظہار ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ ایک روایت میں ہے کہ توریت و انجیل میں اُمتِ محمدی کا ذکر یوں تھا کہ هُمْ رُعَاةٌ لِلشَّمْسِ وہ سورج کی رفتار کی پیمائش کریں گے۔ یعنی نماز پنجگانہ کے لئے طلوع غروب، زوال کا حساب رکھیں گے۔ وغیرہ وغیرہ یہ وعدہ بھی وہاں تھا وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ اس فرمانِ عالی میں اس وعدے کی اور تاکید ہے اس میں مَن سوال انکاری کے لیئے ہے اَوْفٰی وفاءٌ کا اسم تفضیل ہے یعنی سوچو تو خدا تعالےٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہے وہ مجبور نہیں قادر ہے جھوٹ سے پاک ہے اس کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں لہٰذا اس کا وعدہ ضرور بالضرور پورا ہو کر رہے گا۔ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمْ یہ فرمانِ عالی ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے فا جزائیہ ہے استبشار کے معنی ہیں خوشی ظاہر کرنا خواہ قولاً اظہار ہو یا عملاً ب سببیہ ہے اور بیع سے مراد وہ بیچنا ہے جو رب تعالیٰ کے خریدنے کے ضمن میں حاصل ہوا ورنہ براہِ راست تو کسی مسلمان سے رب نے نہ رب تعالیٰ سے بات کی نہ سودا کیا نہ فروخت کیا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے بیع کی یا خود رب تعالیٰ نے یعنی اے مسلمانوں اپنے اس تجارت پر جو تمہاری خبر سے پہلے ہی ہو گئی ہر وقت خوشی مناؤ خوش و خرم رہو یہ سمجھ کر ہمارا جان مال اللہ تعالیٰ کا ہے ہم اللہ تعالےٰ کے

مِلک خاص ہیں پھر بھی علم کس کا۔ وہ خود اپنا سودا سنبھالے گا اور جب جہاد کے لیے جاؤ تو دولہا بن کر خوشی مناتے جاؤ۔ کہ اب ہم خریدار کو اس کی چیز پر قبضہ دینے جا رہے ہیں اَلَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ یہ فرمانِ عالی صفت ہے بیع کی بایعتم میں بالواسطہ سودا کرنا مراد ہے یعنی وہ سودا وہ تجارت جو تم نے اپنے نبی کے واسطے سے رب سے کی اے تم عیبیوں سے۔ اس بے عیب رب نے مع تمہارے عیبوں کے بے عیب جنت کے عوض خریدا۔ فانی متاع کو باقی قیمت کی عوض خریدا۔ شعر

تو بعلم ازلی مرا دیدی   دیدی آنگہ بعیب بخریدی

تو بعلم آں دمن بعیب ہماں   رد مکن آنچہ خود لپسند یدی   (روح البیان)

یعنی اے کریم تو ازل سے جانتا تھا کہ میں عیب دار ہوں۔ مجھ عیبی کو جان کر تو نے خریدا ہے تو وہ ہی علیم ہے میں وہ ہی عیبی ہوں۔ اب جب تو نے مجھے عیبی جان کر خرید لیا تو رد نہ کرے مسلمانوں اس پر خوشی مناؤ کہ تم عیبیوں کو رب نے خرید لیا۔ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ چونکہ یہ بیع بہت عالی شان تھی ہماری فہم و علم سے دور اس لیئے ذٰلِکَ دور کا اشارہ ارشاد فرمایا گیا اور صرف یہ تجارت ہی کامیابی تھی۔ اس سے ہٹ کر ہر چیز ناکامی۔ اس لیے ھو ارشاد ہوا حصر کے لیے۔ چونکہ اس سودے کو رب نے خریدا جناب مصطفےٰ بیچ میں پڑے جنت عدن اسکی قیمت۔ جناب جبریل اس کے منادی قرآن مجید میں اس سودے کی تحریر ہوئی ان وجوہ سے یہ سودا بڑی کامیابی ہے۔
کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔ شعر۔

مَنْ یَّشْتَرِیْ قُبَّۃً فِیْ عَدْنٍ عَالِیَۃٍ   فِیْ ظِلِّ طُوْبٰی رَفِیْعَاتٍ مَبَانِیْھَا

دَلَّالُھَا الْمُصْطَفٰی وَاللّٰہُ بَائِعُھَا   مِمَّنْ اَرَادَ وَجِبْرِیْلُ مُنَادِیْھَا

نوٹ: یہ وہ آیت کریمہ ہے جو لوقتِ جہاد مجاہدین کو گرما دیتی تھی۔ اس کے جوش میں وہ ایسی جرأت کر جاتے تھے اور وہ کارنامے کر لیتے تھے۔ جو ہمارے خیال سے وراء ہیں جنگ یرموک میں عیسائی سات لاکھ تھے مسلمان صرف چالیس ہزار۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہ ہی آیت مجاہدین پر تلاوت کی اور فرمایا انہوں نے رب کے سودے پر اسے قبضہ دے دو تم اس سے سودا کر چکے۔ مسلمان اٹھے اور میدان مار لیا۔ سات لاکھ میں سے بہت کو مار دیا باقی بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ وہ جرأت و ہمت دے۔

خلاصہ تفسیر ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے جان مال خرید لیئے اس کے بعد کہ جنت ان کی ہوگی۔ مومنین بیوپاری ہم خریدار مومنوں کے جان و مال سودا۔ جنت اُن کی قیمت لہٰذا اب انہیں چاہیئے کہ جب اسلام کو ان کی جان و مال کی ضرورت ہو اور جہاد پیش آجائے تو وہ اللہ کی راہ میں کفار پر جہاد کریں۔ انہیں قتل کریں غازی ہوں گے ان کے ہاتھوں قتل ہو جاویں شہید ہوں گے۔ جنت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہو چکا۔ ناممکن ہے کہ انسان مومن ہو اور جنت نہ پائے۔ اس وعدہ کا اعلان توریت میں انجیل میں ہو چکا کہ امتِ محمدیہ سے یہ سودا ہو چکا یا ہوگا اور قرآن مجید میں بھی یہ اعلان کیا جاتا ہے خود سوچ لو کہ رب تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے کہ وہاں وعدہ خلافی کا احتمال ہی نہیں کہ وعدہ خلافی یا مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے یا شرارت سے وہ رب کریم ان دونوں سے

پاک ہے مسلمانوں جبکہ تم اس تجارت کی خبر سن چکے تو اس پر خوب خوشیاں مناؤ۔ اگر جہاد کا وقت آجائے تو خوشی خوشی قبضہ کرانے کی نیت سے میدان جنگ میں جاؤ۔ تم نے اپنے کو رب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے یہ تجارت بڑی ہی کامیابی ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں دس طرح اس تجارت کا اہتمام کیا گیا۔ ۱ یہاں رب خریدار ہے جس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں جو چاہے قیمت دے ۲ اس کو بیع شراء یعنی خرید فروخت فرمایا۔ جیسے خریدی چیز کی قیمت دینا خریدار کے ذمہ ہوتا ہے یوں ہی انشاء اللہ مومنوں کو جنت دینا رب کے ذمہ کرم پر لازم ۳ اسے وعدہ فرمایا اور اللہ کے وعدے سارے ہی سچے ہیں ۴ فرمایا علیہ یعنی اللہ کے ذمہ کرم پر ہے علیٰ وجوب کے لئے یعنی کرم سے وجوب کے لئے ہے ۵ اس وعدے کی حقًا فرماکر تاکید کی سچا وعدہ ۶ اس وعدہ کا اعلان توریت و انجیل و قرآن میں کرکے ان کتابوں ان رسولوں کو گواہ بنالیا اس وعدے پر بھی اور اس تجارت پر بھی۔ ۷ فرمایا ہم سے بڑھ کر سچے وعدہ والا کون ہوسکتا ہے ۸ فرمایا کہ اس سودے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ اس میں بھی تاکید اور مبالغہ ہے۔ ۹ اس تجارت کو کامیابی قرار دیا۔ ۱۰ اس کامیابی کو عظیم فرمایا۔ (تفسیر کبیر)

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ مولیٰ اپنے غلام سے اس کا مال خرید سکتا ہے اگرچہ غلام اور اس کا مال مولیٰ ہی کا ہے یوں ہی باپ بیٹے سے۔ اگرچہ حدیث شریف میں ہے کہ تو اور تیرا مال اپنے باپ کا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى (الخ) سے حاصل ہوا کہ بندے اور ان کا مال سب رب کے ہیں۔ مگر رب نے خریدے۔ دوسرا فائدہ ایسی تجارت میں ایک شخص دو طرفہ کا وکیل یا ایک طرف کا وکیل دوسری طرف کا اصیل ہوسکتا ہے: یہ فائدہ بھی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى الخ سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے ہمارے جان و مال ہم سے خریدے۔ حالانکہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خرید لیے کیسے خریدے کہ خود ہی خریدار ہوا اور خود ہی ہمارا والی ہوکر بیوپاری۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی جان و مال جنت سے بھی اعلیٰ و ارفع ہیں۔ کیونکہ اس تجارت میں جان و مال کو سودا قرار دیا۔ اور جنت کو قیمت اور ظاہر ہے کہ قیمت سے سودا اعلیٰ ہوتا ہے کہ تجارت میں مقصود ہوتا ہے اور اس سے تجارت قائم ہوتی ہے یہ فائدہ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ مومن کے جان و مال اس لئے جنت سے اعلیٰ ہیں کہ وہ مومن کے جان مال ہیں صفت ایمان نے انہیں قیمتی کر دیا۔ ورنہ کافر کے جان و مال مچھر کے پر برابر بھی نہیں۔ وہ تو صرف مٹی کا ڈھیر ہے۔ یہ فائدہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے حاصل ہوا۔ شعر:

نورِ الٰہ گر نہ ہو انساں میں جلوہ گر کیا قدر اس خمیرۂ ماءِ مدر کی ہے

پانچواں فائدہ یہ قدر و قیمت صرف حضور انور کی امت کی ہے مومنین تو سارے نبیوں کی اطاعت کرنے والے تھے۔ مگر یہ قیمت صرف اس دین کے مومنین کی ہے یہ فائدہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد صرف امتِ محمدی ہو۔ شعر۔

نورِ الٰہ کیا ہے محبت حبیب کی جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک و خر کی ہے

چھٹا فائدہ۔ یہ سودا ہر مسلمان کی جان و مال کا ہوا ہے وہ غازی شہید ہو یا نہ اس لئے یہاں مِنَ الْغَازِيْنَ یا مِنَ الشُّهَدَآءِ نہیں فرمایا بلکہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا تاکہ سارے مومن اس میں داخل ہوں۔ خواہ انہیں جہاد کا موقعہ ملے یا نہ ملے۔ دیکھو امام حسن اور ان کی اولاد کے

گیارہ امام امام جعفر صادق۔ موسیٰ کاظم۔ یونہی امام اعظم۔ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل یونہی حضور غوث پاک۔ خواجہ اجمیری۔ شاہ نقشبند امام سہروردی سب سے یہ ہی سودا ہو چکا۔ مگر اُن میں سے کسی کو کفار پر جہاد کا موقعہ نہ ملا یہ بات خوب خیال میں رہے۔ **ساتواں فائدہ**۔ جہاد میں لڑنا مارنا یا مارا جانا شرط نہیں بلکہ جو میدان جہاد میں اخلاص سے پہنچ گیا وہ مجاہد غازی ہو گیا۔ خواہ وہاں زخمیوں کی مرہم پٹی کرے یا اُن کا کھانا پکائے۔ خواہ ان کے جانوروں کی خدمت کرے دیکھو یہاں یُقَاتِلُوْنَ کے بعد یَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ارشاد ہوا۔ غرضکہ قتال اور قتل میں فرق ہے۔ **آٹھواں فائدہ**۔ مومن کو چاہئیے کہ سمجھے کہ میں اور میرا مال رب کے ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں میری کوئی چیز اپنی نہیں اپنے ہر عضو ہر وقت اور ہر مال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق صرف کرے ورنہ خائن ہو گا۔ یہ فائدہ انفس اور اموال کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**۔ مومنین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت کے مالک ہو چکے ہیں البتہ اسپر قبضہ بعد میں دیا جاوے گا۔ یعنی بعد قیامت یہ فائدہ وَعْدًا عَلَيْهِ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**۔ جنت صرف مومن انسانوں کو ہی ملے گی۔ کسی کافر یا غیر انسان کے لیئے جنت کی جزا نہیں یہ فائدہ لهم الجنة میں لهم کو جنت پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**۔ دین موسوی و عیسوی میں بھی جہاد کا حکم تھا۔ یہ فائدہ الْمُؤْمِنِيْنَ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ اس سے مراد ساری اُمتوں کے مومن ہوں اور فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ میں وعدہ کا اعلان ان ہی امتوں کے غازیوں کے لیئے ہوں۔ اس صورت میں عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس تعلیم کی نسبت غلط ہے کہ جو تجھے ایک طمانچہ مارے تو اُس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے۔ جیسا کہ موجودہ انجیلوں میں ہے اس کے لیئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن کا مطالعہ کرو۔ **بارھواں فائدہ**۔ جہاد میں خوشی کرتا ہوا ہشاش بشاش جاوے۔ غمگین منہ سے کر نہ جاوے یہ فائدہ فَاسْتَبْشِرُوْا (الخ) سے حاصل ہوا۔ بعض مسلمان غسل کر کے کپڑے بدل کر خوشبو مل کر میدان جہاد میں جاتے ہیں اس عمل کا ماخذ یہ آیت ہے حضرت براء ابن آزر شوق شہادت میں جہاد کے وقت زرہ بھی نہیں پہنتے تھے۔ **تیرھواں فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری جان و مال کا سودا ہو جانا بڑی ہی کامیابی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا ہو گی کہ وہ خود ہی ہمیں جان مال دے خود ہی خریدار بن جاوے جنت ہماری قیمت ہو۔ حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سودا کرانے والے ہوں۔ انبیاء کرام اس سودے کے گواہ ہوں آسمانی کتاب میں اعلان ہو۔ شعر۔

خس خس جتنا قدر نہ میرا صاحب نوں وڈیایاں
میں گلیاں دا کوڑا روڑا محل چڑھایا سائیاں

پہلا اعتراض

شرعی قاعدے سے یہ سودا تین طرح درست نہیں ہونا چاہئیے ایک یہ کہ تجارت میں دونوں فریقوں کو خبر اور اُن کی رضامندی چاہئیے جب مومنین کو اس سودے کی خبر بھی نہ ہوئی تو سودا کیسا دوسرے یہ کہ تجارت کے وقت بیچنے والا سوداگر موجود ہو اور بیع شدہ مال کا مالک ہو۔ یہ سودا ہوتے وقت تا قیامت مسلمان نہ موجود تھے نہ اُن کے پاس جان و مال تھے۔ تیسرے یہ کہ تجارت میں اپنا مال دینا دوسرے کا مملوکہ مال لینا ہوتا ہے مگر یہاں جان و مال بھی رب کی ملک اور جنت بھی پھر اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى کہنا کیونکر درست ہوا۔ **جواب**۔ اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں جہاد وغیرہ نیک اعمال کا یقیناً ثواب دینا مراد ہے۔ جیسے خرید و فروخت سے تعبیر کیا گیا۔ جیسے مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا میں اللہ

کی راہ میں خیرات کرنے کو رب نے قرض قرار دیا۔ نیز مولا اور بندہ کی تجارت کے احکام جداگانہ ہیں۔ دوسرا اعتراض لَھُمُ الْجَنَّۃَ میں لھم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا تو چاہیے کہ غازیوں کے سوا جنت کسی کو نہ ملے حالانکہ اسلام کے بڑے بڑے امام پیشوایان دین کو جہاد کا موقعہ نہ ملا کیا وہ جنتی نہیں۔ جواب۔ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ حصر مومنین کے لیے ہے کہ جنت صرف مومنوں کے لیے ہے کسی کافر کے لیے نہیں اس لیے یہاں مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا من الغازین یا من المجاھدین نہ فرمایا۔

تیسرا اعتراض۔ پھر یہاں جہاد اور مارنے مرنے کی قید کیوں لگائی گئی یقاتلون (الخ) جواب یہ فرمان عالی قید نہیں بلکہ بکی ہوئی جان و مال پر قبضہ دینے کا بیان ہے کہ مسلمان ضرورت پڑنے پر جہاد و قتال کر کے ہم کو ان چیزوں پر قبضہ دے دیتے ہیں۔ دیکھو تفسیر۔

تفسیر صوفیانہ ہم ہیں فانی اور عیب دار جنت ہے باقی اور بے عیب رب تعالیٰ ہم کو جانتا دیکھتا ہے اس کریم نے ہم کو ہمارے عیبوں کو جانتے ہوئے بے عیب جنت کے عوض خرید لیا امید ہے کہ اب ہمیں رد نہ کریگا۔ کہ اس نے جان کر یہ خریداری فرمائی ہے۔ حکایت۔ شیطان نے اس آیت کو پیش کر کے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ مولیٰ یہ بندے بڑے عیبی ہیں عیبی سودا رد کر دیا جاتا ہے تو انہیں رد کر کے میرے حوالہ کر دے۔ تیرے ہی دین کا یہ قانون ہے۔ رب نے فرمایا اے مردود سودا رد وہاں ہوتا ہے جہاں خریدار بے خبری میں دھوکے سے عیب دار خریدے میں نے ان کے عیوب کو جانتے ہوئے انہیں خریدا۔ پھر رد کیسا (روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

کاملا کر ہیچ خلقش شد گرید	از خلافت آں کریم آنرا خرید!
ہیچ خلقے پیش حق مردود نیست	زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

خلافت آدم کا اعلان ہونے پر فرشتوں نے انسان کے عیوب عرض کئے تھے۔ فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں چونکہ اس خریداری میں اپنا نفع مقصود نہیں کرم نوازی کرنا مقصود ہے۔ انسان جیسا بھی ہو خرید میں آگیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے نہ تو اپنے خریدار پروردگار کو دیکھا نہ اپنی قیمت جنت کا مشاہدہ کیا۔ پھر یہ تجارت مکمل کیسے ہوئی۔ رب نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سارے تاجروں یعنی اپنی اُمت کا نمائندہ بنا کر معراج میں بلایا۔ کہ چونکہ یہ سودا تمہاری معرفت ہوا ہے آؤ مجھ خریدار کو بھی دیکھ جاؤ اور جنت کے گلزار کا بھی مشاہدہ کر جاؤ تمہارا دیکھنا سب کا دیکھنا ہے اس معراج رسول نے یہ سودا ہر طرح مکمل کر دیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس اور مال سے جہاد کرو جنت لے لو۔ یہ ہے چھوٹا جہاد۔ رب کی طلب میں دل و جان خرچ کرو تو جنت کے رب کو لے لو یہ ہے جہاد اکبر یعنی بڑا جہاد ہے۔ جہاد اصغر میں ظاہری دشمنوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ یعنی کفار کا اور جہاد اکبر میں چھپے دشمن کا مقابلہ ہے۔ یعنی نفس امارہ کا۔ لفظ قتال ان دونوں جہادوں کو شامل ہے اے مسلمان غور کر کہ رب تعالیٰ کو تیری کونسی چیز پیاری ہے اور تیری کس چیز کا رب خریدار ہے۔ یقین کر کہ اُسے صرف تیرا ایمان یعنی عشق رسول پیارا ہے ورنہ نفس ایمان تو فرشتوں کے پاس بھی ہے۔ عشق رسول صرف تجھے دیا گیا۔ رب تعالیٰ اُس کا خریدار ہے۔ اگر اپنی قیمت چاہئے تو عشق رسول

حاصل کر اسی لیے فرمایا مِنَ الْمُؤمِنِین

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ
رجوع کرنے والے عبادت کرنے والے اللہ کی حمد والے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے
توبہ والے عبادت والے سراہنے والے روزے والے رکوع والے
السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
سجدے کرنے والے حکم دینے والے اچھی بات کے اور منع کرنے والے بری بات کو
سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے
وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
اور حفاظت کرنے والے حدوں کی اللہ کی اور خوشخبری دو ایمان والوں کو
اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جنت کا وعدہ صرف غازی شہید مومنوں سے ہے دوسروں سے نہیں۔ اس آیت کریمہ میں وہ شبہ دور فرما دیا گیا کہ ہر متقی مومن سے جنت کا وعدہ ہے متقی مومن وہ ہے جس میں یہ نو صفات ہوں۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی شرح یا اس کی تفصیل یا تفسیر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ صرف یہ ہی بڑی کامیابی ہے یعنی مجاہد غازی شہید ہونا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ایک قسم کی بڑی کامیابی تو وہ تھی۔ دوسری قسم کی کامیابی ان نو صفات سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر جہاد شہادت نصیب نہ ہو تو یہ صفات اختیار کرو۔ یہ تم اپنے گھر میں امن سے بیٹھ کر بھی اختیار کر سکتے ہو۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ نے ہر مسلمان کی جان و مال جنت کے عوض خرید لیے اللہ کی خریدی ہوئی چیز پر میدان جہاد میں اُسے قبضہ دے دو۔ اب ارشاد ہے کہ قبضہ دینا صرف میدانِ جہاد پر ہی موقوف نہیں یہ ۹ صفات اختیار کرو تم نے اُسے قبضہ دے دیا گویا قبضہ دینے کی ایک صورت پچھلی آیت میں مذکور ہوئی دوسری صورتیں اب مذکور ہو رہی ہیں۔

تفسیر اَلتَّائِبُوْنَ۔ اس آیت کریمہ کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ التائبون سے لے کر لحدود اللہ تک عبارت مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر ھم اهل الجنة پوشیدہ ہے۔ ایک قرات میں اَلتَّائِبِیْنَ الْعَابِدِیْنَ یاء کے ساتھ ہے تو یہ پچھلی آیت مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کی صفات ہیں۔ تائب بنا ہے توبہ سے۔ اس کے معنی ہیں۔ لوٹنا۔ بندے کی توبہ

یہ ہے کہ وہ گناہوں سے نیکیوں کی طرف لوٹے۔ رب تعالیٰ کی توبہ یہ ہے کہ وہ سزا کے ارادے سے جزا کے ارادہ کی طرف رجوع فرمائے اس لیے توّاب رب تعالیٰ کی صفت بھی ہے بندے کی توبہ چار چیزوں سے مکمل ہوتی ہے۔ ۱۔ گناہ کرتے وقت دل کا ملامت کرنا اس گناہ سے راضی نہ ہونا۔ ۲۔ پھر اس حرکت پر شرمندہ ہونا۔ ۳۔ آئندہ جرم نہ کرنے کا عہد وارادہ کرنا ۴۔ یہ سب کچھ رضاء الٰہی کے لیے ہونا۔ اپنے نام نمود اور لوگوں میں عزت حاصل کرنے کی نیت کو دخل نہ ہونا (کبیر۔ خازن) توبہ کفر سے نفاق اور سارے گناہوں سے ہوتی ہے یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ یعنی ہر گناہ سے توبہ کرنے والے۔ خواہ دلی گناہ ہوں جیسے کفر وشرک یا جسمانی گناہ ہوں پھر جیسا گناہ ویسی توبہ۔ وَالْعٰبِدُوْنَ۔ یہ نو صفتوں میں سے دوسری صفت کا بیان ہے۔ عبادت کے معنیٰ اس کے اقسام پھر ہر قسم کے احکام سورہ فاتحہ کی تفسیر اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے تحت عرض کر چکے ہیں عبادت سے ساری بدنی مالی عبادات مراد ہیں بشرطیکہ اخلاص سے ہوں۔ شعر۔

عبادت باخلاص نیت نکوست ۔۔۔ وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست

جیسے بغیر مغز چھلکے کی قیمت نہیں ویسے ہی بازار قیامت میں بغیر اخلاص عبادت کی کوئی قیمت نہیں امام اعظم ابوحنیفہ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ اور زمین پر لیٹے نہیں یہ ہے کمال عبادت۔ دیکھو تفسیر روح البیان۔ اَلْحٰمِدُوْنَ یہ تیسری صفت ہے۔ حمد کے معنیٰ اس کے اقسام ہم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں حمد کبھی بمعنی شکر آتی ہے کبھی اپنے معنیٰ میں ہوتی ہے حمد بمعنی شکر تین طرح کی ہے۔ زبانی شکر۔ جنانی شکر ارکانی شکر۔ یہاں حٰمِدُوْنَ سے مراد ہر وقت ہر حال میں ہر جگہ اللہ کی تعریف کرنے والے یا ہر چھوٹی بڑی نعمت پر اللہ کا شکر ہر طرح کرنے والے۔ اَلسَّآئِحُوْنَ۔ یہ مومنوں کی چوتھی صفت ہے یہ لفظ بنا ہے سَیْحٌ سے بمعنی سفر کرنا اور تیرنا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ لفظ آئے تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں روزے رکھنے والے۔ کیونکہ روزے سے آخرت کی روحانی منزلیں طے ہوتی ہیں جیسے سفر سے جسمانی منزلیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد ہیں طالب علم دین کہ طلب علم میں سفر کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک مہاجرین مراد ہیں بعض کے نزدیک مجاہدین کہ ان سب کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت جابر نے ایک دفعہ ایک حدیث کے لیئے مدینہ منورہ سے مصر تک سفر کیا (روح البیان) مگر پہلی تفسیر قوی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے جابر میری امت کی سیاحت روزہ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

تَرَاهُ يُصَلِّيْ لَيْلَهٗ وَنَهَارَهٗ ۔۔۔ يَظِلُّ كَثِيْرَ الذِّكْرِ لِلّٰهِ سَائِحًا

اس شعر میں سائح بمعنی روزہ دار ہے۔ گذشتہ امتوں میں بے وطن یعنی خانہ بدوش رہنا بھی عبادت تھی۔ حضور انور نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ میری امت کی خانہ بدوشی روزہ ہے۔ بعض نے فرمایا جہاد۔ بعض نے فرمایا طلب علم کے لیئے سفر۔ بعض نے فرمایا ہجرت سیاحت ہے (تفسیر خازن) اَلرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ۔ یہ مومنوں کی پانچویں صفت ہے۔ اس سے مراد نمازی ہیں۔ اگرچہ نماز میں قیام اور بیٹھنا بھی ہوتا ہے مگر رکوع سجدہ اس کے خاص ارکان ہیں کیونکہ کھڑا ہونا۔ بیٹھنا دوسرے کاموں میں ہوتا ہے۔ رکوع سجدہ صرف نماز میں اس لیئے اکثر رکوع سجدے سے مراد نماز ہوتی ہے اگرچہ عابدون میں نمازی بھی داخل تھے مگر چونکہ نماز بہت اعلیٰ درجہ

کی عبادت ہے کہ ساری عبادات فرش پر بھیجی گئیں مگر نماز معراج میں عرش پر بلا کر دی گئی۔ اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ اب تک مومنوں کی وہ چھ صفتیں بیان ہوئیں جو انہیں خود اپنے لیے مفید ہیں اب ان کی وہ صفات بیان ہو رہی ہیں جن کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَلْاٰمِرُوْنَ بالمعروف والناھون عن المنکر۔ اس فرمانِ عالی میں مومنوں کی ساتویں اور آٹھویں صفت کا ذکر ہوا یعنی وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں حکم اور ممانعت زبانی۔ عملی قلمی ہر طرح کی ہوتی ہے یہاں ساری قسمیں مراد ہیں جیسی تبلیغ ممکن ہو ویسی کرے نیز معروف سے مراد ہر بھلائی ہے اعتقادی ہو یا عملی یوں ہی منکرین میں ہر برائی داخل ہے۔ آمرون کا مفعول پوشیدہ ہے۔ الناس یعنی وہ لوگوں۔ اپنے بال بچوں۔ ماتحتوں وغیرہم کو ہر اچھے عقیدے اچھے اعمال کا ہر طرح حکم دیتے ہیں۔ اور ہر طرح ہر برائی سے منع کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ اہل عرب سات تک بغیر واؤ کے بولتے ہیں۔ اس کے بعد واو سے اس قاعدے سے اَلتَّائِبُوْنَ سے اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ تک سات صفات کا ذکر بغیر واؤ ہوا اور پھر وَالنَّاھُوْنَ واؤ سے ارشاد ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ اَلتَّائِبُوْنَ سے موصوف اور سَاجِدُوْنَ تک اس کی صفتیں یہ سب مل کر مبتدا ہوا اور اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ سے لِحُدُوْدِ اللّٰہِ تک خبر اس لیئے ان میں واو ارشاد ہوا (تفسیر خازن۔ کبیر۔ معانی وغیرہ) وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ۔ یہ مومنوں کی نویں صفت ہے اس میں بہت گنجائش ہے۔ کیونکہ انسان کے اعضا ظاہری باطنی مالی اعمال کمالی افعال سب کی رب نے حدیں مقرر فرمائی ہیں فرماتا ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا۔ کان آنکھ دل وغیرہ سب کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا۔ کہ کہاں استعمال کئے حدمیں رہے یا حد توڑی۔ مومن کا حال یہ ہونا چاہیئے۔ ؎

راہِ حق میں ہے دوڑ اور بھاگ اُن کی　　شریعت کے قبضہ میں ہے باگ اُن کی

جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ!　　جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

غرضکہ مومن کا سونا جاگنا حرکت وسکون اللہ رسول کے فرمان کے ماتحت ہو یہ فرمان شریعت وطریقت کی جامع ہے رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اس لیئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے بَشِّرْ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ظاہر یہ ہے کہ المومنین سے وہ مذکورہ نو صفات والے مسلمان مراد ہیں اور بشارت خاص درجہ جنت کے خاص مقامات۔ رب تعالیٰ سے خاص قرب کی بشارت مراد ہے یعنی اے محبوب ایسے متقی مسلمانوں کو ہمارے خاص قرب کی خوشخبری دے دو۔

خلاصۂ تفسیر

اے مسلمانوں یہ خیال نہ کرنا کہ جنت صرف غازیوں مجاہدوں اور شہیدوں کو ہی ملے گی۔ باقی مسلمان اس سے محروم رہیں گے۔ غزوہ جہاد تو کسی خوش نصیب جماعت کو میسر ہوتا ہے ان کے علاوہ ان مومنوں کو بھی جنت عطا ہوگی۔ جن میں نو صفات ہوں ۱۔ اپنے گناہ اپنی کوتاہیوں سے ہمیشہ توبہ کرنے والے ۲۔ رب کی عبادت جس پر وہ قادر ہوں ہمیشہ کرنے والے ۳۔ ہر حال میں رب کی حمد ہر نعمت پر اُس کا شکر کرنے والے۔ ۴۔ روزہ رکھنے والے یا طلب علم یا ہجرت وغیرہ کے لیئے سفر کرنے والے تارک وطن۔ ۵۔ ہمیشہ رکوع سجدہ میں رہنے والے۔ یعنی نماز فرض واجب نفل

سنن ادا کرنے والے ۱۲ لوگوں کو ہاتھ زبان. قلم وغیرہ سے اچھی راہ چلانے والے ۱۳ ہر برائی سے روکنے والے ۱۴ ان کی زبان کان ہاتھ پاؤں بلکہ خیال وارادے اور اعمال افعال احوال کے لیے رب نے جو حدیں مقرر کی ہیں ان حدود کی حفاظت کرنے والے یہ لوگ جنتی ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نیک کاروں کو جنت کی بہار سے قرب کی۔ خاص درجات کی عظیم الشان خوشخبری دے دو یہ لوگ بڑے کامیاب ہیں کفار سے جہاد تو کسی خوش نصیب کو کبھی کبھی جا کر نصیب ہوتا ہے یہ جہاد ہر وقت ہر جگہ ہر مسلمان کو میسر ہے ہمت کرو جنت اور رب کی رحمت لو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** توبہ سارے عمل ساری عبادات پر مقدم ہے یہ فائدہ اس ترتیب بیانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے التائبون پہلے فرمایا بعد میں دوسری چیز ذکر خصوصًا کفر و شرک منافقت بد عقیدگی سے توبہ کہ یہ اعمال کے لیئے ایسی ہے جیسے نماز کے لیئے وضو گویا یہ دل کا وضو ہے۔

دوسرا فائدہ۔ مومن کو چاہیے کہ ہر قسم کی نیکی کرے اور ہر قسم کے گناہ سے بچے صرف ایک نیکی کرنے اور ایک گناہ سے بچنے پر کفایت نہ کرے۔ یہ فائدہ ان مذکورہ صفات کو بغیر واؤ لانے سے بطور اشارہ حاصل ہوا کہ ان تمام کو اَلتَّائِبُوۡنَ کی صفت بتایا گیا۔

تیسرا فائدہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر ایمان. توبہ نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ اَلتَّائِبُوۡنَ وغیرہ کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا اگر جنت چاہئے تو یہ اعمال کرو۔ **چوتھا فائدہ** جنت اور رب کی رضا وطن۔ زبان۔ قومیت. نسل. رنگ و بو سے نہیں ملتی یہ صرف اور صرف اچھے عقائد اور اچھے اعمال سے ملتی ہے. مومن کا وطن دامن مصطفےٰ ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

حضور انور نے عرب کے لڑنے والے قبیلوں کو زبان یا عرب یا قریش کے نام پر جمع نہیں فرمایا. بلکہ اسلام تقویٰ کے نام پر جمع کیا۔ آج مسلمان اپنے اس دیس کو بھول گئے۔ **پانچواں فائدہ** تمام عبادات میں نماز اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے عَابِدُوۡنَ کے بعد اَلرّٰکِعُوۡنَ الخ ارشاد فرمایا جس نے نماز درست کر لی اس کے سارے عبادات ان شاء اللہ ضرور درست ہوں گے۔ **چھٹا فائدہ**۔ نماز میں اگرچہ قیام رکوع. سجدہ. جلسہ سب کچھ ہے مگر رکوع سجود ان سب ارکان میں اعلیٰ ہیں یہ فائدہ اَلرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ سے حاصل ہوا کہ رب نے خصوصیت سے ان دو رکنوں کا ذکر کیا۔ **ساتواں فائدہ** مومن کے لیئے خود نیک بننا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی نیک بنائے یہ فائدہ اَلۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** تبلیغ صرف علماء پر نہیں بلکہ ہر مسلمان بقدر علم اور بقدر طاقت تبلیغ کرے۔ حتیٰ کہ بادشاہ تلوار کے زور سے علماء وعظ و تصنیف سے عوام گفتار و کردار سے تبلیغ کریں. یہ فائدہ اَلۡاٰمِرُوۡنَ اور اَلنَّاهُوۡنَ جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**. کوئی شخص معمولی نیکی چھوٹی سمجھ کر چھوڑ نہ دے اور معمولی گناہ چھوٹا سمجھ کر کر نہ لے کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے اور ایک چنگاری گھر جلا دیتی ہے. یہ فائدہ اَلۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰهِ سے اشارۃً حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**۔ مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے سارے اعضاء

پر کنٹرول رکھے کسی عضو کو ناجائز استعمال نہ ہونے دے۔ اپنا محاسبہ کرتا رہے یہ فائدہ بھی اَلۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ سے حاصل ہوا۔ گیارھواں فائدہ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں قیامت تک ہر مسلمان کو پہنچ رہی ہیں یہ فائدہ فَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سے حاصل ہوا کہ اَلۡمُؤۡمِنِیۡنَ عام ہے سارے مسلمانوں کو کبھی تو علماء۔ صلحاء قرآن و حدیث کے واسطے سے کبھی نیکی پر قدرتی طور سے دل خوش ہو جاتا ہے گناہ سے غمگین یہ نگاہِ مصطفوی کا فیضان ہے وہ ہر مومن کے دل میں بسے ہیں ہر مومن کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

قبر میں دیکھا جو اس پہ وہ نشیں تو کھلا میرے ہی دل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا
جلوہ سا دکھا کے چھپ گئے ہیں دیوانہ بنا کے چھپ گئے ہیں
کیوں ڈھونڈوں میں ان کو یار و در در وہ مجھ میں سما کے چھپ گئے ہیں

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان میں یہ مذکورہ نو صفات ہوں وہ جنتی ہے اس صورت میں ہزار میں ایک مسلمان بمشکل جنتی ہو گا۔ یہ نو صفات نہ ہر مسلمان میں جمع ہوں گی نہ وہ جنتی بنے گا۔ جنت تو بہت ہی مہنگا سودا ہوا اگر تم کہتے ہو۔ شعر۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ **جواب** اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص میں یہ نو صفات پوری کی پوری کامل طور پر پائی جائیں وہ جنتی ہو بلکہ جس مسلمان کو جتنی نیکیوں کی جس قدر طاقت ہو وہ اختیار کرے انشاء اللہ جنتی ہیں نیز یہ نو کام بہت مشکل نہیں بفضلہٖ تعالیٰ قریباً ہر مسلمان ان پر بقدر طاقت عمل کرتا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حمد۔ اچھی باتوں کی اشاعت برائیوں سے روکنا ایسی چیزیں ہیں کہ فاسق مسلمان بھی ان پر کچھ نہ کچھ عمل کرتے ہی ہیں۔ نیز یہ صفات جنت کا اعلیٰ مقام پانے رب سے قرب خاص حاصل کرنے کیلئے ہے جنت کا داخلہ صرف صحیح ایمان پر ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ مسلمانوں کے چھوٹے فوت شدہ بچے یوں ہی وہ نو مسلم جو ایمان لاتے ہی فوت ہو گیا وہ جنتی نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ ان نو میں سے کسی پر عمل نہ کر سکا۔ مگر تم کہتے ہو کہ وہ بھی جنتی ہے **جواب**۔ اس کا جواب وہ ہی ہے کہ بقدر طاقت عمل ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کو عمل کا وقت اس کا موقعہ و طاقت نہ ملے اس کے لیے صرف ایمان لانا ہی کافی ہے اور مومنوں کی چھوٹی اولاد اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی ہے۔ رب فرماتا ہے اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ۔ **تیسرا اعتراض**۔ نماز۔ روزہ۔ حمد الٰہی وغیرہ ساری چیزیں عبادت میں آ گئی پھر عبادات میں انکا ذکر الگ کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا الحامدون السائحون الخ **جواب** یہ ظاہر فرمانے کے لیے یہ اعمال عبادات میں بہت اہم ہیں اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے علٰحدہ فرمایا گیا۔ **چوتھا اعتراض**۔ نماز کے لیے رب نے اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی الراکعون الساجدون صرف مصلُّوْنَ فرما دینا کافی تھا۔ **جواب**۔ یا اس لیے کہ نماز میں یہ دو رکن بہت اہم ہیں کہ قیام اور بیٹھنا نماز کے علاوہ اور کاموں کے لیے بھی ہو سکتا ہے مگر رکوع سجدہ صرف نماز میں ہی ہوں گے۔ کسی بندے کے سامنے ادب کے لیے قیام اور بیٹھنا جائز ہے مگر رکوع و سجدہ خدا کے سوا کسی کے لیے یا حرام ہے یا کفر نیز گذشتہ اکثر

دینوں کی نماز میں رکوع نہ تھا ان وجوہ سے ان دو کا ذکر ہوا۔ **پانچواں اعتراض**۔ رب تعالیٰ نے ان نو صفتوں کو اس طرح بیان فرمایا کہ سات کو بغیر واؤ کے اور دو کو واؤ سے والناھون والحافظون اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** مفسرین نے اس فرق کی چند وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ۱؎ التائبون سے الساجدون تک کی عبارت مبتدا ہے اس طرح کہ التائبون موصوف اور باقی پانچ اس کی صفات اور اَلْاٰمِرُوْنَ سے آخر تک خبر موصوف اور اس کی صفات کے درمیان واؤ نہیں آسکتا الآمرون مع اپنے معطوفوں کے خبر اور معطوفوں پر واؤ چاہیئے۔ ۲؎ اہل عرب سات تک اعداد کو ایک سلسلہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے بعد کے اعداد کو دوسرے سلسلہ میں۔ الآمرون بالمعروف تک سات عدد پورے پورے ہوئے ایک سلسلہ ختم ہوا اور الناھون سے آٹھویں صفت شروع ہوئی۔ جو دوسرے سلسلہ کا عدد ہے۔ اس فرق کو ظاہر فرمانے کے لیے پہلے سلسلہ کو بغیر واو بیان کیا دوسرے سلسلہ کو واؤ سے رب فرماتا ہے ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْکَارًا دیکھو ثیبات پر سات صفات پوری ہوگئیں تو آٹھویں پہ واؤ آگیا۔ اور فرماتا ہے وَ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ۔ دیکھو ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وغیرہ میں واؤ نہ آیا ثَامِنُهُمْ سے پہلے واؤ آیا اور فرماتا ہے وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا دیکھو جنت کے دروازے آٹھ ہیں تو واؤ لایا گیا۔ دوزخ کے دروازے سات ہیں تو وہاں واؤ نہ آیا۔ بلکہ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ارشاد ہوا (روح البیان کبیر معانی وغیرہ) ۳؎ اچھی باتوں کا حکم دینا۔ اور بری باتوں سے روکنا۔ گویا ایک وصف کے دو جز ہیں اور پچھلی صفات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ فرق دکھانے کے لیے وہاں واؤ نہ آیا اور یہاں واؤ آیا۔ واللہ اَعْلَمُ بِخَفِیَّاتِ اُمُوْرِہٖ۔

تفسیر صوفیانہ

مومنین کے اعمال تین قسم کے ہیں۔ ۱؎ اعضاء ظاہری کے کام جنہیں افعال جوارح کہتے ہیں ۲؎ دل کے دماغ کے کام جنہیں افعالِ قلب کہتے ہیں ۳؎ اخلاقیات۔ پہلی قسم کے افعال کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ دوسرے دو قسم کے افعال کتابوں میں نہیں بلکہ اللہ والوں کی صحبت سے ملتے ہیں یہ آیتِ کریمہ ان تینوں قسم کے کاموں کی جامع ہے پھر اس آیت کے دو جز ہیں پہلے جز میں تفصیل ہے آخری جز وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ میں اجمالاً سارے اعمال بیان کر دیئے یہ ایک جز سارے ہی شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت کی جامع ہے ہر چیز حد میں رہے تو فائدہ مند حد سے بڑھے تو سخت نقصان دہ۔ آگ چولہے میں مفید ہے چولھے کے باہر بکھرے تو عذاب۔ دریا کا پانی حد میں رہے تو رحمت ہے کناروں سے نکلے تو سیلاب۔ یونہی انسان اور اس کے ظاہری باطنی عضو اطاعت کی حد میں رہیں تو رحمت ورنہ عذاب امام احمد غزالی نے اپنے بھائی محمد غزالی سے فرمایا کہ تمہارے سارے علوم ان دو لفظوں میں جمع ہیں۔ تعظیم امر اللہ اور شفقت علی الخلق۔ حضرت خلف ابن ایوب نے آدھی رات کو اپنی بیوی سے کہا کہ بچے کا دودھ اس وقت سے چھڑا دو۔ وہ بولیں صبح کو چھڑا دوں گی فرمایا۔ اس وقت اس کی عمر پورے دو سال ہوئی اب دودھ پلانا حد الٰہی توڑنا ہے۔ اور یہ ہی آیت تلاوت کی۔ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ از روح البیان۔ حضور انور تا قیامت سارے متقی مومنوں کے بشیر ہیں۔ ہم انہیں کی بشارت پہ خوش ہو جاتے ہیں۔ دیکھو گیارہواں فائدہ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ یَّسۡتَغۡفِرُوۡا

نہیں ہے واسطے نبی کے　اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے یہ کہ دعاءِ مغفرت کریں

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں

لِلۡمُشۡرِكِیۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِیۡ قُرۡبٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ

واسطے کافروں کے اگرچہ ہوں وہ قرابت والے اس کے بعد کہ ظاہر ہو گیا

اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ دوزخی ہیں

لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ

واسطے اُن کے کہ تحقیق وہ دوزخ والے ہیں　اور نہیں تھا بخشش مانگنا

اور ابراہیم کا اپنے باپ

اِبۡرٰهِیۡمَ لِاَبِیۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ

ابراہیم کا واسطے باپ کے اپنے مگر اس وعدے سے جو وعدہ کیا تھا اُس نے اُن سے

کی بخشش چاہنا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدے کے سبب جو اُن سے

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ

پس جب ظاہر ہو گیا واسطے اُن کے تحقیق وہ دشمن ہے اللہ کا تو بیزار ہوئے اس سے بیشک ابراہیم

کر چکا تھا پھر جب ابراہیم کو کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے تنکا توڑ دیا بیشک ابراہیم

لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۱۴﴾

آہ والے حلم والے ہیں

ضرور آہیں کرنے والا متحمل ہے۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں قابل عمل اعمال کا ذکر ہوا۔ توبہ عبادت۔ حمد الٰہی وغیرہ اب ناقابل عمل کام کا ذکر ہے۔ جس سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے۔ یعنی کفار کے قرابتداروں کے لیئے دعا مغفرت گویا روحانی غذاؤں کے بعد روحانی پرہیز کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق گذشتہ پچھلی آیات میں زندہ کفار و

منافقین سے بے تعلق رہنے بلکہ نفرت کرنے کا تاکیدی حکم ہے گویا زندہ کفار سے نفرت کے بعد مردہ کفار سے نفرت کا ذکر ہے۔ تاکہ ان سے مکمل علیحدگی ہو۔ (تفسیر کبیر) تیسرا تعلق پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار پر جہاد کا حکم دیا گیا۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ اب حکم ہے کہ اپنے قرابت دار کفار کو بعد موت دعاءِ خیر سے یاد نہ کرو۔ یعنی زندگی میں ان سے نہ ملو۔ بلکہ ان پر جہاد کرو۔ اور ان کی موت کے بعد نہ اُن پر افسوس کرو نہ انہیں دعائیں دو۔

شانِ نزول

ان آیات کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ ۱ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سنا جو اپنے فوت شدہ مشرک ماں باپ کے لیے دعاءِ بخشش کر رہا ہے کہ خدایا انہیں بخش دے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو مشرکوں کے لیئے دعاءِ مغفرت کر رہا ہے۔ وہ بولا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مشرک باپ (چچا) کے لیئے دعاءِ مغفرت کی تھی آپ نے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن۔ نسائی۔ ترمذی۔ طبری) ۲ بعض صحابہ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ ہمارے بعض باپ دادے اپنی زندگی میں بہت اچھے کام کرتے تھے۔ قیدیوں کو چھڑانا۔ وعدے پورے کرنا۔ قرابت داروں سے سلوک لوگوں کو امان دینا وغیرہ مگر وہ مرے شرک پر۔ کیا ہم ان کے لیئے دعاءِ مغفرت کریں۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن) ۳ ابو طالب کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس گئے اور فرمایا چچا اب بھی کلمہ پڑھ لو۔ تاکہ میں تمہاری شفاعت کر دوں۔ وہاں پہلے سے ہی سردارانِ قریش ابو جہل۔ عبداللہ ابن ابی امیہ وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابو طالب اب مرتے وقت اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر جاؤ گے۔ دو طرفہ یہ ہو تا رہا کہ حضور انور دعوتِ اسلام دیتے رہے ابو جہل وغیرہ روکتے رہے۔ ابو طالب نے آخری کلام یہ کیا کہ میں اپنے خاندان کی ملت پر ہوں۔ اور فوت ہو گئے۔ حضور انور نے فرمایا کہ میں تمہارے لیئے اس وقت تک دعاءِ مغفرت کرتا رہوں گا۔ جبتک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں۔ (بخاری۔ احمد ابن شیبہ مسلم۔ نسائی۔ ابن جریر ابن منذر بیہقی تفسیر روح المعانی۔ روح البیان۔ خازن۔ کبیر وغیرہ) یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ ابو طالب نے حضور انور کو جواب دیا کہ اگر مجھے قوم کے طعنہ کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ موت کے خوف سے بھتیجے پر ایمان لائے۔ تو میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا اور انہیں خوش کر دیتا۔ حضور انور وہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت عباس وہاں رہ گئے انہوں نے ابو طالب کے ہونٹ ہلتے دیکھے وہ کلمہ پڑھ رہے تھے کہ اُن کی جان نکل گئی۔ جناب عباس نے حضور انور سے عرض کیا یا رسول اللہ ابو طالب نے کلمہ پڑھ لیا۔ (روح المعانی) ۴ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی جو دے دی گئی اور حضور نے زیارت کی پھر اُن کے لیئے دعاءِ مغفرت کی اجازت چاہی اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں حضور کو اُس سے روک دیا گیا۔ (اس پر حضور بہت روئے اور صحابہ کرام کو رلایا۔ (تفسیر خازن روح المعانی وغیرہ) ۵ ایک بار حضور انور نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لیئے دعاءِ بخشش کروں گا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (چچا) کے لیئے دعاءِ مغفرت کی تھی اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (خازن) اس کے علاوہ اور بھی

روایات ہیں. مگر پہلی روایات قوی ہیں آخری دو ضعیف ہیں۔ خیال رہے کہ حسین ابن فضل نے فرمایا کہ ابو طالب کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ہے یعنی نبوت کے دسویں سال اور سورۂ توبہ وفات شریف سے کچھ پہلے ہے۔ یعنی ابو طالب کی وفات سے قریبًا بارہ برس بعد پھر اُن کی وفات پر یہ آیت کیسے نازل ہو سکتی ہے۔ نیز سوال یہ ہے کہ اتنے دراز عرصہ تک حضور انور ابو طالب کے لیئے دعا مغفرت کرتے رہے یا نہیں۔ اگر نہ کرتے رہے تو آیت نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر کرتے رہے تو اتنے دنوں تک رب تعالیٰ نے ایک ناجائز کام حضور انور کو کیوں کرنے دیا اور حضرت آمنہ کی وفات تو حضور انور کے بچپن شریف ہی میں ہوئی۔ اس کے متعلق اس آیت کا نزول بہت ہی عجیب ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس بارے میں طبرانی۔ ابن سعد اور ابن شاہین وغیرہ نے جس قدر احادیث نقل کی ہیں کہ یہ آیت حضرت آمنہ کے متعلق نازل ہوئی سب ضعیف ہیں امام ذہبی نے مستدرک میں کہا کہ ان احادیث کی اسناد میں ایوب ابن ہانی ہے جسے ابن معین نے ضعیف کہا لہٰذا یہ آیت حضرت آمنہ کے متعلق ہرگز نہیں نہ حضرت عبداللہ سے اس کا کوئی تعلق۔ حضور کے والدین کا ایمان و اسلام قرآن مجید سے ثابت ہے وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً اور آگے ہے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا الخ (از تفسیر خزائن العرفان) ہم حضور کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث پارۂ اول آیت وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ فقیر کے نزدیک پہلی اور دوسری روایت اس کے شانِ نزول کے متعلق قوی ہے از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور انور کی نسل پاک میں نہ کوئی مشرک ہوا نہ کسی نے زنا کیا۔ اس نسل کو اللہ نے کفر و زنا سے محفوظ رکھا۔ دیکھو پارہ اول

تفسیر مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے کَانَ کے بعد لَائِقًا یا جَائِزًا پوشیدہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ النَّبِيِّ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہ قرآن مجید میں عمومًا النبی اور الرسول سے مراد حضور انور ہی ہوتے ہیں وَالَّذِينَ آمَنُوا سے مراد از صحابہ کرام تا روزِ قیامت سارے مسلمان ہیں نومسلم ہوں یا پُرانے اس لیئے الْمُؤْمِنِينَ نہ فرمایا بلکہ الَّذِينَ آمَنُوا ارشاد ہوا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے ایمان لے آنے والوں کو یہ جائز یا لائق نہیں ہے اور اگر النَّبِيِّ سے مراد مطلق نبی ہوں اور الَّذِينَ آمَنُوا سے مراد اُن سب کے اُمتی تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ کسی نبی اور کسی مومن کو یہ کبھی جائز نہیں ہوا کہ أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ یہ عبارت مَا كَانَ کا اسم ہے۔ استغفار کے معنیٰ ہیں دعائے بخشش کرنا المشرکین سے مراد سارے ہی کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا یہودی یا عیسائی یا دہریئے وغیرہ قرآن مجید میں اکثر مشرکین سے مراد کفار ہوتے ہیں اور شرک سے مراد کفر دیکھو رب فرماتا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔ اللہ شرک کو نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے گا بخش دے گا۔ وہاں بھی شرک سے مراد کفر ہے کیونکہ نہ شرک یعنی بت پرستی کی بخشش ہو سکتی ہے نہ یہودیت عیسائیت وغیرہ دوسرے کفر کی۔ ابلیس مشرک نہیں کافر ہے اس کی بخشش بھی ناممکن ہے۔ خیال رہے کہ کافر کی بخشش یعنی اُس کا جنتی ہو جانا ناممکن ہے۔ ہاں بعض کفار کا عذاب ہلکا ہو سکتا ہے۔ بلکہ ہو گا۔ لہٰذا ان کی بخشش یعنی جنتی ہونے کی دعا کرنا حرام ہے۔ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔ اس فرمانِ عالی کا تعلق مشرکین سے ہے أُولِي جمع ہے

ذو کی بمعنی والا قربیٰ مصدر ہے بمعنی قرابت یعنی اگرچہ کفار مسلمانوں کے رشتہ دار ہوں۔ اُن کے دنیاوی حق ادا کرو مگر اُن کی بخشش کی دعا نہ کرو۔ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ۔ اس فرمانِ عالی کا تعلق مَاکَانَ سے ہے یعنی اس دعاءِ مغفرت کا حرام ہونا تب ہے جبکہ مسلمانوں کو یہ ظاہر ہو جاوے کہ وہ دوزخی ہیں یا اس طرح کہ وہ کفر پہ مر جاویں یا اس طرح کہ حضور انور فرمادیں کہ یہ کفر پہ مریں گے کہ علم الٰہی میں کافروں کی فہرست میں۔ لہٰذا عام زندہ کافروں کے لیئے یہ دعا کی جا سکتی ہے کہ خدا یا انہیں مسلمان کر دے اور بعد اسلام انہیں بخش دے کہ اس صورت میں مشرک کے لیئے دعاءِ مغفرت نہیں بلکہ مومن کے لیئے ہے اب تک تو قانونِ اسلام ارشاد ہوا۔ اب ایک شبہ کا جواب دیا جارہا ہے وَمَا کَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِیۡمَ لِاَبِیۡهِ اس فرمانِ عالی کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے کہ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی وَاغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ۔ یہاں ابیہ سے مراد حضرت ابراہیم کا چچا آزر ہے کہ وہ بُت پرست۔ بُت تراش۔ بت فروش تھا۔ آپ کے والد حضرت تارخ اور آپ کی والدہ متلی دونوں مومن تھے۔ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ اس فرمانِ عالی میں حضرت ابراہیم کی دُعا کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ اس میں اِلَّا بمعنی لیکن ہے اور عَنۡ بمعنی وجہ اور موعِدَہ مصدر ہے وَعَدَ یَعِدُ کا بمعنی وعدہ اس جملہ کی تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وعدہ کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں اور اِیَّاہ سے مراد آزر اور وعدہ سے مراد وہ وعدہ ہے کہ آزر نے آپ کو دھمکایا کہ لَاَرۡجُمَنَّكَ وَاهۡجُرۡنِیۡ مَلِیًّا۔ اے ابراہیم تم مجھے تبلیغ نہ کرو ورنہ میں تم کو رجم یعنی سنگسار کر دوں گا تو آپ نے اس دھمکی کے جواب میں فرمایا سَلٰمٌ عَلَیۡكَ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّیۡ اِنَّهٗ کَانَ بِیۡ حَفِیًّا۔ تو مجھے رجم کرنا چاہتا ہے مگر میں تو تیرے لیے دُعاءِ مغفرت ہی کروں گا۔ رب تعالیٰ مجھ پہ مہربان ہے اس رحم و کرم کا ظہور حضور کی ذات میں تھا۔ شعر۔

سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں　　　سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سُن کر دعائیں دیں

یہ وعدہ پورا کرنے کے لیئے آپ نے فرمایا وَاغۡفِرۡ لِاَبِیۡ الٰہی میرے باپ (چچا) کو بخش دے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اس کے لیئے دعاءِ مغفرت بشرطِ ایمان کی یعنی الٰہی اسے ایمان کی توفیق دے۔ اسے مسلمان کر کے بخش دے۔ تیسرے یہ کہ وعدہ کا فاعل آزر ہے اِیَّاہ سے مراد ابراہیم علیہ السلام یعنی آزر نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا کہ میں ایمان قبول کرونگا تو آپ نے اُس کے لیئے دعاءِ مغفرت کی (تفسیر خازن۔ روح المعانی۔ کبیر و خزائن العرفان) ایک قراءۃ میں اَبَاہُ ہے بَ سے مگر وہ قراءۃِ شاذہ ہے عام قراءۃ اِیَّاہُ یِ سے ہے فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ اس فرمانِ عالی میں دعاءِ ابراہیمی کی انتہا کا ذکر ہے یعنی جب آپ پہ یہ ظاہر ہو گیا کہ آزر تو اللہ کا دشمن ہے تو آپ دل سے اس سے متنفر ہو گئے اور دعا بند کر دی۔ آپ کو یہ بات کیسے ظاہر ہوئی۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آپ پہ وحی آگئی کہ آزر کفر پہ مرے گا۔ دوسرے یہ کہ آزر کفر پر مر گیا تب آپ نے دعا بند کر دی۔ خیال رہے کہ آزر آپ کی ہجرت سے پہلے ہی آپ کے سامنے مر چکا تھا۔ اس کی موت کے بعد آپ نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔ پھر فلسطین پہنچنے کے بعد آپ کو بڑھاپے میں رب نے اسمٰعیل و اسحاق جیسے شاندار بیٹے عطا کیئے اور آپ نے ان الفاظ سے شکر کیا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ وَهَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ اور پھر اس شکریہ کے ساتھ یہ دعا کی رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ

وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ وہاں اب نہیں فرمایا بلکہ وَلِوَالِدَیَّ وہاں اس سے مراد آپ کے والد تارخ اور والدہ متلی بنت نمر ہیں اس سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ آپ کے والدین کریمین مومن ہیں جن کے لیئے آپ نے اپنے بڑھاپے میں دعاءِ مغفرت کی والدین صرف سگے ماں باپ کو کہتے ہیں اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ اس فرمانِ عالی میں حضرت ابراہیم کی ایسی دو صفات بیان فرمائی گئیں جن سے اس دعا فرمانے کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اَوَّاهٌ مبالغہ ہے تَاَوَّہٌ کا۔ جس کا مادہ اَوَّہٌ ہے تَاَوَّہٌ کے معنی آہ کھینچنا اَوَّاهٌ بہت آہیں زاریاں کرنے والے۔ یہ وہ مبالغہ ہے جو بابِ تفعل کا آیا ہے شاعر کہتا ہے۔ ؎

اِذَا مَا قُمْتُ اَرْحَلُهَا بِلَیْلٍ   تَاَوَّهُ آهَةُ الرَّجُلِ الْحَزِیْنِ

بعض نے فرمایا کہ اَوَّاہ مبالغہ ہے اَہَ یَؤُوْہُ اَوْهًا کا جیسے قَالَ یَقُوْلُ قَوْلًا سے قَوَّالٌ (روح المعانی) اَوَّاہ کے چودہ معنی ہیں بہت آہ و زاری کرنے والا۔ بہت دردِ دل والا۔ بہت خشوع و خضوع یعنی عاجزی زاری کرنے والا۔ بہت دعائیں کرنے والا یوں تواب۔ بہت توبہ کرنے والا۔ رحم والا۔ یقین والا۔ بہت تسبیح پڑھنے والا۔ بھلائی سکھانے والا۔ آگ سے بہت ڈرنے والا۔ برائی سے بہت ہی بچنے والا۔ (صاوی) حبشی زبان میں اَوَّاہ بمعنی رحیم و کریم۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ اَوَّاہ وہ جس کا دل ہر وقت رب سے لگا رہے (تفسیر روح المعانی) یعنی ابراہیم علیہ السّلام بہت دردِ دل والے۔ حلم اور بردباری والے تھے اس لیئے وہ آذر کی سخت کلامی سننے کے بعد دعائیں ہی دیتے تھے۔ لہٰذا اے مسلمانوں تم اُن کے اِس عارضی عمل کو اپنے اس کام کے لیئے دلیل نہ بناؤ کہ تم بھی اپنے کافر باپ داداؤں کے لیئے دعا بخشش کرنے لگو۔

خلاصہ تفسیر نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لائق ہے اور نہ مومنین کو جائز اور لائق ہے کہ وہ کفار کے لیئے زندہ یا مردہ کے لیئے دعاءِ مغفرت کریں۔ خواہ کسی قسم کے کافر ہوں اگرچہ وہ کفار اُن کے عزیز قرابتدار ہی ہوں۔ جب اُن پر یہ بات واضح ہو جاوے کہ وہ دوزخی ہیں یا اس طرح کہ وہ کفر پر مر جاویں یا اس طرح کہ ان کے متعلق وحی الٰہی آجاوے کہ وہ کفر پر مریں گے وہ اللہ کے علم میں کفار کے زمرہ میں ہیں۔ کوئی مسلمان اس سے دلیل نہ پکڑے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) آذر کے لیے دعاءِ مغفرت کی تھی۔ ان کی دعاءِ مغفرت کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ نے آذر سے مشروط یا غیر مشروط وعدہ فرما لیا تھا کہ میں تیرے لیے دعا کروں گا۔ انہیں اس کے ایمان کی امید تھی۔ مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ رب کا دشمن ہے۔ یا اس طرح کہ وہ کفر پر مر گیا یا اس طرح کہ آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا۔ کہ یہ دوزخی ہے کافر مرے گا تو آپ اس سے سخت متنفر ہو گئے پھر کبھی اس کے لیے دعاءِ مغفرت نہ کی بات یہ ہے کہ جناب ابراہیم بہت دردِ دل آہ و زاری کرنے والے حلم و بردباری والے تھے اس وجہ سے اگرچہ آذر ان سے سخت کلامی کرتا تھا مگر آپ اس کے جواب میں دعائیں دیتے تھے۔ اس بات میں اُن کی تقلید نہ کرو۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَلْمُؤْمِنِیْنَ جیسے عام الفاظ میں نبی خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے ان کے لیے النبی۔ الرسول وغیرہ الفاظ آتے ہیں۔ یہ فائدہ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمانے سے حاصل ہوا اگر اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں حضور انور داخل ہوتے تو آپ کے لیئے للنبی علیحدہ نہیں

فرمایا جاتا۔ اس کی تحقیق سورہ بقرہ کے آخری رکوع اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ (الخ) میں کی جا چکی ہے۔ **دوسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف بلا ضرورت صرف نام سے نہ کرو۔ بلکہ القاب سے کرو۔ صرف نام سے ذکر میں بے ادبی کا شائبہ ہے یہ فائدہ بھی لِلنَّبِیِّ سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں محمد نہ فرمایا۔ **تیسرا فائدہ** مسلمان کسی کافر کو مرحوم یا رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ کہے کہ یہ سب دعاء مغفرت کے الفاظ ہیں اور ان کے لیے یہ دعا ممنوع ہے یہ فائدہ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** یونہی مشرکین کو ختم قرآن۔ صدقہ و خیرات وغیرہ کا ثواب بخشنا حرام ہے کہ اس میں بھی ان کے لیئے دعاء مغفرت ہے بعض خوشامدی مسلمانوں نے گاندھی کے لیے ختم قرآن کرائے تھے۔ وہ سب گنہگار ہوئے اور اگر اس کی بخشش کی امید سے ایصال ثواب کیا تو کافر ہوئے کہ اس میں قرآنی آیت کا انکار ہے۔ **پانچواں فائدہ**۔ کفار کی بخشش ناممکن ہے۔ یعنی جو کفر پہ مرجائے وہ جنتی نہیں ہو سکتا یہ فائدہ اصحاب الجحیم سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ اور فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَظَلَمُوۡا لَمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ **چھٹا فائدہ** کسی شخص کا مرتے وقت تک کافر رہنا اس کا اسلام ظاہر نہ ہونا اس کی علامت ہے کہ وہ کافر مرا۔ یہ فائدہ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہٗ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یونہی کسی کا مرتے وقت تک مومن رہنا۔ اس کا کفر ظاہر نہ ہونا۔ اس کے مومن مرنے کی علامت ہے لہٰذا یہ احتمال کہ شاید فلاں کافر مومن مرا ہو یا شاید فلاں مومن کافر مرا ہے محض باطل ہے۔ کفر و اسلام کے احکام ظاہر پر ہیں لہٰذا کسی مشرک کا کفن دفن نماز جنازہ پڑھنا کہ شاید وہ مسلمان ہو کر مرا ہو یا کسی مسلمان کا دفن کفن نماز نہ پڑھنا کہ شاید وہ کافر مرا ہو محض باطل ہے۔
مسئلہ اگر نزع کی حالت غشی میں کسی کے منہ سے کفر کی بات سنے تو اُسے کافر نہ کہا جاوے گا۔ کہ غشی نشہ۔ بیہوشی کی حالت میں کفر منہ سے نکلنا کافر نہیں کرتا۔ دیکھو ایک صحابی نے نشہ کی حالت میں نماز مغرب میں سورہ کافرون پڑھی اور ہر جگہ لا چھوڑ گئے قرآن کریم نے فرمایا۔ لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی مگر انہیں کافر نہ کہا یہ مسئلہ بھی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** حضرات انبیاء کرام سے لوگوں کے اعتراض دفع کرنا اُن کی صفائی بیان کرنا سنت الہیہ ہے یہ فائدہ وَمَا کَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰہِیۡمَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو بعض لوگوں نے حضرت ابراہیم کی استغفار سے دلیل پکڑی کہ اگر مشرک کے لیئے دعاء مغفرت حرام ہے تو حضرت ابراہیم نے کیوں کی رب نے اُن کی صفائی بیان فرمائی۔ حضرت سلیمان کے بارے میں فرمایا وَمَا کَفَرَ سُلَیۡمٰنُ اور حضرت ابراہیم کے بارے میں فرمایا مَا کَانَ اِبۡرٰہِیۡمُ یَہُوۡدِیًّا وَّلَا نَصۡرَانِیًّا۔ ان آیات کے ذریعے حضرات انبیاء کرام سے لوگوں کے طعنے دفع کیے گئے بلکہ حضرات اولیاء اللہ سے اعتراضات دفع کرنا اُن کی صفائی بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو یہود نے حضرت مریم کو بہتان لگایا تو رب تعالیٰ نے اُن کی صفائی کے لیئے سورۂ مریم اُتاری۔ منافقوں نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی تو آپ کی برأت کے لیئے سورۂ نور نازل فرمائی۔ یہ ہے حمایت اولیاء۔ **آٹھواں فائدہ**۔ کفار بے دینوں سے اگرچہ وہ مسلمان کے قرابت دار ہی ہوں بیزاری سنت ابراہیمی ہے یہ فائدہ تَبَرَّاَ مِنۡہُ سے حاصل ہوا۔ ایک اجنبی دیندار پر ہزار بے دین قرابت دار قربان ہوں۔ شعر۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد   فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

نواں فائدہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مظہر جمالِ الٰہی ہیں اور حضرت موسیٰ و نوح علیہ السلام مظہر جلال یہ فائدہ بھی تَبَرَّأَ مِنۡہُ سے حاصل ہوا کہ آپ نے آذر سے مایوس ہو جانے پر بھی اُس کے لیئے بد دعا نہ کی اُس سے علیحدگی اختیار کی اس لیئے رب نے انہیں حلیم فرمایا آپ نے نافرمانوں کے متعلق فرمایا وَمَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔

پہلا اعتراض کفار کے لیئے دعاءِ مغفرت منع کیوں ہے جب کافر ماں باپ کی خدمت کرنا اچھا ہے تو چاہیئے کہ ان کے لیئے دعا کرنا بھی اچھا خدمت تو دعا سے اعلیٰ ہے۔ **جواب**۔ اس لیئے کہ اس دعا میں رب تعالیٰ سے درپردہ یہ عرض کیا جاتا ہے کہ تو اپنے کلام کو جھوٹا کر دے۔ کیونکہ رب نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا تم کہتے ہو کہ خدایا اُسے بخش دے تو اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ اپنا وہ کلام غلط کر دے لہٰذا یہ دعا رب کی تکذیب کی دعا ہے۔ کسی ناممکن چیز کی دعا جائز نہیں۔ آج یہ دعا کرنا کہ خدایا مجھے نبی کر دے حرام بلکہ کفر ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار قرابت داروں کے لیئے دعاءِ مغفرت تب ممنوع ہے جبکہ اُن کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جاوے بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمۡ یہ تو غیبی چیز ہے ہمیں اس کا پتہ کیسے چلے۔ **جواب**۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک نبی کی خبر کہ فلاں کافر مرے گا۔ دوسرے اس کا کفر سے بغیر توبہ کئے مرجانا اس کے لیئے دعاءِ مغفرت کفر ہے اگر اُس کی قبولیت کی امید رکھے۔ جیسے خلفاءِ راشدین اور صحابہ کرام خصوصًا عشرہ مبشرہ کو بد دعائیں دینا۔ ان پر لعن طعن کرنا صریح کفر ہے کہ اس میں رب تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ خلافی کا اعتقاد ہے۔ ابوجہل ابولہب کے جنتی ہونے کا احتمال کفر ہے۔ یوں ہی ان حضرات کے دوزخی ہونے کا احتمال کفر ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ ہو سکتا ہے کہ جسے ہم کافر سمجھتے ہیں وہ مومن ہو کر مرا ہو اس احتمال سے اُس کے لیئے دعاءِ مغفرت میں کیا حرج ہے (عام بے دین) مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید　　کہ مسلمان بود نش باشد امید

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے۔ کہ پھر مسلمان مردہ کو بھی جلا دینا جائز ہونا چاہیئے کہ شاید وہ کافر ہو کر مرا ہو۔ جیسے وہاں زندگی کا ایمان مومن مرنے کی علامت ہے اسی علامت پر ایمان کے احکام جاری ہیں ایسے ہی وہاں زندگی کا کفر۔ کافر مرنے کی علامت ہے۔ اس شعر کا مطلب ہے کہ کسی زندہ کافر کے متعلق کافر رہنے کا یقین نہ کرو۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ اُسے ایمان کی توفیق دیدے۔ خیال رہے کہ عام مردہ کافروں پر نام لے کر لعنت نہ کی جاوے۔ ہاں یہ کہا جاوے کہ وہ لعنتی تھا یعنی زندگی میں۔ ہاں جن کے کفر پر مرنے کی وحی آچکی جیسے فرعون۔ ہامان ابولہب وغیرہ ان پر نام لیکر لعنت جائز ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ ابراہیم علیہ السلام نے کافر آذر کے لیئے دعاءِ مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا۔ حرام کام کا وعدہ کرنا بھی حرام ہے اور اگر وعدہ کر لیا تو پورا کرنا بھی حرام۔ آپ نے بُری بات کا وعدہ کیا۔ یہ بھی درست نہ تھا پھر اس وعدے کو پورا کیا یہ بھی جرم۔ **جواب** اولًا تو اس میں گفتگو ہے کہ وعدہ کس نے کیا کس سے کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وعدہ آذر نے کیا حضرت ابراہیم سے کیا۔ ایمان لانے کا اس وعدے پر آپ نے دعاءِ مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ تب تو معاملہ ہی صاف ہے اور اگر

آپ نے وعدہ کیا آذر سے تو کیا وعدہ کیا یہ کہ میں تیرے ایمان اور مغفرت کی دعا کروں گا۔ کہ خدا یا اسے ایمان اور معافی دے تب بھی صاف ہے اور اگر آپ نے دعا کا وعدہ بغیر شرط ایمان کیا تو اُس وقت کیا جبکہ یہ دعا مشرکوں کے لیئے ممنوع نہ تھی۔ جیسے ہمارے حضور نے عبداللہ ابن اُبَی کا جنازہ پڑھا جبکہ یہ ممنوع نہ تھا۔ بہرحال آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ **پانچواں اعتراض** حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آذر کا دشمن خدا ہونا کب اور کیسے معلوم ہوا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ کا مطلب کیا ہے۔ **جواب** ظاہر یہ ہے کہ اس کے کفر پر مر جانے سے یہ ظاہر ہوا آپ اس کے مرنے کے بعد عراق سے ہجرت کر کے شام روانہ ہوئے بعض نے کہا کہ آپ کو اُس کی زندگی میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ یہ کفر پہ مرے گا۔ اس وحی سے آپ کو یہ علم ہوا۔ مگر اول بات قوی ہے۔ **چھٹا اعتراض**۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن آذر سے ملیں گے۔ آخر کار بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت میں رسوا نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی میرا باپ (چچا) دوزخ میں جاوے تب ارشادِ الٰہی ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔ پھر اُسے دوزخ میں ڈال دیا جاۓ گا اگر آپ دنیا میں اُس سے بیزار ہو چکے تھے۔ تو قیامت میں اُس کی یہ شفاعت کیسی۔ قرآن اور حدیث میں تعارض ہے یہ حدیث بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔ **جواب**۔ حافظ ابن حجر وغیرہم نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا قیامت میں یہ عرض کرنا اس کی شفاعت کے لیئے نہیں۔ بلکہ معاملہ صاف کرنے کے لیئے ہوگا کہ اس کے عذاب سے میری عظمت کو دھبہ نہ لگے۔ اس حدیث میں شفاعت کا ایک لفظ نہیں۔ جیسے نوح علیہ السلام نے کنعان کے ڈوب جانے کے عرصہ کے بعد عرض کیا تھا رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ الٰہی وہ تو میرے گھر والوں میں سے تھا۔ اس کا مقصد بھی اُس کی شفاعت نہیں وہ تو ڈوب چکا بلکہ رب سے یہ کہلوا کہ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ قوم کے سامنے اپنی حمایت صاف کرنے کے لیئے ہے اسے خوب سمجھ لو۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت سے مقصود ہے مسلمانوں کو مشرکین کے لیئے دعاءِ مغفرت سے باز رکھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اس مسئلہ کی اہمیت کے لیئے ہے۔ **خیال رہے** کہ ہم لوگ مومن یعنی ایمان والے اور اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن گر ہیں یعنی ایمان دینے والے۔ ان دونوں میں تضاد ہے۔ لہٰذا ایک لفظ مومن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مراد نہیں ہو سکتے اس لیئے اَلنَّبِیُّ الگ ارشاد ہوا۔ اور اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا الگ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفر اور مغفرت گرمی اور ٹھنڈک نور و ظلمت کی طرح ضدیں ہیں۔ جن کا اجتماع ناممکن ہے اور ناممکن چیز کی دعا ممنوع ہے۔ کوئی کافر کسی مومن کا رشتہ دار قرابتدار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روحانیت منقطع ہے حتیٰ کہ کافر و مومن اگرچہ باپ بیٹے ہوں مگر ایک دوسرے کی میراث نہیں پا سکتے۔ عاص ابن وائل اگرچہ صاحبِ اولاد تھا مگر رب نے اسے ابتر فرمایا یعنی اولاد والا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ۔ ایمان کی حقیقت ہے محبتِ رسول۔ کفر کی حقیقت ہے عداوتِ رسول۔ رسول کا دشمن خدا کا دشمن ہے دیکھو یہاں آذر کو عَدُوٌّ لِّلّٰهِ فرمایا کیونکہ وہ حضرت ابراہیم کا دشمن تھا۔ یونہی رسول کا پیارا خدا کا پیارا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى

اور نہیں ہے کہ اللہ گمراہ کرے کسی قوم کو پیچھے اس کے کہ ہدایت دے انہیں یہاں

اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرکے گمراہ فرمائے جب تک

يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

تک کہ خوب بیان کر دے واسطے اُن کے کہ وہ بچیں تحقیق اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

انہیں صاف نہ بتا دے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہیئے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے

إِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ

تحقیق اللہ اسی کا ہے ملک آسمانوں اور زمین کا زندہ کرتا اور موت دیتا ہے

بے شک اللہ ہی کے لیئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جلاتا اور مارتا ہے

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور نہیں تمہارے لیئے اللہ کے مقابل کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار

اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی والی اور نہ کوئی مددگار

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں مردہ کافروں پر انتہاءِ غضب کا اظہار فرمایا گیا کہ کوئی اُن کے لیئے بخشش کی دعا بھی نہ کرے اب اس غضب کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالٰے نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا پھر وہ جان بوجھ کر کافر رہے ان پر یہ سختی ظلم نہیں بلکہ عین عدل و انصاف ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں مسلمانوں کو مشرکین و کفار کے لیئے دعاءِ مغفرت سے سختی سے روکا گیا تھا اب ارشاد ہے کہ اس ممانعت سے پہلے جو مسلمان ان کے لیئے دعاءِ مغفرت کرتے رہے وہ معاف ہے اُن پر پکڑ نہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کفار سے بالکل بے تعلق چاہئے حتیٰ کہ اُن کے مُردوں سے دُعا کا تعلق بھی نہ رکھیں جس سے سوال پیدا ہوتا تھا کہ مسلمان پھر کس سے ملیں۔ ساری دنیا تو کافروں سے بھری ہوئی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ تم دنیا بنانے والے رب اُس کے محبوب اور اولیاء اللہ سے تعلق رکھو۔ کفار کے محتاج نہ رہو گویا سخت حکم کے بعد اس کا اچھا انجام بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اللہ رسول کا مل جانا۔

شانِ نزول ان آیات کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں ۱؎ جب گذشتہ آیات نازل ہوئیں جن میں کفار

کے لیے دعائے مغفرت سے روکا گیا تب صحابہ کی ایک جماعت بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئی کہ یارسول اللہ ہم تو اس سے پہلے عرصہ تک اپنے مُردہ کافر باپ دادوں کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے رہے ہیں ہمارا کیا بنے گا تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں فرمایا گیا وہ سب کچھ معاف ہے کہ یہ قانون تو اب بنا ہے قانون بننے سے پہلے اس پر عمل نہیں کرایا جاتا۔
؏۲ یہ آیات منسوخ احکام کے متعلق نازل ہوئیں کہ کچھ دیہاتی لوگ حاضر بارگاہ ہو کر مسلمان ہوئے اور اپنے وطن چلے گئے اور وہاں پہنچ کر شراب پیتے رہے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے کچھ عرصہ بعد پھر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو پتہ لگا کہ عرصہ سے شراب حرام ہو چکی ہے اور قبلہ تبدیل ہو چکا ہے وہ مغموم ہو کر بولے کہ یارسول اللہ ہم تو اور ہی دین پر ہیں شراب پیتے اور بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے ہمارا حکم کیا ہے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں انہیں تسلی دی گئی کہ وہ سب کچھ معاف ہے کیونکہ تم تک یہ احکام پہنچے نہ تھے۔ امام کلبی نے یہ ہی فرمایا۔ پہلا قول عام مفسرین کا ہے (تفسیر خازن معانی)

تفسیر وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے لیُضِلّ بنا ہے اضلال سے اس کی چند معنی ہیں گمراہ کرنا گمراہیوں میں داخل کرنا۔ گمراہ سمجھنا یا کہنا یہاں دوسرے معنی ہیں سے یعنی گمراہیوں میں داخل کرنا۔ قَوْمًا سے مطلق قوم مراد ہے۔ کوئی ہو کہیں ہو۔ ہدیٰ سے مراد مطلقاً ہدایت ہے۔ ہدایت اور ضلال اسکے معانی اقسام۔ احکام ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں اھدنا الصراط المستقیم اور الضالین کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یعنی اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہیوں میں داخل نہیں فرماتا۔ ظاہر یہ ہے کہ ہدایت سے مراد اسلام کی ہدایت ہے جو دنیا میں نبی کے ذریعہ ملتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد فطری ہدایت ہو۔ جو ہر بچہ رب کی طرف سے دنیا میں لاتا ہے۔
حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ۔ یہ فرمان عالی لیضل کی انتہا ہے بیان سے مراد بذریعہ پیغمبر بتانا ہے بذریعہ وحی جلی کے یا بذریعہ وحی خفی کے صراحۃً یا اشارۃً یا دلالۃً لہٰذا یہ ایک لفظ بہت جامع ہے۔ ما سے مراد عقائد۔ اعمال سب ہی ہیں۔ تقویٰ کے معنی ڈرنا بھی بچنا بھی۔ یعنی حتی کہ رب انہیں وہ بُرے عقائد و احکام بذریعہ پیغمبر بتا دے جن سے انہیں بچنا چاہیے پھر وہ اُن سے نہ بچیں تو گمراہ یا کافر ہوں گے۔ قانون بننے یا ان تک پہنچنے سے پہلے ان پر نہ حکم کفر دیا جاوے نہ حکم گمراہی اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ یہ فرمان عالی گذشتہ فرمان کی وجہ یا علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اس کے علم میں ہے کہ کون مجبوری بے خبری کی وجہ سے کچھ کر رہا ہے اور کون سرکشی کی وجہ سے کس کو سزا دینی چاہیے کس کو معافی کون کس چیز کا مستحق ہے
اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس فرمان عالی میں اُن لوگوں کو تسکین دی گئی ہے جو کہتے تھے کہ اگر ہم سارے کفار سے الگ ہو جاویں تو دنیا میں کیسے رہیں کہ اکثر لوگ کفار ہی ہیں اس کی تفسیر سورۂ بقر کے آخری رکوع میں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ کی تفسیر میں کی جا چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ لَہٗ میں لام نفع کا نہیں بلکہ ملکیت کا ہے اور ملکیت سے مراد حقیقی دائمی ذاتی غیر عطائی ملکیت ہے۔ ظاہر سلطنت کو ملک کہا جاتا ہے باطن کو ملکوت جسم پر حکومت ملک ہے دل و جان دماغ پر راج ملکوت ہے اللہ تعالیٰ مُلک کا بھی مالک ہے ملکوت کا بھی اُس کے بندوں میں سے جو جس کا مالک ہے اس کی عطا سے ہے۔ یحیی و یمیت یہ

اس کے حقیقی مالک الملک ہونے کی دلیل ہے کہ وہ زندوں میں موت پیدا فرماتا ہے اور مردوں میں زندگی ان دونوں فعلوں کا مفعول پوشیدہ ہے زندگی و موت شخصی بھی ہوتی ہیں قومی بھی۔ جسم کی بھی جان و ایمان کی بھی۔ دائمی بھی عارضی بھی۔ یہ تمام زندگیاں اور موتیں اسی رب کے قبضہ میں ہیں جب اس کی یہ شان ہے تو اے بندو وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ۔ اس فرمان عالی میں اس کی چوتھی صفت کا ذکر ہے ہم یہ بارہا عرض کر چکے ہیں کہ دُوۡن کے بہت معنی ہیں۔ سوائے۔ مقابل۔ دور۔ الگ اور بے تعلق ہو کر ان جیسی آیات میں دُوۡن بمعنی مقابل ہوتا ہے اور اگر بمعنی سوا ہو تو ولی اور نصیر سے مراد حقیقی ولی و نصیر ہیں۔ ولی بنا ہے ولیٌ یا ولایتٌ سے نصیر بنا ہے نصرت سے محبت و کرم کی بنا پر بچانے والا ولی ہے قوت و طاقت کے ذریعہ بچانے والا نصیر۔ یعنی اللہ کے مقابل میں کوئی تمہارا نہ تو دوست اور والی ہے نہ مددگار جو تم کو اللہ کے عذاب سے بچائے یا اللہ کے سوا، تمہارا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار جو کوئی مدد وغیرہ کرتا ہے وہ رب تعالٰے کے اذن سے بلکہ مخلوق کی الفت و نفرت بھی رب کی طرف سے ہے۔ شعر۔

مولیٰ تیری مدد ٹھے میرا آدر کرے نہ کوئے ۔۔۔ دُر دُر کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

خلاصۂ تفسیر رب تعالٰی کا قانون یہ ہے کہ لوگوں کو پیغمبر کے ذریعہ کرنے والے کام بھی بتادیتا ہے اور بچنے والے کام بھی پھر جو شخص ان قوانین بننے جاننے کے بعد ان پر عمل نہ کرے وہ گمراہ یا کافر یا فاسق ہوتا ہے لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ رب تعالٰی قانون بنانے بتانے کے بغیر ان لوگوں کو گمراہ کر دے۔ انہیں کافر یا گمراہ قرار دے جنہیں بُرے کام اور اُن سے بچنے کی اطلاع نہ دی ہو۔ اللہ تعالٰی ہر چیز کا جاننے والا ہے وہ جانتا ہے کہ بے خبر کون ہے اور خبردار ہو کر غدار کون۔ اے مسلمانوں تم اس کا خیال رکھو کہ آسمانوں اور زمین کا مُلک رب تعالٰی ہی کا ہے اس کی مالکیت خالقیت میں کوئی شریک نہیں وہ ہی جِلاتا ہے وہ ہی مارتا ہے اے مسلمانوں اگر تم ہمارے لیئے تمام کفار سے الگ تھلگ ہو جاؤ تو یہ سارے مل کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کہ ہم جو تمہارے ہیں لیکن اگر تم نے ہم کو اپنی حرکتوں۔ کفار کی صحبتوں سے ناراض کر لیا تو دنیا میں نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار لہٰذا تم سب کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ رب کو راضی کرو۔

مسئلہ دیوانے چھوٹے بچے شرعی احکام کے مکلف نہیں کیونکہ انہیں بے عقلی کی وجہ سے احکام پہنچے ہی نہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** قانون بننے سے پہلے نہ کوئی کام فرض ہوتا ہے نہ حرام لہٰذا انسان اس وقت کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ حَتّٰى يُبَيِّنَ الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو نماز کے فرض ہونے اور شراب حرام ہونے سے پہلے مسلمان نماز پڑھتے نہ تھے عموماً شراب پیتے تھے مگر گنہگار نہ ہوتے تھے۔ **دوسرا فائدہ**۔ یہ ہی حال عقائد کا ہے کہ اسلامی عقائد کی تفصیل فرمائی جانے سے پہلے کسی پر کسی عقیدہ کا ماننا لازم نہیں سوا توحید کے کہ اس کا عقیدہ ہر شخص پر لازم ہے اگرچہ اُسے نبوت کی تعلیم نہ پہنچے یہ فائدہ مَا كَانَ لِيُضِلَّ قَوۡمًا الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** فترت والے لوگ یعنی حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے کے لوگ شرک کے سوا، جو کچھ کریں انہیں گمراہ نہیں کہا جا سکتا یہ فائدہ بھی مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًا الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ آباؤ اجداد

نہ گمراہ تھے نہ گنہگار کیونکہ وہ حضرات مُوَحِّد تھے۔ اور انہیں اسلامی عقائد اسلامی احکام پہنچے نہیں وہ حضور انور کی نبوت سے کہیں پہلے وفات پا گئے **مسئلہ** حضرت آمنہ اپنی زندگی شریف میں مومنہ تھیں الوداع کے موقعہ پر حضور انور نے انہیں زندہ فرما کر کلمہ پڑھایا۔ اپنا دیدار کرایا لہٰذا اب وہ مومنہ صحابیہ ہیں (تفسیر روح البیان یہ ہی مقام شامی) **پانچواں فائدہ** جس تک شرعی احکام نہ پہنچیں کہ وہ ایسی جگہ رہتا ہو۔ جہاں نبوت کی خبر نہ ہو وہ بھی صرف توحید کے عقیدے پر نجات پائے گا۔ اس کا حکم فترت والے لوگوں کی طرح ہے یہ فائدہ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ میں لَهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ** احکام شرعیہ نہ پہنچنے اور نہ سیکھنے میں فرق ہے لہٰذا جہاں شرعی احکام پہنچے تو ہوں مگر کوئی انہیں سیکھے نہیں وہ معذور نہیں۔ اگر وہ جرم کرے گا۔ تو مجرم ہوگا۔ اس لیے یہاں حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ ارشاد ہوا۔ حَتّٰى يَعْلَمُوْا نہ فرمایا۔ رب کا کرم ہے احکام بنانا اور بتانا۔ ہمارا کام ہے احکام سیکھنا ان پر عمل کرنا **مسئلہ** بعض معاملات ایسے ہیں جن کی برائی بھلائی عقل سے معلوم ہو جاتی ہے جیسے ظلم چوری۔ ڈکیتی۔ قرض لے کر مار لینا۔ ان کی برائی عقل سے معلوم ہوتی ہے۔ یونہی سچ اور انصاف۔ لوگوں سے اچھے برتاؤ ان کی اچھائی عقل سے معلوم ہوتی ہے۔ مذکورین لوگوں پر ان پر عمل لازم ہے۔ یعنی فترت والے چوری ڈکیتی وغیرہ نہیں کر سکتے۔ **چھٹا فائدہ** جس چیز جس کام کو شریعت منع کرے وہ حلال اور جائز ہے یعنی تمام چیزوں کی اصل حالت مباح ہونا ہے۔ یہ فائدہ مَا يَتَّقُوْنَ سے حاصل ہوا کہ مَا يَفْعَلُوْنَ نہیں فرمایا یعنی رب تعالیٰ بچنے والی چیز بتائے بغیر کسی کو مجرم نہیں کرتا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ (الخ) جس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی حرمت و ممانعت نہ ملنا۔ اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ **ساتواں فائدہ** ساری دنیا کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسرا مالک حقیقی نہیں یہ فائدہ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں لَهٗ کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس مقدم کرنے سے حصر معلوم ہوا۔ جو کسی بندے کو ایک ذرّہ کا مالک حقیقی مانے وہ مشرک ہے بلکہ دنیا کے عارضی مالکوں کا مالک بھی۔ رب تعالیٰ ہی ہے۔ **آٹھواں فائدہ** مرضی الٰہی کے خلاف کوئی کسی کا نہ مددگار رہے نہ دوست یہ فائدہ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (الخ) سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ کی قید کیوں لگائی قانون بنانے بتانے سے پہلے کوئی شخص بھی کسی جرم پر گنہگار نہیں ہونا چاہیئے۔ خواہ مسلمان ہو یا کافر۔ **جواب** اگر ہدایت سے مراد فطری ہدایت ہے جو میثاق کے دن ہر شخص کو دی گئی جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر تو بات صاف ہے اور اگر شرعی ہدایت مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمانوں کو بھی کوئی جرم مضر نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ کفار ان پہ تو شرعی احکام جاری ہوتے ہی نہیں۔ **دوسرا اعتراض** کیا اسلامی قانون دنیا میں آنے سے پہلے لوگوں کو ڈکیتی۔ چوری۔ قتل وغیرہ جائز تھے۔ تو اسلام سے پہلے کفار عرب پر بچیوں کو زندہ دفن کرنے پر عتاب کیسا رب فرماتا ہے وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ **جواب**۔ اس اعتراض کا جواب ابھی فوائد سے معلوم ہو گیا کہ یہ قاعدہ مظالم اور حقوقِ عباد کے متعلق نہیں جن کی برائی بھلائی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے یہ فرق خیال میں رہے۔ اور اگر اس حکم کا تعلق عقائد سے ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ غالباً اسی وجہ سے یہاں ضلال اور ہدایت کا ذکر ہے۔ نیز اس کا

شانِ نزول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام کے شرعی فرعی خصوصی احکام میں فرق ہے باقی عقائد اور معاملات وغیرہ تمام نبیوں کے سب لوگوں پر ماننا ضروری ہیں ڈکیتی چوری. لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہر آسمانی دین میں جرم رہا لہٰذا ان کا ماننا سارے لوگوں پر لازم ہے۔ **تیسرا اعتراض** آج اگر کوئی شخص شرعی احکام سے بے خبر ہو اس وجہ سے وہ عمل نہ کرے کیا وہ بھی معذور ہے۔ **جواب** ہرگز نہیں کیونکہ اب شرعی احکام تمام دنیا میں شائع ہو چکے ہیں اب جو بے خبر ہو گا اپنی کوتاہی سے ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم دین طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور ان کی چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں تو جو بھی کسی نبی، ولی کو ان میں سے کسی چیز کا مالک مانے وہ مشرک ہے۔ کہ اس نے دو مالک مان لیئے نہ دو خالق ہو سکتے ہیں نہ دو مالک۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی لوگوں کو ان کے گھر بار زمین باغ کنویں حتی کہ بادشاہ کو ملک کا مالک مانتے ہو تم بھی مشرک ہوئے۔ حتی کہ تم ان کی بیع ہبہ کرایہ درست مانتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حقیقی ذاتی ملک صرف خدا تعالیٰ کی ہے عطائی۔ عارضی ملکیت مخلوق کو دی گئی ہے۔ رب حضرت سلیمان کے متعلق فرماتا ہے۔ وَاٰتَیۡنٰہُ مُلۡکًا عَظِیۡمًا۔ ہم نے انہیں بڑا ملک عطا فرمایا اور فرماتا ہے وَسَخَّرۡنَا لَہُ الرِّیۡحَ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖ ہم نے ہوا ان کے تابع فرمان کر دی جو ان کے حکم سے چلتی تھی۔ بہر حال یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ تمہارا والی اللہ رسول اور مومنین ہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ **پانچواں اعتراض** مرتے وقت ایمان لانا معتبر نہیں۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا آمَنۡتُ بِمَا اٰمَنَتۡ بِہٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ مگر قبول نہیں ہوا پھر حضرت آمنہ کو زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھانا کیسے قبول ہو گیا۔ **جواب**۔ یہ مسئلہ کفار کے لیئے ہے جو زندگی میں نبی کا انکار کرتا رہے مرتے وقت ایمان قبول کرے۔ حضرت آمنہ کافرہ نہ تھیں مومنہ تھیں۔ نیز یہ حضور انور کی خصوصیت ہے قانون اور خصوصیت میں فرق ہوتا ہے۔ پھر حضور انور کا انہیں کلمہ پڑھانا دیدار دکھانا دین محمدی میں داخل فرمانے اور انہیں اپنا صحابیہ بنانے کے لیئے ہو وہ بھی حضور کی خصوصیت ہے۔

تفسیر صوفیانہ رب العالمین نے درد کے لیئے دوا فریاد کے لیئے نوا۔ بھوک کے لیئے غذا۔ پیاس کے لیئے پانی۔ تاریکی کے لیے روشنی۔ خشکی کے لیئے بارش پیدا فرمائی ہے۔ اسی طرح گمراہوں کے لیئے نبی اور گمراہی کے لیئے نبوت و ہدایت پیدا فرمائی جیسے یہاں ہدایت سے پہلے کسی کو گمراہ نہیں کہا جاتا۔ ایسے ہی ہادی کی تشریف آوری سے پہلے کسی کو گمراہ نہیں کیا جاتا۔ گمراہی کی اصل وجہ نبی کا انکار ہے اور انکار ان کی تشریف آوری کے بغیر ناممکن ہے۔ نبی کا اقرار ہدایت یعنی ایمان کا سرچشمہ ہے ایسے ہی نبی کا انکار گمراہی کی جڑ نبی کا کسی چیز کو بیان فرمانا خود رب تعالیٰ کا بیان فرمانا ہے۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا کہ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَہُمۡ مَّا یَتَّقُوۡنَ اللہ تعالیٰ ہر دل اور اس کے صفات اور عیوب کو جانتا ہے۔ اسے خبر ہے کہ کس دل میں نورِ نبوت کی گنجائش ہے۔ اور کس میں نہیں مومن کے دل میں نبی اور نبی کا اسباب ایمان و تقوی وغیرہ رہتے ہیں. کافر کے دل میں ابلیس اور اس کا سامان شعر۔

در دلِ مومن مقام مصطفےٰ است آبروئے ما ز نامِ مصطفےٰ است

آسمان یعنی نبیوں کی ذات بھی رب کی ملک اور زمین یعنی لوگوں کے دل بھی رب کا ملک ہے وہ ہی دلوں کو زندگی و موت بخشتا ہے مردہ جسم کے لیئے کوئی حکیم ڈاکٹر نہیں مردہ دل کے لیئے کوئی ولی و نصیر نہیں۔ شعر۔

سر کٹانے کی تمنا ہے تو سر پیدا کر تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر

اگر یار کو بلانا ہے تو پہلے اس کا گھر یعنی دل اغیار کے گرد و غبار سے پاک صاف کر پھر دیکھ تیرے لیئے نبی ولی بھی ہونگے اور نصیر بھی۔

لَقَدۡ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ

البتہ تحقیق توبہ ڈالی اللہ نے نبی پر اور مہاجروں پر اور انصار پر

بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتلانے والے اور ان مہاجرین

الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ فِىۡ سَاعَةِ الۡعُسۡرَةِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا كَادَ

وہ کہ پیروی کی انہوں نے نبی کی تنگی والی گھڑی میں پیچھے سے اس کے کہ قریب

اور انصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب

يَزِيۡغُ قُلُوۡبُ فَرِيۡقٍ مِّنۡهُمۡ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّهٗ بِهِمۡ

تھے کہ کج ہو جاویں دل ایک گروہ کے کہ ان میں سے پھر توبہ ڈالی بیشک وہ ان پر بہت

تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بیشک

رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۱۷

ہی مہربان رحم والا ہے

وہ ان پر نہایت مہربان رحم والا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق بہت دور سے ان منافقوں کی برائیاں بیان ہوتی آرہی ہیں جو غزوۂ تبوک سے غیر حاضر رہے اب ان خوش نصیب صحابہ کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو اس میں حاضر ہوئے کہ رب تعالیٰ نے اس حاضری کی برکت سے ان کی ساری خطائیں معاف فرما دیں۔ دوسرا تعلق ابھی پچھلی آیت میں صحابہ کے ان اعمال کا ذکر ہوا جو بعد میں حرام کرائے گئے بعض مشرکین عزیزوں کے لیئے دعاء مغفرت کرنا اب ان حضرات کے ان اعمال کا ذکر ہے

جو غزوہ تبوک میں حاضری کی برکت سے معاف ہو گئے یعنی وہاں کی حاضری سے سستی یا وہاں نہ جانے کا خیال کرنا گویا ایک قسم کی معافی کے بعد دوسری قسم کی معافی کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں رب تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لوگوں کے اعتراضات دفع کئے۔ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ (الخ) اب حضرات صحابہ سے لوگوں کے شبہات دفع کئے جارہے ہیں کہ رب نے ان کی تمام خطائیں معاف فرمادیں۔

تفسیر لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ چونکہ ان آیات کے مضمون کے انکاری اس زمانہ میں بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے ان وجوہ سے اسے لام تاکید اور قد تحقیق سے شروع فرمایا تَابَ بنا ہے تَوْبَةٌ سے۔ توبہ کے معنیٰ ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے کہ اس کے معنیٰ ہیں لوٹنا۔ اگر اس کا فاعل بندہ ہو تو معنیٰ ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا اگر اس کے بعد گناہ کا ذکر ہو تو مِنْ یا عَنْ سے استعمال ہوگا۔ جیسے الٰہی تُبْتُ مِنْ كُلِّ الْمَعَاصِيْ۔ تُبْتُ عَنْهُ وَتَبَرَّاتُ اور اگر اس کے بعد اللہ کا نام ہو تو اِلٰی سے استعمال ہوتا ہے۔ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ اور اگر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں توبہ قبول کرنا یا توبہ کی توفیق دینا۔ یعنی ارادۂ رحمت فرمانا اور اس کے بعد علیٰ آتا ہے جیسے وَتُبْ عَلَيْنَا۔ یہاں چونکہ تاب کا فاعل رب تعالیٰ ہے لہٰذا اس کے معنیٰ ہیں توبہ کی توفیق دینا یا توبہ قبول فرمانا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں اور اگر اس کے معنیٰ ہوں رحمت کرنا پھر تو بالکل ظاہر ہے تاب کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف کیوں آیا اس کی مفسرین نے چند حکمتیں بتائی ہیں ؏۱ حضور کا نام شریف صرف برکت کے لیئے ہے اصل مقصود ہیں مہاجرین و انصار جیسے فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ میں اللہ تعالیٰ کا نام برکت کے لیئے ہے۔ ورنہ نہ تو حضور انور سے کوئی گناہ یا خطا سرزد ہوئے نہ ان کی توبہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ ؏۲ تَابَ کے معنیٰ ہیں رحمت الٰہی متوجہ ہوئی چونکہ اللہ کی رحمت آتی ہے حضور انور پر اور حضور کے ذریعہ سب میں تقسیم ہوتی ہے اس لیئے پہلے حضور انور کا ذکر ہوا۔ پھر مہاجرین و انصار کا۔ ؏۳ توبہ کے معنیٰ ہیں گناہ سے بچانا بے گناہ بنانا یعنی اللہ تعالےٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ سے معصوم رکھا اور مہاجرین و انصار کو محفوظ ؏۴ توبہ کے معنیٰ ہیں خطا معاف کرنا یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی خطائیں معاف کیں۔ جب حضور انور غزوۂ تبوک کی طرف چلنے لگے تو منافقین نے بہانے بنا کر رہ جانے کی اجازت چاہی۔ حضور انور نے اجازت دے دی یہ ہوئی خطاء اجتہادی رب تعالیٰ فرماتا ہے عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (الخ) بعض مہاجرین و انصار نے سامان کی کمی، گرمی کی شدت۔ سفر کی درازی دیکھتے ہوئے رہ جانے کا خیال کیا یہ ہوئی اُن کی خطا۔ مگر وہ لوگ رہے نہیں ساتھ روانہ ہو گئے رب نے یہ تمام خطائیں اس غزوہ کی شرکت کی برکت سے معاف فرمادیں۔ (تفسیر خازن۔ معانی۔ بیضاوی۔ تفسیر مدارک کبیر۔ روح البیان وغیرہ) مگر گناہ یا خطا وہ ہے جس سے رب نے منع کیا ہو۔ رب تعالیٰ نے حضور کو اس اجازت دینے سے منع نہیں کیا تھا پھر اجازت دینا خطا کیسے ہو گیا۔ پھر توبہ کرنے کو کہا۔ اور توبہ قبول کرنے کا کیا مطلب ہے۔ ؏۵ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے تھے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ (الخ) اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ رب تعالیٰ یہ تمام توبہ و استغفار قبول

فرمائے اور آئندہ انہیں اُن پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ (جلالین وصاوی) بہر حال یہاں گناہ معاف کرنا ہی مراد نہیں۔ اعلیٰحضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے دوسری تفسیر پر ترجمہ فرمایا یہ ہی توجیہ قوی بھی ہے۔ لہٰذا یہی حضور انور کا گناہ صغیرہ و کبیرہ سے معصوم ہونا بلکہ کبھی آپ کا گناہ کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ انبیاء کرام کسی گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے قرآن مجید سے اور احادیث شریف سے ثابت ہے۔ اس کی تحقیق کے لیئے ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء ملاحظہ کرو۔ علی فرما کر اشارۃً فرمایا کہ توبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے طفیل مہاجرین و انصار پر نثار ہوئی۔ یہ اس دولہا کی نچھاور ہے۔ والمہاجرین والانصار یہ عبارت معطوف ہے النبی پر مہاجر وہ لوگ جو رضاء الٰہی اور وصالِ مصطفوی کے لیئے مدینہ آکر بسے۔ انصار انہیں مدینہ میں بسانے والے چونکہ مہاجرین افضل ہیں انصار سے اس لیئے اُن کا ذکر انصار سے پہلے ہوا۔ انصار یا تو ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب یا نصیر کی جیسے شریف کی جمع اشراف مدینہ والے۔ دو قبیلوں اوس اور خزرج کا یہ نام رب تعالیٰ نے رکھا (روح البیان) الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ۔ یہ فرمان مہاجرین والانصار کی صفت ہے اتباع سے مراد ہے حضور انور کے ساتھ رہنا۔ ہر طرح حضور کی مدد و خدمت کرنا ساعۃ بمعنی منٹ یا سیکنڈ یعنی گھنٹہ کا مقابل نہیں۔ بلکہ اس کے معنی ہیں۔ گھڑی اور موقعہ یا وقت عُسْرَۃ کے معنی ہیں تنگی شدت۔ اس کا مقابل ہے یُسْرٌ بمعنی سہولت و آسانی ساعت عسرت سے مراد یا تو غزوہ تبوک ہے کہ اس غزوہ میں کھانے پینے اور سواری ہر چیز کی تنگی تھی۔ حتیٰ کہ دس دس صحابہ ایک اونٹ کے اوپر باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ ایک چھوارے کی گٹھلی چوس چوس کر پانی پی کر دن رات نکالتے تھے۔ پیاس سے زبانیں باہر نکل پڑیں۔ پانی کا دور دور پتہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یارسول اللہ بارش کی دعا فرمائیں ہم لوگ پیاس سے جاں بلب ہیں۔ فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو۔ عرض کیا ہاں۔ حضور انور نے دعا کے لیئے ہاتھ اُٹھائے اُدھر بادل اُٹھا۔ خوب برسا۔ غازیوں نے پانی پیا۔ پلایا تمام برتن بھر لیئے پتہ لگا کہ بادل صرف لشکر پر برسا باقی آس پاس کی تمام زمین خشک تھی۔ (خزائن۔ روح البیان۔ کبیر وغیرہ) ان وجوہ سے اسے تنگی کی گھڑی فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ غزوہ تبوک میں مجاہدین ستر ہزار تھے۔ گھوڑے بارہ ہزار اونٹ پندرہ ہزار (تفسیر خازن و روح البیان) ان میں سے کچھ اونٹ کھا لیئے گئے۔ سخت بھوک کی وجہ سے۔ بعد میں حضور انور کا معجزہ کھانے میں برکت کا ظاہر ہونا۔ اور ہو سکتا ہے کہ تنگ گھڑی سے مراد سارے غزوات خصوصاً غزوۂ خندق ہو کہ اس وقت بھی مسلمانوں پر بہت ہی تنگی تھی حتیٰ کہ قرآنِ مجید نے فرمایا وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ ان کے دل گلے گھاٹیوں میں آگئے (تفسیر کبیر) مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمانِ عالی متعلق ہے اِتَّبَعُوْہُ کے اس میں مَا موصولہ ہے یزیغ بنا ہے زَیْغٌ سے بمعنی مائل ہو جانا۔ ہٹ جانا۔ فریق فرما کر یہ بتایا کہ یہ حال سب کا نہیں ہوا۔ بلکہ کچھ لوگوں کا کہ انہوں نے سفر کی سختی دیکھ کر واپس لوٹ جانے کا وسوسہ کیا مگر رب نے انہیں ہمت دی اور وہ حضور کی ہمراہی پر ثابت قدم رہے اس لیئے کَادَ یَزِیْغُ ارشاد ہوا خیال رہے کہ اس عبارت میں کَادَ کا اسم ضمیر شان اور یزیغ الخ اس کی خبر جب کاد کا اسم ضمیر شان ہو اور خبر جملہ ہو تو اس جملہ میں ایسی ضمیر ضروری نہیں جو اسم کی طرف لوٹے۔ لہٰذا آیت پر کوئی نحوی اعتراض نہیں (تفسیر روح المعانی و روح البیان)

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ یہ فرمانِ عالی لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ (الخ) کی تاکید ہے اور نحویوں کے نزدیک تاکید پر ثُمَّ آسکتا ہے۔ تاب کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور علیہم کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی طرف ہے یعنی اے مسلمانو! پھر غور سے سن لو۔ کہ رب نے ان سب پر اپنی رحمت نچھاور فرما دی اُن پر توبہ ڈال دی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ عَلَيْهِمْ کی ضمیر فَرِيقٌ مِّنْهُمْ کی طرف ہو۔ اس صورت میں یہ فرمانِ عالی معطوف ہے اور ثم تحت عطف یعنی ایک فریق کے دل ٹیڑھے ہونے کے قریب ہو گئے تھے کہ وہ تبوک کے سفر سے واپس ہونے کا ارادہ کر بیٹھے تھے۔ پھر رب تعالیٰ نے اُن پر توبہ ڈال دی اور وہ اس ارادے سے باز رہے۔ (روح المعانی)

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے جس میں گذشتہ فرمانوں کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ یعنی اس توبہ و مہربانی کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان سب حضرات پر رؤف بھی ہے رحیم بھی۔ رافت و رحمت یا تو ہم معنی ہیں یا رافت بہت ہی بڑی مہربانی ہے اور رحمت عام مہربانی یا مصیبت کا دُور کر دینا رافت ہے اور نفع دینا رحمت (روح المعانی)

خلاصۂ تفسیر

ربِّ ذوالجلال کی رحمتیں نثار اُن نبی مختار اُن کے صحابہ اخیار پر مہاجر ہوں یا انصار جنہوں نے اس پیارے کا مشکل گھڑی میں ساتھ نبھایا۔ یعنی غزوۂ تبوک میں اُن کے ساتھ گئے۔ حالانکہ وقت بھی گرم تھا۔ راستہ بھی دور دراز سواریوں کی کمی کھانے پینے کی قلت۔ ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے نبی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس کے باوجود کہ اس موقعہ پر راستہ میں ایک گروہ کے دل ڈولنے لگے تھے۔ مگر وہ ثابت قدم رہے حضور کے ساتھ رہے۔ اے لوگو پھر سُن لو اللہ نے ان سب پر توبہ ڈال دی اُن پر رحمت نچھاور کر دی۔ کیونکہ رب تعالیٰ بہت مہربان بھی ہے کہ بندوں کی مصیبتیں دور فرماتا ہے اور رحم والا بھی کہ اُن کے کام بناتا ہے اپنی نعمتیں دیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ ساری نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے ہیں۔

فائدے

اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے والے سارے صحابہ قطعی یقینی جنتی ہیں۔ جو اُن کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ اس آیتِ کریمہ اور اس جیسی بہت سی آیات کا منکر ہے۔ اِن حضرات کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا کہ توحیدِ الٰہی اور نبوتِ مصطفوی بھی قرآنی آیات سے ثابت ہے اور اِن کا جنتی ہونا بھی اُسی قرآن کی آیات سے ثابت ہے۔ یہ فائدہ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس مضمون کو لام اور قد تاکید سے شروع فرمایا گیا۔ **دوسرا فائدہ** توبہ کے لئے گناہ ضروری نہیں بغیر گناہ بھی توبہ کی جاتی ہے۔ حالانکہ کبھی نیکی کر کے بھی توبہ کی جاتی ہے کہ یہ نیکی اُس بارگاہِ عالی کے لائق نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ بھی لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ (الخ) سے حاصل ہوا کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نہ تو حضور انور سے کوئی خطا سرزد ہوئی نہ غازیوں سے مگر فرمایا گیا۔ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ۔ ایسے موقعہ پر توبہ کے معنی کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ**۔ اللہ کی رحمتیں پہلے حضور انور پر آتی ہیں پھر حضور کی طرف سے مخلوق میں تقسیم ہوتی ہیں۔ رب تعالیٰ حضور پر برساتا ہے حضور انور مخلوق پر۔ یہ فائدہ النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ (الخ) کی ترتیب سے حاصل ہوا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔ شعر۔

برتو او باشد تو بہ ما ۔۔۔ تا ابد یہ سلسلہ ہو

چوتھا فائدہ ۔ بندہ خواہ کسی درجہ اور کسی رتبہ و مقام کا ہو ۔ توبہ ضرور کرے یہ فائدہ بھی لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الخ سے حاصل ہوا ۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیا ہیں اور صحابہ کرام خصوصًا غازیانِ تبوک سید الاولیا ہیں مگر ان کے لیے ارشاد ہوا تَابَ اللّٰہُ ۔ نماز روزہ کی طرح توبہ بھی عبادت ہے ۔ **پانچواں فائدہ** ۔ سارے صحابہ بڑے درجہ والے ہیں مگر مہاجرین افضل و اعلیٰ ہیں انصار سے ۔ یہ فائدہ مہاجرین کو انصار سے پہلے بیان کرنے سے حاصل ہوا کہ ترتیب ذکری ترتیب رتبی کی بنا پر ہے ۔

چھٹا فائدہ ۔ بندوں سے مدد لینا شرک نہیں بلکہ برحق ہے یہ فائدہ وَالْاَنْصَارِ سے حاصل ہوا ۔ اگر غیر اللہ سے مدد لینا شرک ہوتا تو انصار نام مشرکانہ ہوتا حالانکہ اوس اور خزرج کا نام انصار رسول اللہ نے رکھا ۔ کیونکہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے مددگار تھے ۔ **ساتواں فائدہ** ۔ حضور انور کی اتباع اللہ کی رحمتوں کا ذریعہ ہے جسے جو ملتا ہے حضور کی اتباع سے ملتا ہے یہ فائدہ اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ سے حاصل ہوا کہ اسے رب نے توبہ کی وجہ قرار دیا ۔ **آٹھواں فائدہ** ۔ آڑے وقت میں حضور انور کا ساتھ دینا مشکلات میں مدد کرنا اس کا رب کی بارگاہ میں بڑا ہی درجہ ہے ۔ یہ فائدہ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ سے حاصل ہوا ۔ حضرت ابوبکر صدیق بعد رسل ساری خلق سے افضل کیوں ہیں کہ انہیں رب نے اولو الفضل فرمایا اس لیے کہ حضور کے غار جیسے مشکل جگہ اور تمام آڑے وقتوں کے ساتھی ہیں ۔ رضی اللہ عنہ ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین و دنیا میں ان کی ہمراہی نصیب کرے

نواں فائدہ ۔ ارادۂ گناہ گناہ نہیں جب تک کہ عزم بالجزم نہ ہو ۔ یہ فائدہ کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ سے حاصل ہوا ۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہ تو ارشاد کیا کہ ایک فریق کے دل پھر جانے کے قریب تھے ۔ یعنی انہوں نے تبوک کے راستہ سے واپس ہوجانیکا ارادہ کر لیا ۔ مگر اس ارادہ پر عتاب نہ فرمایا ۔ بلکہ پھر ثابت قدم رہنے کی تعریف کی ۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خطا ہوئی کہ آپ نے منافقین کو مدینہ منورہ رہ جانے کی اجازت دے دی ۔ اور مہاجرین و انصار سے بھی گناہ ہوئے کہ ان میں سے بعض تو رہ گئے جیسے حضرت کعب اور دو ان کے ساتھی ۔ بعض نے رہ جانے کا ارادہ کیا ۔ بعض راستہ سے لوٹنے لگے ۔ پھر ان سب نے ان غلطیوں سے توبہ کی رب نے توبہ قبول کی ورنہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ کے کیا معنی ۔ قبول توبہ جب ہو جب بندہ توبہ کرے اور توبہ جب کرے جب گناہ کرے (بعض بے دین) **جواب** ہم نے اس قسم کے اعتراضات کے جواب اپنی کتاب عصمت انبیا میں دیئے ہیں ۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ خطا اور گناہ دونوں کے لیے شرعی ممانعت ضروری ہے ۔ یعنی صرف وہ ہی کام گناہ یا خطا ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو ۔ اس کے بغیر گناہ بن سکتا ہی نہیں ۔ ابھی پچھلی آیت میں رب نے گناہ کو اس میں منحصر فرمادیا کہ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَھُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ بندے کو اگر ممانعت یاد نہ رہے اور کرے تو یہ ہے نسیان یعنی بھول اور اگر ممانعت سمجھنے میں غلطی کرے تو یہ ہے خطا ۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا لَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ یہ ہوئی گندم کھانے کی ممانعت اور فرمایا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے ۔ حضرت آدم کو شیطان کی دشمنی یاد نہ رہی یہ ہوا نسیان اور ممانعت کا پورا مطلب سمجھے نہیں ۔ خیال کیا کہ ممانعت اس وقت تک کے لیے تھی دائمی نہ تھی یہ خیال نہ آیا کہ رب سے پوچھ لیتے ۔ گندم کھا لیا

یہ ہوئی خطا اور اگر ممانعت یاد ہو مطلب بھی معلوم کرتے ہیں پھر وہ کام کرے تو ہے گناہ۔ اللہ تعالٰی نے حضور انور کو اس اجازت دینے سے کہیں منع نہیں فرمایا۔ کوئی آیت ممانعت کی موجود نہیں پھر آپ کا اجازت دینا نہ گناہ ہوا نہ خطا نہ نسیان کہ ان تینوں کے لیئے ممانعت ہو چکنا ضروری ہے۔ فقیر کا عقیدہ ہے کہ حضور انور نے ساری عمر نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ نہ خطا کی۔ نہ گناہ پر قادر ہیں کیونکہ معصوم ہیں۔ ایک کام ایسا دکھا دو جو حضور نے ممانعت کے بعد کیا ہو۔ ایسا کوئی کام نہ ملا نہ ملے۔ تَابَ اللّٰہُ کے وہ معنٰی ہیں جو ابھی تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ **دوسرا اعتراض**۔ اگر یہ اجازت دینا گناہ یا خطا نہ تھا تو رب نے اس کی معافی کا اعلان کیوں فرمایا عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ۔ معافی تو گناہ یا خطا کی ہوتی ہے۔ **جواب**۔ قرآن مجید میں عربی محاورے استعمال ہوتے ہیں عرب میں اظہار غضب کے لیئے بددعا کے الفاظ کہہ کر بات کرتے ہیں اور اظہار کرم کے لیئے خطاب کے موقعہ پر دعائیہ کلمات سے خطاب ہوتا ہے۔ اسی طرح قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ۔ یا تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ ہیں۔ اظہار غضب کے لیئے یہ بددعائیہ کلمات اَللہ انہیں غارت کرے ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جاویں اور عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ دعائیہ کلمات۔ رب تمہیں معاف کرے۔ ایسے ہی محاورات اردو میں بھی ہیں غرضکہ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ معافی گناہ کی خبر نہیں بلکہ دعائیہ کلمات ہیں۔ وہ بھی کرم کے اظہار کے لیئے ورنہ رب تعالٰی دعا یا بددعا کرنے سے پاک ہے اس اعتراض کے اور جواب ابھی تفسیر میں لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ کے ماتحت عرض کئے گئے۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس آیت میں پہلے ہے لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ الخ پھر ہے ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے پھر یہ دوبار کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**۔ ابھی تفسیر سے اس کے دو جواب معلوم ہو گئے۔ ایک یہ کہ یہ تکرار تاکید کے لیئے ہے جس سے ان حضرات کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے ہم کسی کے ذکر کے دوران بار بار کہتے ہیں اُسے اللہ بخشے۔ اس پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ دوسرے یہ کہ ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ کا تعلق اُس فریق سے ہے جنہوں نے تبوک کے سفر کے دوران واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ اور لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ میں تمام غازیان تبوک سے لہذا وہاں تَابَ کے اور معنٰی ہیں۔ اور یہاں ثُمَّ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ میں اور معنٰی کہ انہیں ثابت قدم رکھا۔ **چوتھا اعتراض** توبہ کے معنٰی توجہ رحمت لغت میں نہیں پھر یہاں یہ معنٰی کیوں کئے گئے۔ **جواب**۔ توبہ کے حقیقی معنٰی ہیں۔ رجوع کرنا رحمت کا کسی طرف رجوع کرنا بھی رجوع ہے۔ بلکہ یہاں روح المعانی نے تو فرمایا کہ توبہ یہاں مجازی معنٰی میں ہے۔ یعنی گناہ سے معصوم یا محفوظ رکھا۔ وغیرہ غرضکہ یہاں گناہ معاف کرنے کے معنٰی نہیں بنتے کیونکہ کسی سے اُس وقت گناہ نہیں ہوا۔ البتہ رجوع رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور نوعیت کی ہے عام غازیان تبوک کی طرف دوسری قسم کی۔ اور وہ تین حضرات جن کا ذکر آگے آ رہا ہے اُن کی طرف اور طرح کی بارش ایک رحمت ہے مگر باغ کھیت۔ سمندر کی سیپ میں اور طرح کی رحمت ہے۔ عام زمین پہ دوسری طرح کی۔ تالاب درختوں پر اور قسم کی شورہ زمین میں اور طرح کی۔ غرضکہ توبہ کے معنٰی صرف معافی گناہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالٰی نے انبیاء کرام خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھن والی جسمانی بیماریوں سے محفوظ رکھا جیسے جذام برص وغیرہ۔ یونہی حضور انور کو نفرت والی روحانی بیماریوں سے محفوظ رکھا۔

کہ گناہ سے مومنوں کے دل نفرت کرتے۔ پھر جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو تمام عالم خصوصًا اپنی امت کے ظاہری گناہوں سے شفا کے لیے طبیب مطلق بنا کر بھیجا وَیُزَکِّیۡہِمۡ کہ حضور سب کو تزکیہ طہارت عطا فرماتے ہیں۔ یوں ہی حضور کو باطنی روحانی دلی گناہوں کا طبیب مطلق بنا کر بھیجا تو یہ توبہ روحانی بیماریوں کی دوا زود اثر ہے۔ یہ حضور انور کو دنیا میں تقسیم فرمانے کے لیے عطا ہوئی۔ لقد تاب اللہ علی النبی اللہ نے دوا توبہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم کے لیے نازل فرمائی تاکہ اس سے رب کے بندے فائدہ اٹھائیں۔ پھر یہ بندے دو طرح کے ہیں۔ مخصوص لوگ جو حضور کے ہاتھوں اس دوا کے ذریعہ مکمل شفا پائیں بلکہ دوسروں کو شفا بخش بن جائیں (۱) ڈاکٹر تجویز کرتا ہے کمپونڈر طریقہ استعمال بتاتا ہے المہاجرین والانصار یہ دو گروہ وہ ہیں جنہوں نے حضور انور سے صرف اپنے لیے ہی شفا حاصل نہیں کی۔ بلکہ یہ لوگ دوسروں کے لیے بھی شفا بخش توبہ بخش ہو گئے۔ اور کیوں نہ ہوتے کہ انہوں نے تنگ گھڑیوں میں محبوب کا ساتھ دیا۔ نبوت کے ذریعہ ولایت کو فیض ہوا اور ولایت کے ذریعہ تاقیامت عوام کو۔ توبہ ایک نعمت و رحمت ہے جس کی تقسیم دوسری نعمتوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر نعمت کی طرح توبہ بھی حضور انور سے حاصل کریں توبہ کا نتیجہ مغفرت ہے۔ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اذ ظلموا انفسھم (۱۴)

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ

اور اوپر تین کے وہ جو پیچھے رکھے گئے حتیٰ کہ جب تنگ ہو گئی اُن پر

اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع

الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَ

زمین باوجود اس کے کہ وسیع تھی وہ اور تنگ ہو گئی اُن پر جانیں ان کی اور

ہو کر ان پر تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے اور

ظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ؕ ثُمَّ تَابَ

جان گئے وہ کہ نہیں ہے کوئی ٹھکانہ اللہ سے مگر طرف اس کی پھر توبہ ڈالی ان

انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس پھر ان کی توبہ قبول

عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾　۱۴ ع ۸ ۲

پر تاکہ توبہ پر رہیں تحقیق اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا رحمتوں والا

کی کہ تائب رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** گذشتہ پچھلی آیات میں اُن بہانہ باز منافقوں پر عتاب کیا گیا تھا جو جھوٹے بہانے بنا کر غزوۂ تبوک سے رہ گئے تھے۔ اب ان مخلصین صحابہ کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جو محض سستی سے اس غزوہ سے رہ گئے گویا جھوٹے لوگوں کے بعد سچے لوگوں اور اُن کی سچی توبہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ گذشتہ پچھلی ایک آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کچھ صحابہ کرام کا معاملہ موقوف رکھا گیا کہ نہ تو اُن کی توبہ قبول کی گئی نہ رد کہ ارشاد ہوا تھا وَآخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمۡ وَاِمَّا یَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ جس سے وہ حضرات بے چینی سے اپنے فیصلہ کا انتظار دیکھ رہے ہیں۔ اور پچاس شب اُن پر بہت ہی دشوار گذرے۔ اب اس آیت کریمہ میں اُن کا فیصلہ فرما دیا گیا کہ اُن کی توبہ قبول ہے۔ گویا اس مذکورہ آیات میں ان صحابہ کو انتظار میں دکھایا گیا تھا۔ اب اُن کی انتظار کی گھڑیاں ختم فرمائی جا رہی ہیں۔ گویا انتظار کی ابتداء کے بعد انتظار کی انتہاء کا بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ ابھی پچھلی آیت کریمہ میں اُن خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہوا جو غزوہ تبوک میں حضور انور کے ساتھ رہے اب اُن مخلصین کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو صرف سستی کی وجہ سے نہ گئے اور فرمایا جا رہا ہے کہ توبہ قبول ہونے کے بعد یہ حضرات بھی اُن ساتھ جانے والوں بلکہ خود اس دولہا کے ساتھی براتی ہو گئے اور جو کرم کی نچھاور اُس دولہا پر ہوئی اس کی بکھیر ان کو بھی مل گئی۔ یہ انہیں کے ساتھی ہو گئے۔ غرضکہ کوئی آگے کوئی پیچھے ہیں۔ انہیں کے دم سے وابستہ رضی اللہ عنہم۔

شانِ نزول غزوۂ تبوک تمام غزوات سے بہت ہی اہم ہے کہ یہ سخت گرمی میں ہوا۔ دور کا سفر تھا مسلمانوں کے پاس سامانِ سفر کی بہت کمی تھی اس لیے دوسرے غزوات میں حضور انور غزوہ کی جگہ کی خبر صراحۃً نہیں دیتے تھے بلکہ جانا کسی طرف ہوتا اور حالات کسی اور طرف سے معلوم فرماتے۔ پھر اچانک حملہ سوچی ہوئی جانب کرتے تاکہ منافقین ان کفار کو جاسوسی کر کے مسلمانوں کے ارادہ سے آگاہ نہ کر سکیں۔ مگر غزوۂ تبوک وہ غزوہ ہے جس کی خبر حضور انور نے سب کو صراحۃً دے دی تھی۔ تاکہ مجاہدین اتنے دراز سفر کی تیاری کر لیں۔ اس موقعہ پر لوگوں کے چار گروہ ہو گئے تھے منافقین جو بہانہ بنا کر رہ گئے۔ (۲) مجاہدین جو حضور انور کے ساتھ گئے (۳) وہ مخلصین جو اولاً تو سستی کر گئے اور نہ گئے مگر بعد میں پچھتائے اور فوراً پیچھے سے روانہ ہو گئے اور حضور انور سے راہ میں یا تبوک میں مل گئے۔ (۴) وہ مخلصین جو سستی سے رہ گئے اور حضور انور سے مل بھی نہ سکے یعنی نہ ساتھ گئے نہ پیچھے پہنچے۔ منافقین قریباً پچاس تھے۔ مجاہدین ستر ہزار پہلی قسم کی سستی کر جانے والے قریباً دس حضرات تھے۔ دوسری قسم کی سستی کرنے والے کچھ لوگ وہ تھے جنہوں نے حضور کے واپس آتے ہی اپنے کو ستون سے باندھ دیا۔ توبہ قبول ہونے پر کھلے۔ جیسے ابو لبابہ اور تین حضرات وہ تھے جو ساتھ نہ گئے پیچھے سے بھی نہ ملے حضور انور کے واپس آنے پر اقرار جرم کر لیا اور اُن کا فیصلہ موقوف رکھا گیا۔ یہ تین صاحب تھے جن کا ذکر ان شاء اللہ ابھی تفسیر میں آئے گا۔ چنانچہ ایک صحابی کا باغ ایک لاکھ روپیہ کا تھا۔ پھل تیار تھے وہ غزوۂ تبوک اس کی وجہ سے نہ گئے۔ ایک دن بولے کہ اے باغ تو نے مجھے جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے روک دیا میں نے تجھے اللہ کی

راہ میں وقف کیا۔ اپنی ملکیت سے نکال دیا۔ یہ کہہ کر تنہا تبوک کی طرف روانہ ہو گئے اور حضور انور سے جا ملے۔ ایک صاحب اپنی بیوی بچوں کی محبت میں تبوک میں رہ گئے ایک دن ان سب سے بولے کہ تمہاری محبت میں حضور انور کے ساتھ نہ گیا اب میں اس کے عوض اکیلا یہ دراز سفر طے کروں گا یہ کہہ کر روانہ ہو گئے اور حضور انور سے جا ملے۔ ایک صاحب بہت غریب تھے وہ صرف آرام طلبی کی بنا پر رہ گئے ایک دن اپنے سے خطاب کیا کہ اسے نفس تیری ہی آرام طلبی میں میں حضور انور کے ساتھ نہیں گیا۔ اب اس کا کفارہ ادا کروں گا یہ کہا اور نکل کھڑے ہوئے۔ بہت مشقت سے راہ طے کیا اور حضور انور تک پہنچ گئے۔ ؎

اُلجھ کر رہ گیا میں وادیٔ طیبہ کے خاروں میں　　مجھے پہنچا دیا جوشِ جنوں نے ان کے قدموں تک

حضرت ابوذر غفاری بھی اکیلے ہی تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں اونٹ ہلاک ہو گیا۔ سامان سر پہ رکھا اور پیدل چل پڑے بزبانِ حال کہتے تھے۔ ؎

راہ تنہا دیک و بماندم سخت دیر　　سیر گشتم زیں سواری سر بسر

حضور انور نے دُور سے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ابوذر ہونے چاہئیں۔ چنانچہ آپ ان تک پہنچ گئے۔ (تفسیر روح البیان) بہرحال یہ تین حضرات یہ بھی نہ کر سکے۔ جب حضور انور مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی شریف میں بعد فوق افروز ہوئے لوگ حاضر ہوتے گئے۔ رہ جانے والے منافقین بہانہ بناتے گئے رخصت ہوتے گئے حضرت کعب کی باری آگئی۔ حاضر بارگاہ ہوئے حضور انور نے رہ جانے کی وجہ پوچھی۔ عرض کیا یا حبیب اللہ اگر میں کسی دنیاوی بادشاہ کے پاس حاضر ہوتا تو کوئی بہانہ بنا دیتا۔ یا رسولَ اللہ مجھے کوئی مجبوری نہ تھی۔ صرف سستی ہو گئی۔ فرمایا تم نے سچی بات کہی ہے تمہارا فیصلہ رب تعالیٰ ہی کرے گا۔ اور آپ کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا۔ اور آپ کے ساتھ دو اور صحابیوں کا یہی حال ہوا۔ حضرت مرارہ ابن لوی۔ بلال ابن امیہ چالیس روز ان صاحبوں کا بائیکاٹ رہا۔ چالیسویں دن حکم پہنچا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ رہو۔ دس دن تک یہ حکم رہا۔ پچاس دن گذرنے پر یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ اس کے نزول پہ اُن تینوں بزرگوں کا بائیکاٹ کھلا اور ان کی بڑی شان ہوئی۔ (تفسیر خازن۔ روح البیان۔ معانی۔ کبیر۔ بخاری مسلم وغیرہ عام کتب حدیث)

تفسیر وَعَلَى الثَّلٰثَةِ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے علی النبی پر اور لقد تاب کے متعلق ہے تاب کے معنی تھے توجہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیانِ تبوک مہاجرین و انصار پہ توجہ رحمت کی اور نوعیت تھی۔ اور ان تین بزرگوں پہ رحمت کی اور نوعیت ان تینوں کے لیئے رحمت ہے گناہ و قصور معاف ہو جانا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ایک اور تاب پوشیدہ ہے اور یہ نیا جملہ ہے۔ کیونکہ وہاں لَقَدْ تَابَ میں توبہ مجازی معنی میں تھا اور یہاں ان تینوں کے لیئے حقیقی معنی میں (تفسیر صاوی۔ روح المعانی) مگر جو ہم نے عرض کیا اس سے معنی ظاہر ہیں کہ لَقَدْ تَابَ میں توبہ عموم مجازی معنی میں ہے ان تین سے مراد حضرت مرارہ ابن ربیع عنبری۔ کعب بن مالک شاعر بلال ابن امیہ انصاری ہیں یہ بلال ذہبی

ہیں جنہوں نے اپنی بیوی سے لعان کیا۔ ان تینوں کے نام جمع ہیں لفظ مکہ میں کہ م سے مراد مرارہ۔ کاف سے کعب۔ ہ سے ہلال۔ اور ان تینوں کے والدوں کے ناموں کے آخری حرف جمع ہیں۔ عکہ میں کہ ربیع کا آخری حرف عین ہے۔ مالک کا آخری حرف کاف ہے اُمیہ کا آخری حرف ہ ہے (روح البیان) اَلَّذِیْنَ خُلِّفُوْا یہ عبارت الثلثہ کی صفت ہے خُلِّفُوْ بنا ہے۔ تخلیف سے جس کے معنیٰ ہیں پیچھے رکھنا ظاہر یہ ہے کہ پیچھے رکھنے سے مراد اُن کا فیصلہ موقوف رکھنا ہے کیونکہ اُن کے متعلق پہلے ارشاد ہو چکا وَآخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ پچاس دن کے بعد ان کا یہ فیصلہ کیا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے غزوۂ تبوک سے پیچھے رکھا جانا جو اُن کے نفس کی طرف سے ہوا۔ بعض کے نزدیک ابو لبابہ جیسی توبہ سے پیچھے رکھے گئے۔ یعنی انہیں ابو لبابہ کی سی توبہ کی نہ سوجھی جیسا کہ ابھی شان نزول میں عرض کیا گیا۔ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی پر ہے۔ حتی اذا ضاقت عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ۔ اس فرمان عالی میں فیصلہ موقوف رکھنے کی انتہاء کا ذکر ہے۔ لہذا حَتّٰی انتہا کا ہے اور اذا بمعنیٰ اِنْ ضَاقَتْ بنا ہے ضیق سے بمعنیٰ تنگی رَحُبَتْ بنا ہے رحبٌ سے بمعنیٰ وسعت وکشادگی یعنی اُن کا فیصلہ یہاں تک موقوف رکھا گیا کہ اُن پر زمین مدینہ یا ساری روئے زمین وسعت اور فراخی کے باوجود تنگ ہوگئی کہ انہیں چین نہیں ملتا۔ گھر۔ باہر۔ گلی کوچہ بازار وغیرہ جہاں بھی جائیں بے چین ہی رہتے ہیں۔ عربی میں بے چینی کو تنگیٔ زمین کہا کرتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ ؎

کَاَنَّ بِلَادَ اللّٰہِ وَهِیَ فَسِیْحَۃٌ عَلَی الْخَائِفِ الْمَطْلُوْبِ كِفَّۃُ حَابِلٌ

چنانچہ حضرت کعب جہاں بھی جاتے تھے۔ اُن سے کوئی کلام وسلام نہ کرتا تھا گھر میں بیوی بچے سارے قرابت دار ان سے بے رخ ہوگئے تھے بیوی صرف کھانا پیش کر دیتی تھیں بات نہ کرتی تھیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں زمین تنگ معلوم ہوگی۔ یہ تو بیرونی تنگی کا ذکر ہوا۔ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ۔ ان پر ان کے دل تنگ آگئے۔ یا اپنی جان سے تنگ آگئے۔ انہیں اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ کہ اُن کے دل میں خوشی کبھی نہیں آتی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کا حال یہ تھا کہ جماعت کے وقت مسجد میں آتے مسجد صحابہ سے بھری ہوتی۔ بلند آواز سے سلام کرتے۔ کوئی جواب نہ دیتا تھا یہ حضور انور کا منہ تکتے۔ دیکھتے کہ حضور انور کے ہونٹ بھی ہلے یا نہیں۔ پھر غور کرتے کہ حضور انور مجھے دیکھتے ہیں یا نہیں۔ اُدھر انداز محبوبانہ یہ تھا کہ جب ان کی نظر اور طرف ہوتی تو حضور کی نظر اُن پر ہوتی۔ مگر جب یہ حضور کی طرف دیکھتے تو حضور اپنی نظر اُن سے ہٹا لیتے۔ اس محبوبانہ انداز کے صدقے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ مجھے خطرہ یہ تھا کہ اگر اس بائیکاٹ کے زمانہ میں میری وفات ہوگئی تو کوئی میرا جنازہ نہیں پڑھے گا۔ اور اگر حضور انور کا وصال ہوگیا تو کبھی میرا بائیکاٹ نہیں کھلے گا۔ جو دروازہ حضور بند کر دیں وہ کسی کے ہاتھوں کیسے کھلے۔ یہ خیال اُن کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ وَظَنُّوْا اَنْ لَا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْهِ۔ یہ عبارت معطوف ہے وَضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ پر اور اس میں آپ کی تیسری حالت کا بیان ہے ظَنُّوْا بمعنیٰ عَلِمُوْا یا بمعنیٰ اَیْقَنُوْا ہے یعنی انہیں یقین ہوگیا۔ انہوں نے جان لیا کہ میں اللہ تعالےٰ کے عتاب میں آگیا اب سوا اس کے اور کوئی مجھے

اس عتاب سے نہیں نکالے گا. کیونکہ حضور انور نے فرما دیا تھا کہ میں تمہارا فیصلہ رب کے سپرد کرتا ہوں. تمہارا فیصلہ آسمان سے آوے گا. اس لیئے اِس زمانہ میں آپ بہت ہی توبہ و استغفار میں مشغول رہے. (روح البیان) اِس استغفار کو اپنی خلاصی کا ذریعہ جانا ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت گذشتہ مضمون پر معطوف ہے اور تَابَ کے معنی ہیں. توبہ قبول فرمانا۔ اور حضور انور کے ذریعہ قبولیتِ توبہ کا اعلان کرانا. چونکہ یہ قبولیت پچاس دن و رات کے بعد ہوئی. اس لیئے یہاں ثُمَّ ارشاد ہوا. یعنی پھر عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی تو اُن کی خلاصی کی. لِیَتُوْبُوْا اس کا تعلق ثُمَّ تَابَ سے ہے اور لِیَتُوْبُوْا کے معنی ہیں کہ اِس توبہ قبولیت کی قدر کریں اور توبہ پہ قائم رہیں۔ آئندہ کبھی جہاد وغیرہ میں سستی نہ کریں. عمر بھر گناہ کے قریب نہ جائیں. روح المعانی نے فرمایا کہ لِیَتُوْبُوْا کا فاعل تا قیامت مسلمان ہیں یعنی ہم نے عرصہ کے بعد اِن تینوں حضرات کی توبہ قبول کی اور اِس قبولیت کا اعلان قرآن مجید میں کیا. تاکہ سارے گنہگار اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور اخلاص سے توبہ کرتے رہیں. روح البیان نے فرمایا کہ حضرت کعب وغیرہم کی توبہ میں تین کام ہوئے نفسِ توبہ یعنی توجہ رحمت اس کا بیان لَقَدْ تَابَ سے ہوا. کیونکہ عَلَى الثَّلٰثَةِ کا تعلق اس سے ہے ۲ توبہ کی توفیق دینا اس کا بیان ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ میں ہوا ۳ توبہ کی قبولیت اس کا ذکر لِیَتُوْبُوْا میں ہوا. اِن تین توبہ کے تین معنیٰ ہیں. توبہ توفیقِ توبہ قبولِ توبہ اسلیئے اِن حضرات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار غازیانِ تبوک کے ساتھ ہوا کہ یہ تینوں توبہ کر کے انہیں کے زمرہ میں آ گئے۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا بھی ہے اور عام رحم فرمانے والا بھی اگر انسان دن میں سو گناہ کرے اور توبہ کرے تو جلد یا بہ دیر توبہ قبول فرما لیتا ہے. اور ساتھ میں انعام بھی دیتا ہے. دیکھو ان تینوں حضرات کی توبہ قبول بھی کی. ان کی عزت افزائی بھی کہ آج تک اُن کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر

اللہ تعالیٰ نے توجہ کرم ان تین صاحبوں (کعب ابن مالک۔ ہلال ابنِ اُمیہ مرارہ ابن ربیع) پر بھی فرمائی جن کا معاملہ موقوف رکھا گیا تھا کہ اے محبوب آپ نے انہیں ہمارے حوالہ فرما دیا تھا آپ کے موقوف فرما دینے سے ان پر تین سخت آزمائشیں آئیں ایک یہ کہ اُن پہ ساری وسیع لمبی چوڑی زمین ایسی تنگ ہو گئی کہ انہیں کہیں چین نہ ملتا تھا. ۲ وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے. انہیں آپ کی ناراضی سے اپنی زندگی بوجھ معلوم ہونے لگی ۳ آپ کے سپردِ خدا کر دینے سے انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہماری پناہ وہ ہی ہے جب اُن کا یہ حال ہو گیا تو رب تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اس کا اعلان کیا تاکہ انہیں اس توبہ کی قبولیت کی قدر ہو. اور آئندہ وہ توبہ پر قائم رہیں. گناہوں سے بچیں اس تاخیر میں بڑی حکمتیں ہیں اس سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑا ہی رحم و کرم والا ہے۔ یہاں دو روائتیں یاد رکھو ایک یہ کہ جب حضرت کعب کا بائیکاٹ شباب پہ تھا کہ ایک کسان جو باہر سے مدینہ منوّرہ سودا فروخت کرنے آیا تھا. وہ آپ کا پتہ پوچھتا پھرتا تھا. لوگوں نے آپ کا نشان بتایا. اس کسان نے بادشاہِ غسان کا ایک خط دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ ہم کو پتہ لگا ہے مدینہ والوں نے تم جیسے شخص کی قدر و منزلت نہ کی. تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا۔

تم ہمارے پاس آجاؤ۔ ہم آپ کی بڑی عزت کریں گے۔ آخر میں شاہِ غسان حارث ابن ابی شمر کے دستخط تھے اور خط ریشمی رُمال میں لپٹا ہوا تھا۔ یہ خط پڑھ کر حضرت کعب کی آنکھوں تلے اندھیرا آگیا۔ بولے الٰہی کیا میں تیرے حبیب سے دور کیا جارہا ہوں۔ یہ میرے ایمان کی کڑی آزمائش ہے وہ خط جلتے تنور میں جلا دیا یہ واقعہ پہلے چالیس دن کے اندر ہوا۔ روح البیان) پھر انہیں حکم پہنچا کہ اپنی بیوی سے بھی الگ رہو۔ انہیں ہاتھ نہ لگاؤ۔ دوسری روایت یہ کہ پچاس دن پورے ہوئے حضور انور اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جلوہ افروز تھے۔ آدھی رات کے وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت کعب وغیرہم کی توبہ قبول ہوئی۔ حضور انور نے بی بی ام سلمہ کو قبولیت کی خبر دی۔ آپ بولیں کیا میں اسی وقت کعب کو یہ بشارت بھیج دوں۔ فرمایا نہیں ابھی مدینہ میں شور مچ جائے گا۔ تمہارا سونا مشکل ہوجائے گا۔ بہر حال نمازِ فجر کے بعد حضور انور نے مسجد نبوی شریف میں قبولیتِ توبہ کی حاضرین کو خبر دی۔ حضرتِ کعب کا گھر دور تھا۔ وہ نماز کے لیئے یہاں نہ آئے تھے۔ اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھ کر مکان کی چھت پر تھے کہ حمزہ ابن عمرو سے اِس کی آواز سُنی جو پہلے پہاڑ سے پکار رہے تھے کہ کعب بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی۔ آپ سجدے میں گر گئے جب حمزہ حضرت کعب کے پاس پہنچے تو آپ نے خوشی میں اپنے کپڑے اتار کر حمزہ کو دے دیئے۔ ہلال ابن اُمیہ کو بشارت حضرت اسعد ابن سعد نے اور مرارہ ابن ربیع کو بشارت سلکان ابن سلامہ نے دی (روح البیان وغیرہ) حضرت کعب اور وہ دونوں حضرات دوڑتے ہوئے مسجدِ نبوی میں پہنچے صحابہ کا ہجوم تھا درمیان میں حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھے۔ صحابہ نے مبارکباد دی۔ آپ حضور انور کے رُوبرُو دو زانو بیٹھے۔ حضور انور نے فرمایا اے کعب تم کو اُس خوشی کی مبارک ہو جس کی مثل تمہاری پیدائش سے اب تک تم کو نہ ہوئی۔ حضرت کعب نے اس قبولیت کی خوشی میں اپنا وہ باغ جس کی وجہ سے آپ غزوۂ تبوک سے محروم رہے تھے خیرات کر دیا اور حضور انور سے وعدہ کیا کہ مجھے میرے سچ نے سرخرو کیا ہے۔ میں مرتے دم تک کبھی جھوٹ نہ بولوں گا (تفسیر کبیر خازن روح البیان۔ معانی بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث)

یہ ہے حضرت کعب ابن مالک کی توبہ کا واقعہ اِس آیت کی وجہ سے اس سورہ شریف کا نام سورۂ توبہ ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ حضرات صحابہ کرام مثل انبیاء کرام ہیں۔ کہ جیسے رب نے حضرت آدم۔ نوح۔ داؤد علیہم السلام کی خطاؤں کی معافی کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا ایسے ہی حضرات صحابہ کی معافی کا اعلان قرآنِ مجید میں ہوا۔ اُن کی یہ معاف شدہ خطائیں ہماری اُن عبادات سے افضل ہیں جن کی قبولیت کی کوئی خبر نہیں۔ یہ فائدہ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ یہ تین حضرات جن کی توبہ دیر میں قبول ہوئی اس مقبول توبہ کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیانِ تبوک کی جماعت میں پوری طور پر داخل ہیں فائدہ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ کے واؤ سے حاصل ہوا کہ ان بزرگوں کو عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ پر معطوف فرمایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے ساتھ اُسی کے حکم میں ہوتا ہے۔ واؤ جمع کے لیئے آتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ توبہ دعا کی طرح ہے بلکہ ایک قسم کی دُعا ہی ہے کہ کبھی جلد قبول ہوتی ہے کبھی دیر سے یہ فائدہ خُلِّفُوْا کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ آدم علیہ السلام کی

توبہ تین سو برس کے بعد قبول ہوئی۔ **چوتھا فائدہ** انبیاء کرام کی خطاؤں کی طرح حضراتِ صحابہ کی خطا میں اُن کے قصور رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جن میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں یہ فائدہ خُلِّفُوْا ماضی مجہول فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی یہ تین حضرات خود پیچھے نہ رہے بلکہ رب کی طرف سے پیچھے رکھے گئے تاکہ تا قیامت مسلمانوں کو اس واقعہ سے بہت سے دینی ایمانی مسائل معلوم ہوں۔ ہمارے گناہ شیطانی ہیں۔ اُن کی خطائیں ربانی۔ آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کی بہاریں آج بھی دیکھی جا رہی ہیں۔ **پانچواں فائدہ** حضور انور نے حضرات صحابہ میں وہ تنظیم و اتحاد پیدا فرما دیا تھا جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی۔ دیکھو ایک فرمان عالی سے کہ کعب کا بائیکاٹ کرو ان کی بیوی بچے۔ بھائی، برادر بلکہ سارا جہان غیر ہو گیا۔ ؎

مولیٰ تیری رُوٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئے
دُر دُر کریں سہیلیاں ہیں ٹر ٹر دیکھوں توئے

آج تنظیم اتحاد۔ یقین محکم کے صرف الفاظ رہ گئے ہیں جو ہماری زبانوں پہ جاری ہیں اصلیت نہ رہی۔ **چھٹا فائدہ**۔ مسلمان کے تمام جسمانی رشتے حضور انور کے دم سے وابستہ ہیں جو حضور کا غیر ہو گیا وہ اپنے ماں باپ قرابت داروں سے غیر ہو گیا۔ یہ فائدہ حضرت کعب کے بائیکاٹ سے حاصل ہوا کہ حضور کی نگاہِ کرم پھرنے پر حضرت کعب کا کوئی عزیز عزیز نہ رہا۔ **ساتواں فائدہ**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے احکامِ شرعیہ کا مالک بنایا ہے اور حلال و حرام حضور کے اختیار میں دیئے ہیں۔ دیکھو مسلمان کے سلام کا جواب دینا بحکمِ قرآن فرض ہے مگر حضرتِ کعب وغیرہ تین صاحبوں کا سلام کا جواب دینا بائیکاٹ کے زمانہ میں ممنوع فرما دیا گیا۔ رب فرماتا ہے يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وہ نبی تم پر اچھی چیزیں حلال کرتے ہیں بُری چیزیں حرام۔ **آٹھواں فائدہ** اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو مسلمانوں کے جان و مال و ایمان کا مالک بنایا۔ ہم سب حضور کے بندہ بے دام ہیں۔ حضور ہمارے مالک۔ دیکھو مولیٰ اپنے غلام کی بیوی اُس پر حرام نہیں کر سکتا مگر حضور انور نے بائیکاٹ کے کچھ دنوں میں ان تینوں حضرات کی بیویاں اُن پر حرام فرما دیں کہ بیوی نکاح میں رہی مگر حرام ہو گئی۔ یہ ہے سلطنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ **نواں فائدہ**۔ خطاکار بندوں کی اصلاح کے لیئے ان کا بائیکاٹ کرنا سنت ہے۔ دیکھو ان تین حضرات کا پچاس دن مکمل بائیکاٹ رہا۔ رب فرماتا ہے وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ اپنی نافرمان بیوی کو اُن کے بستروں میں چھوڑ دو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتیس دن اپنی ازواج پاک سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ رب تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے تین سو سال کلام و سلام نہیں فرمایا۔ بائیکاٹ اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ **دسواں فائدہ** اپنی جان سے بیزار ہونا۔ اپنی زندگی گراں معلوم ہونا اگر دینی وجہ سے ہو تو اعلیٰ درجہ کا ایمان ہے۔ دنیاوی وجہ سے ہو تو بے کار ہے یہ فائدہ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ سے حاصل ہوا۔ ہم نے ایک خواب کے بعد عرض کیا۔ ؎

وہ دکھا کے شکل چلے گئے مرے دل کا چین بھی لے گئے
مری روح ساتھ نہ کیوں گئی مجھے اب تو زندگی بار ہے

گیارہواں فائدہ۔ جس مومن پر اللہ کی نعمتوں کی بھرمار ہو وہ رب کا شکر بے شمار کرے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اور جس کو غم و افکار گھیر لیں وہ توبہ و استغفار بار بار کرتا رہے۔ کہ اس سے غم دفع ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ لِيَتُوْبُوْا کی ایک تفسیر سے

حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض رب کا وعدہ ہے اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ تم مجھ سے دعائیں کرو۔ میں قبول کروں گا۔ حضرت کعب کی توبہ و دعا اتنے روز تک قبول کیوں نہ ہوئی۔ **جواب**۔ اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہماری کتاب درس القرآن میں دیکھو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس میں قبولیت دعا کا وعدہ ہے جلد قبول فرما لینے کا وعدہ نہیں۔ بعض لوگوں کی قبولیتِ دعا کا ظہور بعدِ موت بعض کو قیامت میں ہوگا۔ نیز استجابت کے معنٰی جواب دینا بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی تم مجھے پکارو یارَبِّ میں تم کو جواب دوں گا۔ یا عَبۡدِیۡ ان کی دعا قبول ہوئی مگر پچاس دن کے وقفہ سے اس دیر میں رب کی حکمت ہے۔ **دوسرا اعتراض** وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیۡنَ (الخ) معطوف ہے عَلَی النَّبِیِّ پر اور لَقَدۡ تَّابَ کے متعلق ہے۔ اس کے معنٰی یہاں یہ ہیں کہ ان تین حضرات کے گناہ معاف کئے تو چاہئیے کہ وہاں بھی معنٰی یہ ہوں۔ کہ اللہ نے نبی اور مہاجرین و انصار کے گناہ معاف کئے۔ ایک لفظ تَابَ کے دو معنٰی کیسے ہو سکتے ہیں کہیں توجہِ رحمت اور کہیں معافیِ گناہ۔ **جواب** تفسیر روح المعانی نے تو وَعَلَی الثَّلٰثَةِ سے پہلے ایک تَابَ پوشیدہ مانا ہے۔ اور تفسیر صاوی نے فرمایا کہ حقیقت و مجاز یونہی مشترک کا دو معنٰی میں استعمال بالکل جائز ہے۔ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا پہلی آیت میں لَقَدۡ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ میں توبہ مجازی میں ہے اور یہاں عَلَی الثَّلٰثَةِ (الخ) میں توبہ حقیقی معنٰی میں ہے۔ وہاں توجہِ رحمت مراد تھی۔ یہاں گناہ کی معافی مراد ہے۔ مگر فقیر کے نزدیک قوی وہ ہی بات ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ یہاں توبہ کے مجازی معنٰی مراد ہیں یعنی توجہِ رحمت مگر پھر توجہِ رحمت کی تین نوعیتیں ہیں۔ حضور کے لیئے قربِ الٰہی بڑھا۔ غازیانِ تبوک کے ترقیِ درجات اور ان تین صاحبوں کے لیئے معافیِ گناہ گویا عمومِ مجاز ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیتِ کریمہ میں ان تین حضرات کے لیئے توبہ تین جگہ ارشاد ہوئی۔ ایک لَقَدۡ تَّابَ اللّٰہُ میں دوسری ثُمَّ تَابَ عَلَیۡھِمۡ تیسری لِیَتُوۡبُوۡا (الخ) اس تکرار کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کی نہایت نفیس وجہ بلکہ چند وجہیں ابھی تفسیر میں عرض ہوئیں کہ مومن بندے کے لیئے توبہ کے تین درجے ہوتے ہیں۔ توبہ کی توفیق ملنا۔ توبہ قبول ہونا۔ توبہ پر قائم رہنا۔ لَقَدۡ تَّابَ میں توفیقِ توبہ مراد ہے اور ثُمَّ تَابَ میں توبہ قبول فرمانا۔ اور لِیَتُوۡبُوۡا میں توبہ پر قائم رہنا۔ اس کے اور بہت جواب دئے گئے ہیں۔ مگر یہ جواب قوی اور مختصر ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مصیبت میں خدا تعالیٰ ہی کی پناہ لینی چاہئیے لَا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّاۤ اِلَیۡہِ۔ لہٰذا مصیبتوں میں تمہارا ولیوں نبیوں کی پناہ لینا بڑا شرک ہے (وہابی) اس اعتراض کے چند جواب ہیں کچھ الزامی اور کچھ تحقیقی ۱؎ فرعونیوں پر جب رب کی طرف سے قحط طوفان۔ ٹڈی۔ مینڈک۔ جوں۔ خون کے عذاب آتے تھے۔ تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی پناہ لیتے تھے یا موسیٰ اُدۡعُ لَنَا رَبَّکَ اور کہتے تھے لَئِنۡ کَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَکَ (الخ) وہاں موسیٰ علیہ السلام نے یا رب تعالیٰ نے اس سے فرعونیوں کو منع کیوں نہ فرمایا ۲؎ تم لوگ رب کی بھیجی بیماریوں۔ ناداریوں۔ آزاریوں میں۔ حکیموں حاکموں۔ امیروں کی پناہ کیوں لیتے ہو۔ ۳؎ اس موقعہ پر حضور انور نے ان تینوں کا مقدمہ رب تعالیٰ کے سپرد فرما دیا اس لیئے اب وہ کہاں پناہ لیتے۔ حضور کا یہ فرمان سن کر انہیں یقین ہوگیا۔ کہ لَا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّاۤ اِلَیۡہِ ۴؎ جیسے مصیبتیں رب تعالیٰ کی

طرف سے ہیں۔ایسے ہی ان بندوں کی پناہ ہیں۔رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ان کی پناہ رب کی پناہ ہے۔حضور انور تو سارے جہان پر سایہ فگن ہیں۔سب کی پناہ ہیں۔شعر۔

عاصیاں دربستہ دامانِ تو — اے پناہِ ما غریباں السلام

اے زہے قسمت کہ تو برما حریص — جانِ عالم بر تو قربان السلام

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ بلکہ خود حضور انور نے فرمایا اَنَا فِئَةُ الْمُسْلِمِيْنَ۔میں مسلمانوں کی پناہ ہوں۔

تفسیرِ صوفیانہ

خدا رسی کے لئے بہترین ذریعہ دو چیزیں ہیں۔دردِ دل۔بیقراریِ دل۔شعر۔

لوگ جو چاہیں خدا سے مانگ لیں — میں نہ کچھ مانگوں سوائے دردِ دل

کوچۂ محبوب میں کشکول ہو — اور لب پہ ہو صدائے دردِ دل

یہ دو نعمتیں مختلف ذریعوں سے ملتی ہیں حضرت کعب اور اُن کے دونوں ساتھیوں کو اولاً غزوۂ تبوک سے روکا گیا پھر محبوب سے اُن کا بائیکاٹ کرایا گیا پھر انہیں تڑپایا گیا۔انہیں تمام مومنین سے اجنبی بنایا گیا۔انہیں مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں بے قرار پھرایا گیا۔اس آیت میں خُلِّفُوۡا۔ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ یوں ہی ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ یوں ہی ظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ قابلِ غور ہیں۔یہ سب بے قراریِ دل۔تڑپ اور سوز کا سامان تھا۔اس کا مزہ کسی دل والے سے پوچھو۔شعر۔

اب لذّتِ زخمِ جگری پوچھتے کیا ہو — جب تم ہی نمک پاش ہو پھر کیوں نہ مزا ہو۔

غرضکہ ان تینوں حضرات کے دلوں کا زخم پھر اس زخم پر نمک پاشی۔اُن کا تڑپنا۔سب رب کی طرف سے تھا۔جب یہ چیزیں حد کو پہنچ گئیں تب دریائے رحمت جوش میں آیا۔کہ فرمایا ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ ان کا اتنا درجہ بڑھایا کہ اپنے محبوب سے سفارش کی کہ انہیں بلاؤ۔سینہ سے لگاؤ۔تو اُن کی بے چینی حد سے گذر گئی۔یہ آیت ان تینوں حضرات کی انتہائی مدح سرائی فرما رہی ہے۔صوفیاء کے نزدیک ایسے گناہ بھی عشاق کی معراج ہوتے ہیں۔اس کے ذریعہ قربِ الٰہی بہت ہی بڑھ جاتا ہے۔جب تک بچہ کھلونوں سے کھیلتا رہے ماں بے پرواہ رہتی ہے مگر جب اُن سے بے تعلق ہو کر روتا اور رو رو کر ماں سے فریاد کرتا ہے کہ اب میرا تیرے سوا کوئی نہیں تو ماں سینے سے لگا لیتی ہے جب تک بندہ اسباب میں لگا رہتا ہے رب تعالےٰ اظہارِ بے نیازی فرماتا ہے مگر جب اُس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ کہ مولیٰ میرا تیرے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں تب ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ کی جلوہ گری ہوتی ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں حضور ہم کو جہاں رکھیں وہ ہی جگہ مدینہ ہے۔ان تین حضرات کے لئے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر تبوک مدینہ بنا دیا گیا تھا۔اب انہیں مدینہ منورہ میں رہنا ممنوع ہو گیا۔جہاں مدینہ والے کا حکم وہاں مدینہ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۱۹﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچ والوں کے

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں جھوٹے منافقوں پہ عتاب اور سچے صحابہ کی قبولیتِ توبہ کا ذکر ہوا۔ اب اس کے نتیجہ میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم سچے صحابہ کے ساتھ رہو۔ اُن کی طرح ہمیشہ سچ بولو۔ جھوٹے منافقوں سے بچو۔ گویا یہ حکم گذشتہ آیات کا نتیجہ ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ ابھی پچھلی مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے وہ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ اب انہیں صحابہ سے ارشاد ہے کہ تم نے دیکھ لیا کہ نبی کا ساتھ نہ دینے سے آن کے ساتھ غزوات میں نہ جانے سے کیسی مصیبت بن جاتی ہے آئندہ خیال رکھنا کہ اچھوں کے ساتھ رہنا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غازی صحابہ کے ساتھ جہادوں میں رہنا۔ **تیسرا تعلق** ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ توّاب بھی ہے رحیم بھی۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تم اس کی توّابیت اور رحمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اچھوں کا ساتھ اختیار کرو۔ کہ اس کے ذریعہ اللہ کی رحمت اُس کی طرف سے قبولیت توبہ ملتی ہے گویا کریم کے دینے کا ذکر پہلے ہوا فقیروں کے لینے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

تفسیر يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ چونکہ تقویٰ اور اچھوں کا سنگ بہت مشکل بھی ہے اور اہم بھی کہ اس پر ایمان کا بھی دارومدار ہے اس لیے کہ اس حکم سے پہلے پیاری ندائے مبارک کے خطاب سے مسلمانوں کو پکارا گیا تاکہ اس ندا کی برکت سے یہ مشکل کام آسان ہو جائے۔ نیز تقویٰ اور سچوں کا ساتھ مومنوں کے لیئے فائدہ مند ہے۔ کفار کے لیئے نہیں اس لیئے پہلے ایمان کا ذکر ہوا بعد میں تقویٰ وغیرہ کا۔ آمَنُوا سے مراد یا تو وہ ہی تین صحابہ ہیں جن کی توبہ بمشکل قبول ہوئی یا وہ یہود مخاطب ہیں جو ایمان لا چکے تھے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور اُن کے ساتھی یا ابو لبابہ اور ان کے ساتھی۔ جنہوں نے اس موقعہ پر اپنے کو ستونوں سے بندھوا دیا تھا یا تا قیامت سارے مومنین (روح المعانی) آخری احتمال قوی ہے کہ یہ دونوں حکم سارے مسلمانوں کے لیئے ہیں۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ تقویٰ کے معانی سے اقسام۔ احکام۔ درجات ہم تفصیل سے پہلے پارہ میں هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اگر روئے سخن غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں سے ہے تو تقویٰ سے مراد ہے آئندہ جہادوں سے پیچھے نہ رہنا اس سے بچنا ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرو کہ ہمیشہ جہاد میں حضور انور کے ساتھ جایا کرو۔ اُن کا حکم دل و جان سے مانا کرو۔ اور اگر خطاب مومنین اہل کتاب یا سارے جہان کے مسلمانوں سے ہے۔ تو یہ فرمان عالی احکام کا دریا ناپیدا کنار ہے جس کا خلاصہ اسلام کے احکام پر عمل کرنا اس کی ممنوعہ چیزوں سے بچنا ساری شریعت اس کی تفسیر ہے۔ پھر جیسا مومن ویسا اس کا تقویٰ۔ ہم جیسے گنہگاروں کا تقویٰ اور ہے۔ نیک کاروں کا تقویٰ کچھ اور ادلیا اللہ پرہیزگاروں کا تقویٰ کچھ اور

یہ فرمان عالی ہر قسم کے تقویٰ کو شامل ہے۔ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ پر اور مسلمانوں کو دوسرا حکم ہے اگر یہاں خطاب غزوۂ تبوک سے رہ جانے والوں سے ہے تو معیت یعنی ہمراہی سے مراد ہے جہادوں میں ساتھ رہنا اور صادقین سے مراد حضور کے مخلصین صحابہ ان کے مقابل میں منافقین یعنی غزوات میں مخلصین منافقین کے ساتھ نہ رہا کرو۔ مسلمانوں کے ساتھ رہا کرو اور اگر خطاب سارے مسلمانوں سے ہے تو صادقین سے مراد حضرات صحابہ کرام اور تا قیامت علماء دین اور اولیاء کاملین ہیں۔ جو دل کے زبان کے اعمال کے نیت کے ارادہ کے سچے ہیں معیت اور ہمراہی سے مراد ہے عقائد و اعمال میں ساتھ رہنا۔ یعنی اُن کے سے عقیدے اختیار کرنا۔ اُن کے سے اعمال کرنے کی کوشش کرنا کہ اس سے دلی ہمراہی نصیب ہوتی ہے جو کبھی ٹوٹتی نہیں۔ دنیا۔ برزخ۔ آخرت میں کام آتی ہے۔ معیت اور ہمراہی کے معانی۔ اس کے اقسام۔ احکام ہم دوسرے پارہ میں اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ کی تفسیر میں ہی عرض کر چکے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ہم اُن میں سے آخری تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو قوی تر ہے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے صرف ایمان پر کفایت نہ کرو۔ بلکہ اعمال کی بھی کوشش کرو۔ درخت کا پھل وہ کھاتا ہے جو جڑ اور شاخوں دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اعمال شرعیہ بہت قسم کے ہیں۔ اور ہر قسم کے اعمال بہت۔ ان سب کو ایک لفظ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ اختیار کرو۔ پھر متقی بن کر اللہ والوں سے بے نیاز نہ ہو جاؤ۔ اچھوں کا سنگ اختیار کرو۔ کہ اُن سے محبت رکھو۔ ان کے سے عقیدے ان کے سے اعمال کرو کہ وہ حضرات حقانیت کی دلیل ہیں۔ راستہ دراز ہے سفر لمبا ہے راہ میں ڈکیتی بہت ہوتی ہے اچھوں سچوں کے ساتھ رہو گے تو تمہارے اعمال بخیریت تمہارے گھر پہنچیں گے۔ شعر۔

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم — اُلٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

نیز سچوں کے ساتھ رہنے میں زیادہ تحقیق نہ ہوگی۔ پردہ پوشی ہوگی۔ ؎

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو — کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے

لطیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد جب مسئلہ خلافت طے ہونے لگا تو انصار نے کہا کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک خلیفہ تم میں سے ہو۔ یعنی مہاجر۔ سیدنا ابو بکر صدیق نے فرمایا کہ رب العالمین نے مہاجرین کو صادقین فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ تا اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ کس کو کہا گیا۔ انصار بولے مہاجرین کو تب آپ نے فرمایا کہ رب نے فرمایا وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ تو تم ہمارے ساتھ رہو۔ نہ یہ کہ ہم تمہارے ساتھ رہیں لہذا ہم امیر ہوئے اور تم وزیر اس پر مسئلۂ خلافت طے ہو گیا۔ اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوئے۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر خازن)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ۔ نیک اعمال اور سچوں کا ساتھ صرف مومنوں کو فائدہ مند ہے کافروں کو نہیں۔ یہ فائدہ مذکورہ ترتیب سے حاصل ہوا کہ ایمان کا ذکر پہلے ہوا

کہ ایمان کا ذکر پہلے ہوا اور تقویٰ وغیرہ کا بعد میں۔ دیکھو کنعان اور قابیل دونوں نبی زادے تھے نبی کے گھر میں رہتے تھے مگر تھے کافر تو عذاب کے مستحق ہوئے۔ بعض کفار صدقات خیرات اور بہت سی نیکیاں کرتے ہیں مگر ان کی بخشش نہیں دوسرا فائدہ مسلمان کو چاہیے کہ صرف ایمان پر کفایت نہ کرے نیک اعمال بھی کرے۔ یہ فائدہ آمَنُوۡا کے بعد اتَّقُوا اللّٰہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** بڑے سے بڑا مومن متقی نہ بروں کے ساتھ رہے نہ اکیلا بلکہ سچوں نیکوں کے ساتھ رہے یہ فائدہ اتقوا اللّٰہ کے بعد کونوا مع الصادقین فرمانے سے حاصل ہوا لکڑی کے سہارے لوہا تیر جاتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** دنیا میں سچے لوگ یعنی علماء دین اور اولیاء اللّٰہ ان شاء اللّٰہ قیامت تک رہیں گے۔ زمانہ ان سے خالی نہ ہوگا۔ یہ فائدہ کونُوۡا مع الصادقین سے حاصل ہوا کہ سچے کے ساتھ رہنے کا حکم تا قیامت سارے مسلمانوں کو ہے۔ اگر کبھی سچے رہیں ہی نہیں تو کس کے ساتھ رہا جاوے اور اس پر عمل کیسے ہو (تفسیر کبیر) **پانچواں فائدہ**۔ مومنین کا اجماع دلیل شرعی ہے یعنی جس مسئلہ پر اُمت رسول اللّٰہ۔ صالحین۔ مجتہدین کا اتفاق ہو جاوے وہ حق ہے۔ اس کا انکار کفر یا ضلالت یہ فائدہ بھی کونُوۡا مع الصادقین سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی خلافتیں برحق ہیں۔ ان کا انکار کفر ہے کیونکہ ان دونوں خلافتوں پر سارے مومنوں کا اجماع و اتفاق ہو گیا۔ (از تفسیر مدارک وکبیر) **چھٹا فائدہ**۔ ہمیشہ اُس فرقہ میں رہو جس میں اولیاء اللّٰہ ہوں کہ یہ حضرات قول۔ عمل نیت کے سچے ہیں جو فرقہ اولیاء اللّٰہ سے خالی ہو وہ حق نہیں اور آج اسلامی فرقوں میں سوا مذہب اہل سنت کے کسی میں اولیاء نہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی کا فیض اسی فرقہ میں آ رہا ہے اُسی شاخ میں پھل پھول لگتے ہیں جن کا تعلق جڑ سے ہو۔ **مسئلہ** نبوت منسوخ ہوجانے پر ولایت اُس جماعت سے اُٹھالی جاتی ہے دیکھو دینِ موسوی۔ عیسوی میں بڑے بڑے اولیاء اللّٰہ ہوئے مگر جب سے ان کے دین منسوخ ہوئے ان میں کوئی ولی نہیں۔

مسئلہ ہمارے نبی کا دین اور آپ کی نبوت کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں اولیاء اللّٰہ تا قیامت رہیں گے۔

ساتواں فائدہ۔ اماموں کی تقلید برحق ہے اور چاروں امام سچے ہیں۔ کیونکہ ان ہی کے مقلدین میں اولیاء اللّٰہ تھے اور ہیں اور رہیں گے غیر مقلدوں میں کوئی ولی نہیں۔ لہٰذا وہ برحق نہیں۔ سیدھا راستہ وہ ہی ہے جس میں اولیاء اللّٰہ ہوں۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ۔ **آٹھواں فائدہ** صدق یعنی سچائی بہترین عبادت بلکہ تقوے کی جڑ ہے یہ فائدہ کونوا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ۔ سے حاصل ہوا۔ **روایت**۔ ایک شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ بولا مجھے زنا۔ چوری۔ شراب۔ جھوٹ کی عادت ہے میں ایمان لانا چاہتا ہوں۔ مگر یکدم یہ چاروں عیب نہیں چھوڑ سکتا۔ حضور مجھے ایک عیب سے منع فرما دیں تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ فرمایا جھوٹ چھوڑ دے۔ وہ بولا بہت اچھا۔ مسلمان ہوا۔ جب دربارِ عالی سے گیا چوری کا ارادہ کیا خیال آیا کہ اگر پکڑا گیا تو میں جھوٹ تو بولوں گا نہیں اقرار کروں گا۔ اور میرا ہاتھ کٹے گا۔ یہ ہی خیال ہر عیب کرتے وقت آیا۔ سب سے توبہ کر لی۔ بارگاہِ عالی میں حاضر ہوا۔ بولا میری جان فدا آپ جیسے معلم پر کہ حضور نے مجھے جھوٹ سے روک کر سارے عیبوں سے بچا لیا۔ (تفسیر کبیر) سچ میں چند بے مثال خوبیاں ہیں ایک تو یہ ہی کہ یہ تمام

نیکیوں کی جڑ ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی عبادت ایمان نہیں اور کسی عبادت کا چھوڑنا کفر نہیں سولہ سچ کے۔ ایمان چند سچے عقیدوں کا نام ہے۔ کفر چند جھوٹے عقیدوں کا نام۔ تیسرے یہ کہ ابلیس نے بھی رب کی بارگاہ میں جھوٹ نہ بولا۔ جو اس نے کرنا تھا وہ ہی کہا لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ چوتھے یہ کہ سب سے پہلا جھوٹ بندوں کے سامنے ابلیس نے بولا کہ وہ تقیہ کر کے بولا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ میں تم دونوں کا بڑا ہی خیر خواہ ہوں یعنی حضرت آدم و حوا کا (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض جو شخص مومن بھی ہو متقی بھی وہ خود ہی عقیدے اور اعمال کا سچا ہو گیا۔ پھر اُسے سچوں کے ساتھ رہنے کی کیا ضرورت ہے تو ایمان و تقویٰ کے بعد سچوں کے ساتھ رہنے کا کیوں حکم دیا گیا۔ **جواب** سچا رہنے کے لئے سچوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ سچا ہونا آسان ہے سچا رہنا مشکل سچوں کی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ریوڑ پر بھیڑیا حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ **دوسرا اعتراض**۔ تو چاہیے کہ کوئی مسلمان نہ تو کافروں فاسقوں کے محلہ میں رہے نہ کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں جھوٹے کافروں فاسقوں کی موجودگی ہو۔ پھر زندگی کیوں کر گزارے۔ **جواب** یہاں معیت اور ہمراہی میں صرف جسمانی مکانی ہمراہی مراد نہیں بلکہ جنانی۔ ارکانی یعنی عقائد اور اعمال میں اُن کی ہمراہی مراد ہے کہ ان کے سے عقیدے اعمال اختیار کرے اُن سے محبت رکھے

گر بامنی در رمینی پیش منی   گر بے منی و پیش منی در رمینی

مکہ معظمہ کا ابوجہل حضور انور کے ساتھ نہ ہوا۔ یمن کے اویس قرنی حضور کے ساتھ ہوئے۔ اگر اس کے ساتھ مکانی ہمراہی بھی نصیب ہو جائے تو زہے قسمت پھر مکانی ہمراہی میں خلوت کی ہمراہی سونے پر سہاگہ ہے حضرت ابوبکر صدیق غار کے یار ہیں۔ تو بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں۔ **تیسرا اعتراض** بہت کافر بہت سچے ہوتے ہیں کیا ہم اُن کے ساتھ ہی رہیں۔ آج یورپ کے عیسائی تجارت کے بڑے سچے ہیں۔ **جواب** کوئی کافر کبھی سچا ہو سکتا ہی نہیں۔ اگر سچا ہو گا تو کافر نہیں رہے گا۔ اس کا عقیدہ کہ معبود چند ہیں۔ یا رب تعالیٰ کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ یہ جھوٹ ہے سچائی ہیں۔ عقیدے کی سچائی پہلے ہے پھر زبان کی سچائی پھر اعمال کی سچائی۔ **چوتھا اعتراض**۔ تم نے کہا کہ ولیوں کے دین میں رہو۔ یعنی کسی دین میں اولیاء اللہ کا ہونا اس دین کی حقانیت کی دلیل ہے تو ہر فرقہ والا اپنے دینی پیشواؤں کو ولی سمجھتا ہے مرزائی کہتے ہیں کہ ہمارے دین کا ولی مرزا بشیر محمود ہے۔ وغیرہ لہٰذا ہمارا دین ولیوں کا دین ہے یہ کسوٹی تو غلط ہوئی۔ **جواب** اس کا فیصلہ قرآن مجید نے کر دیا ہے کہ ولی کون ہے اُس کی پہچان کیا ہے فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ یعنی اولیاء وہ ہیں جو مومن ہوں متقی ہوں اور انہیں ولایت کی بشارتیں ملیں کہ مخلوق انہیں ولی کہے یعنی ہر ایک کے منہ سے قدرتی طور پر نکلے کہ وہ ولی ہے۔ دیکھو خواجہ صاحب۔ داتا صاحب کی شان مرزا بشیر وغیرہ کو یہ کہاں نصیب۔ انھیں تو دنیا بے دین بے ایمان کہہ رہی ہے حضور فرماتے ہیں اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِی الْاَرْضِ۔ **پانچواں اعتراض** سب سے بڑے سچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بس انہی کے ساتھ رہو محمدی بنو۔ حنفی شافعی وغیرہ نہ بنو۔ سچے کا ساتھ نہ چھوڑو۔ (غیر مقلد) **جواب** جیسے سارے انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں مگر اس کے باوجود مختلف قوموں ملکوں میں بٹے ہوئے ہیں اس تقسیم سے دنیا کا نظام

قائم ہے آپ کا پتہ صرف اولادِ آدم ہونا نہیں بلکہ کچھ اور قیود ہیں اس طرح ہر کلمہ گو اپنے کو محمدی کہتا ہے اب صرف محمدی کہنے سے پتہ نہیں لگ سکتا کہ مرزائی ہے کہ چکڑالوی شیعہ ہے یا خارجی وغیرہ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارا دینی پتہ ضرور ہو۔ وہ ہے حنفی شافعی ہونا جیسے شیخ پٹھان ہونا آدمی کے خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے جسمانی امتیاز۔ قوم۔ ملک۔ وطن سے ہوتا ہے روحانی امتیاز شریعت و طریقت کے سلسلوں سے ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا - مخالفین بھی اپنے کو اہل حدیث کہہ کر دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں پھر اہل حدیث بھی اپنے کو روپڑی اور ثنائی کہہ کر آپس میں ایک دوسرے سے چھٹتے ہیں۔ خیال رہے کہ جب انسان تھوڑے تھے تو ان میں نہ قومیں تھیں نہ مختلف وطن۔ ہابیل شیث وغیرہم ایک ہی قوم تھے ہم وطن تھے جب انسان زیادہ ہوئے تو قوموں وطنوں کی ضرورت ہوئی یونہی جب مسلمان تھوڑے تھے یعنی حضور کے زمانہ میں تو انھیں کسی سلسلہ کی ضرورت نہیں تھی۔ جب مسلمان بہت ہو گئے تو فرق کے لئے سلسلے قائم ہو گئے۔

تفسیر صوفیانہ

ایمان و تقویٰ کے لئے اچھوں کا ساتھ ایسا ہے جیسے تخم کے لئے پانی اور کھاد جیسے بغیر پانی و کھاد کے تخم فنا ہو جاتا ہے ایسے ہی بغیر اچھوں سچوں کی صحبت کے ایمان و تقویٰ برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ دلی زمین ہے۔ ایمان و خوفِ خدا و عشقِ رسول اس میں بویا ہوا تخم اس لئے رب العلمین نے ایمان تقوے کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ جھوٹے اور برے لوگ اس دولت کے چور ہیں جن کے ساتھ رہنے سے اس دولت کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ صرف زبان یا دل یا اعمال کے سچے ہوتے ہیں وہ صادقین ہیں۔ بعض لوگ دل زبان اعمال ارادے وغیرہ سب کے سچے وہ صدیق ہیں بعض وہ کہ جیسا واقعہ ہو ویسا بیان کریں۔ وہ صادق ہیں۔ بعض وہ کہ جیسا اُن کی زبان سے نکل جائے ویسا واقعہ ہو جائے وہ صدیق ہے

فقط اشارہ سے سب کی نجات ہو کے رہی ‏ ‏ ‏ ‏ تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا ‏ ‏ ‏ ‏ جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

صادقین کی ہمراہی صادق بنا دیتی ہے صدیقین کی ہمراہی صادق گر بنا دیتی ہے حضرات صحابہ مومن گر ہیں ہم لوگوں کے اعمال گویا صفر ہیں اور سچوں کی صحبت گویا عدد اگر عدد کے ساتھ صفر ملے تو ایک صفر دس گنا کر دیگا۔ دوسرا سو۔ تیسرا ہزار۔ چوتھا دس ہزار اگر عدد نہ ہو تو سارے صفر بیکار شیطان کے سارے اعمال برباد ہوئے۔ کیونکہ اُسے اچھوں کا ساتھ میسر نہ ہوا۔ پھر ساتھ ہونے میں دلی عقیدت کو بڑا دخل ہے۔ عقیدت کے ساتھ ہمراہی یہ رنگ دکھاتی ہے بغیر عقیدت یہ ہمراہی بیکار ہے عداوت کے ساتھ ہمراہی باعث عذاب نار اور قہر قہار ہے۔ قرین شیطان مقبولوں کے ساتھ رہتا ہے مگر شیطان بن کر صوفیا فرماتے ہیں کہ ساری عبادات کا فائدہ صرف عابد انسانوں کو ہوتا ہے مگر اچھوں سچوں کی صحبت کا فائدہ جانوروں بلکہ درختوں پتھروں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ تل پھول کی صحبت میں پھولوں کی طرح مہک جاتے ہیں حتیٰ کہ

ان کا تیل بھی خوشبودار ہوتا ہے۔ شعر

بگفتا من گِلِ ناچیز بودم ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضور انور کے ہاتھ و منہ سے لگا ہوا رومال آگ میں نہیں جلتا تھا آپ کے ہاتھ پاؤں کا غسالہ بیماریوں سے شفا تھی صفا مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ کے قدم پاکر تا قیامت افضل ہوگئے۔ ہم بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی صحبت کی برکت سے ہم بھی سچے اور اچھے ہوجائیں۔ اس آیت میں اِتَّقُوا اللّٰهَ شریعت کا مرکز ہے اور کو نوا مع الصادقین طریقت کا سرچشمہ یہ آیت شریعت و طریقت کی جامع ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

نہیں تھا لائق مدینہ والوں کو اور ان کو جو اُس پاس ہیں اُن کے دیہاتیوں

مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

کو یہ کہ پیچھے رہیں وہ اللہ کے رسول سے اور نہ یہ کہ رغبت رکھیں جانوں

پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ

سے اپنی نبی کی جان سے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ نہیں پہنچتی اُن کو پیاس اور نہ کوئی

پیاری سمجھیں یہ اس لئے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا

تکلیف یا بھوک راستہ میں اللہ کے اور نہیں روندتے کوئی راستہ کہ

ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو غیظ آئے

يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ

غصہ میں ڈالے کافروں کو اور نہیں چھینتے دشمن سے کوئی چھیننا مگر لکھا جاتا ہے واسطے ان

اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں اس سب کے بدلے ان کے

لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
کے اس کی وجہ سے نیک عمل تحقیق اللہ نہیں رائیگاں کرتا ثواب
لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے بے شک اللہ نیکوں کا نیک عمل ضائع نہیں
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً
نیک کاروں کا اور نہیں کرتے خرچ چھوٹا اور نہ بڑا
کرتا اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں چھوٹا یا بڑا
وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ
اور نہیں طے کرتے کوئی جنگل مگر لکھا جاتا ہے ان کے لیے تاکہ بدلہ دے انہیں
اور جو نالا طے کرتے ہیں سب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان سب سے
اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾
اللہ اچھا اس سے جو وہ کام کرتے تھے
بہتر کاموں کا انہیں صلہ دے

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیا گیا۔ اتقو اللہ۔ اب وہ چیز بتائی جا رہی ہے جو تقویٰ کی اصل ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ رہنا۔ آپ کے فرمان پر چلنا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تشریح یا تفسیر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔ اب ارشاد ہے کہ سچے وہ لوگ ہیں جو اُس سچوں کے شاہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح رہیں اُن سے کبھی جدا نہ ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ تم سچوں کے ساتھ رہو۔ سچے ہمارے محبوب کے ساتھ ہیں تو تم اُن کے وسیلہ سے ہمارے حبیب کے ساتھ ہو گے۔ تیسرا تعلق گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ کی پناہ اللہ ہی کی طرف مل سکتی ہے۔ لَا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ اب ایسی پناہ کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ ہمارے محبوب کے ساتھ رہو۔ اللہ کی پناہ میں رہو گے۔ ہر آفت کی پناہ علیحدہ ہے۔ دھوپ سے پناہ درخت کا سایہ بارش سے پناہ چھت سائبان سردی سے پناہ آگ کی گرمی لینا۔ دنیا و دین کی آفات سے پناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہے۔

تفسیر مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اس میں کان کے بعد جائزاً یا لائقاً یا حقاً پوشیدہ ہے اہل مدینہ سے مراد مدینہ منورہ میں رہنے والے ہیں جو مہاجرین ہوں یا انصاری لغت میں مدینہ ہر شہر کو کہا جاتا

ہے مگر اصطلاحاً اِس سے مدینہ منورہ حضور انور کا دارُ الہجرۃ مراد ہوتا ہے۔ اگر اور شہر مراد ہو تو وہاں قید لگانی پڑتی ہے مدینہ مصر وغیرہ جیسے النجم سے ثریا تارہ مراد ہوتا ہے۔ مدینہ والے کو مدنی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ دوسرے شہر والوں کو مدینی کہا جاتا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اتنے نام ہیں جتنے دنیا میں کسی شہر کے نام نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے ایک سو نام ہیں۔ جن میں دارُ الاخیار۔ دارُ الابرار۔ دارُ السنۃ۔ دارُ السلامۃ۔ دارُ الفتح۔ بارہ۔ طابہ طیبہ مدینہ مشہور نام ہیں۔ مدینہ منورہ کی مٹی جذام و برص کے لئے خصوصاً اور ہر بیماری کے لئے عموماً شفا ہے۔ وہاں کی عجوہ کھجور زہر کے لئے شفا ہے۔ مکہ۔ مدینہ علم۔ اہلِ علم اور فضل و کمال والوں اور دین سے قیامت تک خالی نہیں ہوگا۔ قیامت سے چالیس سال پہلے مدینہ منورہ ویران ہوگا (تفسیر روح البیان) مدینہ منورہ کیا ہے؟ ہم فقیروں کا ٹھکانہ ہے۔ شعر

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے　　غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ یہ فرمان عالی اہل المدینہ پر معطوف ہے۔ مَنْ سے مراد وہاں رہنے والے لوگ ہیں حولہم کے معنیٰ مدینہ والوں کے آس پاس رہنے والے دیہاتی لوگ۔ اُن سے مراد قبیلہ مزینہ۔ جہینہ۔ اشجع اور غفار وغیرہم ہیں چونکہ یہ لوگ مدینہ منورہ سے قریب ہی رہتے تھے اس لئے انہیں حضور انور کے سفر اور جہاد وغیرہ کی خبریں بہ آسانی مل سکتی تھیں دور والے دیہاتی عموماً بے خبر رہتے تھے۔ نیز ان قبیلوں کے گاؤں تبوک کے راستہ میں تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان سے مراد سارے دور و قریب کے دیہاتی ہیں کہ وہ سب ہی مدینہ منورہ کے ارد گرد آباد تھے (تفسیر خازن۔ روح البیان)

أَن يَتَخَلَّفُوا عَن رَّسُولِ اللَّهِ۔ یہ ہے مَاكَانَ کا اسم تَخَلُّفٌ کے معنیٰ خلف یعنی پیچھے رہ جانا۔ اس طرح کہ حضور کے ساتھ نہ غزوہ میں جانا نہ حضور کے پیچھے روانہ ہو کر وہاں پہنچ کر مل جانا۔ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَن نَّفْسِهِ یہ دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت معطوف ہے أَن يَتَخَلَّفُوا پر۔ لَا يَرْغَبُوا بنا ہے رَغْبَتٌ سے اگر اس کے بعد بِ یا فِی آئے تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں مشغول ہونا یا رغبت و الفت کرنا اور اگر اس کے بعد عَن آئے تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں منہ پھیرنا بے رغبت ہونا۔ محبت نہ کرنا یہاں مقابلہ کے لئے عن استعمال ہوا اور بِأَنفُسِهِم میں بِ متعدی کرنے کے لئے ہے۔ (روح البیان معانی وغیرہ) یعنی اپنی جانوں کو جناب مصطفیٰ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی جان سے زیادہ نہ جانیں اپنی جانوں کو اُن کی جان سے زیادہ نہ چاہیں۔ یا اپنی جانوں کے آرام میں مشغول ہو کر اس پیارے کے آرام سے بے پرواہ نہ ہو جائیں۔ یا حضور انور جس تکلیف میں اپنے کو مشغول کر دیں جیسے دراز سفر گرم موسم خوراک کی کمی اس حالت میں مسلمان جہاد وغیرہ کی تکالیف سے اپنے کو نہ بچائیں ان تمام باتوں کو اعلیٰحضرت قدس سرہ نے اپنے مبارک ترجمہ میں ایک لفظ سے ادا فرما دیا۔ (نہ یہ کہ اپنی جان کو ان کی جان سے پیاری سمجھیں) اس فرمانِ عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ (۱) کسی جہاد میں حضور انور سے پیچھے نہ رہیں کہ حضور تو جہاد میں جاویں اور یہ نہ جائیں (۲) جس جہاد میں حضور انور اپنے ساتھ جانے کا حکم دیں اس میں حضور سے پیچھے نہ رہیں (۳) یہ حکم صرف غزوہ تبوک کیلئے تھا اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہ تھا کہ حضور انور کے ساتھ نہ جائے پہلی صورت میں یہ آیت منسوخ ہے دوسری دو صورتوں میں محکم بعض علماء نے

فرمایا کہ یہ حکم تاقیامت جاری ہے جبکہ جہاد فرض عین ہو جائے تو کسی مسلمان کو رہ جانا جائز نہیں سواء معذورین کے (تفسیر خازن) اس کے بعد رب تعالیٰ نے جہاد میں جانے اُس میں خرچ کرنے کے سات فائدے بیان فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ۔ ذٰلِكَ سے اشارہ وجوب جہاد کی طرف ہے کیونکہ جہاد نہ کرنے کی حرمت سے جہاد کی فرضیت ثابت ہو گئی ھُم کا مرجع غازی مجاہدین ہیں۔ ظمأ سے مطلقاً پیاس مراد ہے اور نَصَبٌ مطلقاً تکلیف چھوٹی ہو یا بڑی۔ بعض نے فرمایا کہ ان دونوں کی تنوین تحقیر کے لئے ہے اور معنی ہیں معمولی سی بھی پیاس تھوڑی سی تکلیف وَمَخْمَصَةٌ مخمصۃ بمعنی بھوک ہے اس سے مراد بھی مطلقاً بھوک ہے یا معمولی سی بھوک فی سبیل اللہ اس کا تعلق پیاس تکلیف بھوک تینوں سے ہے اور اللہ کی راہ سے مراد سفر جہاد ہے کیونکہ یہاں اسی کا ذکر ہے ورنہ انسان رضاء الٰہی اور نیک کام کے لئے جو راستہ طے کرے وہ اللہ کا راہ ہے حتیٰ کہ نماز کے لئے مسجد کو جانا علم دین کے لئے مدرسہ جانا۔ حج اور مدینہ منورہ کے لئے چلنا سب ہی سبیل اللہ ہے۔ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ۔ یہ چوتھے فائدہ کا ذکر ہے۔ یطئون بنا ہے وطی سے بمعنی روندھنا خواہ اپنے قدموں سے چلنا ہو یا اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے موطأ وطی کا ظرف ہے یا مصدر میمی پہلی صورت میں اس سے مراد ہے راستہ یعنی غازی لوگ کسی ایسی زمین کو اپنے یا اپنے گھوڑوں کے قدموں سے نہیں روندھتے اُسے طے یا فتح نہیں کرتے۔ جس سے کافر جل جاویں۔ خیال رہے کہ غیظ اور غضب دونوں کے معنی ہیں غصہ مگر کسی ناگوار چیز کو دیکھ کر صرف ناراض ہونا غیظ ہے اور ناراضی کے ساتھ بدلہ لینے کا ارادہ کرنا غضب (روح البیان)

وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا یہ جہاد کا پانچواں فائدہ ہے۔ ینالون بنا ہے نیل سے بمعنی پانا۔ حاصل کرنا۔ اس سے ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اس کا فاعل وہ مذکورہ غازی ہیں عدو سے مراد حربی کفار جن پر جہاد ہو۔ نیل کے دو معنی ہو سکتے ہیں کسی تکلیف دہ چیز کا پانا۔ کفار سے کوئی تکلیف پہنچنا (روح البیان) یا فائدہ مند چیز کا حاصل کرنا۔ جیسے کفار کو قید کرنا مال غنیمت لونڈی غلام لینا وغیرہ۔ (تفسیر خازن) یعنی وہ غازی کفار سے کوئی تکلیف پائیں یا ان سے فائدہ اٹھائیں اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ۔ یہ فرمان عالی مذکورہ کاموں کا نتیجہ ہے اس میں اِلَّا سے حصر کا فائدہ ہوا۔ کُتِبَ سے مراد ہے اُن کے نامۂ اعمال میں لکھا جانا۔ بِہٖ میں بِ سبب کی ہے اور ہٖ سے مراد وہ پانچوں کام چونکہ وہ کام الگ الگ لَا سے ذکر ہوئے اس لئے ان میں ہر ایک مستقل چیز بن گیا اور ہر کام پر یہ وعدہ مستقل طور پر کیا گیا اس لئے بِہٖ ضمیر واحد ارشاد ہوئی۔ یعنی ان پانچوں کاموں میں سے ہر کام پر نیک عمل لکھا جاویگا (تفسیر روح المعانی) یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے۔ عمل صالح سے مراد مقبول عبادت ہے یعنی غازی ان پانچوں کاموں سے جو کام بھی کرے اس کے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جاوے گی۔ اگر وہ بحالت سفر جہاد سو رہا ہے تو فرشتے نامۂ اعمال میں نوافل اور نیکیاں لکھ رہے ہیں کہ وہ قائم اللیل ہے۔ اور صائم النہار وہ اس راہ میں کھا رہا ہے تو روزے کا ثواب پا رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ یہ فرمان عالی گذشتہ کرم ورحم کی علت ہے۔ یعنی غازیوں پر یہ رحم وکرم اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کا ثواب ضائع وبرباد نہیں کرتا۔ یہ غازی تو اوّل نمبر کے نیک کار ہیں پھر اُن کا ثواب کیوں برباد فرمادے گا۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً - یہ فرمانِ عالی معطوف ہے وَلَا يَطَـُٔوْنَ (الخ) پر اور اِس میں جہاد کا چھٹا فائدہ ارشاد ہوا۔ اور غازیوں کے مال جہاد پر ثواب کا وعدہ ہوا۔ چونکہ تھوڑا خرچ زیادہ لوگ کرتے ہیں بڑا خرچ تھوڑے اس لئے چھوٹے خرچ کا ذکر پہلے ہوا بڑے کا بعد میں۔ چھوٹا خرچ وہ ہے۔ جو حضرت علی نے غزوہ تبوک میں کیا یعنی کچھ کھجوریں اور بڑا خرچ وہ جو حضرت عثمان غنی اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے کیا رضی اللہ عنہم۔ اُن کے خرچ کا ذکر کچھ پہلے اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ (الخ) کی تفسیر میں ہوچکا۔ یعنی وہ حضرات جہاد میں جو کچھ بھی تھوڑا بہت خرچ کریں۔ وَلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا یہ فرمانِ عالی معطوف ہے وَلَا يُنْفِقُوْنَ پر اور مجاہدین کے ساتویں عمل کا ذکر ہے قطع کے معنیٰ ہیں راستہ طے کرنا۔ وادی بنا ہے وَدْيٌ سے بمعنیٰ بہنا۔ اسی لئے پیشاب کے بعد سفید قطرہ کو ودی کہا جاتا ہے اصطلاح میں پہاڑی یا میدانی نالہ کو وادی کہتے ہیں کہ اُس میں برساتی پانی بہتا ہے پھر ہر میدان کو وادی کہنے لگے۔ یہاں یا بمعنیٰ میدان ہے یا بمعنیٰ نالہ اس کی جمع اودیہ ہے جیسے نادِی کی جمع اَنْدِيَہ ہے اور ناجی کی جمع اَنْجِيَہ (روح المعانی) اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ یہ اُن آخری دو کاموں کا نتیجہ ہے چونکہ یہ دونوں کام گزشتہ پانچ کاموں کے مقابل آسان تھے اس لئے انہیں علیحدہ کر کے ذکر کیا گیا کُتِبَ سے مراد ہے اُن کے نامۂ اعمال میں لکھ لیا جانا اس طرح کہ مٹ نہ سکیں (روح المعانی) لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس فرمانِ عالی میں اس مذکورہ تحریر کی حکمت کا ذکر ہے احسن سے پہلے خیر پوشیدہ ہے اِس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مہاجر غازی معمولی نیکیاں بھی کرتے رہتے تھے۔ جیسے مستحب کام اور اعلیٰ نیکیاں۔ جیسے واجب اور فرائض انہیں اِن دو کاموں پر اُن کے اعلیٰ درجہ کی نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا گویا وہ اس دوران میں اعلیٰ درجہ کے فرائض وواجبات ادا کرتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان دو عملوں کی وجہ سے غازیوں کی گزشتہ ادنیٰ نیکیوں کا ثواب اعلیٰ نیکی کا سا ملے گا۔ مثلاً ایک شخص نے سو نیکیاں کیں اٹھانوے معمولی اور دو اعلیٰ درجہ کی پھر مجاہدین کر اُس نے یہ دو کام کئے تو اُن دو کاموں کی برکت سے رب تعالیٰ اُن کی اٹھانوے معمولی نیکیوں کو بھی اعلیٰ نیکی بنا دیگا۔ ان سب کو قبول کریگا سب پر اعلیٰ ثواب دیگا (تفسیر روح البیان وروح المعانی) گویا جہاد غازی کے لئے اکسیر ہے جو ہلکی نیکی کو اعلیٰ میں تبدیل کر دیتا ہے اور گناہ مٹا دیتا ہے۔ جیسے اکسیر پیتل کو سونا کر دیتی ہے۔

خلاصۂ تفسیر نہ تو مدینہ والوں کو یہ جائز یا مناسب ہے نہ آس پاس کے دیہاتی لوگوں کو وہ اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہیں کہ وہ تو جہاد کو روانہ ہوں اور یہ اپنے گھروں میں آرام کریں نہ یہ مناسب ہے کہ اُن محبوب کی ذات کے مقابلہ میں اپنی ذات اپنی جان کو مرغوب جانیں کہ محبوب تو جہاد کی مشقتیں اٹھائیں اور یہ لوگ اپنے گھروں میں اپنی جانوں کو آرام دیں۔ اُن سب پر فرض ہے کہ رسول انور کے ساتھ جہادوں میں جایا کریں یہ فرضیت اس لئے ہے کہ انہیں جہادوں میں سات فائدے ہوں گے (۱) اس راہ میں انہیں اگر معمولی پیاس برداشت کرنا پڑے یا معمولی تکلیف یا معمولی بھوک یا وہ کفار کا کوئی علاقہ اپنے

قدموں یا اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندھیں کہ اس علاقہ میں گھس جائیں جس سے کفار کو ایذا پہنچے یا وہ دشمن سے کچھ تکلیف برداشت کریں یا اُن کے مال پر غنیمت کے طور پر اُن کے آدمی غلام لونڈی کے طور پر قبضہ کریں غرض اُن میں سے کچھ بھی کریں انہیں ہر عمل پر ہر وقت بڑی نیکی کا ثواب اُن کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ کیونکہ یہ لوگ نیک کار ہیں اور اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا ثواب ضائع و برباد نہیں کرتا۔ یہ لوگ جو بھی تھوڑا بہت مال جہاد میں خرچ کریں گے یا اُس راہ میں کوئی میدان ندی نالہ طے کریں گے سب اُن کے نامۂ اعمال میں لکھا جائیگا تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان دونوں کاموں پر بہترین نیکی کا ثواب دے تو اے مسلمانوں ایسے نفع بخش کام سے کیوں سستی کرتے ہو۔ اٹھو کمر باندھو ہمت کرو فتح و نصرت تمہارے قدم چومنے کو تیار ہے۔ روایت یہاں تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ حضرت ابو خثیمہ کا نہایت گھنا باغ تھا۔ جس میں ٹھنڈا سایہ ہر قسم کے پھل تھے وہاں باغ میں ہی انہوں نے اپنا مکان بنایا تھا۔ اُن کی بیوی نہایت ہی حسینہ تھی حضور انور تبوک کو روانہ ہو گئے یہ مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ دوپہر کو اپنے باغ میں پہنچے۔ اُن کی بیوی نے اُن کیلئے گھنے سایہ میں بستر بچھا دیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تھے۔ ہر قسم کی کھجوریں اور دیگر پھل حاضر کئے۔ ٹھنڈے پانی کا گھڑا سامنے رکھدیا خود خدمت کے لئے بیٹھ گئی۔ خیال آیا کہ سایہ گھنا ہے ہوا سرد ہے پانی ٹھنڈا ہے ہر پھل حاضر ہے حسینہ بیوی موجود ہے ہر قسم کا آرام ہے مگر اس وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور لو میں ہیں نہ معلوم حضور نے کھانا کھایا ہے یا نہیں پانی پیا ہے یا نہیں ابو خثیمہ یہ انصاف نہیں کہ محسنِ اعظم نبیِ مکرم مشقت جھیلیں اور تم آرام کرو یہ کہتے ہوئے اٹھے۔ نیزہ تلوار ساتھ لئے اونٹنی پر سوار ہوئے اور اکیلے تبوک روانہ ہو گئے اور یہ سفر دراز طے کر کے آخر جوئندہ یابندہ محبوب حقیقی یعنی حضور انور سے جا ملے۔ حضور نے انہیں بہت ہی دعائیں دیں۔ یہ ہے اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی عملی تفسیر۔ (بیضاوی)

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی مدینہ والوں میں شمار فرما لیتا ہے جو وہاں ایمان و اخلاص کے ساتھ باہر سے پہنچ جائیں یہ فائدہ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے مہاجرین کو جو باہر سے آکر مدینہ میں رہے انہیں اہلِ مدینہ فرمایا۔ **مسئلہ**۔ غریب آدمی پر حج فرض نہیں لیکن اگر وہ کسی صورت سے کرے تو ادا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ شخص مکہ معظمہ پہنچتے ہی مکہ والا بن جاتا ہے اور مکہ والے غریب پر بھی حج فرض ہے اسلئے بچہ کا حج صحیح نہیں غریب کا صحیح ہے کہ مکی بچہ پر حج نہیں اور غریب مکی پر حج ہے یہ مسئلہ یہاں سے مستنبط ہو سکتا ہے غرضکہ مدینہ میں داخل ہوتے ہی مدنی بن جاتا ہے اور مکہ میں داخل ہوتے ہی مکی۔ یہ دونوں شہر غیروں کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ** مدینہ والوں اور آس پاس کے لوگوں کو حضور انور کے ساتھ ہر جہاد میں جانا فرض تھا کہ بغیر مجبوری گھر نہیں رہ سکتے تھے یہ فائدہ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ تَخَلُّفٌ سے مراد ہو کسی غزوہ میں حضور سے پیچھے رہنا۔ **تیسرا فائدہ**۔ مومن وہ ہے جو حضور انور کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا جانے اس کے بغیر ایمان نصیب نہیں ہوتا یہ فائدہ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر بفضلہ تعالیٰ یہ محبوبیت ہر مومن کو حاصل ہے۔ **چوتھا فائدہ**۔ جو اللہ رسول کی اطاعت میں رہے اُس کا اٹھنا

بیٹھنا چلنا پھرنا سونا جاگنا سب عبادت ہوتا ہے۔ یہ فائدہ اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو کوئی اللہ رسول کی نافرمانی میں رہے اُس کے یہ تمام کام گناہ ہوتے ہیں (تفسیر خازن۔ روح المعانی) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجاہد غازی کو رات کے نوافل دن کے روزے کا ثواب ملتا ہے۔ حتی کہ اپنے گھر واپس آجائے۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ سفر حج سفر زیارت اور سفر طلب علم کو بھی ایسا ہی مبارک بنا دے کہ یہ سب سفر فی سبیل اللہ ہیں۔ پانچواں فائدہ جہاد کی برکت سے پچھلی نامقبول نیکیاں بھی مقبول بن جاتی ہیں یہ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ چھٹا فائدہ۔ جہاد کے خرچ کے سفر کا ثواب اعلیٰ درجہ کی نیکی کے برابر ہے یہ فائدہ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ غازی بحالت سفر خواہ اپنے ملک میں چلے یا دشمن کے ملک میں بہرحال ہر قدم پہ ثواب پاتا ہے یہ فائدہ لَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض ان آیات کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے ساتھ ہر سفر جہاد میں یا غزوۂ تبوک میں جانا فرض تھا۔ مگر احادیث سے ثابت ہے کہ بہت مدینہ والے اس غزوہ میں نہ گئے کیا وہ سب فاسق ہوئے اگر فاسق ہوئے تو سارے صحابہ عادل نہ ہوئے۔ **جواب**۔ غزوۂ تبوک سے رہ جانے والے لوگ چار قسم کے تھے منافقین جو جھوٹے بہانے بنا کر رہ گئے تھے۔ معذورین جنہیں درست و صحیح عذر نے روک دیا سُستی سے رہ جانے والے مگر بعد میں حضور انور تک پہنچ جانے والے سُستی سے بالکل ہی رہ جانے والے منافقین تو فاسق کیا کافر تھے معذورین کو شریعت نے روک دیا تھا جیسے نابینا اور بیمار بچے عورتیں وغیرہم اِن کے متعلق حضور انور نے فرمایا کہ وہ لوگ گھر میں رہتے ہوئے ہمارے ساتھ ہیں ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔ تیسری قسم کے لوگوں کا بعد میں حضور انور تک پہنچ جانا کفارہ ہوگیا۔ چوتھی قسم کے لوگ گنہگار ہوئے مگر توبہ کی وجہ سے جلد یا دیر سے اُن کی معافی ہوگئی لہٰذا فاسق نہ ہوئے۔ فاسق وہ ہے جو گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔ **دوسرا اعتراض**۔ تم نے فوائد میں کہا کہ مومن وہ ہے جسے حضور انور سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ اس قاعدے سے تو آج دنیا بھر میں چند ہی مومن ہوں گے۔ جان سے زیادہ محبت تو کسی کو بھی نہیں ہوتی ورنہ کبھی گناہ نہ کرتا محبت کی علامت اطاعت ہے۔ **جواب** بفضلہٖ تعالیٰ گنہگار سے گنہگار مسلمان کو حضور انور اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ محبت کا امتحان مقابلہ کے وقت ہوتا ہے بعض فاسق مسلمان حضور کی عزت پر اپنی جان فدا کر دیتے ہیں۔ گستاخوں بدگوؤں کو قتل کر کے پھانسی پر لٹک جاتے ہیں۔ عبدالقیوم۔ علم دین لاہوری۔ عبدالرشید دہلوی کے واقعات سب کے سامنے ہیں محبت کی علامت اطاعت نہیں۔ منافقین اطاعت کرتے تھے مگر کافر تھے اطاعت لالچ اور ڈر کی بھی ہوتی ہے۔ حضرت ماعز اگرچہ گناہ کر بیٹھے مگر رہے اللہ رسول کے پیارے۔ محبت کی علامت زیادہ چرچہ کرنا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ اور اپنے محبوب میں عیب نہ نکالنا اور عیب نکالنے والوں سے نفرت کرنا ہے۔ رب فرماتا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ الخ یہ ہے محبت

رسول کی کسوٹی کہ اللہ رسول کے مخالف اگرچہ اپنے باپ دادے بھائی عزیز ہوں ان سے الفت نہ ہو نفرت ہو۔ **تیسرا اعتراض** ان آیات کریمہ میں نمازیوں کے پانچ کاموں کے بعد ارشاد ہوا الاکتب لھم بہ عمل صالح اور آخری کاموں کے متعلق ارشاد ہوا صرف الاکتب لھم یہاں عمل صالحہ نہیں فرمایا گیا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے جواب۔ وہ پانچ کام یعنی بھوک، پیاس، تکلیف زخم، شہادت دشوار ہیں اور یہ دو کام جہاد میں خرچ اور صرف سفر ان سے آسان ہیں اور جہاد میں اجر بقدر مشقت ملتا ہے یہ فرق ظاہر فرمانے کے لئے عبادت میں فرق کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ رب تعالیٰ نے انسان کو خصوصی نعمتیں چار بخشی ہیں مال۔ جسم۔ جان۔ ایمان۔ مال خارجی نعمت ہے باقی تین داخلی مال سے جسم اور جسم سے جان اور جان سے ایمان افضل و اعلیٰ ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ شعر۔

ہر ولی چیز ہوا کرتی ہے اعلیٰ پہ نثار — جسم ہے جان کیلئے جان ہے ایمان کیلئے

ہمیشہ ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہوتی ہے جمادات جانوروں پر اور جانور انسانوں پر قربان ہوتے ہیں کوئی سر پر چوٹ مارے تو ہاتھ سے سر بچاتے ہیں کیونکہ ہاتھ سر سے ادنیٰ ہے۔ لہذا مال بدن پر اور بدن جان پر قربان ہے تو چاہئے کہ جان ایمان پر فدا ہو۔ شعر

دھن دے تن کو راکھئے اور تن دے رکھئے لاج — تن من دھن سب وارئیے ایک دھرم کے کاج

یعنی مال جسم پر جسم عزت پر قربان کرو اور مال جسم۔ دل و جان سب ایمان پر قربان کرو اور ایمان کی جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس قاعدے سے مومن کا سب کچھ حضور انور پر صدقے ہونا چاہئے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ مومنین غزوات میں حضور انور سے پیچھے نہ رہیں۔ اپنی جان کو ان سے زیادہ پیارا نہ جانیں بلکہ ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں۔ جب ان کا یہ حال ہوگا تو ان کا ہر کام باعث ثواب ہوگا۔ کیونکہ حضور انور اللہ کے محبوب ہیں اور یہ لوگ محبوب کے منسوب لہذا ان کی ہر ادا مرغوب۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر ادا ہر جنبش پر ثواب دیگا۔ کہ محبوب کے منسوب کی جنبش ہے محبت و عداوت بجلی کے پاور کی طرح ہے جو بہت دور تک کام کرتی ہے یا اچھے ہو کر جیو یا اچھوں کے ہو کر جیو۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ
اور نہیں ہیں کہ مومنین نکلیں سب کے سب پس کیوں نہ ہوا کہ نکلتا ہر
اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ
كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا
جماعت سے ان میں سے ایک ٹولہ تاکہ فقہ حاصل کریں دین میں اور ڈرائیں
ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع ۱۵

ڈرائیں قوم کو اپنی جب لوٹیں وہ طرف اُن کے تاکہ وہ ڈریں
اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں مسلمانوں کو سفر جہاد کی رغبت دی گئی اور جہاد کے موقعہ پر گھر میں بیٹھ رہنے سفر نہ کرنے پر عتاب فرمایا گیا۔ اب علم دین کے لئے سفر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اُس کے قاعدے بیان ہو رہے ہیں کیونکہ جہاد تلوار سے بھی ہوتا ہے اور علم سے بھی۔ نیز جہاد کے ذریعے کفار مسلمان بنتے ہیں اور علم دین کے ذریعہ مسلمان مسلمان رہتے ہیں گویا ایک قسم کے سفر کے بعد دوسرے قسم کے سفر کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ سارے اہل مدینہ اور اطراف کے لوگ جہاد کے لئے روانہ ہوا کریں کوئی بلا سخت مجبوری اپنے گھر میں نہ رہا کرے اب ارشاد ہے کہ نہیں بلکہ بعض لوگ جہاد کو جائیں بعض گھر رہیں علم دین سیکھیں وہ حکم اور حالت میں تھا یہ حکم دوسری حالت میں ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حکم تھا کہ جب نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے سفر فرمائیں تو کوئی پیچھے نہ رہے سب ان کے ساتھ روانہ ہوں اب ارشاد ہے کہ اگر وہ محبوب خود جہاد کو روانہ نہ ہوں بلکہ صحابہ کو روانہ فرمائیں تو یہ حکم نہیں بلکہ اس صورت میں بعض حضرات جہاد میں جائیں اور بعض لوگ ہمارے محبوب کے پاس رہیں تاکہ اُن سے علم دین سیکھیں۔

شانِ نزول اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق چند روایات ہیں ۱ؐ ایک بار قبیلہ مضر وغیرہم کے سارے لوگ مدینہ منورہ آگئے تاکہ علم دین حضور انور سے سیکھیں اس سے ان کے علاقے ویران ہو گئے اور مدینہ میں سخت تنگی ہو گئی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ دین سیکھنے کے لئے سب لوگ اپنے وطن سے نہ نکلا کریں کہ اس میں دو نقصان ہیں مدینہ منورہ میں تنگی اور ان کے وطن کی ویرانی معاش حاصل کرنے میں دشواری (از تفسیر خازن) ۲ؐ جب گزشتہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی جس میں جہاد سے رہ جانے والوں پر سخت عتاب فرمایا گیا تو مسلمانانِ مدینہ ہر غزوے ہر سریے میں روانہ ہونے لگے بعض دفعہ ہوتا کہ سریے میں سارے مومن جہاد کے لئے چلے جاتے مدینہ منورہ میں حضور انور اکیلے رہ جاتے اُن کے پیچھے شرعی احکام نازل ہوتے جنہیں ان میں سے کوئی نہ سیکھ سکتا اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ بعض حضرات جہاد کے لئے سفر کریں۔ بعض حضرات دین سیکھنے کیلئے حضور انور کے ساتھ اپنے گھر رہیں۔ (از تفسیر کبیر و خازن) ۳ؐ مجاہد فرماتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام نے مدینہ منورہ چھوڑ کر دیہات کی زندگی اختیار کر لی۔ وہاں انہیں بہت آرام ملا اور انہیں لوگوں کو تبلیغ کرنے کا بھی اچھا موقعہ ملا۔ بہت عرصہ کے بعد یہ حضرات مدینہ منورہ آئے تو دیکھا کہ اُن کے پیچھے بہت سی قرآنی آیات نازل ہو چکی ہیں اور حضور انور کے پاس رہنے والے صحابہ علم میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اس پر انہیں بہت افسوس ہوا۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی کہ ہر جماعت کے کچھ لوگ ہمارے محبوب کے پاس ضرور رہا کریں تاکہ علم دین سیکھیں (از تفسیر خازن)۔

تفسیر وَكَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ط اس فرمانِ عالی کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین سے مراد اہلِ مدینہ اور اطرافِ مدینہ کے باشندے ہیں نفر سے مراد ہے جہاد کے لئے اپنے گھروں سے روانگی یعنی مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سارے کے سارے جہاد کے لئے روانہ ہو جایا کریں اور مدینہ منورہ کو خالی اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا مدینہ میں چھوڑ دیا کریں دوسرے یہ کہ مومنین سے مراد دور دراز علاقے کے رہنے والے مسلمان ہیں۔ نفر سے مراد ہے طلب دین کے لئے اپنے وطن سے مدینہ منورہ آجانا یعنی ان مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سارے کے سارے اپنے گھروں سے مدینہ منورہ آجایا کریں، علم دین سیکھنے کیلئے جس سے مدینہ منورہ میں تنگی ہو اور اُن کے وطن ویران رہ جائیں۔ تیسرے یہ کہ مومنین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو مدینہ منورہ چھوڑ کر دیہات میں بس گئے تھے اور نفر سے مراد مدینہ منورہ سے دیہات کی طرف روانگی یعنی یہ مناسب نہ تھا کہ یہ قبیلے سارے کے سارے دیہات کی طرف روانہ ہو جایا کریں جیسا کہ شانِ نزول کی روایات سے معلوم ہوا بہر حال یہ آیت کریمہ یا تو سفرِ جہاد کے متعلق ہے اور گزشتہ آیات کے مضمون کا بقیہ ہے یا اس میں نیا حکم ہے گزشتہ کا تکملہ نہیں۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ ۔ یہ فرمانِ عالی پچھلے مضمون کی تفصیل ہے اور اس میں فَ تفصیل کیلئے ہے لَوْلَا۔ ھَلَّا اور لَوْمَا تینوں قریبًا ہم معنیٰ ہیں۔ (کبیر) اگر یہ مستقبل پر آئیں تو رغبت دینے کے لئے ہوتے ہیں اور اگر ماضی پر آئیں تو جھڑک اور ناراضی ظاہر کرنے کے لئے (روح البیان) یہاں بھی نفر میں تین احتمال ہیں ۱ مدینہ منورہ سے جہاد کے لئے روانگی ۲ اپنے وطن سے مدینہ منورہ کی طرف علمِ دین سیکھنے کے لئے روانگی ۳ دیہات میں آباد ہونے کے لئے مدینہ منورہ سے روانگی فرقے سے مراد ہے بڑی جماعت۔ پورا خاندان یا قبیلہ یا پورے شہر کے لوگ۔ طائفہ سے مراد تھوڑے سے لوگوں کی جماعت اگرچہ ہر جماعت یا ہر شہر سے ایک ہی ہو۔ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ اس فرمانِ عالی میں کچھ لوگوں کے جانے اور کچھ کے رہ جانے کی حکمت کا ذکر ہے اس میں لام وجہ یا حکمت کا ہے تفقہ کا مادہ فقہ ہے جس کے معنیٰ ہیں دینی مسائل کو سمجھنا اور سمجھ کر یاد کرنا اس کو قرآن مجید میں حکمت فرمایا گیا وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ اجتہاد اور مسائل کے استنباط کو بھی فقہ کہا جاتا ہے لہٰذا فقیہ عالم دین کو بھی کہتے ہیں اور مجتہدین کو بھی لِيَتَفَقَّهُوْا کا فاعل یا تو رہ جانے والے لوگ ہیں یا جانے والے یعنی تاکہ ہمارے محبوب کے پاس مدینہ منورہ میں رہ جانے والے لوگ اُن محبوب سے دینی مسائل سمجھیں اور یاد کریں۔ یا اپنے وطن سے مدینہ منورہ آنے والے لوگ ہمارے محبوب سے علمِ دین حاصل کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر نفر سے مراد جہاد کے لئے نکلنا ہے تو يَتَفَقَّهُوْا کا فاعل وہ ہی نکلنے والے ہیں۔ علمِ دین سے مراد علمِ عقائد، علمِ عبادات، علمِ معاملات حتّٰی کہ علمِ اسرار سب ہیں (روح البیان) وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اور یہ دوسری حکمت کا بیان ہے اور معطوف ہے لِيَتَفَقَّهُوْا پر لِيُنْذِرُوْا اور رجعوا کا فاعل یا علمِ دین سیکھنے کے لئے روانہ ہو جانے والے لوگ ہیں تو قومہم سے مراد رہ جانیوالے لوگ یعنی یہ علم سیکھنے کے لئے سفر کرنے والے جب اپنے وطن واپس آئیں تو اپنی قوم کے رہ جانے والے لوگوں کو علم سکھائیں۔ اللہ رسول سے ڈرائیں۔ تبلیغ کریں کہ دین سیکھنے کا یہی مقصد ہے نہ کہ اس کے ذریعہ صرف دنیا حاصل کرنا۔ یا يُنْذِرُوْا

کا فاعل رہ جانے والے لوگ ہیں۔ اور راجعوا کا فاعل جہاد میں جانے والے لوگ یعنی یہ لوگ جہاد میں نہیں گئے حضور انور کی خدمت میں رہے وہ ان مجاہدین غازیوں کو اس زمانہ کا سیکھا ہوا علم سکھائیں جب وہ غازی جہاد کے سفر سے واپس آئیں کہ وہ غازی بن کر ثواب پائیں۔ یہ عالم بن کر ثواب و درجات کمائیں۔ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ یہ فرمانِ عالی لینذروا کا نتیجہ بیان فرما رہی ہے لَعَلَّهُمْ کے معنی ہیں شاید یا تاکہ ہُم کا مرجع وہ ہی لوگ ہیں جن کو تبلیغ کی گئی۔ رب سے ڈرایا گیا۔ یا تو غازی مجاہدین جو بحالتِ سفر حضور انور سے غائب رہے یا وہ جو اپنے گھروں میں رہے اور دوسرے لوگ علمِ دین سیکھنے سفر میں گئے یعنی اس امید سے ڈرائیں کہ وہ لوگ اللہ سے ڈریں اُن کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو دنیاوی لالچ سے تبلیغ نہ ہو بہر حال اچھی نیت بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

خلاصۂ تفسیر یہ آیتِ کریمہ یا سفرِ جہاد کا تکملہ ہے یا طلبِ علم کے سفر کے متعلق ہے اس لیئے اس کی چند تفسیریں ہیں۔ ۱؎ یہ مناسب نہیں کہ سارے مسلمان جہاد میں چلے جایا کریں اور ہمارے محبوب کو مدینہ منورہ میں تنہا چھوڑ جایا کریں اس میں خطرہ بھی ہے اُن کا نقصان بھی۔ مدینہ منورہ تو خالی چھوڑنا خطرناک ہے دشمن تاک میں ہے اور سب مسلمانوں کا حضور انور سے جدا رہنا اس میں اُن کا نقصان یہ ہے کہ اُن کے پیچھے جو آیاتِ قرآنیہ احکامِ شرعیہ نازل ہونگے اُن سے یہ بے خبر رہیں گے۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر قوم میں سے ایک جماعت سفرِ جہاد میں روانہ ہو باقی لوگ محبوب کے پاس رہیں تاکہ حضورِ انور سے دینی نئے مسائل نئی آیات نئے احکام سیکھیں اور سمجھیں پھر جب مجاہدین واپس آ دیں تو یہ لوگ اُن کے پیچھے سیکھے ہوئے مسائل انہیں سکھائیں رب سے ڈرائیں تاکہ اُن حضرت کو خوفِ خدا اور زیادہ ہو۔ ۲؎ مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سارے کے سارے اپنی بستیاں خالی کر کے سب مدینہ منورہ علمِ دین سیکھنے کے لیئے چلے جائیں۔ کہ اس سے ان لوگوں کی معیشت خراب ہو گی۔ مدینہ والوں پر تنگی اور بوجھ ہو گا۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر بستی ہر قبیلہ سے کچھ لوگ جائیں باقی لوگ گھروں میں رہیں یہ جانے والے دینی مسائل سیکھ کر سمجھ کر آ دیں اور اپنی باقی ماندہ قوم کو سکھائیں سمجھائیں۔ انہیں رب سے ڈرائیں کسی دنیاوی لالچ سے نہیں بلکہ اس امید سے کہ اُن لوگوں میں خوفِ خدا پیدا ہو۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** پورا عالمِ دین اور فقیہ بننا ہر شخص پر ضروری نہیں یہ فرضِ کفایہ ہے کہ بستی میں ایک اس پر عمل کرے سب کی طرف سے ادا ہو جائے۔ یہ فائدہ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہاں سفر سے سفرِ طلبِ علم مراد ہو۔ **دوسرا فائدہ** عام حالات میں جہاد فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے یہ فائدہ طائفہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ یہاں جبکہ سفر سے سفرِ جہاد مراد ہو۔ جب جہاد فرضِ عین ہو جاوے تو سب پر یہ سفر لازم ہو گا۔ **تیسرا فائدہ** علمِ دین کے لیئے سفر کرنا عبادت ہے یہ فائدہ لَوْلَا نَفَرَ سے حاصل ہوا جبکہ یہاں سفرِ طلبِ علم مراد ہو۔ **چوتھا فائدہ** مسلمانوں کو چاہیئے کہ جہاد کے موقعہ پر یہ دارالاسلام کو بالکل خالی نہ کریں یہاں بھی فوج اور دفاعی انتظام رکھیں اُدھر دشمن سے مقابلہ بھی کریں مرکز کمزور نہ ہونے دیں۔ یہ فائدہ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً سے

حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**۔ حفظ قرآن سے علم قرآن حفظ حدیث سے علم حدیث افضل ہے یہ فائدہ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**۔ تمام علومِ دینیہ میں علم فقہ افضل یہ فائدہ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ سے حاصل ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا حضور انور فرماتے ہیں مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ رب تعالیٰ جس کا بھلا چاہتا ہے اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علمِ فقہ میں عطا فرما دے۔ **مسئلہ** تلاوت قرآن اور نوافل پڑھنے سے افضل ہے علم فقہ حاصل کرنا (شامی) چاہئے یہ کہ شاگرد استاد کے پاس علم سیکھنے کے لئے حاضر ہو استاد کو اپنے ہاں بلا کر نہ سیکھے یہ مسئلہ اس آیت سے مستنبط ہو سکتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نبی کلیم اللہ ہیں مگر علم سیکھنے کے شوق میں ایک نبی خضر علیہ السلام کے پاس سفر کر کے تشریف لے گئے اگرچہ ان سے کچھ سیکھا نہیں۔ حالانکہ آپ خضر علیہ السلام سے کہیں افضل تھے کہ صاحبِ شریعت صاحبِ کتاب نبی تھے۔ انشاء اللہ اس سفرِ موسوی کے فوائد ہم پندرہ پارہ کی آخری آیات کی تفسیر میں عرض کریں گے۔ **ساتواں فائدہ** علمِ دین خصوصاً علمِ فقہ تبلیغ دین کے لئے حاصل کرے دنیا کمانا مقصود نہ ہو یہ فائدہ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ** محدثین اور مفسرین سے فقہاء افضل ہیں کہ الفاظ و معانی ان دو جماعتوں کے پاس ہیں مگر سمجھ فقہاء کے پاس مفسرین و محدثین گویا دین کے پنساری ہیں۔ فقہاء طبیب پنساری کی دوائیں طبیب کے قلم کے ذریعہ استعمال ہوں تو مفید ہیں اس کے بغیر ہلاکت کا ذریعہ یہ مسئلہ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** تبلیغ دین صرف دنیا کمانے کے لئے نہ ہو دین کی اشاعت کے لئے انشاء اللہ دنیا خود بخود لونڈی بن کر آوے گی۔ یہ فائدہ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** جاہل کو عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور غیر مجتہد کو مجتہد کی تقلید کرنی لازم ہے یہ فائدہ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا کہ گھر میں رہنے والے لوگ خود ترجمے منگا کر پڑھ لیا کریں بلکہ عالم بن کر آنے والوں سے سیکھیں۔ **دسواں فائدہ** دینی احکام میں ایک شخص کی خبر معتبر ہے یہ فائدہ طَائِفَةٌ سے حاصل ہوا اگر شہر سے ایک عالم آکر شرعی احکام کی تبلیغ کرے تو باشندوں کو اُس کی بات ماننا پڑے گی حضور انور کے زمانہ میں ایک صاحب گاؤں سے آتے تھے دین سیکھ کر قوم کے پاس پہنچتے اور فرماتے کہ حضور انور نے یہ فرمایا ہے۔ سب پر اس کا ماننا لازم تھا۔ ہر حدیث پر گواہی نہیں مانگی جاتی ہے۔ ایک آدمی بھی طائفہ میں داخل ہے۔ (از تفسیر کبیر۔ خازن) **مسئلہ** بقدرِ ضرورت دینی مسائل سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور زیادہ بہتر۔ لہٰذا نماز روزے ضروری مسائل ہر مسلمان پر سیکھنا فرض ہے۔ عورتوں پر حیض و نفاس کے مسائل سیکھنا ضروری ہیں۔ کہ اُن سب کو اِن سے واسطہ پڑتا ہے حاجی کو حج کے مسائل تاجر کو تجارت کے مسائل سیکھنا ضروری ہیں۔

پہلا اعتراض اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں علم دین سیکھنے کے لئے سفر کرنا فرض ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا فَلَوْلَا نَفَرَ (الخ) مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ بہت لوگ اپنے گھر میں ہی علم سیکھ

لیتے ہیں کیا وہ سفر نہ کرنے پر گنہگار ہیں۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا کہ سفر کا حکم جب ہے جب کہ گھر رہ کر علم حاصل نہ ہو سکے۔ حضور انور کے زمانہ شریف میں قریبًا یہ ہی حال تھا کہ مدینہ منورہ میں ہی علم ملتا تھا کیونکہ اس وقت شرعی احکام بلکہ آیات قرآن جمع نہیں ہوئے تھے۔ روزانہ ان میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اہل مدینہ کو سفر کی ضرورت تب پڑتی تھی جب حضور انور سفر میں جاتے تو یہ بھی ساتھ جاتے تھے۔ کیونکہ بحالتِ سفر جو احکام اور آیات نازل ہوں انہیں سیکھیں۔

طلب کردنِ علم شد بر تو فرض دگر واجب است از پئش قطع ارض

دوسرا اعتراض۔ کیا عورتیں بھی طلبِ علم کے لئے سفر کریں۔ **جواب** عورت کے لئے بغیر محرم سفر کرنا ممنوع ہے حتی کہ وہ بغیر محرم حج کے لئے بھی سفر نہیں کر سکتی بلکہ اس صورت میں اس پر فرض ہی نہیں۔ مرد کے لئے حج کے لئے سامانِ سفر ضروری ہے اور عورت کے لئے حج کے لئے سامانِ سفر اور محرم کی ہمراہی شرط ہے عورت اپنے ماں باپ یا خاوند سے دین سیکھے۔ **تیسرا اعتراض** کیا عورت اپنے وطن میں عالم دین کے پاس یا دینی جلسہ میں جا کر دین سیکھ سکتی ہے **جواب** ہاں پردے کے ساتھ حضور انور کے زمانہ میں تو حائضہ عورتوں تک کو حکم تھا کہ وہ عید کی نماز کے موقعہ پر عید گاہ حاضر ہوں اگر ان کے پاس چادر نہ ہو تو اپنی کسی سہیلی سے مانگ کر اوڑھیں اور وہاں پہنچیں۔ عید گاہ سے الگ بیٹھیں تاکہ اپنے متعلق حضور انور سے شرعی احکام سنیں اور سیکھیں۔ خلافتِ فاروقی میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا گیا۔ اب فی زمانہ چونکہ عورتیں کالجوں اسکولوں بازاروں بلکہ سینما گھروں سے نہیں رکتیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ انہیں پردے کے ساتھ جمعہ کی نماز اور دینی جلسے میں آنے سے نہ روکو کہ یہاں کچھ دینی مسائل تو سنیں گی۔ اب فقیر یہ ہی فتویٰ دیتا ہے مگر مردوں سے علیحدگی اور پردہ ضروری ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیتِ کریمہ میں رہ جانے والوں کے لئے فرقہ فرمایا اور جانے والوں کے لئے طائفہ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اگر یہ آیت علمِ دین کے سفر کے لئے ہے تب تو ظاہر ہے۔ کیونکہ طالب علم ایک دو بھی کافی ہیں باقی لوگ کاروبار بستی کی آبادی کے لئے گھروں میں رہیں۔ اور اگر مراد سفر جہاد ہے تو بھی زیادہ لوگ وطن میں ٹھہریں یہاں کا انتظام کریں اور کچھ لوگ ہوں کہ جہاد میں جائیں اس لئے جانے والوں کو طائفہ یعنی تھوڑی جماعت فرمایا۔ **پانچواں اعتراض**۔ اس آیت میں مسافر طلبا کے لئے فقہ کی قید کیوں لگائی لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ کیا علم حدیث تفسیر اور دنیوی علوم حاصل کرنے کے لئے سفر جائز نہیں **جواب** بالکل جائز ہے مگر ان سفروں پر وہ ثواب نہیں اور ان کا وہ درجہ نہیں جو دینی تفقہ کے لئے سفر کا درجہ ہے فِقہ فی الدین یعنی دین سمجھنا بہت ہی بڑا کام ہے فرمایا نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ ابلیس پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے بھاری ہے اور کیوں نہ ہو۔ شعر۔

گفت او گلیم خویش بدر میبرد ز موج ویں جہد می کند کہ بگیرد غریق را

عابد دریا سے اپنی کملی بچاتا ہے اور فقیہ عالم امت کا جہاز پار لگاتا ہے اسی لئے علما کو نائب رسول وارث جناب مصطفیٰ

کہا جاتا ہے وراثتِ مال سے وراثتِ کمال اعلیٰ ہے حضرت علی فرماتے ہیں. شعر

فَاِنَّ الْمَالَ یُغْنِیْ عَنْ قَرِیْبٍ وَاِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَّا یَزَالُ

چھٹا اعتراض اس آیت کریمہ میں پہلے لِیَتَفَقَّهُوْا فرمایا بعد میں وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ ارشاد ہوا. اس ترتیبِ ذکری میں کیا حکمت ہے. جواب اس ترتیب ذکری سے چند باتیں بتائی گئی. ایک یہ کہ خود سیکھنا پہلے ہے دوسروں کو سکھانا بعد میں جاہل تبلیغ علم نہیں بلکہ جہالت سکھائے گا. دوسرے یہ کہ مسافر طالب علم کے دو حال ہیں ایک گھر سے دوسرے گھر واپس آنا. چاہئے یہ کہ سفر میں جانا سیکھنے کے لئے ہو. اور واپس آنا سکھانے کے لئے تاکہ جانا بھی عبادت ہو جائے اور آنا بھی. تیسرے یہ کہ علم دین سیکھنے کی نیت ہو نہ تو مال کمانا ہو نہ صرف خود ہی عمل کرنا. بلکہ دوسروں تک پہنچانا اصل مقصود ہو. کہ علم دین کا مقصد عمل بھی ہے اور دوسروں کی تعلیم بھی چوتھے یہ کہ تبلیغ و تعلیم سے نیت قوم کی اصلاح ہو نہ کہ اپنی بڑائی اس ترتیب ذکری سے بہت باتیں بتا دیں گئیں پانچویں یہ اصلاح و تبلیغ پہلے اپنی قوم کی ہو پھر دوسروں کی اس لئے ارشاد ہوا وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ پھر خدا توفیق دے تو سارے مسلمانوں کو تبلیغ کرو کہ ساری مسلم برادری ہماری قوم ہے.

ساتواں اعتراض. حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں علم فقہ تھا ہی نہیں یہ تو بعد میں فقہاء علماء نے بنایا پھر رب تعالیٰ کا یہ فرمان کیونکر درست ہوا. کہ لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ حضراتِ صحابہ نے فقہ نہ پڑھا نہ پڑھایا. جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں علمِ فقہ کامل طور پر تھا. ہاں یہ کہو کہ فقہ کی کتابیں نہ تھیں وہ علم حضور اقدس کے سینہ. زبانِ فیض ترجمان اور نگاہِ کرم سے عطا ہوا تھا. بعد میں اُسے کتابوں کے ذریعہ پھیلایا گیا. حضرت عمر نے حضور سے سورۂ بقر قریبًا بارہ ۱۲ سال میں پڑھی سوچو کہ کیا بارہ سال میں اِس سورت کے الفاظ پڑھے. نہیں بلکہ اس کا فقہ پڑھا حضور کے زمانہ میں کتبِ احادیث بلکہ علمِ حدیث نہ تھا مگر احادیث موجود تھیں جنہیں بعد میں کتابی شکل میں جمع کیا گیا اور علم حدیث اسناد. اقسام. مراتب حدیث مقرر کئے گئے قرآن و حدیث کی صحیح سمجھ فقہ ہے.

تفسیرِ صوفیانہ

ہم کو رب تعالیٰ کی طرف سے بہت قسم کی نعمتیں ملی ہیں مالی نعمت کا شکریہ زکوٰۃ و صدقات ہیں. بدنی نعمت کا شکریہ نماز و روزہ و حج ہے جانی نعمت کا شکریہ ایمان اور جہاد ہے گر دل و دماغ عقل صحت و تندرستی ان نعمتوں کا شکریہ علمِ دین سیکھنا سکھانا ہے قرآن کریم فرماتا ہے وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْــٴًـا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس آیت نے پردے کھول دیئے کہ علم حواس دل دماغ عقل. صحت کا شکریہ ہے علم کا ایک ڈھانچہ ہے اور ایک روح علم کا ڈھانچہ فرمان ہے اور اُس کی رُوح فیضان فرمان تو زبان. قلم. کتاب سے ملتا ہے مگر فیضان صرف استاد کی نگاہ سے ملتا ہے اور اس کی صحبت سے اس لئے آج باوجودیکہ علم کتب میں آگیا مگر پھر بھی استاد کی خدمت میں حاضری اس کے پاس سفر کر کے جانا ضروری ہے فَلَوْلَا نَفَرَ کا حکم تاقیامت طلباء کے لئے ہے. شعر.

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر علم و حکمت از کتب دیں از نظر
صد کتاب و صد ورق در نار کن روئے دل را جانب دلدار کن

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بڑے عالم۔ بڑے زاہد بڑے متقی پرہیزگار استاد سے علم دین حاصل کرو۔ اس لئے امام اعظم ابوحنیفہ نے حضرت حماد جیسے فقیہ، متقی ولی کو اپنا استاد بنایا۔ آپ کو دو سال تک حضرت امام جعفر صادق کی صحبت پاک میسر رہی اور بیس سال حضرت حماد کی۔ ان کی فیوض نے انہیں امام اعظم بنا دیا۔ حضرت جابر نے ایک حدیث کے لئے مدینہ منورہ سے مصر کا سفر کیا۔ علماء کے نزدیک فقیہ پانچ علوم کو کہتے ہیں علم عقائد تفسیر، حدیث۔ علم فقہ۔ اصول فقہ مگر صوفیاء کے نزدیک رب کی ذات و صفات نبی کے کمالات۔ اپنے نفس، قلب روح کی کیفیات کا جاننا ہے یہ دو طرح حاصل ہوتا ہے معاملہ سے اور مکاشفہ سے۔ سرکار عالی کا فرمان کہ عالم کی عابد پر افضلیت ایسی ہے جیسے میری افضلیت تمہارے ادنیٰ پر۔ وہاں عالم سے مراد عالم مکاشفہ ہے اس کی فضیلت اسی قسم کی ہے جیسی نبی کی امتی پر اس حدیث میں نوعیت کا ذکر ہے نہ کہ برابری کا علماء کا ڈرانا تبلیغ فرمانا زبان یا قلم سے ہے صوفیاء کا ڈرانا تبلیغ فرمانا دلی فیضان یا نظر سے ہے یہ دونوں قسم کی تبلیغیں تا قیامت قائم رہتی ہیں۔ علماء کے قلم کا فیض صوفیاء کے قلب کا فیض کبھی فنا نہیں ہوتا۔ اب پڑھو وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ (از روح البیان)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جنگ کرو ان لوگوں سے جو قریب ہیں تمہارے

اے ایمان والو جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب

الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا

یعنی کفار اور چاہیئے کہ پائیں وہ تم میں سختی اور جان لو

ہیں اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ الربع

کہ تحقیق اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے

اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق بہت دور سے سفر جہاد کا ذکر ہو رہا ہے اس سفر کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ صرف سفر والے جہاد ہی نہ کرو

بلکہ گھر والے جہاد بھی کر دجن میں سفر کرنا نہ پڑے بلکہ گھر والے جہاد سفر والے جہادوں سے پہلے کرد۔ گویا ایک قسم کے بعد دوسری قسم کے جہاد اور اُس کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ دوسرا تعلق ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ سارے مسلمان جہاد کے لئے نہ نکل جائیں تھوڑے جائیں باقی وطن میں رہیں اب ارشاد ہے کہ یہ احکام اس جہاد کے لئے ہیں جو باہر جاکر کرنا ہو۔ مگر جو جہاد گھر ہی رہ کر ہو اس میں یہ پابندی نہیں وہ بیک وقت سارے مسلمان کریں گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر و تشریح ہے۔ تیسرا تعلق گذشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ غازیوں کو راستہ کی بھوک۔ پیاس۔ جنگل کی مشقّت برداشت کرنے وغیرہ سب پر ثواب ملیگا۔ اب ارشاد ہے کہ اگر کوئی جہاد ان مشقتوں سے خالی بھی ہو تب بھی اُن کے ثواب جہاد میں فرق نہ آئے گا۔ جہاد بذاتِ خود بڑے ثواب کا باعث ہے۔

نزول

بعض صحابہ کو خیال ہوا کہ اپنے قرابتدار کفار پر جہاد نہیں کرنا چاہیئے شاید وہ سمجھے کہ اہلِ قرابتہ سے صِلہ رحمی اور سلوک کرنا چاہیئے اُن پر جہاد صِلہ رحمی اور سلوک کے خلاف ہے کہ مومن بیٹا کافر باپ پر تیر تلوار چلائے۔ اِن کے اس خیال کو دور فرمانے کے لئے یہ آیتہ نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ اَن پر تو پہلے جہاد کرنا چاہیئے۔ دور والے کفّار پر بعد میں (تفسیر روح المعانی) مقصد یہ ہے کہ جہاد میں کفار کو ستانا مقصود نہیں بلکہ انہیں راہِ راست پر لانا مقصود ہے یہ ایک طرح کا احسان ہے اور اہلِ قرابتہ احسان کے زیادہ حقدار ہیں وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا یہ روحانی احسان ہے۔

تفسیر

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ چونکہ عبادت خصوصاً جہاد کی درستی ایمان پر موقوف ہے کہ بغیر ایمان نہ جہاد قبول نہ کوئی اور عبادت۔ نیز حکم جہاد نفس پر بڑا بھاری ہے اسے ہلکا کرنا مقصود ہے نیز جہاد صرف ایمان وکفر کی بنا پر جنگ کرنے کا نام ہے۔ قومیت۔ ملک، وطن، زبان۔ طلب دنیا کے لئے لڑنا بھڑنا نرا فساد ہے جہاد نہیں۔ اِن وجوہ سے پہلے مجاہدین کو صفتِ مومنین سے پکارا۔ یہ بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں ان جیسے عام خطاباتِ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے۔ حضور کے لئے خاص خطابات ہیں یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ یَا اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ وغیرہ۔ لہٰذا اِس جگہ بھی حضور انور اس خطاب میں داخل نہیں۔ دیکھ لو کہ یہ سورت یعنی سورۂ توبہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آئی مگر حضور انور اس حکم پر اوّل سے ہی عامل تھے کہ حضور نے پہلے ہی اہلِ حجاز پھر اہلِ عرب پھر دور دراز علاقہ کے کفار پر جہاد فرمائے پھر شام وغیرہ کی طرف توجہ فرمائی۔ جیسے نماز کا حکم بعدِ معراج قرآن مجید میں آیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوّل سے ہی اس پر عامل تھے۔ ایمان و توحید کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ ایمان ایک اور صرف ایک چیز کا نام ہے۔ نبی کا ماننا۔ شعر

بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ۔ ظاہر یہ ہے کہ قَاتِلُوْا امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ جہاد بھی دوسری عبادت کی

طرح کچھ شرائط کے ساتھ مومنوں پر اکثر فرض کفایہ ہوتا ہے۔ اور کبھی فرض عین۔ چونکہ جہاد میں کفار سے لڑنا اصل مقصود ہے اس کے باقی لوازمات اس کے لئے ہیں اس لئے قَاتِلُوا فرمایا یعنی جنگ کرو لڑو۔ مجاہدین کی حفاظت اُن کی خدمت اُن کی پشت پناہ بننا بھی جہاد ہے یَلُوْنَ بنا ہے وَلِیٌّ سے بمعنیٰ قرب و نزدیکی خواہ جگہ کی نزدیکی ہو یا رشتہ قرابت اور نسب وحسب وغیرہ کی یَلُوْنَ اصل میں یَوْلِیُوْنَ تھا بر وزن یَضْرِبُوْنَ اس میں دو تعلیلیں ہوئیں پہلے یُعِدُ کے قاعدہ سے واؤ گرا پھر ی کا پیش لام کو دے کر اُسے گرا دیا گیا اَلْکُفَّارُ سے مراد ہر قسم کے حربی کافر ہیں خواہ مشرک ہوں یا اہل کتاب یا دھریئے۔ ہاں ذمی اور مستامن کفار پر نہیں کہ وہ ہماری امان میں ہیں خیال رہے کہ جیسے نماز روزے کے احکام میں صرف ایک بار نماز روزہ نہیں بلکہ مقصد ہے پڑھتے رہو ایسے ہی قَاتِلُوا کے معنیٰ ہیں جہاد کرتے رہو کہ مومن کی بقا جہاد میں ہے وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً یہ فرمانِ عالی بظاہر دوسرا حکم ہے مگر درحقیقت جہاد کے حکم کا تتمہ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ تم کفار کے مقابل سخت رہو مگر فرمایا یہ گیا کہ کفار تم میں سختی پائیں۔ غِلظہ مقابل ہے رِقّہ کا رِقَّتْ نرمی غِلظۃ سختی یعنی تم میں سختی ہونی بھی چاہئے اور اس کا اظہار بھی کفار پر رہے۔ سختی ہونا کافی نہیں۔ بلکہ کفار کا سختی محسوس کرنا ضروری ہے غِلظہ یعنی سختی میں بہت گنجائش ہے سخت جان۔ مضبوط ایمان مضبوط ارادہ جہاد کی پوری طاقت۔ کفار کے مقابلہ میں جرأت دہشت کی بات کرنا ارادہ کی پختگی سب ہی اس میں داخل ہیں کہ مصیبت میں صبر دورانِ جنگ استقامت کفار کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم جانا سب ہی اس میں داخل ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے مگر جہاد کی جان ہے یعنی ہمیشہ مگر جہاد میں خصوصاً تقویٰ۔ طہارت اللہ تعالیٰ کا خوف مومن کے لئے لازم ہے تقویٰ مومن کا وہ ہتھیار ہے جو کسی کافر کو میسر نہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اس کے مقابل کوئی مادی طاقت نہیں ٹھہرتی۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ساتھ بہت قسم کا ہے۔ رحمت و کرم نوازی کا ساتھ۔ نصرت و مدد کا ساتھ وغیرہ۔ یہاں یہ دونوں ساتھ مراد ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم اور مدد و نصرت پرہیزگاروں کے ساتھ ہے تم بوقت جہاد اعلیٰ درجہ کے متقی رہو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جب ہم تمہارے ساتھ ہوں تو کوئی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ دوسرے پارہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ایک جگہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سب مسلمانوں کے ساتھ ہے حضورِ انور نے غارِ ثور میں اپنے پیارے ساتھی ابوبکر صدیق سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ غرضکہ رب کی ہمراہی مختلف نوعیت کی ہے۔

خلاصۂ تفسیر اے مومنو! تم کو حکم دیا جا چکا ہے کہ سارے کفار پر جہاد کرو وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً مگر جہاد کی ترتیب یہ رکھو کہ پہلے اپنے قریب والے کفار سے جنگ کرو۔ یا اس طرح کہ پہلے اپنے عزیز و اقارب کافروں پر جہاد کرو یا اس طرح کہ پہلے اُن کافروں پر جہاد کرو جو تم سے قریب جگہ

ہیں پھر دور والے کافروں پر۔ چونکہ دنیا بھر کے کفار پر بیک وقت تو جہاد نہیں ہو سکتا لہٰذا اس ترتیب سے جہاد کرو۔ یہ بھی خیال رکھو کہ تم میں کفار کبھی بھی کسی طرح کا پلپلہ پن نہ پائیں۔ تم میں ہر طرح کی مضبوطی سختی۔ پختگی پائیں۔ مال تمہارے مضبوط ہوں۔ سامان جہاد تمہارے پاس اعلیٰ درجہ کا بقدر طاقت موجود ہو۔ کفار سے گفتگو نہایت بہادرانہ کرو۔ بدلہ کا موقعہ آئے تو ایسا بدلہ لو جو انہیں پشتوں یاد رہے ان کی بھاری تعداد کثرت سامان سے مرعوب نہ ہو جاؤ۔ ساتھ میں یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے یوں تو ہمیشہ پرہیزگار رہو مگر جہاد میں بڑے متقی بن کر رہو۔ **لطیفہ** کسی نے سکندر سے کہا کہ تیرے مقابل دارا کی فوج دس لاکھ ہے۔ ہنس کر بولا کہ قصائی بکروں کی زیادہ بھیڑ سے گھبرایا نہیں کرتا۔ **خیال رہے** کہ جہاد کی اس ترتیب میں کہ پہلے قریبی کافروں پر ہو پھر دور والوں پر بہت حکمتیں ہیں (۱) قریبی کافروں پر جہاد کرنے میں تھوڑی سواریاں تھوڑا سامان بھی کافی ہوتا ہے دور جا کر جہاد میں بڑے سامان وغیرہ کی ضرورت ہے بہر حال قریبی جہاد آسان ہے دور والا مشکل۔ آسان کام پہلے کرو مشکل بعد میں۔ (۲) قریبی کافروں کو چھوڑ کر دور والوں پر جہاد کرنا اپنے مکانات اور بال بچوں کو ہلاک کرنا ہے کہ مسلمان دور جگہ میں جہاد کرتے ہوں اور قریبی کافر ان کے شہروں بال بچوں پر ٹوٹ پڑیں پہلے قریب کو ہموار کرو پھر دور جا کر جہاد کرو۔ (۳) عام طور پر قریبی علاقہ کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں دور سے بے خبر لہٰذا قریب علاقہ کا فتح کرنا آسان ہے۔ (۴) بفضلہ تعالیٰ دار الاسلام دنیا میں پھیلا ہوا ہے تو ہر سلطنت اسلامیہ اپنے قریبی کافروں پر جہاد کرے یہ مناسب ہے نہ یہ کہ دور کے لوگ آ کر جہاد کریں بہر حال اس ترتیب میں بہت حکمتیں ہیں (تفسیر کبیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** مومن کی جنگ کفار سے جہاد ہے مگر کافر کی جنگ مومنین سے عین فساد ہے جنگ ایک ہے مگر اس کے رخ دو۔ یہ فائدہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خطاب سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** کفر و اسلام کے سوا کسی دنیاوی وجہ سے لڑنا بھڑنا جہاد نہیں فتنہ و فساد ہے جیسے برادریوں یا ملکی یا دہانی جھگڑوں کی بنا پر جنگ۔ یہ فائدہ بھی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** مومن بھی کفار سے جنگ کریں تو نہ ملک کے لئے کریں نہ مال کے لئے صرف اسلام پھیلانے کے لئے یہ فائدہ بھی اس اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے حاصل ہوا۔ شعر

جنگِ کافر فتنہ و غارتگری است جنگِ مومن سنتِ پیغمبری است

اس لئے قرآن مجید میں جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فرمایا گیا۔ **چوتھا فائدہ** ہر قسم کے کفار پر جہاد کیا جاتا ہے خواہ مشرک ہوں یا کتابی یا اور۔ یہ فائدہ اَلْكُفَّارُ جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** جہاد میں کسی کافر کی رعایت نہیں اپنا ہو یا پرایا یہ فائدہ یَلُوْنَكُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ قریبی سے مراد نسبی قریبی ہوں۔ اس کی تفسیر غازیانِ بدر کی سیرت پاک ہے کہ حضرتِ ابو بکر صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مقابلہ کی دعوت

دی کہ آ بیٹا۔ باپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ ایسے جہاد میں اللہ کی رحمت کیوں نہ شامل حال ہو۔ چھٹا فائدہ۔ مجاہد غازی کفار کے سامنے اپنی بہادری ظاہر کرے اس سے سخت کلام کرے شیخی کی باتیں کرے سب جائز ہے۔ یہ فائدہ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً اِس غلظہ یعنی سختی میں کلام کی سختی بھی داخل ہے۔ خیال رکھو کہ کمزور ہونا برا نہیں اپنے کو کمزور سمجھنا برا ہے۔ ہر مجاہد اپنے کو بہادر اپنے مقابل کافر کو بزدل سمجھ کر میدان میں جائے انشاءاللہ مار کر آئیگا۔ ساتواں فائدہ تقوٰی و پرہیزگاری ہر وقت ضروری ہے مگر بحالتِ جہاد بہت ضروری کہ اُس وقت غازیوں کی نصرت اور تائید الٰہی کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور اللہ کی مدد و رحمت تقوٰی سے آتی ہے۔ یہ فائدہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ سے حاصل ہوا۔ بعض غازی مجاہد نماز میں سستی کرتے ہیں۔ بعض لوگ غنیمت یعنی لوٹ مار پر نظر رکھتے ہیں یہ غلطی ہے اللہ فتح دے پھر سب کچھ تمہارا ہی ہے ایمان و تقوٰی جہاد میں مومنوں کا بہترین ہتھیار ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قریبی کافروں پر جہاد کرنا چاہیئے۔ دور والوں پر نہیں کہ فرمایا گیا يَلُونَكُمْ **نوٹ**۔ بعض مفسّرین نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً سے یہاں صرف قریبی کافروں پر جہاد کا حکم ہے وہاں سارے کافروں پر۔ **جواب** یہ اعتراض جب درست ہوتا جب یہاں فرمایا جاتا کہ صرف قریبیوں سے جہاد کرو۔ حصر کا لفظ کوئی نہیں یہ آیتِ کریمہ جہاد کی ترتیب بتا رہی ہے کہ پہلے قریبی کافروں پر جہاد کرو پھر دور والوں پر۔ گویا یہ آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً کی تفسیر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے غزوات اس کی تفسیر ہیں۔ صحابہ کرام نے شام فتح کرنے کے بعد عراق کا رخ کیا۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے کہیں فرمایا گیا کہ اللہ صابروں کیساتھ ہے کہیں فرمایا کہ اللہ ہر مومن کے ساتھ ہے کہیں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ساتھ ہے وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ بتاؤ کون سی آیت صحیح ہے رب کس کے ساتھ ہے۔ **جواب** اِس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ کہ رب تعالیٰ قہر و غضب سے کافروں کے ساتھ ہے رحم و کرم کے ساتھ مومنوں کے ساتھ ہے مجرم کے ساتھ بھی پولیس ہوتی ہے اور شاہی مہمان کے ساتھ بھی جب کہ اُس کا استقبال کرتی ہے **تیسرا اعتراض** مسلمانوں سے فرمایا گیا قَاتِلُوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ فرقِ بیان کی وجہ کیا ہے۔ **جواب** جہاد عام ہے قتال خاص قتال صرف تلوار سے لڑنے کو کہتے ہیں مگر جہاد تلوار۔ زبان۔ قلم سب سے جہاد کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف کفار کا ذکر ہے وہاں منافقوں کا بھی جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ منافقوں پر تلوار سے جہاد نہیں ہوتا صرف زبان سے ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف کفار پر ہو گا۔ مگر حضرتِ علی نے جنابِ امیر معاویہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے جہاد کیا۔ یہاں کفار کی قید کیوں لگائی گئی۔ **جواب** وہ جہاد نہ تھا بلکہ بغاوت دبانے کے لئے

قتال کھارب فرماتا ہے وَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ باغیہ جماعت سے قتال کرو۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اس لئے اس جنگ میں نہ کسی کا مال غنیمت بنایا گیا نہ کسی کو لونڈی غلام۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا یہ ہمارے بھائی ہیں ہم پر بغاوت کر بیٹھے۔ پانچواں اعتراض حضرت علی نے خوارج پر جہاد کیا وہ بھی تو مسلمان غازی تھے۔ جواب خارجی لوگ کافر مطلق ہیں۔ اُن کے متعلق حضور انور نے فرمایا کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر اسلام سے ایسے نکل چکے ہوں گے جیسے کمان یا شکار سے تیر۔

تفسیر صوفیانہ

اے مومنو! پہلے اپنے قریبی کافر نفس اَمّارہ پر قتال و جہاد کرو۔ پھر خارجی اور دور والے کافروں پر خیال رکھو کہ خارجی کافروں سے جہاد آسان ہے مگر اپنے نفس سے جہاد مشکل اس لئے تم میں خوب سختی اور غلظت چاہیئے کسی وقت نفس تم کو نرم نہ پائے۔ شعر۔

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں	ماند خصمے زو بتر در اندروں
قَدْ رَجَعْنَا مِنْ جِہَادِ الْاَصْغَرِ نَحْمُ	با عدو اندر جہادِ اکبریم
سہل شیرے داں کہ بشکند دروں	شیر آنست آنکہ خود را بشکند

کفار سے جہاد جہادِ اصغر ہے اپنے نفس سے جہاد جہادِ اکبر کفار پر جہاد تیر و تلوار سے ہوتا ہے نفس سے جہاد خوفِ خدا عشق نبی مختار کے ہتھیار سے ہوتا ہے۔ تیر و تلوار بازار میں مل جاتے ہیں مگر یہ ہتھیار کوچۂ یار سے ملتے ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا۔ فرعون سے نرم بات کرنا مگر ہمارے محبوب سے فرمایا گیا یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْہِمْ اور اُمت رسول سے فرمایا گیا وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں وہاں جمال کی طرف رہبری کی گئی۔ ہمارے حضور جمالی رسول انہیں جلال کی تعلیم دی گئی۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ فَمِنْہُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ اَیُّکُمْ

اور جب کبھی اُتاری جاتی ہے سورت پس اُن میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم

اور جب کوئی سورت اترتی ہے تو ان میں کوئی کہنے لگتا ہے کہ اس نے تم میں

زَادَتْہُ ہٰذِہٖٓ اِیْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْہُمْ

سے کون ہے کہ بڑھا دیا اس کو اس نے ایمان پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے پس

کس کے ایمان کو ترقی دی تو وہ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو اس نے ترقی دی

اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ

بڑھاتی ہیں ان کے ایمان کو اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اور لیکن وہ لوگ کہ ان کے دلوں

اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اور جن کے دلوں میں

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ

میں بیماری ہے پس بڑھاتی ہیں ان کی گندگی طرف ان کے اور

آزار ہے انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی اور

مَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

وہ مر گئے حالانکہ وہ کافر ہیں

وہ کفر ہی پر مر گئے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ متقین مومنین کے ساتھ ہے یعنی اللہ کی رحمت متقین کے ساتھ ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ اس سے پتہ لگا کہ کفار و منافقین کے ساتھ اللہ کی رحمت نہیں اب اس ہمراہی کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ چونکہ مومنوں کے ساتھ اللہ ہے لہٰذا کلام اللہ قرآنِ مجید کی ہر سورۃ ہر آیت اُن کے ایمان میں اضافہ کرتی ہے اور چونکہ منافقین اللہ تعالیٰ کا غضب لہٰذا قرآنِ مجید کی ہر سورت اُن کے کفر میں اضافہ کرتی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کا نتیجہ ہے۔ دوسرا تعلق گذشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ سارے مومن غزوہ میں نہ جائیں بلکہ کچھ لوگ حضورِ انور کے ساتھ مدینہ میں رہیں تاکہ وہ اس زمانہ میں تفقہ فِی الدِّیْن اور مبلغ بنیں اب ارشاد ہے کہ یہ نعمت صرف مومنوں کو نصیب ہو گی رہے منافقین وہ حضور انور کے پاس رہ کر آیاتِ قرآنیہ کا نزول دیکھ کر اپنا کفر ہی بڑھائیں گے گندا سمندر میں غوطہ لگا کر زیادہ گندا ہی ہو گا۔ تیسرا تعلق۔ گذشتہ پچھلی آیات میں مومنین مجاہدین کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ اُن کی ہر حرکت اللہ کی رحمت ہے راہِ خدا میں بھوک پیاس۔ تکلیف کفار کے ملک میں داخل ہونا خروج کرنا سب ہی ثواب کا باعث ہے ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جیسے مومنوں کی حرکت میں برکت ہے ایسے اُن کے ہر سکون میں مدینہ منورہ میں حضور کے ساتھ رہنے میں رحمت ہی رحمت گویا مومنوں کی جنبش و سکون بابرکت ہیں کہ جہاد میں جائیں تو ثواب بڑھے حضورِ انور کے ساتھ رہیں تو ایمان بڑھے۔ منافقوں کی ہر حرکت و سکون لعنت ہی لعنت ہے اگر جہاد میں جائیں

نامۂ اعمال کی سیاہی بڑھائیں۔ یہاں رہیں تو روسیاہی بڑھائیں۔

تفسیر وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ چونکہ یہ فرمانِ عالی علیحدہ کلام ہے اس لئے اِس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس میں اِذَا یا ظرفیہ ہے یا شرطیہ گرمَا بہرحال نکرہ کا ہے جس نے ظرفیت کو عام کر دیا اب معنیٰ ہوئے جب کبھی یہاں اِنزال کے معنیٰ مطلقاً اترنا ہے نہ کہ یکدم اترنا سورۃ سے مراد مطلقاً قرآن مجید کا کوئی حصّہ ہے۔ خواہ سورۃ ہو یا آیت۔ سورۃ اور آیت کا فرق اِن کے اَقسام اور احکام سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ یعنی جب بھی قرآن مجید کا کا کوئی حصّہ اتارا جاتا ہے فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا یہ عبارت اِذَا مَا کی جزاء ہے لہٰذا ف جزائیہ ہے ھُمْ سے مراد منافقین ہیں نہ کہ ضعفاءِ مومنین جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا يَقُوْلُ کا تعلق منافقین سے ہی ہے یعنی بعض منافقین اپنی مجلسوں دوسرے منافقوں سے بطورِ مذاق و دل لگی کہتے کہ میرا ایمان تو بڑھا نہیں تم میں کوئی ایسا ہے جس کا ایمان اِس نازل شدہ آیت سے بڑھا ہو وہ جواب دیتے ہیں۔ نہیں جی ہمارا ایمان بھی نہیں بڑھا اس بکواس میں وہ اس آیت کریمہ کا مذاق اُڑاتے تھے کہ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا یعنی جب مسلمانوں پر آیاتِ الٰہیہ تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھا دیتی ہیں یہ مردود کہتے کہ یہ آیت غلط ہے کیونکہ آیات اتر رہی ہیں ہم میں سے کسی کا ایمان بھی نہیں بڑھا۔ بے وقوفو اگر ایمان ہوتا تو بڑھتا جب تمہارے پاس ایمان ہے ہی نہیں تو بڑھے کیا چیز۔ چنانچہ ارشاد ہوا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا یہ فرمانِ عالی اُن منافقوں کی تردید کے لئے ہے خیال رہے کہ ایمان نبی سے ملتا ہے نہ کہ صرف قرآن سے۔ قرآن مجید کی آیتیں اس حاصل شدہ ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں بارش کا پانی بوئے ہوئے تخم کو اُگا دیتی ہے تخم بونا کاشت کار کا کام ہے دل میں تخم ایمان نگاہِ مصطفوی بوتی ہے قرآن مجید اُسے اُگاتا ہے۔ بعض وہ لوگ ہیں جو عین جہاد کی حالت میں حضور کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہید ہو گئے انہوں نے قرآنِ مجید کا نام بھی نہیں سنا۔ فرعونی جادوگروں نے توریت کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شہید ہو گئے یہ بات خوب خیال میں رہے اِس لئے اِس آیت اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کو بطورِ شرط بیان فرمایا۔ اور فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا بطورِ جزاء۔ بہرحال قرآن ایمان دیتا نہیں بڑھاتا ہے۔ عطاءِ ایمان نگاہِ مصطفیٰ سے ہے ایمان کی زیادتی و کمی کی بحث ہم بارہا کر چکے ہیں کہ نفسِ ایمان مقدار میں نہیں بڑھتا کہ کسی کا ایمان آدھا ہو کسی کا پورا کسی کا سوایا کسی کا ڈیوڑھا وغیرہ۔ ایمان دلی یقین کا نام ہے جو ایک بسیط چیز ہے ہاں ایمان کی کیفیت بڑھتی گھٹتی ہے کہ کسی کو یقین کسی کو عینُ الیقین کسی کو حقُّ الیقین حاصل ہوتا ہے۔ یا مومَنٌ بِہٖ کی زیادتی ہوتی ہے کہ جتنی آیات آتی گئیں اس پر ایمان لاتے گئے اس کی کچھ تحقیق ہم تیسرے پارہ میں وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ وَهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ یہ عبارت حال ہے زَادَتْهُمْ کی ھُمْ سے استبشار کے معنیٰ ہیں۔ خوشی منانا یا ایک دوسرے کو خوشخبری سنانا مبارکباد دینا یعنی مومن کا ایمان اس حال میں بڑھتا ہے کہ وہ نزولِ آیات پر خوشیاں مناتے ایک دوسرے

کو مبارک دیتے ہیں کیونکہ بعض آیات میں حضور کی نعت ہوتی ہے جو ایمان کی جان ہے کسی میں مومنین کو رحمت و برکت کی خوشخبری کسی میں آئندہ فتح و نصرت کی بشارت کسی میں کفار پر عتاب کسی میں شریعت کے احکام یہ تمام چیزیں خوشی کی ہیں۔ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یہ تصویر کا دوسرا رُخ ہے جس میں منافقین کی حالتِ زار کا ذکر ہے۔ الذین سے مراد منافقین ہیں۔ مرض سے مراد وہ نفاق اور حیرت ہے جو دل کی بیماری ہے۔ جیسے بدن کی بیماری کا انجام موت ہے ایسے ہی دل کی بیماری کا انجام بلاکت روح ہے۔ منافقین کو یہ بیماری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ کبھی سمجھتے ہیں حضور انور برحق ہیں کبھی سمجھتے ہیں کہ نہیں فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ یہ فرمانِ عالی خبر ہے اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ (الخ) کی چونکہ اَمَّا نے اس میں شرط کے معنیٰ پیدا کر دیئے تھے۔ اس لئے یہاں فِ ارشاد ہوئی زلات کا فاعل مذکورہ آیاتِ قرآنیہ ہیں جس سے مراد ان کی بدعقیدگی اور انکارِ آیات ہے رِجْس اور نجس دونوں کے معنیٰ پلیدی یا نجاست ہے مگر اکثر لفظِ نجس طبعی پلیدی پر بولا جاتا ہے اور رِجس عقلی گندگی کو چونکہ یہاں بدعقیدگی مراد ہے جو کہ عقلی نجاست ہے اس لئے رجس ارشاد ہوا (روح البیان) وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے فَزَادَتْهُمْ (الخ) پر اور منافقین کے دوسرے بُرے انجام کا ذکر۔ اس میں ماضی بمعنیٰ استقبل ہے خلاصہ یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کے نزول سے مسلمانوں کو دو نفع ہیں۔ ایمان میں زیادتی اور بشارت منافقوں کو دو نقصان کفر کی زیادتی اور کفر پر موت۔ خیال رہے کہ کفر بھی ایک بسیط چیز ہے جس میں مقدار کی زیادتی کمی نہیں ہوتی کوئی آدھا تین پاؤ کافر نہیں ہوتا نہ کوئی سوایا یا ڈیڑھ کافر۔ ہاں نفعت میں زیادتی کمی ہوتی ہے۔ کوئی سخت تر کافر کوئی ہلکا کافر رب فرماتا ہے اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا یا یہ مطلب ہے کہ آیات نازل ہوتی رہتی ہیں اُن کے دل کا انکار بڑھتا رہتا ہے کہ ہر آیت کا انکار کرتے جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ فرمانِ عالی اُن منافقوں کے متعلق ہے جن کا کفر پر مرنا علمِ الٰہی میں آچکا تھا۔ اس لئے آئندہ موت کو ماضی سے تعبیر فرمایا ورنہ بعض منافقین توبہ کر کے مخلصین بن گئے غالب یہ ہے کہ نفاق پر مرنے والے وہ منافقین تھے جو یہ بکواس کرتے تھے کہ بولو آیات نے کسی کا ایمان بڑھایا۔

خلاصۂ تفسیر جب بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ آیت یا سورۃ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا ہے تو منافقین اپنی مخصوص مجلسوں میں دل لگی مذاق کے طور پر بعض سے پوچھتے ہیں کہ بولو اس آیت نے کسی کے ایمان میں اضافہ کیا تو دوسرے کہتے ہیں کہ ہم میں سے تو کسی کا ایمان نہیں بڑھایا۔ بے وقوفو! یہ فیصلہ رب سے سنو۔ لوگ دو طرح کے ہیں مخلصین اور منافقین۔ مخلصین کو ہر آیت سے دو نعمتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اس میں ترقی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ہر آیت کے نزول پر خوشیاں مناتے ہیں ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ منافقین پر ہر آیت سے دو آفتیں آتی ہیں ایک یہ کہ اولاً تو اُن میں پہلے سے ہی پلیدی موجود ہے نزول آیتہ سے وہ اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ آیات کا انکار کر کے ان کا مذاق اڑا کر کفر

پر ہی مریں گے۔ اُن کے لئے یہ ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ بارش زمین میں سبزہ اگاتی ہے گندی نالی میں اور گندگی بڑھاتی ہے بارش تمام زمین کے لئے رحمت ہے گندی نالی کے لئے زحمت۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ آیات قرآنیہ کا مذاق اڑانا کفر ہے اور طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ اَیُّکُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ منافقین یہ گفتگو مذاق کے طور پر کرتے تھے۔ دوسرا فائدہ قرآنِ مجید سچا ہے اس کی کسی چیز کسی تاثر کو غلط سمجھنا کفر اور طریقۂ منافقین یہ فائدہ بھی اس اَیُّکُمْ زَادَتْهُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ منافقین یہ گفتگو اس آیت کو غلط ثابت کرنے کے لئے کرتے تھے وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا قرآن کی ہر خبر سچی ہے اگر کسی موقعہ پر اُس خبر کا ظہور نہ ہو یا الٹا ظہور ہو تو اُس کی وجہ ہماری اپنی خرابی ہے۔ اگر بارش کھاری زمین میں پیداوار نہ کرے تو بارش کی خرابی نہیں زمین کی خرابی ہے۔ شعر۔

باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

تیسرا فائدہ۔ ایمان اور کفر دونوں کی کیفیت میں زیادتی کمی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے۔ یہ فائدہ فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا اور فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ سے حاصل ہوا۔ مگر کیفیت اور مقدار کا فرق خیال میں رہے چوتھا فائدہ قرآن مجید سے ایمان نہیں ملتا بلکہ کبھی زیادتیِ ایمان ملتی ہے۔ یہ فائدہ آمَنُوْا ماضی اور زَادَتْهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ آیاتِ قرآنیہ مومنین کے لئے رحمت ہیں منافقین و کفار کے لئے عذاب جیسے بارش کا پانی اچھی زمین کے لئے رحمت کھاری زمین اور بعض گھاس کے لئے نقصان وہ یہ فائدہ اِن دونوں آیتوں کے مضمون سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ نزولِ آیات کی تاریخوں میں خوشیاں منانا بلکہ خود بعض آیات پر خوشی منانا مومنین کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالیٰ کو پسند ہے یہ فائدہ وَهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ سے حاصل ہوا۔ بعض لوگ جب اُن کے بچے مکتب میں سورۂ اقراء شروع کرتے ہیں تو شیرینی تقسیم کرتے ہیں ان سب حضرات کی دلیل یہ ہی آیت ہے وَهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۔ ساتواں فائدہ یوں ہی عید میلاد النبی منانا۔ ربیع الاول میں روشنی۔ خیرات جیسے جلوس قائم کرنا رات کو نوافل پڑھنا مومنین کا طریقہ ہے آیات کے نزول پر خوشی منانا رب کو پیارا ہے تو جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے ان کی تشریف آوری کی خوشی منانا رب کو ضرور پیارا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا اور فرماتا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی اپنے رب کے فضل و رحمت پر فرحت و سرور کرو اور اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔ حضورِ انور تمام رحمتوں نعمتوں سے بڑی رحمت بڑی نعمت ہیں۔ حتیٰ کہ رب نے اس کا احسان جتایا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ (الخ) شعر

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منّت پہ لاکھوں سلام

آٹھواں فائدہ جس کے دل میں نبی سے عداوت قرآن مجید سے نفرت ہو خطرہ ہے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ ایسے بدبخت کو ہدایت بمشکل ملتی ہے یہ فائدہ وَمَاتُوْا وَهُمْ كَافِرُوْنَ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ برے عقیدے دل کی نجاست روح کی خباثت ہے جیسے پیشاب پاخانہ جسم کی نجاست ہے یہ فائدہ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔

پہلا اعتراض اس آیت میں فرمایا گیا کہ منافقین سورتِ قرآنی کے نزول پر یہ مذاق اڑاتے تھے۔ کیا وہ آیت کے نزول پر مذاق نہیں اڑاتے تھے۔ **جواب** یہاں سورۃ سے آیتہ کا مقابلہ نہیں بلکہ اس سے مراد حصۂ قرآنی ہے۔ خواہ آیت ہو یا سورۃ دیکھو رب فرماتا ہے فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وہاں بھی سورت کے یہ ہی معنیٰ ہیں۔ یعنی حصۂ قرآن۔ **دوسرا اعتراض** فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ سے پتہ چلتا کہ یہ کہنے والے کون تھے اور کس سے کہتے تھے۔ **جواب** عام مفسرین نے فرمایا کہ کہنے والے بھی منافقین تھے اور جن سے کہتے تھے وہ بھی منافقین تھے۔ بعض نے کہا منافقین بعض نو مسلم ضعفا سے یہ کہتے تھے انہیں بہکانے کے لئے ایک قول یہ بھی ہے بعض مومن دوسرے مومنوں سے یہ کہتے تھے۔ اظہار خوشی کے لئے اور قرآن پاک کی تعریف کرتے ہوئے مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ پہلے بھی منافقین کا ذکر ہوا اور آئندہ بھی انہیں کا تذکرہ ہے اور یہ کلام مذاق دل لگی اور قرآنِ کریم کو جھٹلانے کے لئے ہے۔ (از خازن و روح البیان) **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر دونوں میں زیادتی کمی ہوتی ہے مگر فقہاء اور متکلمین کہتے ہیں کہ ان دونوں میں نہ زیادتی ہو نہ کمی۔ ان کا یہ قول اس آیتِ کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب تو تیسرے پارہ میں دیا گیا وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ کی تفسیر میں اجمالی جواب ابھی تفسیر میں گزرا کہ فقہاء مقدار کی زیادتی کمی کا انکار کرتے ہیں۔ آیت میں کیفیت زیادتی مراد ہے فقہاء کا قول بالکل درست ہے ایک آیت کا منکر بھی پورا کافر ہے۔ آدھا یا پونا کافر نہیں اور سارے قرآن کا منکر بھی پورا کافر ہے بلکہ حضور انور کی بارگاہ میں بے ادبی سے چیخ کر بولنے والا بھی پورا کافر ہے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ **چوتھا اعتراض** یہاں منافقین اور کفار سے متعلق مرض اور رِجْسٌ دونوں ثابت فرمائی گئی۔ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔ **جواب** نفاق و کفر دونوں دل کی بیماری ہیں اور روح کو گندی کرنے والی چیزیں۔ انہیں دل کے لحاظ سے مرض فرمایا اور روح کے لحاظ سے رِجْس یا یوں کہو کہ کفر و نفاق دل کی بیماریاں ہیں۔ اور دل بادشاہ ہے باقی چیزیں رعایا۔ دل صحیح ہے تو سب کچھ صحیح ہے دل گندا ہے تو سب کچھ گندا۔ ان کے دل میں کفر کی بیماری آئی جس سے دل پلید ہوا اور دل کی پلیدی سے وہ پورے کے پورے ہی گندے ہو گئے اس لئے ارشاد ہوا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور پھر ارشاد ہوا فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ یہاں قلب کا ذکر نہیں۔

پانچواں اعتراض نحوی قاعدے سے زیادتی کے بعد الیٰ نہیں آنا چاہیے پھر رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ کیوں فرمایا گیا الیٰ انتہا کے لئے آتا ہے۔ جواب تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ یہاں الیٰ بمعنیٰ مع ہے جیسے رب فرماتا ہے وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ میں الیٰ بمعنیٰ مع ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں زَادَتْهُمْ میں ضم یعنی ملانے کے معنیٰ شامل ہیں اور ضم بِ سے بھی آتا ہے۔ الیٰ سے بھی (معانی)

تفسیر صوفیانہ انسانوں کے دل دو طرح کے ہیں بعض وہ جن میں قدرت نے ایمان کا تخم بویا ہے بعض وہ جن میں طغیانی کا تخم ودیعۃ ہے قرآن مجید رحمت کی بارش ہے جو انسانوں کے دلوں پر برستی ہے اس بارش سے مومنوں کے دلوں میں ایمان عرفان عشقِ رسول خوفِ خدا کے باغ لگ جاتے اور کفار و منافقین کے دلوں میں ببول وغیرہ خاردار درختوں کے جھنڈ یہ بدنصیب آپس میں حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ قرآن کریم نے تو فرمایا تھا کہ آیاتِ قرآنیہ ایمان بڑھاتی ہیں ہم میں سے تو کسی کا ایمان نہیں بڑھتا مگر یہ نہیں سوچتے کہ ایمان بڑھے تب جبکہ اس کا تخم پہلے بویا جا چکا ہو۔ اطمینان رحمتِ رحمان ہے حیرت دل کا مہلک مرض ہے جس سے دل کی موت واقع ہوتی ہے اس مرض کا جلد علاج کرنا چاہیئے۔ اس کا علاج صحبتِ صالحین ہے رب فرماتا ہے وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اور اس کا پرہیز منافقین کی صحبت سے نفرت۔ فرمایا نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کہ اس قرآن عظیم کے ذریعہ رب تعالیٰ بعض لوگوں کو گرائے گا بعض کو اُٹھائیگا صوفیاء فرماتے ہیں کہ نیک اعمال سے ایمان کے کمال میں زیادتی ہوتی ہے حضرت صدیق اپنے دوستوں سے کہتے تھے آؤ اپنے ایمان بڑھائیں۔ حضرت علی فرماتے تھے کہ ایمان سے دل میں سفیدی اور چمک پیدا ہوتی ہے نفاق سے دل میں سیاہی آتی ہے۔ کہ آخر میں مومن کا دل خالص چٹا چکیلا ہو جاتا ہے کافر کا دل خالص کالا اگر کوئی مومن دل نکال کر دیکھے تو سفید پائیگا۔ منافق و کافر کا دل سیاہ دیکھے گا۔ تفسیر خازن نیز صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ ایمان کی طرح احسان میں بھی زیادتی کمی ہوتی ہے احسان کی ابتداء وہ ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہ خیال کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اس احسان کی انتہاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کا آنکھ۔ کان۔ زبان۔ ہاتھ پاؤں ہو جاتے کہ بندہ اللہ کی قوت و قدرت سے دیکھے سُنے۔ بولے چھوئے چلے پھر جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے یہاں تک کوئی کوئی خوش نصیب پہنچتا ہے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ
اور کیا نہیں دیکھتے وہ کہ تحقیق وہ مبتلا کیئے جاتے ہیں ہر سال ایک دفعہ یا دو
کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

دفعہ پھر نہیں توبہ کرتے وہ اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں

پھر نہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت مانتے ہیں

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ط

اور جب کبھی اتاری جاتی ہے کوئی سورت تو دیکھتے ہیں بعض ان کے طرف بعض

اور جب کوئی سورت اترتی ہے ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ط صَرَفَ اللّٰهُ

کے کیا دیکھ رہا ہے تم کو کوئی ایک پھر لوٹ جاتے ہیں وہ لوٹ دیئے اللہ

کہ کوئی تمہیں دیکھتا تو نہیں پھر پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے

قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

نے دل ان کے اس وجہ سے کہ تحقیق وہ قوم ہیں جو نہیں سمجھتے

کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قرآن سے مومنین کے ایمان میں منافقین کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اب ارشاد ہے کہ دنیا کی آفتیں اور مصیبتیں مومنوں کی آنکھیں کھول دیتی ہیں مگر منافقوں کافروں کی غفلت اور زیادہ ہو جاتی ہے گویا قرآنی آیات کی تاثیر کے بعد دنیوی آفات کی تاثیر کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں منافقین کے غائبانہ قول وفعل کا ذکر ہوا تھا کہ وہ حضور انور کی مجلس سے دور اور غائب رہ کر آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں اب اُن کی حاضرانہ حرکتوں کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ حضور انور کی بارگاہ عالی میں رہ کر کیا حرکتیں کرتے ہیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا کہ قرآنی آیات سے منافقین نقصان ہی پاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ پاک سے بھی یہ بدنصیب محروم ہی رہتے ہیں گویا اُن کی ایک بدنصیبی کے ذکر کے بعد دوسری بدنصیبی کا تذکرہ ہے۔

تفسیر اَوَلَا يَرَوْنَ اس فرمانِ عالی میں الف تو انکار سوال کا ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ یہ فرمان نیا جملہ ہے ہماری قرآۃ میں یَرَوْنَ یٰ سے ہے اس کا فاعل منافقین ہیں جن کا ذکر پہلے سے چلا آرہا ہے ایک قرآۃ میں ترون

ت سے ہے۔ تو خطاب مسلمانوں سے ہے یَرَوْنَ بنا ہے رائ سے بمعنی غور کرنا رویتہ بمعنی دیکھنے سے نہیں بنا۔ یعنی کیا منافقین یہ غور نہیں کرتے۔ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ۔ یہ عبارت یَرَوْنَ کا مفعول ہے ھم کا مرجع ہے مذکورہ منافقین ہیں یُفْتَنُوْن بنا ہے فِتْنَةٌ سے بمعنی آزمانا یا بمعنی آفات میں مبتلا کیا جانا۔ اس سے مراد یا تو بیماریاں ہیں یا قحط سالیاں یا اسلامی جہاد جو منافقوں کے لئے وبالِ جان ہوتے ہیں کہ اگر ان میں شریک نہ ہوں تو ان کا نفاق کھل جائے اور دنیا ان پر طعن کرے اگر جائیں تو وہاں زخمی ہونے اور مارے جانے کا خطرہ ہو جو ان کے لئے پوری مصیبت یا مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا قرآنِ مجید جو سال میں ایک دو بار ان کے پول کھولتا ہے وقتاً فوقتاً حضرت جبرائیل کا حضورِ انور کو ان کی خفیہ تدابیر پر مطلع کرنا ہے اور حضور انور کا مسلمانوں کو بتا دینا ہے۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ یہ عبارت معطوف ہے یُفْتَنُوْنَ (الخ پر) ثُمَّ فرما کر یہ بتایا کہ انہیں اس کے بعد کافی مہلت دی جاتی ہے کہ غور کریں مگر وہ اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے نہ زبان سے سچی توبہ کرتے ہیں کہ ہم پر یہ آفات کیوں آرہی ہیں یَذَّكَّرُوْنَ بابِ تفعّل سے ہے تِ کا ذال میں ادغام ہو گیا۔ خیال رہے کہ یہاں مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ عدد کے لئے نہیں بلکہ تکرار اور زیادتی کے لئے ہے جیسے رب فرماتا ہے فَارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ وہاں بھی کَرَّتَیْنِ کے معنیٰ دوبار نہیں بلکہ بار بار ہیں یہاں تک تو ان کی بڑی غفلت اور لاپرواہی کا ذکر ہوا اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے حالانکہ حضور انور کی صحبت سے قرین شیطان بھی مسلمان ہو گیا نبی کریم فرماتے ہیں وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ میری رب نے مدد کی کہ وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے بھلائی کا ہی مشورہ دیتا ہے یہ لوگ انسان ہو کر بھی فیض نہیں پاتے چنانچہ ارشاد ہے وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اس فرمانِ عالی کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی کہ اِذَا مَا کے معنیٰ ہیں جب کبھی اور سورۃ سے مراد ہے قرآنِ مجید کا حصہ خواہ آیت ہو یا سورۃ۔ یہاں نزول سے مراد ہے منافقین کی موجودگی میں نزول کہ وہ حضورِ انور کی مجلس میں ہوں اور آیت اترے اور سورۃ سے مراد آیت یا سورۃ ہے جس میں منافقین کے عیوب سنائے گئے ہوں اور ممکن ہے کہ حمد و نعت کی آیات مراد ہوں یا مطلقاً ہر طرح کی آیت یا سورۃ نَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ یہ اِذَا مَا کی جزاء ہے دونوں بعض سے مراد منافقین ہیں جو حضور انور کی مجلسِ پاک میں بکھرے ہوئے بیٹھے ہوتے تھے یعنی اس موقع پر یہ لوگ مجلس پاک سے ترکیب کے ساتھ اٹھ جانے کی تیاری کرتے ہیں۔ چنانچہ اولاً تو وہ ایک دوسرے کو آنکھوں آنکھوں میں اشارے کرتے ہیں۔ کہ چلو اب یہاں ٹھہرنا ہمارے لئے نقصان دہ ہے ہمارے عیوب کی آیات اتری ہیں کہیں ہمارا راز فاش نہ ہو جائے یا حمد و نعت اور احکامِ اسلام کی آیات اتر رہی ہیں۔ جن سے ہم کو ہنسی آرہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری ہنسی زور سے نکل جائے اور ہم رسوا ہو جائیں۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) مگر یہ دیکھ لو هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اس

فرمان عالی میں احد سے مراد مومنین حاضرین ہیں یعنی کیا تمہیں کوئی مسلمان دیکھ رہا ہے تو بیٹھے رہو اگر نہیں دیکھ رہا تو اٹھ چلو مگر نمبردار ثُمَّ انْصَرَفُوْا یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے اس میں ثُمَّ فرماکر یہ بتایا کہ وہ لوگ کچھ دیر اس کشمکش میں رہتے ہیں کہ اُٹھیں یا نا اٹھیں اور اٹھیں تو کس طرح اٹھیں کہ لوگ نہ ہم کو دیکھیں نہ ہمارے جانے سے خبردار ہوں۔ جہاں دیکھا کہ مسلمان ہمہ تن گوش بن کر حضور انور کی طرف متوجہ ہیں ہم سے بے خبر ہیں تو چپکے سے ایک دو کر کے سارے اُٹھ گئے باہر جا کل گئے رب نے فرمایا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یہ فرمان عالی بددعا کا ہے۔ رب تعالیٰ کی بددعا کا مقصد ہوتا ہے اظہارِ غضب جیسے قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یا بیان واقعہ کے لئے دروح المعانی و روح البیان وغیرہ) یعنی اللہ ان کے دل اسلام سے پھیرے ہی رکھے یا پھیرے رکھے گا یا اُن کا اٹھ جانا اس لئے ہے کہ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں غرضکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۔ اس فرمان عالی کا تعلق یا تو صَرَفَ اللّٰهُ سے ہے یا اِنْصَرَفُوْا سے یعنی رب نے اُن کے دل اس لئے پھیر دیئے یا وہ اُس مجلس پاک جہاں فرشتوں کو حاضری کی تمنا رہتی ہے اس لئے اُٹھ جاتے ہیں کہ وہ ناسمجھ قوم ہے۔ (معانی) یا اللہ نے اُن کے دل اس مجلس پاک سے دور کر دیئے پھیر دیئے کہ وہ قوم احمق بے وقوف ہے۔ وہ جب اس مجلس پاک میں آتے ہیں تو ان کے صرف جسم آتے ہیں دل وہاں سے دور رہتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر کیا یہ منافقین اس میں غور نہیں کرتے کہ وہ ہر سال ایک دو بلاؤں میں پھنستے ہی رہتے ہیں کبھی بیماری آزاری کبھی قحط سالی کبھی بال بچوں میں کمی کبھی ان کے خلاف آیات قرآنیہ کا نزول کبھی مسلمانوں پر اُن کے راز کھل جانا اور ان کا ذلیل ہو جانا کبھی اسلامی جہادوں کا پیش آجانا جو اُن کے لئے ہر طرح مصیبت ہے اگر جہاد میں نہ جائیں تو بدنام ہوں اگر جائیں تو جان و مال خطرے میں پڑیں ان مصیبتوں کے باوجود نہ تو نفاق سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کے لئے نصیحت پکڑتے ہیں۔ رہے مخلص مومن وہ ہر تکلیف میں توبہ کر کے پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ انہیں منافقین کا حال یہ ہے کہ جب وہ آپ کی مجلس پاک میں ہوتے ہیں اور کوئی آیت یا سورۃ آپ پر اُترتی ہے جس میں اُن کے چھپے عیب ظاہر کئے جائیں تو انہیں آپ کی مجلس میں بیٹھنا مشکل پڑ جاتا ہے اُن کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ذرا خیال رکھو مخلصین حاضرین کی نظریں ہم پر تو نہیں ہیں۔ اگر ہوں تو چار ناچار بیٹھے رہو اور اگر وہ دوسری طرف متوجہ ہوں تو یہاں سے اُٹھ چلو۔ دیر تک یہ ہی سوچتے رہتے ہیں۔ جہاں ان سے مومنوں کی آنکھیں بچیں اور وہ چپکے سے وہاں سے نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجلس سے اُن کے دل ہی پھیر دیئے۔ جب وہ یہاں آتے ہیں تو صرف جسم سے آتے ہیں دل دُور ہی رہتے ہیں انہیں ہر دم دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے عیب نہ کھول دیں۔ یہ سب اس لئے

ہے کہ وہ نا سمجھ ہیں اس مجلس پاک کے لائق ہی نہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ واقعات عالم اور دنیا کی گردشوں میں غور نہ کرنا انہیں محض اتفاقیات سمجھنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ اَوَلَا یَرَوْنَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ اس کے برعکس مومن ہر مصیبت کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اُسے اپنے گناہوں کا نتیجہ سمجھتا ہے یا رب کی طرف سے امتحان اس لئے دنیا کی "تکالیف اُسے گناہوں سے پاک صاف کر کے یا ترقی درجات دے کر کی جاتی ہے۔ تیسرا فائدہ انبیاء کرام اولیاء اللہ کی تکالیف ایک قسم کی تبلیغ ہوتی ہے۔ وہ صبر و شکر کر کے لوگوں کو سکھا دیتے ہیں کہ صبر یوں کیا کرتے ہیں۔ اس سے انہیں قرب الٰہی اور زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ چوتھا فائدہ مصیبتوں میں توبہ نہ کرنا آئندہ کے لئے نصیحت نہ پکڑنا منافقوں کا فروں کا طریقہ ہے یہ فائدہ ثُمَّ لَا یَتُوبُوْنَ سے حاصل ہوا۔ بیماریوں میں غافل حکیموں اور دواؤں کی طرف بھاگتا ہے مگر مومن احکم الحاکمین کی طرف اُدھر بلاوا آرہا ہے فَفِرُّوا اِلَى اللّٰہِ اے بندو اللہ کی طرف بھاگ آؤ۔ کافر رب سے بھاگ آتا ہے۔ پانچواں فائدہ دنیا کی مصیبتیں آزمائش و امتحان بھی ہیں اور بلاوے کا سمن بھی۔ بھاگنے کا نوٹس بھی یہ فائدہ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ (الخ) سے حاصل ہوا چھٹا فائدہ کفر بے دینی بلکہ غیبت صرف زبان سے ہی نہیں ہوتے بلکہ دوسرے اعضاء خصوصاً نگاہوں سے بھی ہوتے ہیں یہ فائدہ نَظَرَ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ سے حاصل ہوا کہ منافقین اپنے خلاف آیات اترنے پر ایک دوسرے کو اشارہ کر کے ان کا انکار کرتے اور مجلس پاک سے نکل بھاگنے کی کوشش۔ دیکھو حضرت صدیق حضور انور کا چہرہ پاک دیکھ کر صحابی ہو گئے۔ ابوجہل نے بھی وہ چہرہ انور دیکھا مگر عذابی ہوا نگاہیں بہت قسم کی ہیں۔ ساتواں فائدہ ذکر خیر کی مجلسوں سے بھاگنے کی کوشش کرنا ان سے نفرت کرنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ ثُمَّ انْصَرَفُوْا سے حاصل ہوا۔ مومن انہیں غنیمت جان کر وہاں حاضری کو خوش نصیبی سمجھتا۔ آٹھواں فائدہ جو حضور کے آستانہ سے نکلا وہ رب کے دروازہ سے نکالا گیا یہ فائدہ صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو حضور انور کے در کا ہوا وہ اللہ کا ہو گیا بلکہ اس کا ہو گیا۔ نواں فائدہ جو علم و عقل حضور کے آستانہ تک نہ پہنچا دے وہ جہالت اور بے عقلی ہے یہ فائدہ لَا یَفْقَھُوْنَ سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین عاقل چالاک اپنے فن کار ہوشیار تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں لَا یَفْقَھُوْنَ فرمایا کہ سمجھتے ہی نہیں۔ خدا وہ جنون دے جو یار تک پہنچا دے۔ شعر۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — خداوندا مجھے صاحب جنوں کر (اقبال)

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی مصیبتیں صرف منافقوں کافروں پر آتی ہیں دیکھو ارشاد ہوا ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ (الخ) مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ مسلمانوں پر تکالیف زیادہ آتی ہیں پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے۔ جواب یہاں مصیبتیں آنے کو منافقوں کی نشانی قرار نہ دیا گیا بلکہ مصیبتوں سے عبرت

نہ پکڑنا آفات کو اتفاقیات سمجھنا گناہوں سے توبہ نہ کرنا منافقوں کا طریقہ ہے اس لئے ارشاد ہوا ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ (الخ)
رب تعالیٰ بیدار دل عطا فرمائے دوسرا اعتراض یہاں ثُمَّ کیوں ارشاد ہوا ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ ثم تو مہلت کے لئے
آتا ہے۔ جواب مطلب یہ ہے کہ آفات و مصیبتیں اپنی عرصہ تک رہتی ہیں۔ مگر پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے وہ اس اونٹ
کی طرح ہیں کہ جسے باندھ دو تو نہیں سمجھتا کہ کیوں باندھا گیا کھول دو تو نہیں جانتا کہ کیوں کھولا گیا۔ تیسرا اعتراض
ثُمَّ انْصَرَفُوْا کے بعد صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَهُمْ کیوں فرمایا۔ ان دونوں خبروں کے پھیرنے میں کیا فرق ہے۔ جواب ثم انصرفوا
سے مراد ہے منہ پھیر کر چل دینا۔ اور صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَهُمْ کا مقصد یہ ہے کہ وہ جب اس دربار میں آتے ہیں تب بھی
ان کے دل یہاں نہیں آتے۔ یعنی وہ حاضر ہو کر بھی غائب رہتے بلکہ دل کا غائب رہنا وجہ ہے وہاں سے بھاگ
جانے کی گویا صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَهُمْ دلیل ہے انْصَرَفُوْا کی۔

تفسیر صوفیانہ انسان تین قسم کے ہیں ایک وہ جو صورۃً انسان ہیں۔ سیرۃً حیوان۔ ان کا یہ حال ہے کہ لَهُمْ قُلُوْبٌ
لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ان کے پاس دل ہیں مگر دلوں میں سمجھ نہیں۔ دوسرے وہ جسماً انسان ہیں دل
کے شیطان تیسرے وہ جن کے جسم انسانی ہیں دل رحمانی یہاں منافقین کا ذکر ہے ان کے بعض حیوان تھے بعض شیطان
اور حضرات صحابہ کرام جو دل سے حاضرین بارگاہ تھے وہ سب رحمانی لوگ تھے۔ رحمانیوں میں نفسانیوں اور شیطانیوں کا
گزارہ کیسا اس لئے وہ اس مجلس پاک سے گھبراتے تھے اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتے تھے جب ان کا دل شیطانی
تھا تو دنیا کی آفات سے بیدار کیسے ہوتا غفلت ان کی سرشت میں داخل تھی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور کا آستانہ
رحمتِ الٰہی کا سمندر ہے سمندر دریائی جانوروں کو باہر نہیں رہنے دیتا۔ اور خشکی کے جانوروں کو اندر نہیں آنے دیتا۔
حضور کی مجلس مومنین کو باہر نہیں رہنے دیتی منافقین کو اندر نہیں آنے دیتی۔ مومن باہر رہ کر بھی مجلس میں حاضر
رہتے ہیں۔ منافق اندر رہ کر بھی غائب مولانا فرماتے ہیں ؎

ماہیاں را بحر نگذارد بروں　　　خاکیاں را بحر نگذارد درروں

اس لئے فرمایا صَرَفَ اللّٰہُ قُلُوْبَهُمْ غافل مومن گویا سویا ہوا ہے۔ کافر گویا مردہ ہے سوتے کو بیدار کیا جاسکتا ہے مردہ کو
کون جگائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی چھ حالتیں ہیں۔ زندگی موت۔ بیداری۔ نیند۔ تندرستی و بیماری۔ ایمان دل کی
زندگی ہے کفر موت۔ تقویٰ بیداری ہے گناہ دل کی نیند ذکر صحت ہے۔ غفلت دل کی بیماری۔ پھر دل کی غذائیں دوائیں
مختلف ہیں۔ (از روح البیان)

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ

البتہ تحقیق آگئے تمہارے پاس ایک شاندار رسول تمہاری جانوں میں سے بھاری ہے

بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ

ان پر وہ چیز کہ مشقت میں پڑو تم حرص والے ہیں تم پر مومنوں سے کرم والے رحم والے ہیں پس اگر

گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان پھر اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ

منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ کافی ہے مجھے اللہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا اس پر

وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۱۲۹﴾

بھروسہ کیا میں نے اور وہ رب ہے بڑے عظمت والے عرش کا

بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے

۱۶ ع ۵

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ منافقین بڑے ناقدرے تھے کہ وہ حضور انور کی مجلس پاک کی قدر نہ کرتے تھے وہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرتے تھے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان کا ذکر ہے کہ حضور کیسی شان والے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کا مجلس پاک اللہ کی کیسی رحمت ہوگی۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں منافقین کے دربار رسول سے بھاگنے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ وہ حضور انور سے بھاگ کر کہاں جائیں گے ان کا نور تو ہر جگہ ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ میں کُمْ فرما کر یہ ہی بتایا جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی سلطنت سے نہیں نکل سکتا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ایسے ہی حضور انور کی نبوت سے نہیں نکل سکتا۔ جہاں رب کی ربوبیت ہے وہاں حضور کی نبوت۔ سورج کی روشنی ہر جگہ موجود ہے۔ تیسرا تعلق پہلے ارشاد ہوا کہ منافقین آپ سے بھاگتے ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ان کا بھاگنا آپ کو مضر نہیں آپ کا رب تعالیٰ کفیل ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا الخ گویا منافقین کی نفرت کے بعد حضور انور کی بے پرواہی کا تذکرہ ہے۔

تفسیر لَقَدْ۔ اس آیۃ کریمہ میں حضور انور کے سات صفاتِ عالیہ کا ذکر ہوا۔ تشریف آوری۔ سبؐ کے پاس تشریف آوری۔ شانِ ندارر سالت۔ سارے مومنوں کی نفسوں یعنی جانوں سے ہونا۔ مومنوں کی تکلیف سے آپ کو دکھ ہونا۔ مومنوں پر حریص ہونا۔ ان پر رؤف رحیم ہونا۔ چونکہ کفار ہمیشہ سے تمام صفات عالیہ کے منکر رہے اور منکر ہیں اور مسلمانوں کے بہت سے فرقے حضور انور کی ان صفات میں سے بعض کے انکاری ہوئے اور ہیں ان وجوہ سے رب تعالیٰ نے اسے لام اور قد دو تاکیدوں سے شروع فرمایا۔ انکار سخت تھا تو تاکید بھی قوی لائی گئی۔ جَآءَكُمْ

قرآن مجید میں ہم لوگوں کے لئے خلق یا بدع ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ یعنی پیدا کرنا۔ ایجاد کرنا۔ مگر حضور انور کے دنیا میں تشریف لانے کے لئے تین لفظ ارشاد ہوئے ہیں۔ جَاءَ۔ اَرْسَلَ اور بَعَثَ چنانچہ یہاں اور قَدْ جَاءَکُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ میں اور قَدْ جَاءَکُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَّبِّکُمْ میں جَاءَ فرمایا۔ اور هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ وغیرہ میں اِرْسال اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا میں بَعَثَ کا لفظ ارشاد ہوا ہے۔ کیونکہ حضور انور رب تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت ہیں جو بطور تحفہ مخلوق کو دیئے گئے نیز آپ کا دنیا میں آنا ایسا ہے جیسے کسی حاکم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ہو کر آنا کہ وہ پہلے سے ہی من جانب حکومت افسر تھا جگہ کی تبدیلی ہوئی ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں رسول تھے۔ سارے نبیوں کو فیوض دے رہے تھے خود فرماتے ہیں کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی و مٹی کے درمیان تھے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں۔ شعر۔

فَاِنَّکَ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ کَوَاکِبُهَا یُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

سورج طلوع ہونے سے پہلے بھی چمکیلا سورج ہی تھا۔ طلوع ہو کر ادھر متوجہ ہو گیا۔ طلوع سے پہلے چاند تاروں کے ذریعہ دنیا کو نور دے رہا تھا۔ حضور انور تشریف آوری سے پہلے بذریعہ انبیاء دنیا کو فیض دے رہے تھے ان وجوہ سے حضور کی تشریف آوری کو جاء سے بیان فرمایا۔ خلق یا اَبْدَعَ نہیں فرمایا۔ قوی یہ ہے کہ کُمْ میں خطاب نہ تو صرف مکہ والوں سے نہ صرف عرب والوں سے بلکہ تا قیامت سارے انسانوں سے ہے کہ حضور انور سب ہی کے رسول ہیں۔ خیال رہے کہ حضور انور کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ رہائش ظاہری مدینہ منورہ میں رہی مگر جلوہ گری اور تشریف آوری ہر مومن کے سینہ میں ہے جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہان پر پھر سورج روشنی تو سارے جہان کو دیتا ہے۔ مگر دانے کھیت میں پھل باغ میں پکاتا ہے لعل بدخشان کے پہاڑ میں۔ یونہی حضور انور نے ہدایت سب کو دی مگر ایمان۔ عرفان۔ ولایت قرب الٰہی کسی کسی کو۔ خیال رہے کہ حضور انور ساری مخلوق الٰہی کے نبی ہیں۔ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ساری خلقت پر حضور کی اطاعت ضروری ہے مگر شریعت کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں اس وجہ سے جَاءَکُمْ میں خطاب صرف انسان سے ہوا۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور کی وفات سے حضور کی ولادت یعنی ظہور ختم ہوا آپ کی تشریف آوری ختم نہیں ہوئی۔ حضور انور تا قیامت ہر مومن کے پاس اس کے ساتھ ہیں۔ جیسے سورج غروب ہو کر مٹ نہیں جاتا چھپ جاتا ہے اور چھپنے کے بعد بھی نماز۔ مغرب۔ عشاء۔ تہجد۔ فجر کے اوقات بناتا ہے۔ چاند تارے چمکاتا ہے طلوع ہو کر نماز اشراق۔ ظہر عصر کے اوقات بناتا ہے ذرّے چمکاتا ہے حضور انور ظاہری حیات میں تھے تو صحابہ بنا رہے تھے پردہ فرمانے کے بعد اولیاء اللہ علماء دین بنا رہے ہیں اگلی تمام صفات الٰہی عمومی تشریف آوری پر مبنی ہیں۔ رَسُوْلٌ یہ جَاءَ کا فاعل ہے حضور انور کو رب تعالیٰ نے لاکھوں صفات بخشی ہیں۔

تیری صفات عیب تناہی سے ہیں بری حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

نبوت و رسالت حضور کے مشہور ترین صفات ہیں حتیٰ کہ کلمہ طیبہ میں آپ کا ذکر صفت رسالت سے ہے محمد رسول اللہ محمد میں اللہ کی طرف سے فرمان رساں اور رسول فیضان رساں کا نام ہے۔ اس لئے حضرت جبرائیل نے بی بی مریم سے فرمایا تھا اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ دیکھو انہیں بیٹا دینے آئے تو اپنے کو رسول کہا پتہ لگا کہ رسول وہ ہی ہوتے ہیں۔ جو رب کی طرف سے کچھ دینے آتے ہیں۔ رسولٌ کی تنوین یا تعظیم کی ہے یعنی شاندار اور عظمت والے رسول جو رسولوں کے بھی رسول ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے میثاق کے دن تمام رسولوں سے حضور انور پر ایمان لانے آپ سے تعاون کرنے کا عہد و پیمان لیا۔ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ سارے رسولوں نے معراج کی رات حضور انور کے پیچھے نماز پڑھی۔ شعر۔

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سر عیاں ہو معنیٔ اوّل آخر کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

یا یہ تنوین عموم کی ہے یعنی سب کے رسول جنہیں ہم گنہگار کہیں کہ ہمارے رسول۔ متقی پرہیزگار کہیں ہمارے رسول انبیار و ابرار کہیں ہمارے رسول بلکہ خود رب غفار و ستار کہے ہمارے رسول یعنی خدا کے رسول خدائی کے رسول بہرحال رسولٌ بھی حضور انور کی نعت ہے اور اس کی تنوین بھی۔ چوتھی صفت ارشاد ہوئی مِنْ اَنْفُسِكُمْ یہ فرمان عالی کائنٌ کے متعلق ہو کر رسول کی صفت ہے یعنی ایسے رسول آئے جو تمہاری نفسوں میں سے ہیں ہماری قرأت میں اَنْفُسِ ف کے پیش سے ہے۔ نفس کی جمع نفس کے بہت معنیٰ ہیں۔ ذات، جنس، جان، دل، خون وغیرہ علماء کرام کے نزدیک بمعنیٰ ذات یا جنس ہے اس میں خطاب صرف مکہ والوں یا عرب والوں سے نہیں بلکہ تا قیامت سارے انسانوں یا سارے مسلمانوں سے یعنی وہ رسول فرشتہ یا جن میں سے نہ آئے بلکہ تم انسانوں میں سے آئے جس سے انسانیت کو فخر ہو گیا۔ شعر۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے بے نور تھا خرد کا ستارا تیرے بغیر (اعظم چشتی)

یہ بھی تم پر اللہ کا فضل ہے کیونکہ جن اور فرشتے اپنی لطافت کی وجہ سے نہ انسانوں کو نظر آئیں نہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ایسی ذات کی ضرورت تھی جو صورتاً بشر ہو اور سیرت میں فرشتوں سے بھی افضل تاکہ رب سے لے سکے اور ہم کو دے سکے۔ شعر

مشعلہ افروز شب خاکیاں شمع بزم پردۂ افلاکیاں

صوفیاء کے نزدیک نفس بمعنیٰ روح اور جان ہے یعنی وہ تم میں ایسے آئے جیسے روح جسم میں آتی ہے۔ شعر

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جان

ہیں مجھ میں و لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

ایک قرأۃ میں اَنْفَسِكُمْ ہے ف کے فتحہ سے نفاست کی تفضیل یعنی اے انسانوں تم میں سے نفیس ترین جماعت میں سے آئے کہ ان کا ملک سارے ملکوں سے ان کا خاندان سارے خاندانوں اور ان کے ماں باپ سارے جہان کے عزیز ہیں۔

ماں باپ سے اُن کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے اُن کی آل پاک تمام رسولوں کی آل اولاد سے نفیس ترین ہے۔ پانچویں صفت ارشاد ہوئی عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ یہ فرمانِ عالی رسول کی دوسری صفت ہے۔ عزیز بنا ہے عزٌ سے بمعنی غلبہ۔ شدّت۔ صعوبۃ۔ یہاں بمعنی شدید یا صعب ہے ما یا مصدریہ ہے یا موصولہ عَنِتُّمْ بنا ہے عَنَتٌ سے بمعنی مشقت و تکلیف رب فرماتا ہے وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اور فرماتا ہے لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ یعنی اُن محبوب پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے یا تمہارے وہ گناہ گراں ہیں جو تم کو مشقت یعنی دوزخ میں پہنچائیں تم گناہ کرتے ہو تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں جسم کے کسی عضو کو چوٹ لگے تو روح بے چین ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ایک قراۃ میں عَزِيزٌ پر وقف ہے اور عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ علیحدہ جملہ۔ اس صورۃ میں عزیز بمعنی پیارا ہے یعنی وہ رسول تم کو تمہاری جانوں سے بھی پیارے نبی۔ اُن کے ذمہ کرم پر تمہارے وہ گناہ جو تم کو مشقت میں ڈالیں کہ انشاء اللہ وہ شفاعت سے بخشوائیں گے۔ دیکھو تفسیر روح البیان یہ ہی مقام۔ چھٹی صفت ارشاد ہوئی۔ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ یہ فرمان عالی رسُول کی تیسری صفت ہے حریص بنا ہے حرص سے جس کے معنی ہیں دل نہ بھرنا۔ یہ صفت بھی ہے اور عیب بھی۔ مال کی حرص بُری ہے علم کی حرص اچھی عشقِ رسُول اور خوفِ خدا کی حرص ایمان کی جان ہے۔ شعر

حاجتے نیک مرا سیراز یں آب حیات　　　ضاعف اللّٰہُ علیٰ کلِ زمانٍ عطشی

مجھے آب حیات سے کبھی سیری نہیں ہوتی اللہ میری پیاس بڑھاتا ہی ہے مگر جو حرص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اس کے معنی ہیں دینے سے دل نہ بھرنا ہم حریص ہیں لینے کیلئے نبی کریم حریص ہیں دینے کے لہذا عَلَيْكُمْ سے مراد ہے عَلٰى عَطَاءِكُمْ۔ شعر

گٹھڑیاں بندہ گئیں پر ہاتھ تیرے بند نہیں　　　بھر گئے دل نہ بھری دینے سے نیت تیری　　(مولانا حسن رضا)

حضور نے حضرت عباس کو ایک بار اتنے روپیہ دیئے کہ اُن سے اُٹھ نہ سکے۔ اب بھی ان کی شاہانہ عطائیں دیکھنے میں آ رہی ہیں ساتویں صفت ارشاد ہوئی بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ یہ رسُول کی چوتھی صفت ہے بِالْمُؤْمِنِينَ کا تعلق رؤف رحیم دونوں سے ہے اسے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی حضور انور رحیم تو سارے عالم پر ہیں۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ مگر رؤف و رحیم صرف مسلمانوں پر۔ سورج روشنی دینے والا ساری دنیا کو ہے مگر روشنی اور پھل دونوں صرف باغوں کو دیتا ہے بارش ساری زمین کو تری دیتی ہے مگر تری و سبزی دونوں نفیس زمین کو دیتی ہے یا موتی صرف سمندر کی سیپ کو رؤف بنا ہے رافۃ سے بمعنی شفقت اور مصیبتوں کا دفع کرنا۔ رحیم صفت مشبہ ہے۔ رحمت کا بمعنی احسان کرنا۔ مفید چیزیں عطا کرنا بغیر استحقاق رافۃ کا ذکر رحمت سے پہلے ہے کہ مضر چیزوں کا دفع پہلے ہوتا ہے مفید کی عطا بعد میں رب فرماتا ہے رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا اس لئے کپڑے کی تہیں دور کرنے کو رفو کہتے ہیں خیال رہے کہ رؤف بھی رب تعالیٰ کا نام ہے اور رحیم بھی۔ رب نے یہ دونوں نام اپنے حبیب کو عطا فرمائے کسی نبی کو رب کے دو نام نہیں ملے۔ بعض نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابتداروں عزیزوں پر رؤف ہیں اپنے دوستوں پر رحیم یا جس نے حضور کو دیکھا اس پر رؤف ہیں جو بغیر

دیکھے آپ پر ایمان لائے ان پر رحیم (از روح المعانی) یا پرہیزگاروں پر رؤف ہیں گنہگاروں پر رحیم یا اس کے برعکس۔ تَوَلَّوْا اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ تَوَلَّوْا بنا ہے تَوَلِّیْ سے بمعنی منہ پھیرنا۔ اس کا فاعل یا تو کفار ہیں یا مذکورین منافقین۔ مراد ہے حضور انور سے منہ پھیرنا یا آپ کے صفاتِ عالیہ کو ماننے سے منہ پھیرنا۔ یعنی اگر یہ صفاتِ عالیہ سن کر بھی یہ لوگ آپ سے منہ پھیریں۔ فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ آپ ان سے فرما دو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی وافی ہے اس کے ہوتے مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ تم کو میری ضرورت ہے مجھ کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اس جملہ کی ترکیب نحوی بارہا کر دی گئی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یہ جملہ نیا ہے اور حسبی اللہ کی دلیل ہے یعنی مجھے اس لئے کافی ہے۔ اس کے ہوتے تمہاری اس لئے ضرورت نہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود موجود نہیں۔ جس کا وہ حامی ہو اسے کسی کی کیا حاجت اس فرمان عالی کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی ظاہر فرمانا ہے۔ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ میں نے اول ہی سے صرف رب تعالیٰ پر توکل کیا عَلَیْهِ کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ توکل کے معنی توکل کے اقسام و احکام پہلے بیان ہو چکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توکل کے اعلیٰ درجہ پر ہیں توکل کے چند فائدے ہوتے ہیں۔ غیر خدا سے بے خوفی۔ دنیا سے مایوسی۔ رب تعالیٰ پر اعتماد دل کا سکون و چین۔ شعر۔

از دخواہ یاری کہ یاری دہ اوست	بدو التجا کن کہ اینہا از داست
کسی راکہ او آورد در پناہ	چہ غم دارد از فتنۂ کینہ خواہ

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ہماری قرأت میں العظیم کو جر ہے۔ یہ عرش کی صفت ہے ایک قرأت میں عظیم کو پیش ہے صفت ہے رب کی عرش و کرسی کی تحقیق آیۃ الکرسی کی تفسیر میں وَسِعَ كُرْسِیُّهُ کی تفسیر میں ہو چکی۔ سارے عالم اجسام میں عرش سب سے بڑا ہے کہ وہ تمام اجسام کو گھیرے ہوئے ہے۔ نیز وہ فرشتوں کا مطاف ہے کہ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ نیز وہ قبلۂ دعا ہے اس کے تیس لاکھ پائے ہیں اس کے نیچے کی سطح سے اوپر کی سطح تک ایک ہزار سال کا راستہ ہے وہ رب اس کا خالق اس کا باقی رکھنے والا ہے جب وہ عرش کا رب ہے تو ساری مخلوق کا بھی رب ہے۔ جس کو وہ اپنی پناہ میں لے لے تو کون ہے جو اس کا کچھ بگاڑ سکے (روح البیان) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین پہلے آسمان کی نسبت ایسی ہے جیسے میدان میں چھوٹی سی انگوٹھی۔ پہلا آسمان دوسرے آسمان کے مقابل ایسا ہی ہے اس طرح ہر آسمان اپنے اوپر والے آسمان کے لحاظ سے ایسا ہی ہے ساتواں آسمان کرسی کی نسبت سے ایسا ہی ہے اور کرسی عرش اعظم کی نسبت سے ایسا ہی ہے فلک اعظم کا فاصلہ مرکز سے نو کروڑ تیس لاکھ چوبیس ہزار چھ سو نو فرسخ ہے (روح المعانی)

خلاصۂ تفسیر نو وارد شخص کے متعلق چند سوال ہوتے ہیں کہاں سے آئے۔ کہاں آئے ہو۔ کہاں ٹھہرے ہو۔ کیوں آئے ہو۔ حضور انور دنیا میں تشریف لائے تو آپ کی ذات عالی کے متعلق بھی یہ تین سوال ہو سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان تینوں سوالوں کے جواب مختلف آیات میں دیئے ہیں حضور کہاں سے آئے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے۔ وہاں سے آئے جہاں نہ وہاں ہے نہ کہاں ہے۔ کہاں آئے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اے انسانوں سب کے پاس آئے

تمہارے ایمانوں میں تمہاری جانوں میں تمہارے دلوں میں تمہارے سینوں تمہاری آنکھوں کی پتلیوں میں آئے۔ کیوں آئے یہ بہت ہی گہرا سوال ہے اس کے جوابات مختلف آیات میں دیئے گئے یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ اور فرماتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا اور فرماتا ہے۔ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور فرماتا ہے۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ اور فرماتا ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمت بن کر لاکھوں کروڑوں نعمتیں بانٹنے آئے۔ تمام سخی بھکاری کو بلا کر دیتے ہیں۔ وہ ایسے نرالے سخی ہیں جو بھکاریوں کے پاس آکر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے انسانو تمہارے پاس تمہارے رب کے شاندار رسول تشریف لائے۔ جو رسولوں کے بھی رسول ہیں اور وہ رسول آئے جو اللہ کی ساری مخلوق کے رسول ہیں وہ تمہارے پاس ایسے آئے جیسے جسم میں جان آتی ہے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کہ جان عیاں بھی ہوتی ہے اور نہاں بھی یا تمہاری جنس سے آئے فرشتہ یا جنات میں سے نہ آئے جس سے انسانیت کو چار چاند لگ گئے۔ ان کا کرم یہ ہے کہ تمہارا غافل ہونا انہیں بہت گراں ہے خطا تم کرو تکلیف انہیں ہو تم پر بہت حریص ہیں کہ دینے سے ان کا دل ہی نہیں بھرتا۔ شعر

اے زہے قسمت کہ تو بر ما حریص　　　جانِ عالم بر تو قربان السَّلَام

وہ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں مگر مسلمانوں کے لئے رؤف بھی ہیں رحیم بھی کہ اُن سے مصیبتیں رفع کرتے ہیں۔ مفید چیزیں عطا فرماتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر کفار و منافقین اب بھی آپ سے منہ پھیریں تو آپ اپنی شانِ بے نیازی ظاہر فرماتے ہوئے انہیں بتا دو کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ مجھے میرا رب کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرا اُسی پر بھروسہ ہے۔ وہ تو عرش عظیم جیسی مخلوق کا رب ہے جس کا وہ والی اور کارساز ہو اُسے کسی کی کیا پرواہ ہو۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ دنیا میں تمام لوگ بننے سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے ان کا دنیا میں آنا خلق ہے مگر حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ سیکھ کر بن کر آتے ہیں سکھانے بنانے کے لئے آتے ہیں۔ یہ فائدہ لَقَدْ جَآءَكُمْ سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید ہمارے لئے ہدایت ہے حضور انور کے لئے ہدایت نہیں۔ دیکھو فرماتا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ کہیں نہیں فرمایا هُدًى لَّكَ نماز معراج میں فرض ہوئی مگر حضور انور پہلے سے ہی نماز و عبادت ادا کرتے تھے۔ دوسرا فائدہ حضور انور صرف مکہ یا مدینہ میں نہیں آئے بلکہ سارے مومنوں کے پاس آئے۔ یہ فائدہ جَآءَكُمْ میں كُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے سورج رہتا ہے آسمان پر مگر طلوع ہوتا ہے جہان پر اس لئے ہر مومن التحیات میں حضور انور کو سلام کرتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ اگر حضور انور پاس نہیں تو سلام کیسے کہہ رہا ہے۔ رب فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی مومنوں سے اُن کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں تیسرا فائدہ حضور سارے انسانوں کے دائمی رسول ہیں آپ کی رسالت زمین یا زمان سے مقید نہیں یہ فائدہ رسولٌ کی تنوین سے حاصل ہوا۔ جبکہ یہ تنوین عموم کی ہو فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ چوتھا فائدہ حضور انور بڑی شان والے رسول ہیں حتی کہ رسولوں کے بھی رسول یہ فائدہ رسول کی تنوین سے حاصل ہوا۔ جبکہ یہ تنوین تعظیم کی ہو۔ اس لئے رب تعالیٰ نے انبیاء کرام سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ اور حضور انور معراج میں سارے رسولوں کے امام بنے۔ دیکھو تفسیر۔ پانچواں فائدہ حضور کے والدین کریمین بلکہ سارے آباؤ اجداد مومن تھے کوئی مشرک نہیں اور رب نے اس نسل شریف کو زنا اور دیگر فحش باتوں سے محفوظ رکھا۔ یہ فائدہ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کی ایک قراءت سے حاصل ہوا جبکہ اَنْفُسُ ف کی فتحہ سے ہو۔ بمعنی نفیس ترین کا فرزانی خسیس ہوتا ہے۔ حضور تمام جہاں میں بہترین نسب والے ہیں۔ حدیث شریف۔ ترمذی اور نسائی نے مُطَّلِبْ ابنِ ربیعہ سے بروایتہ صحیح حدیث بیان کی ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر قیام فرما ہوئے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ میں کون ہوں لوگوں نے عرض کیا آپ رسول اللہ ہیں فرمایا محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کے دو حصے کئے ہیں۔ میں بہترین حصے میں بھیجا گیا پھر اس کے دو فرقے کئے ہیں بہترین فرقے میں بھیجا گیا پھر اس فرقے کے بہت سے قبیلے کئے ہیں بہترین قبیلے میں آیا اس قبیلے کے بہت سے گھر ہیں میں بہترین گھر میں آیا میں تم سے سب سے بہترین جماعت بہترین گھرانے میں پیدا ہوا اس مضمون کی اور بہت احادیث ہیں (روح المعانی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد کی طرف سے ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب ہیں۔ والدہ کی طرف سے ابن آمنہ بنت وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب۔ حضور تمام جہان کی عِلّتِ غائیہ اور اصل مقصود ہیں آپ کی ذات افضل خلق آپ کی زبان تمام زبانوں سے افضل۔ جو پانی حضور کی انگلیوں سے جاری ہوا وہ تمام پانیوں بلکہ زمزم سے افضل ہے (روح البیان)۔ چھٹا فائدہ حضور انور کا میلاد شریف پڑھنا سنتِ الٰہیہ ہے سنتِ رسول اللہ بھی اور سنتِ انبیاء بھی۔ یہ فائدہ بھی لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ سے حاصل ہوا کہ خود رب تعالیٰ نے حضور کا میلاد شریف فرمایا تھا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل میں ملاحظہ کرو۔ ساتواں فائدہ حضور انور کو ہمارے ہر دکھ درد ہر نیک و بد کی خبر نہ ہوتی تو آپ کو اس کی تکلیف کیسے ہوتی۔ شعر۔

بندہ مٹ جائے نہ آقا پہ وہ بندہ کیا ہے۔ بے خبر ہو جو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے۔

آٹھواں فائدہ حضور انور ایسے سخی داتا ہیں کہ دینے سے آپ کا دل نہیں بھرتا یہ فائدہ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ حضور انور کو اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں سے یاد کر سکتے ہیں یہ فائدہ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ سے حاصل ہوا کہ رؤف اور رحیم دونوں رب تعالیٰ کے نام ہیں جو اس آیت میں حضور کو دیئے گئے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور کریم ہیں رحیم ہیں ستارِ عیوب ہیں شفیع الذنوب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیخ عطار فرماتے ہیں۔

خویشتن را خواجۂ عرصات گفت اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ گفت

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نماند بہ عصیاں کسے در گرو کہ دارد چنیں سیدِ پیش رو
اگر و نترت از گنہہ پاک نیست چو او عذر خواہد بود باک نیست

انشاء اللہ ان صفات کا پُرلطف نظارہ قیامت میں ہوگا۔

دسواں فائدہ اللہ تعالیٰ پر توکّل اور تکالیف میں صبر بڑی اعلیٰ چیزیں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید ۔۔۔ کیمیائے ہمچو صبر آدم نہ دید

ہزار ہا کیمیا سے صبر اعلیٰ درجہ کی کیمیا ہے

پہلا اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذاتِ کریم ہیں جو مکّہ میں پیدا مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ وہ ایک سارے انسانوں کے پاس کیسے آسکتے ہیں پھر لَقَدْ جَآءَكُمْ کیونکر درست ہوا کہ تم سب کے پاس آئے۔ **جواب** حضور انور اللہ کا نور ہیں اور نور بیک وقت ہزار ہا جگہ ہزار ہا چیزوں میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ اگر بیک وقت ہزاروں جگہ سے ہزاروں شیشوں کا رُخ سورج کی طرف کر دیا جائے تو سورج ان سب میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ مومنوں کے سینے صاف آئینے ہیں جن میں حضور جلوہ گر ہیں رُوح بیک وقت جسم کے ہر عضو میں جلوہ گر ہے اس لئے ساتھ ہی ارشاد ہوا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۔ شعر

جان ہیں جان کیا نظر آئے ۔ کیوں عدو گردِ غار پھرتے ہیں

دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے رسول ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ حضور ساری مخلوق کے رسول ہیں لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیوں کر ہو۔ **جواب** یہاں تشریف آوری کا ذکر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں انسان کی جنس انسانوں کی شکل میں تشریف لائے تمہاری پیش کردہ آیت میں نبوت کا ذکر ہے حضور کی نبوت تمام جہان کے لیئے ہے مگر تشریف آوری انسانوں میں ہے۔ **تیسرا اعتراض** اگر حضور انور سارے جہان کے نبی ہیں تو کیا تمام مخلوق پر آپ کی شریعت کے احکام جاری ہیں کیا چاند سورج ذرّات پر نماز روزہ فرض ہے اگر نہیں تو آپ اُن کے نبی کیونکر ہوئے۔ **جواب** ساری مخلوق پر حضور انور کی اطاعت ضروری ہے اس لیئے اشارہ سے سورج لوٹا۔ چاند پھٹا بادل آکر برسا۔ دوسرے اشارہ پر کھُل گیا حکم پر درختوں پتھروں نے کلمہ پڑھا مگر جیسی مخلوق اس کے لئے حضور کا ویسا ہی حکم ہے اور وہ مخلوق اس حکم کی اطاعت کرے گی۔ غریبوں پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ انہیں اس کا حکم نہیں لہٰذا لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا بالکل درست ہے۔ شعر

اشارہ سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا ۔ گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لیئے (حدائقِ بخشش)

ارشاد ہوا سورج لوٹا پایا جو اشارہ چاند پھٹا ۔ بادل رِم جھم رِم جھم برسا جب حکمِ حبیبِ خدا پایا (دیوان سالک)

چوتھا اعتراض تم نے کہا کہ حضور انور دنیا میں آنے سے پہلے رسول تھے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ اس آیت سے پتہ لگا کہ حضور کی رسالت پہلے ہے دنیا میں آنا بعد میں۔ مگر آپ اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے لیکن نبی اور رسول کی تعریف یہ ہے کہ وہ انسان جسے رب نے احکامِ شرعیہ کی تبلیغ کے لیئے بھیجا اور انسانیت چلی ہے آدم علیہ السلام سے تو حضور انور حضرت آدم سے پہلے نبی کیسے ہو گئے اور لَقَدْ جَآءَكُمْ کی تفسیر کیونکر درست ہوئی۔ **جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آدم علیہ السلام اَبُو الْبَشَر ہیں اَبُو الْاِنْسَان نہیں ہیں۔ بشریت کے لیئے یہ جسم ضروری ہے آپ اجسام کے والد ہیں

انسان جسم کو بھی کہا جاتا ہے اور روح کو بھی حضرت آدم کسی روح کے والد نہیں رب فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ ہم نے عالم ارواح میں نبیوں سے معاہدہ لیا۔ یہاں نبیوں کی روح کو نبی فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس دنیا یعنی عالم اجسام کی نبوت و رسالت کے لیئے ابن آدم ہونا ضروری ہے۔ عالم ارواح کی نبوت کے لیئے یہ انسانیت شرط نہیں۔ دیکھو اس دنیا کے لیئے جنسیت شرط ہے کہ انسان کا نکاح جناتی یا جانوروں سے نہیں ہو سکتا رب فرماتا ہے وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا مگر جنت میں جنتی انسانوں کا نکاح حوروں سے ہوگا جو نہ انسان ہیں نہ اولاد آدم رب فرماتا ہے وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ۔ غرض کہ اس دنیا کے نکاح کے اور احکام ہیں اور جنت کے نکاح کے دوسرے احکام۔ دیکھو دنیا کی نبوت کے لیئے وحی اُمت تبلیغ ضروری ہیں۔ مگر اُس عالم کی نبوت کے لیئے نہ وحی ضروری ہے نہ اُمت نہ تبلیغ نہ کتاب۔

نوٹ ضروری۔ دنیا میں نبوت کے لیئے صرف تبلیغی وحی کافی ہے مگر رسالت کے لیے وحی اور کتاب یا صحیفہ بھی ضروری ہے۔ خواہ نئی ہو یا پرانی اور مرسلیت کے لیے نئی کتاب نئی شریعت ضروری ہے اس لیے انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ رسول تین سو تیرہ۔ مرسل چار اور مصطفٰے صرف ایک مصطفٰے وہ جن کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہو دیکھو مشکوٰۃ شریف آخر کتاب ذکر الانبیاء اور دیکھو اسی جگہ مرقات اور لمعات۔ **پانچواں اعتراض۔** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مومنوں پر رؤف و رحیم ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے رحمۃ للعالمین تمام جہانوں کے لیئے رحیم ہیں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب۔** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور کی صرف رحمت سارے جہانوں کے لیئے ہے مگر رافت و رحمت کا مجموعہ صرف مسلمانوں کے لیئے دوسرے یہ کہ رحمت عامہ دنیاوی رزق وغیرہ سارے عالم کے لیئے ہے مگر رحمت خاصہ ایمان۔ عرفان وغیرہ صرف مومنوں کے لیئے۔ **چھٹا اعتراض۔** رب تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اللہ تعالےٰ تمام لوگوں پر رؤف بھی ہے رحیم بھی مگر حضور انور کے لیئے فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ کیا رب تعالےٰ کافروں پر بھی رؤف رحیم ہے۔ **جواب** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ وہاں اَلنَّاسُ سے مراد مومنین ہیں کہ صحیح انسان وہ ہی ہیں دوسرے یہ کہ وہاں رافت اور رحمت سے مراد دنیاوی رافت و رحمت ہے۔ واقعی وہ رب کریم دنیا میں ہر کافر و مومن پر رؤف و رحیم ہے۔ شعر

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب　　گبر و ترسا وظیفہ خور داری

اور یہاں حضور انور کی اُخروی رافت و رحمت مراد ہے جو صرف مومنین پر ہے لہٰذا آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

ساتواں اعتراض۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اس پر بھروسہ چاہیئے حَسْبِیَ اللّٰهُ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ میں غور کرو۔ پھر تم نبی ولی کے دروازہ پر کیا لینے جاتے ہو۔ جو رب تعالےٰ کے غیر ہیں۔ تمہارا یہ عمل اس آیت کے خلاف ہے (وہابی) **جواب۔** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کافی ہے اُسی پر بھروسہ چاہیئے تو تم مصیبتوں میں عالم حکیم۔ امیر کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو۔ پیاسا کنویں

پر بھوکا روٹی کی دوکان پر کیوں جاتا ہے کیا تمہارے لیئے خدا کافی نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں اُن مقبولوں کے دروازوں پر ملتی ہیں۔ ہم وہاں رب کی نعمتیں لینے جاتے ہیں۔ اُن کے دروازوں پہ حاضری رب پر توکّل کے خلاف نہیں۔ اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاءالحق حصہ اوّل میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی نعمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لیئے رب تعالےٰ نے قرآن مجید میں مختلف جگہ الگ الگ پیرایہ میں حضورِ انور کا میلاد شریف ارشاد کیا۔ کہیں عام انسانوں کو حضور کا میلاد شریف سنایا۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ کہیں صرف مسلمانوں کو لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا کہیں سارے خلق کو وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کہیں حضورِ انور کو اُن کا میلاد سنایا۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا الخ کہیں رب نے خود اپنے نبیوں کو اپنے محبوب کا میلاد سنایا۔ ھُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ پھر ہر جگہ ایسی شان سے میلاد پڑھا کہ قربان جاؤ۔ چنانچہ اس آیت میں حضورِ انور کی بہت صفات کے ساتھ میلاد شریف فرمایا۔ اے لوگو تمہارے پاس وہ رسول کریم تشریف لائے جن کا غلغلہ سلسلۂ انسانی قائم ہونے سے پہلے مچ گیا تھا۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ (الخ) جن کی دھوم سارے نبی مچا گئے۔ جن کا انتظار دنیا کو تھا وہ جسمانی طور پر اگرچہ عرب میں آئے مگر اُن کی رسالت تا قیامت ہر جگہ ہر گھر میں ہر دل میں پہنچی۔ جیسے روح جسم کے ہر عضو بال بال میں پہنچتی ہے مِنْ اَنْفُسِکُمْ پھر وہ تم پر ایسے مہربان اور تمہارے ہر حال سے ایسے خبردار ہیں کہ تمہاری تکلیف اُن پر گراں۔ جیسے جسم کا کوئی عضو دُکھے روح کو بے چینی ہوتی ہے تمہارا دل لینے مانگنے سے نہیں بھرتا ان کا دل تم کو عطا فرمانے سے نہیں بھرتا۔ وہ دینے کے حریص ہیں حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ اُن کی رحمتِ عامہ سارے جہانوں کے لیئے ہے مگر خاص رافت و رحمت ہمیشہ مومنوں کے لیئے ہے۔ دنیا میں بھی قبر و حشر میں بھی اگر دنیا دار کمینے آپ کی صفات کے قائل نہ ہوں تو اُن کی شانِ بے نیازی یہ ہے کہ تم سب منہ پھیر لو انہیں رب کافی ہے رب انہیں کافی اور اُن کے ذریعہ تم کو کافی حضورِ انور عالمِ روحانیات کے عرشِ عظیم ہیں کہ وہ عرش کی طرح تمام عالم کو اپنے گھیرے میں لیئے ہوئے ہیں احکام الٰہیہ انہیں سرکار کے دربار سے جاری ہوتے ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے روحِ مصطفوی کو صورتِ نورانی دے کر دنیا میں بھیجا۔ آپ کے سر کی ساخت برکت سے سر کی آنکھیں حیا و شرم سے کان عزت سے زبان ذکر سے ہونٹ تسبیح و تہلیل سے چہرۂ پاک رضاءِ الٰہی سے سینۂ اخلاص سے دل رحمت سے نواد شفقت سے ہاتھ سخاوت سے بال مبارک جنت کے سبزہ سے تھوک شریف جنت کے شہد سے بنا ہے دیکھو کھاری کنویں میں تھوک پڑا میٹھا کر دیا ان تمام صفات سے موصوف کر کے حضور کو دنیا میں بھیجا۔ حکایت چار مختلف زبان والے فقیروں کو کہیں ایک روپیہ مل گیا۔ انگور کا موسم تھا۔ اُن میں سے ایک بولا میں اس کا انگور لوں گا۔ دوسرا بولا نہیں عنب لوں گا۔ تیسرے نے کہا میں رزم چوتھا بولا میں داخ خریدوں گا۔ چاروں کی نیت ایک تھی مگر الفاظ جداگانہ ایک وہ آیا جو چاروں زبانیں جانتا تھا اس نے انگور

کر سامنے رکھ دیئے سب راضی ہو گئے۔ حضور انور جھگڑا مٹانے والے ہیں۔

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے

جھگڑے تو نے آکر مٹ دیئے تیری فہم و ذکا کیا کہنا

حکایت ایک بار حضور انور نے جبریل امین سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے عرض کیا یہ تو مجھے خبر نہیں اتنا جانتا ہوں کہ ایک نوری تارا ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا اور غائب ہو جاتا وہ میں نے بہتر ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ زمین و آسمان سے پہلے فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے (روح البیان) بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور نے عمامہ شریف سر کا کر سر مبارک دکھایا تو وہ تارا سر پاک پر موجود تھا۔ عمل۔ جو کوئی نماز پنجگانہ کے بعد لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ (الخ) تک پھر اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ والی آیت پڑھ کر پانچ بار صلی اللہ علیک وسلم یا سیدی یا رسول اللہ پڑھا کرے تو مقبولِ بارگاہِ رسالت ہو جائے اور ہر دعا قبول ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ آج بتاریخ ۵ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ ۳۱ مئی ۱۹۷۱ء بروزِ دوشنبہ چار بجے شام سورۂ توبہ کی تفسیر مکمل ہوئی مجھے امید نہ تھی کہ میں تہائی قرآن مجید کی تفسیر لکھ لوں گا۔ یہ میرے رب کا کرم اس کے محبوب کی نظر ہے کہ مجھ ناچیز سے تہائی قرآن پاک کی تفسیر مکمل کرا دی دعا ہے کہ رب تعالےٰ باقی دو تہائی کی تفسیر بھی مکمل کرا دے اسے مقبول فرما کر مجھ گنہگار کے لیے صدقۂ جاریہ بنا دے مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔

نوٹ :۔ یہ تفسیر ربیع آخر ۱۳۶۳ھ کو شروع کی گئی مگر ایک ناگوار واقعہ کی وجہ سے تین پارہ لکھنے کے بعد تیرہ سال تصنیف کا کام بند رہا۔ پھر چوتھا پارہ شروع کیا گیا۔

اٰیَاتُھَا ۱۰۹ (۱۰) سُوۡرَۃُ یُوۡنُسَ مَکِّیَّۃٌ (۵۱) رُکُوۡعَاتُھَا ۱۱

آیتیں ۱۰۹ سورۂ یونس مکی رکوع گیارہ

تعلق اس سورۂ یونس کا سورۂ توبہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ سورۂ توبہ میں اُن صحابہ کرام کی مقبول توبہ کا ذکر ہوا جو غزوۂ تبوک میں حاضری دینے سے سستی کر چکے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ بہت مشقت میں پڑ گئے پھر کچھ عرصہ کے بعد اُن کی توبہ قبول ہوئی۔ سورۂ یونس میں حضرت یونس علیہ السلام کی اُس مقبول توبہ کا ذکر ہے کہ آپ وحی الٰہیہ کا انتظار کئے بغیر اپنے علاقہ سے چلے گئے جس پر آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مشقت جھیلنی پڑی۔ پھر توبہ قبول ہوئی گویا صحابہ کرام کی مقبول توبہ کے بعد ایک نبی کی توبہ کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق سورۂ توبہ میں منافقین کی اُس بکواس کا ذکر ہوا جو وہ نزولِ سورۃ کے موقعہ پر کیا کرتے تھے۔ سورۂ یونس میں کفار کی وہ بکواس بیان کی جا رہی ہے جو وہ قرآن کریم کے متعلق کرتے تھے۔ گویا چھپے دشمنوں کی بکواس کے بعد کھلے دشمنوں کی بکواس کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا کہ منافقین بلاؤں میں پھنس کر بھی توبہ نہیں کرتے ثُمَّ لَا یَتُوۡبُوۡنَ وَلَا ھُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ اس سورہ میں ارشاد ہے کہ کفار مصیبتوں میں پھنس کر بھی توبہ کر لیتے ہیں مگر آفت دور ہوتے ہی پھر جاتے ہیں وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا (الخ) یا حَتّٰۤی اِذَا کُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡکِ وَ جَرَیۡنَ بِھِمۡ الی قولہ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ (الخ) گویا ایک قسم کی ڈھٹائی کے بعد دوسری قسم کی ڈھٹائی کا تذکرہ ہے۔ چوتھا تعلق سورہ بَرَآءَۃٌ یعنی توبہ میں حضور انور کو کفار سے بیزاری ظاہر فرمانے کا حکم دیا گیا بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ (الخ) اس سورۃ میں حضورِ انور کو دوسری قسم کی بیزاری ظاہر فرمانے کا حکم دیا جا رہا ہے وَاِنۡ کَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّیۡ عَمَلِیۡ وَلَکُمۡ عَمَلُکُمۡ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (از روح المعانی مع زیادۃ)

تفسیر سورۃ کے معانی اس کے احکام سورۃ آیت۔ رکوع۔ منزل۔ حزب وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سورۃ کا نام سورۂ یونس اس لیئے ہوا کہ اس میں حضرت یونس کا قصہ مذکور ہے۔ یعنی جزء سے کُل کا نام رکھا گیا۔ قوی یہ ہے کہ یہ سورۃ مکیّہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر اِس کی تین آیات مدنیّہ ہیں۔ فَاِنۡ کُنۡتَ فِیۡ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ سے آخر تین آیات تک کہ وہ مدنیہ ہیں مقاتل کہتے ہیں کہ قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ یہ دو آیات مدنیہ ہیں مگر پہلا قول قوی ہے۔ وہ ہی حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے (تفسیر خازن و روح المعانی وغیرہ) اس سورۃ میں ایک سو نو آیتیں ہیں ایک ہزار آٹھ سو بتیس ۱۸۳۲ کلمے ہیں نو ہزار ننانوے حروف ہیں اور گیارہ رکوع۔ (تفسیر خازن) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے سمندر سے دریا نکلتے ہیں دریاؤں سے نہریں نہروں سے سوئے سوئے سے نالیاں۔ نالیوں سے پانی کے قطرات ایسے ہی قرآنِ مجید گویا سمندر ہے اس سے منزلیں۔ منزلوں سے سورتیں اور پارے اُن سے رکوع۔ رکوع سے آیات۔

آیتوں سے کلمات پھر کلمات سے حروف حروف سے نقطے۔ ہر سورت کے اول بسم اللہ ہے سوا سورۂ توبہ کے۔ قاری تلاوت کے دوران ہر سورۃ کے اوّل بسم اللہ پڑھتا جاوے مگر نمازی بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھا کرے بسم اللہ میں ب مدد کی ہے اس سے پہلے اَشْرَعُ یا اَتْلُوْ یا اَقْرَاُ پوشیدہ ہے۔ اسم اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو غیر خدا ہے۔ ذات کبریا ایک ہے اس کے ننانوے نام ہیں تو بسم اللہ کے معنی ہوئے اللہ کے نام یعنی الف لام ہ کی مدد سے شروع کرتا ہوں معلوم ہوا کہ غیر خدا کی مدد لینا ... ہے جب اسم اللہ کی مدد لینا جائز ہے تو رسول اللہ اور ولی اللہ کی مدد لینا بھی درست ہے اگر غیر اللہ کی مدد شرک ہوتی تو بسم اللہ نہ ہوتا باللہ ہوتا۔ یہ بحث سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ہو چکی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ (المنزل ۳)

یہ آیتیں ہیں کتاب حکمت والی کی کیا ہوا لوگوں کو تعجب

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کو اس کا اچنبا

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ

یہ کہ وحی کی ہم نے ایک مرد کی طرف اُن میں سے یہ کہ ڈراؤ لوگوں کو

ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈر سناؤ

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ

اور خوشخبری دو اُن کو جو ایمان لائے کہ تحقیق واسطے اُن کے جگہ ہے سچ کی پاس رب

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس

رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② (وقف النبی)

رب کے اُن کے کہا کافروں نے کہ بے شک البتہ جادوگر ہے ظاہر ظہور

سچ کا مقام ہے کافر بولے بے شک یہ تو کھلا جادوگر ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صفات عالیہ کا ذکر ہوا۔ آپؐ کا آناسب انسانوں کے پاس آنا۔ شاندار عام رسول ۔ انسانوں کی نفس و ذات سے ہونا۔ لوگوں کی تکلیف گراں ہونا ۔ دینے پر حریص ہونا ۔ مومنوں پر رؤف ہونا ۔ ان پر رحیم ہونا ۔ اللہ پر متوکل ہونا ۔ اللہ کا آپ کو کافی ہونا ۔ اب حضور کی گیارھویں صفت کا تذکرہ ہے کہ ان پر وہ قرآنِ مجید نازل ہوا جو تمام کتابوں سے افضل ہے یعنی آپ صاحبِ قرآن ۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضور انور کی شان بیان ہوئی اب آپکی ذات کریم سے لوگوں کے شبہات دفع کئے جارہے ہیں ۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں حضور انور کا رسول ہونا بیان ہوا ۔ رسول وہ ہے جو مخلوق کی طرف کچھ لے کر آئے یعنی سنانے والا نبی ہے اور پہنچانے والا رسول ۔ اب ارشاد ہے کہ حضور انور کیا لائے ۔ قرآن مجید کی آیات لائے جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ گویا یہ آیات کریمہ رسول کی تفسیر و تفصیل ہیں ۔

شانِ نزول جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو نبوّت عطا فرمائی اور حضور نے اس کا اعلان کیا تو عرب خصوصًا مکہ والوں نے اس کا انکار کیا ۔ ان میں سے بعض بولے کہ اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ محمد جیسے کو نبی بنائے (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کیا اسے کوئی بڑا آدمی اس منصب کے لیئے نہ ملا صرف یتیم ابو طالب ہی ملے اُن کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر خازن ۔ مدارک ۔ کبیر) اس کا بیان اس آیت میں ہے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید مکہ معظمہ یا طائف کے کسی بڑے مالدار سردار پر آنا چاہیئے تھا ۔

تفسیر الٓرٰ ۔ یہ یا تو قرآن مجید کا ایک نام ہے یا اس سورۃ کا نام ہے یا الرَّحْمٰن کا جزو ہے یہاں الٓرٰ ہے دوسری جگہ حٰمٓ تیسری جگہ نٓ ہے ملاؤ تو الرحمٰن بنتا ہے یا اَنَا اللّٰہُ اَرٰی کا مخفف ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ مقطعاتِ قرآنیہ سے ہے ہم کو نہ اِس کے معنیٰ کی خبر ہے نہ مقصد و مطلب کی ۔ یا رب تعالیٰ جانے یا اُس کے حبیب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس کی مفصّل بحث الٓمٓ اور تیسرے پارہ کی تفسیر وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ کے ماتحت ہو چکی یہ لکھنے میں الٓرٰ آتا ہے مگر پڑھنے میں الف ۔ لام ۔ را آتا ہے تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں تِلْکَ مبتدا ہے اور آیاتُ الکتاب دالخ خبر تلک سے اشارہ یا تو پورے قرآن کی آیات کی طرف ہے جن میں سے بعض آ چکی تھیں اور بعض آنے والی تھیں ۔ نازل شدہ آیات کی طرف چونکہ آیاتِ قرآنیہ درجہ و شان میں بہت ہی اونچی ہیں اس لیئے تِلک اِشَارۂ بعید فرمایا گیا یا اُن آیات کی طرف اشارہ ہے جو لوحِ محفوظ میں ہیں ۔ رب فرماتا ہے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ چونکہ لوح محفوظ زمین سے بہت دور ہے اس لیئے تِلْکَ اشارۂ بعید ارشاد ہوا آیات جمع ہے آیت کی بمعنیٰ نشانیِ قدرت اصطلاح میں قرآن مجید کا وہ حصّہ جس کا مضمون تو پورا ہو مگر اس کا کوئی نام نہ ہو آیت ہے چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت حضور انور کی حقانیت کی علامت ہے اس لیئے اسے آیت کہتے ہیں اَلْکِتٰب سے مراد یا لوحِ محفوظ ہے یا توریت و انجیل ۔ کیونکہ قرآنِ مجید کے مضامین توریت و انجیل میں تھے رب فرماتا ہے وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۔ اس سورت میں حکیم سے مراد حکمت والی (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کتاب سے مراد قرآنِ مجید ہو تو حکیم

کے معنی ہیں حکمت والا یا مُحکَم و مضبوط جو منسوخ نہ ہو سکے۔ یہ صفت قرآن مجید کے سوا کسی کتاب میں نہیں سب قابل نسخ تھیں قرآنِ مجید غیر منسوخ۔ اس معنی سے صرف قرآن مجید حکیم ہے۔ اَ کَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا یہ کلام نیا جملہ ہے اس میں الف سوال کا ہے اور سوال یا انکار کا ہے یا تعجب دلانے کا ناس سے مراد وہ ہی کفارِ مکہ ہیں جو حضورِ انور کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اور جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس فرمانِ عالی کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ عَجَبًا کَانَ کی خبر ہے اور لِلنَّاسِ عَجَبًا کا حال اور اَنْ اَوْحَیْنَا کَانَ کا اسم (روح البیان) عجیب سے مراد کا تعجب نہیں بلکہ انکار کا تعجب ہے یعنی اے لوگو کیسی تعجب کی بات ہے کہ کفارِ مکہ کو اُس پر تعجب ہے اُس چیز کا انکار ہے کہ اَنْ اَوْحَیْنَا اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ یہ عبارت کَانَ کا اسم ہے یا اَنَّ سے پہلے لام پوشیدہ ہے (روح المعانی) وحی کے معنی اور اُس کے اقسام و احکام ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے یہاں وحی سے مراد وحیِ نبوت ہے۔ حضورِ انور پر بہت قسم کی وحی ہوئی۔ ظاہری وحی بذریعہ فرشتہ کے باطنی وحی خواب یا الہام کے ذریعہ اور بلا واسطہ وحی معراج میں فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی یہاں ظاہری وحی مراد ہے یعنی قرآن کریم کی وحی جس پر حضور نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ خیال رہے کہ پچھلے نبیوں کو نبوت پہلے عطا ہوئی تھی عطاءِ کتاب بعد میں دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف غرقِ فرعون کے بعد عطا ہوئی مگر حضور انور کی نبوت کی ابتداء نزولِ قرآن کی ابتداء سے ہوئی کہ پہلے آیۂ کریمہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ نازل ہوئی۔ رَجُلٍ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور کامل مرد ہیں اللہ نے حضور کو ہر وصف میں کامل کیا کامل سخی۔ کامل بہادر۔ کامل علیم و خبیر کامل حکیم وغیرہ۔

حضرت حسان نے کیا خوب کہا۔ شعر

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ	وَ مِثْلَكَ قَطُّ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَیْبٍ	كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

چونکہ حضورِ انور مکہ معظمہ میں مکہ والوں میں سے پیدا ہوئے اس لئے مِنْهُمْ ارشاد ہوا یعنی کیا کفارِ مکہ اس کا تعجب اور انکار کرتے ہیں کہ اُن کے ملک اُن کے خاندان میں سے ایک صاحب پر وحی آگئی وحی کس چیز کی اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ کہ آپ لوگوں کو دوزخ سے عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ یہ عبارت اَوْحَیْنَا کا مفعول ہے اَلنَّاسَ سے مراد تاقیامت سارے جہان کے انسان ہیں۔ کیونکہ حضور انور سب کے نبی ہیں اور سب کے ڈرانے والے۔ کفار کو عذابِ نار سے گنہگار کو ناراضیِ غفار سے نیک کار کو اعمال ضائع ہو جانے کے کھٹکے سے اور ہو سکتا ہے کہ اَلنَّاسَ سے مراد کفار ہوں کیونکہ آگے مومنوں کا ذکر علیحدہ ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ حضور انور جنات کے بھی نذیر ہیں مگر چونکہ انسان اصل مقصود ہیں اور جنات اُن کے تابع اس لئے صرف انسانوں کا ذکر ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا یہ فرمانِ عالی معطوف ہے اَنْذِرِ النَّاسَ پر چونکہ ڈرانا سب کو ہوتا ہے اور خوشخبری خاص خاص کو اس لئے وہاں النَّاس ارشاد ہوا اور یہاں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا نیز ڈرانا پہلے ہوتا ہے بشارت بعد میں کہ ڈرانا عیب دور کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بشارت اوصاف حاصل کرنے کے لئے

صفائی پہلے ہے زینت بعد میں اس لیئے ڈرانے کا ذکر پہلے ہوا بشارت کا بعد میں اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا میں از گنہگار تا اخیار ابرار سب ہی داخل ہیں ۔ پھر جس درجہ کا مومن اُس درجہ کی اُس کو بشارت کسی کو حور و قصور کی بشارت کسی کو رضاءِ رب غفور کی ۔ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ یہ فرمان مذکورہ بشارت کا بیان ہے ۔ حضورِ انور بشیر ہیں حضور کے فرمانِ عالی بشارت مؤمنین مُبَشَّرِیْنَ ہیں اور قَدَمَ صِدْقٍ مُبَشَّرٌ بِہٖ جس کی بشارت دی گئی ۔ اس فرمانِ عالی میں لہم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا ۔ صرف مومنوں کے لیئے قَدَمَ صِدْقٍ ہے اس نعمت کا ان کے سوا کوئی مستحق نہیں ۔ قَدَمَ صِدْقٍ کے بہت معنی کئے گئے ہیں لغت والے کہتے ہیں کہ قَدَمْ بمعنی پُرانی صِدْق بمعنی بھلائی ۔ شاعر کہتا ہے ۔

وَاَنْتَ امْرَءٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِ ذُؤَابَةٍ لَهُمْ قَدَمٌ مَعْرُوْفَةٌ وَمَوَاخِرُ

یا آگے بھیجی ہوئی بھلائی سچائی یا قدم وہ نیک عمل جس میں سبقت کی جاوے بغیر دیر لگائے کیا جائے چونکہ سبقت اور دوڑ بذریعہ قدم کے ہوتی ہے اس لیئے ایسی نیکی کو قدم کہا جاتا ہے جیسے احسان کو ید کہتے ہیں کہ کسی پر احسان ہاتھ سے ہی کیا جاتا ہے عرب کہتے ہیں لَہٗ یَدٌ عَلَیَّ فلاں کا مجھ پر احسان ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ قدم سے مراد اعمال ہیں ۔ صدق سے مراد نیک یا اس سے مراد ثواب ہے ۔ یا مراد شفاعتِ رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ایک شاعر کہتا ہے ۔

صَلِّ لِذِی الْعَرْشِ وَاتَّخِذْ قَدَمًا يُنْجِيْكَ يَوْمَ الْعِثَارِ وَالزَّلَلِ

اس شعر میں قدم بمعنی شفاعت ہے (تفسیر کبیر ، روح البیان ، خازن وغیرہ) قوی یہ ہے کہ قدم سے مراد ہے قدم رکھنے کی جگہ یعنی مقام ۔ صدق سے مراد اچھا ہے یعنی مومنوں کے لیئے کل قیامت میں اچھا مقام ہوگا ۔ کہ وہ عرش کی داہنی جانب ہونگے اس کی تفسیر وہ آیت ہے فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔ یعنی مومنوں کو رب کے نزدیک اچھا مقام اچھی جگہ ملے گی قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۔ اب تک تو حضورِ انور کی وہ صفات بیان ہوئی تھیں جو رب تعالےٰ نے انکو عطا فرمائیں اب وہ عیوب اور تہمت بیان ہو رہی ہے جو کفار حضور کو لگاتے تھے ۔ کہ کبھی آپ کو شاعر کہتے کبھی مسحور اور کبھی مجنون انہیں کسی بات پر قرار نہ تھا ساحر و شاعر تو بڑا عقلمند ہوتا ہے مسحور و مجنون بالکل بے عقل مدہوش یہ لوگ حضور کے معجزات کو سحر اور آپ کو ساحر کہتے تھے جو نبی کو نہ پہچان سکا وہ خدا کو نہیں پہچان سکا ۔

خلاصۂ تفسیر یہ آیتیں جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتر چکی یا اُتر رہی ہیں یا اُتریں گی یہ ایک حکمت والی کتاب قرآن مجید کی آیتیں ہیں جس کا ایک لفظ بھی حکمت سے خالی نہیں ۔ جیسے یہ محبوب بے مثال نبی ہیں ۔ ایسے ہی ان کی کتاب بے مثال ہے کیا کفار کو اس تعجب کی بنا پر انکار ہے کہ رب تعالیٰ نے وحی اور نبوت کسی جن یا فرشتے یا غیر عربی انسان کو کیوں نہ دی ان میں سے ایک مکی مدنی ہاشمی قریشی عربی کو یہ وحی کیوں بھیجی تاکہ آپ تمام لوگوں کو رب تعالیٰ سے اُس کے قہر و غضب سے ڈرائیں اور مومنوں کو اس کی بشارت دیں کہ انہیں رب تعالےٰ کے حضور اچھا مقام ملے گا کہ وہ قیامت کے دن عرش کی داہنی طرف ہوں گے اور محبوب کی تمام صفاتِ عالیہ معجزات کو دیکھنے کے باوجود کفار

یہ ہی رٹ لگائے جارہے ہیں کہ وہ نبی نہیں رسول نہیں وہ تو کھلے جادوگر ہیں اُن کے معجزات جادو ہیں وہ خود جادوگر یہ نرے اندھے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالےٰ نے انسان کو کچھ کام کرنے کے لیئے پیدا کیا کچھ کاموں سے بچنے کے لیئے ضروری ہوا کہ اُسے اِن دونوں قسم کے کاموں کی تفصیل بتائی جائے۔ یہ تفصیل بتانے کے لیئے نبی بھیجے گئے۔ نبی اللہ کی رحمت ہیں۔ یہ تفصیل بتانے والا ایسا چاہیئے جو ہماری سمجھ سکے ہم اس کی سمجھ سکیں لہٰذا نبی انسان چاہیئے پھر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ ملکِ عرب جو تمام دنیا سے پیچھے رہا ہوا ہے یعنی پس ماندہ علاقہ تھا وہ ہی ہدایت و رشد کا سرچشمہ بنے اس لیئے اس عہدے کے لیئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا۔ کیونکہ اہل عرب حضور انور کے طور طریقہ آپ کے صفاتِ حمیدہ سے واقف تھے۔ آپ کو پہلے سے ہی صادق الوعدہ اور امین کہتے تھے اِن وجوہ سے حضور انور کا نبی آخر الزمان ہونا نہایت موزون ہے۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** کسی شخص کو قرآن مجید کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا یہ فائدہ الۤر سے حاصل ہوا کہ رب تعالےٰ نے بعض سورتوں کو حروفِ مقطعات سے شروع فرمایا۔ جن کی یقینی تفسیر کوئی نہ کر سکا یہاں ہی تمام علماء کو بے بس کر دیا گیا۔ اور حضور انور کو ان کا تفصیل علم دیا رب فرماتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ رحمان نے اپنے حبیب کو سارا قرآن خوب سکھا دیا۔ **دوسرا فائدہ** قرآنی آیات وہاں سے آئیں کہ اگر حضور انور کا واسطہ نہ ہوتا تو ہم کو کسی طرح نہیں مل سکتی تھیں۔ کیونکہ ہم فرشی۔ قرآن مجید عرشی۔ جہاں تار ٹیلیفون ریڈیو وغیرہ کوئی چیز کام نہ دے سکے حضور انور فرشی ہیں عرشی بھی کہ آپ کے ذریعہ فرشیوں کو عرشی قرآن ملا یہ فائدہ تلک بعید کا اشارہ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔ **تیسرا فائدہ** قرآنِ مجید میں ایک خصوصی صفت وہ ہے جو کسی آسمانی کتاب میں نہیں یعنی حکیم ہونا۔ یہ فائدہ اَلْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ حکیم سے مراد محکوم و مضبوط ہونا یعنی ناقابلِ نسخ **چوتھا فائدہ** کفار خصوصاً کفار مکہ جانوروں سے زیادہ بے سمجھ ہیں۔ دیکھو جانور حضور انور کو نبی جان کر مان کر آپ کی اطاعت کرتے تھے وہ بتوں کو نہ معبود جانتے تھے نہ ان کی اطاعت کرتے تھے مگر یہ انسان ہو کر لکڑی پتھر کے بتوں کو معبود جانتے تھے مگر حضور انور کو نبی نہیں مانتے تھے یعنی انہوں نے لکڑی پتھر کو خدا مان لیا مگر حضور انور کو نبی نہ مانا۔ یہ کہہ کر کہ نبوت کا عہدہ انسان کو نہیں مل سکتا فرشتہ کو ملنا چاہیئے۔ یہ فائدہ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا (الخ) سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** حضور انور کا ڈرانا سارے انسانوں کو ہے مگر بشارت صرف مسلمانوں کو یہ فائدہ اَنْذِرِ النَّاسَ اور بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے حاصل ہوا کہ ڈرانے کے لیئے الناس اور بشارت کے لیئے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ارشاد ہوا۔ **چھٹا فائدہ** حضور سارے اوّلین و آخرین کے نبی ہیں یہ فائدہ اَلنَّاسَ اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا اور فرماتا ہے لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا **ساتواں فائدہ** قیامت میں حضور انور کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مومنوں کو نصیب ہو گی۔ کفار ان دونوں سے یکسر محروم ہوں گے یہ فائدہ

لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ میں لہم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قَدَمَ صِدۡقٍ سے مراد یا شفاعت ہے یا اللہ کی رحمت وغیرہ۔ آٹھواں فائدہ نبی کی دشمنی آدمی کو اندھا اور پاگل کر دیتی ہے اُسے خود اپنے پر اعتماد نہیں ہوتا دیکھو کفار حضور انور کو کبھی تو مجنون یعنی دیوانہ اور مسحور یعنی جادو کیا ہوا بے عقل کہتے تھے اور کبھی ساحر و شاعر کہتے تھے یعنی بہت بڑا عقلمند۔ شعر و کہانت کامل عقل سے ہوتے ہیں یہ فائدہ سٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ سے حاصل ہوا۔ حالانکہ حضور انور آخر تک ان کے سامنے ہی رہے پھر جادو کہاں اور کس سے اور کب سیکھا وہ اس میں غور ہی نہ کرتے تھے نبی کی عداوت میں وہ اندھے ہوگئے تھے

پہلا اعتراض رب العالمین نے حضور انور کو رَجُل فرمایا اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ تو کیا ہم بھی حضور انور کو اس خطاب سے یاد کر سکتے ہیں کہ وہ ایک مرد تھے۔ **جواب۔** حضور کو رَجُل کہہ کر پکارنا حرام بلکہ کبھی کفر ہے عام محاورہ میں صرف رجل کہنا برابری کے دعوے سے یہ حرام ہے مگر بیان عقیدے میں کہنا یہ جائز ہے کہ حضور انور فرشتہ یا جن کی جنس سے نہ تھے۔ انسان اور مرد کی جنس سے تھے وہ ہی مقصود ہے حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمانا کَانَ بَشَرًا مِّنَ الۡبَشَرِ اس تیسرے مقصد سے تھا لفظ رَجُل کبھی اظہار عظمت کے لیئے بھی ہوتا ہے۔ قبر میں نکیرین سوال کرتے ہیں مَا کُنۡتَ تَقُوۡلُ فِیۡ هٰذَا الرَّجُلِ۔ **دوسرا اعتراض** حضور انور انسان و جن سب کے ہی نذیر و ڈرانے والے ہیں۔ پھر اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ کیوں ارشاد ہوا۔ نیز دوسری جگہ ہے لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا وہاں حضور انور کو تمام جہانوں کا ڈرانے والا فرمایا گیا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** حضور انور ساری مخلوق کے نبی ہیں مگر مخلوق میں مقصود انسان ہے باقی اس کے تابع اس لیئے انسان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالے رب العالمین بھی رؤف رب العرش العظیم بھی۔ یا یوں کہو کہ ہر طرح ڈرانا صرف انسانوں کے لیئے ہے کلام سے قلم سے تلوار سے باقی مخلوق کو ڈرانا صرف ایک نوعیت سے ہے دیکھو جہاد صرف انسانوں پر ہوئے۔ جنات پر کبھی جہاد نہ ہوئے لہذا وہاں لِلۡعٰلَمِیۡنَ فرمانا بھی درست ہے اور یہاں لِلنَّاسِ فرمانا بھی صحیح۔ **تیسرا اعتراض۔** یہاں ڈرانے کے لیئے للناس ارشاد ہوا اگر بشارت کے لیئے الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس فرق کی وجہ ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ ڈرانے سے مراد عام ہے۔ خواہ عذاب سے ڈرانا ہو یا عتاب سے یا حجاب سے لہذا ڈرانا سب کو ہے۔ کافروں کو گنہگاروں بلکہ ابرار و اخیار کو بھی اور بشارت صرف قَدَمَ صِدۡقٍ کی ہے جو بفضلہ تعالیٰ ہر مومن کو میسر ہوگا کفار اس سے یکسر محروم رہیں گے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں مومنوں کو قَدَمَ صِدۡقٍ یعنی اچھی جگہ کی بشارت دی گئی۔ اچھی جگہ میں کونسی خصوصیت ہے۔ کھڑا ہونا رب کے حضور ہے خواہ اچھی جگہ میں ہو یا معمولی جگہ میں **جواب۔** اگر قدم یعنی سچی جگہ سے مراد حضور انور کی شفاعت یا جنت ہو تب تو کوئی سوال نہیں اور اگر مراد ہو عرش اعظم کی داہنی جانب جہاں مومنین کھڑے ہوں گے تب بھی ظاہر ہے کیونکہ اس مقام پر کھڑا ہونا انتہائی عزت بھی ہوگی اور آئندہ جنتی ہونے کی علامت بھی۔ اس سے بڑھ کر سربلندی اور کیا ہو سکتی ہے جیسے بادشاہ کے حضور کرسی ملے اس کا خاندان فخر کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ قرآن مجید کے الفاظ سارے انسانوں سے قریب ہیں حتی کہ انہیں بچے بلکہ کفار بھی پڑھ لیتے ہیں۔ اسے اللہ

کے بندے حفظ بھی کر لیتے ہیں اس کے معانی کچھ پڑھے لکھوں سے قریب ہیں۔ اس کے مقاصد علماء کے ذہن سے قریب اس کی باریکیاں دل والوں سے قریب ہیں مگر اُس کے رموز و اسرار بہت ہی دور ہیں جہاں عقل ہوش و گوش کی رسائی نہیں۔ صرف کسی کی نظر عنایت سے وہاں پہنچ ہوتی ہے۔ الفاظ وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کو ہذا کہا جاتا ہے اور اسرار کے اعتبار سے ذٰلِكَ یا تِلْكَ یعنی دور کا اشارہ جیسے حضور انور کرم کے لحاظ سے سب سے قریب ہیں شرف میں سب سے دُور۔ شعر۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہاں نہیں وہ کہاں نہیں۔ (اعلحضرت)

فرمایا گیا وہ دور والی آیات جہاں تک تمہاری کسی چیز کی رسائی نہیں بغیر محمد رسول اللہ کے وہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔ فرمایا گیا کہ وہ آیات قرآنیہ جس کا ازل میں تم سے اے محبوب وعدہ کیا گیا تھا اور جس کا تمہاری اُمت کو وارث بنایا گیا یہ وہ ہی قرآن ہے فرماتا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا یہ قرآن جیسے ساری آسمانی کتابوں کا حاکم ہے اور سب کو منسوخ فرما دیا ہے ایسے ہی تمام انسانوں خصوصاً مسلمانوں پر اُس کی حکومت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے نزول کے لیئے اُس ذات کریم کو منتخب فرمایا جو ساری مخلوق میں مرد ہے یعنی بہادر ہمت و جُرأت و استقلال والا ورنہ اس کی برداشت پہاڑ بھی نہیں کر سکتا تھا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا۔ کفار کی نظر میں بہادری مردمی صرف مال سے تھی رب تعالیٰ کے نزدیک ذاتی جوہر سے۔ شعر۔

ہنر باید و فضل و دین و کمال کہ گہ آید و گہ رود جاہ و مال

مردمی کی علامات سچی زبان۔ پڑوسیوں سے مصیبتیں دفع کرنا بھائیوں سے سلوک کرنا اللہ تعالےٰ کی محبت و عشق باطن کا امتیاز ہے ظاہر کا نہیں یہ اوصاف پورے پورے حضور میں جمع ہیں لہٰذا آپ ہیں قرآن کے لیئے کفار یہ راز نہیں سمجھ سکے اور انکار کر بیٹھے صوفیاء کے نزدیک دنیا میں قَدَمَ صِدْقٍ تقویٰ ہے مرتے وقت ایمان ہے قبر میں امتحان میں کامیابی۔ حشر میں حضور انور کا قرب رب سے ہم کلامی۔ بعد حشر جنت مومنین انشاءاللہ ہر جگہ قَدَمَ صِدْقٍ یعنی سچی جگہ میں ہیں (از روح البیان)

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ
تحقیق پالنے والا تمہارا وہ اللہ ہے کہ پیدا کیئے اس نے آسمان اور زمین چھ دن میں
بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ
پھر غلبہ فرمایا عرش پہ تدبیر کرتا ہے کام کی
بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) کام کی تدبیر

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اجازت کے اس کی یہ اللہ رب ہے تمہارا

فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

پس پوجو تم اس کو پس کیوں نہیں نصیحت قبول کرتے ہو تم

تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں پہلے قرآن مجید کا ذکر ہوا پھر قرآن لانے والے محبوب کے درجات بیان ہوئے اب قرآن نازل فرمانے والے حضور انور کو نبوت عطا فرمانے والے رب تعالےٰ کی حمد کا ذکر ہے چونکہ حضور انور اور قرآن مجید خدا رسی کا وسیلہ ہیں اور عموماً انسان ان کے ذریعہ رب تعالےٰ کو پہچانتے ہیں اس لیئے پہلے وسیلوں کا ذکر ہوا پھر اصل مقصود کا یعنی رسالت کے بعد توحید کا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجنے کا ذکر ہوا اب وحی کے مرکز یعنی عرشِ اعظم کا ذکر ہے جہاں سے وحی آتی ہے اور جو احکام کا مرکز ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیتِ کریمہ میں اس ذاتِ کریمہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا جو عرشِ اعظم کی طرح سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور جہاں سے مخلوق پر احکامِ الٰہیہ نافذ ہوتے ہیں۔ اب عرشِ آسمان و زمین کا تذکرہ ہے گویا روحانی عرش آسمان و زمین کے بعد جسمانی عرش آسمان و زمین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جیسے اے لوگو رب تعالےٰ نے عرش فرش آسمان زمین بنانے میں تمہاری رائے نہ لی جیسے جو چاہا بنایا ایسے ہی اس نے نبی صحابی مومن کافر بنانے میں تمہاری رائے کا لحاظ نہ فرمایا جسے جو بنایا حق بنایا تم کو اس پر اعتراض کا کیا حق ہے۔

تفسیر اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ۔ ان آیات کے مضمون کے بہت لوگ منکر تھے اور ہیں۔ دہریہ اللہ کی ذات کے منکر مشرکین اس کی وحدانیت کے منکر بعض کفار اس کے خالق ہونے کے منکر بعض اسے بعض مخلوق کا خالق مانتے ہیں کل کا نہیں ان وجوہ سے اسے اِنَّ سے شروع فرمایا گیا۔ رَبَّكُمْ میں خطاب یا مومنوں سے ہے یا کافروں سے یا سارے انسانوں سے یا سارے جن وانس سے پہلا احتمال قوی ہے۔ رب کے معانی رب اور راب میں فرق ربوبیت کے ظہور کی صورتیں ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر رب العالمین میں کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ رب وہ ہے جو مخلوق کے ظاہر کو بھی پالے اور باطن کو بھی۔ پھر ہمیشہ پالے۔ مستقل طور پر پالے روحانی پرورش کے لیئے اس نے انبیاء، اولیاء، علماء پیدا فرمائے۔ خصوصاً حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ جسمانی پرورش کے لیئے اس نے آسمان و زمین بنائے کبھی اللہ کی ذات سے اس کے صفات کی پہچان کرائی

اس لیئے وہاں اللہ موصوف ہوا۔ رب صفت مگر یہاں صفت سے ذات کی پہچان کرائی اس لیئے رَبُّكُمُ اسم اِنَّ ہوا اور اللہ اس کی خبر یوں ہی بعض نے اللہ تعالیٰ سے حضور کو جانا مگر ہم جیسوں نے حضور انور سے رب تعالیٰ کو پہچانا۔ هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى (الخ) اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہ عبارت لفظ اللہ کی صفت ہے۔ لطف یہ ہے کہ رَبُّكُمُ سے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت ثابت کی اور اُن صفات سے اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت ظاہر فرمائی۔ خلق اور کسب کا فرق ہم پارہ الٓمٓ میں عرض کر چکے ہیں چونکہ ساتوں آسمان ایک دوسرے سے جدا ہیں اُن کی حقیقتیں جُدا اُن کے فیضان جدا اس لیئے سمٰوٰت جمع ارشاد ہوتا ہے زمین بھی سات ہیں مگر سب کی حقیقت مٹی اور سب ایک دوسرے سے پیاز کے چھلکے کی طرح چمٹے ہوئے۔ اس لیئے اَرْض ہمیشہ واحد ارشاد ہوتا ہے۔ چونکہ آسمان بڑے ہیں زمین چھوٹی پھر آسمان فیض دینے والے زمین فیض لینے والی ان وجوہ سے آسمانوں کا ذکر زمین سے پہلے ہوتا ہے مگر چونکہ ہم کو زمین کا علم زیادہ ہے یہاں کا تجربہ بھی آسمان کا علم کم ہمارے تجربہ سے باہر اس لیئے سورۂ طٰہٰ میں زمین کا ذکر پہلے ہے آسمان کا بعد میں۔ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى (روح المعانی) آسمان و زمین کی تحقیق پارہ الٓمٓ اور سورۂ اَعْراف میں ہو چکی ہے۔ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ یہ عبارت ظرف ہے خَلَقَ کا۔ ایّام جمع ہے یَوْم کی کبھی بمعنی وقت آتا ہے جیسے كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ رب تعالیٰ ہر وقت ایک نئی شان میں ہوتا ہے کبھی دن رات کا مجموعہ جیسے اَلشَّهْرُ ثَلٰثُوْنَ یَوْمًا یہ مہینہ تیس دن کا ہوا کبھی بمعنیٰ اُخروی دن یعنی ایک ہزار یا پچاس ہزار سال کا رب فرماتا ہے اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اور فرماتا ہے فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ایّام سے آخرت کے دن مراد ہیں۔ مگر تمام مفسّرین فرماتے ہیں کہ اِس سے مطلق وقت مراد ہے کیونکہ آسمان و زمین کی پیدائش صرف کُن فرمانے سے ہوئی اور کُنْ فرمانا ایک آن کی بات ہے فرماتا ہے اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ اور ہو سکتا ہے کہ یوم سے مُراد دن رات کا مجموعہ ہو۔ یعنی آج کُن فرما کر پہلا آسمان بنایا اور کل کُنْ فرما کر دوسرا آسمان (الخ) اس سورت میں دن رات کی مقدار مراد ہے نہ کہ مُروّجہ آج اور کل کیونکہ اس وقت سورج بنا ہی نہ تھا پھر دن رات کیسا (تفسیر روح المعانی و بیان وغیرہ) یہاں روح البیان نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے ہفتہ کے دن زمین پھیلائی، اتوار کے دن پہاڑ پیر کے دن درخت منگل کے دن بُری چیزیں بدھ کے دن نور اور نورانی چیزیں جمعرات کے دن تمام جانور جمعہ کے دن بعد نمازِ عصر حضرت آدم علیہ السلام چونکہ آپ خلیفۃ اللہ اور مقصودِ خلق تھے اس لیئے آپ آخر میں پیدا ہوئے رعایا پہلے جمع ہوتی ہے بادشاہ بعد میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ **لطیفہ** بعض علماء نے فرمایا کہ ہفتہ کا دن مکروفریب اور دھوکہ کا دن ہے کہ اُسی دن قریش حضورِ انور کے خلاف سازشیں کرنے دارالندوہ میں جمع ہوئے اس دن نئے کپڑے نہ سلواؤ۔ اتوار باغ لگانے تعمیرِ مکان کی ابتدا کرنے کا دن ہے کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں اتوار کو پیدا ہوئیں۔ پیر سفر اور تجارت کی ابتداء کا دن ہے حضرت شعیب نے تجارتی سفر کیا اور بہت نفع کمایا منگل کا دن خون کا دن ہے اُس دن فصد اور پچھنے نہ کراؤ کہ اسی دن میں حضرت جرجیس۔ زکریا۔ یحیٰ علیہم السلام شہید کیئے گئے اسی دن حضرت حوا، کو حیض شروع ہوا اسی دن ہابیل قتل ہوئے۔ حضرت آسیہ اور فرعون کے جادوگر شہید کیئے گئے اسی دن ابلیس زمین پر آیا اسی دن دوزخ پیدا ہوئی۔

بدھ کا دن غرقِ فرعون۔ قوم عاد و ثمود کی ہلاکت ہوئی اس دن ناخن نہ کٹواؤ برص کا اندیشہ ہے جمعرات کا دن مبارک ہے اس دن میں حضرت ابراہیم نے بادشاہِ مصر سے نجات پائی حضرت ہاجرہ انہیں ملیں۔ جمعہ مبارک ہے۔ حضرت آدم کا نکاح حوا سے یوسف علیہ السلام کا نکاح زلیخا سے حضرت موسیٰ کا نکاح صفورا سے حضرت سلیمان کا نکاح بلقیس سے حضور انور کا نکاح بی بی خدیجہ اور عائشہ صدیقہ سے جمعہ کے دن ہوا اس دن نکاح کرنا باعث برکت کا باعث ہے۔ (تفسیر روح البیان) ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ یہاں ثم ترتیب بیان کے لیئے ہے یعنی پھر یہ بھی سن لو کہ رب نے عرش پر استواء فرمایا۔ استواء کے معنی ہیں برابری۔ غلبہ۔ قرار۔ یہاں بمعنی برابر نہیں ورنہ اس کے بعد مَعَ یا بِ ہوتی علیٰ نہ ہوتا عرش کے معنی چھت بھی ہیں خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا۔ اور بمعنی عمارت بھی وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ اس لیئے عمارت بنانے والے کو عارش کہا جاتا ہے اور بمعنی تخت بھی وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ۔ (تفسیر کبیر) یہاں بمعنی تخت ہے۔ یہ فرمانِ عالی بطورِ تمثیل ہے تخت نشینی فرمایا گیا۔ پھر رب تعالیٰ مستوی عرش یعنی تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی بھی وہ جو اس کی شان کے لائق ہے ہمارے گمان وہم سے وراء ہے غرضکہ برابری۔ غلبہ قرار۔ تخت نشینی کے ظاہری معنی سے رب تعالیٰ پاک ہے حق یہ ہے کہ عرش نویں آسمان کا نام نہیں جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں بلکہ یہ علیحدہ جسم ہے جو سارے آسمانوں ساری زمینوں سارے عالم اجسام کو گھیرے ہوئے ہے۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ یہ اللہ کی تیسری صفت ہے چونکہ پیدائش آسمان و زمین اور عرش پر غلبہ ایک بار ہو چکا اس لئے وہاں ماضی ارشاد ہوا۔ یدبر بنا ہے تدبیر سے جس کا مادہ ہے دُبُر بمعنی انجام یا پیچھے تدبیر کے معنی ہیں انجام پر نظر کرنا امر سے مراد ہے عالم کے سارے واقعات یعنی رب تعالیٰ دنیا کے واقعات کے احکام صادر فرماتا ہے مگر یوں نہیں بلکہ انجام کا لحاظ فرماتے ہوئے اس کے ہر فیصلے میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں اس معنی سے تدبیر امر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس کے دوسرے معنی ہیں عالم کے واقعات رونما کرنا اس معنی سے وہ فرشتوں بلکہ اولیاء اللہ کی صفت ہے رب فرماتا ہے وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا۔ غرضکہ احکام کا صادر کرنا رب کا کام اور رب کے صادر کردہ احکام کو دنیا میں جاری کرنا فرشتوں کا کام ہے کسی کی موت کا حکم صادر فرمانا رب کا کام مگر اسے موت دینا متعلقہ فرشتوں کا کام یہ بات دھیان میں رہے۔ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ۔ یہ فرمانِ عالی لفظ اللہ کی چوتھی صفت ہے اس میں مَا نافیہ ہے اور مِنْ استغراقیہ شفیع بنا ہے۔ شفاعۃ سے شفاعت کے معنی اس کے اقسام اور کس قسم کی شفاعت کا کون مستحق ہے ہم آیت الکرسی کی تفسیر میں زیرِ آیت مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ مشرکین کے اس عقیدے کے نزدیک ہے کہ ہمارے بت رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں اور وہ دعوے سے شفاعت کریں گے جو رب تعالیٰ کو مجبوراً ماننا پڑے گی۔ اذن سے مراد ہے رب تعالیٰ کی اجازت۔ اس اجازت کی دو نوعیتیں ہیں ایک تو شفیع کو شفاعت کرنے کی اجازت دوسرے مشفوع کے متعلق اجازت کہ اے محبوب آپ فلاں کی شفاعت کر دیجئے چنانچہ بت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے کہ انہیں شفاعت کی اجازت نہیں وہ تو خود دوزخ میں جائیں گے۔ اور حضرات انبیاء اولیاء کفار کے عذاب سے چھٹکارا کی شفاعت نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان حضرات کو اس کی اجازت نہیں بلکہ وہ خود ان کفار سے نفرت کریں گے۔ خیال رہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ہی امت کی شفاعت کی اجازت مطلقہ مل چکی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور فرماتا ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اور فرماتا ہے۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ حضور آج ہی ساری امت بلکہ تمام امتوں اُن کے نبیوں کے

شفیع ہیں اگرچہ شفاعت کی نوعیت میں فرق ہے قیامت میں حضورِ انور کا سجدہ فرمانا رب کی حمد کرنا عرض و معروض کرنے کی اجازت کے لیئے ہوگا نہ کہ شفاعت کی اجازت کے لیئے ۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔ یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون کا نتیجہ ہے ۔ ذٰلِكُمْ سے اشارہ سارے صفاتِ عالیہ کی طرف ہے رَبُّكُمْ میں خطاب مشرکین یا سارے انسانوں سے ہے یعنی جو ان مذکورہ صفات سے موصوف ہے وہ حقیقی سچا معبود ہے تم سب کو پالنے والا چونکہ کسی کو اس کی صفات سے جاننا مثل محسوس کے ہوتا ہے اس لیئے ذٰلِكُمْ اسمِ اشارہ ارشاد ہوا (روح البیان) خیال رہے کہ عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں معبود صرف رب تعالیٰ ہے اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے اُس کے رسول کی بھی اور اپنے سے بڑوں کی بھی اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۔ اس فرمانِ عالی میں خطاب کفار سے ہے یعنی تم ان باتوں میں دھیان کیوں نہیں کرتے جس کی بارگاہ کے شفیع ایسے شاندار ہیں وہ رب تعالیٰ کیسا شان والا ہوگا ۔

خلاصۂ تفسیر

اے لوگو! یہ اینٹ پتھر کے بت تمہارے رب نہیں یہ تو خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں تمہارا رب وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ساتوں آسمان اور زمین ایک ایک دن کے وقفہ سے چھ وقتوں میں پیدا فرمائے کہ کُنْ فرمایا وہ پیدا ہوئے پھر یہ بھی سنو کہ رب تعالیٰ نے عرش اعظم کو اپنی تجلّی گاہِ خاص اور احکامِ سلطانیہ کے نافذ ہونے کا مرکز بنایا ۔ جہاں سے احکام صادر ہوتے ہیں وہ ہی قدرت والا رب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کام کی تدبیر فرماتا ہے کہ جو حکم دیتا ہے چیز کے انجام کے لحاظ سے دیتا ہے اُس کے ہر حکم میں صدہا مصلحتیں ہیں اُن کی شان یہ ہے کہ اُس کی مخلوق میں سے کوئی اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش و شفاعت نہیں کر سکتا وہ جس کو جس کی شفاعت کے لیئے اجازت دے وہ ہی اُس کی شفاعت کرے ۔ تمہارے بتوں کو شفاعت سے دور کا تعلق بھی نہیں کہ یہ خود دوزخ کا ایندھن ہیں جس کی یہ شانیں ہوں وہ ہی تمہارا رب ہے وہ ہی اللہ ہے لہٰذا تم اُس کی عبادت کرو ۔ بے وقوفو! تم ان باتوں میں غور کیوں نہیں کرتے ۔

فائدے

اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔ پہلا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ ہر بندہ کا ہر وقت رب ہے بندہ خواہ مومن ہو یا کافر نبی ہو یا اُمتی ولی متقی ہو یا گنہگار ہاں ان بندوں کی پرورش میں فرق ہے ۔ کافر کی صرف جسمانی پرورش فرماتا ہے مومن کی جسمانی بھی اور روحانی بھی یہ فائدہ رَبُّكُمْ سے حاصل ہوا کہ کُمْ میں خطاب سارے بندوں سے ہے ۔

دوسرا فائدہ ؛ بندوں کو چاہیئے کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کریں ہمیشہ اطمینان سے کریں یہ فائدہ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ سے حاصل ہوا ۔ دیکھو رب تعالیٰ قادر ہے کہ ایک کُنْ سے آن کی آن میں ایسے لاکھوں جہان بنا دیتا ہے مگر اُس نے ایک یہ عالم چھ دن میں بنایا ۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

کز شیطان ست تعجیل و شتاب ۔۔۔ خوئے رحمان است صبر و احتساب
با تأنّی گشت موجود از خدا ۔۔۔ تا بہ شش روز ایں زمین و چرخہا
ورنہ قادر بود کز کُنْ فیکون! ۔۔۔ صد زمین و چرخ آوردے بروں
ایں تأنّی از پئے تعلیم تست ۔۔۔ طلب آہستہ بہ باید بے شکست

تیسرا فائدہ۔ سلطنت الٰہیہ کا دار الخلافہ جہاں سے تمام احکام جاری ہوتے ہیں عرش اعظم ہے یہ فائدہ اِسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ چوتھا فائدہ۔ بعض صفات افعال رب تعالیٰ کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں اور اس کے خاص بندوں کی طرف بھی۔ یہ فائدہ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ سے حاصل ہوا کہ کام کی تدبیر رب تعالیٰ بھی کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی یہاں رب تعالیٰ کے لیئے یہ صیغہ ارشاد ہوا اور دوسری جگہ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا میں یہی لفظ فرشتوں کے لیئے بھی ارشاد ہوا۔ پانچواں فائدہ حضرات انبیاء اولیاء کی شفاعت برحق ہے وہ حضرات باذن الٰہی شفاعت ضرور کریں گے۔ یہ فائدہ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ سے حاصل ہوا۔ اس کی تحقیق آیۃ الکرسی کی تفسیر میں ہو چکی شفاعت کبریٰ کا سہرا حضور انور کے سر ہے ظہور عدل کے وقت یعنی ابتداء قیامت میں صرف حضور شفاعت کریں گے۔ بعد میں ظہور فضل کے موقعہ پر اور بہت لوگ شفاعت کریں گے۔ دیکھو آیۃ الکرسی کی تفسیر۔ چھٹا فائدہ اللہ کی شان اس کے خاص محبوب بندوں کی شان سے ظاہر ہوتی ہے یہ فائدہ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض۔ آسمان وزمین کی پیدائش چھ دن میں کیسے ہوئی جبکہ اس وقت سورج بنا ہی نہ تھا۔ جواب۔ یہاں یوم بمعنی وقت ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر سورج ہوتا تو وہ وقت چھ دن بنتے لہٰذا مطلب ظاہر ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں ارشاد ہوا کہ چھ دن میں یہ چیزیں بنیں مگر دوسری آیت میں ہے کہ کن سے بنیں اِذَآ اَرَادَ شَيۡـًٔا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ۔ جواب یہاں وقت پیدائش کا ذکر ہے وہاں طریقۂ پیدائش کا چھ دن میں بنے مگر کوٹ پیٹ کر ڈھال کر نہ بنائے گئے صرف کن فرمانے سے بنے۔

تیسرا اعتراض عرش اعظم اجسام میں اول مخلوق ہے مگر یہاں اس کے لیے ثمّ ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم کی پیدائش ان سب کے بعد ہے۔ جواب عرش اعظم کی پیدائش پہلے ہے مگر اس پر استواء یعنی اسے تجلی گاہ ربانی مرکز احکام بنانا بعد میں ہے یہاں روح البیان نے فرمایا کہ قرآن مجید میں لفظ ثم پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے یہاں ترتیب کے لیئے۔ جیسے اِنَّ الَّذِيۡنَ آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثُمَّ كَفَرُوۡا بمعنی قبل جیسے ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ کہ یہاں ثم بمعنی قبل ہے کیونکہ وَكَانَ عَرۡشُهٗ عَلَى الۡمَآءِ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم اول پیدا ہوا رب فرماتا ہے ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِلَى الۡجَحِيۡمِ وہاں بھی ثم بمعنی قبل ہے شاعر کہتا ہے ؎

قُلۡ لِمَنۡ سَادَ ثُمَّ سَادَ اَبُوۡهُ ثُمَّ قَدۡ سَادَ قَبۡلَ ذٰلِكَ جَدُّهٗ

اس شعر میں دونوں ثم بمعنی قبل ہے بمعنی واؤ جیسے ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا یہاں ثم بمعنی واؤ ہے بمعنی ابتداء جیسے اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِيۡنَ ثُمَّ نُتۡبِعُهُمُ الۡاٰخِرِيۡنَ وہاں ثم سے کلام کی ابتداء ہے۔ بمعنی تعجب ہے جیسے جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ اور اگر یہاں ثم فرمانا عرش اعظم کی شان دکھانے کے لیئے ہو یا ترتیب ذکری کے لیئے تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں (تفسیر روح البیان)

چوتھا اعتراض اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ مدبر عالم صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر تمہارے اعلیٰ حضرت نے حضور غوث اعظم کو مدبر عالم کہا
جواب اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تدبیر اور مدبر کے دو معنیٰ ہیں ایک معنیٰ سے اللہ کی صفت ہے۔ یعنی احکام صادر فرمانا، دوسرے معنیٰ سے بندوں کو مدبر کہا گیا ہے جیسے فرشتوں کی ایک قسم کا نام ہے۔ مُدَبِّرَاتِ اَمْرًا رب فرماتا ہے وَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا یعنی صادر شدہ احکام کو جاری فرمانا اس معنیٰ سے اولیاءاللہ خصوصًا سرتاج اولیاء حضور غوث اعظم مدبر عالم ہیں۔ اس آیت کے متعلق اور بہت سے اعتراض و جواب پارہ الم اور سورۂ اعراف میں عرض کئے گئے۔

تفسیر صوفیانہ عام انسان گویا فیض لینے والی زمین ہیں اور حضرات انبیاء کرام گویا فیض دینے والے آسمان ہیں۔ جس طرح آسمانوں کی کیفیات مختلف ہیں اسی طرح انبیاء کی شان مختلف ہیں کوئی نبی جلالی ہیں کوئی رب کی کسی صفت کے مظہر ہیں کوئی دوسری صفت کے مظہر۔ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے چھ دن یعنی چھ صفات میں پیدا فرمایا۔ روح۔ قلب۔ عقل۔ نفس مطمئنہ وغیرہ پھر رب العلمین نے اس ذات کریم پر تجلی فرمائی جو عالم روحانیات میں گویا عرش اعظم ہیں۔ تمام انبیاء اولیاء کو اپنے گھیرے میں لئے ہیں۔ شعر۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و ملک اس جہاں گیر بعثت پہ لاکھوں سلام

وہ ذات کریم احکام تکوینیہ احکام تشریعیہ کے صدور کی جگہ ہیں ہر زمانہ ہر وقت میں رب کے احکام وہاں سے ہی جاری ہوئے اور ہو تے ہیں۔ شعر۔

وہ زبان جس کو سب کُن کی کنجی کہیں اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالیٰ اس عرش نبوت سے دنیا کے احوال کی تدبیر فرماتا ہے۔ پھر شفاعت میں سب سے پہلے اجازت حضور کو ملے گی۔ پھر دوسرے شفیعوں کو۔ اے لوگو یہ زمین و آسمان عرش لامکان والے سلطان کا رب تمہارا رب ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو۔ تم لوگ ان بندوں کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی شان کا پتہ کیوں نہیں لگاتے۔ رب وہ قدرت والا ہے جس نے ایسے قدرت والے علم والے رحمت والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا

اسی کی جانب ہے لوٹنا تمہارا سب کا وعدہ اللہ کا سچا تحقیق وہ شروع فرماتا

اسی کی طرف تم سب کو پھرنا ہے اللہ کا سچا وعدہ بے شک وہ پہلی بار

الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہے پیدائش کو پھر لوٹاتا ہے اس کو تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل

بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

کیئے انہوں نے اچھے ساتھ انصاف کے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا واسطے ان کے ہے

کیئے انصاف کا صلہ دے اور کافروں کے پینے کو کھولتا پانی

حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④

پینا کھولتے پانی سے اور عذاب ہے دردناک اس وجہ سے کہ تھے وہ کفر کرتے

اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیۂ کریمہ میں رب تعالیٰ کی الوہیت ابتداء کے لحاظ سے بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اس نے آسمان وزمین بنائے وغیرہ اب اس کی الوہیت انتہا کے لحاظ سے بیان فرمائی جا رہی ہے کہ وہ تم سب کو مرنے کے بعد جلائے گا اور سزا جزا دے گا۔ چونکہ ابتدا پہلے ہے انتہا بعد میں اس لیے پہلے ابتداً کا ذکر ہوا بعد میں انتہا کا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی قدرت عامہ کا ذکر ہوا کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں تمام کائنات کا پیدا فرمانے والا ہے اب اس کی قدرت خاصہ کا ذکر ہے کہ وہ قیامت میں اٹھا کر صرف انسانوں کو ان کے اعمال نیک کا ثواب بد کا عذاب دینے والا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیۂ کریمہ میں بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا اب عبادت کے فائدہ کا تذکرہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ ثواب ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں شفاعت کا ذکر ہوا کہ اللہ کے ماذون (اجازت یافتہ) بندے شفاعت کریں گے اور مقام شفاعت اور وقت شفاعت کا ذکر ہے کہ جب بندے اپنے رب کے پاس واپس پہنچیں گے تب یہ شفاعت ہوگی مقصد یہ ہے کہ شفاعت کرنے والوں سے تعلق قائم رکھو تاکہ یہ تعلق کل قیامت میں کام آوے۔ پانچواں تعلق پچھلی آیۃ میں ان کفار کی تردید ہوئی جو رب کی ذات وصفات کے منکر ہیں اب ان کفار کی تردید ہے جو ذات وصفات کو تو مانتے ہیں مگر قیامت جنت دوزخ سزا وجزا کے انکاری ہیں۔

تفسیر اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ یہ فرمان عالی۔ نیا جملہ ہے جس میں الیہ خبر مقدم ہے اور مَرْجِعُکُمْ مبتدا مرجع مصدر میمی ہے بمعنی رجوع یا لوٹنا ظاہر یہ ہے کہ کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر ومنافق۔ اس خطاب میں فرشتے یا جنات داخل نہیں کیونکہ جزا یعنی ثواب کا بھی ذکر ہے جو صرف انسانوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ ضمیر کا حال ہے اِلَیْهِ کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اے انسانو! تم سب کا مرنے کے بعد جی کر رب تعالیٰ ہی کی طرف واپس ہونا ہے۔ چونکہ عالم ارواح میں تمام انسان رب تعالیٰ کے پاس تھے وہاں سے دنیا میں آئے اس لیے اب پھر وہاں جانے کو لوٹنا کہا گیا اگرچہ دنیا میں بھی انسان رب کے حضور ہی حاضر ہیں اس کے علم وقدرت میں ہیں لیکن یہاں اس سے غافل ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ اس کی ذات وصفات کے انکاری بھی ہیں یہاں بعض چیزوں کی ملکیت کے دعویدار بھی، وہاں ان میں سے کچھ نہ ہوگا۔ اس لیے وہاں

کی حاضری کو رب کی طرف لوٹنا فرمایا گیا۔ حضرت ابراہیم نے کوفہ سے فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کو رب کی طرف جانا کہا
اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ خیال رہے کہ قیامت میں پہلے سب کا اجتماع ہوگا پھر چھانٹ کر ارشاد ہوگا۔ وَ
امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ یہاں اوّل وقت کے لحاظ سے ارشاد ہے۔ جمیعًا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مَرْجِعُکُمْ سے
مراد موت ہے جو سب کو آنی ہے جس کے ذریعہ دنیا چھوڑنی ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینی ہے اس صورت میں جمیعًا بمعنی
مجتمعین نہیں بلکہ بمعنی سب ہے یعنی تم سب کو مر کر رب کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ
یا وہ آیت کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (از روح المعانی) وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اس فرمانِ عالی کی آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ اصل
میں تھا وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا حَقًّا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس لوٹنے کا تم سب سے پختہ وعدہ کیا ہے۔ جس کے خلاف ہونے
کا کوئی احتمال نہیں اس صورت وعدہ سے مراد مطلقاً وعدہ ہے وعید کا مقابل مراد نہیں کیونکہ قیامت کی خبر نیکوں کے لیئے وعدہ
ہے۔ کفار کے لیئے وعید یہ لفظ دونوں کو شامل ہے بعض نے فرمایا کہ یہاں وعدہ مقابل ہے وعید کا چونکہ قیامت کے انعقاد کا
مقصود مومنوں کو خبر دینا ہے اس لیئے اسے وعدہ فرمایا۔ کفار کی سزا ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ
ثُمَّ یُعِیْدُهٗ۔ قوی یہ ہے کہ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اور مَرْجِعُکُمْ کی یا وَعْدَ اللّٰهِ الخ کی دلیل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یَبْدَؤُ
بمعنی بَدَءَ ہے اور خلق سے مراد ساری مخلوق کو پیدا فرماتا ہے۔ یعنی اس نے ساری مخلوق کو ابتداءً بغیر نمونہ کے پیدا فرمادیا انہیں ایجاد
کردیا تو یقین کرلو کہ وہ دوبارہ بھی انہیں لوٹائے گا۔ کیونکہ ایجاد سے دوبارہ بنانا آسان ہے اور ہوسکتا ہے کہ خلق سے مراد افراد
مخلوق ہوں۔ یعنی رب تعالیٰ ہر فرد مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے لہٰذا وہ انہیں دوبارہ بھی بنائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے دنیا میں مخلوق کو پیدا کیا احکام کا مکلف کرنے کے لیے پھر ان کی عمر ختم ہوجانے پر انہیں موت دے گا پھر بعد موت اٹھائے
گا کیونکہ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ۔ اس فرمانِ عالی کا تعلق ثم یعیدہ سے ہے جزاء سے مراد نیک
اعمال کا ثواب ہے یعنی سزا کا مقابل بالقسط کا تعلق یا تو لیجزی سے ہے یا عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو
اس لیے دوبارہ زندگی دے گا تاکہ اس زندگی میں نیک مومنوں کو انصاف کے ساتھ ثواب دے کہ نہ تو نیک کی نیکیوں میں کمی کرے نہ
گناہوں میں زیادتی لہٰذا انصاف ظلم کا مقابل ہے نہ کہ فضل و کرم کا یا معنیٰ یہ ہیں کہ جن لوگوں نے انصاف کے ساتھ نیکیاں کیں
انہیں جزا دے چونکہ اس دنیا میں نیکیوں کے ثواب کی گنجائش نہیں کہ دنیا فانی ہے ثواب ہمیشہ باقی نیز دنیا قلیل یعنی تھوڑی ہے۔
ثواب کثیر یعنی زیادہ نیز دنیا مخلوط ہے آرام و مصیبت سے ثواب ہے خالص۔ ان وجہوں سے عمل کے لیے دنیا بنائی ثواب
کے لیئے آخرت جزا کے لیئے دوسرا جہان کیوں کہ اس کا جواب ہے۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس فرمانِ عالی میں تصویر کا دوسرا رخ یعنی
کفار کو سزا کا بیان ہے اَلَّذِیْنَ سے مراد انسان ہیں جیسا کہ گذشتہ کے مقابلہ سے معلوم ہو رہا ہے کفر سے مراد ہر قسم کا کفر ہے
کفر کی صد ہا قسمیں ہیں۔ ہر کفر کی سزا دوزخ میں ہمیشگی ہے کَفَرُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے علم اس کے فیصلہ میں کافر ہو چکے
یا مراد ہے کہ جو لوگ کفر پر مر گئے یا جو مرتے وقت کافر ہوگئے لہٰذا آیۃ واضح ہے لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ

اَلِیْمٌ یہ فرمانِ عالی وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی خبر ہے اس میں لھم مقدم خبر ہے اور شراب (الخ) موخر مبتدا جس سے حصر کا فائدہ ہوا کیونکہ کھولتا پانی دوزخیوں کا خون وپیپ پلایا جانا ذلت ورسوائی اور انتہائی دردناک عذاب صرف کفار کے لیئے ہے گنہگار مومن اِنْ شَاءَ اللہ اِن سے محفوظ ہوں گے خیال رہے کہ طرز بیان یہاں کچھ اور ہے وہاں تھا لِیَجْزِیَ اِن کے مقابل یہاں لیعذب ارشاد نہیں ہوا کیونکہ قیامت قائم ہونے کا اصل مقصد نیکوں کو ثواب دینا ہے رہا کفار کا عذاب وہ مقصد قیامت نہیں وہ ایک عارضی چیز ہے (روح البیان) دوزخ کا پانی حار نہیں بلکہ حمیم ہے یعنی معمولی گرم نہیں بلکہ بہت ہی سخت کھولتا ہوا ہے جو پینے وقت ہونٹ وزبان تالو جلا دے اور پیٹ میں پہنچ کر آنتیں جلا ڈالے مگر اس کے باوجود موت نہ آوے گی بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ یہ فرمانِ عالی یا تو عَذَابٌ اَلِیْمٌ کی صفت ہے یا پوشیدہ مبتدا کی خبر اس میں ما مصدریہ - کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ فرما کر دو یا تین باتیں ارشاد ہوئیں ایک یہ کہ یہ عذاب اس کافر کو ہے جو کفر کرتا رہا حتی کہ کفر پر مرگیا ۲ اگر اس نے زندگی میں کفر تو کیا مگر مرتے وقت مومن ہوگیا اس کے لیئے عذاب نہیں دوسرے یہ کہ کفار کے ناسمجھ بچے جو بچپن میں فوت ہوگئے ان کے لیئے عذاب نہیں کیونکہ انہوں نے کفر کیا ہی نہیں - جنت عطائی بھی ہوگی وھبی بھی کسبی بھی مگر دوزخ اور وہاں کا عذاب صرف کسبی ہے نہ عطائی نہ وہبی۔

خلاصۂ تفسیر - اے لوگو زندگی غنیمت جانو اس میں جو بن پڑے عبادت کرلو - کیونکہ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہم سب کو آخر کار رب تعالیٰ کی طرف واپس لوٹنا ہے - رب کی طرف سے اس کا پختہ سچا وعدہ ہو چکا ہے - جب مرنا ہے تو تیاری ضرور کرے - شعر -

جو یہاں آیا ہے اس کو ہوگا جانا ایک دن ۔۔۔ سب کو ہے منہا خَلَقْنَاکُمْ کا صدمہ ایک دن
ہے عبث بالکل عبث امید دل میں زیست کی ۔۔۔ جب فنا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن

اگر تم کو بعد موت زندہ ہونے میں تردد ہو تو یوں سوچو کہ رب تعالےٰ نے مخلوق کو ابتداً پیدا فرمایا - تم میں سے ہر ایک کی ابتدا فرماتا رہتا ہے جب وہ ابتدا فرماتا ہے تو دوبارہ بھی زندگی بخشے گا - وہ زندگی اس لیئے ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس دن نیک کار مومنوں کو عدل وانصاف کے ساتھ ثواب دے جس میں کمی بالکل نہ ہو قیامت قائم فرمانے کا یہ ہی مقصد ہے - دنیا عمل کی جگہ آخرت جزا کا مقام کیونکہ دنیا میں جزا سما نہیں سکتی رہے وہ لوگ جو مرتے دم تک کفر کرتے رہے کفر پر مرے انہیں پینے کے لیئے کھولتا پانی ملے گا - اس کے سوا بہت ہی دردناک دائمی عذاب ہوگا یہ بدلہ اس چیز کا ہوگا کہ وہ زندگی بھر کفر کرتے رہے اور کفر پر مرے جرم انتہائی سنگین ہے اس کی سزا بھی انتہائی سنگین۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے - پہلا فائدہ قیامت میں اوّلاً سارے بُرے بھلے بندوں کا اجتماع ہوگا حتی کہ شفیع کی تلاش سب مل کر کریں گے - چھانٹ یعنی مومن وکافر کی علیحدہ بعد میں ہوگی - اسی لیئے اسے حشر کہتے ہیں یہ فائدہ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ مرجع سے مراد قیامت کی حاضری ہو اور جَمِیْعًا سے مراد سب کا اجتماع ہو - دوسرا فائدہ - موت سب کو آنی ہے اس سے کوئی بھی علیحدہ نہیں یہ فائدہ

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ مرجع سے مراد ہو موت جمیعًا سے مراد ہو سب لوگ اس لیئے موت سے بچنے کی دعا کرنا حرام ہے تیسرا فائدہ - انسان کو چاہیئے کہ شہادت سے غیب کا پتہ لگائے ظاہر چیزیں باطن کا پتہ ہیں - یہ فائدہ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ سے حاصل ہوا - دیکھو ہمارا پیدا ہونا شہادت ہے اور قیامت میں اٹھنا غیب آیت میں ابتدا کو انتہا خلق کو اعادہ کی دلیل بنایا گیا - چوتھا فائدہ زندگی میں رب کی عبادت کرنا انصاف ہے غفلت ظلم ہے یہ فائدہ بِالْقِسْطِ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کا تعلق عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے ہو - پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ بقدرِ جرم سزا دے گا کسی کو جرم سے زیادہ سزا نہ ہوگی نہ نیکیوں سے کم ثواب ہے یہ فائدہ بِالْقِسْطِ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کا تعلق لِيَجْزِيَ سے ہو - دیکھو تفسیر جرم سے کم سزا دینا یا بالکل نہ دینا عفو و کرم ہے - چھٹا فائدہ مومن کبھی نیکیوں سے غافل نہ رہے ایمان جڑ ہے اعمال شاخیں ثواب پھل ہے جیسے پھل کے لیئے جڑ شاخیں سب ہی ضروری ہیں یوں ہی ثواب کے لیئے ان دونوں کی ضرورت ہے یہ فائدہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے حاصل ہوا - ساتواں فائدہ مومن صرف ایک نیکی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر قسم کی بدنی - مالی - جانی نیکیاں کرتا رہے جس قدر ہو سکے یہ فائدہ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں صالحات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ - کافر خواہ کتنی ہی نیکیاں کرے اور خواہ کتنا ہی گناہوں سے بچے مگر وہ دوزخ سے نجات نہیں پاسکتا - یہ فائدہ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ الخ سے حاصل ہوا - دیکھو رب تعالےٰ نے مذکورہ عذاب کو صرف کفر پر مرتب کیا یہ نہ فرمایا کہ جو کافر ہوں گے اور گناہ کریں گے تو انہیں عذاب ہوگا - نواں فائدہ دوزخ میں کھولتا پانی - رسوائی ذلت و خواری دردناک عذاب صرف کفار کے لیئے ہے گنہگار مومن ان چیزوں سے محفوظ رہیں گے - یہ فائدہ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ میں لہم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا دسواں فائدہ انعقادِ قیامت کا مقصد مومنوں کو ثواب دینا ہے رہا کفار کو عذاب دینا یہ عارضی چیز ہے مقصودِ قیامت نہیں یہ فائدہ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ فرماتے سے حاصل ہوا کہ لیجزی پر لام آیا اور کفر کے عذاب پر لام نہیں آیا پہلا اعتراض - اللہ کے وعدے سارے سچے ہیں پھر وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا کیوں فرمایا گیا کیا اس کے بعضے وعدے جھوٹے بھی ہیں جواب تاکید کے لیئے - نحوی لوگ اسے تاکید نفسہ کہتے ہیں دوسرا اعتراض قیامت کی خبر مومنوں کے لیئے وعدہ ہے کافروں کے لیئے وعید تو یہاں صرف وَعْدَ اللّٰهِ کیوں فرمایا اَوْعَدَ اللّٰهُ کیوں نہیں فرمایا - جواب اس لیئے کہ قیامت کا مقصد مومنوں کو ثواب دینا ہے جیسا کہ ابھی تفسیر اور فوائد میں ذکر ہوا یا یہاں وعدہ مطلقًا آئندہ کی خبر کے معنی میں ہے ثواب کی ہو یا عذاب کی تیسرا اعتراض اعمال کے لیئے دنیا اور ثواب و عذاب کے لیئے آخرت کیوں مقرر فرمائی - دونوں ایک ہی جگہ کیوں نہ ہوئے جواب؛ کیونکہ عمل ہمارے کام ہیں ہم چھوٹے ہمارے کام تھوڑے ہیں ان کے لیئے تھوڑی زندگانی چاہیئے اور ثواب و عذاب رب کا کام ہے رب عظیم اس کی عطا و سزا بھی عظیم اس کے لیئے زمانہ وہ چاہیئے جس کی انتہا نہ ہو - اور بھی بہت وجہیں ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں - نیز آخرت اعمال کی جگہ نہیں کہ وہاں اعمال کے اسباب نہیں نماز و روزہ حج و زکوٰۃ چاند و سورج سے ہوتے ہیں وہاں یہ دونوں نہیں جہاد کفار کے زور توڑنے کو ہوتا ہے وہاں کفار کا زور نہیں - نیکیوں سے روکنے والا شیطان اور

نفس امارہ ہیں وہاں شیطان قید نفسِ امّارہ ہلاک ہے لہٰذا اعمال اور جزاء اعمال ایک جگہ ایک وقت نہیں ہو سکتے۔

چوتھا اعتراض۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک کار مومن جنتی ہیں۔ بتاؤ کہ بدعمل یا بے عمل مومن جنتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو یہاں نیک کار کی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے جو نیک اعمال کی وجہ سے مومنوں کو ملے گی۔ جنتِ وہبی عطائی کا ذکر دوسری آیات میں ہے گنہگار مومن کے لئے خطرہ ہے کہ وہ اوّل سے جنت میں نہ جا سکے اوّلاً سزا بھگتنے دوزخ میں جاوے پھر جنت میں پہنچایا جاوے۔ نیک کار مومن بفضلہٖ تعالیٰ اوّل سے ہی جنتی ہے یہاں یہ ہی مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ مقبولین و مردودین سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر دونوں کے رجوع میں فرق ہے۔ مقبولین کا رجوع عنایتِ الٰہی کے جذب سے ہے اسے خطاب ہوتا ہے یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً انہیں ہر وقت یہ خطاب آتا رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے جسم دنیا میں حاضر مگر دل سے غائب رہتے ہیں اُن کی نظر میں سونا اور مٹی یکساں ہوتی ہیں وہ ماسوی اللہ سے مستغنی ہیں۔ ان کی روح عشق و محبت کے دریا میں غرق ماسوی اللہ سے بیزار رہتی ہے مردودین کا رجوع الی اللہ مجبوری سے ہے وہ ہتھکڑی۔ بیڑی۔ طوق میں جکڑ کر دوزخ کی طرف لے جائے جاتے ہیں اُن کی علامت یہ ہے کہ ان کے تعلقات دنیا سے بہت زیادہ۔ اُن پر نفس کا غلبہ۔ حرص۔ ہوس۔ بخل دراز امیدیں۔ تکبر۔ غصہ۔ شہوت حسد و کینہ۔ عداوت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یہ عیوب اُس زنجیر کے حلقے ہیں اللہ کے وعدے وعید بالکل برحق ہیں۔ یہ مقبولین یار۔ اغیار۔ بلکہ خود اپنے نفس اور اپنے رب کے متعلق ہمیشہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو کچھ بوؤ گے وہاں وہ ہی کاٹو گے۔ بھلائی بونے والا سلامت کاٹے گا بدی بونے والا ندامت۔ مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ دانند ایں اگر تو نگر وی ہر چہ می کاریش روزے بدروی

بعض لوگ وہ ہیں جو پہلے شیطان کے نرغہ میں ہوتے ہیں۔ پھر رحمان کی بارگاہِ قدس میں پہنچ جاتے ہیں۔

مرد اوّل بستہ خواب و خوراست آخرالامر از ملائک برتراست

در پناہ پنبہ و کبریتہا شعلۂ نور وقتیل برآید مرسہا

آگ کا شعلہ تیل وتی کی مدد سے بڑی آگ و روشنی بن جاتا ہے انسان کو اگر اچھا مربی مل جاوے تو یہ شعلہ سے بڑکتا ہوا بن جاوے۔

(روح البیان)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ

وہ اللہ وہ ہے کہ بنایا اس نے سورج کو روشن اور چاند کو نور اور اندازہ

وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کے

مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ

کیا اس کے لیے منزلوں کو تاکہ جانو تم شمار برسوں کی اور حساب نہیں پیدا کیا یہ

لیے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو اللہ نے

اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

مگر ساتھ حق کے تفصیل وار بیان کرتا ہے نشانیاں واسطے اس قوم کے جو راہ جانتی

اسے نہ بنایا مگر حق نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے علم والوں کے لیے

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی

بے تحقیق بدلتے ہیں رات اور دن کے اور وہ جو پیدا کیا اللہ نے

بے شک رات اور دن کا بدلتا آنا اور جو کچھ اللہ نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

آسمانوں اور زمین میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو پرہیزگار ہے

آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈرنے والوں کے لیے

پہلا تعلق پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی الوہیت اس کی قدرت آسمان و زمین کی پیدائش سے ثابت کی گئی۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ اب آسمان و زمین کی چیزوں سے اس کی الوہیت و قدرت کا ثبوت دیا جا رہا ہے سورج چاند اور برس کا گزرنا حساب لگایا جانا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں گذشتہ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی قدرت کا ذکر ہوا کہ اس نے پہلے سے آسمان و زمین بنائے اور تم آئندہ مر کر اس کی طرف لوٹو گے اب موجودہ زمانہ کے اعتبار سے اس کی الوہیت کا تذکرہ ہے کیونکہ چاند سورج کے فیضان موجود ہیں محسوس ہو رہے ہیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا رب ہے ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ۔ اب اس کی ظاہری ربوبیت یعنی جسمانی پرورش کا ذکر ہے کہ اس نے تمہاری پرورش کے لیے چاند سورج بنائے تاکہ پتہ لگے کہ اس نے باطنی پرورش کے لیے انبیاء اولیاء بھیجے

آسمانی کتابیں نازل فرمائیں کہ جسمانی پرورش سے روحانی پرورش زیادہ اہم ہے۔

تفسیر هُوَ الَّذِیْ ان جیسی آیات میں هُوَ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہوتا ہے الذی سے مراد صفت باری تعالےٰ قدرت والا یا رحمت والا یا حکمت والا وغیرہ کیونکہ دنیا کی ہر چیز رب تعالیٰ کی ایک ایک دو دو صفت کا مظہر ہے لیکن هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ میں الذی سے مراد تمام صفات الٰہیہ ہیں یعنی وہ شانوں قدرتوں حکمتوں رحمتوں والا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفاتِ الٰہیہ بلکہ ذاتِ الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ شعر۔

مصطفیٰ آئینہ روئے خدا است   منعکس دردے ہمہ خوئے خدا است

یہ فرق یاد رہے دیکھو اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ میں صلوٰۃ سے کچھ اور ہی مراد ہے اور هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ میں صلوٰۃ سے مراد کچھ اور ہی ہے لہٰذا اس آیت سے یہ لازم نہیں کہ ہم ہر مسلمان پر درود شریف پڑھا کریں۔ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً یہ فرمانِ عالی اَلَّذِیْ کا بیان ہے اگر جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہے تو اَلشَّمْسَ اس کا مفعول ہے اور ضِيَآءً اَلشَّمْسَ کا حال اور اگر جَعَلَ کے معنی ہیں بنایا تو اَلشَّمْسَ اس کا پہلا مفعول ہے اور ضیاء دوسرا مفعول شمس لغ کا وہ بڑا پھول جو بیچ ہار میں ہوتا ہے اسے شماسہ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ سورج تمام تاروں سے بڑا ہے نیز یہ تمام تاروں کے بیچ والے فلک میں یعنی چوتھے فلک پر ہے تین آسمان اس کے اوپر ہیں تین نیچے ان وجوہ سے اسے شمس کہا جاتا ہے (روح المعانی) ضیاء یا تو ضوء بمعنی روشنی کی جمع ہے جیسے حوض اور صوم کی جمع حیاض اور صیام ہے یا ضوء کا مصدر ہے جیسے قوم کا مصدر قیام یہ اصل میں ضواء تھا۔ چونکہ واؤ سے پہلے ض کو کسرہ تھا اس لیے واؤ کو یٰ سے بدل دیا۔ خیال رہے کہ ضیاء اور نور دونوں کے معنی ہیں چمک یا روشنی مگر نور عام ہے ہر ہلکی و تیز اصل عارضی روشنی کو نور کہہ دیتے ہیں مگر ضیا تیز یا اصل روشنی کو عموماً کہا جاتا ہے۔ چونکہ سورج کی روشنی تمام چاند تاروں سے تیز بھی ہے اور اصل بھی کہ اس میں روشنی کسی دوسرے تارے سے نہیں آئی۔ اس لیئے اسے ضیاء فرمایا گیا (کبیر وغیرہ) یہاں ضیاء بمعنی ذُو ضیاء ہے یعنی روشنی والا چونکہ زمین و آسمان میں سورج کا فیض تمام تاروں سے زیادہ ہے کہ آسمان کے ہر تارے میں نور سورج کا ہے اور زمین میں تمام نباتات حیوانات کی زندگی بقاء اسی سے ہے جو دانہ یا پھل پیدا ہوتا ہے وہ سورج کے فیض سے جو ان میں لذتیں ہیں وہ سورج کے فیض سے۔ ہاں ان کے رنگ لو چاند وغیرہ سے۔ ان وجوہ سے سورج کا ذکر پہلے فرمایا (روح البیان)

وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ اس فرمانِ عالی میں القمر معطوف ہے اَلشَّمْسَ پر اور نورًا معطوف ہے۔ ضیاءً پر قمر کے معنی سفید اس لیے سفید خر کو بنی مقمر کہتے ہیں نور سے مراد ہلکی روشنی ہے جو آسمان پر تاروں کو زمین پر چراغوں کو نہ بجھائے یا ٹھنڈی روشنی جسے دیکھنے والے کی آنکھ برداشت کرلے نور وہ عرض یا وہ جوہر ہے جو خود ظاہر ہو۔ دوسروں کو ظاہر کرے لہٰذا اللہ تعالےٰ نور نہیں ہے کیونکہ وہ نہ عرض ہے نہ جوہر۔ دیکھو نووی شرح مسلم کتاب الایمان صد ۹۹ قرآن مجید میں جہاں کہیں اللہ تعالےٰ کو نور فرمایا گیا ہے وہاں معنی مُنَوِّرٌ ہے یعنی نور بخشنے والا جیسے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ تعالےٰ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے رب

نے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا ہے ۔ وہاں قلبی نور روحانی نور مراد ہے۔ چاند کو نور فرمایا یہاں حسی نور مراد ہے ۔

لطیفہ :۔ عربی میں شمس مؤنث ہے اور قمر مذکر ۔ کسی نے خوب کہا۔

وَلَا التَّانِيثُ عَارٌ لِاسْمِ شَمْسٍ وَلَا التَّذْكِيرُ فَخْرٌ لِلْهِلَالِ

رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے عیسیٰ تم حلم و بردباری میں زمین کی طرح رہو۔ سخاوت میں جاری پانی کی طرح رحمت میں چاند سورج کی طرح جو نیک و بد پر چمکتے ہیں ۔ شعر

نظر کردن بدرویشاں منافی بزرگی نیست سلیماں باچنیں حشمت نظرہا بود باموروش

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ یہ عبارت معطوف ہے جَعَلَ الشَّمْسَ الخ پر اور رب تعالیٰ کی تیسری قدرت کا بیان یہ بار قَدَّرَہٗ تا باقی منازل رب تعالیٰ نے چاند سورج کو آسمان کا مسافر قرار دیا اور مسافر راہ میں منزلیں طے کرتا ہوا جاتا ہے یوں ہی یہ دونوں منزلیں طے کرتے ہوئے سفر کرتے ہیں ہٗ ضمیر یا تو صرف چاند کی طرف ہے ۔ چونکہ چاند اپنی ذاتی حرکت میں بہت تیز ہے کہ اٹھائیس یا انتیس دن میں پورا دورہ طے کر لیتا ہے ۔ اور سورج وہ ہی دور ایک سال میں طے کرتا ہے ، نیز چاند سے عربی مہینے اور مہینوں سے عربی سال نیز چاند سے بہت سے اسلامی کام وابستہ ہیں روزے ۔ زکوٰۃ ۔ حج ۔ عورتوں کی عدت وغیرہ اس لیئے صرف چاند کی منزلوں کا ذکر فرمایا ہٗ سے مراد سورج و چاند دونوں ہیں کبھی واحد ضمیر دو کی طرف لوٹ جاتی ہے جیسے اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ ۔ (تفسیر روح المعانی ۔ خازن وغیرہ) خیال رہے کہ سورج کے لیئے رب نے بارہ برج مقرر فرمائے جنہیں وہ ایک سال میں طے کرتا ہے ۔ موسم ربیع کے لیئے حمل ۔ ثور ۔ جوزا ۔ گرمی کے لیئے سرطان اسد سنبلہ ۔ خریف کے لیئے میزان عقرب ۔ قوس ۔ سردی کے لیئے جدی ۔ دلو حوت ۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

بر چہار اثم کہ از مشرق برآوردند سر جملہ در تسبیح و در تہلیل حی لا یموت !!

چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان واسد سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی دلو حوت

چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں ہر منزل دو اور تہائی برج کی ۲ ⅓ (یعنی ایک برج میں ۲ ⅓ منزلیں) ان کے نام مع ان کے کاموں کے اس جگہ تفسیر روح البیان وغیرہ میں دیکھو ۔ نماز کے اوقات روزے سحری و افطار سورج سے ہیں ۔ اور باقی وقتی عبادات چاند سے ۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۔ یہ فرمان حال قَدَّرَہٗ کے متعلق ہے تَعْلَمُوْا میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اگر قَدَّرَہٗ میں ہٗ کا مرجع صرف چاند ہو تو سنین سے مراد عربی مہینے ہیں جو چاند سے ہوتے ہیں ۔ اور حساب سے مراد وقتوں کا حساب کہ اہل عرب اپنے کاروبار کا حساب چاند سے کرتے تھے ۔ اور اگر ہٗ کا مرجع چاند سورج دونوں ہوں تو سنین سے دونوں قسم کے سال مراد ہوں گے ۔ سورج کے اور چاند کے ۔ یوں ہی حساب سے ہر قسم کا حساب پنجگانہ نمازوں کا حساب سورج سے کرو ۔ اور نماز عید و بقر عید کا حساب چاند سے ۔ ہمارا اسلام چاند و سورج والا دین ہے خیال رہے کہ قمری سال شمسی

سال سے دس دن گیارہ گھنٹے ایک منٹ چھوٹا ہوتا ہے ۔ چنانچہ شمسی سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ کا ہوتا ہے۔ اور قمری سال تین سو چون دن آٹھ گھنٹے اڑتالیس منٹ کا ہوتا ہے (روح المعانی) مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے جو گذشتہ مضمون کا نتیجہ بیان کر رہا ہے ذٰلِكَ سے اشارہ سورج چاند ان کی منزلیں مقرر فرمانا سب ہی اللہ کی طرف سے ہے حق سے مراد حکمت والا ۔ اس کا مقابل ہے باطل یعنی عَبَث رب فرماتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں ہزارہا حکمتوں پر مشتمل پیدا فرمائیں ان میں سے کوئی چیز بے فائدہ عبث پیدا نہیں کی۔ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔ مَا خَلَقَ اللّٰهُ میں مذکورہ چیزوں کی پیدائش کی حکمتیں بیان ہوئیں ۔ اس فرمانِ عالی میں ان چیزوں کے ذکر کا فائدہ ارشاد ہوا ہاں ظاہر یہ ہے کہ آیات سے مراد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں اِن مصنوعات کا ذکر ہے غالب یہ ہے کہ يَعْلَمُوْنَ سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق ان مذکورہ چیزوں سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس قسم کی آیتیں تفصیل وار بیان فرماتا ہے اُن لوگوں کے فائدے کے لیئے جنہیں چاند سورج منزلیں بُرج اُن کی رفتاروں کا علم ہو یا اِس علم کا شوق ہو۔ کیونکہ ان آیتوں سے پورا پورا فائدہ یہ ہی حضرات اٹھاتے ہیں ۔ اب تک تو آسمانی مخلوق کا ذکر ہوا اب اُن چیزوں کے زمینی اثرات کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ یہ نیا فرمانِ عالی ہے یہاں دن رات کے اختلاف سے مراد ان کا آنا جانا ان کا روشنی و تاریکی میں مختلف ہونا ان کا مقدار میں گھٹنا بڑھنا کہ کبھی رات بڑی کبھی دن ان کا کیفیات میں بدلتا رہنا کہ کبھی ٹھنڈے کبھی گرم اور رات کبھی نورانی کبھی اندھیری یا زمین کے بعض حصہ میں رات ہونا اور دوسرے حصہ میں اس وقت دن ہونا بہرحال یہ فرمانِ عالی بہت ہی وسیع ہے وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اس فرمان عالی میں آسمانی مخلوق سے مراد چاند سورج تارے بادل ہوا وغیرہ مراد ہیں اور زمینی مخلوق سے مراد پہاڑ دریا درخت نہریں جانور ۔ انسان مختلف کانیں وغیرہ ہیں ۔ چونکہ رات افضل ہے دن سے اور آسمان افضل ہیں زمین سے اس لیئے لیل کا ذکر نہار یعنی دن پہلے ہوا اور آسمانوں کا ذکر زمین سے پہلے لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ان سب میں بلکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک دو نہیں ہزارہا نشانِ قدرت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق حکیم علی الاطلاق ہونے کا پتہ لگتا ہے مگر ہر ایک کو نہیں بلکہ اُن کو جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو کہ انہیں کو موت و قیامت سے ڈر ہے وہ ہی اِن آیات میں غور کر کے رب تعالیٰ اور اس کی حکمتوں قدرتوں پر ایمان لاتے ہیں یہ چیزیں اُن کے لیئے معرفتِ الٰہی کی کتابیں ہیں ۔ شعر ۔

برگِ درختاں سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفتِ کردگار

خلاصۂ تفسیر وہ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت و حکمت والا رب ہے جس نے اپنے بندوں کی جسمانی پرورش کے لیئے وہ سورج بنایا جو بذاتِ خود بہت تیز جگمگاتا ہے جس کی جلالی روشنی کے سامنے نہ کوئی تارا چمکے نہ چراغ جلے اور چاند بنایا جو سورج سے حاصل کردہ جمالی نور رکھتا ہے پھر اُن دونوں کو نہ تو ایک جگہ ٹھہرا دیا ۔ نہ انہیں یوں ہی بے حساب

چلا دیا بلکہ انہیں ایسا باقاعدہ دائمی مسافر بنایا جن کے سفر کی مختلف منزلیں اور ان کی رفتار کی مختلف تاثیریں رکھیں آسمان کے بارہ برج سورج کی بارہ منزلیں مقرر فرمائیں۔ جنہیں وہ ایک سال میں طے کرتا ہے اور ان منزلوں سے مختلف موسم زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور اٹھائیس۲۸ منزلیں چاند کے لیے مقرر کیں جنہیں وہ کبھی اٹھائیس دن میں کبھی انتیس دن سے طے کرتا ہے تاکہ اے لوگو تم اس رفتار کے ذریعہ قمری یا شمس و قمر میں دونوں سال کا پتہ لگاؤ۔ اپنے کاروبار مختلف عبادات کا حساب اس سے کرو اللہ تعالٰے نے یہ جو کچھ بنایا اور ان کا نظام جیسا چلایا وہ سب برحق ہے ہم اس قسم کی آیات اس قوم کے لیے تفصیل وار بیان کرتے ہیں جو نجوم۔ ریاضی سائنس کا علم رکھتے ہیں یا ان علوم کا انہیں شوق ہے پھر زمین میں غور کرو کہ یہاں رات و دن کا مقدار کیفیات۔ حالات میں ادلتے بدلتے رہنا کہ کبھی چھوٹے بڑے کبھی ٹھنڈے کبھی گرم کبھی اندھیرے کبھی اوجیالے ان کے علاوہ اور آسمانی و زمینی مخلوقات میں اللہ تعالٰے کی معرفت کی نشانیاں ہیں مگر ان سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جن کے دلوں میں اللہ تعالٰے کا خوف ہے رہے عَوَام کَالْاَنْعَام اگر وہ اس میں غور نہ کریں تو ان کا اپنا قصور ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اللہ تعالٰے کی مخلوق اس کی معرفت کا ذریعہ ہے ان میں غور کرو رب کی شان جانو پہچانو۔ یہ فائدہ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الخ سے حاصل ہوا۔ آسمانی و زمینی چیزوں پر غور کرنا بھی عبادت ہے بشرطیکہ اس غور کو اللہ کی معرفت کا ذریعہ بنایا جائے۔ مگر ان چیزوں کا ذریعہ معرفت الٰہی ایمان نہیں ایمان تو وہ معرفت ہے جو نبی کے ذریعہ حاصل ہو۔ دوسرا فائدہ سورج و چاند دونوں ہی نور ہیں مگر ان میں چند طرح فرق ہے ۱ سورج کی روشنی خود اپنی ہے چاند کی روشنی سورج کے ذریعہ جیسے سورج کے سامنے ہونے سے آئینہ چمک جائے ۲ سورج کی روشنی میں گرمی و جلال ہے چاند کی روشنی میں ٹھنڈک ہے اور جمال ہے ۳ سورج رات دفع کرکے دن بناتا ہے چاند رات کو دفع نہیں کرتا بلکہ اسے روشن کر دیتا ہے ۴ سورج آسمان کے تاروں زمین کے چراغوں کو بجھا دیتا ہے چاند یہ نہیں کرتا ۵ سورج سے شمسی مہینے اور سال بنتے ہیں چاند سے قمری مہینے اور سال ۶ سورج سے نمازوں کے اوقات روزے کے سحر و افطار ہوتے ہیں۔ چاند سے روزے۔ زکوٰۃ۔ حج وغیرہ کا اہتمام۔ یہ فرق یہاں سورج کو ضیاء اور چاند کو نور فرمانے سے حاصل ہوتے۔ دیکھو تفسیر۔ تیسرا فائدہ سورج کی بارہ منزلیں ہیں جنہیں وہ ایک سال میں اپنی رفتار سے طے کرتا ہے اس سے دنیا میں موسم وغیرہ بنتے ہیں چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں جن کو وہ قریبًا ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے یہ فائدہ وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ سے حاصل ہوا۔ اس کے لئے علم ہیئت پڑھنا چاہیئے۔

چوتھا فائدہ اسلام میں شمسی مہینوں و سال کا اعتبار نہیں بلکہ قمری مہینوں اور سال کا اعتبار ہے یہ ہی افضل ہے یہ فائدہ عَدَدَ السِّنِيْنَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ سِنِيْنَ سے مراد قمری سال ہوں اس بنا پر کہ قَدَّرَهٗ میں ہٗ سے مراد صرف چاند ہو جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ قمری مہینوں سے اپنے حساب کیا کریں۔ چاند کے مہینے

اللہ تعالٰے کے اپنے مہینے ہیں ان کی جنتری آسمان پر ہے کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا تاریخ کا پتہ دیتا ہے۔ شمسی مہینوں میں یہ بات نہیں۔ پانچواں فائدہ دنیاوی کاموں کا حساب شمسی مہینوں سے لگانا بالکل جائز ہے یہ فائدہ عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ۔ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ سِنِیْنَ سے مراد شمسی قمری دونوں سال ہوں اس لیے کہ قَدَّرَہٗ میں ہ کا مرجع شمس و قمر دونوں ہوں چھٹا فائدہ۔ رب تعالٰے نے کوئی چیز بے فائدہ عبث نہیں بنائی ہر چیز میں حکمتیں ہیں یہ فائدہ اِلَّا بِالْحَقِّ سے حاصل ہوا۔

حکایت ایک شخص کہا کرتا تھا۔ کہ پاخانہ کے کیڑے بالکل بیکار ہیں اسے ایک زخم ہوا۔ جس کے علاج سے سارے طبیب عاجز آگئے ایک دن گلی میں کسی نے آواز لگائی کہ لا علاج بیمار مجھ سے علاج کرائیں اس نے اسے فورًا بلاکر اپنا زخم دکھایا اس حکیم نے پاخانہ کے کیڑے کا اس کے زخم میں لیپ کیا جس سے اسے شفا ہوئی تو وہ بولا کہ یہ بیماری مجھے سمجھانے آئی تھی کہ کمترین مخلوق بہترین دوا ہے (روح البیان) ساتواں فائدہ علم ریاضی۔ ہیئت اور سائنس بہترین علوم ہیں جبکہ ان سے رب تعالٰی کی قدرت وصفت کا پتہ لگایا جائے۔ یہ فائدہ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان چیزوں پر غور و فکر کا حکم دیا گیا وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الخ) **مسئلہ** علم نجوم برحق ہے جبکہ اس سے سحری و افطار طلوع و غروب نماز پنجگانہ کے اوقات معلوم کیے جاویں۔ جس علم نجوم سے حدیث میں منع کیا گیا وہ علم نجوم ہے جس سے غیبی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کی جاوے کہ فلاں تاریخ کو بارش ہوگی فلاں منحوس ہے فلاں خوش نصیب۔ فلاں کا ستارہ عروج پر ہے فلاں کا پستی میں۔ آٹھواں فائدہ حق یہ ہے کہ رات دن سے افضل ہے اور آسمان زمین سے بہتر یہ فائدہ ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب نے رات کا ذکر دن سے پہلے فرمایا اور آسمانوں کا ذکر زمین سے پہلے اور کیوں نہ ہو کہ رات وصال کا وقت ہے دن فراق کا۔ شب قدر رات ہی ہے۔ معراج جیسا معجزہ رات ہی میں ہوا، نماز عشق یعنی تہجد رات ہی میں ہے۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کو قبولیت دعا کی ایک ساعت آتی ہے وہ بھی یقین سے معلوم نہیں کہ کس وقت ہوتی مگر رات کو روزانہ آخری تہائی حصہ پورا کا پورا قبولیت دعا کا ہے۔

پہلا اعتراض۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ضیاء اعلٰی ہے نور سے کہ سورج کی روشنی کو ضیاء اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا تو رب تعالٰی نے قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا نور کیوں فرمایا۔ انہیں ضیاء کیوں نہ کہا۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں اللہ کی ضیاء تھے مگر دنیا میں نور بن کر آئے اگر یہاں ضیاء بن کر آتے تو کوئی کافر نہ رہتا۔ نہ یہاں کفر و ظلمت رہتی سب ہی مومن ہو جاتے یہ حکمت الٰہی کے خلاف ہے یہاں کفر و ایمان دونوں رہیں گے ظلمت و نور دونوں ہوں گے تاکہ جنت دوزخ دونوں پر ہوں عالم ارواح میں حضور ضیاء تھے وہاں کوئی روح کافر نہ تھی دوسری جگہ حضور کو سراج منیر یعنی چمکانے والا سورج فرمایا۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ سورج و چاند کی منزلیں اس لیے بنائیں کہ تم سالوں برسوں کی گنتی اور اپنا حساب جانو۔ برسوں اور حساب کا تعلق منزلوں سے کوئی نہیں اس کے لیئے چاند و سورج کا طلوع غروب کافی تھا۔

جواب: چاند سورج کے طلوع و غروب سے دن رات اور تاریخ بن سکتی ہے سال اور مہینے منزلوں سے بنتے ہیں۔ چنانچہ سورج جب بارہ منزلیں طے کرے تو ایک سال شمسی بنتا ہے اور جب ایک برج طے کرے تو ایک شمسی مہینہ ہوتا ہے چاند جب اٹھائیس منزلیں طے کرے تو ایک ماہ قمری ہوتا ہے جب یہ اٹھائیس منزلیں بارہ بار طے کرے تو ایک سال قمری بنتا ہے لہٰذا یہ فرمان الٰہی بالکل درست ہے اس لیے یہاں سنین یعنی برسیں فرمایا۔ مہینے اور دن نہ فرمایا۔ تیسرا اعتراض یہاں حساب سے کون سا حساب مراد ہے۔ جواب: دنیوی اور دینی کاموں کا حساب مراد ہے، اکثر دینی حساب چاند سے ہوتے ہیں جیسے روزے حج زکوٰۃ عورتوں کی عدت وغیرہ اور دنیاوی حساب اکثر سورج سے ہوتے ہیں۔ جیسے ادائے قرض اور کھیت و باغ کے دانے پھلوں کے موسم وغیرہ لہٰذا یہ ایک لفظ دونوں حسابوں کو شامل ہے۔ چوتھا اعتراض۔ ان آیتوں میں ایک جگہ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ارشاد ہوا دوسری جگہ لِقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ فرمایا گیا اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے جواب چاند سورج اُن کی رفتار ان کی منزلیں اُن کی تاثیریں صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ علماء میں بھی وہ جو ریاضی جانتے ہوں اس لیئے اس ذکر کے سامنے لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ارشاد ہوا مگر دن رات کا چھوٹا بڑا ہونا۔ گرم سرد راتوں کا منور اور تاریک ہونا ایسی ظاہر چیزیں ہیں جن کا جاننا ہر ایک کو آسان ہے اس لیئے ان کے ذکر کے سامنے علم کا ذکر نہیں کیا گیا، تقویٰ کا ذکر کیا۔ کہ اس سے صحیح نتیجہ وہ ہی نکالتے ہیں جن کے دلوں میں رب تعالےٰ کا خوف ہو۔ کافر اور غافل لوگ اس سے صحیح نتیجہ نہیں نکالتے آج امریکہ والے چاند پر کئی بار اتر گئے وہاں کی مٹی پتھر کھود لائے مگر رہے کافر ہی حتیٰ کہ ان اترنے والوں کا بیان ہے کہ چاند میں تیس میل گہری خندق ہے جس میں ٹوٹی چٹانیں جڑی ہوئی ہیں ان سب باتوں کو دیکھ کر کافر رہے اگر ان کے دل میں خوف خدا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے کہ معجزہ شق القمر کا نشان آج بھی موجود ہے۔

پانچواں اعتراض: قرآن مجید نے اللہ تعالےٰ کو نور فرمایا۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کا نام بھی نور ہے اسے ضیاء کیوں نہیں کہتے اور ضیاء نور سے قوی ہے لہٰذا اسے ضیاء کیوں نہیں کہتے۔ جواب: ہم اس کی تحقیق نویں پارہ سورہ اعراف میں اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ کی تفسیر میں کر چکے کہ تمام آئمہ مسلمین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نور نہیں خالق نور ہے کیونکہ نور وہ جسم ہے جو بذات خود ظاہر ہو دوسرے کو ظاہر کرے رب تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ میں نور بمعنی منور ہے یعنی نورانی بنانے والا۔ اسماء الٰہیہ میں جو نور ہے وہاں بھی بمعنی منور ہے یا بمعنی جمیل حسن و جمال والا حضور فرماتے ہیں اَللّٰهُ جَمِیْلٌ یُّحِبُّ الْجَمَالَ وہ حدیث اس کی شرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسانی روح جگمگاتا سورج ہے اور نفس امارہ تاریک زمین ان دونوں کے درمیان میں قلب یعنی دل ہے۔ جو روح کی تجلی پڑنے پر چمک جاتا ہے نفس کی تاریکی پڑنے پر سیاہ ہو جاتا ہے یہ قلب گویا چاند ہے اس لیئے اسے قلب کہتے ہیں یعنی الٹنے پلٹنے والی چیز۔ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جیسے زمین پر دو نور پڑتے ہیں سورج کا اور چاند کا ایسے ہی ہم پر کبھی حقیقت کے سورج کا نور پڑتا ہے اور کبھی شریعت کے چاند کی چاندنی تو ہم دو نور والے

ہیں ہم نور میں نور سے نور کی طرف جا رہے ہیں (روح البیان) ہر انسانی دل کی الگ منزل ہے ہر دل اپنی منزل میں ہے کوئی اپنی منزل سے نہ آگے بڑھ سکے نہ پیچھے رہے۔ مومنین عاشقین محبوبین عارفین واصلین کی منزلیں جداگانہ ہیں یہ سب کچھ حق تعالیٰ نے برحق بنائے ان چیزوں میں علم والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اس دل کی دنیا میں رات و دن آتے جاتے رہتے ہیں کہ کبھی وصال کی شب آتی ہے کبھی فراق کا دن یا کبھی راحت کی رات آتی ہے کبھی مشقت کا دن غرضکہ قلب ایک حال پر نہیں رہتا۔ نیز اللہ کے مقبول بندے جو آسمانوں کی طرح فیض رساں ہیں اور وہ بندے جو زمین کی طرح فیض لینے والے ہیں ان میں بھی رب کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ماسوائے اللہ سے بچنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ
تحقیق وہ لوگ جو نہیں امید کرتے ملنے کی ہم سے اور راضی ہو گئے وہ زندگی دنیا
بیشک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند

الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا
سے اور مطمئن ہو گئے وہ اس سے اور بیشک وہ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں
کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور جو ہماری آیتوں سے غفلت

غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۸
یہ لوگ ہیں کہ ٹھکانہ ان کا آگ ہے اس وجہ سے جو وہ کماتے ہیں
کرتے ہیں ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے بدلا ان کی کمائی کا

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں قیامت کے دلائل قائم کیے گئے۔ یَبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان دلائل میں غور نہیں کرتے اور قیامت سزا جزا کا انکار کیے جاتے ہیں گویا ہدایت کے ذکر کے بعد اس سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کا تذکرہ ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں آسمانی چیزوں چاند سورج ان کی منزلوں کا ذکر ہوا کہ ان کے ذریعہ ان کے خالق کی قدرت و حکمت معلوم کرو اب ارشاد ہے کہ بعض بیوقوفوں نے ان میں پھنس کر خالق کا پتہ نہ لگایا۔ قیامت اور سزا جزا کا انکار کر دیا بلکہ ان چیزوں کو ہی خالق و مالک مان لیا۔ تیسرا تعلق پچھلی آیتہ میں رات و دن آسمان و زمین کے ذریعہ رب کی ربوبیت ثابت فرمائی گئی کہ اس نے بندوں کی پرورش کے لیے یہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ اب ارشاد ہے کہ دنیا میں تو اس کی پرورش عام ہے کافر و مومن سب کو پالتا ہے مگر دوسری دائمی

زندگی میں ایسا نہ ہوگا۔ وہاں کفار کی پرورش نہ ہوگی انہیں سزا ملے گی۔ گویا پرورش کفار کے بعد کفار کی سرزنش کا تذکرہ ہے

تفسیر اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا ۔ چونکہ اس آیۃ کے مضمون کا بہت کفار نے انکار کیا تھا اور کرتے ہیں اس لیئے اسے اِنَّ سے شروع فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ سے مراد کافر انسان ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس میں کافر جن بھی داخل ہوں لَا یَرْجُوْنَ بنا ہے رجاءٌ سے۔ رجاء کے تین معنی ہیں امید رکھنا۔ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ۲۔ ڈرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے شعر

اِذَا لَسَعَتْهُ النَّحْلُ لَمْ یَرْجُ لَسْعَتِهَا　　　　وحالفها فی بیت نوب عوامل

اس شعر میں لَمْ یَرْجُ میں رجاء بمعنی خوف ہے۔ اعتقاد[۳] رکھنا ماننا رب فرماتا ہے مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ ۔ وقارا یہاں رجاء یا تو بمعنی خوف ہے یا بمعنی اعتقاد یا بمعنی امید ہیں۔ (تفسیر بیضاوی۔ خازن۔ معانی۔ وغیرہ)

اللہ سے ملنے سے مراد یا تو اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے حساب وکتاب کے لیئے یا اس کے عذاب میں داخلہ بہر حال دیدار الٰہی کے لیئے حاضری مراد نہیں ملاقاتِ الٰہی کا اعتقاد نہ رکھنا یا اس لیئے ہے کہ وہ رب تعالٰے کا قائل ہی نہیں دھریہ ہے یا اس لیئے کہ وہ چند معبود مانتا ہے مشرک ہے یا اس لیئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکاری ہے یہودی یا عیسائی ہے کہ اگرچہ وہ قیامت ماننے کا دعویٰ کرتا ہے مگر درحقیقت مانتا نہیں اگر مانتا ہوتا تو ضرور حضور پر ایمان لاتا یہ بہرحال یہ فرمانِ عالی ہر قسم کے کافر کو شامل ہے۔ وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اس فرمانِ عالی میں اُن کے دوسرے عیب کا ذکر ہے حیٰوۃ دنیا کے معنی اس کی تین قسمیں بارہا ذکر کی جا چکی ہیں دنیا میں زندگی و دنیاوی زندگی اور دنیا کے لیے زندگی دنیا میں زندگی مومنین صالحین کی ہے دنیاوی زندگی غافلین کی اور دنیا کے لیئے زندگی کافرین کی۔ یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں۔ اس زندگی سے راضی ہونے کے معنی ہیں۔ آخروی زندگی کے مقابلہ میں اُسے پسند کر بیٹھے۔ یہ غفلت کی چیز ہے مومن اس زندگی کو اس لیئے پسند کرتا ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے یہاں بوئیں گے وہاں کاٹیں گے وہ پسندیدگی اصل ایمان ہے وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا یہ کفار کا تیسرا عیب ہے اطمینان سے مراد ہے سکون وچین بِهَا کی ب یا سببیہ ہے یا بمعنی فی۔ هَا سے مراد یا تو دنیاوی زندگی ہے یا خود دنیا یعنی وہ دنیا یا دنیا کی زندگی کو ہی دَارُالْقَرَار یعنی ٹھہرنے کی جگہ سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ یہ دَارُالْفِرَار یعنی بھاگنے چھوڑ جانے کی جگہ ہے ان کے دل میں کبھی آخرت کا خوف اپنے گناہوں پر بے چینی نہیں ہوتی اس کے برعکس مومن دنیا میں اگرچہ بڑے آرام میں ہو مگر اسے یہاں چین نہیں ہوتا۔ اگر چین ہوتا ہے تو اللہ تعالٰی کے ذکر سے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کفار کا یہ اطمینان دنی ہے مومن کا وہ اطمینان عین ایمان ہے رب تعالٰے یہ ہی چین اور وہ اطمینان نصیب کرے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۔ یہ کفار کا چوتھا عیب ہے آیاتِ الٰہیہ سے مراد یا تو گذشتہ آیات میں ذکر کی ہوئی رب کی نشانیاں ہیں یعنی آسمان وزمین کی مخلوق۔ ان میں رد وبدل ہوتا رہنا یا قرآنی آیات مراد ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کہ حضور انور از سرتا پا اللہ کی نشانی ہیں۔ شعر

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ — ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

یا حضور انور کے معجزات جو رب کی قدرت و رحمت کی نشانیاں ہیں۔ غفلت سے مراد بے خبری نہیں بلکہ انکار کی غفلت ہے۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ یہ فرمان عالی گذشتہ جرموں کی سزا ہے اولٰئک سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن میں گذشتہ چار عیوب ہوں ماوٰی بنا ہے اَوٰیٰ سے بمعنی پناہ ماوٰی بمعنی جائے پناہ آوٰی اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ۔ نار سے مراد دوزخ ہے خواہ اس کا گرم طبقہ ہو یا ٹھنڈا کیونکہ اس کے ٹھنڈے طبقے کی سردی بھی آگ کی وجہ سے ہے۔ آگ سے قرب گرمی کا باعث ہے اور آگ سے دوری ٹھنڈک کا سبب ہے جیسے دنیا میں گرم و سرد موسم سورج کی وجہ سے ہوتے ہیں لہٰذا آیتہ پر کوئی اعتراض نہیں۔ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اس فرمان عالی میں ان کفار کے دوزخی ہونے کی وجہ کا ذکر ہے ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ کسب سے مراد مطلقاً عمل ہے خواہ دل کا عمل ہو یعنی عقیدہ یا ظاہری اعضاء کے اعمال۔ کیونکہ اس سے پہلے کفار کے دلی اعمال کا ذکر بھی ہوا۔ دنیا سے راضی ہونا۔ اس پر مطمئن ہونا آیات سے غافل ہونا لہٰذا کسب کے یہ معنی مناسب ہیں۔ یعنی ان بد عقیدگیوں بد عملیوں کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ آگ یعنی دوزخ ہے۔ خیال رہے کہ گنہگار مومن اگر سزا پائے بھی کچھ روز کے لیئے دوزخ ان کا ٹھکانہ نہ ہوگا۔ بلکہ ایک عارضی منزل ہے۔

خلاصۂ تفسیر ان آیات میں رب تعالیٰ نے کفار کے چار عیب بیان فرمائے اور ایک سزا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ انسان یا وہ جن و انس قیامت میں اٹھنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے اسے حساب دینے کا یقین نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی یہاں کے عیش و آرام کو پسند کر بیٹھے کہ جو کھا پی لیا عیش آرام کر لیے وہ ہی ہمارا اپنا ہے اس کے سوا نہ کوئی زندگی ہے نہ عیش آرام۔ اور دنیاوی زندگی پر اطمینان کر بیٹھے۔ کہ عملی طور پر سمجھ گئے کہ دنیا سے ہم کو کبھی جانا ہی نہیں ہمارے لیئے یہ ہی دار القرار یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے ان وجوہ سے وہ ہماری آیتوں نشانیوں سے بے پرواہ ہو گئے۔ قرآنی آیات سنیں دھیان نہ کیا۔ حضور انور کے معجزات دیکھے توجہ نہ کی۔ بلکہ خود حضور انور کو دیکھا جو آیات الٰہیہ کے مجموعہ ہیں۔ جن کی ہر ادا آیتہ الٰہی ہے۔ مگر شاعر و ساحر ہی کہتے رہے آپ کی شان سے بے خبر رہے ان کی ان چاروں حرکتوں کی سزا یہ ہے کہ ان کی سزا دوزخ ہے وہ ہی ان کا دائمی ٹھکانہ ہے کہ نہ وہاں سے نکلیں نہ مریں کہ چھوٹ جائیں یہ سزا ان کی کمائی کی وجہ سے ہے

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ نیکیوں کی اصل قیامت پر ایمان ہے، اور بد عقیدگیوں بد عملیوں کی اصل قیامت پر بارگاہ الٰہی میں پیشی کا انکار ہے۔ یہ فائدہ اس ترتیب ذکر بھی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفار کے عیوب کے سلسلہ میں پہلے اس عیب کا ذکر فرمایا لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بعد میں ان کے دوسرے عیوب کا۔ ایک جگہ رب فرماتا ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ جس طالب علم کو امتحان کا خوف نہ ہو وہ محنت نہیں کرتا۔ دوسرا فائدہ جو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کا انکار کرکے قیامت حساب وکتاب کا اقرار کرے وہ اقرار معتبر نہیں یہ فائدہ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا سے حاصل ہوا۔ کہ اس فرمان عالی میں عیسائی یہودی بھی داخل ہیں۔ حالانکہ قیامت وغیرہ کے ماننے کا اقرار کرتے ہیں۔ جس اقرار پر نجات ہے وہ حضور انور کی معرفت اقرار ہے۔ تیسرا فائدہ قیامت میں لقاء اللہ (اللہ سے ملنا) سارے انسانوں کو ہوگا مگر اس لقاء کی نوعتیں مختلف ہوں گی کفار کی ملاقات قہر و غضب سے ہوگی۔ گنہگار مومن کی ملاقات مغفرت و کرم سے نیک کاروں کی ملاقات رحمت و فضل سے محبوبوں کی ملاقات محبت والفت سے مگر یہ لقاء کا ذکر ہے دیدار خدا صرف جنتی مسلمانوں کو ہوگا۔ کفار کو نہیں۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ یہ فائدہ لِقَآءَنَا سے حاصل ہوا چوتھا فائدہ دنیا اور دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس دنیا کو اس کی زندگی کو آخرت کے لئے پسند کرنا مومنوں کی صفت ہے وہ چاہتا ہے کہ یہاں جس قدر اعمال کرنے کا موقعہ مل جاوے غنیمت ہے لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں کہ دراز عمر اور نیک اعمال کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پانچواں فائدہ دنیا سے مطمئن ہوجانا طریقہ کفار ہے کہ ہم کو جو دنیا مل گئی وہ ہماری ہوگئی اب نہ یہ ہمارے پاس سے جائے نہ ہم اس کے پاس سے جائیں مگر دنیا میں مطمئن ہونا اللہ رسول کے ذکر عبادات کی لذت وغیرہ سے دل میں اطمینان و چین ہونا مومن کی صفت ہے لہٰذا یہ آیت اس آیتہ کے خلاف نہیں کہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ. ذکر الٰہی سے اطمینان بھی دنیا ہی میں ہوتا ہے مگر وہ اطمینان اور ہی طرح کا ہے یہ فائدہ وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا کی رب سے حاصل ہوا کہ وَاطْمَاَنُّوْا فِيْهَا نہ فرمایا۔ چھٹا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ سے بے پرواہ اور غافل رہنا طریقہ کفار ہے۔ مومن کی شان ہے کہ حضور کے صفات عالیہ سے خبردار رہنے کی کوشش کرتا ہے یہ ہی مومن کی صفت ہے یہ فائدہ عَنْ اٰيٰتِنَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اٰيٰتِنَا سے مراد حضور انور کی ذات بابرکات ہو۔ محفل میلاد اور نعت خوانی علماء کے وعظ کی مجالس میں جانا اسی لئے ہوتا ہے کہ ہمارے دل حضور انور کے فضائل سے غافل نہ ہوجائیں اس لیے رب تعالےٰ نے جگہ جگہ حضور انور کے فضائل قرآن مجید میں حضور کا ذکر اذان میں آپ پر سلام نماز میں داخل فرمایا ہے یہ سب غافلوں کو جگانے کے لیے ہے۔ ساتواں فائدہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھانا اس کی قدرت کے مناظر دیکھنا صرف سیر و تماشہ کے لئے اور ان میں غور نہ کرنا انہیں معرفت الٰہی کا ذریعہ نہ بنانا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب آیاتنا مراد عالم کی چیزیں ہوں بھلا خیال تو کرو کہ کھانا پانی ایک راستہ یعنی منہ سے پیٹ میں جاتا ہے۔ مگر اس کے نکلنے کے راستے مختلف فضلہ پاخانہ کی راہ سے پانی پیشاب کی راہ سے کچھ پسینہ بن کر رونگٹوں کی جڑوں سے کچھ تھوک و رینٹھ بن کر ناک و منہ کی راہ سے نکلتا ہے۔ جو باقی رہتا ہے وہ کچھ جگر میں کچھ دوسرے مقامات میں پہنچتا ہے اس میں غور کرو اور اس کی قدرت پر فدا ہوجاؤ سر سجدہ میں رکھ کر اس کی حمد کے گیت گاؤ اب پڑھو عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ. اور پڑھو وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ آٹھواں فائدہ دوزخ کسی مسلمان کا ٹھکانہ نہیں پاک و صاف ہونے کے لئے ایک عارضی منزل ہے ٹھکانہ صرف کافروں کا ہے ہمیشگی کو ہوگا

ٹھکانہ ہے سونے کی منزل نہیں ہے۔ نواں فائدہ ۔ کسی کو دوزخ بغیر بدعمل یا بداعتقادی کے نہ ملے گی یہ فائدہ بما کانوا یکسبون سے حاصل ہوا دیکھو جو ابھی تفسیر کی گئی لہٰذا کفار کے ناسمجھ بچے جو اس حالت میں مر گئے دوزخی نہیں ۔

پہلا اعتراض :۔ اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن کفار میں یہ چار عیب ہوں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ۔ قیامت اور حساب کتاب پر یقین نہ ہونا دنیاوی زندگی پسند کرنا ۔ دنیا پر مطمئن ہونا آیاتِ الٰہیہ سے غافل ہونا ۔ اگر کسی کافر میں ان میں سے دو ایک عیب ہوں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے یا نہیں ۔ جواب یہ چاروں عیب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں انکارِ قیامت اصل ہے اور باقی تین عیوب اس کی شاخیں اس لیے انہیں جمع فرمایا گیا ۔ ورنہ ان میں سے ہر عیب مستقل کفر ہے اور دوزخ میں جانے کا ذریعہ دوسرا اعتراض یہودی عیسائی وغیرہم اہل کتاب قیامت وہاں کے حساب وکتاب پر ایمان رکھتے ہیں کیا وہ جنتی ہیں ۔ وہ دنیاوی زندگی پسند بھی نہیں کرتے دنیا سے مطمئن بھی نہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے جواب وہ لوگ قیامت وغیرہ کو مانتے ہیں اس پر ایمان نہیں رکھتے ۔ ایمان رکھنے کے معنی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انہیں ماننا ۔ بعض ہندو آریہ وغیرہ موحد ہیں وہ خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں اس پر ایمان نہیں رکھتے ۔ ایمان میں حضور انور کا واسطہ ضروری ہے اس کی تحقیق بارہا ہو چکی ان کے متعلق چھٹے پارے کے اول یہ ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا تیسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیاوی زندگی کو پسند کرنا کفر ہے ۔ دوزخی ہونے کا ذریعہ مگر قریبًا سارے مسلمان دنیا جمع کرتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں کسی کو مرنے کی بد دعا دو تو لڑنے کو سیدھے ہو جاتے ہیں کیا وہ سب کافر ہیں ۔ جواب دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنا کفار کی علامت ہے ۔ دنیا کو آخرت کے لیئے پسند کرنا مومن کی پہچان ہے ۔ یہاں پہلی پسندیدگی مراد ہے چوتھا اعتراض دنیا پر مطمئن ہونے کا کیا مطلب بہت سے مسلمانوں کو دنیا میں بڑا اطمینانِ قلبی میسر ہے ۔ دلی اطمینان اللہ کی رحمت ہے دل کی پریشانی اس کا عذاب پھر وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا کا کیا مطلب ۔ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس سے مراد دنیا کو دار القرار سمجھ بیٹھنا اس سے ایسا دل لگانا کہ گویا یہاں سے جانا ہی نہیں الحمد للہ کسی مسلمان کا یہ حال نہیں ۔ دنیا میں مشغولیت اور چیز ہے اس پر مطمئن ہو جانا دوسری چیز ۔ پانچواں اعتراض کیا مذکورہ کفار آگ میں ہی جائیں گے دوزخ کے ٹھنڈے طبقہ زمہریر میں نہ جائیں گے ۔ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ کیوں فرمایا مَاْوٰىهُمْ جہنم کیوں نہ فرمایا ۔ کفار حضرات نار کا ہی عذاب پائیں گے خواہ گرم عذاب ہو یا ٹھنڈا ۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا ۔ دیکھ لو دنیا میں گرمی بھی سورج سے ہوتی ہے ٹھنڈک بھی یہ بہرحال آیۃ واضح ہے ۔

تفسیر صوفیانہ لقاءِ الٰہی اللہ کی رحمت بھی ہے اس کا غضب بھی مومن کی ملاقات رحمت ہے کافر کی ملاقات غضب کی ہے مگر ملتی سب کی ہوتی ہے ہر شخص ہر وقت اس لقاء سے قریب تر ہو رہا ہے ۔ شعر ۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی   گردوں نے تری ایک گھڑی اور گھٹا دی

مومن لقاءِ الٰہی کا یقین رکھتا ہے مگر نوعیتِ لقاء میں تردد کرتا ہے ۔ یعنی رحمتِ لقاء کا امیدوار رہتا ہے لقاء

غضب سے خائف کافر لقائے ماننا ہی نہیں اور اگر مانتا ہے تو رحمت کا یقین کرتے ہوئے وہ کہتا ہے لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْٓ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی ۔ یہ ان کی غفلت کی اصل وجہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ آخرت کے مقابل دنیا کو پسند کرتا ہے اور یہاں مطمئن رہتا ہے مومن کامل کو دنیا کی زندگی میں آخرت کا انتظار ہوتا ہے اسے ہر وقت خوف و امید رہتے ہیں جس کی وجہ سے اسے وہ اطمینان نہیں ہوتا جو رب سے غافل کر دے وہ بے چین رہتا ہے وہ یہ کہتا ہے۔ شعر۔

میں پاپی، شرمندہ ۔ جھوٹا بھر یا نال گناہاں　　ایک آس تمہارے در دی نہ کوئی اور پناہاں

میں اندھا اور تھکن رستہ کیونکر رہے سنبھالا　　دھکے دیون والے لکھیں تو ہاتھ پکڑنے والا

یہاں ہر قدم پر ٹھوکر پھسلن ہے رب تعالیٰ خیریت سے پار لگائے یہ بے چینی رب کو بڑی پیاری ہے فرماتا ہے اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ۔ جو یہاں مطمئن اور چین سے ہے وہ وہاں بے چینی میں ہوگا اور جو یہاں بے چینی میں ہے انشاء اللہ وہاں چین سے ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ
تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک ہدایت دے گا ان کو رب ان کا
بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کا رب ان کے ایمان کے
بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ
ایمان کے ان کے جاری ہیں نیچے ان کے نہریں باغوں میں نعمت ان کے
کے سبب انہیں راہ دے گا ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی
النَّعِیْمِ ﴿۹﴾ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا
دعا ان کی جنت میں یہ ہے کہ پاک ہے تجھے اے اللہ اور ملاقات ان کی ان
نعمت کے باغوں میں ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے
سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾
باغوں میں سلام ہے اور آخری دعا ان کی یہ کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں پالنے والا تمام جہانوں کا
ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ جو رب ہے سارے جہان کا

ع ۱۰ ۶

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار کے عقائد و اعمال کا اجمالی ذکر ہوا۔ تاکہ لوگ ان سے بچیں اب ان کے مقابل مومنوں کے عقائد و اعمال کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ انہیں اختیار کریں ۔ گویا پرہیز والی مضر چیزوں کا ذکر پہلے ہوا۔ استعمال والی اعلیٰ روحانی غذاؤں کا اجمالی ذکر اب ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں بدکار کفار پر قہر قہار کا ذکر ہوا اب مومنین ابرار نیک کار پر رحمتِ غفار کا تذکرہ ہے گویا جلال کے بعد جمال کا تذکرہ ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں کفر کے دنیاوی وبال کا ذکر ہوا کہ وہ غفلت۔ دنیا پسندی۔ مال ومنال پر اطمینان پیدا کرتا ہے اب ایمان کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہے کہ وہ دنیا میں رہنمائی کرتا ہے گویا منحوس کی نحوست کے بعد مبارک برکتوں کا ذکر ہے۔

تفسیر اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ اِنَّ کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے کہ ان جیسے مضامین پر اِنَّ ۔ قَدْ ۔ لَقَدْ وغیرہ کیوں آتا ہے ظاہر یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ سے مراد صرف انسان ہیں فرشتے اور جنات اس میں داخل نہیں ۔ کیونکہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مومن انسانوں کے لیئے ہیں ۔ مومن جنات کے متعلق سورۂ احقاف میں فیصلہ کر دیا گیا۔ وَیُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے ۔ ایمان اور توحید کا فرق پہلے بارہا معلوم ہو چکا ہے کہ نبی کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کی ذات وصفات جنت دوزخ وغیرہ کو ماننا ایمان ہے ۔ اٰمَنُوْا میں سارے اعتقادیات کا اجمالی ذکر ہے اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں سارے بدنی مالی نیکیوں کا اجمالی تذکرہ ہے یہ عبارت اِنَّ کا اسم ہے یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بقدرِ طاقت انہوں نے ہر قسم کی بدنی مالی نیک اعمال کیئے ۔ یہاں چند باتیں خیال رہیں ۔ ایمان وہ معتبر ہے جو انسان کے ساتھ جائے یعنی اس پر خاتمہ نصیب ہو جاوے ۔ ایمان دو طرح کا ہے بلاواسطہ اور بالواسطہ چنانچہ مومنوں کے چھوٹے بچے جو لڑکپن میں فوت ہو جاویں وہ اپنے ماں باپ کے واسطے سے مومن ہیں یہ نیکیوں کا حال ہے کہ نیک کاروں کے بچے بالواسطہ نیک کار ہیں یونہی اگر کوئی متقی اپنی نیکی کا ثواب کسی کو بخش دے تو وہ بالواسطہ نیک کار ہے ہم جیسے گنہگار کو اللہ تعالےٰ اپنے حبیب کی نیکیوں کے صدقہ بخش دے یہ سب صورتیں بالواسطہ نیک کاری کی ہیں صرف ایک دو نیکیوں پر کفایت نہ ہو جس قدر ہو سکے نیکیاں کرے صرف ایک بار نیکی پر قناعت نہ کرے بلکہ کرتا رہے یہ سب باتیں اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں معتبر ہیں۔ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۔ یہ فرمانِ عالی اِنَّ کی خبر ہے اس کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ مردِ مومن جب پل صراط سے گزر جاوے گا تو رب تعالےٰ اسے ایک روشنی بخشے گا جو اسے جنت تک پہنچا دے گی ۔ رب فرماتا ہے جَعَلَ لَهُمْ نُوْرًا یَّمْشُوْنَ بِهٖ اور فرماتا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ ۲ جب مومن اپنی قبر سے اُٹھے گا تو اس کے نیک اعمال اچھی شکل میں اس کے سامنے حاضر ہوں گے اور کہیں گے ہم تیری نیکیاں ہیں تیری رہبری کرنے آئی ہیں ۔ یہ نیک کام محشر ۔ پلصراط اور جنت بلکہ جنت میں اس کے مکان تک اس کے ساتھ رہیں گے ۔ اس کی رہبری کریں گے ۔ اس کے برعکس کافر کے بُرے اعمال بُری شکل میں اس کے آگے آگے ہو کر دوزخ میں اس کے ٹھکانے تک اسے پہنچائیں گے ان دو تفسیروں میں ہدایت سے مراد اُخروی ہدایت ہے۔

متقی مومن[۳] کو رب تعالےٰ دنیا میں چیزوں کی حقیقت جاننے کی ہدایت دیتا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ اپنے جانے پر عمل کرے گا تو اللہ اسے بے جان چیزوں کا علم دے گا - (تفسیر بیضاوی - خازن - بیان وغیرہ) یعنی جو علم شریعت حاصل کرکے اس پر عامل ہوگا تو رب تعالےٰ اسے لدنی طور پر علم مکاشفہ علم طریقت و حقیقت و معرفت عطا کرے گا - (روح البیان) ۵ ہدایت سے مراد ہے ہدایت پر قائم رہنا - اس میں زیادتی عطا ہونا - رب فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى ان تین صورتوں میں ہدایت سے مراد دنیا میں خاص ہدایت ہے - (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ یہاں ہدایت سے مراد خاص کامل ہدایت ہے اور اِیْمَانُهُمْ سے مراد وہی ایمان ہے جو نیک اعمال کے ساتھ ہوا ہے - گنہگار یا بے عمل مومن - انہیں بھی رب تعالےٰ ایک قسم کی ہدایت دنیا و آخرت میں عطا فرماتا ہے - چنانچہ ارشاد ہے اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ - یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو بد عقیدگی سے مخلوط نہ کیا ان کے لیئے امن بھی ہے اور انہیں ہدایت بھی (روح المعانی) اگر یہاں بھی ایمان سے مراد صرف ایمان لیا جاوے تو وہ آیۃ اس آیۃ کی تفسیر ہے یا یوں کہو کہ متقی مومن کو اول سے ہی ہدایت جنت ملے گی اور گنہگار مومن کو آخر کار جنت کی ہدایت ملے گی - یہاں اول ہدایت مراد ہے غرضکہ ان تفسیروں سے اس آیت کا مطلب واضح ہوگیا - تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ یہ فرمان عالی یا تو یَهْدِيْهِمْ میں ھم ضمیر کا حال ہے - یا نیا جملہ - انہار سے مراد ہے پانی شہد دودھ اور شراب طہور کی نہریں یعنی ان کے محلوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یا ان کے سامنے نہریں رواں ہوں گی - رب فرماتا ہے جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا - حضرت مریم اس پانی کے چشمہ کے اوپر یعنی ان کے قبضہ میں - یہ چشمہ تھا - غرضکہ مِنْ تَحْتِهِمْ کے ظاہر معنیٰ مراد نہیں - فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ یہ فرمان عالی یا تو تَجْرِيْ کے متعلق ہے یا علیحدہ جملہ ہے - پوشیدہ هُمْ کی خبر یَهْدِيْهِمْ کی ضمیر کا دوسرا حال یعنی يَخْلُدُوْنَ پوشیدہ کے متعلق ہے یہ آخری احتمال زیادہ قوی ہے - یعنی وہ لوگ نعمتوں کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے -

دَعْوٰهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ - یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں اہل جنت کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے دعویٰ کے معنیٰ ہیں دعا مانگنا یا اپنے خدام کو بلانا یا ان سے کوئی چیز منگانا یا مطلقًا کلام کرنا آپس میں (تفسیر کبیر - خازن - روح المعانی وغیرہ) یعنی جب رب سے کچھ عرض معروض کریں گے تو پہلے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے یا جب اپنے کسی خادم کو پکاریں گے - تو سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے جیسے آج اہل عرب کسی کو پکارتے بلاتے ہیں تو کہتے ہیں یا اللہ یا جب اپنے خدام سے کچھ کھانے پینے کی چیز مانگیں گے تو کہیں گے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ خادم وہ چیز لے کر حاضر ہوں گے جو ان کے دل کی خواہش ہے یا آپس میں جب ایک دوسرے سے کلام کریں گے تو ابتدا کریں گے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ سے بعض نے فرمایا کہ دعویٰ بمعنی عبادت ہے یعنی جنت میں کوئی عبادت نہ ہوگی سوا حمد و تسبیح کے - جو وہ لذت کے طور پر کیا کریں گے -

نوٹ:۔ ایک جنتی کے سامنے ایک میل لمبا ایک میل چوڑا دستر خوان بچھایا جاوے گا جس پر ایک لاکھ ستر ہزار پیالے انمیں مختلف لذتوں کے کھانے ہوں گے حکم ہوگا۔ خوب کھاؤ نہ تم کو بدہضمی ہوگی نہ بیماری۔ پاخانہ پیشاب نہ ہوگا کھانا ڈکار سے پانی خوشبودار پسینہ سے ہضم ہوگا۔ (تفسیر کبیر۔ خازن۔ تفسیر صاوی) بلکہ یہاں صاوی نے فرمایا کہ جنتی لوگوں کے جسم میں دُبر یعنی پاخانہ کا مقام نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں اس کی ضرورت نہ ہوگی (صاوی) ہم نے بعض بزرگوں سے سنا کہ جنت میں صحبت ہوگی مگر منی کا اخراج نہ ہوگا۔ ہوا خارج ہوگی۔ جس میں لذت منی سے زیادہ ہوگی (واللہ اعلم) منی بھی پیشاب کی طرح گندگی ہے اور جنت میں گندگی نہیں۔ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ اس فرمانِ عالی میں اہلِ جنت کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے۔ اول ملاقات کے وقت جو کلام کیا جاوے اسے عربی میں تحیت کہتے ہیں یعنی حَيَّاكَ اللّٰهُ کہنا اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں۔ ۱۔ جنتی لوگ جب آپس میں ملیں گے تو ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ کوئی کسی سے بری بات دشمنی طعنہ غصہ کا کلام نہ کرے گا۔ کیونکہ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ یا جب فرشتے ان سے ملاقات کریں گے تو سلام کریں گے۔ فرماتا ہے۔ وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ —— یا رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ تم سلامت رہو گے فرماتا ہے۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں نعمتیں یہ تینوں سلام مروج ہوں گے رب نصیب کرے۔ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یہ بھی جنت والوں کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے یہاں بھی دعویٰ کے وہ ہی معانی ہیں جو دَعْوَاهُمْ فِيهَا میں تھے۔ یعنی رب تعالیٰ سے کلام کی ابتدا کریں گے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے اور انتہا الحمد للہ سے یا آپس میں کلام کی ابتدا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے کیا کریں گے۔ اور اختتام الحمد للہ سے یا خدام کو بلائیں گے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے انہیں واپس بھیجیں گے الحمد للہ سے یا خدام سے کچھ منگائیں گے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے یا آپس میں کلام کی ابتدا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے کیا کریں گے اختتام الحمد للہ سے یا خدام کو بلائیں گے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے انہیں واپس بھیجیں گے الحمد للہ سے یا خدام سے کھانا منگائیں گے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے اور کھانے کے بعد فراغت پر کہیں گے الحمد للہ جس سے خادم دستر خوان اٹھائیں گے یا ان کی عبادت سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے شروع ہوگی الحمد للہ پر ختم ہوگی اس پر بڑی لذت پائیں گے شعر۔

ذوقِ نالش عاشقِ مشتاق را! | از بہشتِ جاودانی خوشتر است
گرچہ در فردوس نعمتہا بسے است | وصل او از ہر چہ دانی خوشتر است

خلاصۂ تفسیر اے مسلمانو! تم کفر اور گناہوں کا وبال تو سن چکے ایمان و تقویٰ کے فائدے بھی سنو جو خوش نصیب لوگ مومن ہوئے مومن رہے اور بقدر طاقت ہر قسم کی نیکیاں کرتے رہے انہیں ان کے اس ایمان کی برکت سے رب تعالیٰ دنیا میں خدا بینی حقیقت رسی کی قبر میں سوالات نکیرین کے جواب کی قیامت میں جنت تک پہنچنے اور جنت میں اپنے گھر تک پہنچنے کی ہدایت دے گا۔ ان لوگوں کو محلات کے نیچے دودھ شہد۔ شراب طہور پانی

کی نہریں رواں ہوں گی۔ وہ جنت نعیم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جنت میں ان کا حال یہ ہو گا کہ جب وہ رب تعالےٰ سے کچھ عرض و معروض کرنا چاہیں گے اور جب آپس میں ملاقات کے وقت بات چیت شروع کریں گے۔ اور جب اپنے خدام کو بلائیں گے یا ان سے کوئی چیز منگائیں گے تو بلند آواز سے کہیں گے سبحان اللہ اور جب رب تعالیٰ سے عرض و معروض کر چکیں گے یا جب آپس کی بات چیت ختم کریں گے اور جب نعمتیں کھا چکیں گے تو آخر میں کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ غرضکہ ان کے ہر کام کی ابتدا بھی اللہ کے ذکر سے ہو گی اور انتہاء بھی اس کے ذکر پر جس کی ابتدا و انتہاء اللہ کے ذکر سے ہو تو سارے کام ہی مبارک ہوں گے۔

فائدے ۔ ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اللہ کی رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان اور نیک اعمال دونوں ضروری ہیں یہ فائدہ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ اللہ کی بڑی نعمت ہدایت ہے یہ فائدہ یَهْدِیْهِمْ (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ایمان و ہدایت کا پہلا فائدہ بیان فرمایا۔ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ مال و دولت صحت وغیرہ کفار کو بھی مل جاتی ہے۔ مگر ہدایت صرف اسے ملتی ہے جس پر اللہ تعالےٰ کا خاص کرم ہو۔ اس لیے ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تیسرا فائدہ ہدایت ربانی بہت قسم کی ہے کسی ہدایت سے ایمان ملتا ہے کسی سے تقویٰ و پرہیزگاری اور کسی ہدایت سے ایمان پر خاتمہ۔ قبر میں کامیابی اور کسی ہدایت سے جنت تک رسائی یعنی قیامت سے فارغ ہو کر بغیر کسی سے پوچھے جنت تک اور جنت میں پہنچ کر اپنے گھر تک پہنچا یہ فائدہ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ کی ب سے حاصل ہوا۔ اس میں ب سببیہ ہے۔ چوتھا فائدہ جنت میں دودھ شہد وغیرہ کی نہریں ہوں گی۔ بحر یعنی دریا نہ ہو گا نہر اور بحر کے بہت سے فرق اور وہاں بحر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ پانچواں فائدہ جنت کی نہریں جنت والوں کی خواہش کے مطابق ہوں گی۔ وہ جس وقت جس قدر جتنا چاہیں گے اسی وقت اسی بہیں گی۔ یہ فائدہ مِنْ تَحْتِهِمُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ تحتہم کے معنیٰ ہوں ان کے ماتحت چھٹا فائدہ جنت میں تمام قسم کی نعمتیں بہت کثرت سے ہوں گیں۔ یہ فائدہ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ سے حاصل ہوا کہ ان جنتوں میں ہمیشہ بے شمار نعمتیں ہوں گی، اس لیئے ہر جنت کو جنت نعیم کہہ سکتے ہیں ساتواں فائدہ اپنے ہر کلام کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے نام سے کرنا جنتیوں کا کام ہے اس لیئے نمازی اپنی نماز سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے شروع کرتا ہے۔ گویا وہ جنت میں ہوتا ہے یہ فائدہ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے حاصل ہوا۔ ملاقات کی ابتدا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ سے کرنا اہل جنت کا طریقہ ہے حتیٰ کہ اگر بڑا آدمی چھوٹوں سے ملے تو انہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے۔ یہ فائدہ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ سے حاصل ہوا کہ جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملتے وقت یوں ہی فرشتے اہل جنت سے ملتے وقت بلکہ خود رب تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا السلام علیکم۔ آداب عرض یا گڈ مارننگ یوں ہی وداع کے وقت صرف خدا حافظ کہنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں مسلمان ملیں تو سلام کے ساتھ رخصت ہوں تو سلام پر۔ آٹھواں فائدہ ہر کام کی انتہا اللہ تعالیٰ

کی حمد پڑھنا طریقہ جنتیوں کا ہے یہ فائدہ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا کر پانی پی کر نئے کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے جس کام کے اول و آخر میں اللہ کا ذکر ہو۔ امید ہے کہ سارا کام مبارک ہوگا۔

پہلا اعتراض: جنت صرف نیک کار مومنوں کو ملے گی گنہگار مومن ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ دیکھو یہاں جنت میں جانے کی صفتیں بیان ہوئیں۔ ایمان اور نیک اعمال اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔ (معتزلہ) اسلام میں ایک فرقہ معتزلہ گمراہ ہے وہ فاسق مسلمان کو دائمی دوزخی مانتے تھے یہ اعتراض اسی فرقہ کا ہے۔ **جواب**۔ یہ محض غلط ہے۔ مومن کتنا ہی گنہگار ہو مگر آخر کار جنت میں جائے گا رب فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔ اللہ کفر نہ بخشے گا اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اور فرماتا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ۔ اگر گناہ کفر کی طرح ناقابلِ معافی جرم ہے تو معافی کی آیتیں کیسے درست ہوں گی۔ بلکہ خود اس آیۃ میں بھی اشارۃً یہ بات ظاہر کردی گئی ہے کہ فرمایا یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ اللہ انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے جنت وغیرہ کی ہدایت دے گا۔ دیکھو یہاں اعمال کا ذکر نہیں۔ خیال رہے کہ ایمان مطلقاً بخشش کا ذریعہ ہے اور نیک اعمال اول سے بخشش اور جنت ملنے کا ذریعہ ہے اس صورت میں ساری آیات اور احادیث درست ہوں گی ان میں تعارض نہ ہوگا۔ **دوسرا اعتراض** اس آیۃ کریمہ میں نہریں بہنے کا ذکر پہلے ہے اور جَنّٰتِ النَّعِیْمِ میں داخلے کا ذکر بعد میں مگر واقعہ میں ترتیب یہ ہے کہ جنت میں داخلہ پہلے ہوگا وہاں بہتی نہریں ملنا بعد میں یہاں ترتیب بدلی ہوئی کیوں ہے؟۔ **جواب** یہاں ان دو نعمتوں کا ذکر مستقلاً ہے چونکہ نہریں وغیرہ مستقل نعمتیں ہیں اور جنت کا داخلہ مستقل نعمت بلکہ جنت کی خواہش انہیں نہروں وغیرہ کی وجہ سے۔ ہے اس لیئے یہاں اس ترتیب سے ان کا بیان ہوا۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس آیۃ کریمہ میں پہلے ایمان و اعمال دونوں کا ذکر ہوا پھر صرف ایمان کا کہ پہلے فرمایا گیا اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آخر میں ارشاد ہوا یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ اس فرقِ بیان کی کیا وجہ ہے؟ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ یا تو بِاِیْمَانِهِمْ میں ایمان سے مراد وہی مذکورہ ایمان ہو جو نیک اعمال کے ساتھ ہو۔ تب ہدایت سے مراد اول ہی سے ہدایت ہے یا ایمان سے مراد مطلقاً ایمان خواہ نیک اعمال کے ساتھ ہو یا گناہوں کے ساتھ تو مطلب یہ ہے کہ ہدایتِ جنت صرف ایمان کی بنا پر ملے گی۔ کیونکہ جنت کی عطا ایمان سے ہے اور پہلے سے ہی عطا یا وہاں کے درجات نیک اعمال سے ہے اور وہاں دیدارِ الٰہی صرف رب کے کرم سے اس میں اپنے عمل کو دخل نہیں۔ **چوتھا اعتراض** تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ جنتی لوگ تسبیح و تحمید کیا کریں گے مگر یہ چیزیں عبادات ہیں اور جنت میں عبادات ہیں نہیں پھر یہ کیونکر درست ہوئی؟ **جواب**۔ وہاں یہ تسبیح و تحمید تلاوتِ قرآن مجید حضور انور کی نعت شریف بطورِ لذت ہوگی نہ کہ بطورِ تکلیف شرعی بلکہ ان کی لذتیں کھانے پینے کی لذتوں سے زیادہ ہوں گی۔

تفسیر صوفیانہ جو لوگ ان چیزوں پر ایمان لائے جن سے غافل لوگ بے خبر ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے نیک یعنی خاص رضاءِ الٰہی کے لیئے جن میں ریا وغیرہ کا شائبہ نہ ہو انہیں اللہ تعالیٰ ایک نور قلبی عطا فرمائے گا جس کے ذریعہ انہیں علمِ مکاشفہ علمِ حقیقت کی طرف ہدایت کرے گا علم ظاہری کتابوں سے حاصل ہوتا ہے یہ علم اس نور سے جس میں وہ مومن کافر اچھے برے میں قدرتی طور پر فرق کریں گے۔ گویا رب انہیں علم درایت کے بعد علم دراثت عطا کرے گا۔ علمِ دراثت علم درایت کا مغز ہے ایسے لوگ دنیا میں ہی شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کے خزانے ہیں کہ ان کی زبان ان کی نظر سے یہ نہریں جاری ہوتی ہیں ان کے جسم یہاں دنیا میں ہیں مگر ان کے دل ارواح جنتوں میں۔ انہیں نماز۔ تلاوت ذکر اللہ میں جنت کی نعمتوں کی سی لذتیں آتی ہیں۔ ان کی زبانیں وہ کام کرتی ہیں جن کے لیئے وہ بنائی گئیں یعنی ذکرِ الٰہی دعائیں۔ نعت وحمد وغیرہ وہ اس نعمت کو غیبت بہتان وغیرہ میں خرچ نہیں کرتے۔ وہ دنیا میں نیک اعمال سے جنتیوں میں ہیں آخرت میں ان کے انعامات کی جنتوں میں ہوں گے ان کی زندگی کا ہر کام اللہ کی تسبیح وتحمید سے گھرا ہوا ہے آخرت میں بھی ان کا یہ ہی حال ہو گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے پہلا کلام کیا الحمد للہ بندہ اللہ کی نعمتوں میں غرق ہے تو چاہیئے کہ اس کی زندگی کی ہر گھڑی رب کی حمد میں غرق ہو۔ حمد الٰہی غیر متناہی نعمت ہے۔ عوام کی صرف زبان حمد کرتی ہے مگر خاص بندوں کا گوشت پوست بلکہ ہر رونگٹا حمد کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

حمدِ شاں چوں حمدِ گلشن از بہار صد نشانے دارد صد گیر و دار

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حامدین میں سے کرے۔ (روح البیان)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ
اور اگر جلدی بھیجتا اللہ لوگوں کے لیئے شر مثل جلدی کرنے ان کے خیر کو تو البتہ
اور اگر اللہ لوگوں پر برائی ایسی جلد بھیجتا جیسی وہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں
لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ
پوری کر دی جاتی طرف ان کے میعاد ان کی پس چھوڑتے ہیں ہم ان لوگوں کو جو نہیں
تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا تو ہم چھوڑتے انہیں جو ہم سے ملنے کی امید نہیں
لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾
امید رکھتے ملنے کی ہم سے کہ سرکشی میں اپنی بھٹکتے پھرتے ہیں
رکھتے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں

تعلق۔ اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات کے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق گذشتہ پچھلی آیات میں کفار مکہ کے چند اعتراضات کا ذکر ہوا جن کا تعلق حضور انور کی نبوت سے تھا مثلاً یہ کہ وحی الٰہی ان پر کیوں آئی کسی بڑے مالدار سردار پر آنی چاہئے تھی اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا الخ یا یہ کہ ہمارے بت ہماری سفارش کے لیئے کافی ہیں پھر آپ کی تشریف آوری کی کیا ضرورت تھی مَا مِنْ شَفِيعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ۔ وغیرہ اب ان کے اس اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم آپ کے منکر ہیں ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ غرضکہ حضور انور کی نبوت کے متعلق کچھ اعتراضات کے جوابات پہلے دئے گئے کچھ کے اب دیئے جارہے ہیں (تفسیر کبیر) دوسرا تعلق پچھلی آیۃ میں کفار کے چند عیوب بیان ہوئے جن میں ایک یہ تھا کہ وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ وہ اپنے منہ اپنی موت اپنے پر عذاب مانگتے ہیں گذشتہ اُمتوں پر جو عذاب آئے اُن سے عبرت نہیں پکڑتے گویا پچھلی آیتوں میں ان کے متعلق ایک دعویٰ تھا۔ اس آیت میں اس دعوے کا ثبوت ہے **تیسرا تعلق**۔ ابھی پچھلی آیۃ میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیک مومنوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے دنیا میں اچھے اچھے کام اچھے خیالات کی ہدایت دیتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اس کے برعکس کفار کو جب سوجھتی ہے تو اوندھی مومن رب تعالےٰ سے امن عافیت ایمان مانگتے ہیں مگر کفار دنیا میں ہی اپنے لیئے عذاب رب کا قہر اس کا غضب مانگتے ہیں۔ دونوں جماعتوں کے خیالات میں اتنا فرق ہے۔

شانِ نزول ایک بار نضر ابن حارث نے اپنی قوم کو اپنی پختگی دکھانے کے لیئے یوں دعا مانگی کہ خدایا اگر واقعی اسلام سچا دین ہے اور ہم نے اسے قبول نہیں کیا تو ہم پر غیبی پتھر برسا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر۔ خازن) قرآن مجید میں اُن کا یہ قول دوسری جگہ یوں ارشاد ہے اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ اور یوں ارشاد ہے وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (روح المعانی)

تفسیر وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ۔ چونکہ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اس لیئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ لَوْ اور اِنْ اِذْ کا فرق بارہا بیان ہوچکا ہے يُعَجِّلُ بنا ہے تَعْجِيْلٌ سے جس کی اصل عجلت ہے بمعنی جلدی اصطلاح میں وقت سے پہلے کوئی کام کرنا تعجیل ہے اور وقت سے پہلے کسی کام کی خواہش استعجال (تفسیر روح البیان) اگرچہ یہ آیۃ کریمہ نضر ابن حارث وغیرہ کفار کے متعلق نازل ہوئی مگر اَلنَّاس سے عام انسان مراد ہیں۔ کیونکہ لفظِ ناس عام اور لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ شر سے مراد عذاب بلاء۔ مصیبت وغیرہ ہیں۔ چنانچہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایۃ کی کہ اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو جوشِ غضب میں اپنے جان مال اولاد کو بد دعائیں دیتا ہے۔ (روح المعانی) یعنی اگر اللہ تعالےٰ لوگوں پر عذاب مصیبت بلاء جلد بھیج دیا کرتا۔ اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ اس عبارت کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں اس کی آسان اور رفوی ترکیب یہ ہے کہ اصل عبارت یوں تھی اِسْتِعْجَالًا كَا مِثْلِ اِسْتِعْجَالِهِمْ بِالْخَيْرِ

اور کا سْتِعْجَالَهُمْ میں استعجال کی نسبت ہم کی جانب مصدر کی نسبت مفعول کی طرف ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو برائی ایسے جلدی دیتا جیسے انہیں خیر جلدی دیتا ہے کہ ہر خیر انہیں وقت پر پہنچانا ہے دیر نہیں لگاتا (تفسیر جلالین اور تفسیر صاوی) دیکھو رب کریم ہم کو وقت پر ہوا پانی ۔ غذا دوا بلکہ زندگی و موت دیتا ہے لہٰذا اس عبارت میں صفت کو موصوف کی جگہ رکھا گیا ۔ دوسری ترکیبوں میں بہت دشواری ہے ۔ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ یہ فرمان عالی لَوْ کی جزا ہے ۔ اس میں لام تاکید کا ہے ۔ قضاء کے معنیٰ ہیں پورا فرما دینا ۔ چونکہ اس میں پہنچانے کے معنیٰ شامل ہیں اس لیے اس کے بعد الیٰ آیا ھم کا مرجع وہ ہی کفارِ مکہ ہیں یا تا قیامت کفار یا جوش میں آکر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیئے بد دعا کرنے والا انسان اجل سے مراد ہے عذاب جس کا وقت مقرر ہے یعنی تو ان کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ زندہ نہ رہتے ۔ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ۔ یہ فرمانِ عالی ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے لہٰذا اس کی ف عاطفہ ہے لَا نُعَجِّلُهُمْ وَلَا نَقْبَلُ دُعَاءَهُمْ ۔ ہم نذر کی تحقیق بارہا کر چکے ہیں کہ نہ اس کا کوئی مصدر ہے نہ ماضی ۔ اسم فاعل وغیرہ صرف مضارع اور امر آتا ہے اَلَّذِينَ سے مراد کفار ہیں ۔ منکرینِ قیامت جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا کی تفسیر ابھی کچھ پہلے ہو چکی فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ یہ فرمانِ عالی لَا يَرْجُونَ کی ضمیر سے حال ہے اس جملہ میں فی طغیانہم مقدم ہے یعمہون پر جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا ۔ طغیان کے معنیٰ ہیں حد سے نکل جانا جو شئی حد سے نکلے وہ آفت ڈھا دیتی ہے پانی حد سے بڑھ کر سیلاب بن کر شہر کے شہر ڈبو دیتا ہے ۔ آگ حد سے بڑھے تو گھر بلکہ محلے جلا دیتی ہے انسان حد سے بڑھے تو شیطان سے بدتر ہو جاتا ہے یعمہون بنا ہے عَمَهٌ سے عمیٰ کے معنیٰ ہیں آنکھ کا اندھا ہونا عمہ کے معنیٰ ہیں دل کا اندھا ہونا ۔ آنکھ کا اندھا درست راہ نہیں چلتا دل کا اندھا درست رائے نہیں پاتا یہ دونوں اندھے حیران و پریشان ہی ہوتے اور رہتے ہیں کفار کھانے پینے چلنے پھرنے بلکہ جینے مرنے میں ۔ حیران اور بہکے ہوئے رہتے ہیں ۔ انہیں نہ کھانا آتا ہے نہ پینا نہ چلنا آتا ہے نہ پھرنا نہ مرنا آتا ہے نہ جینا ۔ آتے کیسے کہ یہ سب کچھ تو حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے چاہیئے تھے وہ اس دروازے سے دور ہیں ۔ مومن کی شان یہ ہوتی ہے ۔ شعر ۔

ترا غم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے ۔۔۔ یہ ہی میری زندگی ہے یہ ہی میری بندگی ہے

مری آرزو محمد مری جستجو مدینہ ۔۔۔ اسی آرزو میں مرنا اسی جستجو میں جینا

خلاصۂ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بعض بے وقوف لوگ ۔ اپنی موت اپنے منہ سے مانگتے ہیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر عذاب آفات مصائب اسی طرح جلدی بھیج دیتا جیسے ان پر خیر بہت جلد یعنی ان کی دنیاوی ضروریات سے بہت جلد بھیج دیتا ہے جس کا دن رات مشاہدہ ہوتا رہتا ہے تو اب تک ان کا وعدہ عذاب پورا ہو چکا ہوتا اور فنا ہو چکے ہوتے ہم ایسا نہیں کرتے ان کی بد دعائیں قبول نہیں کرتے بلکہ انہیں ان کے حال میں چھوڑ دیتے

ہیں کہ وہ یوں ہی اپنی سرکشیوں میں حیران و پریشان بھٹکتے پھریں۔

روایت۔ مسلم بخاری نے روایت کی حضرت ابو ہریرہ روایت کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میں تجھ سے نیز اعہد لیتا ہوں کہ میں بشر ہوں دوسرے بشروں کی طرح مجھے غصہ آجاتا ہے اگر میں کسی مسلمان کو بد دعا دیدوں یا اس پر لعنت کر دوں یا اسے ماردوں تو اسے قیامت کے دن اس کے لیئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ بنا دے (خازن) مسلمان خیال رکھیں کہ کبھی جوش میں اپنے یا اپنی اولاد و مال کے لیئے بد دعا نہ کیا کریں۔

فائدے اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اپنے یا اپنے بال بچوں کے لیئے بددعا کرنا طریقہ کفار ہے۔ مومن ہمیشہ رب سے خیر ہی مانگے۔ **مسئلہ** دنیاوی تکالیف میں دعاء موت کرنا ممنوع ہے۔ ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدایا اب اگر میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت دے دے **مسئلہ** خوف خدا یا عشق رسول یا دینی خطرے میں دعاء موت کرنا جائز ہے جیسے حضرت عمر نے اپنی وفات کی دعا یوں کی مجھے شہادت کی موت دے اپنے محبوب کے شہر میں۔ یا جیسے امام بخاری نے دینی فتنے آفات میں پھنس کر اپنی موت کی دعا کی اور دعا سے دو دن بعد آپ کی وفات ہو گئی۔ **دوسرا فائدہ** رب تعالے کا ہماری بعض دعائیں قبول نہ فرمانا اس کی خاص مہربانی ہے وہ دعا ہمارے لیئے نقصان دہ ہوتی ہے یہ فائدہ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ کے لَوْ سے حاصل ہوا۔ ناسمجھ بیمار طبیب سے میٹھی دوائیں مانگتا ہے مگر وہ اسے کڑوی دوائیں دیتا ہے یہ طبیب کی مہربانی ہے **تیسرا فائدہ** ہر ایک کے ثواب و عذاب کے لیئے ایک وقت مقرر ہے اس ہی وقت اس کو وہ ملے گا۔ اس سے پہلے کچھ مانگنا نادانی ہے یہ فائدہ اَجَلُهُمْ سے حاصل ہوا کہ اس کے معنی ہیں عذاب کا وقت مقرر تخم بونے کا اور وقت ہے پھل توڑنے کا دوسرا وقت جو کوئی بونے کے وقت توڑنا چاہے بے وقوف ہے۔ **چوتھا فائدہ** سرکش اور غافل کو لمبی عمر ملنا رب تعالیٰ کا عذاب ہے کہ اس سے وہ اپنے گناہ سرکشیاں بڑھا لیتا ہے یہ فائدہ نَذَرُ الَّذِيْنَ اور فِیْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس مومنین صالحین کی دراز عمریں اللہ کی رحمت ہیں کہ اس سے وہ نیکیاں بڑھا لیتے ہیں۔ حضرت نوح اور خضر علیہما السلام کی دراز عمریں رحمت ہیں ابلیس کی دراز عمر عذاب ہے کہ یہ ڈھیل ہے۔ **پانچواں فائدہ** دنیاوی نعمتیں جو بندے کو دی جاتی ہیں۔ دولت صحت عزت۔ حکومت۔ اولاد وغیرہ یہ دراصل خیر ہیں جن سے بندہ بہت نیکیاں کما سکتا ہے مگر بعض انسان انہیں اپنی جہالت سے شر بنا لیتے ہیں یہ فائدہ اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ سے حاصل ہوا کہ رب نے کفار کی دنیوی نعمتوں کو خیر فرمایا۔

پہلا اعتراض ۔ اس آیۃ میں رب تعالے کی تعجیل کو کفار کے جلدی مانگنے سے تشبیہ دی گئی کہ ارشاد ہوا اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ تشبیہ کیونکر درست ہوئی۔ جلدی دینا رب کا کام ہے اور جلدی مانگنا بندے کا کام ان دونوں میں مشابہت کیسی۔ **جواب**۔ اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں صاوی شریف کے حوالہ سے گزر چکا۔ کہ آیۃ کریمہ کی اصل عبارت یوں تھی استعجالًا مِثْلَ اسْتِعْجَالِهِمْ بِالْخَيْرِ استعجال مفعول مطلق تھا۔ يُعَجِّلُ اللّٰهُ کا اسے بھی دور کر دیا گیا اور مثل کو بھی استعجال بمعنی تعجیل سے

اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور ھُمْ مفعول بہ ہے اب مطلب بالکل ظاہر ہو گیا کہ اگر رب تعالیٰ کفار کو شر اس طرح جلد دے دیتا جس طرح انہیں خیر جلد دیتا ہے یہ ترکیب نہایت ہی آسان اور قوی ہے۔ دوسرا اعتراض کفار کو رب نے خیر دی ہی نہیں انہیں جو کچھ دیا وہ شر ہی ہے پھر اِسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ کیونکر درست ہوا۔ جواب اس کا جواب ابھی نامدوں سے معلوم ہو چکا کہ رب نے انہیں بہت خیر عطا فرمائی۔ صحت۔ اولاد مال وغیرہ انہوں نے انہیں غلط استعمال سے شر بنا لیا اگر کوئی اپنی آنکھ کان ہاتھ پاؤں سے گناہ کرے تو یہ اس کا اپنا تصور ہے۔ رب نے اسے یہ اعضاء نیکیاں کرنے کو دیئے تھے۔ تیسرا اعتراض جب رب جانتا ہے کہ کفار جتنا جئیں گے اتنا ہی کفر و گناہ کریں گے پھر انہیں دنیا میں چھوڑتا کیوں ہے کہ فرماتا ہے فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ (الخ) انہیں تو فوراً ختم کر دینا چاہیے جواب اس اعتراض کا جواب ہم پہلے پارہ میں شیطان کی پیدائش۔ اسے لمبی عمر دینے کی حکمتوں کے بیان میں دے چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ کفار رب تعالیٰ کی صفت اِضلال کا مظہر ہیں نیز کفار کی وجہ سے بہت سی اسلامی عبادات قائم ہیں۔ ہجرت جہاد شہادت وغیرہ لہٰذا انہیں باقی رکھنے میں رب کی بہت حکمتیں ہیں۔ جنت بھی بھرتی ہے اور دوزخ بھی نیز رات کے بغیر دن کی۔ بیماری کے بغیر صحت کی قدر نہیں ہوتی تو کفر کے بغیر ایمان۔ طغیانی کے بغیر عرفان کی قدر کیسے ہو۔

تفسیر صوفیانہ دنیا میں رب تعالیٰ نے مقبولین کو بھی عمر روزی وغیرہ عطا فرمائی ہیں اور مردودین کو بھی مگر ان دونوں گروہوں میں فرق یہ رکھا ہے کہ مقبولین کو دنیا میں بھی رکھا ہے اور اپنی حفاظت و امن میں اور اپنی نظر کرم اپنی نگہداشت میں بھی۔ جس کی وجہ سے وہ بفضلہ تعالیٰ بہک نہیں سکتے کہ رب کی نگہداشت میں ہیں مگر مردودین کو دنیا میں رکھا ہے اپنی نگہداشت میں نہیں رکھا بلکہ انہیں ان کے حوالہ کر دیا فرمایا فَنَذَرُهُمْ ہم انہیں چھوڑے رہیں گے۔ جس کی وجہ سے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں جیسے بےلگام والا گھوڑا۔ مقبولین کے متعلق فرماتا ہے وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ اے محبوب ان غلاموں سے اپنی نظر نہ ہٹاؤ۔ انہیں اپنی نظر میں رکھو اور فرماتا ہے وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اپنے غلاموں کو اپنے رحمت کے پروں میں رکھو۔ شعر۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

مقبول لوگ نیک اعمال جلدی کرتے ہیں۔ مردود لوگ اعمال سے غافل رہتے ہیں اور موت یا عذاب یا قیامت کی آمد میں جلدی کرتے ہیں مومنوں کی جلدی محبوب ہے رب فرماتا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اور کفار کی یہ جلدی مردود۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کی زندگی شیطانی ہے جسے قرآن نے مَعِيْشَةً ضَنْكًا فرمایا۔ یعنی تنگ روزی۔ غافل کی زندگی نفسانی ہے جسے قرآن نے حیٰوۃ دنیا کہا مگر متقی مومن کی زندگی ایمانی یا رحمانی ہے جسے قرآن نے حَيٰوةً طَيِّبَةً فرمایا پھر جیسی زندگی ویسی موت۔ کافر کی موت رب کی پکڑ ہے جسے رب نے بطش فرمایا اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ غافل کی موت وفات ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ مگر مومن کی موت رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔

اِرْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کافر کی زندگی حیرانی میں موت پشیمانی میں ہوتی ہے جو اس کے طغیان کا نتیجہ ہے ۔ مومن کی زندگی اطمینان میں اور موت رحمتِ رحمان میں ہوتی ہے ۔ جو اس کے ایمان و عرفان کا انجام ہے اس لیئے یہاں فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ارشاد ہوا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا
اور جب چھو جاتی ہے انسان کو تکلیف تو پکارتا ہے ہم کو اپنی کروٹ پر یا بیٹھے یا کھڑے
اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے ہمیں پکارتا ہے لیٹے اور بیٹھے
اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ
ہو کر پھر جب کھول دیتے ہیں ہم اس سے تکلیف اس کی گذرتا ہے گویا نہیں
اور کھڑے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں چل دیتا ہے
يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ
پکارتا تھا ہم کو طرف کسی تکلیف کے جو چھوئی اسے اس طرح آراستہ کیئے گئے حد سے
گویا کبھی کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا یونہیں بھلے کر دکھائے ہیں حد سے
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾
بڑھنے والوں کے لیئے وہ کام جو وہ کرتے تھے
بڑھنے والوں کو ان کے کام

تعلق ۔ اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق پچھلی آیۃ کریمہ میں کافر کی زبانی جرأت کا ذکر ہوا کہ وہ زبان سے عذاب کی دعا کر لیتا ہے اب اس کی عملی کمزوری کا تذکرہ ہے کہ اگر اس پہ ذرا سی مصیبت آ جائے تو کھڑے بیٹھے دعائیں عاجزی زاری کرتا پھرتا ہے گویا انسان کی جھوٹی شیخی کے بعد اس کی سچی حالت کا اظہار ہو رہا ہے ۔ دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیۃ کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم انسان پر عذاب بھیجیں تو وہ آناً فاناً فنا ہو جائے لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ اب اس دعوے کے ثبوت میں انسان کی روز مرہ کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ چھوٹی سی بیماری ناداری وغیرہ میں تڑپ جاتا ہے سب شیخی بھول جاتا ہے دعائیں کرتا اور کراتا ہے ۔ تیسرا تعلق آیۃ کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ کافر اپنی سرکشی میں حیران پھر رہے ہیں انہیں کچھ سوجھتا نہیں اب اس آیۃ کریمہ میں ان کی حیرانی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ذرا تکلیف پہنچے تو ہم کو یاد کرے جب

تکلیف جاتی رہے تو ہم کو بھول جاتے ۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ۔ یہ ہے اس کے بھٹکنے کا کھلا ثبوت ۔

تفسیر وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور اِذَا یہاں عموم ظرف یا عموم شرط کے لیئے ہے یعنی جب کبھی یا اگر کبھی ۔ مَسّ کے معنی ہیں چھو جانا ۔ اس سے مراد ہے کہ تھوڑی دیر کے لیئے چھوٹی سی مصیبت معمولی طور پر اسے پہنچے بڑی تکلیف کے باقاعدہ پہنچنے اسے گھیر لینے کا تو ذکر ہی کیا ہے ۔ اَلْاِنْسَانَ سے مراد یا کافر انسان ہے یا عام انسان ہے یا خاص انسان یعنی ہشام ابن مغیرہ مخزومی ہے ۔ (تفسیر تنویر المقباس) پہلا احتمال قوی ہے یعنی سارے کافر مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ۔ اَلضُّرُّ سے ہر تکلیف دہ چیز مراد ہے جیسے بیماری، ناداری قحط سالی وغیرہ یعنی شخصی تکلیف یا قومی مصیبت سب ہی اس میں داخل ہے دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا یہ عبارت اِذَا مَسَّ (الخ) کی جزا ہے دَعَانَا بنا ہے دُعَاءٌ بمعنی پکارنا ۔ بلانا ۔ دعا مانگنا ۔ یہاں یا تو بمعنی پکارنا ہے یا بمعنی دعا کرنا لِجَنْۢبِهٖ متعلق ہے مُسْتَلْقِیًا پوشیدہ کے اور دَعَا کے فاعل سے حال ہے ۔ اس لیئے قاعدًا اور قائمًا اس پر معطوف ہوئے ۔ (روح المعانی) اس فرمان عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ۔ بعض بیماریوں میں انسان بستر پر لیٹ جاتا ہے نہ اٹھ سکتا ہے نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور بعض میں بیٹھ سکتا ہے مگر کھڑا نہیں ہو سکتا اور بعض میں کھڑا ہو جاتا ہے مگر چل پھر نہیں سکتا ان تینوں بیماریوں کا یہاں ذکر ہے ۔ ۲ ۔ اس سے مراد ہر حال ہے ۔ کیونکہ انسان کے تین ہی حالات ہوتے ہیں ۔ لیٹنا بیٹھنا ۔ کھڑا ہونا ۔ ۳ اس سے مراد ہے بہت دعائیں مانگنا کہ اس کا کوئی حال دعا سے خالی نہ ہو ۔ (روح المعانی ۔ و تفسیر کبیر) خیال رہے کہ لِجَنْۢبِهٖ میں لام بمعنی علیٰ ہے جیسے یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ میں ہے (معانی) یعنی تو ہم سے ہر حال میں یا ہر طرح یا ہر وقت اس بلا کے دفعیہ کی دعائیں مانگتا ہے اپنی اکڑ اور سرکشی بھول جاتا ہے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ ۔ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے ۔ فَلَمَّا کی فَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مصیبت دور کرنا اس کی دعاؤں کی بنا پر ہوتا ہے (معانی) کشف کے معنی ہیں کھولنا یہاں مراد ہے دفع کرنا اس لیئے کہ اس کے بعد عَنْ آیا ۔ ضُرَّهٗ سے مراد وہ ضرور تکلیف ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ضُرَّهٗ فرما کر بتایا کہ وہ تکلیف اس کے لائق ہے اس کی اپنی چیز اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصیبتیں انسان اپنی حرکتوں سے منگاتا ہے رب تعالیٰ اپنے فضل سے دفع فرماتا ہے ۔ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ یَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ یہ فرمان عالی فَلَمَّا كَشَفْنَا کی جزا ہے ۔ مَرَّ بنا ہے مُرُوْرٌ سے جس کے لغوی معنی ہیں گزرنا یہاں اس سے مراد یا لوٹ جانا ہے یا پہلے راستہ پر چل پڑنا كَاَنْ دراصل كَاَنَّهٗ تھا اِلٰى ضُرٍّ میں اِلٰی یا بمعنی لام ہے یا اپنے ہی معنی میں ۔ اگر دعا کے معنی ہیں دعا کرنا تو اِلٰی بمعنی لام ہے اور اگر اس کے معنی ہیں پکارنا … تو اِلٰی اپنے معنی میں ہے یعنی جب ہم اس کی مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر وہ اپنے پرانے کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے ۔ یا پھر اسی غفلت سرکشی کی راہ پر چل پڑتا ہے (مدارک خازن وغیرہ) اور اپنے گرے وقت کو ایسا بھول جاتے ہیں جیسے گویا اس نے ہم سے کبھی دعا کی ہی نہ تھی ۔ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اس فرمان عالی سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے كَمَا زُیِّنَ لَهُمْ اَعْمَالُهُمُ الْقَبِیْحَةُ كَذٰلِكَ زُیِّنَ یہاں زینت دینے

کے معنی ہیں بُری چیز کو اچھا کر دکھانا۔ اس کا فاعل یا تو رب تعالٰے ہے کہ تمام کا خالق وہ ہی ہے یا اس کا فاعل شیطان ہے کہ اس آراستگی کا سبب ہے یا کا سبب وہ ہی ہے۔ مُسْرِفِیْنَ کے معنٰی ہیں اپنے معاملہ میں زیادتی کرنے والے۔ رب فرماتا ہے وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا عمل سے مراد ان کی معلومہ بدعملیاں ہیں یعنی جیسے ان لوگوں کی نظر میں ان کے کفر بت پرستی غفلت بدعملی بھلی کر دی گئی ہے اسی طرح ہمیشہ سے حد سے بڑھنے والوں کی نظر میں ان کی بری حرکتیں بھلی کر دی گئی ہیں یہ بڑی پرانی بیماری ہے۔ اے محبوب آپ ان کی حرکتوں سے غمگین نہ ہوں یہ تو ہوتا ہی چلا آیا ہے۔

خلاصۂ تفسیر کفار صرف زبان کے بہادر ہیں کہ اپنے لیئے عذاب کی دعائیں کرتے ہیں۔ ان کی دلی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر کبھی انہیں کوئی دنیا کی تکلیف بیماری۔ ناداری۔ قحط سالی وغیرہ پہونچ جائے تو کھڑے بیٹھے لیٹے ہم سے دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا اسے دفع کر دے۔ انہیں کسی طرح چین نہیں آتا اپنی زندگی سے بیزار ہوتے ہیں پھر جب ہم انکی دعا قبول کر کے وہ مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر اپنی پرانی ڈگر یعنی کفر و طغیانی پر چل پڑتے ہیں جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہو جاتا ہے گویا اس کو ہم سے کوئی واسطہ تھا ہی نہیں کبھی اس نے ہم سے کسی مصیبت کے لیئے دعا کی ہی نہ تھی۔ یہ بیماری آج کی نہیں ہے یہ کفار کی بڑی پرانی بیماری ہے کہ مصیبت میں خدا کو یاد کرنا آرام میں اس کی نافرمانی کرنا پھر حرکتوں کو اچھا جاننا۔ ابلیس نے ان کی نظر میں ان کے کفر بت پرستی بری حرکتوں کو اچھا کر کے دکھا دیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ حرکتیں بہت اچھی ہیں ہماری ناموری اسی میں ہے۔

فائدے اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ دنیا میں عیش و آرام اکثر و بیشتر رہتے ہیں مصیبتیں کبھی کبھی یہ فائدہ مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ عموماً آرام بہت زیادہ ہوتا ہے مصیبت صرف تھوڑی جاتی ہے جس سے انسان کی مت کٹ جاتی ہے یہ فائدہ بھی مَسَّ الْاِنْسَانَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ کافر خواہ کتنے ہی اخلاص سے رب کو یاد کرے مگر اس یاد پر اسے نہ ثواب ہے نہ اس سے رب راضی ہو۔ یہ فائدہ دَعَانَا لِجَنْبِہٖ (الخ) سے حاصل ہوا کہ کافر کی اس دعا و فریاد کو بطور شکایت بیان فرمایا گیا۔ اس کے برعکس اگر مومن رب کو مصیبت میں یاد کرے تو اسے اجر و ثواب ضرور ملے گا انشاء اللہ۔ چوتھا فائدہ تکالیف میں رب تعالٰی کو یاد کرنا آرام میں اسے بھول جانا طریقۂ کفار ہے مومن کو چاہیئے کہ ہمیشہ رب کو یاد کرے آرام میں شکر کے ساتھ تکلیف میں صبر کے ساتھ آرام میں الحمد اللہ کہے مصیبت و غم میں اِنَّا لِلّٰہِ پڑھے۔ غرضکہ یاد اسی کی کرے یہ فائدہ فَلَمَّا کَشَفْنَا (الخ) سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ۔ دنیا میں تکالیف عموماً انسان کی حرکتوں کی وجہ سے آتی ہیں ان کا دفعیہ رب تعالٰے کے فضل و کرم سے ہے۔ یہ فائدہ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ (الخ) سے اور فَلَمَّا کَشَفْنَا (الخ) سے حاصل ہوا کہ مصیبت دفع کرنے کی نسبت رب کی طرف کی گئی۔ چھٹا فائدہ دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں یہ فائدہ فَلَمَّا کَشَفْنَا۔ کی ف سے حاصل ہوا کہ دفع مصیبت کو کافر کی دعا پر مرتب کیا۔ ابلیس نے درازی عمر کی دعا کی جو کچھ ترمیم سے قبول کی گئی فَاِنَّکَ مِنَ

الْمُنْظِرِيْنَ ساتواں فائدہ اپنے آرام کے زمانہ میں مصیبت کو اور عروج کے زمانہ میں زوال کو بھول جانا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ
كَانْ لَّمْ يَدْعُنَا اِلٰى سے حاصل ہوا۔ خیال رکھو کہ جسے دینا آتا ہے اسے چھیننا بھی آتا ہے اس لیئے ہمیشہ اس کے
دروازے پر حاضر رہو۔ آٹھواں فائدہ گنہگار مومن کیسا ہی گناہ کرے مگر حد میں رہ کر کرتا ہے۔ کافر کیسا ہی معمولی گناہ کرے
مگر حد سے نکل کر کرتا ہے یہ فائدہ لِلْمُسْرِفِيْنَ سے حاصل ہوا کہ رب نے کفار کو مُسْرِفِيْنَ فرمایا یعنی حد سے نکلے جانے والے۔
ایمان پر قائم رہنا اپنی حد میں رہنا ہے۔ ایمان سے نکل جانا بندگی کی حد سے نکل جانا ہے نواں فائدہ برائی کو اچھائی اور
برے کاموں کو اچھا سمجھنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ الخ سے حاصل ہوا۔ مومن بفضلہ تعالیٰ حق کو
حق سمجھتا ہے اور باطل کو باطل۔

پہلا اعتراض۔ کھڑے بیٹھے لیٹے رب کو یاد کرنا اس سے دعائیں مانگنا بڑی اچھی عادت ہے۔ رب فرماتا ہے فَاذْكُرُوا
اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ پھر یہاں اسے کفار کی برائیوں میں کیوں شمار کیا گیا۔ جواب واقعی مومن کے لیئے یہ
صفت خوبی ہے کافر کے لیئے یہ بھی عیب ہے عمداً بغیر غسل بغیر وضو نماز پڑھنا کفر ہے اگرچہ اس میں اللہ کا ذکر ہے ایمان
دل کا وضو روح کا غسل ہے جس کے بغیر اللہ کا ذکر بے ادبی ہے یا یوں کہو کہ صرف مصیبت میں اللہ کا ذکر خود غرضی ہے۔
اسے بے غرضی سے یاد کرو۔ دوسرا اعتراض تم نے کہا کہ کافر کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ مگر رب فرماتا ہے وَمَا
دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ کفار کی دعائیں برباد ہیں۔ جواب کفار کی دعائیں آخرت میں برباد ہوں گی کوئی قبول
نہ ہو گی ان سے فرمایا جاوے گا۔ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنَ دنیا میں کبھی قبول ہو جاتی ہیں یہ قبولیت ان کے لیئے
استدراج یعنی ڈھیل دینا ہے۔ اس آیتہ میں دنیاوی دعاؤں کا ذکر ہے تمہاری پیش کردہ آیتہ میں آخرت کی دعاؤں کا
ذکر ہے۔ تیسرا اعتراض مصیبت میں رب کو یاد کرنا عیش میں بھول جانا یہ عیب بعض غافل مسلمانوں میں بھی ہے پھر یہ خصوصیت
سے کفار کے لیئے کیوں بیان ہوا۔ جواب ایسے غافل مومن اپنی اس حرکت پر نادم ہوتے ہیں۔ اس پر فخر نہیں کرتے۔ اس
لیئے کفار کی طرح مجرم نہیں اس وجہ سے آگے ارشاد ہوا زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ الخ کہ کفار اس فخر کی وجہ سے مسرف ہیں۔ چوتھا
اعتراض۔ اس آیتہ میں کفار کو مُسْرِفِيْنَ فرمایا مگر دوسری جگہ مسلمانوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا
فِيْٓ اَمْرِنَا معلوم ہوا کہ گنہگار مومن بھی مسرفین ہیں۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب اسراف کے معنی ہیں حد سے بڑھنا اس لیئے
فضول خرچی کو اسراف اور فضول خرچ کو مسرف کہا جاتا ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا انسان کے لیئے بہت طرح کی
حدیں ہیں عقائد کی حد۔ اعمال کی حد۔ خرچ کی حد حتیٰ کہ وقت اور جگہ کی حدود۔ مومن سینکڑوں حدوں میں گھرا ہوا ہے ان میں
گھرا ہوا ہونا ہی تو آزادی ہے۔ شعر۔

دیکھا انہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا آزاد ہے جو آپ کے دامن سے بندھا ہے

کافر عقائد کی حد سے نکلا ہوا ہوتا ہے مومن اگرچہ اعمال کی حد سے نکل جاوے مگر عقائد کی حد میں رہتا ہے۔ یہاں

عقائد کی حدود سے نکل جانے والے مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ مومن کامل وہ ہے جو رب کو رب کے لیے یاد کرے نہ کہ اپنے لیے۔ مزہ جب ہے کہ وہ ہی معبود ہو وہ ہی مقصود ہو وہ ہی دل و جان و ایمان میں موجود بلکہ اسی کو اسی کے لیے مانگو۔ شعر

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خیر ۔۔۔ مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں !!

اس آیۃ کریمہ میں رب تعالٰے اپنے محبوب سے ان بندوں کی شکایت فرما رہا ہے جو رب کو بعض وقت معبود مانیں مگر مقصود نہ مانیں اس سے دعائیں کریں تو بھی اپنی غرض کے لیے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غرض نکل جانے پر رب سے غافل ہو جاتے ہیں ان کا مقصود صرف اپنی ذات ہے یہ لوگ حد عبادت سے نکلے ہوئے ہیں۔ یہ حق و باطل میں فرق نہیں کرتے بزرگان دین دعا کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ خدایا ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنا نصیب کر۔ مزہ اس میں ہے کہ بندہ ہر حال میں رب کے دروازے پر رہے رب تعالٰے اس قال کو حال بنا دے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ

اور البتہ تحقیق ہلاک کر دیں ہم نے قومیں پہلے تم سے ۔۔۔ اور

اور بے شک ہم نے تم سے پہلی سنگتیں ہلاک فرما دیں جب وہ حد سے بڑھے ۔۔۔ اور

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ

لائے ان کے پاس پیغمبران کے واضح دلیلیں ۔۔۔ اور نہیں تھے کہ وہ ایمان لاتے

ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے اور وہ ایسے تھے ہی نہیں کہ ایمان

كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم جرم والی قوم کو ۔۔۔ پھر بنایا ہم نے تم کو

لاتے ہم یوں ہی بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو ۔۔۔ پھر ہم نے ان کے بعد

خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

نائب زمین میں بعد ان کے تاکہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

تمہیں زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

تعلق۔ اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے دو عیب بیان ہوئے ایک ان کا اپنے لیے عذاب کی بد دعا کرنا دوسرے معمولی مصیبت آجانے پر بیتاب ہو کر دفعیہ کی دعائیں کرنا۔ اب ارشاد ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آیا ہوا عذاب دعاؤں سے ٹلتا نہیں بلکہ ہلاک کر دیتا ہے۔ گویا عذاب آنے اور جاتے اور دعاؤں کا ذکر پہلے ہوا اور اس کے نہ جانے کا ذکر اب ہے مقصد یہ ہے کہ عذاب رد کرنے کا ذریعہ صرف ایک ہے اللہ رسول کی اطاعت۔ دوسرا تعلق پچھلی آیتہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ کفار کو ان کے بُرے عقیدے بُرے اعمال بڑے پسند ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ اس پسندیدگی کا انجام ہلاکت ہے گویا ان کے مرض لاعلاج کا ذکر فرمانے کے بعد اس کے انجام کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ کبھی کفار کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں ان سے آئی بلائیں ٹل جاتی ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ رعایت انہیں ہمیشہ نہیں ملتی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دعائیں کرتے رہیں اور ہلاک ہوتے رہیں اگر تماشا دیکھنا ہے تو پچھلی امتوں کے حالات دیکھو اور سنو۔

تفسیر وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ بہت کفار عرب گذشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات کے قائل نہ تھے یا ہلاکت رعذاب کو مانتے تھے مگر کفر و عناد کی وجہ سے نہ مانتے تھے اس لیئے اس مضمون کو لام اور قد کی تاکیدوں سے شروع فرمایا گیا۔ لہذا لَقَدْ فرماتا۔ غیر ضروری نہیں اَهْلَكْنَا بنا ہے اہلاک سے بمعنی اسب کو بہ یک وقت فنا کر دینا۔ خواہ پانی سے خواہ غیبی چیخ سے خواہ پتھر برسا کر خواہ آگ برسا کر خواہ زلزلہ سے۔ چونکہ مختلف قومیں ان مختلف عذابوں سے ہلاک کی گئیں اس لیئے اَهْلَكْنَا مطلق ارشاد ہوا اگرچہ ان لوگوں کو ہلاک کرنے والے فرشتے تھے مگر چونکہ یہ بحکم الٰہی انہوں نے ہلاک کیا نیز وہ اللہ کے پیارے بندے ہیں ان وجوہ سے رب تعالٰے نے اس ہلاکت کو اپنا فعل قرار دیا الْقُرُوْنَ جمع ہے قرن کی بمعنی ملنا اسی سے ہے قرون اور قرین رب فرماتا ہے فَسَاءَ قَرِيْنًا امت اور قوم کو قرن کہتے ہیں کہ وہ آپس میں مل جل کر رہتی ہے کبھی زمانہ کو قرن کہتے ہیں کہ وہ موجودہ لوگوں کا جامع ہوتا ہے اس میں گفتگو ہے کہ کتنے زمانے کو قرن کہا جاتا ہے۔ چالیس سال۔ اسّی سال۔ سَو سال یا مطلق وقت حضور فرماتے ہیں خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔ اس حدیث میں قرن میں دونوں احتمال ہیں بمعنی زمانہ ہو یا بمعنی جماعت و گروہ سینگ کو بھی قرن کہتے ہیں کہ وہ جانور سے ملا ہوا رہتا ہے (از روح المعانی مع الزیادہ) شعر۔

اِذْ ذَهَبَ الْقَرْنُ الَّذِیْ اَنْتَ فِيْهِمْ وَخُلِّفْتَ فِیْ قَرْنٍ فَاَنْتَ غَرِيْبٌ

یہاں بمعنی امتیں یا قومیں ہیں مِنْ قَبْلِكُمْ کا تعلق یا تو اَهْلَكْنَا سے ہے یا پوشیدہ الکائنین سے اور صفت ہے قرون کی اس میں خطاب کفار مکہ سے خصوصاً اُن سے جو عذاب کی دعائیں مانگا کرتے تھے لَمَّا ظَلَمُوْا یہ فرمان عالی اَهْلَكْنَا کا ظرف ہے۔ ظلم سے مراد یا کفر و شرک ہے یا بد دیانتی اور لوگوں کے حقوق مارنا یا مطلقاً گناہ یا یہ سب کچھ کیونکہ بعض قومیں صرف کفر کی بنا پر ہلاک ہوئیں بعض قومیں کفر کے ساتھ بدکاری کی وجہ سے جیسے قوم لوط بعض کفر کے ساتھ بد دیانتی سے جیسے قوم شعیب

علیہ السلام ایک لفظ ان سب کو شامل ہے۔ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ یہ عبارت ظَلَمُوْا کے فاعل سے حال ہے اس سے پہلے قد پوشیدہ ہے رُسُلُهُمْ سے مراد ان کے وہ مختلف شان والے پیغمبر ہیں جو ان کی تبلیغ کرنے کے لئے بھیجے گئے جن کی اطاعت ان لوگوں پر واجب تھی۔ بیّنات یعنی روشن دلیلوں سے مراد ہیں ان نبیوں کے معجزے جو ان کی نبوت کی دلیلیں تھے۔ اس فرمان عالی میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ کسی قوم پر نبی کی تشریف آوری کے بغیر عذاب نہیں بھیجا جاتا۔ شعر۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد !! تا دلِ صاحبدلے نامد بدرد ! !

دوسرے یہ کہ کوئی نبی بغیر معجزہ نہیں آئے پھر ہر نبی اُسی قسم کا معجزہ لائے جس کا اُس زمانہ میں زور تھا۔ دیکھو حضرت موسےٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضاء کا معجزہ لائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرنے پیدائشی اندھے کوڑھیوں کو شفا دینے کا معجزہ لائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں علم طب کا بہت زور تھا۔ ہمارے حضور قرآن مجید کا خصوصی معجزہ لائے اس زمانہ میں زبان دانی فصاحت و بلاغت کا بہت زور تھا۔ اس لئے معجزات کو بیّنات کہا جو ان کی نبوت کی کھلے نشان تھے۔ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا۔ قوی یہ ہے کہ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے ظَلَمُوْا پر مطلب یہ ہے کہ ان قوموں کی ہلاکت کی تین وجہیں تھیں ان کا ظالم یعنی کافر ہونا۔ ان کے پاس نبیوں کا تشریف لانا اور اُن کا انہیں جھٹلانا۔ ان کا ایمان کے قریب بھی نہ ہونا۔ یعنی ان کا ایمان لانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ ان کی استعداد ہی خراب تھی۔ نیز رب تعالیٰ نے انہیں دُرکار دیا تھا۔ ان کے متعلق علم الٰہی میں آچکا تھا کہ وہ کافر مریں گے ان وجوہ سے انہیں مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس لئے ہلاک کیے گئے۔ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے كَمَآ اَهْلَكْنٰهُمْ یعنی جیسے ہم نے ان قوموں کو جب ہلاک کیا جبکہ اُن کو ڈھیل دینے کا کوئی فائدہ نہ رہا۔ اس طرح ہم مجرم قوم کو اس وقت ہلاک کرتے ہیں۔ جب اس کی بقا میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور اگر فائدہ ہو۔ یا اس طرح کہ آئندہ اس کے ایمان لانے کی امید ہو یا اس کی اولاد کے ایمان لانے کی توقع ہو کہ اس کی پشت سے اولاد ہو وہ ایمان لائے تب اسے ہلاک نہیں کرتے خیال رہے کہ یہاں جزا بمعنی عذاب یا سزا ہے اور سزا سے مراد معمولی عارضی سزا ہے جو بطورِ نمونہ انہیں دی جاوے اصل سزا تو بعد موت ہو گی۔ مجرمین سے مراد کافر ہی ہیں یعنی کفر کا جرم کرنے والے قوم فرما کر یہ بتایا کہ عام عذاب الٰہی ایک دو شخصوں کے جرم سے نہیں آتا بلکہ جب پوری قوم مجرم بن جائے تب عذاب آتا ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ۔ اس فرمانِ عالی میں خطاب کفارِ مکہ سے ہے خلائف جمع ہے خلیفہ کی بمعنی بعد میں آنے والے۔ ان کی جگہ زمین کو آباد کرنے والے۔ الارض سے مراد مطلقاً زمین ہے نہ کہ ہلاک شدہ قوموں کی زمین۔ کیونکہ مکہ معظمہ بلکہ حجاز میں کبھی عذاب نہ آیا جتنے عذاب آئے وہ دوسری زمینوں اور جس خطہ میں عذاب آئے وہاں کبھی آبادی نہ ہوئی۔ اصحاب فیل پر جو ابابیل کا عذاب آیا وہ لوگ مکہ معظمہ کے رہنے والے نہ تھے نیز وہ عذاب شہر مکہ میں نہ آیا بلکہ مکہ سے باہر جنگل میں لہٰذا آیت واضح ہے نیز حجاز بلکہ عرب میں حضرت اسماعیل کے بعد کوئی نبی نہ آئے جن کے جھٹلانے سے اُن پر عذاب آتا۔ یعنی اے اہل عرب وہ قومیں ہلاک کر دی گئیں پھر تم کو ان کے بعد زمین

میں بسایا گیا۔ کیوں لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ یہ فرمان عالی متعلق ہے جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ کے نظر سے مراد علم مشاہدہ ورنہ رب تعالےٰ ہمیشہ سے ہر چیز اور ہمارا۔ ہر حال تفصیلی جانتا ہے۔ ہاں مشاہدہ موجود ہونے کے بعد فرماتا ہے نَنْظُرَ میں لام حکمت کا ہے۔ کیف فرما کر یہ بتایا کہ ہم صرف اعمال یا ان کی مقدار کو نہیں دیکھتے بلکہ اعمال کی کیفیت کو ملاحظہ فرماتے ہیں اس پر جزا۔ سزا دیتے ہیں اس وجہ سے ایک کام کبھی اچھا ہوتا ہے اور وہ ہی کام کبھی بُرا۔ عمل کی کیفیت بدلنے سے عمل بدل جاتا ہے بلکہ عامل کا حال بدلنے سے عمل کا حکم بدل جاتا (از روح البیان و بیضاوی وغیرہ) شیطان کے سجدے سجود اس کے لعنتی ہونے سے پہلے عبادات تھے پھٹکارے جانے پر وہ ہی عمل گمراہی بن گئے۔ رب نے اسلئے عمل اور عامل دونوں کی کیفیت اچھی کرے

خلاصہ تفسیر اے اپنے منہ سے عذاب مانگنے والے غافل کافرو تم غور تو کرو کہ تم سے پہلے ہم نے بہت سی قومیں ہلاک کردیں جن کے صرف قصے رہ گئے انہوں نے کفر و معصیت کئے اُن کے پاس ان کے رسول روشن معجزات لائے انہوں نے اُن سب کا انکار ہی کیا وہ ایمان لانے والے بنے ہی نہیں کہ نہ ایمان لائے نہ آئندہ اُن کے ایمان لانے کی امید رہی نہ یہ احتمال رہا کہ اُن کی اولاد آگے چل کر ایمان لاوے گی۔ غور کرلو ہم مجرم قوموں کو دنیا میں اس طرح سزائیں دیا کرتے ہیں ان قوموں کے بعد تم زمین میں رہے بسے ہو خیال رکھو کہ تمہارے اعمال اور تمہاری کیفیت ہم ملاحظہ فرما رہے ہیں اگر تمہارے حالات بھی اُن ہی قوموں کی طرح ہوئے تو تم بھی سزا کے مستحق ہوؤ گے اگر تم بندے بن کر رہے اور تم نے ہمارے محبوب کی اطاعت کی تو تم ہمارے ہو ہم تمہارے اب دیکھنا ہے کہ تم کس نوعیت کی کیفیت کے عمل کرتے ہو اُن قوموں سے عبرت پکڑتے ہو یا نہیں

فائدے۔ ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** مسلمانوں کو چاہئے کہ پچھلی ہلاک شدہ قوموں کے حالات پڑھے سنے اور اُن سے عبرت پکڑے ان کے سے اعمال نہ کرے یہ فائدہ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر۔

پند گیر از مصائبِ دگراں تا نہ گیرند دیگراں ز تو پند!!

دوسرا فائدہ۔ خدا تعالےٰ کسی کو بغیر جرم نہیں پکڑتا۔ بندہ خود عذاب منگاتا ہے تو عذاب آتا ہے۔ یہ فائدہ لَمَّا ظَلَمُوْا سے حاصل ہوا۔ ہاں وہ کریم بغیر ہمارے عمل کے ہم پر کرم کر دیتا ہے۔ رحمت کے لیئے عمل شرط نہیں۔ شعر۔

رحمتِ حق بہانی طلبد رحمتِ حق بہانہ می طلبد

اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی وہ صرف بہانہ چاہتی ہے۔ بلکہ بہانہ بھی وہ ہی عطا فرماتا ہے۔ **تیسرا فائدہ** کسی قوم پر بغیر رسول بھیجے ہوئے عذاب نہیں آیا اگرچہ اس قوم نے کتنے ہی جرم کئے ہوں یہ فائدہ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ عذاب لانے والی چیز نبی کی نافرمانی ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا

چوتھا فائدہ رب تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزے ضرور عطا فرمائے کوئی نبی بغیر معجزہ کے تشریف نہ لائے یہ فائدہ بِالْبَيِّنَاتِ سے حاصل ہوا۔ نبوت دعوے ہے معجزہ اس کی دلیل۔ پانچواں فائدہ جب کسی قوم کے ایمان کی امید نہ رہے اور نہ اس کی نسل سے کسی مومن کے پیدا ہونے کی امید ہو تب اس پر عذاب الٰہی آتا ہے مذکورہ دو صورتوں میں سے کوئی چیز ہو تو عذاب نہیں آتا کہ یا تو آگے چل کر وہ ایمان لانے والا ہو۔ یا اس سے مومن اولاد پیدا ہونے والی ہو تو عذاب نہیں آتا۔ یہ فائدہ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا سے حاصل ہوا کہ وَمَا آمَنُوا ارشاد نہ ہوا۔ دیکھو تفسیر جب ابوجہل کی پشت سے حضرت عکرمہ نکال لیئے تب وہ بدر میں ہلاک کیا گیا۔ چھٹا فائدہ ہر اگلی قوم بلکہ اگلا آدمی پچھلوں کا خلیفہ ہے اسے چاہیئے کہ غور کرے کہ جس بستی یا گھر میں ہم رہتے ہیں۔ اس میں ہم سے پہلے کتنے لوگ بسے اور چلے گئے جب یہ جگہ ان کے ساتھ نہ گئی تو ہمارے ساتھ بھی نہ جائے گی یہ بے وفا ساتھی ہے یہ فائدہ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے مگر اس کا دیکھنا مشاہدہ فرمانا اس کے ظہور کے بعد ہوتا ہے اس علم کو ہم کلام والے علم انفعالی کہتے ہیں یہ فائدہ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال کی صرف تعداد نہیں دیکھی جاتی بلکہ اعمال کی کیفیت بھی دیکھی جاتی ہے کہ بندہ نے نماز پڑھی تو کیسی۔ حج و جہاد کیئے تو کیسے یہ فائدہ كَيْفَ تَعْمَلُونَ سے حاصل ہوا کہ لفظ كَيْفَ حالت اور کیفیت کے لیئے آتا ہے۔ حضرات صحابہ کا سوا دو سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ اُن کی اعمال کی کیفیت اور طریقۂ ادا بہت اعلیٰ ہے جو ہم کو میسر نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں گذشتہ قوموں پر عذاب آنے کی دو وجہیں بیان ہوئیں۔ جرم یعنی ان کے گناہ دوسری ان کے پاس رسولوں کی تشریف آوری آیا یہ دونوں چیزیں عذاب کا باعث ہیں یا ان میں سے ایک۔ **جواب** عذاب آنے کا سبب ان کے گناہ ہیں مگر شرط نبی کی تبلیغ یعنی گناہوں سے عذاب آتے ہیں بشرطیکہ نبی احکام پہنچائیں پھر قوم بدکاریاں کرے۔ نبی کی تشریف آوری عذاب کا سبب نہیں وہ تو اللہ کی رحمت کا سبب ہے پھر اس رحمت کی شرط اُن پر ایمان لانا اُن کی اطاعت کرنا ہے جیسے نماز کا سبب وقت ہے اس کی شرط وضو۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا صرف لَمْ يُؤْمِنُوا یا مَا آمَنُوا۔ فرمادینا کافی تھا **جواب**۔ اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو وہ ایمان لائے نہ لانے والے تھے۔ یعنی ان کے ایمان کی امید بھی نہ تھی۔ نہ ان کے پشت سے مومن پیدا ہونے تھے اگر لَمْ يُؤْمِنُوا۔ فرمایا جاتا تو یہ بات حاصل نہ ہوتی فی الحال ایمان۔ آئندہ ایمان لانا۔ آئندہ پشت سے مومن پیدا ہونا یہ سب چیزیں عذاب سے بچالیتی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ عذاب کی شرط نبی کی تشریف آوری ان کی تبلیغ ہے مگر یہاں ارشاد ہوا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ جس سے معلوم ہوا کہ صرف مجرم ہونا ہی عذاب کے لیئے کافی ہے تمہارا قول اس فرمان کے خلاف ہے۔ **جواب** مجرم قوم وہ ہی ہے جو نبی کی نافرمانی کرے اس پر عذاب آتا ہے جب تک نبی کی تبلیغ نہ پہنچی ہو۔ خواہ وہ کتنے ہی گناہ کفر شرک کرے اسے آخرت میں عذاب ہو تو ہو مگر دنیا میں نہیں ہوتا دنیاوی عذاب کے لیئے نبی

کی نافرمانی ضروری ہے ۔ چوتھا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہلاک شدہ قوموں کی زمینوں میں پھر آبادی ہوئی ہے ۔ دیکھو فرمایا گیا ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۔ مگر حدیث شریف میں ہے کہ ہلاک شدہ بستیاں نہ کبھی آباد ہوئیں نہ وہاں رہنا بسنا جائز ہوا لہٰذا حدیث اس آیت کے خلاف ہے ۔ **جواب** اس آیت میں الْأَرْضِ سے مراد ہلاک شدہ بستیاں نہیں بلکہ مطلقاً زمین مراد ہے یعنی زمین میں پہلے ہلاک شدہ قومیں رہیں پھر اسے اہل عرب ان کے بعد تم لوگ بسے الْأَرْضِ مقابل ہے آسمان کا عرب خصوصًا زمین حجاز میں کبھی عذاب الٰہی نہ آیا ۔ **پانچواں اعتراض** زمین مکہ سے بالکل متصل وادی محسّر میں اصحاب فیل یعنی ابرہہ اور اس کے لشکر پر عذاب آیا تو چاہیئے تھا کہ مکہ میں کسی کو بسنا جائز نہ ہوتا ۔ **جواب** ابرہہ وغیرہ مکہ کے رہنے والے نہ تھے بلکہ یمن سے مکہ پر حملہ کرنے آئے تھے ۔ رب نے انہیں مکہ معظمہ سے باہر ہی ہلاک فرما دیا وہاں نہ مکہ معظمہ کی بستی پر عذاب آیا نہ مکہ والوں پر بلکہ غیر ملکی لوگوں کو مکہ معظمہ کے قریب ہلاک کیا گیا ۔ تاکہ وہ مکہ والوں پر حملہ نہ کر سکیں یعنی مکہ معظمہ کو ان کی شر سے محفوظ رکھا گیا لہٰذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ ایمان تین طرح کا ہے ۔ ایمان فطری ۔ ایمان شرعی ۔ ایمان شہودی ۔ ایمان فطری وہ ہے جو ہر شخص کو عالم ارواح میں ملا کہ سب نے قَالُوا بَلٰى سے ایمان قبول کیا ۔ اس ایمان پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے ایمان شہودی وہ ہے جو مرتے دم اور مرتے وقت فرشتوں اور آخرت کے حالات دیکھ کر بندہ ان چیزوں کو مانے گا ۔ یہ دونوں ایمان نجات کا ذریعہ نہیں ۔ ایمان شرعی وہ جو دنیا میں رہ کر نبی کے ذریعہ میسر ہو یہ ہی ایمان نجات کا مدار ہے یہ ایمان چند طرح کا ہے فی الحال ایمان مل جائے ۔ آئندہ ایمان ملنے والا ہو ۔ یہ دونوں ایمان عذاب دنیا سے بچا لیتے ہیں وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۔ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ وہ ہلاک شدہ قومیں اس لیئے ہلاک کی گئیں کہ نہ فی الحال مومن تھیں نہ آئندہ مومن بننے والی تھیں ۔ تو عذاب سے کیسے بچتیں ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ مظہر خلافت آدم علیہ السلام ہے وہ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ہوئے اب یہ امت ساری زمین میں خلیفۃ اللہ ہے اس لیئے جتنے خلفاء اس امت میں ہوئے اتنے کسی امت میں نہ ہوئے ۔ خلافت ظاہری تو بادشاہوں حاکموں کو عطا ہوئی ۔ خلافت باطنی حضرات اولیاء و علماء دین کو بخشی گئی اس لیئے ارشاد ہوا ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ ۔ بلکہ اپنے نفس کی زمین پر حکومت و خلافت ہر شخص کو عطا ہوئی ۔ جیسے بادشاہ پر لازم ہے کہ رعایا میں عدل و انصاف کرے یوں ہی ہر شخص پر ضروری ہے کہ اپنے ظاہری اعضاء پر کنٹرول اور محاسبہ کرے ۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اوپر ان کے آیتیں ہماری ظاہر تو کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں امید کرتے

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں جنہیں ہم سے

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ

ملنے کی ہم سے کہ لائیے آپ قرآن علاوہ اس کے یا بدل دیجئے اس کو فرماؤ تم نہیں ہوتا

ملنے کی امید نہیں کہ اس کے سوا اور قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے۔ تم فرماؤ مجھے

لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

ہے میرے لیئے یہ کہ بدل دوں اسے طرف سے ذات اپنی کے پیروی کرتا ہوں میں مگر اس

نہیں پہنچتا کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف

اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف تحقیق میں خوف کرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی عذاب بڑے دن کے

وحی ہوتی ہے میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے

تعلق۔ اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیۃ میں پچھلی کافر قوموں کا کفر۔ یہ بیان ہوا کہ انہوں نے اپنے نبیوں اپنی کتابوں کی اطاعت نہیں کی اب کفار مکہ کا ان سے بڑھ کر کفر بیان ہو رہا ہے کہ یہ حضور انور کی اطاعت تو کیا کرتے خود حضور انور کو اپنے مطالبات منوانے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن ہی بدل دو اپنی تعلیم میں تبدیلی کر دو غرضکہ یہ کفار پچھلے کفار سے بدتر ہیں۔ **دوسرا تعلق** گذشتہ پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ دنیاوی مصیبتیں غافلوں کو بدل دیتی ہیں کہ وہ ان میں پھنس کر رب کی طرف رجوع کرتے ہیں دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ آرام میں یہ لوگ بجائے بدل جانے کے قرآن وغیرہ کو بدل دینے کی کوشش کرتے ہیں گویا ان کے مصیبتوں کے حال کے بعد راحتوں کے حال کا ذکر ہے کہ مصیبت میں وہ خود بدل جاتے ہیں اور راحتوں میں بدل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا تھا مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا وہ لوگ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں اس لیئے ہلاک کیئے گئے

اب ارشاد ہے کہ ایسے ہی آپ کے زمانہ کے بہت کفار ایمان لانے والے نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ لوگ خود اسلام۔ قرآن آپ کے فرمان بدلوانے کی فکر میں ہیں ان کے مومن ہونے کی کیا امید ہے مگر چونکہ آپ دنیا میں آچکے ہیں اس لیئے ان پر ظاہری عذاب نہیں آتا۔

شانِ نزول ایک بار مکہ معظمہ میں پانچ کافر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبداللہ ابن امیہ مخزومی۔ ولید ابن مغیرہ۔ مکرز ابن حفص۔ عمرو ابن عبداللہ ابن ابی قیس عامری۔ عاص ابن عامر ابن ہشام۔ اور بولے

حضور اگر آپ ہماری ایک بات مان لیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی ساری باتیں مانیں گے۔ فرمایا وہ کیا بات ہے بولے یہ موجودہ قرآن یا تو بالکل ختم کر دیں یا اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لائیں جس میں ہمارے بتوں کی برائی نہ ہو تعریف ہو۔ ہم کو ان کی عبادت کی صاف اجازت ہو وغیرہ اور یا اس قرآن میں ہماری مرضی کے مطابق کچھ ترمیم کر دیں کہ بتوں کی برائی کفار پر عتاب کی آیتیں اس میں سے نکال دیں تب ان کی تردید میں یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر خازن وغیرہ)

تفسیر وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ۔ چونکہ یہ جملہ نیا ہے اس لیئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اِذَا شرطیہ تلاوت فرمانے والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ عَلَيْهِمْ کی ضمیر کفار مکہ کی طرف ہے آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں جن کا تعلق عقائد اسلامیہ سے ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے اسلامی احکام کی آیات نہیں آئی تھیں۔ بَيِّنٰتٍ سے مراد واضح الدلالت آیتیں۔ جو اسلام کی حقانیت شرک وکفر کی تردید قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت واضح طور پر ہیں واضح الدلالت آیتیں اس طرح کہ اسلام کی حقانیت شرک وکفر کے تردید۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت واضح طور پر بتاتی ہیں کہ ہجرت سے پہلے اس قسم کی آیات آئی تھیں قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا یہ عبارت اِذَا کی جزا ہے۔ اَلَّذِيْنَ الخ سے وہ ہی پانچ کافر مراد ہیں جنہوں نے تبدیلی قرآن کا مطالبہ کیا تھا۔ جن کے متعلق یہ آیۃ نازل ہوئی اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سارے کفار مکہ ہوں کہ یہ پانچ آدمی ان سب کے نمائندہ بن کر آئے تھے ان کا قول ان تمام کا قول تھا۔ لَا يَرْجُوْنَ (الخ) فرما کر یہ بتایا کہ ان بدنصیبوں کو یہ کہنے کی جرأت اس لیئے ہوئی کہ انہیں قیامت قائم ہونے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے وہاں کے حساب وکتاب کا نہ یقین تھا نہ امید نہ خوف لہٰذا یہاں رجا سے مراد یا یقین ہے یا خوف یا امید بہر حال وہ قیامت کے منکر تھے۔ اس لیئے انہیں یہ کہنے کی جرأت ہوئی ان وجوہ سے ان کے لیئے ضمیر نہ لائی گئی بلکہ اتنی دراز عبارت اَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ارشاد ہوئی اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ۔ یہ عبارت قال کا مفعول ہے آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس میں انہوں نے دو مطالبہ کئے ایک یہ کہ قرآن جو آپ لوگوں کو سناتے ہیں اسے بالکل ختم کر دیں کہ اس کی نہ عبارت رہے نہ ترتیب نہ عقائد۔ وغیرہ اس کی جگہ دوسرا قرآن رب کے پاس سے لایئے جس میں شرک بت پرستی کی اجازت ہمارے بتوں کی تعریف ہمیں بدعملیوں کی کھلی اجازت ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ کو یہ مطالبہ منظور نہ ہو تو قرآن مجید اس کی عبارت یہ ہی رہے مگر اس میں ترمیم کر دی جائے۔ کہ بتوں کی تذلیل کی آیتوں کی بجائے ان کی تعظیم کی بت پرستی کی تردید کی بجائے اس کی تائید کی آیتیں ہوں یعنی تبدیلی سے مراد تغیر ہے۔ کہ یہودیوں عیسائیوں کے پادریوں کی طرح آپ بھی قرآن میں تحریف کر دیں۔

خیال رہے کہ وہ لوگ یا تو مذاق دل لگی کے طور پر یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کوئی اہم کتاب نہیں جیسا چاہا اسے بنا لیا یا جس طرح چاہا اس میں ترمیم کر دی۔ یا ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اولاً حضور انور سے یہ کام کرالیں پھر شور مچا دیں کہ دیکھ لو قرآن خدائی کتاب نہیں جیسا ہم نے چاہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بنوا لیا یا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید نے ہم کو للکارا ہے

اگر تم قرآن کو انسانی کتاب کہتے ہو تو ایک چھوٹی سی سورت اس جیسی بنا لاؤ تو وہ بولے کہ اچھا ہم تو اس جیسی کوئی سورت نہیں بنا سکتے یارسول اللہ آپ جب یہ سورتیں آیتیں بناتے رہتے ہیں تو ترمیم تبدیلی بھی کردیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان مردودں کا مقصد یہ بھی نہ تھا کہ آپ رب سے دعا کرکے اس کے بعض احکام بدلوادیں۔ بعض آیات منسوخ کرادیں یا آپ خود اپنے فرمان بحکم الٰہی بعض آیات بعض احکام منسوخ کردیں کیونکہ ابھی تک قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہجرت سے پہلے سوا نماز پنجگانہ کے کوئی حکم آیا ہی نہ تھا۔ سارے احکام اور بعض احکام کی نسخ یہ سب کچھ بعد ہجرت ہوا ہے۔ یہ بات خوب خیال میں رہے لہٰذا اس آیتہ سے نہ تو مرزائی دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ قرآن کی کوئی آیتہ کوئی حکم منسوخ نہیں نہ دیوبندی وہابی کہ حضور انور کو رب کی طرف سے کسی قسم کا اختیار نہیں۔ حضور انور رب کی طرف سے مختار مطلق ہیں۔ آپ کی مرضی پر احکام قرآنیہ منسوخ ہوئے ہیں جیسے تبدیلی قبلہ اور بہت سے احکام قرآنیہ حدیث شریف سے منسوخ ہوئے ہیں اس کی تفصیل ہم تیسرے پارہ میں مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا کی تفسیر میں کرچکے ہیں غرضکہ نسخ احکام نسخ آیات اور چیز ہے اور ان مردودوں کا مطالبہ کچھ اور قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي۔ یہ فرمانِ عالی ان کے مطالبہ کی تردید ہے انہوں نے دو مطالبہ کئے تردید ایک کی کی گئی یعنی میں اپنی طرف سے قرآن مجید میں ترمیم نہیں کرسکتا جب یہ نہیں کرسکتا تو پورے قرآن کو کیسے بدل سکتا ہوں ادنیٰ کی نفی سے اعلیٰ کی نفی خود بخود ہوگئی۔ (تفسیر بیضاوی۔ روح البیان وغیرہ) قُلْ میں خطاب حضور انور سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے یعنی اے محبوب آپ ان کفار سے یہ فرمادو۔ یہ کلام مسلمانوں سے کرنے کا نہیں صحابہ کی خواہش پر احکامِ قرآنیہ منسوخ بھی ہوسکتے ہیں اور آیات قرآنیہ نازل بھی ہوسکتی ہیں۔ دیکھو حضرت عمر کی رائے پر مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے۔ عورتوں پر پردہ واجب ہونے کی آیات آئیں انہیں کے واقعہ پر رمضان کی راتوں میں بیوی سے صحبت جائز ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہوجانے پر تیمم کی آیات آئی۔ حضرت عبداللہ ابن مکتوم کی عرض پر آیتہ میں ترمیم کی گئی کہ فرمایا گیا غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ زوجہ اوس ابن صامت کی عرض پر ظہار کی آیت آئی۔ یعنی طلاق کے الفاظ کو ظہار بنادیا گیا۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ الخ وغیرہ وغیرہ کی یہ تفسیر خیال میں رہے مَا يَكُونُ لِي۔ قُلْ کا مفعول ہے يَكُونُ کی خبر مُمْكِنًا یا لَائِقًا پوشیدہ ہے۔ یعنی یہ کام مجھ سے ممکن نہیں یا یہ کام میرے لائق نہیں مجھ سے اس کی امید نہ رکھو کہ تمہارے مطالبہ پر یہ کام ہو۔ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي یہ مَا يَكُونُ کا اسم ہے ہُ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ تِلقاء کے معنی ہیں۔ جَنْبِہٖ یا عِنْدَ پاس۔ یا طرف۔ عربی زبان میں صرف دو مصدر ایسے ہی ہیں جن کے اول میں ت مکسورہ ہے تِلقاء اور تِبیان (روح المعانی) مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي فرماکر اشارۃً بتایا کہ میں اپنی رائے اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا ہاں بعض احکام رب تعالیٰ سے عرض کرکے بدلوا سکتا ہوں جیسے قبلہ کی تبدیلی اور بعض احکام بذریعہ وحی خفی اور الہام بحکم پروردگار خود بھی بدل سکتا ہوں۔ جیسے غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کی حرمت کا حکم کہ قرآن مجید میں اس کا ثبوت ہے حضور انور نے اسے حرام فرمایا۔ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ یہ فرمانِ عالی مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ کی وجہ بیان فرما

رہا ہے یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نہ تو اپنی ذاتی رائے کی پیروی کرتا ہوں نہ کسی اور کی رائے کی بلکہ اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں اَتَّبِعُ الْقُرْاٰنَ نہیں فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی مَا یُوْحٰی اِلَیَّ۔ کیونکہ حضور انور کا کشف الہام۔ خواب وغیرہ بھی وحی الٰہی ہے۔ حضور انور اس سب پر عمل فرماتے ہیں اور ہم سے عمل کراتے ہیں بلکہ اگر صحابہ کوئی خواب دیکھیں اور حضور انور اس کی تصدیق فرمادیں وہ بھی ایک طرح کی وحی ہے جو حضور پر ہوتی ہے جیسے اسلامی اذان اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ یہ فرمان عالی وجہ ہے اِنْ اَتَّبِعُ الخ کی یعنی میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ اس لئے میرے دل میں اللہ تعالٰے اس کے عذاب اور قیامت کے دن کا خوف ہے اس فرمانِ عالی میں تین اشارے ہیں ایک یہ کہ جب میں سید الانبیاء ہو کر رب سے خوف کرتا ہوں کہ اس کی نافرمانی سے عذاب کا خطرہ مجھ کو بھی ہے تو تم کو یہ تو فضائل نہیں دیئے گئے تم بھی رب سے ڈرو۔ اس کی نافرمانی پر عذاب کا خطرہ محسوس کرو۔ دوسرے یہ کہ جب قرآن مجید کی آیتیں تبدیل کرنے پر عذاب کا خطرہ ہے تو اس کا مطالبہ کرنے پر بھی عذاب کا خطرہ ہے۔ کیونکہ برائی کرنا کرانا برائی کا مطالبہ کرنا سب جرم ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر میں قرآن مجید تمہارے مطالبہ کے مطابق بدلوں تو سارے جہان پر عذاب آنے کا خطرہ ہے کہ میں دنیا کو عذاب سے بچانے آیا ہوں اگر بچانے والا خود مصیبت میں پڑ جاوے تو دوسرے ضرور پڑیں گے۔ اگر جہاز کا کپتان ہی ہلاک ہو جاوے تو جہاز کی غرقابی یقینی ہے۔ اس لئے عذاب یوم عظیم معلق رکھا یہ نہ کہا کہ مجھ کو اپنے عذاب کا خوف ہے۔ بہرحال اس فرمان میں بہت اشارات ہیں۔ خیال رہے کہ اس فرمان میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا گیا نہ تو حضور انور رب تعالٰی کی نافرمانی کر سکتے ہیں نہ اس بنا پر عذاب آسکتا ہے جیسے اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ نہ حضور انور رب کی نافرمانی کر سکتے ہیں کہ آپ معصوم ہیں اور معصوم گناہ پر قادر نہیں ہوتا نہ آپ پر عذاب آسکتا ہے حضور کی نگاہِ کرم جس پر ہو جاوے وہ گناہ اور عذاب سے بچ جاتا ہے قیامت کو یا تو اس لئے عظیم کہا گیا کہ وہ بہت بڑا دن ہے پچاس ہزار سال کا یا اس لئے کہ اس میں بڑے عظیم الشان کام ہوں گے یا اس لئے کہ اس دن حضور انور کی عظیم شان دکھائی جاوے گی۔

خلاصہ تفسیر جب کفار مکہ پر اللہ کی وحدانیت حضور انور کی نبوت۔ اسلام و قرآن کی حقانیت بتوں کی برائی بت پرستوں پر عذاب الٰہی کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو کہ ان مذکورہ چیزوں کی روشن دلیلیں ہیں تو وہ لوگ جو نہ قیامت کو مانیں نہ وہاں کے حساب و کتاب سزا و جزا کو حق جانیں وہ نہایت جرأت و بے باکی سے بجائے ایمان لانے کے الٹا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ ہم کو مسلمان کرنا چاہتے ہیں تو اس قرآن کو جس میں ہمارے بتوں کی برائی ہے بالکل ختم کر کے رب تعالٰے کے پاس سے دوسرا قرآن لائیں جو ہمارے لیئے قابلِ قبول ہو اس میں وہ چیزیں ہوں جنہیں ہم پسند کریں۔ بتوں کی حقانیت وغیرہ یا کم از کم اس موجودہ قرآن میں تبدیلی کر دیں۔ علماء یہود و نصاریٰ کی طرح ان کی یہ بکواس ہنسی دل لگی مذاق کے طور پر ہوتی ہے اے محبوب آپ انہیں جواب دے دیں کہ دوسرا قرآن لانا تو بڑی بات ہے میرے لیئے تو یہ بھی ناممکن ہے قرآنی آیات میں

کچھ ترمیم اپنی رائے سے کروں یا اس میں اپنی طرف سے کاٹ چھانٹ کروں قرآن پھیلانے کے لیئے آیا ہوں نہ کہ اسے بدلنے کے لیئے۔ میں قرآن منوانے کے لیئے تشریف لایا ہوں نہ کہ تمہاری ناجائز باتیں ماننے کے لیئے۔ میں نہ اپنی رائے کی پیروی کرتا ہوں نہ کسی اور کی رائے کی۔ میں صرف وحی الٰہی کا پیروکار ہوں وحی خواہ قرآن مجید ہو یا میری خواب یا الہام وکشف وغیرہ اگر بفرضِ محال میں رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی قیامت کے عذاب سے خطرہ ہے اور سارے جہان کو بھی یہ تبدیلی بڑا خطرناک کام ہے یونہی اس کا مطالبہ کرنا بھی خطرناک۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ جن کفار کے ایمان سے مایوسی ہو انہیں بھی قرآن کریم سنایا جاوے انہیں بھی دعوتِ ایمان دی جاوے اگرچہ وہ ایمان نہ لائیں ہم کو تو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ لا علاج بیمار کا علاج کرنے پر بھی طبیب کو فیس اور دواؤں کی قیمت مل جاتی ہے۔ یہ فائدہ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ سے حاصل ہوا کہ عَلَیْہِمْ سے مراد وہ کفار ہیں جو کفر پر مرنے والے ہیں جن کا دوزخی ہونا علم الٰہی میں آچکا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ دوسرا فائدہ کفار کو پہلے توحید رسالت حشر نشر حساب وکتاب کی آیات اُن کے دلائل سنائے جاویں ایمان لانے کے بعد انہیں نماز روزے کی آیات سنائی جاویں یہ فائدہ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ۔ سے حاصل ہوا کہ آیات سے مراد عقائد کی آیتیں ہیں۔ دیکھو تفسیر۔ تیسرا فائدہ تمام گناہوں بلکہ کفر وشرک کی وجہ قیامت کا انکار رب تعالٰے سے بے خوفی ہے ساری جرائمیں بے باکیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں یہ فائدہ اَلَّذِیْنَ یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا سے حاصل ہوا رب تعالٰے اپنا خوف دے۔ چوتھا فائدہ اسلامی احکام میں تبدیلی چاہنا انہیں اپنے رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا بدترین کفار کا طریقہ۔ قرآن کے سانچہ میں تم ڈھلو قرآن کو اپنے سانچہ میں نہ ڈھالو۔ یہ فائدہ اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ ھٰذَآ (الخ) سے حاصل ہوا۔ آج یہ بیماری بعض دنیوی پڑھے لکھے کلمہ گویوں میں پیدا ہوگئی ہے کہ اُن کے بعض لوگ اسلامی احکام اپنی رائے کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ جتنے فرقے اسلام میں نکل پڑے ہیں سب کی اصل بنیاد یہ ہی ہے۔ مرزائیت چکڑالویت رفض وخوارج کی اصل بنا یہ ہی بیماری ہے یہ بیماری بڑی پرانی ہے۔ پانچواں فائدہ کسی کی ذاتی رائے سے قرآن مجید نہیں بدل سکتا۔ اگر ساری دنیا کے عقلاء مل کر قرآن مجید کے کسی حکم کے خلاف رائے دیں تو اُن کی رائے جھوٹی بلکہ کفر ہے۔ قرآن حکیم سچا پکا نہ بدلنے والا ہے یہ فائدہ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَہٗ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یوں ہی حضور انور کے فرمانِ عالی کسی کی رائے سے نہیں بدل سکتے۔ وہ قرآنی آیات کی طرح اٹل اور انمٹ ہیں۔ **مسئلہ** حضور انور کا کلام قرآن مجید کی آیات کی تلاوت منسوخ نہیں کرسکتا۔ آیتہ قرآنی منسوخ التلاوت کسی آیت سے ہی ہوسکتی ہے وہ جو ارشاد نبوی ہے کَلَامِیْ لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللہِ۔ اس کا یہ ہی مطلب ہے۔ **مسئلہ** نسخ کی چار صورتیں ہیں۔ نسخِ قرآن قرآن سے۔ نسخِ حدیث حدیث سے نسخِ قرآن حدیث سے نسخِ حدیث قرآن سے اس کی مفصل بحث تیسرے پارہ میں مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ مع دلائل قوی کے۔ چھٹا فائدہ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مقابلہ میں اپنی رائے اور قرآن کو تبدیل نہیں فرما سکتے۔ یہ فائدہ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ

سے حاصل ہوا۔ تبدیل اور نسخ میں بڑا فرق ہے خود فرماتے ہیں کَلَامِیْ لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللّٰہِ جو حدیث کسی آیت کی ناسخ ہے تو وہ حدیث بھی کلامِ الٰہی وحیِ الٰہی ہے وہاں وحی سے وحی اور کلامِ الٰہی سے کلامِ الٰہی منسوخ ہوتا ہے۔ **ساتواں فائدہ** حضور انور کا اجتہاد۔ قیاس۔ الہام۔ خواب شرعی فرمان سب وحی الٰہی ہیں ان سب کی اطاعت ایسے ہی ضروری ہے جیسے قرآن کی اطاعت یہ فائدہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۔ سے حاصل ہوا۔ نماز وزکوٰۃ کا حکم قرآنی حکم ہے نماز میں پانچ اُن کی رکعات۔ زکوٰۃ کی مقدار تفصیلی مسائل حضورِ انور کا الہامی حکم ہے دونوں پر ایمان لاؤ۔ **مسئلہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشوروں پر عمل کرنا واجب نہیں اگر عمل کیا جائے گا تو اس میں بھلائی ہوگی۔ حکم اور مشورہ کا فرق خیال میں رہے یوں ہی قرآن مجید کے احکام پر عمل ضروری ہے اس کے مشوروں پر عمل واجب نہیں جیسے اے مسلمانو! جب قرض کا لین دین کرو تو لکھ لیا کرو۔ یہ ہے قرآنی مشورہ اس پر عمل واجب نہیں۔ بغیر لکھے قرض دینا بھی جائز ہے یہ فرق خیال میں رہے۔ **آٹھواں فائدہ** قرآن مجید کی عبارت اُس کے اعراب بلکہ طریقۂ تحریر طریقۂ تلاوت سب رب تعالےٰ کی طرف سے ہے ان میں تبدیلی درست نہیں۔ جو چیز جیسے حضور انور سے منقول ہے ویسے ہی استعمال کرو۔ یہ فائدہ بھی اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا قرآن مجید کو اردو۔ ہندی انگریزی رسم الخط میں نہ لکھا جاوے۔ یوں ہی اُسے گانے کے طریقہ پر نہ پڑھا جاوے کہ یہ وحیِ الٰہی کے خلاف ہے **نواں فائدہ** حضراتِ انبیاء کرام خصوصًا حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب کا خوف نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ ان کی شان تو بہت اونچی ہے اُن کے خدام حضراتِ اولیاء اللہ کو یہ خوف نہیں اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔ یہ فائدہ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ (الخ) سے حاصل ہوا کہ یہاں خوفِ عذاب کو نافرمانیِ رب پر معلق کیا گیا کہ اگر میں رب کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب کا خوف ہو نہ آپ نافرمانی کرتے ہیں نہ خوفِ عذاب ہوتا ہے ہاں اِن حضرات کو ہیبتِ الٰہی ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ جتنا ایمان قوی اتنا خوف یعنی ہیبت زیادہ ہے۔

پہلا اعتراض اس آیۂ کریمہ میں کفارِ مکہ کے دو مطالبے ذکر کیے گئے۔ کوئی دوسرا قرآن لائیے۔ یا اُس کو بدل دیجئے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ قرآن کا بدلنا دوسرا قرآن بنانا ہی تو ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا از اول تا آخر سارا قرآن ہی دوسرا ہو یہ ہے پہلا مطالبہ یا قرآن یہ ہی رہے مگر جو آیات ہمارے منشا کے خلاف ہیں انہیں ہمارے مطلب کے موافق کر دی جاویں۔ یہ ہے تبدیلی قرآن یعنی تحریف۔

لطیفہ انطاکیہ کا ایک شخص حضرت عمر کی خدمت میں آکر بولا کہ قرآن کریم نے ہم لوگوں کو بدنام کر دیا کہ فرمایا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْہُمَا ۔ انطاکیہ والوں نے حضرتِ خضر و موسیٰ علیہما السلام کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ اس سے ہمارا بخل کنجوسی دنیا میں مشہور ہوگیا۔ براہ مہربانی آپ اَبَوْا کی ب کا نقطہ اوپر لگا دیں جس سے اَتَوْا بن جاوے اور معنیٰ یہ ہو جاویں کہ انطاکیہ والے ان دونوں کی مہمانی کا کھانا لائے یا انہیں مہمان بنانے کے لیئے اُن کے پاس آئے۔ اِس شخص کو دربارِ فاروقی سے

دو کار دیا گیا یہ ہے تبدیلیِ قرآن ۔ دوسرا اعتراض اہلِ مکہ نے حضور انور سے دو مطالبے کئے دوسرا قرآن لانا ۔ یہ ہی قرآن بدلنا مگر ان کے ایک مطالبہ کی تردید کی گئی کہ میں قرآن بدل نہیں سکتا ۔ دوسرے مطالبہ کی تردید کیوں نہ فرمائی گئی ۔ جواب اس تردید سے پہلے مطالبہ کی تردید پُر زور طریقہ سے خود بخود ہو گئی ۔ کہ جب میں قرآن کی بعض آیات میں ادنیٰ تبدیلی نہیں کر سکتا تو پورے قرآن کو کیسے بدل سکتا ہوں ۔ تیسرا اعتراض ۔ یہاں مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِيْ کیوں فرمایا کہ میں اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا ۔ مطلقاً نہیں بدل سکتا فرمانا کافی ہوتا ۔ جواب قرآن کریم کی آیات کی تبدیلی کی بہت صورتیں ہیں بعض تبدیلیاں بالکل ناممکن ہیں جیسے توحید ۔ رب کی صفات عقائد اسلامیہ کی آیات گذشتہ آئندہ واقعات کی آیات میں تبدیلی یہ ناممکن ہے کہ اس میں کفر و شرک یا جھوٹ کی اشاعت ہے ۔ محکم احکام کی تبدیلی یہ بھی ناممکن ہے ۔ رہے دوسرے احکام کی آیات ان کی تبدیلی یا نسخ ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے مگر وہ تبدیلی محض حضور کی ذاتی رائے سے نہیں ہو گی ۔ بلکہ یا تو حضور انور کی خواہش تبدیلی کی ہو تو رب تعالیٰ آپ کی خواہش پر خود حکم بدل دے ۔ جیسے تبدیلیِ قبلہ یا کسی صحابی کی عرض و معروض پر رب خود بدل دے ۔ جیسے اولاً ارشاد ہوا کہ تمہارے ہر کھلے چھپے ظاہری باطنی حتیٰ کہ ارادے خیال کا بھی حساب ہو گا يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ خیالات تو قبضہ سے باہر ہیں اگر ان کا حساب ہوا تو بڑی مشکل بنے گی ۔ اس عرض پر رب نے اس قانون کو یوں بدلا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا رب تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا یعنی صرف خیال اور وسوسہ کا حساب نہ ہو گا ۔ یوں ہی آیۂ کریمہ آئی کہ جہاد میں جانے والے اور جہاد سے رہ جانے والے برابر نہیں تو حضرت ابن مکتوم نے عرض کیا حضور میں تو نابینا ہوں میں جہاد میں کیونکر جاؤں ۔ اُن کی اِس عرض پر یوں تبدیلی ہوئی غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ ۔ بہر حال خود ذاتی رائے سے تبدیلی نہیں اگر ہے تو وحیِ خفی سے ہے ۔ چوتھا اعتراض اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار نے قرآن مجید میں ترمیم کا مطالبہ کیا تو معذرت فرمائی بلکہ سختی سے انکار کر دیا ۔ اور اس مطالبہ کو کفر قرار دیا ۔ مگر حضراتِ صحابہ کی عرض پر یا ان کے پیش آئے ہوئے واقعات پر قرآن مجید میں نسخ ترمیم وغیرہ کی گئی حتیٰ کہ بعض آیات احادیث سے منسوخ ہوئیں اس فرق کی کیا وجہ ہے جواب ؛ کفار کے یہ مطالبات بد نیتی ۔ مذاق ۔ ہنسی دل لگی پر مبنی تھے ۔ حضراتِ صحابہ کی عرض معروض اخلاص سے ہوا کرتی تھیں ۔ نیز کفار اصولِ دینی بدل دینے کا مطالبہ کرتے تھے ۔ حضراتِ صحابہ میں یہ بات نہ تھی اس وجہ سے یہ فرق ہوا ۔ دیکھو کفار نے مطالبہ کیا کہ زمینِ مکہ میں پانی کے چشمے باغات لگا دینے کا معجزہ دکھایئے تو فرمایا گیا بَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ مگر ایک جنگ میں صحابہ پیاسے ہوئے تو اُن کے لیئے انگلیوں سے چشمے بہا دیئے ایک پیالہ پانی سے سارا لشکر سیر کر دیا ۔ یہ معجزہ اُن کے مطالبہ سے زیادہ عجیب تھا کہ زمین سے پانی کے چشمے نکلا ہی کرتے ہیں مگر انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہونا بہت عجیب ہے ۔ پانچواں اعتراض ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید کی اتباع کرتے ہیں ۔ نہ حدیث کی نہ اجماعِ اُمت کی نہ قیاس کی اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ تو ہم کو بھی چاہیئے کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی اتباع نہ کریں (چکڑالوی اور بعض غیر مقلد) جواب ۔ قرآن مجید حدیث شریف

حضور انور کا اجتہاد و قیاس بلکہ حضور کے خواب بلکہ صحابہ کے وہ خواب جن کی حضور تصدیق و تائید فرمادیں سب حضور کی وحی الٰہی ہیں ان سب کی اتباع وحی الٰہی کی اتباع ہے اس لیئے یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ فرمایا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ کفار کے دل مردہ تھے اور نفس زندہ اس لیئے ان کے دلوں میں نہ ذوق تھا نہ شوق ۔ کیونکہ ذوق اور شوق زندہ دلوں میں ہوتے ہیں اس لیئے وہ لوگ قرآن مجید کی وہ آیتیں ماننے کے لیئے تیار نہیں ہوئے جو ان کے نفس کے خلاف تھیں اس لیئے وہ مطالبہ کر بیٹھے کہ یا رسول اللہ آپ وہ آیات بدل کر ہمارے نفس کی خواہش کے مطابق کردیں تو ہم ایمان لائیں جیسے چہرے کی بعض علامات اندرونی بیماری کا پتہ دیتی ہیں ایسے ہی بعض مطالبات دلی بیماری کی نشاندہی کرتی ہیں حضور انور سے جواب حکیمانہ دلوایا گیا جس میں حضور کا اپنا ذکر ہے کہ میں یہ نہیں کرسکتا اگر کروں تو سخت عذاب کا خطرہ ہے مگر اس جواب میں اُن کا حال بتا دیا گیا۔ کہ تم نے ایسے مطالبے کئے ان سے تم سخت عذاب کے مستحق ہوگئے۔ زندہ دل صحابہ کرام نے نیک نیتی سے اگر کبھی ایسا سوال کیا تو رب نے پورا کیا۔ شوق و ذوق کا سوال پورا کیا جاتا ہے بدنیتی کا سوال رد ہوتا ہے، شوق وہ نعمت ہے جو مشکل تر کاموں کو بھی آسان کر دیتا ہے (از تفسیر روح البیان) حضور انور کا نفس فنا ہو چکا تھا۔ قلب ہی قلب تھا۔ اس لیئے فرمایا گیا کہ میں اپنے نفس سے کچھ تبدیلی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میرے پاس نفس ہے ہی نہیں لہٰذا میرا ہر کام جنانی (دلی) اور وحیِ ربانی سے ہوتا ہے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ
فرماؤ اگر چاہتا اللہ تو میں نہ تلاوت کرتا اسے تم پر اور نہ مطلع کرتا تم کو اس پر
تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا
فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾
پس بیشک ٹھہرا میں تم میں عمر بھر پہلے سے اس سے کیا پس تم عقل نہیں رکھتے
تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
پس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے آیتیں اس
تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے

بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

کی — تحقیق نہیں کامیاب ہوتے جرم والے

• بے شک مجرموں کا بھلا نہ ہوگا

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیۃ میں کفار کے اس مطالبہ کی تردید فرمائی گئی کہ آپ دوسرا قرآن لائیں یا اس قرآن میں ترمیم ردو بدل فرمادیں اب ارشاد ہے کہ میرا یہ قرآن مجید بھی تم کو سنانا اپنے رائے سے نہیں صرف رب تعالیٰ کے حکم سے ہے اگر وہ نہ چاہتا تو میں یہ قرآن مجید نہ سناتا گویا ان کے مطالبہ کی ایک تردید کے بعد دوسری اعلیٰ درجہ کی تردید فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ میں صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ میرا تم کو یہ قرآن سنانا اس کی طرف دعوت دینا یہ بھی وحی الٰہی سے ہے اگر اس کی وحی نہ ہوتی تو قرآن صرف میرے پاس رہتا۔ تم کو نہ سنایا جاتا گویا دعوے کے بعد اس کی دلیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیۃ کریمہ میں ارشاد ہوا کہ میں قرآن مجید اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ مِنْ تِلْقَآءِ نَفْسِیْ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنے نفس کی طرف سے نہیں بدل سکتا کیونکہ نفس کی طرف سے وہ بدلے جس کا نفس باقی ہو میں اور میرا نفس فَنَا فِی اللہ کے درجہ میں ہے کہ نہ میں ہوں نہ میرا نفس ہے۔ سب کچھ رضاءِ الٰہی میں راضی اسی کی فنا میں فانی فانی کا جو کام ہے وہ باقی کا ہے میرا موجودہ قرآن تمہیں سنانا رب کی طرف سے ہے۔

تفسیر قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ۔ اس فرمان عالی میں تَلَوْتُہٗ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف سے اور علیکم میں خطاب یا عام کفار سے ہے یا مذکورہ مطالبہ کرنے والے کفار سے اِس میں انہیں کو قرآن سنانے بتانے کی نفی ہے نہ کہ اپنے تلاوت کرنے یا اپنی قرآن دانی کی۔ یعنی اے محبوب آپ اِن مطالبہ والے کفار سے فرمادو۔ کہ اگر رب چاہتا کہ میں اسرارِ قرآن کی طرح الفاظِ قرآن بھی تم سے چھپاؤں صرف میں اکیلے میں یا مسلمانوں کے سامنے تلاوت کروں تو میں قرآن کسی کافر کو نہ سناتا یا تو صرف میں ہی پڑھتا یا صرف مسلمانوں کو ہی سناتا۔ چونکہ رب کا ارادہ ہے کہ الفاظِ قرآن سورج کی شعاعوں کی طرح سارے مومنین کافرین تک پہنچائے جائیں اس لیئے میں تم کو سناتا ہوں اور اس کی تلاوت علانیہ کرتا ہوں۔ اس فرمان کا منشا یہ نہیں کہ اگر رب چاہتا تو مجھے نبی نہ بناتا مجھے قرآن نہ سناتا نہ سکھاتا میں تو پہلے خود ہی بےعلم تھا۔ مجھے جبریل نے قرآن سکھایا۔ یہ مطلب مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ۔ کے بالکل خلاف ہے۔ الفاظِ قرآن کو رب نے سورج کی شعاعیں بنایا ہے اور حضور انور کو سچا چمکتا دمکتا سورج۔ سورج سے شعاعیں نکل کر زمین کے چپے چپے پر پھیلتی ہیں اس زبان پاک سے قرآنی آیات نکل کر۔ دل و دماغ کان میں پہنچے ماننا نہ ماننا اُس کا اپنا کام ہے غرضکہ الفاظِ قرآن سمندر کے موتیوں کی طرح چھپانے کے لیے نہیں ہیں۔ پہنچانے اور پھیلانے کے لیئے ہیں وَلَآ اَدْرٰكُمْ بِهٖ یہ عبارت معطوف ہے مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ

پر ہماری قرأت اَدۡرٰی ماضی واحد غائب ہے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے کم ئیں خطاب انہیں کفار سے ہے بہٖ میں ب یا زائدہ ہے یا سببیہ ہ سے مراد قرآن مجید ہے اَدۡرٰی بنا ہے اور دَرَایَۃٌ سے بمعنی بتانا۔ سکھانا۔ یعنی اور نہ اللہ تعالیٰ تم کو قرآن کریم کا مطلب سکھاتا یا نہ اللہ تعالیٰ میری تلاوت کے ذریعہ تم کو قرآنی مطلب بتاتا۔ خیال رہے کہ یہاں بتانے سکھانے سے مراد حضور انور کے واسطے سے بتانا سکھانا ہے نہ کہ بلاواسطہ حضور کے بغیر واسطہ کسی کو قرآن مجید کی کوئی نعمت نہیں ملتی نہ فرمان اور نہ فیضان ایک قراۃ میں اَدۡرٰی مضارع واحد متکلم ہے دَرۡیٌ سے بنا۔ بمعنی دشمن بنالینا۔ یعنی اور نہ میں قرآن کریم کے ذریعہ تم کو اپنا دشمن بنالیتا۔ کیونکہ نزول قرآن سے پہلے تم میرے بڑے معتقد تھے مجھے صادق الوعد امین کے خطاب دیتے تھے۔ نزول قرآن کی وجہ سے تم میرے دشمن بنے۔ اگر رب کا ارادہ نہ ہوتا تو میں تم کو دشمن نہ بناتا۔ (روح المعانی۔ کبیر وغیرہ) فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اس فرمان عالی میں فَ علت بیان کرنے کے لیئے ہے اور یہ عبارت پچھلے مضمون کی دلیل ہے لَبِثۡتُ بنا ہے لُبۡثٌ سے بمعنی قیام کرنا۔ ٹھہرنا نہ کہیں باہر سے آنا نہ کبھی باہر جاکر غائب رہنا۔ فِیۡکُمۡ میں خطاب کفار مکہ خصوصًا ان مطالبہ والوں سے ہے عُمُرًا بمعنی دراز مدت ہے یا عمر شریف کا بڑا حصہ ایک قراۃ میں عُمۡرًا میم کے سکون سے ہے اس مدت سے مراد وہ چالیس سال کا زمانہ جو حضور انور نے ظہور نبوت سے پہلے مکہ معظمہ میں گزارا جبکہ آپ نے انہیں نہ قرآن سنایا نہ انہیں اسلام کی تبلیغ قولی فرمائی۔ خیال رہے کہ عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی۔ نبوت سے پہلے چالیس سال اور ظہور نبوت کے بعد تیرہ سال یعنی کل ترپن سال مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور دس سال بعد ہجرت مکہ معظمہ میں قیام فرمایا یعنی اے مکہ والو میں نے ظہور نبوت سے عمر شریف کا بڑا حصہ چالیس سال تم میں اس طرح گزارا کہ اس دوران میں مکہ معظمہ سے باہر کہیں قیام پذیر نہ رہا تاکہ تم کہتے کہ آپ باہر جاکر علم سیکھ آئے خود مکہ معظمہ میں نہ کسی سے پڑھا نہ کسی سے کچھ سیکھا۔ نہ علماء کی صحبت اختیار کی۔ کیونکہ مکہ میں کوئی عالم ہی نہیں۔ اس مدت میں میں نے نہ کوئی آیۃ تم کو سنائی نہ تمہیں اسلام قبول کرنے اپنا امتی ہونے کا حکم دیا۔ اگر میں اپنی طرف سے تم کو قرآن سناتا تو اس دراز زمانہ میں سناتا۔ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ تم لوگو میرے ان حالات میں غور کیوں نہیں کرتے۔ تم بے عقل کیوں ہوگئے۔ غور کیوں نہیں کرتے۔ شعر۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست کتب خانۂ چند ملت بشست!

کہ حضرت عبداللہ کے یتیم جنہیں کسی عالم کی صحبت نہ ملی چالیس سال تک خاموش رہیں پھر اچانک ایسا فصیح و بلیغ غیب کی خبریں دینے والا قرآن سنانے لگیں۔ جس کے مقابلہ سے روئے زمین کے فصحاء یکدم عاجز ہوگئے۔ شعر

تیرے آگے یوں ہی لپے دبے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کہ کوئی منہ میں زبان نہیں۔ نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

میرے ان صفات میں غور کرو اور قرآن مجید کو کلام الہٰی مان لو۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا کہ غور کرو میں نے ان

چالیس سال میں کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ حتیٰ کہ بتوں کے نام کا ذبیحہ بھی نہ کھایا۔ ایسا پاک باز جو عمر بھر کبھی جھوٹ نہ بولے۔ کھیل تماشہ نہ دیکھے جو سراپا صدق وعدل ہو وہ اچانک سب سے بڑا گناہ کرنے لگے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے اور آیات گڑھ کر انہیں رب تعالیٰ کا کلام کہے کیا اب ایسا پاکباز اتنا بڑا گناہ کرسکتا ہے سوچو اور غور کرو۔ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۔ یہ عبارت معطوف ہے اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ پر اور اس میں کفار مکہ پر عتاب ہے کہ جیسے خدا پر جھوٹ باندھنا پرلے درجہ کا گناہ ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ کی سچی آیتوں کو جھٹلانا پرلے درجے کا جرم ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ اس میں ایک غیبی خبر ہے جس سے حضور انور کی سچائی کفار کے جھوٹے ہونے کی خبر ہے یعنی ایسے جھوٹے مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اگلا زمانہ بتادے گا رب تعالیٰ دکھادے گا کہ تم کامیاب رہو گے اور ایسا ہی ہوا جس کا ظہور آج ہر جگہ خصوصاً زمین حجاز میں ہو رہا ہے۔

خلاصۂ تفسیر اے غلط مطالبہ کرنے والو تم مجھ سے کہتے ہو کہ دوسرا قرآن لاؤ یا اس قرآن میں ترمیم کردو۔ میری شان یہ ہے کہ میں تم کو یہ قرآن بھی رب تعالیٰ کے حکم سے سناتا بتاتا ہوں اگر رب کا ارادہ نہ ہوتا تو یہ قرآن صرف میرے پاس میرے دل ودماغ میں ہی رہتا نہ ہی تمہیں اس کے الفاظ سناتا یہ میرا رب میرے ذریعہ تم کو اس کے مضامین بتاتا اس کے ظاہر وباطن کی تبلیغ میں اسی رب کے ارادے رب کے حکم سے کر رہا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ نبوت سے پہلے میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی چالیس سال تم میں رہ کر اس طرح گزارے ہیں کہ کبھی نہ تو مکہ معظمہ سے باہر رہا نہ خود مکہ معظمہ میں کسی عالم کی صحبت اختیار کی نہ میں نے تم کو قرآن سنایا نہ اسلام کی طرف بلایا۔ اگر مجھے جھوٹا قرآن گڑھنے کی عادت ہوتی تو اس دراز مدت میں کیوں نہ گڑھا کرتا اور تمہیں کیوں نہ سنایا کرتا۔ میرے حالات میں غور کیوں نہیں کرتے کچھ سمجھتے کیوں نہیں۔ جو ذات چالیس سال تک ایک آیتہ نہ سنائے پھر اچانک ایسا فصیح وبلیغ قرآن لائے اور اس سے پہلے کبھی اس نے جھوٹ نہ بولا ہو وہ رب پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہے یہ تو میں نے اپنے متعلق گزشتہ زمانہ کے متعلق کہا۔ آئندہ کے لئے خیال رکھو کہ رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا بھی کامیاب نہیں ہوا کرتا اور رب کی آیات کو جھٹلانے والا بھی یہ لوگ ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ مجرم ہیں اور مجرم ناکام۔ اگلا وقت بتادے گا کہ میں ناکام رہتا ہوں یا تم انشاء اللہ میرا سورج چڑھتا رہے تم ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتے رہو گے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل رب تعالیٰ کی طرف سے ہے حتیٰ کہ قرآن پڑھنا پڑھانا لوگوں کو سنانا انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا سب رب کی طرف سے ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعمال واقوال اور اٹھنا بیٹھنا سب کچھ تبلیغ ہے یہ فائدہ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ منشاء الٰہی یہ ہے کہ ہر کافر ومومن متقی وفاجر کو قرآن مجید سناؤ۔ رب کے احکام پہنچاؤ۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے کفر پر مرنے کا ارادۂ الٰہی ہو چکا ہو اس کا ایمان ناممکن ہو۔ اسے بھی تبلیغ کرو یہ فائدہ عَلَيْكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ عَلَيْكُمْ میں خطاب ان مطالبہ کرنے والے کفار سے ہے جو کافر مرنے والے تھے۔ تیسرا فائدہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم ظہورِ نبوت سے پہلے احکام قرآنی سے خبردار بلکہ خود اُن پہ عامل تھے ۔ ظہورِ نبوت اور نزولِ قرآن سے تبلیغ شروع فرمائی نہ کہ اپنا عمل اس لیے حضور نے کبھی کوئی وہ کام نہیں کیا جو آگے چل کر اسلام میں حرام ہونے والا تھا۔ اور عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ جیسے جُوا شراب گانا بجانا وغیرہ ۔ حتیٰ کہ مردار اور حرام جانور کھانا۔ بتوں کی تعظیم وغیرہ اور حضور پہلے سے ہی رب کے عابد۔ نمازی ۔ معتکف تھے۔ حتیٰ کہ پہلے وحی آنے پر حضور چھ ماہ پہلے سے اعتکاف اور چلّے کشی میں تھے ۔ یہ فائدہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ سے حاصل ہوا چوتھا فائدہ حضور انور کے اوصافِ جمیلہ میں غور کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے بلکہ عبادات کی جان ۔ شعر ۔

ترے رستہ میں مرنا شہادت اس کو کہتے ہیں ترے کوچہ میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

یہ فائدہ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ بعض نبیوں کی نبوت کتاب اللہ سے ثابت ہوئی ۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اس لیئے نبی مانے گئے کہ وہ توریت و انجیل اور معجزات والے تھے خود فرمایا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۔ مگر قرآن کریم کی حقانیت اس کا کتاب الٰہی ہونا عام لوگوں کو حضور انور کے ذریعہ معلوم ہوا۔ ہم جیسے بے علم لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن اس لیئے کتاب اللہ ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ ہے یہ فائدہ بھی فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ سے اشارۃً حاصل ہوا۔ بہت کم وہ صحابہ ہیں جنہوں نے قرآن سے حضور کو پہچانا ۔ جیسے حضرت عمر یا عمرو ابن عاص عام صحابہ اور عام مسلمان وہ ہیں جو انہیں دیکھ کر ان کا نام سن کر ایمان لائے پھر قرآن سے واقف ہوئے ۔

جس نے دیکھا مر ہی گیا ترا چہرۂ انور ہے اعجاز
صلی اللہ علیک وسلم مالک عجم و عرب و حجاز

اسی لیئے حضور انور نے پہلی تبلیغ میں کفار کو پہلے اپنی پہچان کرائی کہ پوچھا كَيْفَ اَنَا فِيْكُمْ اور قرآن نے لوگوں کو رب کا واسطہ دے کر فرمایا کہ حضور کے اوصاف میں غور کرو۔ قُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ خدا کے واسطے ایک ایک دو دو غور کرو ۔ سوچو کہ ان محبوب میں جنون نہیں۔ چھٹا فائدہ کفار کسی عبادت کے مکلف نہیں ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں مگر حضورِ انور کی ذات گرامی اوصاف حمیدہ عادات کریمہ میں غور کرتے کا انہیں بھی تاکیدی حکم ہے کہ یہ ذریعۂ ایمان ہے یہ فائدہ بھی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ سے حاصل ہوا۔ بلکہ انسان کو عقل ہوش و حواس اس لیئے ملے ہیں کہ ان سے حضور کو پہچانے اور حضور کے ذریعہ رب کو قرآن کو مانے ساتواں فائدہ تجربہ ہے کہ جھوٹا مدعیِ نبوت کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اس کا انجام خراب ہی ہوتا ہے یہ فائدہ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ سے حاصل ہوا ۔ چنانچہ عرب میں مسیلمہ کذاب کا اور

ہمارے ملک میں مرزا قادیانی کا عبرتناک انجام سب کو معلوم ہے کہ ہر بات ہر خبر میں جھوٹے ہوئے۔ پھر لعنت و پھٹکار کی موت مر کر جہنم میں پہنچے۔ آٹھواں فائدہ نبی کے دشمن آخر کار ذلیل و خوار ہوتے ہیں ان کے غلام آخر کار سرخ رُو ہوتے ہیں یہ فائدہ اَوْكَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ سے حاصل ہوا۔ کہ ان کے متعلق ارشاد ہوا اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ مجرم لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔

پہلا اعتراض: اس آیۃ کریمہ میں تلاوتِ قرآن اور درایتِ قرآن دو چیزوں کا ذکر ہے مگر تلاوت کو نسبت فرمایا گیا حضور انور کی طرف مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ اور درایۃ کو یعنی علمِ قرآن کو نسبت فرمایا گیا + رب تعالیٰ کی طرف وَلَا اَدْرٰىكُمْ بِهٖ اس فرقِ بیان کی کیا وجہ ہے۔ دونوں کو ایک ہی طریقہ سے بیان کیوں نہ کیا گیا۔ یہ دونوں صیغہ متکلم کے ہوتے یا دونوں واحد غائب کے۔ **جواب** رب تعالیٰ اپنے راز خود ہی جانتا ہے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن ہمیشہ حضور انور کی زبانِ فیض ترجمان سے ہوتی تھی مگر تعلیم قرآن کبھی زبان شریف سے کبھی رمز و اشارات سے کبھی عمل مبارک سے اور کبھی نگاہِ کرم سے۔ اس لئے تلاوت کو صراحۃً حضور انور کی طرف نسبت کیا گیا اور درایۃ قرآن یعنی علمِ قرآن کو رب تعالیٰ کی طرف اگرچہ وہ بھی حضور انور کے واسطے سے ہی ہے مگر دونوں واسطوں میں فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا (الخ) کیا حضور انور نے چالیس سال تک بالکل تبلیغ نہیں کی بعض تو حضور انور کے بچپن شریف میں ہی آپ پر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب کیا وہ بغیر تبلیغ ایمان لائے اور ورقہ ابن نوفل اعلانِ نبوت سے پہلے ایمان لائے **جواب۔** حضور انور کا ہر حال ہر وصف مُبَلِّغ ہے۔ ولادت شریف سے ہی آپ کی عملی وصفی تبلیغ شروع ہو گئی تھی۔ مگر قولی تبلیغ اور باقاعدہ دعوتِ اسلام اس آیۃ کے نزول سے شروع ہوئی۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ سے اس حکم کے بعد جو لوگ ایمان لائے وہ شرعی مسلمان۔ اور حضور انور کے اُمتی ہوئے اس سے پہلے کے مومنین کا یہ درجہ نہ تھا اس لیئے بحیرہ راہب اور ورقہ بن نوفل صحابی نہیں کہ انہوں نے شرعی ایمان سے حضور انور کو بحیثیتِ نبی نہیں دیکھا اس وجہ سے اول مومنین حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت خدیجہ۔ حضرت علی ہیں۔ بحیرہ یا ورقہ اول مومنین نہیں۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پہ جھوٹ باندھے یا اس کی آیات جھٹلائے مگر دوسری آیت سے معلوم ہے کہ بڑا ظالم مشرک ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب۔** شرک بھی اللہ پر جھوٹ باندھنا اور آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلانا ہے وہ خاص ہے یہ عام۔

تفسیر صوفیانہ حضور انور کی روحانی تبلیغ عالمِ ارواح میں ازل سے قائم ہے کہ تمام انبیاء اولیاء اُس عالَم میں حضور سے سیکھ کر سب کچھ بنے امام بوصیری فرماتے ہیں۔ شعر۔

فَاِنَّكَ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا   يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

حضور کمال کے سورج ہیں سارے نبی تارے حضور کا فیض لوگوں تک پہنچاتے ہیں عالمِ اجسام میں حضور کی باطنی تبلیغ ولادت پاک سے شروع ہوئی۔ قولی تبلیغ وحی سے شروع ہوئی اور تا قیامت جاری رہے گی۔ علماء اولیاء صالحین حضور

کے آستانہ عالیہ کے جاکر بلکہ آپ کے نائب ہو کر حضور کی طرف سے تبلیغ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ مؤذن جو پانچ وقت نماز کی طرف مسلمانوں کو بلاتا ہے وہ بلاوا بھی حضور انور کا حکم ہے مؤذن ان کا نائب ہو کر دعوت نماز دیتا ہے۔ جیسے دن اور رات دونوں وقت روشنی سورج ہی کی ہوتی ہے اور ظہر و عصر بھی سورج سے بنتی ہے اور مغرب عشاء فجر بھی سورج ہی کا فیض ہے۔ یوں ہی حضور کی ظاہری موجودگی میں بھی حضور کے فیض جاری تھے اور تشریف آوری سے پہلے اور پردہ فرمانے کے بعد اَبَدُالآباد تک حضور ہی کا فیض رہے گا ہوشیار فرماتے ہیں کہ رب پر جھوٹ گڑھنے والے کفر کی قید سے ھَوٰی کے حجاب بُعد یعنی دوری کے عذاب۔ نفس کے دوزخ سے کبھی رہائی نہیں پا سکتے تین خصلتوں میں نجات ہے۔ وہ اسلام جو ظلم سے خالص ہو۔ حلال غذا۔ اعمال میں سچائی۔ اور تین جھوٹ بدترین ہیں۔ جھوٹا خواب بیان کرنا۔ اپنے نسب میں جھوٹ بولنا یعنی اپنے ماں باپ کو جھوٹے قرار دینا اور اللہ رسول پر جھوٹ بولنا کہ غلط مسائل ان کی طرف نسبت کرنا۔ قرآن مجید کے احکام سورج کی شعاعوں کی طرح سب میں عام ہیں قرآن کے اسرار سمندر کے موتیوں کی طرح خاص خاص سینوں میں ہیں۔ احکام کے متعلق یہاں ارشاد ہوا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ (الخ)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
اور عبادت کرتے وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی جو نہ نقصان دیں ان کو اور نہ نفع دیں
اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا کچھ بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ
ان کو اور کہتے ہیں کہ یہ چیزیں شفاعت کرنے والے ہیں ہماری نزدیک اللہ کے فرماؤ تم کیا
کہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں تم فرماؤ کہ اللہ کو
اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ
خبر دیتے ہو تم لوگ اللہ کو اس چیز کی جو نہیں جانتا وہ آسمانوں میں اور زمین میں پاک ہے وہ
وہ بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں اسے
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱
اور بلند تر ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں وہ
پاکی اور برتری ہے ان کے شرک سے

تعلق ۔ اس آیۂ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار عرب کی ان بے ادبیوں بے دینوں کا ذکر ہوا جو وہ قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کرتے تھے ۔ یعنی یہ قرآن ختم ہو جائے دوسرا قرآن آئے یا آپ اس قرآن میں ترمیم کریں اب انکی اس بے ادبی کا ذکر ہے جو وہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق کرتے تھے یعنی اس کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنا انہیں شفیع جاننا تاکہ حضور انور کے دل کو تسکین ہو کہ جب یہ بارگاہ الٰہی کے ایسے گستاخ ہیں تو ان سے ہماری گستاخی کیا بعید ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوتے ہمیشہ ناکام ہی رہتے ہیں اب اس کا آنکھوں دیکھا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو کفار عرب حضور انور اور قرآن کریم کے منکر ہیں یہ دونوں آیات الٰہیہ ہیں ۔ اس جرم کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ تک نہ پہنچ سکے اس کے متعلق ٹھوکریں ہی کھاتے ہیں کہ نبی کو چھوڑا تو بتوں سے رشتہ جوڑا ۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں غور نہیں کرتے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا ۔ اب ارشاد ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی قدرتوں رحمتوں میں بھی غور نہیں کرتے اس لیئے ٹھوکریں کھاتے ہیں رب کی ذات و صفات میں غور یہ ہے کہ حضور کی صفات میں غور کیا جاوے ۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اب اس بڑے ظالم کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ وہ مشرکین ہیں جو کہتے ہیں کہ رب نے بتوں کو ہمارا شفیع بنایا ہے ۔

شان نزول ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ ایک بار نضر ابن حارث نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ قیامت میں میری شفاعت لات و عزیٰ کریں گے ۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری ۔ (روح المعانی) خیال رہے کہ لات طائف والوں کا خصوصی بت تھا اور منات عزیٰ ہُبل اساف نائلہ مکہ والوں کے خصوصی بت تھے ۔ (روح المعانی) سارے مشرکین کہتے تھے کہ بت ہمارے شفیع ہیں اور ان کی شفاعت دعوئیں کی مانتے تھے ۔

تفسیر وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۔ یہ فرمان عالی یا تو معطوف ہے وَإِذَا تُتْلٰى (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ۔ عبادت کے معنی اس کے اقسام جانی عبادت قربانی مالی ۔ عبادت صدقہ و خیرات بدنی عبادت سجدے وغیرہ اور مِنْ دُونِ اللّٰهِ کے بہت سے معانی پہلے بارہا بیان ہو چکے کہ دُونَ کے معنی ۔ الگ ۔ دُور ۔ کٹا ہوا ۔ مقابل ۔ سوا ۔ علاوہ ہیں جب یہ لفظ عبادت کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں سوا کہ عبادت اللہ کے سوا کسی کی ہو شرک ہے اور اگر یہ لفظ مدد وغیرہ کے بعد ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مقابل تاکہ آیتہ میں تعارض نہ ہو ۔ یہاں دون اللہ چونکہ عبادت کے ساتھ ہے لہٰذا اس کے معنی سوا ہیں اور سوا سے مراد مشرکین کے آسمانی یا زمینی بت ہیں آسمانی بتوں میں چاند تارے سورج اور زمینی بتوں میں درخت پانی اور پتھر لکڑی کے تراشے ہوئے بت یا وہ لوگ ہیں جن کے نام کے یہ بت تھے ۔ اس میں انبیاء کرام داخل نہیں کیونکہ مشرکین عرب کسی نبی کو نہیں پوجتے تھے نبی کے پجاری عیسائی یا یہود ہیں وہ مکہ معظمہ میں تھے نہیں وہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کو اپنا مورث اعلیٰ تو کہتے تھے اُن کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے مگر انہیں اللہ کے سوا معبود نہیں مانتے تھے اس لیئے ارشاد ہے ۔ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۔ یہ عبارت يَعْبُدُونَ کا مفعول ہے مَا غیر عاقل چیز کے لیئے

آتا ہے چاند سورج تارے اینٹ پتھر درخت وغیرہ ۔ ضر سے مراد عبادت نہ کرنے کا نقصان ہے یعنی سزا اور نفع سے مراد عبادت کرنے کا نفع ہے یعنی ثواب ورنہ چاند سورج وغیرہ یوں ہی لکڑی پتھروں سے بہت نفع پہنچتے ہیں اور کبھی نقصان بھی ۔ بعض روایات میں ہے کہ کعبۂ معظمہ میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے نام بجت بھی تھے ۔ جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے اور ظاہر ہے کہ وہ پتھر اور خود حضرات انبیاء کرام معبودیت کا نفع نقصان نہیں دے سکتے لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل بے غبار ہے یہاں تک تو ان مشرکین کی بدعملی کا ذکر ہوا ۔ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ یہ عبارت معطوف ہے يَعْبُدُوْنَ پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ عبارت يَعْبُدُوْنَ کے فاعل کا حال ہے اور واؤ حالیہ قول سے مراد یا تو ان کا زبانی قول ہے یا دلی قول یعنی عقیدہ ۔ هٰٓؤُلَآءِ سے اشارہ انہیں جھوٹے معبودوں کی طرف ہے ۔ شُفَعَآء جمع ہے شفیع کی یعنی سفارشی شفاعت کے معانی اس کے اقسام ہم تیسرے پارے میں آیۃ الکرسی کی تفسیر مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ میں عرض کر چکے ہیں ۔ یہاں شفاعت سے مراد دنیاوی کاموں میں شفاعت کرنا ۔ کیونکہ عام مشرکین عرب قیامت کے قائل نہ تھے ۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ کہنا مسلمانوں پر طعن کے طریقے سے ہو کہ اگر بالفرض قیامت قائم ہو بھی تو ہمارے بت ہماری سفارش کر کے ہمیں خدا کے عذاب سے بچا لیں گے ان کی پوجا ہماری نجات کا باعث بن جاوے گی اور ہو سکتا ہے کہ بعض مشرکین قیامت کے قائل ہوں وہ یہ کہتے ہوں ۔ خیال رہے کہ عموماً مشرکین صرف بتوں کو پوجتے ہیں رب تعالیٰ کو مطلقاً نہیں پوجتے وہ کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ رب کریم اعلیٰ سے اعلیٰ ہے ہم اس سے ادنیٰ ہم اس کی عبادت کے لائق نہیں ہم تو صرف ان معبودوں کی عبادت کریں گے جو بڑے خدا کے بندے بھی ہیں اور اس کے شریک بھی (تفسیر خازن) یہ بھی خیال رہے کہ مشرکین اپنے بتوں کے متعلق دھونس اور دباؤ کی شفاعت مانتے تھے ۔ کہ چونکہ ہمارے معبود ہی رب تعالیٰ کا کام چلا رہے ہیں رب ان کے بغیر دنیا کو نہیں سنبھال سکتا اس لیئے رب کو دب کر ان کی شفاعت ماننی پڑتی ہے کہ اگر یہ اس سے ناراض ہو کر ہڑتال کر دیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے ۔ وہ شفاعت بالمحبۃ شفاعت بالوجاہت جو شفاعت بالاذن ہے اس کے قائل نہ تھے مشرکین کے عقیدۂ شفاعت اور مسلمانوں کے عقیدۂ شفاعت میں تین طرح کا فرق ہے مومنین محبوبانِ خدا کی شفاعت مانتے ہیں کفار مردودین کی ۔ مومنین مقبولوں (یعنی مومنوں) کے لیئے شفاعت مانتے ہیں کفار مردودوں کافروں کے لیئے ۔ مومنین شفاعت بالاذن بالمحبۃ شفاعت بالاذن مانتے ہیں ۔ کفار دھونس کی شفاعت کے قائل ہیں ہم نے اس کی مکمل بحث اپنی کتاب علم القرآن میں کی ہے وہاں مطالعہ کرو ۔ قُلْ اَتُنَبِّــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۔ قُل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ۔ اور اَتُنَبِّــُٔوْنَ میں خطاب انہیں بدعقیدہ کفار سے جن کا یہاں ذکر ہے ۔ نَبَأ شاندار اور اہم خبر کو کہا جاتا ہے ۔ لَا يَعْلَمُ کا مطلب یہ ہے جو چیز رب تعالیٰ جانتا نہیں کیونکہ وہ ہے ہی نہیں اگر ہوتی تو رب ضرور جانتا کیونکہ وہ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہے یہاں علم کی نفی معلوم کی نفی کی بنا پر ہے چونکہ مشرکین کے معبود آسمانی اور زمینی چیزیں ہی تھیں اس لیئے فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ فرمایا لہٰذا اس فرمان کا مطلب نہ تو یہ ہے کہ یہ بت شفیع

تو ہیں مگر انہیں رب جانتا نہیں نہ یہ مطلب ہے کہ رب کے شریک زمین و آسمان میں تو نہیں دوسرے عالم میں ہو سکتے ہیں۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ اس فرمان عالی میں مذکورہ بت پرستوں کی پرزور تردید ہے۔ اُن کے شرک سے مراد انکا بتوں کی پرستش کرنا ہے اور انہیں اپنا دھونس کا سفارشی ماننا۔ یہ دونوں باتیں شرک ہیں۔ عَمَّا میں مَا یا تو مصدریہ ہے یا موصولہ یعنی رب تعالیٰ اُن کی اِس جھوٹی عبادت سے جو شرک ہے پاک و برتر ہے یا رب تعالیٰ اُن بتوں سے پاک اور بلند بالا ہے جنہیں وہ خدا تعالٰے کا شریک مانتے ہیں۔ (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر اے محبوب یہ ایسے مطالبے کرنے والے کفار ایسے بے وقوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن بے عقل بے جان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کچھ فائدہ نہیں دیتی بلکہ مُضر ہے اور اُن کی عبادت نہ کرنا نقصان دہ نہیں بلکہ مفید ہے۔ ایسی بے فائدہ اور بے ضرر چیزوں کو پوجنا جن سے یہ خود بہتر ہیں۔ کتنی بڑی حماقت ہے۔ پھر طُرّہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ بت بارگاہِ الٰہی میں ہمارے سفارشی اور شفیع ہیں کہ جب ہم پر کوئی مصیبت آجاوے تو یہ رب سے ہماری سفارش کر کے وہ مصیبت ٹال دیتے ہیں اور ہمارے اٹکے ہوئے کام بنوا دیتے ہیں رب کو ان کی بات ماننا پڑتی ہے ان بے وقوفوں سے فرماؤ کہ کیا تم وہ بات بتلاتے ہو جو اسے معلوم نہیں۔ رب کے علم میں تمہارا شفارشی نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں اور جو چیز اس کے علم میں نہیں وہ واقعہ میں ہی نہیں ہوتی کہ اگر واقعہ میں ہوتی تو رب اسے ضرور جانتا کہ وہ عَلَّامُ الْغُیُوْب ہے۔ تمہارے یہ عقیدے محض شرک ہیں رب تعالٰے شرک سے پاک ہے وہ بے عیب ہے۔

بت پرستی کی ابتداء بت پرستی کی ابتداء قوم نوح علیہ السلام سے ہوئی کہ ان میں پانچ نیک آدمی تھے۔ وُدّ۔ سُواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نَسْر۔ لوگوں کو اُن سے بڑی محبت تھی کہ وُدّ فوت ہو گیا۔ جس پر قوم بہت غمگین ہوئی۔ حتیٰ کہ بہت لوگ اس کی قبر پر جا بیٹھے۔ یہ واقعہ شہر بابل میں ہوا۔ جو کوفہ کے پاس تھا۔ اُن لوگوں کے پاس ابلیس شکل انسانی میں آیا اور بولا کہ میں تمہارے لیے وُدّ کی تصویر بنائے دیتا ہوں کہ تم اسے دیکھ کر وُدّ کو یاد کر لیا کرو۔ لوگ بولے ہاں ضرور۔ اس نے یہ ہی کیا اور لوگ اس تصویر کے آس پاس جمع ہو گئے پھر باری باری سواع۔ یغوث وغیرہ چار آدمی بھی فوت ہوئے ابلیس ان کی تصویریں بنا بنا کر اُن لوگوں کو دیتا رہا۔ ان تصویروں کے وہ نام رکھے گئے جو ان پانچوں صالحین کے تھے۔ اس زمانہ میں تو اتنا ہی ہوا۔ جب یہ لوگ ختم ہوئے ان کی اولاد کا زمانہ آیا تو ابلیس اُن سے بولا کہ تمہارے باپ دادے اِن تصویروں کو پوجتے تھے یہ لوگ تصاویر کے پجاری بن گئے انہیں نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی مگر اُن لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی۔ حتیٰ کہ طوفانِ نوحی آیا اور یہ تصاویر پانی میں بہہ کر جدّہ پہنچ گئیں۔ عرب میں بت پرستی لانے پھیلانے والا عمرو ابن لُحَیّ تھا۔ یہ شام کے علاقہ میں گیا۔ وہاں بت پرست دیکھے ان سے ایک بت عقیق کا لایا جسے ھبل کہتے تھے۔ وہ کعبہ معظمہ میں رکھا۔ اس کی پرستش شروع کر دی اس عمرو نے بحیرہ۔ سائبہ۔ حام وسیلہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑنے کا رواج عرب میں ڈالا (تفسیر روح البیان)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ غیر خدا کسی کی عبادت شرک ہے۔ عبادت کے لائق وہ ذاتِ واحد ہے یہ فائدہ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں مِنْ دُوْنِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس حکم میں نبی ولی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں۔ عبادت۔ تعظیم اور اطاعت کا فرق خیال میں رہے۔ دوسرا فائدہ اللہ کے سوا بڑی سے بڑی مخلوق کی عبادت نفع نقصان نہیں دے سکتی کہ اپنی عبادت پر ثواب اور عبادت نہ کرنے پر عذاب یہ فائدہ مَا لَا يَضُرُّهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ تیسرا فائدہ عام مشرکین اپنے معبودوں کو عالم کا خالق۔ رازق۔ موت و زندگی کا مالک نہیں مانتے تھے بلکہ انہیں خدا رسی کا ذریعہ اور اپنا سفارشی حمایتی مانتے تھے۔ دوسری جگہ اُن کا قول قرآن کریم نے یہ نقل فرمایا۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى یہ فائدہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا سے حاصل ہوا۔ ہاں ان میں بعض دہریے تھے جو رب کی ذات کے انکاری تھے۔ وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ۔ بعض لوگ دو خالق مانتے تھے۔ خالقِ خیر کو یزدان کہتے تھے خالقِ شر کو اہرمن مگر عام مشرکین ایک ہی خدا کو مانتے تھے بتوں کو خدا رساں۔ چوتھا فائدہ مقبول بندوں کی شفاعت بالاذن مومنوں کے لیئے برحق ہے اُس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اس شفاعت کی اور بہت آیتیں ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب فہرست القرآن۔ یہ فائدہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا میں هٰٓؤُلَآءِ سے حاصل ہوا۔ کہ هٰٓؤُلَآءِ سے اشارہ بتوں کی طرف ہے۔ پانچواں فائدہ کسی شفیع کی پرستش کرنا یا کسی کی شفاعت جبر اور دھونس والی ماننا شرک ہے۔ یہ فائدہ شُفَعَآؤُنَا (الخ) سے حاصل ہوا کہ شفاعت سے اُن کی دھونس والی شفاعت تھی۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن اور تفسیر میں اور آیۃ الکرسی کی تفسیر میں دیکھو۔ رب کی بارگاہ میں جو بھی شفاعت کرے گا۔ محبت یا وجاہت کی شفاعت جو کہ شفاعت بالاذن کی قسمیں ہیں کرے گا بلکہ شفاعت بالاذن پر قیامت کے حساب و کتاب کا افتتاح ہوگا۔ شعر۔

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے مولیٰ رو رو کے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

چھٹا فائدہ۔ غیر واقعی خبر رب کو معلوم نہیں کہ یہ علم نہیں جہالت ہے۔ رب تعالیٰ ایسے علم سے پاک ہے یہ فائدہ لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ۔ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض، اس آیۃ کریمہ میں بتوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ نہ نفع دیں نہ نقصان حالانکہ بت سے نفع نقصان ہوتا ہے لکڑی پتھر زخمی کر دیتے ہیں ان سے بہت کام چلتے ہیں یوں ہی چاند سورج وغیرہ سے بڑے نفع ہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں نفع نقصان سے مراد عبادات کا نفع نقصان ہے۔ کہ اپنے عابدوں کو ثواب دیں، عبادت نہ کرنے والوں کو عذاب دیں۔ یہ صرف رب تعالیٰ معبودِ حقیقی کی شان ہے۔ دوسرا اعتراض اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین رب تعالیٰ کی واحدنیت کے قائل تھے۔ اپنے معبودوں کو خدا نہیں مانتے تھے۔ بلکہ خدا رسی کا ذریعہ مانتے تھے پھر وہ مشرک کیوں تھے وسیلہ تو مسلمان بھی مانتے ہیں۔ یہ نبیوں ولیوں کو خدا رسی کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ جواب وہ بتوں کو وسیلہ مانتے تھے اور بت شرد و دتھے مسلمان حضرات انبیاء اولیاء کو وسیلہ مانتے ہیں جو محبوبین ہیں لہٰذا وہ مشرک ہوئے یہ مومن جیسے مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ آبِ زمزم کی تعظیم و احترام کرتے ہیں۔ بکہ معظمہ کا احترام کرتے ہیں مومن ہیں اور کفار ہم کے بت کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ گنگا کی تعظیم کرتے ہیں ہنردوار کا احترام کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ وسیلہ وسیلہ

میں فرق ہے۔ نیز مومن نبیوں ولیوں کو صرف وسیلہ مانتے ہیں انہیں معبود نہیں جانتے نہ اُن کی عبادت کرتے ہیں کفار ان بتوں کو وسیلہ مان کر انہیں معبود جانتے انہیں پوجتے ہیں۔ دیکھو ارشاد ہے یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یہ فرق خیال میں رہے رب فرماتا ہے وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ بارگاہِ الٰہی کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اور فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ۔ جو اپنی جان پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجائے تو رب کو توّاب ورحیم پائے گا۔ تیسرا اعتراض۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ کسی کو رب کی بارگاہ میں شفیع ماننا شرک ہے۔ دیکھو یہاں کفار کا یہ قول نقل فرمایا۔ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُنَا۔ پھر فرمایا وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ کسی کو شفیع ماننا شرک ہے۔ مسلمان بھی نبیوں ولیوں کو اپنا شفیع سفارشی مانتے ہیں لہٰذا مشرک ہیں (اسماعیل دہلوی وہابی) جواب مسلمان ان محبوبوں کو شفیع مانتے ہیں جو واقعی شفیع ہیں کفار ان بتوں کو شفیع مانتے ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ یہ وہی فرق ہے جو ابھی کعبہ اور بت زمزم اور گنگا جل۔ مکہ معظمہ اور متھرا کے متعلق عرض کیا گیا۔ نیز مومن شفاعت والوں کی عبادت نہیں کرتے۔ کفار اپنے شفیعوں کی عبادت کرتے ہیں نیز کفار اپنے بتوں کی دھونس والی شفاعت مانتے ہیں کہ رب تعالٰے مجبوراً ان کی سفارش مانتا ہے۔ مسلمان محبت والی وجاہت والی شفاعت کے قائل ہیں ان فرقوں کی وجہ سے ان دونوں جماعتوں میں فرق ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور علم القرآن میں دیکھو۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں یہ کیوں فرمایا گیا کہ اللہ تعالٰے آسمانوں اور زمین میں شفیع نہیں جانتا کیا اس کے علم میں کمی ہے۔ جواب رب کے علم میں نہ کمی ہے نہ غلطی غیر واقعی چیز کو واقعی جاننا علم نہیں بلکہ جہالت ہے بت یا چاند سورج کفار کے سفارشی نہیں اگر رب تعالٰی انہیں سفارشی جان لے تو اس کے علم میں غلطی ہو۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ بہرحال یہاں علم کی نفی کی بنا پر ہے۔ پانچواں اعتراض یہاں ارشاد ہوا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ کہ رب تعالٰی ان کا سفارشی آسمان وزمین میں نہیں جانتا تو کیا آسمان و زمین کے سوا کسی اور عالم میں کفار کے شفیع موجود ہیں۔ یہ قید کیوں لگائی گئی۔ جواب یہاں آسمان وزمین کی قید کفار کے عقیدے کے لحاظ سے ہے کیونکہ مشرکین زمینی اینٹ پتھر لکڑی کو اور آسمانی چاند سورج تاروں کو ہی اپنا شفیع جانتے تھے۔ عالم ارواح یا عالم امر یا عالم انوار کی کسی چیز کو شفیع نہیں مانتے تھے۔ چھٹا اعتراض۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ جیسے کفار اپنے بتوں کی شفاعت کی آس لگائے ہوئے تھے۔ ایسے ہی آج بہت لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہیں۔ وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کی قبور کی تعظیم سے یہ لوگ ہمارے شفیع ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ قبروں کی تعظیم اور قبر والوں کو شفیع جاننا طریقہ کفار ہے۔ جواب: تفسیر کبیر کا یہ قول ان بے دین لوگوں کے متعلق ہے جو اپنے آپ کو نماز روزے اور احکام شرعیہ سے بے نیاز جانیں۔ صرف قبوں کی سجاوٹ وہاں سجدے کرنے کو اپنی نجات کا ذریعہ جانیں جیسا کہ آج کل عام ہے بے دین جنگی چرسی فقیروں کو دیکھا جاتا ہے واقعی یہ صریحی کفر ہے اگر تعظیم قبر مومن شرک ہے تو کیا حضور انور کے روضہ مبارک کی تعظیم شرک کہو گے۔ رب فرماتا ہے وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ اور یہ قبور شَعَآئِرُ اللّٰہِ ہیں جب صفا مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ کے قدم پڑ جانے سے شَعَآئِرُ اللّٰہِ بن گئے تو جہاں حضور سو رہے ہیں وہ جگہ شعائر اللہ کیوں نہ ہوگی۔ تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہے

وَنَظِيْرُہٗ فِیْ هٰذَا الزَّمَانِ اِشْتِغَالُ کَثِیْرٍ مِّنَ الْخَلْقِ بِتَعْظِیْمِ قُبُوْرِ الْاَکَابِرِ عَلٰی اِعْتِقَادِ الخ اس عبارت میں لفظ اشتغال قابل غور ہے۔

تفسیر صوفیانہ بہت سے اعمال اور عقیدے مومنین اور کافرین کے یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت ان میں بہت فرق ہوتا جس کی وجہ سے وہ عقیدہ کفار کے لئے کفر اور مومنوں کے لئے ایمان بن جاتا ہے ان میں سے عقیدئے شفاعت بھی ہے۔ کفار بتوں کی شفاعت مانتے ہیں مومن نبیوں ولیوں قرآن ماہ رمضان چھوٹے بچوں وغیرہم کی۔ کفار کافروں کے لئے شفاعت مانتے ہیں مومن مسلمانوں کے لئے کافر جبر اور دھونس کی شفاعت جس کے ماننے پر رب تعالٰے مجبور ہو مومن محبت وکرم و وجاہت کی شفاعت مانتے ہیں وہ بھی بالاذن کہ رب نے جس کو اجازت دی ہے اور جس قوم کی شفاعت کی اجازت دی وہ اسی قوم کے لئے شفاعت کرے گا۔ کفار اپنے خیالی شفیعوں کو معبود مان کر ان کی پرستش کرتے ہیں مومن کسی کی پرستش ہرگز نہیں کرتے کفار اپنے خیالی شفیعوں کو خدا تعالٰے کی خدائی میں حصہ دار سمجھتے ہیں کہ عالم کا پیدا کرنے والا رب ہے اسے سنبھالنے والے بت کیونکہ رب تعالٰے میں سنبھالنے کی طاقت نہ رہی وہ تھک کر بیکار ہو چکا۔ مومن اس ناپاک عقیدے سے کوسوں دور کافر اپنے خیالی شفیعوں کو رب تعالٰے کے برابر سمجھتے ہیں ان وجوہ سے شفاعت کا ماننا کفر و شرک بھی ہے۔ اور بربادیٔ ایمان بھی۔ کفار کی سی شفاعت ماننا کفر ہے۔ اسلامی شفاعت ماننا رکن ایمان ہے یہ ہی حال نسبتوں کا ہے۔ گندوں کی نسبت سے منسوب گندا ہو جاتا ہے۔ ستھروں کی نسبت سے منسوب ستھرا۔ مندر مسجد آب زمزم۔ گنگا جل عید بقر عید اور ہولی دیوالی۔ کعبۂ معظمہ اور بت۔ مکہ مدینہ اور متھرا دوارکا ہر جگہ پر نسبت کا فرق جلوہ گر ہے۔ یوں ہی بعض سینے کینے والے ہیں اور بعض سینے مدینہ ہیں رب تعالٰے نسبت اچھی کرے۔ شعر

گر دل میں رہے سودا ان کا دل عرش معلیٰ ہو جائے
گر سر میں کھچے نقشہ ان کا سر گنبد خضرا ہو جائے

گلشن میں بھنے دیکھا ہے پھولوں میں خار بھی رہتے ہیں
اے شاہ عرب مجھ بد کا بھی طیبہ میں گزارہ ہو جائے

جسمانی نسل نسب سے ہے روحانی نسل نسبت سے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ

اور نہیں تھے لوگ مگر گروہ ایک پس اختلاف کر بیٹھے

اور لوگ ایک امت ہی تھے پھر مختلف ہوئے اور اگر تیرے رب کی

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور اگر نہ ہوتا فرمان گذر چکا طرف سے رب کے تمہارے البتہ فیصلہ کر دیا جاتا

طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو یہیں ان کے اختلاف

فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ

درمیان اُن کے اُس میں کہ تھے وہ اس میں اختلاف کرتے اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری

کا ان پر فیصلہ ہو گیا ہوتا کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ

گئی اُن پر کوئی نشانی طرف سے اُن کے رب کے پس فرما دو تم اس کے سوا نہیں کہ غیب اللہ کا ہی

کوئی نشانی کیوں نہیں اتری تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لیے ہے اب

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۲

ہے پس انتظار کرو تحقیق میں بھی انتظار کرنے والوں سے ہوں

راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں بت پرستی کی خرابی اور بت پرستوں کی برائی کا ذکر ہوا کہ یہ عمل خلافِ عقل ہے کہ اشرف المخلوق انسان ارذل مخلوق لکڑی پتھر کو سجدہ کرے اور بنانے والا بت تراش اپنے بنائے ہوئے بت کی عبادت کرے اب ارشاد ہے کہ یہ حماقت انسانوں میں ہمیشہ کی نہیں ہے ہمیشہ سے تو وہ مومن عابد الٰہی تھا یہ چیز بعد کی پیداوار ہے گویا بت پرستی کی ایک خرابی کے بعد اس کی دوسری خرابی کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اہل عرب کی بت پرستی کی برائی مذکور ہوئی اب ارشاد ہے کہ اے عربیو! یہ تمہارے والد ابراہیم کا دین نہیں ان کا اور ان کی وجہ سے تم سب کا دین اسلام ہے یہ بت پرستی تو عمرو ابن لحی نے تم میں پھیلائی تاکہ اہل عرب اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف مائل ہوں۔ یہ تعلق اُس صورت میں ہے کہ یہاں النّاس سے مراد اہل عرب ہوں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں شرک و بت پرستی کی برائی بیان ہوئی اب ارشاد ہے کہ یہ وہ دین ہے جو تم نے زمین پر آکر بیروں کی صحبت سے حاصل کیا۔ تمہارا عرشی دین جو تم سب عالم بالا سے لائے تھے وہ توحید ہے۔ کیونکہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے زمین پر آکر یہودی مجوسی وغیرہ بنتا ہے۔ یعنی تمہارے یہ عقیدے عقل کے بھی خلاف ہیں اور فطرت کے مخالف۔

تفسیر وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۔ اس فرمانِ عالی کی چھ تفسیریں ہیں ۱؎ عالم ارواح میں سارے انسان ایک جماعت یعنی مومن تھے کہ سب نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں بلٰی کہا تھا۔ یہ سارے لوگ دنیا میں اسی دین پر آئے پھر یہاں آکر اختلاف کر بیٹھے کہ بعض مومن رہے بعض کافر ہو گئے۔ اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ان کے ماں باپ انہیں یہودی مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں ۲؎ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں سارے لوگ قتلِ ہابیل تک ایک جماعت یعنی مومنین تھے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تب ان لوگوں میں اختلاف ہو گیا کہ بعض مومن رہے بعض کافر ہو گئے ۳؎ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ادریس علیہ السلام کے زمانہ تک سارے انسان ایک جماعت یعنی مومن رہے پھر زمانہ ادریس علیہ السلام میں آپس میں جھگڑ بیٹھے کہ بعض مومن رہے بعض کافر بن گئے جن میں تبلیغ کے لیئے نوح علیہ السلام بھیجے گئے۔ ۴؎ طوفان نوحی کے بعد سارے لوگ ایک گروہ یعنی مومن تھے کیونکہ کافر سارے ڈبو دیئے گئے تھے آپ کی اس بد دعا سے کہ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا پھر بعد میں جھگڑ پڑے کہ کچھ مومن رہے کچھ کافر ہو گئے ان چاروں تفسیروں میں انسان سے مراد سارے انسان ہیں ۵؎ عرب کے لوگ حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ایک گروہ یعنی مومن تھے پھر عمرو ابن لحی نے کفر بت پرستی۔ بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیا۔ تب ان میں اختلاف پیدا ہوا کہ کچھ لوگ دین ابراہیمی پر رہے اور کچھ لوگ عمرو ابن لحی کے بہکانے میں آ گئے۔ اس صورت میں الناس سے مراد عرب کے لوگ ہیں ان تفسیروں کی تائید حضرت ابن مسعود کی قرأت ہے وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلٰى هُدًى ۔ ان سب صورتوں میں اُمَّةً وَّاحِدَةً سے مراد جماعت مومنین ہے اور ف بمعنی فوراً نہیں بلکہ بمعنی پھر ہے یعنی صرف بعدیت بیان کرنے کے لیئے ہے۔ حضرت ابن عباس۔ سدی۔ مجاہد۔ جبائی۔ ابو مسلم مفسرین نے یہ ہی تفسیر کی (روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ) ۶؎ حسن اور کلبی کہتے ہیں کہ یہاں امت واحد سے مراد کفر پر متفق لوگ ہیں یعنی لوگ ایک جماعت یعنی سب کافر تھے پھر بعد میں بعض لوگ ایمان لائے اور ان میں اختلاف ہوا کہ بعض کافر رہے اور بعض مومن ہو گئے ان کی دلیل وہ آیت ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ خلاصہ یہ کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد یا ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی دور میں سارے لوگ کافر تھے مگر یہ تفسیر ضعیف ہے کیونکہ ایسا زمانہ کبھی نہیں آیا۔ جبکہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہ رہا۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی مومن ضرور رہا۔ یہ تو قریب قیامت ہوگا کہ ایک بھی مومن نہ رہے گا حتی کہ عیسٰی و امام مہدی کی بھی وفات ہو جائے گی لہٰذا وہ پانچ تفسیریں قوی ہیں (روح المعانی و کبیر۔ خازن) اس کی تفسیر صوفیانہ ان شاء اللہ بعد میں کی جاوے گی۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں کلمہ سے مراد حق تعالیٰ کا فیصلہ اور وہ طے شدہ پروگرام ہے جو اول ہی طے ہو چکا ہے کہ دنیا عمل کی جگہ اور آخرت سزا یا ثواب کی جگہ۔ یا رب تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اس لیئے مجرم کو بہت ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ اسے توبہ کا موقعہ کافی ملے یا رب تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے کہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

وَاَنْتَ فِیْهِمْ یعنی اے محبوب تمہارے ہوتے ہوئے ہم ان کفار کو عذاب نہ دیں گے۔ اس لیئے یہاں رَبِّكَ فرمایا کہ معلوم ہو کہ یہ فیصلہ اسی بنا پر ہے کہ وہ تمہارا رب ہے اور تم جہانوں کے لیئے رحمت والے نبی۔ رحمت کے ہوتے عذاب نہیں آتا۔ رب کے معنیٰ اور رب تعالیٰ کی رُبوبیت کی اقسام سورہ فاتحہ رب العالمین کی تفسیر میں عرض کئے گئے اور ربك۔ ربکم رب العٰلمین اور رب الناس کا فرق آٹھویں پارہ ص۱۲۲ میں عرض کیئے جا چکے ہیں، وہاں مطالعہ فرماؤ۔ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ یہ فرمان عالی لولا کی جزا ہے۔ فیصلہ سے مراد یا تو قیامت والا فیصلہ ہے یعنی کفار کو دوزخ میں جھونک دینا۔ مومنوں کو جنت میں پہنچا دینا اور یا دنیا میں پچھلی قوموں کی طرح عذاب بھیجنا انہیں تباہ کر دینا وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ اس فرمانِ عالی میں کفار مکہ کا دوسرا جرم بیان ہوا۔ یہ عبارت یا تو یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پر معطوف ہے یَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآءُ (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے بعض نے فرمایا کہ یَقُوْلُوْنَ بمعنیٰ قَالُوْا ہے اور یہ عبارت قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ (الخ) پر معطوف ہے۔ ماضی کو مضارع اس لیئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ بار بار یہ کہتے تھے صرف ایک بار کہہ کر خاموش نہیں ہو رہے تھے (تفسیر روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور واؤ ابتدائیہ۔ آیۃ سے مراد ان کے منہ مانگے معجزات ہیں۔ جیسے عصا۔ ید بیضا یا زمین مکہ میں کھیت باغ لگا دینا یہاں پانی کے چشمے بہا دینا ورنہ حضور انور نے ہزارہا معجزات دکھائے تقریبًا چھ ہزار معجزے تو روایات میں آ گئے پھر قرآن مجید کی ہر آیۃ حضور انور کا معجزہ ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ خود حضور انور اللہ تعالےٰ کی آیۃ کبریٰ ہیں۔ ان کے ایسے مطالبہ محض دل لگی اور مذاق کے طور پر تھے۔ خوئے بدرا بہانہ بسیار فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ۔ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اس میں ان کے مطالبہ کا حکیمانہ جواب ہے۔ غیب کے معنیٰ اس کے اقسام و احکام ہم پہلے پارہ میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں عرض کر چکے وہاں ہی غائب اور غیب۔ غیب مطلق مقید کا فرق عرض کیا گیا۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ فلاں فلاں معجزے دکھاؤ تو ہم ایمان قبول کریں گے اللہ تعالیٰ کو خبر ہے کہ تم کفر پر مرنے والے ہو ایمان نہیں لا سکتے۔ تمہارا یہ حال یہ انجام علوم غیبیہ سے ہے جسے رب تعالےٰ خوب جانتا ہے یا یہ مقصد ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ محض سرکشی کی بنا پر ہے۔ سرکش کو عذاب ملتا ہے تم کو بھی عذاب ہی ملے گا۔ کب ملے گا۔ یہ علوم غیبیہ سے ہے جو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے (روح المعانی) لہٰذا فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ۔ تم بھی اپنے انجام کا انتظار کرو۔ ہم بھی اس کا انتظار کرتے ہیں یا تم ہمارے متعلق انتظار کرو کہ ہمارا انجام کیسا ہوتا ہے اور ہم تمہارے متعلق کرتے ہیں کہ تمہارا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اس آیۃ کے مضمون کی تائید اس آیۃ سے ہوتی ہے۔ وَمَا یُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔

خلاصۂ تفسیر ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیۃ کریمہ کی عالمانہ تفسیریں چھ ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا جامع خلاصہ عرض کرتے ہیں ایک زمانہ وہ گذرا ہے جب سارے انسان ایک گروہ ایک امت یعنی مومنین صالحین تھے نہ ان میں کوئی کافر تھا نہ منافق نہ بدراہ نہ بے راہ پھر شیطان اور شیطانی لوگوں کے بہکانے سے بہت سے لوگ کافر

یا منافق یا بے راہ ہو گئے اور ان میں بہت اختلاف پیدا ہو گئے ۔ صدہا دین اور صدہا فرقے بن گئے ۔ اگر آپ کے رب کا یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ دنیا سزا و جزا کی جگہ نہیں یہاں عمل ہے بدلہ اور حساب نہیں ۔ قیامت میں حساب اور بدلہ ہو گا عمل نہ ہو گا ۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو اِن مذکورہ فرقوں کا فیصلہ یہاں ہو چکا ہوتا کہ مومنین کو جنت کفار کو دوزخ یہاں ہی دی جاتی ۔ کفارِ مکہ ہیں تو خود بے دین ۔ اِن کے مقدر میں ایمان نہیں مگر جرح قدح آپ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ گذشتہ نبیوں کے ملے معجزے ۔ عصا ر ۔ ید بیضا ر ۔ مردے زندہ کرنا ۔ غیبی اونٹنی نہ لائے یا آپ ہمارے منہ مانگے معجزے نہیں دکھاتے اس لیئے ہم ایمان نہیں لاتے اگر آپ وہ معجزے دکھا دیں تو ہم ایمان قبول کر لیں آپ اس بکواس کا جامع اور مختصر جواب دے دیں کہ تمہاری مطلوبہ نشانیاں دکھلانے پر بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے یہ تمہارے بنائے ہوئے حیلے ہیں یہ خبر علوم غیبیہ سے ہے کہ تم کافر ہی مرو گے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ۔ لوگوں کے انجام پہ مجھے اس نے مطلع کیا ہے یہ باتیں نہ حساب سے معلوم ہوں نہ اندازے سے لہٰذا اب تم مطالبے حیلے بہانے نہ کرو ۔ بلکہ اپنے انجام کا انتظار کرو ۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں ۔ تمہارا انجام تم خود بھی دیکھ لو گے اور ہم بھی دیکھ لیں گے ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ ۔ انسان کا اصلی دین جسے وہ عالمِ ارواح سے اپنے ساتھ لایا ہے وہ اسلام ہے ۔ کفر ۔ شرک نفاق عارضی دین ہیں جو اسے دنیا میں آ کر شیطان شیطانی انسان کے ذریعہ ملے یہ فائدہ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً سے حاصل ہوا ۔ پھر مرتے وقت ہی سارے کفار ایمان قبول کر لیتے ہیں مگر وہ معتبر نہیں ۔ گویا کفر دنیا میں آ کر لیتے ہیں اور دنیا ہی میں چھوڑ جاتے ہیں ۔ مومن ایمان پر ہی آتا ہے ایمان پہ رہتا ہے ایمان پر ہی دنیا سے جاتا ہے ۔ دوسرا فائدہ حضرات انبیاء کرام مومنوں کو ایمان پہ رکھنے اور کافروں کو کھویا ہوا ایمان دینے کے لیئے آتے ہیں سب کو عالمِ ارواح میں ہی ایمان مل چکا تھا یہ حضرات اس کی حفاظت کے لیئے تشریف لاتے ہیں یہ فائدہ بھی اُمَّةً وَّاحِدَةً سے حاصل ہوا ۔ جبکہ اس کا مطلب یہ ہو کہ عالمِ ارواح میں سب لوگ ایک امت تھے حضور انور ایمان بخش بھی ہیں اور ایمان کے محافظ بھی ۔ تیسرا فائدہ آپس کے اختلاف بہت قسم کے ہیں اجتہاد کا اختلاف یہ رحمت ہے رائے کا اختلاف یہ معاف ہے ۔ دین میں کفر و ایمان کا اختلاف یہ کافر کے لیئے عذاب ہے مومن کے لیئے عینِ ایمان ۔ یہ فائدہ فَاخْتَلَفُوْا سے حاصل ہوا اگر امتِ واحدہ سے ایمان پر متفق جماعت مراد ہے تو یہ اختلاف کفر ہے ۔ اور اگر کفر پہ متفق امت مراد ہے تو ان سے اختلاف عینِ ایمان ۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اس فرمان اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ سے مجتہد اماموں کی اجتہادی اختلاف مراد ہے ۔ ہابیل قابیل کے اختلاف میں قابیل کا اختلاف کفر تھا کہ وہ دین میں اختلاف تھا اور برادرانِ یوسف علیہ السلام سے اختلاف کفر نہیں ہوا ۔ اگرچہ اُن کے اعمال گناہ تھے جو بعد میں توبہ سے معاف ہوئے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ چوتھا فائدہ کفر و شرک کی اصلی سزائیں ہی ایمان و تقویٰ کی اصل جزا قیامت

کے بعد ملے گی۔ دنیا اس کی جگہ نہیں۔ یہ فائدہ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دنیا میں کفار پر عذاب آجانا یا مومن متقی کو دنیا میں رحمتِ الٰہی پہنچ جانا یہ اُن کی اصل سزا و جزا نہیں۔ پانچواں فائدہ۔ ضدی کفار اپنا وقتِ عزیز مطالبوں اور جرح قدح میں خرچ کر ڈالتے ہیں انہیں نبی کے کمالات نظر نہیں آتے یہ فائدہ لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ سے حاصل ہوا کہ حضور انور نے کفارِ مکہ کو بہت معجزے دکھائے۔ لیکن وہ ناختم ہونے والے مطالبوں میں ہی مشغول رہے گر خوش نصیب لوگ حضور کا ایک معجزہ دیکھ کر بلکہ بعض صرف چہرہ انور دیکھ کر بعض صرف کلمات سن کر بلکہ بعض صرف نام شریف سن کر فدا ہو گئے۔ چھٹا فائدہ کفار پر عذاب آنے کا انتظار مومنین۔ اولیاء۔ انبیاء بلکہ ان کی بستیوں کے در و دیوار بلکہ فرشتے سب کرتے ہیں کہ یہ لوگ کب فنا کئے جاویں۔ یہ فائدہ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس میں منتظرین جمع ہے اور من بعضیت کا۔

پہلا اعتراض قوی یہ ہے کہ یہاں اُمَّةً وَّاحِدَةً سے کفر سے متفق جماعت مراد ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ۔ اس آیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اولاً سب کافر ہی تھے۔ رب نے ان کا یہ اتفاق توڑنے کے لئے حضرات انبیاء بھیجے چونکہ وہ آیۃ اس آیۃ کی تفسیر ہے پھر اس کے خلاف تفسیریں کیوں کی گئیں۔ جواب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا۔ اس آیۃ نے صاف صاف بتایا کہ ہر امت میں مومنین صالحین رہے ہیں جو قیامت میں اس امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس لئے آیۃ کریمہ کے معنی یہ ہی قوی ہیں کہ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً میں مومنوں کی جماعت مراد ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیۃ کا مطلب بھی مفسرین نے یہ ہی بیان فرمایا ہے کہ لوگ اولاً سارے مومن تھے پھر اُن میں اختلافِ دین ہوا تو رب نے نبی بھیجے اختلاف ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اختلاف مٹانے کے لئے۔ وہاں فَاخْتَلَفُوْا پوشیدہ ہے تاکہ آیات میں تعارض نہ ہو۔ دوسرا اعتراض اگر کفر و ایمان کی سزا و جزا قیامت کے بعد ہی ملنا ہے تو دنیا میں کفار پر عذاب کیوں آئے اور وہ تباہ کیوں کئے گئے۔ جواب تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور یہ عذاب نبیوں کی حقانیت کا ثبوت اور لوگوں کو دعوتِ اسلام کا ذریعہ ہوں۔ یہ عذاب اُخروی عذاب کے علاوہ عارضی ہیں جیسے ملزم کو حوالات کی تکالیف اُس کی سزا کے علاوہ ہے۔ سزا حاکم کے فیصلہ کے بعد ملتی ہے تیسرا اعتراض حضور انور سے کفارِ مکہ کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم کو ہمارے منہ مانگے معجزات دکھائے جاویں گر انہیں جواب یہ دیا گیا کہ غیب تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یہ جواب اُن کے سوال کے مطابق نہیں جواب اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ کفار کہتے تھے کہ فلاں فلاں معجزے دکھاؤ۔ تو ہم ایمان قبول کر لیں گے۔ فرمایا گیا کہ علم الٰہی میں آچکا کہ تم ہرگز ایمان نہیں لاؤ گے اور تم کہتے ہو کہ ہم ایمان لے آویں گے تمہارا قول غلط ہے کہ رب تعالےٰ عالم الغیب ہے اسے تمہارا حال خوب معلوم ہے۔

تفسیر صوفیانہ | مسلمانوں سے پہلی ساری امتیں اپنے دین کے علماء کی محبت اُن کی اطاعت پر متفق تھیں۔ رب

تعالیٰ فرماتا ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب کے سوا معبود بنا لیا مگر مسلمانوں میں بعض لوگ بلکہ بعض فرقے ایسے پیدا ہوئے جو علماء کے دشمن فقہاء کے مخالف ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض علماء ظاہری باطنی علوم کے جامع اپنے فن میں بے مثال اعمال صالحہ میں پیش پیش مگر لوگ ان کی دن رات برائیاں کرتے ہیں ان میں رب تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ یہ عوام ان صالحین علماء کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھنگی چرسی فقیروں کی طرح کرامتیں کیوں نہیں دکھاتے۔ ہم تو شعبدہ باز کراماتی فقیروں کے ماننے والے ہیں۔ یہ غیب تو رب تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ کرامتیں ہیں یا شعبدے بازیاں عجیب باتیں عجیب کام کر دکھانا کمال نہیں یہ تو جوگی کفار اور دجال کے ہاتھوں پر بھی نمودار ہوتی ہیں اور ہوں گی کمال تو حضور اکرم کی سچی غلامی میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عوام کے دلوں میں یہ نفرت رب تعالیٰ کی طرف سے ایک حجاب ہے قیمتی موتی سنبھال کر پردۂ حجاب میں رکھے جاتے ہیں یہ صالحین علماء خزانہ الٰہیہ کے سچے موتی ہیں جو نفرت و عداوت کے حجاب میں چھپے ہوئے ہیں۔ شعر۔

معشوق عیاں می گذرد بر تو ولیکن اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقابست

اس نفرت کے پردے میں دین کے موتی چھپے ہوئے ہیں (روح البیان) کتاب خیر الخیر شریف میں حضرت مولانا محبوب عالم صاحب فرماتے ہیں کہ صوفیاء میں ایک فرقہ ملامتیہ ہے۔ جو اپنے کو مخلوق سے ملامت کرانے کے لئے بعض ناروا کام کر لیتا ہے یہ غلطی ہے جسے اپنے پر ملامت کرانی ہو وہ مولوی بن جاوے۔ مولویوں کا سا لباس پہن لے لوگ خود بخود اس پر ملامت کریں گے خواہ کیسا ہی نیک ہو اس لباس اس صورت میں دو فائدے ہیں ایک یہ کہ یہ صورت یہ لباس خالق کو پیارا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل ہے اور مخلوق کو ناپسند۔

لطیفہ روح البیان نے فرمایا کہ ایک یہودی نے حضرت علی سے کہا کہ تم اپنے نبی کو دفن کرتے ہی آپس میں لڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے نبی کے مخالف نہ ہوئے بلکہ ان کے بارے میں مخالف ہوئے تمہارے پاؤں ابھی بحر قلزم کے پانی سے خشک نہ ہوئے تھے کہ نبی سے ہی لڑ پڑے کہ اسے موسیٰ ان بت پرستوں کی طرح ہمارے لئے بھی معبود بنا دو۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ
اور جب چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت پیچھے اس تکلیف کے جو پہنچے انہیں اچانک واسطے
اور جب کہ ہم آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی
اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ
اُن کے فریب ہے ہماری آیتوں میں فرما دو اللہ بہت جلد ہے تدبیر اس کی

تھی جب ہی وہ ہماری آیتوں کے ساتھ داؤں چلتے ہیں تم فرما دو اللہ کی خفیہ تدبیر

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾

بیشک رسول ہمارے لکھتے ہیں وہ جو فریب کرتے ہو تم

سب سے جلد ہو جاتی ہے بیشک ہمارے فرشتے تمہارے مکر لکھ رہے ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ اپنے مطالبات پورے ہوتے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہ ایک غیبی خبر تھی اب اس کا ثبوت ان کے دن رات کے حالات سے دیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ معمولی مصیبت میں پھنس کر بہت سے وعدے کر لیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئیں گے نیک اعمال کریں گے پھر تکلیف دفع ہوتے ہی الٹے وہ کام کرتے ہیں ایسے جھوٹے وعدے کرنے والوں کا اعتبار کیا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیتہ کا ثبوت ہے یا اس دعوے کی دلیل۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیتہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ تم عذاب الٰہی کا انتظار کرو اب ارشاد ہے کہ ان پر عذاب سے پہلے مصیبتیں راحتیں آتی جاتی رہیں گی مگر ان کی آنکھ نہ کھلے گی۔ جس کی آنکھ چھوٹی مصیبتوں پر نہ کھلے وہ بڑے عذاب کا منتظر ہے اس کی آنکھ جب کھلتی ہے جبکہ کھلنا کام نہیں آتا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ان کفار نے ایک ہی بات یاد کی ہے یہ کیوں نہیں ہوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ (الخ) یعنی ہر بات میں جرح قدح ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ملا کرتی اب اس کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ نہ تو راحت سے ہدایت یافتہ ہیں نہ تکلیف سے۔ راحت میں کفار تکلیف میں بے صبرے ہوتے ہیں مومن کی زبان پر ہوتا ہے کیا فرمایا کافر کی زبان پر ہوتا ہے کیوں فرمایا یہ کیوں اور کیا کا فرق یاد رہے **شان نزول**۔ جب کفار مکہ نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا جس سے مومنوں کو بہت تکلیف پہنچی مسلمانوں کے بہت سے بچے بچیاں بھوکے مر گئے۔ اشعار۔

وہ حمزہ کا شکارِ آہواں کے واسطے جانا	کبھی کچھ بھی نہ ملنا اور خالی ہاتھ کچھ جانا
وہ روٹی بچیوں کا روٹھ کر فوراً ہی من جانا	خدا کا نام سن کر صبر کی تصویر بن جانا
تڑپنا بھوک سے کچھ روز اور پھر جان دے دینا	وہ ماؤں کا فلک کو دیکھ کر چپکے سے رو دینا
گذارے تین سال اس رنگ میں اللہ والوں نے	دکھا دی شانِ استقلال اپنی آن والوں نے

تب دریائے قہر الٰہی جوش میں آیا اور سات سال بارش نہ ہوئی جس سے کفار بہت سے مر گئے جو بچے وہ بہت ہی خراب حال میں درختوں کی چھال مردار جانوروں کی کھال تک کھا گئے تب انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کرائی اور ایمان و اطاعت کا وعدہ کیا۔ حضور انور نے دعا کی رب نے رحم فرمایا اور خوب بارش ہوئی۔ گرانی گئی ارزانی آئی تو پھر سارے اپنے وعدوں سے پھر گئے بولے کہ بارش فلاں تارے کی فلاں برج میں جانے کی وجہ سے ہوئی اور پھر

قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم میں عیب نکالنے لگے ۔ ان کا یہ عیب بیان فرمانے کے لیئے یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی ۔ (خازن ۔ روح المعانی وکبیر وغیرہ مع قدرے فرق)

تفسیر وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً چونکہ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اِذَا شرط اَذَقْنَا بنا ہے اَذَاقَةٌ سے جس کا مادہ ہے ذَوْقٌ چکھنا اَذَاقَةٌ چکھانا مراد ہے ۔ یہ تھوڑی سی عطا فرمانا دنیا کی ہر رحمت عارضی اور تھوڑی ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ظاہری غذائیں زبان سے چکھی جاتی ہیں رحمتیں نعمتیں عقل سے (تفسیر کبیر) الانسان سے مراد یا تو کفارِ مکہ ہیں جن کے متعلق یہ آیۃ کریمہ آئی یا سارے کفار ہر جگہ کے اور ہر زمانہ کے ۔ جو اسلام اور قرآن مٹانے کے درپے ہیں ۔ چونکہ دنیا کی تمام نعمتیں رب کی عطا ہیں نہ کہ ہمارا کمال اس لیئے رب تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا اَذَقْنَا اور چونکہ ہر نعمت محض عطاءِ ربانی ہے ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں اس لیئے اسے رحمت فرمایا ۔ یعنی بغیر استحقاق ملنے والی نعمت رحمت سے مراد تندرستی ۔ رزق کی ارزانی فراوانی ۔ ملک میں امن چین وغیرہ سب ہی ہیں کہ اگرچہ آیۃ کریمہ بارش کے متعلق آئی مگر لفظ رحمت مطلق ہے ہر نعمت کو شامل ۔ مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ یہ فرمانِ عالی متعلق ہے اَذَقْنَا کے ضرّاء سے مراد ساری ہی تکالیف ہیں ۔ بیماری گرانی ۔ ملک کی بدامنی وغیرہ اگرچہ آیۃ کا نزول قحط سالی کے متعلق ہے ۔ مَسَّتْ فرما کر بتایا کہ یہاں کی تکالیف نہایت معمولی ہوتی ہیں جو فقط چھو جاتی ہیں وہ بھی عارضی طور پر ۔ بڑی تکالیف تو دوسرے جہان میں ہوں گی ۔ چونکہ تکالیف کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا بے ادبی ہے اگرچہ وہ بھی رب کی طرف سے ہیں اس لیئے یہاں مَسَّتْهُمْ ارشاد ہوا ۔ اَذَقْنَا کی طرح انہیں رب کی طرف نسبت نہ کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب والا کلام رب نے یوں نقل فرمایا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے ۔ دیکھو بیماری کو اپنی طرف اور شفا کو رب کی طرف نسبت کیا یہ ہے ادب اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۔ یہ عبارت جزا ہے فَاِذَا اَذَقْنَا کی اس میں اِذَا جزائیہ ہے لَهُمْ کو مکر پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا ۔ یعنی صرف کفار کا یہ طریقہ ہے مومن بفضلہ تعالےٰ اس عیب سے محفوظ ہیں ۔ مکر کی تحقیق مکر اور خداع میں فرق پہلے سیپارہ میں عرض کیا جا چکا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنیٰ ہیں خفیہ تدبیر اگر کسی پر ظلم کرنے کے لیئے ہو تو بُرا ہے جیسے کہتے ہیں فریب دھوکہ اور اگر کسی کو دھوکہ کی سزا دینے یا مجرم کو ڈھیل دینے کے لیئے ہو تو اچھی ہے جسے کہتے ہیں ۔ فریب دھوکہ دہی کا بدلہ ۔ پہلے معنیٰ سے یہ کفار کا عیب ہے دوسرے معنیٰ سے رب تعالےٰ کی صفت ۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہاں مکر سے کیا مراد ہے ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے بہت تدبیروں سے جھوٹا کہنا اور کہلوانا ۔ مذاق اڑانا اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا ۔ طعن کرنا ۔ مٹانے کی کوشش کرنا تو آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں مقاتل ابن حیان کہتے ہیں کہ مکر سے مراد اللہ کی روزی بارش وغیرہ کو بتوں یا چاند تاروں کی طرف نسبت کرنا کہ یہ ان کی طرف سے ہم کو ملیں اور آیات سے مراد تکوینی نشانِ قدرت ہیں یعنی بارش وغیرہ (خازن ۔ کبیر ۔ روح المعانی) یعنی جب ہم انہیں مصیبتوں کے بعد راحتیں دیتے

ہیں تو مصیبت کے زمانہ میں آیاتِ قرآنیہ کا جھٹلانا وغیرہ سب بھول جاتے ہیں آرام پاتے ہی پھر اسی منحوس مشغلہ میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات کا مذاق اُڑاتے ہیں یا اُن نعمتوں پر رب کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ فلاں تارے کے فلاں بُرج میں جانے سے یہ بارش ہوئی یا یہ ارزانی آئی وغیرہ ۔ وغیرہ۔ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا اس فرمانِ عالی میں ان کی سزا کا ذکر ہے اسرع سرعة کا اسم تفضیل ہے اس کا متعلق مِنكُمْ پوشیدہ ہے اس فرمانِ عالی میں مکر سے مراد ان کفار کی حرکتوں کی سزا ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دو کہ تمہاری خفیہ تدبیروں سے پہلے رب کی طرف سے سزا تم کو مل جاوے گی۔ اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر اِذَا لَهُمْ مَكْرٌ سے یہ مراد تھی کہ وہ بارش وغیرہ کو بتوں یا چاند تاروں کی طرف نسبت کرتے ہیں تو یہاں مکر سے مراد ہوگا انہیں اِن بد عقیدگیوں کے باوجود ایسی ڈھیل دے گا کہ وہ دھوکا کھا جائیں گے کہ شاید ہم حق پر ہیں۔ پھر پیالہ بھر جانے پر انہیں پکڑے گا۔ یہ تو آئندہ کی سزا ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ۔ چونکہ کفار نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں اُن کی تحریر وغیرہ کے منکر تھے اس لیئے اس فرمانِ عالی کو اِنَّ سے شروع فرمایا گیا۔ رُسُل جمع رسول کی ہے یہاں اِن سے مراد اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں چونکہ وہ رب کی طرف سے انسانوں کی جانب بھیجے ہوئے ہوتے ہیں لہٰذا انہیں رُسُل فرمایا گیا۔ عام علماء فرماتے ہیں کہ وہ دو فرشتے ہیں ایک دائیں جانب جو نیکیاں لکھتا ہے اس پر دوسرا بائیں جانب والا فرشتہ گواہ ہوتا ہے۔ دوسرا بائیں جانب جو انسانوں کے گناہ لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ اس پر گواہ ہوتا ہے مگر روح البیان شریف نے اس جگہ فرمایا کہ وہ فرشتے تین ہیں دو تو لکھنے والے ان کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں صبح سے شام تک دو اور پھر شام سے صبح تک دوسرے دو مگر تیسرا وہ جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے اس کی تبدیلی نہیں۔ عبداللہ ابن مبارک کا یہ ہی قول ہے۔ (روح البیان) یعنی اے کافرو تم جو کچھ حرکتیں کرتے ہو وہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے سب لکھ رہے ہیں۔ اُن پر تمہاری کوئی اندرونی بیرونی حالت مخفی نہیں تو رب تعالیٰ پر تمہارا کوئی حال کیسے چھپ سکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر کفار جب تک مصیبت و آفات میں گرفتار رہتے ہیں تب تک تو قرآن مجید صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑے رہتے ہیں ان کے خلاف کاروائیاں نہیں کرتے مگر جوں ہی انہیں ہم تھوڑی سی رحمت دے دیتے ہیں مصیبت ٹال دیتے ہیں تب ہی وہ آیاتِ قرآنیہ معجزاتِ نبویہ کو باطل کرنے کی کوشش اور مذاق اوڑاتے ہیں۔ پہلے کی طرح مشغول ہو جاتے ہیں گذشتہ آفات و بلیات کو بھول جاتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادو کہ نادانو تمہاری تدبیروں سے رب تعالیٰ کی تمہارے خلاف خفیہ تدبیر بہت جلد تم تک پہنچ جاوے گی۔ کہ اچانک رب تعالیٰ اپنے محبوب کی ایسی مدد کرے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ تمہاری سالہا سال کی تدبیریں چند دنوں میں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ بلکہ اولٹی تم پر آفت ڈھائے گی مکار پر اس کا مکر پڑتا ہے۔ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ۔ یہ تو آئندہ پتہ لگے گا۔ اس وقت بھی تمہاری ہر حالت پر قول و فعل لکھا جا رہا ہے۔ ہماری طرف سے تم پر جو کاتبین اعمال فرشتے مقرر ہیں سب کچھ

فائدے ۔ اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔ پہلا فائدہ دنیا کی نعمتیں اور مصیبتیں آخرت کی نعمت اور مصیبت کے مقابلہ میں بہت معمولی اور حقیر ہیں ۔ نعمتیں ہیں تو آخرت کی مصیبتیں ہیں ۔ تو آخرت کی یہ فائدہ اَذَقْنَا (الخ) اور مَسَّتْهُمْ سے حاصل ہوا کہ رحمت کے لیئے چکھانا اور آفت کے لیئے چھو جانا ارشاد ہوا ۔ دوسرا فائدہ دنیا کی بھلائی بُرائی رب کی طرف سے ہے مگر بارگاہِ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بھلائی کو رب کی طرف نسبت کرو ۔ بُرائی کو نہ کرو ۔ یہ فائدہ بھی اَذَقْنَا اور مَسَّتْهُمْ سے حاصل ہوا ۔ کہ رحمت کو رب کی طرف نسبت کیا گیا اَذَقْنَا النَّاسَ ۔ اور بُرائی کو اس کی طرف نسبت نہ کیا گیا ۔ مَسَّتْهُمْ ۔ تیسرا فائدہ غافل اور کافر نہ تو دنیا کی نعمتیں برداشت کر سکتا ہے نہ یہاں کی آفتیں نعمتوں میں متکبر بن جاتا ہے ۔ آفتوں میں مایوس ۔ مومنوں کو رب تعالےٰ استقامت بخشتا ہے وہ نعمتوں میں شاکر ہوتا ہے مصیبتوں میں صابر ۔ چوتھا فائدہ عموماً انسان مصیبتوں میں ٹھیک رہتا ہے راحت میں راستہ سے ہٹ جاتا ہے ۔ یہ فائدہ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ (الخ) سے حاصل ہوا کہ کفار مکہ قحط کے زمانہ میں حضور انور اور قرآن مجید کی مخالفتیں بھول گئے ارزانی فراوانی پاتے ہی مخالفت کرنے لگے ۔ فرعون عیش کے زمانہ میں خدا بنا رہا ۔ ڈوبنے لگا تو بولا ۔ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ اب میں اس رب پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں مصیبت بڑے بڑے سرکشوں کو بندہ بنا دیتی ہے ۔

لطیفہ ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا ۔ سامنے سے ایک حسین عورت آئی یہ اسے گھور کر دیکھنے لگا ۔ اتفاقاً ایک کتا سامنے آ گیا یہ سمجھا کہ شاید مجھ پر حملہ کرے گا ۔ اس ڈر سے عورت کو دیکھنا بھول گیا ۔ اسے خبر ہی نہ رہی کہ وہ حسینہ کہاں ہے جب کتے کا خطرہ جاتا رہا تو اس کے دل کی کھڑکی کھل گئی کہ ایک کتے کے خطرہ سے میں جرم کرنا بھول گیا اگر دوزخ کا خطرہ مجھے رہے تو گناہ ہرگز نہ کروں ۔ پانچواں فائدہ انسان کی برسوں کی تدبیریں ایک کرشمۂ قدرت کے سامنے فیل ہو جاتی ہیں ۔ تقدیر کے آگے تدبیر ہیچ ہے یہ فائدہ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا سے حاصل ہوا کفار مکہ کی برسوں کی مجموعی کوشش غزوہ بدر کی چند ساعتوں پر ختم ہو گئیں کہ نہ کوششیں رہیں نہ کوشش والے ۔ چھٹا فائدہ اعمال لکھنے والے فرشتے کفار کے ساتھ بھی رہتے ہیں ان کے بُرے اعمال لکھتے ہیں کیونکہ وہ بھی نیک کام کرنے بُرے کام نہ کرنے کے مکلف ہیں ۔ یہ فائدہ یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ سے حاصل ہوا ۔ کیونکہ انہیں برے اعمال کی سزا ملتی ہے اُن کے بُرے عقائد برے اعمال سب کی سزا ہے ۔ ساتواں فائدہ کفار کے نامۂ اعمال میں ان کے صرف گناہ لکھے جاتے ہیں کہ ان پر انہیں سزا دینا ہے ان کی نیکیاں نہیں لکھی جاتیں کہ انہیں ان کا ثواب نہیں دیا جاتا یہ فائدہ بھی یَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ سے حاصل ہوا کہ اُن کے مکر کی تحریر تو ہے ان کے صدقہ و خیرات وغیرہ کی تحریر بالکل نہیں ۔ آٹھواں فائدہ کسی کام میں مدد دینے والا حقیقتاً اس کا کرنے والا ہی ہے یہ فائدہ یَكْتُبُوْنَ جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار کے گناہ لکھنے والا ایک فرشتہ ہے مگر رب تعالےٰ نے ان تینوں فرشتوں کو کاتب قرار دیا کیونکہ وہ دو لکھنے میں اس ایک کی مدد کرتے ہیں ۔ نواں فائدہ بندوں کے اعمال نامہ کی تحریر ایک ساتھ ہوتی ہے حتیٰ کہ جو لفظ بندہ کے منہ سے نکلتا ہے اس کی تحریر کی جاتی ہے رب فرماتا ہے ۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔ یہ نہیں ہوتا کہ یکدم سارے اعمال لکھ لیئے گئے ہوں۔ وہ تحریر تو ازل میں لوح محفوظ میں ہوچکی یہ فائدہ بھی يَكْتُبُوْنَ اور يَمْكُرُوْنَ کے مضارع فرمانے سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ جو کسی کام کے لیئے کہیں بھیجا جاوے وہ بھی رسول ہے یہ فائدہ رُسُلَنَا سے حاصل ہوا کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو رسل فرمایا۔ یہاں رسل بمعنی مبلغ نہیں نہ بمعنی فرمان رسائی ہے نہ بمعنی فیض رسان بلکہ اس کے معنی ہیں کارِ سرکار پر متعین۔

پہلا اعتراض۔ یہاں رحمت کے لیئے اَذَقْنَا اور مصیبت کے لیئے مَسَّتْهُمْ ارشاد ہوا اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے ذوق اور مس میں کیا فرق ہے۔ جواب دنیا کی ہر اچھی بڑی چیز بمقابلہ آخرت بہت ہی تھوڑی ہے مگر راحت بالکل آنی فانی ہے تکلیف اس کے مقابلہ میں باقی کس قدر باقی۔ شعر۔

دکھ سدا سکھ گاہے گاہے دکھ اُتے سکھ وارے
دکھ منظور محمد میتوں راضی رہن پیارے

آرام کی گھڑیاں آندھی کی طرح گذر جاتی ہیں تکلیف کی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹتیں۔ دوسرا اعتراض۔ مکر اچھی چیز ہے یا بری چیز اگر بری چیز ہے تو رب کی طرف منسوب کیوں ہوئی۔ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا اور اگر اچھی چیز ہے تو کفار کی طرف منسوب کیوں ہوئی لَهُمْ مَكْرٌ فِيْ اٰيَاتِنَا۔ جواب مکر کے دو معنی ہیں فریب دینا۔ اس معنی سے برائی اور کفار کی طرف منسوب فریب کی سزا دینا۔ اس معنی سے اچھا ہے رب کی طرف منسوب کرنا۔ تیسرا اعتراض۔ جب بچے اور دیوانے کے اعمال نہیں لکھے جاتے کہ وہ ان کے مکلف نہیں تو کفار کے اعمال کیوں لکھے جاتے ہیں۔ وہ بھی اعمال کے مکلف نہیں اور یہ فرمان کیونکر درست ہوا اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ (الخ) جواب کفار اعمال کے مکلف ہیں مگر آخرت کی سزا جزا کے لحاظ سے بلکہ ملکی انتظامی اعمال کے شرعاً دنیا میں بھی مکلف ہیں چنانچہ ان کے چور کا ہاتھ کٹے گا۔ ان کے قاتل سے قصاص لیا جاوے گا۔ لہٰذا ان کے اعمال کی تحریر آخروی سزا کے لیئے ہے۔ چوتھا اعتراض جب کفار کی نیکیوں کی جزا و ثواب نہیں تو ان کے لیئے نیکیاں لکھنے والا فرشتہ کیوں رکھا گیا۔ صرف ایک فرشتہ یعنی گناہ لکھنے والا کافی تھا۔ جواب۔ اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا۔ کفار کے گناہ لکھے جاتے ہیں جسے بائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے اور دائیں جانب والا فرشتہ اس پر گواہ ہوتا ہے۔ ایک کاتب دوسرا گواہ وہ مقبول بندے جو کبھی گناہ کرتے ہی نہیں ان کے ساتھ بھی دو فرشتے ہوتے ہیں ایک فرشتہ نیکیاں لکھتا رہتا ہے۔ دوسرا فرشتہ گواہ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرشتے خدام کی حیثیت سے رہتے تھے وہاں اب بھی ستر ہزار دن میں ستر ہزار رات میں سلام کے لیئے حاضر رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ راہ طریقت کے مسافر بہت ——— ہیں تھوڑے واصلین۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی پہلے فاسق تھا۔ فسق و فجور کی بلا میں گرفتار پھر اسے رحمت پہنچی توبہ کی توفیق عبادات میں لذت۔ بعض مقامات تک رسائی ہوئی۔ کچھ کشف و شہود ہوا۔ یہ ہے بلا کے بعد رحمت۔ مگر وہ اسے برداشت نہ کر سکے کہ ان میں خبیثیت کی تھی فخر و تکبر لوگوں پر اپنے کمال کے اظہار طلب ریاست نااہلوں پر راز کھول دینا قبولیت خلق کی کوشش وغیرہ کی بیماری لگ گئی یہ ہے اِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِيْ اٰيَاتِنَا۔

ایسے لوگوں سے فرما دو کہ اللہ تعالٰے کی تدبیر تیز تر ہے کہ ایسوں پر حجاب آجاتے ہیں جیسے تھے ویسے ہی بلکہ اس سے بدتر ہو جاتے ہیں ان لوگوں کا حال ہمارے اعمال لکھنے والے فرشتوں پر نہیں چھپا رہتا۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ پانی پر چلنے ہوا پر اڑنے لگے انہیں طی الارض عطا ہوئی مگر وہ اسے سنبھال نہ سکے اوندھے منہ گرے۔ ہزار کرامتوں سے ایک استقامت بہتر ہے۔ اس لئے مرشد کامل کی ضرورت ہے کہ گرنے کو سنبھال لے اللہ کے خفیہ تدبیر سے بچنے کا ذریعہ اس کی اطاعت ہے مکر و حیلہ سازی سے انسان رب کو دھوکا نہیں دے سکتا اس کے عذاب سے اطاعت کے قدم کے ذریعہ اس کی رحمت کی طرف دوڑو ورنہ وہ مثال ہو گی کہ پٹتا ہوا جانور دم ہلا کر سمجھے کہ یہ عمل مصیبت سے بچالے گا (روح البیان) اے انسان تیری تاک میں دو شکاری ہیں۔ تو درمیان میں ایک شکار ہے۔ نفس اور شیطان تیرے پیچھے پڑے ہیں۔ تو ان سے رب کی پناہ لے۔

حکایت ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی تھی اس نے نیچے دیکھا تو شکاری اس کی طرف تیر کمان میں لگا رہا تھا اوپر دیکھا تو اس کی فکر میں باز تھا۔ بولی اے رب اب میں کدھر جاؤں۔ نیچے تیر ہے اور پر باز شکار ایک ہے شکاری دو۔ اب تو ہی مجھے بچا لیں اس کی زاری جناب الٰہی تعالٰے میں قبول ہوئی۔ شکاری کو سانپ نے کاٹا۔ جس سے اس کا تیر غلط چھوٹا۔ وہ باز کو لگا دونوں شکاری ہلاک ہوئے۔ یہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ کہتی ہوئی اپنے گھر روانہ ہو گئی مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی

وہ رب وہ ہے جو چلاتا ہے تم کو خشکی میں اور دریا میں حتٰی کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو

وہی ہے کہ تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم

الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا

اور بہتی وہ انہیں لے کر ہوا سے اچھی اور خوش ہوتے ہیں وہ اس سے

کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے ان پر

رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ

تو آتی ہے ان پر ہوا سخت اور آتی ہے ان پر موج ہر جگہ سے اور

آندھی کا جھونکا آیا اور ہر طرف سے لہروں نے انہیں آلیا اور

ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ

گمان کر لیتے ہیں وہ کہ بیشک وہ گھیر لیے گئے تو دعا کرتے ہیں وہ اللہ سے خالص کرتے

سمجھ لیے کہ ہم گھر گئے اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں نرے اس کے بندے

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

ہوئے اس کیلئے دین کو البتہ اس وقت اگر نجات دے گا تو ہم کو تو ضرور ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں سے

ہو کر کہ اگر تو اس سے ہمیں بچالے گا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے

تعلق اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیۃ کریمہ میں کفار کی انقلابی طبیعت کا کلی حال بیان ہوا کہ ان کی طبیعتیں حالات و کیفیات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں۔ مصیبت میں ان کی طبیعت اور قسم کی ہوتی ہے راحت میں اور طرح کی اب اس کے ثبوت میں ان کے ایک خاص انقلاب کا ذکر ہے کہ سمندر کے سفر میں موافق ہوا چلے تو ان کا اور حال ہوتا ہے مخالف ہوا چلے تو دوسرا حال۔ گویا یہ آیۃ کریمہ پچھلے کلی قانون کا ثبوت ہے یا اس کی مثال **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں رب تعالٰی کی قدرتوں اور توحید کے دلائل کا ذکر تھا کہ اس نے چاند سورج بنائے ان کی منزلیں مقرر کیں۔ رات و دن میں تبدیلی کرتا ہے اب اس کی ان قدرتوں کا ذکر ہے جو انسان پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔ جہاں انسان کی تمام طاقتیں تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں یعنی سمندر میں پھنسنا وہاں سے نکلنا وغیرہ (روح المعانی) **تیسرا تعلق** ابھی پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تمہاری تدبیروں سے اللہ کی تدبیر بہت تیز ہے وہ ایک آن میں تمہاری ساری تدبیریں کوششیں ختم فرما دیتا ہے اب اس کا ثبوت خود ان کی واردات سے دیا جا رہا ہے کہ سمندر کی لہریں آن کی آن میں تمہاری ساری تدبیریں جو تم سمندر کے لیے کرتے ہو ختم فرما دیتا ہے پھر تم کو دعا کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا۔

لطیفہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دہریہ منکر خدا نے آکر عرض کیا کہ خالق کے ثبوت پر کوئی قوی دلیل دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو کام کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا تجارتی کاروبار۔ فرمایا کہ کیا تو نے کبھی سمندر کا سفر بھی کیا ہے بولا ہاں فرمایا تو کبھی سمندر میں پھنسا بھی ہے بولا ہاں ایک بار کاروباری سلسلہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ کشتی پھٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا۔ آندھی چل رہی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ اس وقت تیرے دل میں کچھ عاجزی اور دعا کا جذبہ پیدا ہوا۔ وہ بولا ہاں آپ نے فرمایا خدا وہ ہی ہے جس کی بارگاہ میں اس وقت تو گڑگڑایا تھا اور تیرا وہ حال رب تعالٰی کی دلیل ہے (کبیر)

تفسیر هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ ہم نے بارہا عرض کیا کہ ھو الذی یا تو اظہار قدرت کے

موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے یا اظہار کرم کے موقعہ پر یا نشانیِ قدرت ودلیل قدرت پر۔ یہاں ساری صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ھُوَ سے مراد ذاتِ باری تعالیٰ ہے اَلَّذِیْ سے مراد صفت باری تعالیٰ یعنی وہ ذات کریم وہ رحم و کرم والا ہے۔ ہماری قرأت میں یُسَیِّرُکُمْ ہے تَسْیِیْر کا مضارع باب تفعیل ایک قرأت میں یُنَشِّرُکُمْ نشر سے بمعنی پھیلانا جیسے فرمان عالی ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ. یُسَیِّرُ بنا ہے تَسْیِیْر سے بمعنی چلانا سیر کرانا۔ سَیْر ہے لازم بمعنی چلنا تَسْیِیْر متعدی ہے بمعنی چلانا۔ کُمْ میں خطاب یا تو کفار سے ہے یا سارے انسانوں سے۔ خیال رہے کہ اعمال کا کاسب بندہ ہے خالق رب تعالیٰ اس لیئے اس کی نسبت کبھی بندے کی طرف ہوتی ہے کبھی رب کی طرف یہاں سیر کرانے چلنے کی نسبت رب کی طرف ہے اور قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ میں سیر کی نسبت بندے کی طرف۔ رب فرماتا ہے کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْۢ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ. وہاں نکالنے کی نسبت رب کی طرف ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا. وہاں نسبت نکالنے کی کفار کی طرف ہے یوں ہی فَلْیَضْحَكُوْا قَلِیْلًا وَّلْیَبْكُوْا كَثِیْرًا۔ دوسری جگہ ہے وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى۔ اور فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ چونکہ خشکی میں چلنا پھرنا ہر شخص کو ہر وقت میسر ہوتا ہے اور سمندر میں سفر کبھی کسی کو نصیب ہوتا ہے اس لیئے خشکی کا ذکر پہلے ہوا۔ سمندر کا ذکر بعد میں۔ چلانے سے مراد ہے چلنے پھرنے کے اسباب جمع فرما دینا۔ انہیں اس کے موقعہ دینا یا دل۔ گھوڑے گاڑی ریل موٹریں وغیرہ پیدا فرمانا خشکی کے سفر کا موقعہ دینا ہے۔ کشتی جہاز وغیرہ پیدا فرمانا سمندر میں چلانا ہے۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ۔ یہ عبارت دریا میں سیر کرانے کی انتہا ہے فُلْک بروزن قُفْل واحد ہے اور فُلْک بروزن اُسُد جمع اس لیئے اس آیت میں فلک کے لیئے ایک ضمیر واحد لائی گئی جَآءَتْهَا رِیْحٌ اور دوسری ضمیر جمع وَجَرَیْنَ بِهِمْ. فلک چھوٹی کشتی کو بھی کہتے ہیں۔ بڑے جہاز کو بھی۔ یہاں مراد وہ بادبانی کشتیاں ہیں جو ہوا کی مدد سے چلتی تھیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ. اس عبارت میں حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے کہ پہلے فرمایا گیا تھا۔ اِذَا كُنْتُمْ خطاب سے اور اب ارشاد ہے جَرَیْنَ بِهِمْ غائب عربی میں التفات فصاحت و بلاغت کا رکن ہے مگر غائب سے حاضر کی طرف التفات زیادتیِ قرب و حضور کے لیئے ہوتا ہے جیسے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے بعد اِیَّاكَ نَعْبُدُ اور حاضر سے غائب کی طرف التفات ناراضی ظاہر فرمانے کے لیئے ہوتا ہے جیسا یہاں ہے چونکہ فلک جمع بھی ہے اس لیئے جَرَیْنَ صیغہ جمع ارشاد ہوا نیز فلک بمعنی سفینہ ہے اور سفینہ مؤنث ہے اس لیئے جَرَیْنَ جمع مؤنث ارشاد ہوا اور چونکہ بمعنی مَرْکَب یعنی سواری بھی ہے لہٰذا اسے مذکر بھی لاتے ہیں۔ خیال رہے کہ عرب۔ عجم۔ رہب طفل۔ خیب وغیرہ وہ اسم ہے جو واحد بھی ہیں اور جمع بھی ہیں (روح المعانی) ایسے ہی فلک ہے بِهِمْ میں ب بمعنی مع ہے اور هِمْ سے مراد کشتی کے سوار لوگ ہیں۔ بِرِیْحٍ کی ب سبب یا مدد کی ہے اکثر قرآن مجید میں ریح غضب کی ہوا کو کہا جاتا ہے اور ریاح رحمت کی ہوا کو مگر یہاں چونکہ ساتھ ہی طَیِّبَةٍ بھی ہے اس لیئے ریح بمعنی رحمت کی ہوا ہے۔ طیب ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو نرم بھی ہو اور کشتی کے موافق بھی جس سے کشتی بہت جلد منزل مقصود پر پہنچے۔ وَفَرِحُوْا بِهَا۔ یہ عبارت

معطوف ہے تَجرِینَ پر فرحت سے مراد شکر کی خوشی نہیں بلکہ فخر و تکبر کی خوشی ہے ۔ جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے بہا کا مرجع ریح ہے یا فلک یعنی کشتی جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ یہ عبارت جزا ہے اِذَا كُنْتُمْ کی ھا کا مرجع فلک ہے چونکہ واحد بھی ہے اس لیئے یہاں ضمیر واحد ارشاد ہوئی یا جمع مونث کے لیئے ضمیر واحد مونث واحد بھی آجاتی ہے ۔ اگرچہ خیال رہے کہ ریح مونث ہے مگر عاصف صرف ریح کی صفت ہے ۔ دوسری کسی چیز پر نہیں بولی جاتی ۔ اس لیئے ریح کی صفت عاصف بھی آجاتی ہے اور عاصفہ بھی یہاں عاصف آیا اور وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ میں عاصفہ مونث ارشاد ہوا ۔ جیسے عورت کے لیئے حائض اور حائضہ دونوں لفظ ہیں (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) عاصف بنا ہے عَصْفٌ یا عُصُوْفَةٌ سے بمعنی جلدی کہا جاتا ہے نَاقَةٌ عَاصِفَةٌ تیز رفتار اونٹنی ۔ وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ۔ یہ عبارت معطوف ہے جَآءَتْهَا الخ پر آندھی چلتے وقت سمندر میں موجیں ہر طرف سے اٹھتی ہیں چوطرفہ پانی کے پہاڑ دوڑتے نظر آتے ہیں ۔ اس لیئے موج کے متعلق مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فرمانا بالکل درست ہوا ۔ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۔ یہ عبارت معطوف ہے جَآءَهُمُ الْمَوْجُ پر اور اس میں ان سوار کفار کا تیسرا حال ارشاد ہوا یہاں ظن بمعنی یقین ہے اُحِيْطَ یا تو اپنے معنی میں ہے یعنی انہیں مصیبتوں میں گھیر دیا گیا یا بمعنی موت ہے یعنی ان پر موت مسلط کردی گئی ۔ بہرحال انہیں اپنی زندگی کی امید نہ رہی جب یہ حال ہوا تو دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ اس حالت میں وہ بتوں کو بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نرے بندے بن جاتے ہیں ۔ اب عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں یا اس سے دعائیں و نجات کرتے ہیں لہٰذا یہاں دین بمعنی ملت و مذہب ہے یا بمعنی توجہ اور دل کا جھکاؤ ۔ بہرحال ان کا یہ مجبوری والا اخلاص گویا اضطراری ایمان ہے جس پر شرعی احکام مرتب نہیں ہوتے لہٰذا اس کے بعد کفر کو ارتداد نہیں کہا جاسکتا ۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ کفار عرب آرام میں تو اللہ تعالیٰ سے بھی دعائیں کرتے تھے اور بتوں سے بھی مگر ایسی خطرناک آفت میں صرف رب تعالیٰ سے دعا کرتے تھے ۔ بتوں کو چھوڑ دیتے تھے ۔ یہ بتلانے کے لیئے مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ارشاد ہوا ۔ (تفسیر کبیر) لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۔ یہ فرمان عالی دَعَوُا اللّٰهَ کا مقولہ ہے اس میں شکر سے مراد شرک چھوڑ کر مسلمان بن جانا اور ساری عمر اس نعمت و نجات کے شکریہ میں اللہ کی اطاعت و عبادت کرنا ۔ یعنی اگر تو نے اس دفعہ ہماری جان بچالی تو ہم عمر بھر مسلمان متقی بن کر رہیں گے ۔ نیز یہ احسان کبھی نہ بھولیں گے ۔

خلاصہ تفسیر اے لوگو وہ اللہ جس کی طرف تم کو رسول اللہ بلاتے ہیں وہ رحمتوں قدرتوں والا اللہ ہے ۔ جو تم کو خشکی و سمندر میں چلاتا پھراتا ہے کہ اس نے تمہارے لیئے خشکی کی سواریاں بھی پیدا فرمائیں اور تمہارے قدم بھی مختلف سواریوں کے جانور گاڑیاں وغیرہ اور سمندری سفر کے لیئے بھی سواریاں پیدا کیں ۔ کشتی ۔ جہاز وغیرہ حتیٰ کہ جب تم کشتی کے ذریعہ سمندر کا سفر کرتے ہو اور تم کو لے کر کشتی سمندر میں جاری ہوتی ہے ۔ اور ہمارے کرم سے ہوا نرم بھی ہوتی ہے اور کشتی کے موافق بھی ۔ جس سے سواریاں بہت خوش و خرم بھی ہوتی ہیں سمندر کے سیر سے لطف اندوز بھی کہ اچانک آندھی شروع

ہو جاتی ہے جس سے چو طرفہ سے موجیں اٹھتی ہیں کشتی کو گھیر لیتی ہیں سواریوں کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگتی ہے تو یہ لوگ اپنے بتوں کو بھول کر اللہ تعالےٰ کے بڑے بندے بن کر اپنے چھٹکارے کی دعائیں مانگتے ہیں کہ مولیٰ اس دفعہ تو ہم کو نجات دے دے تو ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تیرے خالص بندے اور بڑے مطیع و فرمانبردار رہیں گے۔

حکایت فتح مکہ کے دن حضور انور نے چند شخصوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جاویں ان میں حضرت عکرمہ ابن ابوجہل ڈر کی وجہ سے مکہ معظمہ سے جدہ بھاگے۔ وہاں سے حبشہ کے لیئے بحری کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستہ میں کشتی کو تیز آندھی نے گھیر لیا۔ جب کشتی کی سواریوں کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو ملاح وغیرہم نے سواریوں سے کہا خلوص دل کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے دعا کرو یہاں تمہارے بت اور دوسرے معبود کچھ کام نہ آئیں گے۔ عکرمہ بولے کہ اگر سمندر میں بت کام نہیں آسکتے تو خشکی میں بھی کام نہیں آسکتے۔ خدایا میں عہد کرتا ہوں کہ تو نے مجھے اس بلا سے نجات دیدی تو میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کے ہاتھ پر ایمان لاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں انہیں معاف دینے والا کریم پاؤں گا۔ اللہ نے انہیں نجات دیدی پھر اُن کے اسلام لانے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ (تفسیر روح البیان) اللہ کی شان ہے کہ باپ ابوجہل کفار کا سردار اور بیٹا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کا سردار ہے کہ مومن۔ متقی۔ صحابی سب کچھ ہے یہ اس کی بے نیازی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** ہمارا زمین پر چلنا پھرنا۔ سواریوں پر دوڑ لگانا۔ سمندر میں تیرنا سب رب کی طرف سے ہے اگر اس کا کرم شامل حال نہ ہو تو ہم جنبش نہیں کر سکتے۔ یہ فائدہ یُسَیِّرُکُمْ (الخ) سے حاصل ہوا انسان ہر قدم پر شکر کرے۔ **دوسرا فائدہ** انسان کے اعمال و اقوال بھی اللہ تعالےٰ کی مخلوق ہیں یعنی انسان اپنے اعمال کا کاسب ہے رب تعالیٰ اُن کا خالق یہ فائدہ بھی یُسَیِّرُکُمْ (الخ) سے حاصل کہ یہاں چلانے کی نسبت رب تعالےٰ کی طرف کی گئی یہ نسبت خلق کی ہے دوسری جگہ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا وہ آیۃ کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ **تیسرا فائدہ** اللہ کی نعمتوں پر فخر اور اترانے کی خوشی کرنا کفار کا طریقہ ہے اور شکریہ کی خوشی منانا مومن کا طریقہ یہ فائدہ وَفَرِحُوْا بِهَا سے حاصل ہوا کہ اس خوشی کو رب تعالیٰ نے بطور عتاب بیان فرمایا۔ ایک جگہ ارشاد ہے لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ خوشی نہ کرو اللہ خوشی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ وہاں یہ ہی شیخی کی خوشی سے ممانعت ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا۔ اللہ کے فضل اس کی رحمت پر خوب خوشی کرو۔ وہاں شکریہ کی خوشی مراد ہے **چوتھا فائدہ** مصیبت میں خدا کو یاد کرنا آرام میں اسے بھول جانا کفار کا طریقہ ہے مومن کو چاہیئے کہ ہر حالت میں عیش و طیش میں رب کو یاد کرے۔ یہ فائدہ دَعَوُا اللّٰهَ (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالےٰ نے اس وقت خدا کی یاد پر عتاب فرمایا۔ کیونکہ وہ وقتی یاد تھی اس کی یاد دائمی چاہیئے۔ **پانچواں فائدہ** اللہ کو پکارنا اس سے دعا کرنا عبادت ہے مگر جب جبکہ ایمان کے

کے ساتھ ہو۔ کافر کے یہ کام بھی اس کے کفر میں شمار ہوتے ہیں۔ دیکھو یہاں دَعَوُا اللّٰہَ اور یوں ہی مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کو ان کے کفریات میں گنایا۔ ایمانِ اضطراری شرعاً معتبر نہیں اختیاری ایمان کا اعتبار ہے۔ دیکھو کفار مضطر اور مجبور ہو کر ایمان اختیار کرتے تھے مجبوری ختم ہو جانے پر ان کا ایمان بھی ختم ہو جاتا تھا۔ اس لیئے فرعون کا ڈوبتے وقت آمَنْتُ کہنا کافر کا نزع کی حالت میں ایمان قبول کرنا معتبر نہیں پانچواں فائدہ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور دین کا ذکر فرمایا مگر انہیں مومن نہیں مانا۔ چھٹا فائدہ کافر کی نذر منت شرعاً معتبر نہیں نہ اس پر شرعی احکام کفارہ وغیرہ واجب ہیں۔ یہ فائدہ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ان کی اس مَنَّتْ کا ذکر تو فرمایا مگر بعد میں مَنَّتْ پوری نہ کرنے پر ان پر کفارہ لازم نہ فرمایا۔

پہلا اعتراض - اس آیت کریمہ میں دو سواریوں کا ذکر فرمایا خشکی اور تری یعنی سمندر کی مگر بعد میں صرف سمندری سواری کا حال بیان کیا۔ دیکھو پہلے فرمایا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور پھر ارشاد ہوا۔ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اگرچہ مجبوریاں انسان کو خشکی اور دریا دونوں جگہ پیش آتی ہیں مگر سمندر میں زیادہ اور خطرناک دورانِ سفر آندھی آنا کشتی کا چکر کھانا ہر طرف سے موجوں کا گھیر لینا۔ موت کا سخت خوف یہ چیزیں صرف دریائی سفر میں ہی ہوتی ہیں۔ اس حالت میں لوگ ایمان اور شکر کے وعدے بہت کرتے ہیں اس لیئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت میں لفظ فلک ایک ہے مگر اس کے لیئے ضمیریں دو ارشاد ہوئیں جَرَیْنَ جمع مونث اور جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ واحد مونث اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**۔ اس کی دو وجہیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں ایک یہ کہ واحد مونث کی ضمیر جمع کی طرف بھی لوٹ جاتی ہے بمعنی جماعت دوسرے یہ کہ فلک واحد بھی ہے جمع بھی واحد کے لحاظ سے بہا فرمایا گیا جمع کے معنی سے جَرَیْنَ جمع ارشاد ہوا۔ (کبیر و معانی) **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ۔ یعنی ریح کی صفت طیبہ مونث اور پھر ارشاد ہوا رِیْحٌ عَاصِفٌ یعنی ریح کی صفت عاصف مذکر اس فرق کی وجہ کیا ہے یا وہاں بھی طَیِّبٌ فرمایا جاتا یا یہاں بھی عاصفۃ ہوتا۔ **جواب**۔ نحوی قاعدہ یہ ہے کہ صفاتِ مشترکہ جو مذکر و مونث دونوں کی صفت ہوں وہ مذکر کے لیئے مذکر اور مونث کے لیے مونث آتی ہیں جیسے قائم اور قائمہ کیونکہ مونث کی علامت کی وجہ سے ان میں فرق ہوتا ہے۔ مگر خصوصی صفات جو صرف مونث کی ہوں مذکر کی کبھی نہ ہوں۔ وہ مونث کے لیے بغیر ت کے آتی ہیں کہ وہاں فرق کی ضرورت نہیں جیسے حامل اور حائض کہ حمل اور حیض صرف عورتوں کو ہوتا ہے لہٰذا عورت کو حامل اور حائض کہہ سکتے ہیں طیب مذکر کی بھی صفت ہے اور مونث کی بھی۔ اس لیئے طیبۃ فرمایا۔ اور عاصف صرف مونث کی صفت ہوتی ہے اس لیئے ریح مونث کے لیئے عاصف بغیر ت تانیث کے ارشاد ہوا یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں کفار کی برائی کے سلسلہ میں ان کا اچھی ہوا سے خوش ہونا بیان ہوا۔ وَفَرِحُوْا بِهَا حالانکہ اللہ کی نعمت پر خوش ہونا تو عبادت ہے جس کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔ **جواب**۔ خوشی دو طرح کی ہوتی ہے شکر کی اور فخر کی اور غفلت کی۔ شکر کی خوشی عبادت ہے اور فخر کی خوشی حرام بلکہ کبھی

کفر ہے یہاں دوسری خوشی مراد ہے دیکھا جاتا ہے کہ جب جہاز سمندر میں آرام سے تیر رہا ہو تو وہاں گانا۔ باجہ۔ شراب۔ زنا میں مصروف ہوتے ہیں خدا کو بھول جاتے ہیں کیا یہ خوشی عبادت ہے جب جہاز ڈوبنے لگتا ہے تو چیختے چلاتے ہیں۔
پانچواں اعتراض آج کل کے دنیاوی پیروں کو ماننے والے مسلمان اس زمانہ کے کفار سے بدتر ہیں کہ کفار سمندری آفات میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے فریادیں کرتے اسے پکارتے تھے دیکھو فرمایا گیا دَعَوُا اللّٰہَ مگر یہ مسلمان ایسے نازک وقت میں بھی یا غوث یا پیر یا رسول اللہ المدد یا علی مدد ہی پکارتے ہیں (تفسیر روح المعانی)
نوٹ ضروری اس جگہ یہ بات روح المعانی نے کی ہے فقیر کا خیال ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے کسی دیوبندی نے ملائی ہے مجھ سے بعض حاجیوں نے فرمایا کہ سید محمود آلوسی یعنی صاحب روح المعانی کا بیٹا بد مذہب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے والد کی کتب میں جگہ جگہ زیادتی کی ہے ممکن ہے کہ یہ بھی اسی کی مہربانی ہو۔ جواب۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ قیامت میں بڑی افراتفری اور سخت مصیبت ہو گی اس وقت ساری مخلوق حضرات انبیاء کرام کو شفاعت کے لیئے پکارتی ہو گی۔ ان کے پاس جاوے گی۔ آخر کار حضور کے دروازے پر پہنچ کر آپ سے فریادی ہو گی۔ جب قیامت کی مصیبت میں نبی کو مدد کے لیئے پکارنا درست ہوا تو سمندر کی آفت اس سے کہیں کم ہے نوح علیہ السلام کی کشتی حضور انور کے توسل حضور کو پکارنے سے پار لگی مولانا جامی فرماتے ہیں۔ شعر

اگر نام محمد را نہ آوردے شفیع آدم   نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

جواب تحقیقی یہ ہے کہ مصیبتوں میں بتوں کو پکارنا شرک ہے مقبول بندوں کو پکارنا بالکل حق ہے۔ انہیں پکارنا ان کے توسل سے دعا کرنا در حقیقت رب تعالیٰ ہی کو پکارنا اس سے دعا کرنا ہے۔ دیکھو اگر ڈوبتے وقت کافر بت کی طرف سجدہ کرے تو شرک ہے لیکن اگر مومن کعبہ کی طرف سجدہ کرے نفل پڑھے سجدہ میں پڑ کر دعا مانگے تو مومن ہے کہ کعبہ کی طرف سجدہ رب کو سجدہ ہے نبی سے فریاد کرنا رب تعالیٰ سے فریاد ہے اگر روح المعانی کی یہ عبارت درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو بھول کر اسے چھوڑ کر صرف نبی ولی سے فریاد کرنا بُرا بلکہ کفر ہے جب عقیدہ یہ ہو کہ خدا تعالیٰ کچھ نہیں کرتا جو کرتے ہیں پیر فقیر کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ وَلَا یَکَادُ یَمُرُّ لَہٗ بِبَالٍ اَنَّہٗ لَوْ دَعَا اللّٰہَ تَعَالٰی وَحْدَہٗ لَنَجٰی مِنْ ھَاتِیْکَ الْاَھْوَالِ — یعنی اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اسے پکارنا نجات کا ذریعہ ہے یہ عقیدہ صریحی شرک ہے خود میں نے بعض جاہل فقیروں کو کہتے سنا ہے کہ خدا نے مجھ پر مصیبت بھیجی تھی میرے پیر نے ٹال دی میرا پیر بڑا رب ہے ان شیاطین کا ایک شعر مشہور ہے۔ شعر۔

دَمَاتَ الشَّافِعِیُّ وَلَیْسَ یَدْرِیْ   عَلِیٌّ رَبُّہٗ اَمْ رَبُّہُ اللّٰہُ

یعنی شافعی مر گیا مگر اسے یہ پتہ نہ لگا کہ علی رب ہیں یا اللہ رب ہے۔ نہ معلوم یہ شافعی کون شیطان تھا جس کی یہ بکواس ہے مسلمان ایسی آفات میں یا تو بزرگوں کے توسل سے رب سے دعا کرتے ہیں یا ان بزرگوں سے اللہ کا واسطہ دیکر

مدد طلب کرتے ہیں جیسے بھکاری فقیر سخی امیر کے دروازہ پر اللہ کے واسطے سے بھیک مانگتا ہے۔ چھٹا اعتراض اللہ تعالےٰ سے دعا کرنا اخلاص سے عرض معروض کرنا تو بہترین عبادت ہے پھر اس کا کفار کی برائیوں کے سلسلہ میں کیوں بیان ہوا کہ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ جواب یہاں یہ دعا مانگنے پر عتاب نہیں بلکہ وعدہ خلافی بے وفائی آرام میں رب کو بھول جانا تکلیف میں اسے یاد کرنا پھر آرام پاکر بھول جانا اس پر عتاب ہے۔

تفسیر صوفیانہ کشتی اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کے ذریعہ سمندر پار کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ تجارات۔ حج۔ عمرہ۔ جہاد وغیرہ ادا کر کے رب تک پہنچا جاتا ہے مگر یہ فوائد تب ہیں جب ہوا موافقت کرے۔ اس سائنس کے زمانہ میں جب مشینی جہاز تیار ہو چکے ہیں اگر ہوا مخالف ہو جاوے تو جہاز کو تنکے کی طرح برباد کر دیتی ہے۔ انسان کا دل بھی گویا فائدہ مند کشتی ہے۔ جو دنیا میں تیر رہی ہے۔ اگر اس پر مدینہ طیبہ کی نرم و خوشگوار ہوا پہنچتی رہے تو انشاء اللہ خیریت سے بیڑا پار ہوگا۔ اور اگر بروں کی صحبت سے برائیوں کی ہوا کے تھپیڑے اسے لگنے لگیں تو آفت ہی آفت ہے کبھی اس دل کی کشتی پر دنیوی تفکرات یہاں کی پریشانیوں کی مخالف ہوائیں لگتی ہیں تو انسان پریشان ہو کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے شعر۔

گر ازیں بار ستاری کند توبہ کردم من زہر نا کردنی!

خدایا مجھے اس دفعہ بچالے اب میں تیرے دروازے پر حاضر رہوں گا۔ اگر انسان اس وعدے پر قائم رہے تو کامیاب ہے اس سے پھر جائے تو ناکام جیسے سمندر کے سفر میں جب تک کنارہ نہ لگ جائے تب تک ہر وقت خطرہ ہے۔ ایسے ہی سفر دنیا میں جب تک خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہو جائے ہر وقت خطرہ ہے۔ خدا کرے خیریت سے کشتی پار لگے۔ اس آیت کی تفسیر صوفیانہ اور بہت زیادہ ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ طریقت سمندر ہے شریعت اس سمندر کو طے کرانے والی کشتی اس سفر میں کبھی ایسی آفات آجاتی ہیں کہ انسان گھبرا جاتا ہے اور متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے اگر یہ قائم رہے تو کامیاب ورنہ ناکام۔

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ
پھر جب نجات دیتا ہے ان کو تو اچانک وہ بغاوت کرتے ہیں زمین میں ناحق
پھر جب اللہ انہیں بچا لیتا ہے جب ہی وہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے
الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ
اے لوگو اس کے سوا نہیں کہ تمہاری بغاوت جانوں پر سے تمہاری سامان
ہیں اے لوگوں تمہاری زیادتی تمہارے ہی جان کا وبال ہے

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

زندگانی دنیا کا — پھر ہماری طرف ہی ہے لوٹنا تمہارا

دنیا کے جیتے جی برت لو — پھر تمہیں ہماری طرف پھرنا ہے

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پس خبر دیں گے ہم تم کو — جو — تم — کرتے تھے

اس وقت ہم تمہیں جتا دیں گے جو تمہارے کوتک تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیۃ کریمہ میں کفار کی دعاء نجات کا ذکر تھا۔ اب اُس دعا کی قبولیت کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ہم ان کو سمندر کی لہروں سے نجات دیدیتے ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں بندوں کی بے وفائی کا ذکر ہوا اب رب تعالیٰ کی وفا کا ذکر ہے کہ بندوں کی اُن حرکتوں کے باوجود دعائیں قبول کرتا ہے مصیبتوں سے نجات دیتا ہے۔ شعر۔

اے کریم از ما جفا از تو وفا — اے رحیم از ما خطا از تو عطا

کار ما بد کاری و شرمندگی — کار تو ستاری و بخشندگی (دیوان سالک)

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں مصیبتوں تکالیف کا انجام بیان ہوا کہ بندہ مصیبت میں پھنس کر رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اب عیش و آرام کے انجام کا تذکرہ ہے کہ اس میں عموماً انسان غافل ہو کر ناشکری کرتا ہے۔

تفسیر فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ۔ اس فرمان عالی میں ف عاطفہ ہے اور یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے ارشاد فرما کر دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ انہیں سمندر سے نجات دینا ان کی دعا کی بنا پر ہوتا ہے دنیا میں رب تعالیٰ گنہگاروں بلکہ کافرین کی بھی دعا قبول فرمالیتا ہے اُن کی دعاؤں سے بھی آفات ٹال دیتا ہے۔ شعر۔

دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ بادشمناں نظر داری (شیخ سعدی)

دوسرے یہ کہ ان کی یہ آہ و فغاں یہ دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔ اگر قبولیت میں دیر لگے تو ان کا کام تمام ہو جائے۔ غرضکہ اس ف میں ترتیب بھی ہے اور فوراً کے معنی بھی انجام کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور ھُمْ سے مراد وہ ہی سمندر کے طوفان میں پھنسے ہوئے لوگ پھر جب رب تعالیٰ انہیں کفار کو محض اپنے رحم و کرم کے ذریعے سمندر سے نجات دیتا ہے کہ ہوا ٹھہر جاتی ہے اور وہ بخیریت کنارہ پر اتر جاتے ہیں اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ اس عبارت میں اِذَا بمعنی اچانک ہے اور جزائیہ اور یہ جملہ لَمَّا کی جزا ہے اِذَا فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایسے ڈھیٹ ہیں کہ سمندر سے پار لگنے کے بعد فوراً بغیر تاخیر فساد

پھیلاتے ہیں اس مصیبت کو اور کئے ہوئے وعدوں کو یکدم بھول جاتے ہیں یَبْغُوْنَ مضارع فرما کر بتایا کہ وہ ایک دو بار نہیں بلکہ ہمیشہ یہ ہی کرتے ہیں۔ اَلْاَرْضُ سے مراد ساری زمین ہے کیونکہ کفار اگرچہ کسی خاص جگہ میں ہوں مگر ان کا فساد اور فساد کا نتیجہ ساری زمین میں پھیلتا ہے۔ اس لیئے فِی الْاَرْضِ ارشاد ہوا۔ یَبْغُوْنَ بنا ہے بَغْیٌ سے لغت میں بَغْیٌ اور طغیٌ دونوں کے معنیٰ ہیں حد سے بڑھنا اس لیئے سیلاب کو طغیانی کہا جاتا ہے بغیٌ ہی سے ہے بغاوت یعنی سلطانِ اسلام کی حدِ اطاعت سے بڑھ جانا۔ مفردات میں ہے کہ بَغْیٌ حد سے نکلنے کی دو قسمیں ہیں۔ بُری اور اچھی۔ انصاف کی حد ظلم کی طرف حق سے باطل کی طرف۔ اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکلنا بُری بغیٌ ہے اور انصاف سے رحم کی طرف۔ فرض سے نوافل کی طرف نکلنا اچھی بغیٌ ہے۔ (خازن) اَصْمَعِیْ کہتے ہیں کہ بغیٌ کے معنیٰ ہیں فساد و خرابی میں زیادتی چنانچہ فاجرہ عورت کو باغیہ کہتے ہیں جمع بغایا۔ (رنڈیاں) کہا جاتا ہے بَغْلِی الْجُرْحُ۔ زخم بگڑ گیا۔ (کبیر) اصطلاح میں بغیٌ کے چند معنیٰ ہیں تلاش کرنا۔ اسی سے ابتغا ہے وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ۔ چاہنا لَایَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا۔ رمضان کی پہلی شب کو فرشتہ پکارتا ہے یَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ اے شرارت چاہنے والے باز آجا۔ یہاں بغیٌ کے معنیٰ ہیں زیادتی کرنا بِغَیْرِ الْحَقِّ یہ متعلق ہے یَبْغُوْنَ کے چونکہ زمین میں زیادتی حق بھی ہوتی ہے ناحق بھی اس لیئے بِغَیْرِ الْحَقِّ ارشاد ہوا۔ مجاہد غازیوں کا کفار کی زمین میں داخل ہو کر وہاں کفار کا قتل و غارت ان کے مکانات باغات میں آگ لگانا۔ وغیرہ حق بغیٌ ہے جیسا کہ حضور انور نے بنی قریظہ یہود کے ساتھ کیا۔ اس سے مقصود ہے کفر کا زور توڑنا۔ اسلام کو غالب کرنا۔ اور کفار کا شرک و کفر قتل و غارت ناحق بغیٌ ہے یا یہ مطلب ہے کہ کفار اس بغاوت میں خود بھی اپنے کو ناحق سمجھتے ہیں اس کی درست وجہ نہیں بیان کر سکتے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔ یہاں اَلنَّاسُ سے مراد کفار ہیں اور یا ندا اظہارِ غضب کے لیئے ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی اے کافر لوگو۔ ندا (پکارنا) کبھی اظہار کرم کے لیئے ہوتا ہے جیسے یَا عِیْسٰی یا اظہارِ محبوبیت اور اظہارِ عظمت کے لیئے جیسے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ کبھی غافلوں کو جگانے کے لیئے جیسے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور کبھی اظہارِ غضب کے لیئے جیسے یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ یا جیسے یہاں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ۔ اس فرمان عالی میں غیبی خبر ہے کہ تمہارے فسادات سے اسلام مٹ نہ سکے گا بلکہ اس حرکت کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تمہارے طعن تشنیع سے کم نہ ہوگی سورج کو پھونکیں مارنے سے سورج نہیں بجھتا بلکہ پھونکیں مارنے والا ہی تھکتا ہے اس غیبی خبر کا ظہور آج تک ہو رہا ہے۔ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ہماری قرأت میں متاع کو نصب ہے یہ ایک پوشیدہ فعل تَمَتَّعُوْا کا مفعول مطلق ہے متاع برتنے کا سامان جیسے آدمی استعمال کر کے چھوڑ جائے۔ سامان رہ جائے۔ اور برتنے والا چلا جائے۔ حیوٰۃِ دنیا وہ زندگی ہے جو دنیا کے لیئے ہو۔ جیسے کفار کی زندگی جس کا مقصد صرف دنیا کمانا اس کی حفاظت کرنا اور چھوڑ جانا ہے۔ انبیاء کرام اولیاء اللہ ان کے صدقہ میں مومنوں کی زندگی دنیا میں زندگی ہے۔ دنیا کی زندگی نہیں یعنی تم کچھ دن دنیا کی زندگی میں یہاں کی نعمتوں سے نفع کما لو۔

یہ عارضی نفع ہے یہ سریع الزوال دائم الوبال ہے ۔ ایک قرأۃ میں مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا عین کے پیش سے ہے ہذا پوشیدہ کی خبر (روح المعانی) ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ ۔ یہ عبارت اِنَّمَا بَغْیُکُمْ (الخ) پر معطوف ہے ۔ چونکہ انسان اپنی زندگی کا زمانہ گذار کر مرتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں پہنچتا ہے اس لیئے ثم ارشاد ہوا ۔ اِلَیْنَا کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا ۔ رجوع سب کا رب کی طرف ہے مگر مومن کا رجوع عزت کے ساتھ ۔ جیسے دوست دوست کے پاس ملاقات کے لیے جاتا ہے کافر کا رجوع ذلت و خواری کے ساتھ ناچار اور مجبورًا جیسے چور کی حاضری حاکم کی عدالت میں یہاں یہ آخری لوٹنا ہی مراد ہے ۔ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ چونکہ انسان کو اپنے اعمال کا پتہ مرتے ہی بلکہ مرتے وقت ہی لگ جاتا ہے ۔ اس لیے یہاں ف ارشاد ہوئی ۔ یعنی فورًا خبر دینے سے مراد بد اعمال کو دکھا دینا یا ان کی سزا دینا ورنہ قولی خبر تو دنیا میں بھی دیدی گئی ہے بذریعہ انبیاء اولیاء بذریعہ قرآن مجید احادیث کریمہ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ میں ہر قسم کے جسمانی جناتی روحانی سارے اعمال داخل ہیں ۔ خلاصہ ۔ تفسیر ۔ تم یہ تو سن چکے کہ کفار سمندر کی آفات میں پھنس کر کیسی دعائیں مانگتے ہیں اور ہم سے کیا کیا وعدے کرتے ہیں اب اگلا حال سنو ۔ جب ہم اُن کی عاجزی زاری والی فریاد سن کر ان پر رحم فرما دیتے ہیں ۔ انہیں بخیریت کنارہ پر اتار دیتے ہیں تو پھر وہ لوگ پہلے کی طرح زمین میں ناحق فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ۔ وہ ہی گناہ وہ ہی کفر و شرک وہ ہی اسلام کے خلاف سازشیں وہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے غرضکہ اپنی اس بے بسی کو بھول جاتے ہیں ۔ اور پرانی روش پر چل پڑتے ہیں ۔ اے بدعہد کافر انسانوں تمہاری تمام زیادتیاں سرکشیاں خود تم پر پڑیں گی ۔ اسلام ۔ قرآن ۔ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی ۔ کچھ روز دنیوی زندگی میں یہاں کے سامان سے نفع اٹھا لو ۔ اسے برت لو ۔ پھر آخر کار تم کو ہمارے ہی لوٹ کر آنا ہے ۔ تب ہم تم کو تمہارے ساری حرکتوں بدکاریوں کی عملی خبریں دیں گے ۔ کہ ان سب کی سزا دیں گے ۔ روایۃ ابوالشیخ ۔ ابونعیم ۔ خطیب ۔ دیلمی نے بروایۃ حضرت انس حدیث بیان کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جرم خود مجرم پر ہی پڑتے ہیں ۔ فریب ۔ بدعہدی ۔ یعنی وعدہ کرکے پھر جانا اور بغی یعنی ظلم ان ہی کے متعلق حضور نے تین آیات پڑھیں ۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اور دوسری وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۔ اور تیسری آیۃ وَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ (روح المعانی ۔ کبیر ۔ خازن وغیرہ)

فائدے ۔ اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔ پہلا فائدہ ۔ انسان کو چاہیئے کہ مصیبت کا وقت ہمیشہ یاد رکھے اسے بھول جانا کفار کا طریقہ ہے ۔ یہ فائدہ فَلَمَّاۤ اَنْجٰهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا ۔ دوسرا فائدہ مصیبت کے وقت رب تعالیٰ سے جو وعدے کیئے ہوں وہ مصیبت دور ہو جانے پر ضرور پورے کرے اور اگر کوئی وعدہ نہ کیا ہو تب اس مصیبت کے دفعیہ کا شکریہ ہمیشہ کرتا رہے اس کے خلاف کرنا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ (الخ) سے حاصل ہوا ۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بعض دعائیں کفار کی بھی قبول فرما لیتا ہے ۔ یہ فائدہ اَنْجٰهُمْ کی ف سے حاصل ہوا کہ یہاں نجات کو ان کفار کی دعا پر مرتب فرمایا گیا ۔ چوتھا فائدہ کفار کی بعض دعائیں بہت ہی جلد قبول ہو جاتی ہیں یہ فائدہ بھی

فَلَمَّا اَنْجَاھُمْ کی فَ سے حاصل ہوا۔ کہ اس کے معنیٰ ہیں فوراً۔ اگر وہ لوگ کچھ عرصہ سمندر کی لہروں میں یوں ہی گھرے رہتے تو مر جاتے۔ پانچواں فائدہ شرعًا مجبوری کا ایمان معتبر نہیں نہ اس پر ایمان کے احکام جاری ہوں یہ فائدہ بھی اِذَا ھُمْ یَبْغُوْنَ سے حاصل ہوا۔ دیکھو وہ کفار سمندر میں گھر کر ایمان قبول کر لیتے تھے مگر مومن نہیں مانے جاتے تھے ورنہ پھر دوبارہ کفر کرنے پر مرتد ہوتے۔ اور قتل کئے جاتے۔ ایمان اختیاری چاہیئے۔ چھٹا فائدہ کفر اور گناہوں سے ساری زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ۔ انسانوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی و تری میں فساد پھیلتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

بے ادب تنہا نہ خود را خوار کرد بلکہ ایں آتش ہمہ آفاق زد

ساتواں فائدہ۔ دوسروں کو پھانسنے والا ان شاء اللہ خود پھنستا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰی اَنْفُسِکُمْ سے حاصل ہوا۔ عرب کہتے ہیں مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْہِ وَقَعَ فِیْہِ جو دوسرے کے لیئے گڑھا کھودتا ہے خود اس میں گرتا ہے۔ جلد گرے یا دیر سے۔ آٹھواں فائدہ کافر کو دنیا کا مال و اسباب بعد مرے کام نہیں آتا۔ مومن کی دنیا اسے مرتے وقت قبر حشر اور بعد حشر بھی کام آتی ہے۔ مومن دنیا میں صدقۂ جاریہ کر کے جاتا ہے بلکہ وہ دنیا کو صرف دین کے لیئے کماتا کھاتا ہے جس پر ثواب پاتا ہے۔ کافر کی نظر نفس پہ ہے مومن کی نظر اللہ کی رضا پر۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔ ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

پہلا اعتراض تم نے کہا کہ کفار کی بعض دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر قرآن کریم فرما رہا ہے وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کفار کی دعائیں برباد ہیں تمہارا قول اس آیت کے خلاف ہے جواب اس آیت میں آخرت کا ذکر ہے یعنی وہاں کفار کی دعائیں بیکار ہو گئیں سنی نہ جائیں گی یا دعا کے معنیٰ ہیں عبادت یعنی کفار جو رب تعالیٰ کی یا بتوں کی عبادات کرتے ہیں سب بیکار ہیں بغیر ایمان کچھ قبول نہیں۔ شیطان کی دعا درازیٔ عمر اور اس کا قبول ہونا قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے۔ دوسرا اعتراض بغی یعنی بغاوت تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتی ہے پھر بِغَیْرِ الْحَقِّ کیوں فرمایا گیا۔ جواب مفسّرین نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کے اپنے خیال میں بغی ناحق تھی۔ جس کا کوئی عذر وہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ حالانکہ نبی کو شہید کرنا تو ناحق ہی ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بغی حق بھی ہوتی ہے ناحق بھی۔ یعنی حد سے بڑھنا کبھی بہت ہی اچھا ہوتا ہے یہاں روح المعانی نے فرمایا کہ اگر بغی کے بعد فی ہو تو وہ کبھی حق ہوتی ہے کبھی ناحق اور اگر اس کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنیٰ ظلم ہوتی ہے۔ ہمیشہ ناحق فی والی بغی کے بعد اگر بغیر حق ہوگا تو دوسری قسم سے بچنے کے لیئے اور اگر علیٰ والی بغی کے بعد بغیر حق ہوگا تو تاکید کے لیئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ پوشیدہ ہے (روح المعانی) تیسرا اعتراض یہاں ارشاد ہوا ... ی زیادتی تم ... ہے ن۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ — بُرا فریب فریبی پر ... س ہوتا ست ... یا جا رہا ہے کہ بڑے بڑے مکار فریبی کامیاب رہتے ہیں

اور مظلوم پس جاتے ہیں۔ جن کی زندہ جاوید مثال واقعہ کربلا ہے۔ کہ مکار فریبی یزید اور اس کی شیطانی جماعت فتح یاب ہوئی۔ دین کے سردار حضرت حسین شہید ہوئے۔ جواب تکلیف پانا کچھ اور چیز ہے فتح پانا کچھ اور چیز ہے۔ کامیابی کچھ اور چیز ہے یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ مظلومین کو کبھی تکلیف پہنچے گی ہی نہیں رب فرماتا ہے کہ ہم تمہارے مختلف امتحان لیں گے۔ جان کا مال کا اولاد کا امتحان تم کو دینا ہوگا۔ مگر اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ انجام صرف پرہیزگاروں کے لیئے ہوتا ہے مکار فریبی ان شاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا امام حسین شہید ہوئے مگر یزیدی مقصد کے ٹکڑے اڑا دیئے اپنا مقصد پورا کر دیا کہ اسلام کی حفاظت فرما دی۔

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے　　اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بعض غزوات میں صحابہ شہید ہو گئے مگر اپنا کام کر گئے مہندی کی طرح پس کر رنگ دے گئے یہ فرق یاد رہے۔

تفسیر صوفیانہ مومن و کافر کی بلاؤں آفتوں میں بھی فرق ہے۔ مومن ایک بلا میں پھنس کر صدہا بلاؤں سے نجات پا جاتا ہے۔ وہ دنیا کی بلا میں پھنستا ہے اور توبہ کر کے گناہوں کی بلا سے نجات پا جاتا ہے۔ جب بلا دور ہوتی ہے تو اسے صاف کر کے دھو کر نہلا کر دور ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کافر پر بلائیں۔ جسمانی بلا کے ذریعے روحانی قلبی بلا میں اور زیادہ گرفتار ہو جاتا ہے۔ کہ اس وقت جھوٹی توبہ رب سے جھوٹے وعدے کرتا ہے یہ بھی جرم پھر رہائی پا کر زیادہ سرکش ہو جاتا ہے اس کی زیادتی اس ہی پر پڑتی ہے مومن کی زندگی حیوٰۃ دنیا نہیں بلکہ دنیا میں جیتا ہے آخرت کی زندگی لینے۔ مگر کافر کی زندگی کفر کے لیئے۔ کافر کی زندگی حیوٰۃِ دنیا ہے کہ کافر کی زندگی خود ہی کے لیئے ہے مومن کی زندگی خدا کے لیئے۔ خدا سے امید ہے خودی سے خطرہ ہے حد سے نکلنا مومن کے لیئے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کافر کے لیئے انتہائی بدعملی۔ حضرت ابوبکر نے خیرات میں حد سے بڑھ کر سب کچھ صدقہ کر دیا غارِ ثور میں حفاظتِ جان کی حد سے نکل کر حضور کی نیند پر جان فدا کر ڈالی۔ حضرت علی نے آدابِ نماز کی حد سے نکل کر حضور کی نیند پر نمازِ عصر قربان کر ڈالی۔ سوچو یہ حد سے نکلنا ان حضرات کے لیئے کیا باعث برکت ہوا۔ اس لیئے یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق ارشاد ہوا سب کا رجوع بعد قیامت اللہ تعالےٰ کی طرف ہے مگر مومن دنیا میں ہی رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ گناہ کر کے توبہ کے ساتھ نیکی کر کے دعا قبول کے ساتھ غافل ہو جائے تو بیداری کے ساتھ عیش میں شکر کے ساتھ۔ مصیبت میں صبر کے ساتھ بہر حال لوٹنا اسی کی طرف ہے۔ زندگی میں بندہ اسے یاد کرتا ہے مرے بعد خدا اسے یاد کرتا ہے۔ خوشی خوشی مر کر خوشی خوشی وہاں حاضر ہوتا ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ یار خنداں رود بجانبِ یار۔ شعر

نشانِ مردِ مومن با تو گویم !　　قضا آید تبسم بر لب اوست

اس کے برعکس کافر کو مجبوراً ناچار رب کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ رب تعالےٰ مومن کو اس کی نیکیوں کی کافر کو اس کی بدکاریوں

کی خبر دے گا۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

اس کے سوا زندگی دنیا کی مثل اس پانی کے ہے کہ اتارا ہم نے اسے آسمان کی طرف

دنیا کی زندگی کی کہاوت تو ایسی ہی ہے جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے اتارا

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَ

سے پس گتھ گئیں اس کی وجہ سے سبزی زمین کی جس سے کھاتے ہیں لوگ اور

تو اس کے سبب زمین سے اگنے والی چیزیں سب گھنی ہو کر نکلیں جو کچھ آدمی اور

الْأَنْعَامُ ط حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ

جانور حتی کہ جب لے لی زمین نے ترو تازگی اپنی اور

چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگار لے لیا اور خوب

ازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ لا أَتٰهَا

سنور گئی اور گمان کیا اس کے مالک نے کہ تحقیق وہ قادر ہیں اس پر آیا اس پر

آراستہ ہو گئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آ گئی ہمارا حکم

أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ

حکم ہمارا رات یا دن میں پس کر دیا ہم نے اسے کٹی کھیتی گویا کہ نہ تھی وہ

اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کر دیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی

بِالْأَمْسِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

پچھلے کل اسی طرح ہی تفصیل وار بیان کرتے ہم آیتیں واسطے اس قوم کے جو فکر کرتے ہیں

ہی نہیں ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنے والوں کے لیے

تعلق۔ اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیۃ کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کفار مصیبت میں

پھنس کر رب سے دعائیں اور بہت وعدے کرتے ہیں اب ارشاد ہے کہ اُن کی یہ دعائیں وغیرہ آخرت کے لحاظ سے بالکل رد ہیں ۔ جن کا کوئی ثواب نہیں ان کی یہ دعائیں اس کھیتی کی مثل ہیں جو ہری بھری ہو کر اچانک غیبی آفت سے مرجھا کر خشک ہو جاوے ۔ مومن کی دعا کا بدلہ آخرت میں بھی ملے گا کہ یہ دعا بھی ایک عبادت ہے دوسرا تعلق پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا کہ اے کافرو تمہاری ساری تدبیریں دنیوی زندگی کا سامان ہیں اب ارشاد ہے کہ دنیوی متاع کے لئے بقا نہیں ۔ اٰنآ فانآ فنا ہو جاتی ہے گویا ایک مقدمہ کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہے تیسرا تعلق بہت دور سے گفتگو منکرین قیامت سے ہو رہی ہے اب اس قیامت کا ثبوت ایک بہترین مثال سے دیا جا رہا ہے کہ کھیتی ہری بھری ہو کر برباد ہو جاتی ہے پھر بارش آنے پر ہری بھری ہو جاتی ہے ۔ ایسے ہی دنیوی زندگی آفات آنے پر ختم ہو جاتی ہے پھر حکم الٰہی سے دوبارہ زندگی تم کو بخشی جاوے گی ۔ کھیت تمہارے لیے روشن دلیل ہیں ۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا یہ نیا جملہ ہے اِنَّمَا حصر کیلئے ہے یعنی دنیا کی مثال صرف ایسی ہی ہے جو ہم بیان فرمارہے ہیں ۔ مثل کے معنی اور مِثل اور مَثَل کا فرق ہم پہلے پارہ میں مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِیْ اسْتَوْقَدَ نَارًا کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جو کہاوت خاص و عام کی زبان پر ہو وہ مَثَل ہے یہ لفظ میم اور ثِ کے فتحہ کے ساتھ ہے زندگی تین قسم کی ہے زندگی شیطانی جو گناہوں رب تعالیٰ اور اس کے مقبول بندوں کی مخالفت میں گذرے ۔ زندگی نفسانی جو غفلت میں ختم ہو ۔ زندگی ایمانی جو اللہ رسول کی اطاعت میں بسر ہو ۔ پہلی حیوٰۃ دنیا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے مومنین صالحین اولیاء اللہ انبیاء کرام کی زندگی حیوٰۃ دنیا نہیں ۔ نہ اس کی یہ مثال ہے اُن کی زندگی اُخروی زندگی ہے کہ آخرت کے لیئے ہے اس زندگی کو موت بھی فنا نہیں کر سکتی ۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ یہ بات خیال میں رہے یہاں دنیاوی زندگی سے مراد خود کفار کی زندگی بھی ہے اور اس زندگی کا وہ سامان بھی جس سے وہ زندگی گذارتے عیش کرتے ہیں اور اس میں پھنس کر رب تعالیٰ سے غافل ہیں كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ یہ عبارت ثابتٌ یا مشبہٌ کے متعلق ہو کر مَثَلُ (الخ) کی خبر ہے مآء سے مراد پر رحمت اور مفید بارش ہے جس سے کھیت اور باغ ہرے بھرے ہو جاتے ہیں ۔ چونکہ بارش رب کی ایسی نعمت ہے جس میں انسان کی کسی تدبیر کو کچھ دخل نہیں ۔ اس لیے اَنْزَلْنٰهُ ارشاد ہوا ۔ السماء سے مراد یا تو بلند چیز ہے یعنی بادل یا آسمان ہی مراد ہے تو مِنَ السَّمَآءِ کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے جہاں کسی کا ڈول ۔ ٹیوب ویل اور کوئی پانی کھینچنے والی مشین کام نہیں دیتی ۔ کنوئیں کا پانی بھی اللہ تعالیٰ کا مگر اس میں انسان کی کوشش کو دخل ہے اور وہ انسان کے اختیار میں بھی کہ جب چاہے جتنا چاہے کھیت کو دے دیں یہ ہی حال نہر دریا کا ہے اِن وجوہ سے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی صرف مطر نہ فرمایا گیا ۔ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ ب سببیہ ہے اور اختلاط سے مراد ہے گھنی ہو جانا ۔ خوب گنجان ہو جانا یعنی اس بارش کی وجہ سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا ۔ کہ زمین نظر نہیں آتی ۔ تاحدِ نظر سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے ۔ دوسرے یہ کہ بِہٖ میں ب صلہ کی ہے یعنی اس پانی سے زمین کی سبزی مخلوط ہوئی کہ پانی

نے اس میں اثر کیا۔ نبات بنا ہے نَبَتٌ سے بمعنی اُگنا نبات اُگنے والی چیز اس سے ہر قسم کی سبزی مراد ہے مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ یہ عبارت نَبَاتُ الْاَرْضِ کا حال ہے مِنْ یا تو بیانیہ ہے اور یہ عبارت نبات کا بیان یا مِن بعضیت کا ہے۔ اس فرمان عالی میں کھیت کے دانے باغ کے پھل گھاس بھوسہ وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک ہیں۔ حَتّٰی اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ یہ عبارت متعلق ہے فَاخْتَلَطَ الخ کے اور اسی کی انتہا بیان کر رہا ہے ارض سے مراد وہ ہی زمین ہے جو ہر وقت بارش کی وجہ سے لالہ زار ہو گئی۔ اخذ سے مراد ہے پورا پورا لے لینا۔ زخرف کا ترجمہ ہوتا ہے زیور یعنی حسن و خوبی کا سامان۔ اس فرمانِ عالی میں زمین کو نئی نویلی دلہن سے تشبیہ دی گئی اور اس کی تر و تازگی و سبزی کو زیور سے کہ جیسے دولہن زیور سے آراستہ ہوتی ہے ایسے ہی زمین سبزے سے زَيَّنَتْ اصل میں تَزَيَّنَتْ تھا یعنی وہ زمین اس حد تک گھنا سبزہ اُگاتی رہی کہ اس نے خوب زیور پہن لیا۔ اور انتہائی آراستہ ہو گئی وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا۔ یہ عبارت معطوف ہے اَخَذَتْ (الخ) پر اہل سے مراد اس کی پیداوار کے مستحق ہیں۔ خواہ مالک ہوں یا مزارع بہر حال پیداوار کے مستحق ہوں۔ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا سے مراد ہے کہ یہ پیداوار ان کے قبضہ میں آگئی اب اس کی کٹائی شروع کرنی چاہیئے یہ سب کچھ ہو جانے پر اَتٰهَا اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا۔ یہ عبارت اِذَا اَخَذَتْ کی جزا ہے۔ اَمْرُنَا سے مراد آفتِ ناگہانی ہے جو کھیت یا باغ کو بالکل تباہ کر ڈالے جیسے پالا اولا ٹڈی۔ چوہا۔ لو۔ یا آندھی وغیرہ (روح المعانی) رات یا دن میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذاب سے کوئی چیز کوئی تدبیر بچا نہیں سکتی خواہ مخلوق کی غفلت کے وقت آوے جیسے رات میں جب وہ سو رہے ہوں یا بیداری کے وقت آوے۔ جب وہ جاگ رہے ہوں ان کے دیکھتے دیکھتے ساری کھیتی اجڑ کر رہ جاتی ہے وہ لوگ بجز آہ و فغاں اور افسوس ملنے کے کچھ نہیں کر سکتے جیسا کہ بارہا دیکھا جاتا ہے۔ فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا یہ عبارت معطوف ہے۔ اَتٰهَا اَمْرُنَا (الخ) پر ھا کا مرجع یا تو وہ ہی زمین ہے یا اس کا سبزہ یعنی نبات حصیداً بمعنی محصود ہے۔ یعنی کاٹی ہوئی یا اکھیڑی ہوئی یا اجاڑی ہوئی فرماتا ہے كَاَنْ حَصَدْنَا ثُمَّ فَذَرْنَاهُ فِي سُنْبُلِهٖ كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ۔ یہ عبارت جَعَلْنَاهَا کی ضمیر سے حال ہے۔ لَمْ تَغْنَ باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے۔ بنا ہے غَنِيٌّ سے بمعنی رہنا ٹھہرنا۔ کہا جاتا ہے غَنِيَ بِالْمَكَانِ اس لیئے گھر کو مَغْنٰى کہتے ہیں۔ یعنی رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ۔ (روح المعانی و بیان۔ خازن) اَمْس سے مراد کل کا دن نہیں بلکہ اس سے پہلی ساعت ہے یعنی گویا ابھی کچھ پہلے تھی ہی نہیں۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے كَمَا بَيَّنَّا ذٰلِكَ۔ یعنی جیسے ہم نے یہ بات بہت واضح مثال سے سمجھا دی کہ دنیا کے لیئے بقا نہیں یہ خاص اس وقت دھوکہ دیتی ہے جب اس کی بہت ضرورت ہو۔ ایسے ہی ہم تمام آیاتِ قرآنیہ تفصیل وار بیان فرماتے ہیں مگر کس کے لیئے فکر والی و سمجھدار قوم کے لیئے کہ وہ ہی ان سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

خلاصہ تفسیر دنیوی زندگی اس کی ٹیپ ٹاپ یہاں کے عیش و آرام اور اس کے اسباب کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ہم ہر وقت

آسمان سے بقدر ضرورت بارش برسائیں جس کی وجہ سے زمین اچھی طرح سرسبز و شاداب ہو جاوے کہ انسانوں کے کھانے کے دانے پھل فروٹ اور جانوروں کے کھانے کے چارے گھاس وغیرہ خوب گھنی ہو کر اُگے حتیٰ کہ یہ سبزہ زار زمین اس سے خوب آراستہ پیراستہ ہو جائے۔ دیکھنے میں بڑی ہی بھلی معلوم ہو۔ اور مالک زمین یا کاشتکار سمجھے کہ بس اب یہ پیداوار میرے قبضہ میں آگئی صرف کاٹنے کی دیر ہے اس کی امید میں اس پیداوار سے وابستہ ہو جاویں کہ اچانک رات میں جب کاشتکار غافل ہو یا دن میں جب یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو ہمارے حکم سے کوئی آفت اس پر آجاوے۔ پالا۔ اولا۔ بے وقت بارش بجلی یا کوئی زمینی آفت کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ آفتِ ناگہانی اسے اُکھڑی ہوئی بنادے گویا کہ ابھی اس سے پہلے وہ کچھ تھی ہی نہیں۔ یہ ہی حال دنیا کا ہے کہ اوّلاً خوب آتی ہے پھر اچانک جبکہ اس کی ضرورت بہت ہو اور دنیا والے کی امیدیں اس سے وابستہ ہوں تب فنا ہو جاتی ہے دنیا دار دیکھتا کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ ہم تو قرآن مجید کی آیات یوں ہی تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔ مگر ان سے نفع وہ ہی اٹھاتے ہیں جنہیں سوچ و فکر کا مادہ ہے۔ اس آیۃ کی تشبیہ مرکب ہے یعنی دائع کی تشبیہ پورے واقع سے ہے کہ دنیا کی بے ثباتی ایسی ہے جیسے کھیت کی بے ثباتی کہ یہ آن میں فنا ہو جاتی ہے۔ کافر بڑی محنت مشقت سے دنیا جمع کرتا ہے جمع ہو جانے پر سمجھتا ہے کہ یہ میری ہو چکی میں ہر طرح اس میں تصرف کروں گا کہ اچانک یا تو خود مر جاتا ہے یا دنیا اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔ **خیال رہے** کہ دنیوی زندگی کو بارش کے پانی سے تشبیہ دی نہ کہ کنویں تالاب۔ نہر۔ دریا کے پانی سے چند وجہ سے ۱۔ کنویں وغیرہ کا پانی قبضہ میں ہوتا ہے کہ جب چاہیں جتنا چاہیں کھیت کو پانی دیں مگر بارش کا پانی قبضہ میں نہیں ایسے ہی دنیا کے حالات ہمارے قبضہ سے باہر ہیں ۲۔ بارش کبھی ضرورت سے زیادہ آتی ہے کبھی کم کبھی بالکل نہیں یہ ہی حال دنیا کا ہے ۳۔ بارش آنے کا وقت معلوم نہیں کہ کب اور کتنی آوے گی یہ ہی دنیا کا حال ۴۔ اگر بارش زیادہ ہو جاوے تو مصیبت ہے اگر نہ ہو تو مصیبت۔ ایسے ہی دنیا ہے کہ زیادہ ہو تو آفت نہ ہو تو مصیبت۔

بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست — کہ بار خاطر است او ہست و از نیست

فائدے۔ اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** دنیا میں ہر شخص ہر وقت ہر حال میں رب کی رحمت کا محتاج ہے کوئی کبھی اس کریم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ حیٰوۃ دنیا کو زمین اور بارش سے تشبیہ دینے سے حاصل ہوئی زمین پانی سے کبھی بے نیاز نہیں۔ انسان اللہ رسول سے کبھی بے نیاز نہیں۔

پرتو او باشد تو بر ما! — تا ابد یہ سلسلہ ہو!

دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالٰی کے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں اگر بجائے بارش کے زمین پانی اُگل دیا کرتی تو کھیت باغ کبھی سرسبز نہ رہتے کیونکہ تب ان کا غسل نہ ہوتا۔ صرف جڑوں کو تری پہنچ جایا کرتی قربان اس کریم و علیم کے جس نے اوپر سے پانی برسا کر تمام پودوں اور درختوں کو غسل دیا یہ فائدہ اَنْزَلْنٰہُ سے حاصل ہوا۔ انزال اوپر سے اوتارنے کو کہتے

ہیں۔ تیسرا فائدہ دنیا ہمارے پاس آجانے پر بھی ہماری اپنی نہیں۔ رب چاہتا ہے تو ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں جو دنیا کو اپنا سمجھے وہ بے وقوف ہے یہ فائدہ ظَنَّ اَھْلُھَا (الخ) سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ دنیا کی ہلاکت ہمیشہ غفلت کی حالت میں ہی نہیں ہوتی کبھی بیداری میں ہمارے سامنے برباد ہوتی ہے ہم دیکھتے اور روتے اور ہاتھ ملتے رہتے ہیں یہ فائدہ لَیْلًا اَوْ نَھَارًا سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ کبھی دنیا کی بربادی انسان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ عقلمند اس سے عبرت حاصل کر لیتا ہے یہ فائدہ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ سے اشارۃً حاصل ہوا۔ اگر انسان دنیا کھو کر آنکھیں کھول لے غفلت سے بیدار ہو جائے تو سودا سستا ہے۔ ان بربادیوں میں بھی اللہ کی رحمتیں ہیں کبھی انسان کچھ کھو کر سب کچھ پا لیتا ہے۔

پہلا اعتراض۔ یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ صرف اتنا فرمانا کافی تھا کا لمطر۔
جواب۔ اس دراز عبارت کے فوائد ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ اس کے متعلق ایک فائدہ اور سمجھ لو جو تفسیر صاوی نے بیان فرمایا۔ بارش کا پانی آسمان سے آتا ہے جس میں تمہارے کسب کو دخل نہیں یونہی تمہاری روزی آسمان میں تمہارے کسب پر موقوف نہیں وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ تمہاری روزی دوسرا نہ بند کر سکے گا نہ دوسرے کو دے سکے لہٰذا تم اس کی تلاش میں رب کو نہ بھول جاؤ۔ باقی وہ فوائد ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے **دوسرا اعتراض** بارش آسمان سے نہیں آتی ہے اور بادل زمینی اثر سے بنتا ہے پھر اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** اس اعتراض کے بہت جواب ہم نے پارہ اول میں دے دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ سماء سے مراد یا تو بادل ہیں کیونکہ سماء کا لفظی ترجمہ ہے بلندیاں۔ اور اگر سماء بمعنی آسمان ہے تو معنی یہ ہیں کہ آسمان کی طرف سے یا آسمان کے سبب سے بارش برسائی۔ اور اس میں حکمتیں وہ ہی ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض ہوئیں۔ **تیسرا اعتراض** یہاں لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ کیوں ارشاد ہوا۔ قرآن مجید تو سارے انسانوں کے لئے ہے
جواب۔ یہاں لِقَوْمٍ میں لام نفع کا ہے یعنی اس سے نفع صرف فکر و غور کرنے والے لوگ ہی پاتے ہیں بارش ہر جگہ برستی ہے مگر اس سے فائدہ صرف اچھی زمین ہی حاصل کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ دنیا میں جیتے سب ہیں مگر کوئی اپنے لئے جیتا ہے کوئی اپنے خاندان کے لئے کوئی قوم کے لئے کوئی ملک کے لئے کوئی شیطان کے لئے کوئی رحمان کے لئے یہ آخری زندگی لازوال ہے جو موت سے بھی نہیں مٹتی باقی تمام زندگیاں فانی ہیں جن میں سے پہلی قسم کی زندگی یعنی اپنے لئے اور چوتھی زندگی یعنی شیطانی بہت جلد فنا ہوتی ہے۔ یہاں اس فانی زندگیوں کو ایک نفیس مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ اس کی بے وفائی دن رات ظاہر ہوتی ہے۔ شعر۔

گنجِ اماں نیست دریں خاکداں مغز وفا نیست دریں استخواں
کہنہ سرائے است بعد جاہ گرد کہنہ واندر گرد تو نو بہ نو!

صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دنیا ماں کی طرح ہے اگر

بچہ ماں کی محبت ماں کی گود ہی میں رہے استاد کے پاس نہ جائے تو جاہل خوار رہے گا۔ اگر کچھ بننا ہے تو ماں کو چھوڑ و استاد کے سایہ میں آؤ۔ مراد پاؤ گے۔ بلکہ اگر ایمان واعمال دنیا میں رہیں یعنی دنیا کے لئے ہوں تو فانی ہیں اور اگر مال دولت اللہ کے لیے ہو اس کی راہ میں خرچ ہو تو باقی ہے۔ آسمان وزمین اوران کی چیزیں عالم کون وفساد ہیں عرش عالم نور عالم بقاء ہے اپنی عادات عبادات کو نورانی بناؤ۔ تاکہ حیاتِ جاودانی پاؤ۔ اللہ والوں کے دل کی دنیا کبھی نہیں اجڑتی۔ اس دنیا کے انقلاب دل کی دنیا پر اثر نہیں کرتے اگر آجڑنے سے بچنا چاہتے ہو تو دل میں اللہ رسول کی یاد کو بساؤ۔ اور تم اُن کے دامن میں بسو۔ ؎

مال چوں آبست دنیا باشد رواں! فیضہا یابند ازو اہلِ جہاں!

چند روزے چوں کند یکجا درنگ گندہ دیے حاصل است وتیرہ رنگ

جاری پانی گندوں کو پاک خشک زمین کو سیراب کر دیتا ہے ایک جگہ ٹھہرا ہوا پانی خود گندہ ہو جاتا ہے۔ اس کا رنگ بو مزہ بگڑ جاتا ہے اپنے مال دولت اولاد علم وغیرہ کو صدقہ جاریہ بناؤ۔ تاکہ تم خود ہمیشہ اس سے نفع اٹھاؤ۔ (روح البیان مع زیادہ)

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۗ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ
اور خدا تعالیٰ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور رہبری کرتا ہے جس کو چاہے
اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾
سیدھے راستہ کی طرف
سیدھی راہ چلاتا ہے

تعلق اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیۃ کریمہ میں دار الفنا یعنی دنیا کا ذکر تھا اب اس کے مقابل دار البقاء یعنی آخرت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگ دنیا سے نفرت کریں اور آخرت میں رغبت۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیۃ کریمہ میں اس دنیا کا ذکر تھا جس کا ظاہر اچھا باطن خراب ہے۔ اب اس جنت کا تذکرہ ہے جس کا ظاہر بھی اچھا اور باطن بھی اچھا کیونکہ دنیا یار بے وفا ہے اور جنت یار وفادار **تیسرا تعلق** پچھلی آیۃ کریمہ میں لوگوں کو دنیا سے ڈرایا گیا کہ اس پر اعتماد نہ کرو۔ اکثر نازک وقت میں دھوکا دیتی ہے۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تم دنیا کو دنیا نہ رکھو بلکہ دین بنا لو کہ اس میں جنت کا تخم کاشت کرو۔ تو نہ یہ دنیا رہے نہ اسے فنا ہو۔ نہ یہ دھوکا دے۔ گویا دار الفناء کے ذکر

کے بعد اسے دار البقار بنانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر وَاللّٰهُ يَدْعُوْا ۔ یہ نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ اللہ رب تعالیٰ کا اسم ذات ہے یہی اسم اعظم ہے۔ اس کے معنی اور اس کے فضائل ہم بسم اللہ کی تفسیر یعنی سورۃ فاتحہ میں کر چکے ہیں۔ یَدْعُوْ بنا ہے دعوے سے بمعنی بلانا پکارنا۔ اس کا مفعول اَلنَّاسَ پوشیدہ ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ کی یہ دعوت ہمیشہ ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس لیئے یَدْعُوْ مضارع ارشاد ہوا۔ چونکہ جنت صرف انسان مومنین کے لیئے ہے فرشتے یا جنات کے لیئے نہیں اس لیئے اس کا مفعول انسان ہی ہیں۔ یہ بلانا بواسطہ انبیاء کرام ہے اور ان حضرات کے وفات کے بعد بواسطہ علماء دین و اولیاء کاملین ہے یعنی حضرات انبیاء رب تعالیٰ کے نائب ہیں اور علماء دین اولیاء کاملین انبیاء کے نائب ان حضرات کے اقوال۔ اعمال۔ احوال سب ہی اللہ کی دعوت ہیں تاکہ ان کی باتیں سن کر ان کے حالات دیکھ کر لوگ راہ راست پر آئیں۔ اِلٰى دَارِ السَّلَامِ یہ عبارت متعلق ہے یَدْعُوْا کے دار السلام سے مراد جنت ہے اور جنت کی طرف بلانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عقائد و اعمال کی طرف بلایا جاوے جو جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ جنت کو چند وجہ سے دار السلام کہتے ہیں۔ ۱ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ کیونکہ وہ سارے عیوب کمزوری محتاجی وغیرہ سے سلامت یعنی پاک ہے تو دار السلام کے معنی ہوئے اللہ کا گھر یا اس لیئے ہے کہ جنت کا بنانے والا براہ راست رب تعالیٰ ہے۔ اسے کسی مستری یا کاریگر نے نہیں بنایا نیز اس پر کسی کا دعویٰ نہیں ۲ سلام بمعنی سلامتی ہے دار السلام سلامتی کی جگہ چونکہ جنت میں بھوک۔ پیاس۔ بیماری۔ ناداری لڑائی جھگڑے سارے آفات بلکہ موت سے بھی سلامتی ہے اس لیئے اسے دار السلام کہتے ہیں۔ ۳ سلام کے معنی ہے وہ ہی تحیت و ملاقات کا سلام۔ جنت کو دار السلام اس لیئے کہتے ہیں کہ وہاں رب تعالیٰ جنتیوں کو سلام ارشاد فرمائے گا سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ نیز وہاں فرشتے جنتیوں کو سلام کیا کریں گے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ نیز ارشاد ہے وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ۔ یا خود جنتی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے۔ فرماتا ہے تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ۔ نیز آج بھی جنتی لوگ دنیا کے مومنین کو سلام کرتے ہیں فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۔ ان وجوہ سے جنت کو دار السلام کہتے ہیں (تفسیر کبیر و بیان) یوں سمجھو کہ رب تعالیٰ عظیم تو اس کی جنت کیسی عظیم جس کی طرف وہ بلا رہا ہے۔ وہ جنت کیسی عظیم ہوگی۔ (خازن) دعوت الٰہی کا عموم تو معلوم ہوا اور اس کی ہدایت اس کا ذکر یہ ہے وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ہدایت کے معنی اس کے احکام ہم سورۃ فاتحہ کی تفسیر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں عرض کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ ہدایت بمعنی راہ دکھانا۔ یہ اللہ کی عام نعمت ہے۔ سب کو راہ دکھا دیا گیا۔ مگر بمعنی مقصود پر پہنچانا یعنی نبیوں کی تبلیغ کو قبول کرنے کی توفیق ملنا یہ سب کو میسر نہیں جسے رب چاہے اسے ملتی ہے یہاں مشیت رضا کے معنی میں نہیں بلکہ بمعنی ارادہ ہے۔ مَنْ سے مراد سارے جن و انس ہیں کہ ان دونوں فریقوں کو ہدایت کی ضرورت ہے اور سب کو ہدایت نہیں ملتی صراط مستقیم کی تفسیر اس کے اقسام تفصیل وار سورۃ فاتحہ میں عرض کی جا چکی ہے یہاں اتنا سمجھ

لوکہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ وہ ہے جس کی منزل مقصود ذات پروردگار ہے فرماتا ہے۔ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ اور جس کے نشانِ راہ حضور محمد مصطفیٰ ہیں فرماتا ہے اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ۔ ہم لوگ سیدھے راہ پر ہیں مسافر کی حیثیت سے حضور انور سیدھے راہ پر ہیں ہادی اور نشانِ راہ کی حیثیت سے اور رب تعالیٰ سیدھے راستہ پر مقصود ہونے کی شان سے کہ وہ سیدھے راستہ پر ملتا ہے سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین کا راستہ ہیں رب فرماتا ہے صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ بہرحال تمام دینوں میں اسلام صراط مستقیم ہے اور تمام مذہبوں میں اہل سنت والجماعت اور تمام مشربوں میں سلوک جس میں نہ عقل محض ہو نہ جذب یا جنون۔

خلاصہ تفسیر اے لوگو تم دنیا کی بے رنگی بے وفائی سن چکے کہ اس کے اول بکا رہے۔ درمیان عنا اور آخر فنا کہ انسان روتا ہوا پیدا ہوتا ہے مشقتیں جھیلتا ہوا رہتا ہے اور فنا ہو کر یہاں سے جاتا ہے۔ رب تعالیٰ تم کو اپنے نبیوں ولیوں علماء دین کے واسطے سے سلامتی کے گھر یعنی جنت کی طرف بلا رہا ہے۔ جنت وہ جگہ ہے جس کا اول عطا ہے درمیان ہیں رضا آخر میں بقا رب تعالیٰ اس عالی گھر کی طرف بلاتو سب کو رہا ہے۔ دعوت اس کی عام ہے مگر ہدایت اس کو دیتا ہے جسے چاہے غرضیکہ بلاوا سب کو ہے مگر یہ بلاوا کوئی قبول کرتا ہے علماء فرماتے ہیں بلاوا قبول کرنے کی تین نشانیاں ہیں۔ دنیا سے بے رغبتی۔ آخرت کی طلب اللہ رسول کی طرف دل کی توجہ رب تعالیٰ نصیب کرے (روح البیان)

فائدے اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں کہ مخلوق کو حضور کا بلانا رب تعالیٰ کا بلانا ہے پھر حضور انور کے خدام علماء کرام اولیاء عظام حضور کے نائبین ہیں کہ ان کی پکار حضور کی پکار ہے یہ فائدہ وَاللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ سے حاصل ہوا کہ جنت کی طرف بلاتے ہیں حضور مگر رب نے فرمایا کہ اللہ بلاتا ہے فرماتا ہے اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ وہ آیۃ اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے **دوسرا فائدہ** جنت ہیں نہ فنا ہے نہ بیماری نہ اور کوئی تکلیف یہ فائدہ دار السلام کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس کے معنی ہوں سلامتی کا گھر۔ **تیسرا فائدہ** رب تعالیٰ کی دعوت عام ہے مگر اس کی ہدایت خاص جنت کی طرف بلایا سب کو جارہا ہے مگر ہدایت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ یہ فائدہ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بعض کی گمراہی کا ارادہ فرمایا۔ اگرچہ اسے پسند یہ ہے کہ سب ایمان لائیں ہدایت پر آئیں ارادہ اور محبت میں فرق ہے یہ فائدہ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ سے حاصل ہوا۔

مسئلہ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی ہدایت کو دل سے پسند فرماتے ہیں مگر سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتے رب فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وہاں بھی مَنۡ شِئۡتَ نہیں فرمایا بلکہ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ فرمایا۔ **پانچواں فائدہ** رب تعالیٰ کی طرف سے دعوت اسلام برابر ہو رہی ہے کبھی بند نہیں یہ فائدہ یَدۡعُوۡا مضارع سے

حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قول ۔ فعل حالات پھر حضور کے نائبین علماء و اولیاء ان کے قول و فعل رب کی طرف سے دعوت اسلام ہے یہ فائدہ یدعوا کے مطلق ہونے سے حاصل ہوا۔ بہت لوگ حضور انور کا بچپن شریف دیکھ کر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب وغیرہ اگرچہ اُن کا وہ ایمان شرعی ایمان نہ ہوا اور وہ صحابی نہ بنے صحابیت کے لیئے شرعی اسلام درکار ہے جو حضور کی اوّل تبلیغ سے شروع ہوا۔ اسی لیئے ورقہ ابن نوفل نہ اول مومن ہوئے نہ صحابی کیونکہ حضور انور نے تبلیغ اسلام شروع نہ کی تھی یہ بات یاد رہے۔ **ساتواں فائدہ** اگرچہ جنت کے طبقے بہت ہیں اور ہر طبقہ کا نام علیحدہ جیسے جنت نعیم ۔ جنت خلد ۔ جنت ماوی ۔ جنت عدن ۔ جنت فردوس وغیرہ مگر جنت یا دار السلام یا خلد تمام طبقوں یعنی ساری جنت کو کہا جا سکتا ہے ۔ (صاوی) یہ فائدہ دار السّلام فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ مومنین میں سے لوگ مختلف طبقوں میں جائیں گے مگر سب جائیں گے دار السّلام میں ہی ۔

پہلا اعتراض جنت تو جنت والوں کی ملکیت ہوگی پھر اسے دار السلام یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر کیوں فرمایا۔ **جواب** یا اس لیئے کہ جنت تو جنت والوں کی ملکیت ہوگی اور جنت والے رب تعالیٰ کی ملکیت اپنے مملوک کی مملوک اپنی مملوک ہے غلام کا مال مولیٰ کا مال ہے یا اس لیئے کہ جنت خود رب تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنائی نہ کسی مستری سے بنوائی نہ کسی فرشتے سے یا اس لیئے کہ اہل جنت کو صرف رب کے فضل سے ملے گی ۔ وہاں ملکیت کے سارے اسباب و میراث خرید وغیرہ کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ یا اس لیئے کہ اس سے جنت کی عظمت معلوم ہو۔ فقیر اور بادشاہ کے گھروں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تو بتاؤ اُس عظیم کا گھر کیسا عظیم ہوگا۔ **دوسرا اعتراض** ۔ عربی قاعدہ ہے کہ اگر ہدایت کے بعد الیٰ آئے تو اُس کے معنی ہوتے ہیں راہ دکھانا ۔ یہاں الیٰ موجود ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ جسے چاہے اسے راہ دکھائے ۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے راہ سب کو دکھائی ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** یہ قاعدہ کلیہ نہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی یہ قاعدہ بھی کلیہ نہیں کہ اگر ہدایت کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مقصود تک پہنچانا اگر فاعل نبی یا قرآن ہو تو معنی ہوتے ہیں راہ دکھانا ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو دار السلام کی طرف بلانا کئی طرح کا ہے عموماً وہ بذریعہ انبیاء و اولیاء و علماء بلاتا ہے یہ دعوت عامہ ہے اور خصوصاً کسی کو فطری طور پر بلاتا ہے کہ اُس کی فطرت سلیم اُسے راہ راست پر رکھتی ہے کسی کو الہامی طور پر کسی کو کشف سے کسی کو خواب کے ذریعہ ۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق اور اُن کی طرح اور بہت صحابہ اسلام لانے سے پہلے ہی نیکیوں کی طرف مائل تھے ۔ برائیوں سے بیزار یہ دعوت خاصہ ہے دار السلام دنیا میں بھی ہے ۔ قبر میں بھی ہے حشر میں بھی اور اُس کے بعد بھی ۔ دنیا میں دار السلام دار الامان حضور انور کا دامان ہے جو عالم میں پھیلا ہوا ہے ۔ وہاں ہر مصیبت بلا ۔ جسمانی ۔ جنانی ۔ روحانی آفتوں سے امان ہے جو اس دامن میں آگیا دار الایمان دار الامان دار السلام میں آگیا ۔ شعر ۔

دامانِ مصطفیٰ سے مجرم مچل رہے ہیں دارالامان میں پہنچے اب اضطراب کیسا۔

مرے بعد مومن خصوصاً اولیاء اللہ کی قبور دارالسلام ہیں کہ جو مومن ان کے قریب دفن ہو جائے امان پائے۔ حشر میں عرشِ اعظم کا سایہ دارالسلام ہے۔ جہاں محشر کی آفات سے امان ہے پھر جنت دارالسلام ہے مگر یہ تینوں دارالسلام اسے ملیں گے جسے پہلا دارالسلام یعنی دامانِ رسول نصیب ہو جائے۔ ان کی یاد میں جیو یاد میں مرو انشاء اللہ سدا آباد رہو گے۔ شعر۔

اسے فتنہائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آ گئی ہو

عام مومنوں کا صراط مستقیم وہ ہے جو جنت کے گلزار تک پہنچائے۔ خواص کے لیئے صراط مستقیم وہ ہے جو یار کے دربار بلکہ یار کے دیدار تک پہنچائے۔ اس دارالقرار دنیا میں حضور انور دارالقرار ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہماری ہستی دارالآفات ہے اور فنا دارالسلام ہم جب نہ تھے تو ساری آفات سے محفوظ تھے۔ جب دنیا میں آئے ہزار ہا آفات ساتھ لائے۔ عدم دارالوحدانیۃ ہے۔ وجود دارالثنیت کے سارے جھگڑے اس دوئی کے ہیں۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو انا کو فنا کرو دریا انا والے یعنی زندہ کو ڈبو دیتا ہے۔ فنا والے مردہ کو اپنے سر پہ رکھ لیتا ہے۔ اسے تراتا ہے۔

آب دریا مردہ را بر سر نہد گر رود زندہ ز دریا کے رھد

تفسیر کبیر نے فرمایا کہ انسان روزانہ کل کے لیئے کوشش کرتا ہے مگر کل دو قسم کی ہیں۔ دنیا کی کل اور آخرۃ کی کل۔ دنیا کی کل میں چار خرابیاں ۱؎ نہ معلوم ہم کو کل ملے یا نہ ملے ۲؎ اگر ہمیں کل ملے تو نہ معلوم فائدے کی ہے یا نقصان کی ۳؎ اگر فائدہ والی کل ملی تو اس میں نقصان شامل ہو گا۔ کہ دنیا کا ہر نفع نقصان سے پُر۔ آرام تکلیف سے مخلوط۔ ۴؎ اگر کل ہم کو خالص نفع ملے تو دائمی نہیں آخر فنا ہو گا۔ مگر آخرت کی کل میں خرابیاں نہیں لہٰذا آخرت دارالسلام ہے۔ انسان اس کے لیئے کوشش کرے اب پڑھو اللہ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ۔ اللہ تعالیٰ یہ دعوت قبول کرنے کی توفیق دے۔ ہمارے دلوں کو دارالسلام بنائے کہ انہیں حسد و کینہ اور نفسانی عیوب سے سلامت رکھے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ

ان لوگوں کے لیئے جو اچھے کام کریں اچھی چیز ہے اور زیادتی بھی اور نہ چھائے گی ان کے

بھلائی والوں کے لیئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد اور ان کے منہ پہ نہ

وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت والے ہیں

چڑھے گی سیاہی اور نہ خواری وہی جنت والے ہیں اور وہ اس

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

میں ہمیشہ رہیں گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالٰی بندوں کو دارالسلام کی طرف بلا رہا ہے اب اس آیۃ کریمہ میں اس دارالسلام کی تفصیل ہے کہ وہ کیسی جگہ ہے وہاں کیا کیا ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں جنت کو دارالسلام کہا گیا ہے یعنی اللہ کا گھر۔ اب ارشاد ہے کہ وہاں اللہ تعالٰی کا دیدار بھی ہوگا کیونکہ مالک مہمان کو اپنے گھر بلا کر اس سے ملاقات ضرور کرتا ہے اور اسے دیدار ضرور دکھاتا ہے۔ وَزِيَادَةٌ گویا پچھلی آیت میں دعوت الٰہی کا ذکر تھا۔ اب دیدار الٰہی کا تذکرہ ہے تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ اللہ تعالٰی سب کو دارالسلام کی دعوت دے رہا ہے اب ارشاد ہے کہ وہاں تمام لوگ جائیں گے نہیں جائیں گے نیکوکار گویا پچھلی آیۃ میں دعوت دینے کا تذکرہ تھا اب دعوت قبول کرنے والے خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہے۔ کریم کے کرم کے بعد محتاج بندوں کا تذکرہ بہت ہی موزوں ہے

تفسیر لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا یہ جملہ نیا ہے جس میں لِلَّذِيْنَ (الخ) خبر مقدم ہے۔ اور اَلْحُسْنٰى (الخ) مبتدا مؤخر اس مقدم مؤخر ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا لِلَّذِيْنَ میں لام نفع کا ہے یا ملکیت کا یا استحقاق اَلَّذِيْنَ سے مراد صرف انسان ہیں۔ دوسری مخلوق نہیں۔ کیونکہ جنت صرف مومن انسانوں کے لیئے ہے اَحْسَنُوْا کا مفعول پوشیدہ ہے اَلْعَقَائِدَ وَالْعَمَلَ یعنی جن لوگوں نے اچھے رکھے اپنے عقیدے اور اعمال کہ شرعی احکام پر عمل کرتے رہے اور ممنوعات سے بچتے رہے۔ حدیث شریف میں احسان کے معنی یہ ارشاد فرمائے کہ اللہ تعالٰی کی عبادت یہ سمجھ کر کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ اَحْسَنُوْا کے متعلق دو باتیں خیال رکھنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ جہاں تک ہو سکے ہر قسم کے نیک عمل کرے۔ رب فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ وہ آیۃ اس آیۃ کی تفسیر ہے۔ دوسرے یہ کہ صرف ایک بار نہ کرے بلکہ کرتا رہے۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ۔ یہ بھی یاد رہے کہ مومنوں کے چھوٹے بچے دیوانوں اور غیر مکلف لوگوں کے لیئے اپنے عزیزوں کے اعمال کام دیں گے۔ گویا وہ لوگ بالواسطہ عمل کرتے ہیں لہذا آیۃ واضح ہے اس کے حصر پر اعتراض نہیں۔ اَلْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ یہ عبارت لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا کا مبتدا ہے۔ حُسْنٰى مؤنث ہے اَحْسَنُ کا بمعنی اچھی چیز قرآن مجید میں عموماً اس سے جنت مراد ہوتی ہے۔ رب فرماتا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى کے پہلے المنزلۃ پوشیدہ ہے زیادۃ سے مراد جنت کے سوا کوئی اور زیادہ نعمت ہے۔

اس سے کیا مراد ہے اس میں پانچ قول ہیں ۱ جنت کا ایک خاص محل جو ایک موتی کا ہے جس کے چار دروازے ہیں
یہ قول حضرت علی کا ہے ۲ زیادتی سے مراد ہے ایک نیکی کا دس سے لے کر سات سو گنا تک اجر و ثواب رب فرماتا ہے
وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ اور فرماتا ہے لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا
یہ قول حضرت عبداللہ ابن عباس اور خواجہ حسن بصری کا ہے - ۳ حسنیٰ جنت ہے اور زیادتی دنیا کی نعمتیں ہیں جو مومن
کو اس کے تقویٰ کی برکت سے عطا فرمائی جاتی ہے فرماتا ہے یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ -
۴ حسنیٰ سے مراد جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں جو ایمان و اعمال کا بدلہ ہیں - مگر زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہے جو کسی عمل کا بدلہ
نہیں صرف رب کا فضل ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق
علی - ابن عباس - حذیفہ ابن مسعود - ابوموسیٰ اشعری اور عام مفسرین کا ہے (تفسیر خازن - کبیر - روح المعانی وغیرہ) یہ ہی
قول قوی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ ہی تفسیر فرمائی - چنانچہ مسلم - ترمذی - ابن ماجہ - ابن جریر - طیالسی - احمد
ابن منذر ابن ابی حاتم ابن خزیمہ ابن حبان دار قطنی بیہقی وغیرہم نے حضرت صہیب سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے اہل جنت کو ندا دی جاوے گی کہ تم سے رب نے
ایک وعدہ فرمایا اب اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا - یہ لوگ حیران ہوں گے کہ جنت میں ہر قسم کی نعمت ہے اب کیا
چیز عطا ہوگی کہ اچانک حجاب اٹھے گا رب کا دیدار ہوگا - یہ نعمت ساری نعمتوں سے اعلیٰ ہوگی (روح المعانی) دیدار کے
متعلق اور بہت احادیث مروی ہیں جو کتب احادیث اور تفسیر خازن میں یہاں مروی ہیں چونکہ دیدار الٰہی کسی عبادت کا بدلہ
نہ ہوگا اس لیئے اسے زیادۃ فرمایا گیا - فرقہ معتزلہ دیدار الٰہی کا منکر ہے اس لیئے وہ اس تفسیر کا سخت انکاری ہے مگر ان پانچوں
تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ان شاء اللہ نیک کار مومنوں کو یہ پانچوں چیزیں رب تعالیٰ کے فضل سے عطا ہوں گی -
اس لیئے حضرت علی و ابن عباس نے اس تفسیر میں جنت کا خاص محل اور دیدار الٰہی دونوں باتیں فرمائیں - (روح المعانی)
وَلَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ - اس فرمان عالی میں اہل جنت کی دوسری نعمت کا ذکر ہے - یَرْهَقُ بنا ہے -
رَهَقٌ سے بمعنی ڈھانپ لینا چھا جانا - وُجُوْهٌ جمع وجہ کی بمعنی چہرہ قَتَرٌ بمعنی روسیاہی ذلت بمعنی خواری یعنی ان کے چہروں پر نہ تو
گرد و غبار سیاہی کے آثار ہوں گے نہ ذلت و خواری کے - کیونکہ ان کی ساری نعمتیں خالص ہوں گی کسی تکلیف و مصیبت
سے مخلوط نہ ہوں گی - ان کے چہرے چمکتے دمکتے تروتازہ اوجیالے ہوں گے - رب فرماتا ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ
اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ - بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے اور فرماتا ہے یَوْمَ تَبْیَضُّ
وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ اس دن بعض منہ اجیالے ہوں گے بعض کالے وہ آیتیں اس آیت کی تفسیر ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ یہ نیا جملہ ہے اس میں اُولٰٓئِكَ مبتدا ہے اور باقی عبارت جزا اُولٰٓئِكَ سے اشارہ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا
کی طرف ہے اصحاب جمع ہے صاحب کی بمعنی والا - یہاں مراد ہے مالک یا مستحق جنت ساری بہشت کو کہتے ہیں جس

کے مختلف درجات ہیں یہ سب لوگ ساری جنت کے مالک ہیں۔ جیسا محسن ویسی اس کی جنت۔ خٰلِدُوْنَ فرماکر یہ بتایا کہ نہ جنت کے لیئے فنا ہے نہ ان کے لیئے نہ یہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں۔

خلاصہ تفسیر ان لوگوں کے لیئے جنہوں نے عقیدے بھی اچھے اختیار کیئے اعمال بھی اچھے ان کے لیئے مطابق اعمال کے جنت بھی ہے۔ بعض کے لیئے جنت نعیم بعض کے لیئے فردوس وغیرہ اس کے علاوہ بڑی شاندار زیادتی بھی عطا ہوتی ہے دنیا میں طیب زندگی۔ نیکیوں کی جزا میں دس سے لے کر سات سو گنا یا اس سے زیادہ تک کی زیادتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی رضا خوشنودی سب سے بڑھ کر رب تعالےٰ کا دیدار جو ساری نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ جنت میں ان کے منہ نہ کالے ہوں گے نہ خوف زدہ بلکہ چہرے چمکنے والے اوجیالے ہوں گے۔ جیسے اعمال ویسا اُن کے چہروں کا رنگ۔ عام متقی مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اولیاء اللہ کے چہرے چمکیلے۔ محبوبین کے چہرے سورج سے زیادہ منور۔ وہاں چہروں کے رنگ سے اُن کے مراتب کی پہچان ہوگی یہ لوگ جنت والے اس کے مالک اس کے مستحق ہیں۔ جیسے اعمال ویسی جنت۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ تمام جنتی لوگوں کو رب تعالےٰ کا دیدار ہوگا مگر کسی کو سال میں ایک بار کسی کو مہینہ میں کسی کو ہفتہ میں ایک بار اور کسی کو روزانہ کسی کو ہر دن میں پانچ بار اور کسی کو ہر وقت یعنی ایک آن کے لیئے بھی رب اُن سے محجوب نہ ہوگا۔ اگر ایک آن کے لیئے جمال الٰہی ان سے چھپ جاوے تو وہ جنت سے نکل جانے کی آرزو کریں (صاوی) اُس کے برعکس دوزخی لوگوں کے منہ کالے آنکھیں نیلی۔ وہ رب کے دیدار سے محروم كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ہر قسم کے عذاب میں گرفتار۔ اللہ تعالےٰ ہمیں مومن محسن بنائے آمین

فائدے اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ جنتی بننا ہے تو عقیدے بھی اچھے اختیار کرو۔ اور اعمال بھی اچھے یہ فائدہ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا سے حاصل ہوا۔ ایمان دل کی بھلائی ہے اور تقویٰ جسم کی نیکی۔ دوسرا فائدہ عبادات میں حضور قلب کی کوشش کرنا چاہیئے یہ فائدہ اَحْسَنُوْا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ احسان سے مراد حضور قلبی کہ اللہ کی عبادت یہ سمجھ کر کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو (الخ) دیکھو تفسیر تیسرا فائدہ جنت میں بفضلہ تعالےٰ سب مومنوں کو دیدار الٰہی ہوگا یہ دیدار کسی عمل کا بدلہ نہ ہوگا محض اس کے فضل وکرم سے ہوگا۔ یہ فائدہ وَزِيَادَةٌ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہو۔ رب سے حجاب میں رہنا کفار پہ عذاب ہوگا۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ عطاء دیدار مومنوں کی نعمت اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ چوتھا فائدہ قیامت میں اہل جنت اور اُن کے درجات چہروں کی رنگت سے پہچانے جائیں گے یونہی دوزخی اور اُن کے درکات اُن کے چہروں کی سیاہی سے پہچانی جائے گی۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ فائدہ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ اور فرماتا ہے فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ پانچواں فائدہ جنتی لوگ اپنی جنتوں کے مالک ہوں گے۔

وہاں عارضی مقیم نہ ہوں گے۔ یہ فائدہ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ سے حاصل ہوئے۔ صاحبِ خانہ یعنی گھر والا گھر کے مالک کو کہا جاتا ہے اور صاحبِ مال یعنی مال والا مال کے مالک کو۔ چھٹا فائدہ جو شخص ثواب کے لیئے جنت میں داخل ہوگا وہ وہاں سے کبھی نہ نکالا جاوے گا۔ نہ موت دے کر نہ بغیر موت دھکے دے کر۔ یہ فائدہ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ جنت کے باغوں پر نہ کبھی خزاں ہو۔ نہ پھلوں کے لیئے کوئی موسم وہاں کا موسم سدا بہار ہے۔ ہر پھل کو قرار یہ فائدہ بھی خٰلِدُوْنَ سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ اُكُلُهَا دَآئِمٌ آٹھواں فائدہ کوئی جنتی اپنا کوئی باغ نہ کسی کے ہاتھ فروخت کر سکے نہ ہبہ نہ عاریۃً یہ فائدہ بھی خٰلِدُوْنَ سے حاصل ہوا اگر وہاں انتقالِ ملکیت ہو جاوے تو خلود یعنی ہمیشگی نہ رہے۔

پہلا اعتراض۔ یہاں زیادتی سے مراد دیدار الٰہی نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادتی مزید علیہ کی جنس سے ہوتی ہے۔ اور دیدار الٰہی جنت کی نعمتوں کی جنس سے نہیں لہٰذا زیادتی سے مراد جنت کے پھلوں کی زیادتی ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں نے زید کو دس من گندم اور کچھ زیادہ دیا تو وہ زیادتی بھی گندم ہی کی ہوگی۔ نہ کہ جو مسور کی (معتزلہ) نوٹ۔ معتزلہ فرقہ دیدارِ الٰہی کا منکر ہے۔ یہ اعتراض انہیں کا ہے۔ جواب۔ اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر۔ خازن روح المعانی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اگر مزید کی مقدار مقرر ہو تب تو وہ ہی قاعدہ ہے کہ زیادتی اس کی جنس سے ہوگی۔ لیکن اگر مزید علیہ کی حدبندی یعنی مقدار معین نہ ہو تو زیادتی اس کے علاوہ ہوگی۔ جیسے میں نے زید کو گندم اور کچھ زیادہ دیا تو وہاں زیادہ سے مراد گندم نہیں کوئی اور چیز ہوگی۔ روپیہ۔ پیسہ۔ جو یا مسور وغیرہ یہاں چونکہ الْحُسْنٰى میں جنت کی مقدار نہ بتائی گئی لہٰذا زیادہ سے مراد جنت کے سوا کوئی دوسری چیز ہے۔ پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ وہ دیدارِ الٰہی ہے۔ حضور انور کے ارشاد کے مقابل سارے قاعدے غلط ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ اللہ تعالٰے کا دیدار ناممکن ہے رب فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں لہٰذا یہاں زِيَادَةٌ سے مراد دیدار الٰہی نہیں (معتزلہ) جواب۔ وہاں اُس آیۃ میں دیدار الٰہی کی نفی نہیں بلکہ ادراکِ الٰہی کی نفی ہے۔ یعنی اس کا احاطہ کر لینا کہ اتنا لمبا اتنا چوڑا اتنا موٹا جیسے سمندر یا آسمان کو دیکھا تو جاتا ہے مگر اس کا احاطہ نہیں ہوتا اس لیئے وہاں لَا تَنْظُرُ نہیں فرمایا لَا تُدْرِكُ فرمایا۔ یا وہاں الْاَبْصَارُ سے مراد دنیاوی آنکھیں ہیں واقعی کوئی شخص دنیا میں ان آنکھوں سے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔ اُخروی دیدار کے لیئے وہ آیۃ ہے اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ دنیا کی آنکھ تو سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے مقابل خیرہ ہو جاتی ہے۔ تیز بلب پر نہیں ٹھہرتی۔ تیسرا اعتراض اللہ تعالٰے کی دیدار ناممکن ہے کیونکہ دیکھی وہ جاتی ہے جو رنگت ہو وہ بھی کسی خاص سمت یعنی سامنے سے رب تعالٰے رنگت اور سمت دونوں سے پاک ہے پھر دیدار کیسا۔ جواب دیدار کے لیئے یہ تمام قیدیں ان آنکھوں کے لیئے وہ بھی اس جہان میں ہیں آخرت میں ان قیدوں کے بغیر دیدار ہوگا۔ کیسے ہوگا، انشاءاللہ دیکھ کر بتائیں گے۔ بہرحال اس کا دیدار برحق ہے۔ کیفیت دیدار نامعلوم ہے اسی طرح اس پر ایمان لاؤ۔ دیدارِ الٰہی کی کچھ بحث کچھ پہلے رَبِّ اَرِنِیْ کی تفسیر میں ہو چکی اور ان شاءاللہ آئندہ ان آیتوں کی تفسیر میں کی جاوے گی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ اور اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ

چوتھا اعتراض اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوا کہ محسنین یعنی نیک عقائد اور نیک اعمال والوں ہی کو جنت اور زیادتی ملے گی۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا نے حصر کا فائدہ دیا۔ تو چاہیئے کہ وہ مومنین جنہیں نیک کام کرنے کا موقعہ نہ ملے یا ملے مگر گنوا دیں لیکن ان کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے ان کے لیئے نہ جنت ہو نہ زیادتی مذکورہ (معتزلہ خوارج) جواب ہم نے بارہا عرض کیا کہ ان جیسی آیات میں جنت کسبی کا ذکر ہوتا ہے۔ رہی جنت وہبی اور جنت عطائی اُن کا ذکر دوسری آیۃ و حدیث میں ہے واقعی جنت کسبی متقی مومن ہی کو ملے گی۔ مومن کے بچوں کے لیئے وہ آیۃ ہے وَاَلْحَقْنَا بِہِمْ ذُرِّیَّتَہُمْ اور ہم جیسے گناہ گاروں خطا کاروں کے لیئے وہ آیۃ ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا امام بوصیری نے دو شعروں میں مسئلہ حل کر دیا۔ شعر

وَاِنْ آتِ ذَنْبًا فَمَا عَہْدِیْ عَنْبِیْ بِمُنْتَقِضٍ ۔ مِنَ النَّبِیِّ وَلَا حَبْلِیْ عَنْصُرِمِ

میں نے اگرچہ گناہ کیئے ہیں مگر اُن گناہوں کی وجہ سے حضور انور سے میرا عہد و پیمان اور رشتہ غلامی نہیں ٹوٹا ہے۔ اس رشتہ کی برکت یہ ہے کہ۔

لَعَلَّ رَحْمَۃَ رَبِّیْ حِیْنَ یَقْسِمُہَا تَاْتِیْ عَلٰی حَسَبِ الْعِصْیَانِ فِی الْقِسَمِ

مجھے امید ہے کہ حبیب اللہ کی رحمت تقسیم ہوگی تو گنہگاروں کو بقدر گناہ ملے گی جس کے گناہ زیادہ اُس پر رحمت زیادہ۔ نیک کاروں کو اُن نیکیوں سے جنت ملے گی اور اِنْ شَاءَ اللّٰہُ ہم گنہگاروں کو اس کی رحمت نبی کی برکت سے۔

یَا رَبِّ اجْعَلْ رَجَائِیْ غَیْرَ مُنْعَکِسٍ لَدَیْکَ وَاجْعَلْ حِسَابِیْ غَیْرَ مُنْخَرِمِ

اے میرے رب میری امید کو الٹا نہ کرنا اور میری التجا کو ضائع نہ فرمانا۔

خَدَمْتُہٗ بِمَدِیْحٍ اَسْتَقِیْلُ بِہٖ ذُنُوْبَ عُمْرٍ مَضٰی فِی الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ

میں نے اس کے حبیب کی مدح و ثنا کی ہے اور اسے اپنے عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ بنایا ہے میری عمر یوں ہی لغویات میں گذر گئی۔

تفسیر صوفیانہ نیک کار لوگ مختلف مقصدوں سے نیکیاں کرتے ہیں بعض تو اپنے گناہ مٹانے کے لیئے بعض جنت پانے کے لیئے اور بعض صرف یار کو منانے کے لیئے پہلی دو جماعتیں عارفین کی ہیں تیسری جماعت عاشقین کی ہے یہاں اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا سے یہ تیسری جماعت مراد ہے جو سب کچھ کرتے ہیں مگر اپنے لیئے کچھ نہیں کرتے جو کرتے ہیں رب اور محبوب رب کے لیئے کرتے ہیں ان دل جلوں کے دل میں انا نہیں ہوتی وہ تو عشق کی آگ سے فنا ہو چکی ہے۔ ان کے لیئے حسنیٰ یعنی رضاء یار بھی ہے اور زیادت یعنی لقاء یار بھی وہ حضرات اپنے محبوب کے قرب میں مزا و جیالے والے نہ اُن پر غم کے آثار ہیں نہ خوف کے کہ انہوں نے نفس کے لیئے کچھ نہ کیا نہ ان پر حجاب کا غبار نہ دوئی کی گرد دھول یہ حضرات قرب روحانی کی جنت والے جس میں وہ ہمیشہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا۔ نزع قبر حشر ہر جگہ اس جنت میں ہی

ہیں۔ نفس کے لیے طاعت کرنے والے ادھر جاتے ہیں رب کے لیے طاعت والے ادھر ایسے کھینچے جاتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف اس لیئے انہیں مجذوب کہا جاتا ہے کشش ربانی کھینچ رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ

اور وہ لوگ جنہوں نے کمائے گناہ بدلہ برائی کا اس کی مثل ہے

اور جنہوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اسی جیسا

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ

اور چھا جائے گی ان پر خواری نہ ہو گا واسطے ان کے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا

اور ان پر ذلت چڑھے گی انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا ان کے چہروں

كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ

گویا ڈھانپ دیئے گئے ان کے چہروں ٹکڑے سے اندھیری رات کے یہ لوگ

پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** گذشتہ پچھلی آیۃ میں دنیا کی بے ثباتی کی بے نظیر مثال دی گئی تھی اب اس مثال کو کفار کے اعمال وعقائد پر منطبق فرمایا جا رہا ہے کہ جیسے سردی گرمی کے ایک جھونکے سے ہرے بھرے کھیت خشک ہو جاتے ہیں ایسے ہی موت کی ایک ہچکی سے کفار کا سب کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے۔ پھر نہ ان کے جھوٹے معبود انہیں کام آتے ہیں نہ ان کے باطل عقیدے اور اعمال۔ **دوسرا تعلق** ابھی پچھلی آیت میں اللہ تعالٰے کے اس فضل کا ذکر ہوا جو مسلمانوں پر ہوگا۔ اب اس کے اس عدل کا ذکر ہے جو کفار سے کیا جاوے گا۔ گویا جمال کے بعد جلال کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیۃ کریمہ میں مومنوں کے منہ اوجیالے ہونے کا ذکر تھا اب کفار کے منہ کالے ہونے کا ذکر ہو رہا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

تفسیر وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ ظاہر یہ ہے یہ کہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واو ابتدائیہ ہے اور اَلَّذِیْنَ سے مراد سارے کافر جن وانس ہیں۔ کیونکہ کافر جن کافر انسانوں کی طرح وہ سزائیں بھگتیں گے جو یہاں مذکور ہیں۔ کَسَبُوْا فرما کر یہ بتایا کہ کفار کے چھوٹے فوت شدہ بچے ایسے ہی وہ جو دیوانہ ہی رہے اور اس دیوانگی میں ہی فوت ہو گئے ان کی یہ سزا نہیں کیونکہ انہوں نے کفر کا کسب یعنی کمائی نہیں کی۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ کافر اپنے ہی کفر و شرک کی سزا بھگتے گا جس کا اس نے کسب کیا دوسرے کو اپنے کفر و گناہ کا عذاب نہیں بخش سکتا۔ مومن اپنے نیک اعمال کا ایصالِ ثواب کرتے ہیں سَیِّاٰتْ سے مراد شرک کفر اور منافقت ہیں۔ چونکہ ان تینوں کی بہت قسمیں ہیں اس لیئے اسے جمع فرمایا گیا۔ بہرحال اس سے گنہگار مسلمان مراد نہیں کیونکہ یہاں اُن کے منہ کالے ہونے کا ذکر ہے اور قیامت میں منہ کالا ہونا صرف کفار کے لیئے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ نیز ارشاد ہے وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ. تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ وہ آیات اس آیۃ کریمہ کی تفسیر ہیں اور ہو سکتا ہے کہ سَیِّاٰت سے مراد کفار کے کفر اور ان کے گناہ سب ہی ہوں۔ بہرحال اس آیۃ کو گنہگار مومنوں سے کوئی تعلق نہیں (از تفسیر کبیر۔ معانی۔ روح البیان وغیرہ)

خیال رہے کہ کَسَبُوا السَّیِّاٰتْ سے مراد ہے کہ وہ مرتے دم تک کفر کرتے رہے جو شخص عمر بھر کافر رہے مگر مرنے سے کچھ پہلے مومن ہو جائے اور ایمان پر مرے وہ اس میں داخل نہیں جَزَآءُ سَیِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا۔ اس عبارت کی نحوی ترکیبیں سات کی گئی ہیں مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ جزاءٌ سے پہلے لَہُمْ پوشیدہ ہے اور جزاء مصدر مجہول ہے اور بِمِثْلِهَا متعلق ہے جزاءٌ کے۔ (خازن۔ کبیر۔ روح البیان وغیرہ) پھر یہ جملہ اَلَّذِیْنَ کَسَبُوْا (الخ) کی خبر ہے یعنی رہے کفار ان کا انجام یہ ہے کہ انہیں اُن کے ہر جرم کی صرف ایک ہی سزا ملے گی نہ سزا میں اضافہ ہو نہ سزا کے علاوہ کچھ اور غضب ہو بخلاف مومنین کے کہ اُن کی ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک پھر اللہ کا فضل اس کے سوا ہے وہ فضل تھا یہ عدل ہے۔ خیال رہے کہ جزاء ہر بدلے کو کہا جاتا ہے۔ ثواب ہو یا سزا۔ یہاں بمعنی سزا ہے۔ سیئہ سے مراد کفر شرک ہے اور منافقت ہے اور ہو سکتا ہے کہ کفار کے دوسرے گناہ بھی اس میں داخل ہوں۔ کیونکہ کفار کو ان کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ مثل سے مراد قانونی مثل ہے یعنی کفر کی سزا دائمی دوزخ جیسے بغاوت کی سزا موت یا دائمی جیل اگرچہ بغاوت دو دن ہی کی ہو۔

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ جَزَآءُ سَیِّئَةٍ پر تَرْهَقُ کے معنٰی ابھی پچھلی آیت میں عرض کئے گئے یہ ذلت خواری کا ان پر ظاہر ہوتا یا تو قیامت میں ہی ہو گا یا دوزخ کی آگ دیکھ کر تَرْهَقُهُمْ فرما کر یہ بتایا کہ ذلت و خواری صرف ان کے چہروں پر ہی نہ ہو گی بلکہ سارے جسم پر جیسے دنیا میں بعض بھکاریوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کے چہروں پر خواری کے آثار آواز میں لجاجت کمینگی کی ذلت نگاہوں میں ندامت ہر وقت ہاتھ جوڑے ہوئے چلنا خواری کا بیٹھنا اس سے بدتر حال کفار کا دوزخ میں ہو گا۔ لہٰذا تَرْهَقُهُمْ فرمانا بالکل درست ہے۔ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ یہ فرمانِ عالی کفار کا دوسرا حال ہے اس فرمانِ عالی کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ یعنی مِنَ اللّٰهِ

سے مراد ہے مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ (روح البیان) دوسرے یہ کہ ان کے لیئے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا مقرر نہ ہوگا مِنَ اللّٰہِ میں مِن تو ابتدائیہ ہے اور مِنْ عَاصِمٍ میں مِنْ نکرہ کا عاصم بنا ہے عَصْمٌ سے بمعنی بچانا ہے۔ رب فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اسی سے ہے معصوم چونکہ قیامت میں رب تعالےٰ کی طرف سے عذاب سے بچانے والے مومنوں کے لیے بہت ہوں گے۔ حضراتِ انبیاء کرام۔ اولیاء عظام۔ علماء دین۔ ماہِ رمضان۔ خانۂ کعبہ۔ قرآن مجید وغیرہ اور کافروں کے لیئے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اس لیئے مِنْ عَاصِمٍ فرمانا درست ہوا یعنی انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ مومنوں کے لیئے بہت ہوں گے۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۔ اس جملہ کی نحوی ترکیب کچھ مشکل ہے اور ترکیب سے ہی معنیٰ بنتے ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے تَسْوَدُّ وُجُوْهُهُمْ اور كَاَنَّمَا میں اس پوشیدہ سیاہی کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اُغْشِيَتْ کے دو مفعول ہیں۔ پہلا مفعول وُجُوْهُهُمْ ہے جو نائب فاعل ہے دوسرا قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ قِطَعًا۔ کی صفت ہے۔ مُظْلِمًا الَّيْلِ کا حال اس ترکیب پر کوئی اعتراض نہیں پڑسکتا یعنی ان کے منہ ایسے سخت کالے ہوں گے کہ گویا اندھیری رات کی تہیں اُن پر چڑھادی گئیں۔ اُس کی ایک تہ ہی بہت سیاہ ہوتی ہے بہت تہوں کی سیاہی تو خدا کی پناہ۔ دنیا کے سارے کالے منہ والوں کی سیاہیاں جمع کرلو تو یہ مجموعہ ایک کافر کی رو سیاہی کے ہزارویں حصہ کو نہ پہنچے گی۔ وہاں چہروں پر دل کے رنگ نمودار ہوں گے۔ دنیا میں گورے کافروں کے دل کالے تھے لہٰذا وہاں اُن کے منہ کالے ہوں گے اور یہاں کالے مسلمانوں کے دل اُجیالے تھے نورِ ایمان سے لہٰذا وہاں اُن کے منہ اُجیالے ہوں گے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اس فرمانِ عالی میں کفار کی اور دوامی تو کا ذکر ہے اصحاب جمع صاحب کی ہے یہاں صاحب بمعنیٰ ساتھی نہیں بمعنیٰ والا ہے یعنی وہ کفار آگ والے ہیں کہ آگ اُن کے لیئے پیدا کی گئی اور وہ آگ کے لیئے۔ جیسے دنیا میں کوئلہ آگ کے لیئے بنا ہے اور آگ کوئلے کے لیئے لہٰذا کفار آگ میں ہمیشہ ہی رہیں گے نہ آگ بجھے نہ ہلکی ہو اور نہ وہ لوگ اس سے ایک ساعت کے لیئے نکلیں نہ مریں۔

خلاصۂ تفسیر اے مسلمانو متقی نیک کار مومنوں کا حال سن چکے کہ ان کو ثواب اور رَبّ ذوالجلال کا فضل کیسا ہوگا اب اس کے برعکس بدکار نابکار کفار کا حالِ زار سنو۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر شرک۔ نفاق کمائے۔ ان کو ایک جرم کی ایک سزا ملے گی نہ سزا میں زیادتی ہو نہ انہیں بغیر جرم کوئی عذاب دیا جائے۔ رب کے عدل و انصاف کا یہ ہی تقاضا ہے۔ اُن پر سر سے پاؤں تک ذلت و خواری چھائی ہوگی۔ اُن کے لیئے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی بچانے والا مقرر نہ ہوگا۔ جو انہیں شفاعت کرکے یا سپر بن کر عذاب سے بچالے۔ اُن کے منہ ایسے کالے ہوں گے جیسے اُن پر کالی رات کے ٹکڑوں کی تہیں جمی ہوں۔ سیاہیوں کے غلاف پڑے ہوں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں کہ وہ آگ اِن کے لیئے بنی اور وہ آگ کے لیئے یہ آگ میں ہمیشہ ہی رہیں گے نہ آگ فنا ہو نہ یہ لوگ۔ اور نہ یہ وہاں سے نکل سکیں۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ بدکار کفار کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ یا نیک کار مومنوں کے ثوابوں کا۔ رہے گنہگار مومن اُن کی اخروی سزا

کا سارے قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ بعض کی دنیوی سزاؤں کا ذکر ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو۔ زانی کو کوڑے مارو وغیرہ۔ مگر کہیں یہ نہیں ملتا کہ بے نمازی بے روزہ۔ چور کو آخرت میں کیا سزا ملے گی۔ نہ کسی حدیث میں ہے نہ کسی بزرگ کے قول میں۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ گنہگار مومن کی سزا کم از کم ایک آن کے لیئے دوزخ میں رہنا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال۔ آخرکار اسے جنت میں پہنچنا ہے (از روح البیان) اس ذکر نہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ کفار کا دوزخی ہونا اور متقی مومن کا اول سے ہی جنتی ہونا یقینی ہے مگر گنہگار مومن کا دوزخ میں جانا وہاں سزا پانا ہمارے لیئے یقینی نہیں۔ ممکن ہے کہ رب تعالےٰ اسے بخش دے فرماتا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ یعنی سزا و جزا کا ذکر ہے۔ مشکوک کا ذکر نہیں بعض واعظین کہتے ہیں کہ ایک نماز قضا کرنے کی سزا پانچ سو سال دوزخ میں رہنا ہے یہ ان کا اپنا اندازہ ہے اس کی روایت کوئی نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ دوزخ صرف کسبی طور پر بندوں کو ملے گی۔ عطائی یا وہبی طور پر نہیں یعنی کوئی کسی کی طفیل دوزخی نہیں۔ بخلاف جنت کے وہ کسبی بھی ہے عطائی بھی وھبی بھی۔ یہ فائدہ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ دوسرا فائدہ کوئی شخص کسی کو اپنے گناہ یا کفر کا عذاب نہیں بخش سکتا کہ خدایا میرے اس گناہ کا عذاب فلاں کو دے صرف اپنے گناہ یا کفر کی سزا ملے گی۔ نیکیوں کا ثواب بخشا جا سکتا ہے یہ فائدہ بھی کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ۔ کفر بہت قسم کے ہیں ایمان صرف ایک یہ فائدہ سَیِّاٰت جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں سَیِّاٰت سے مراد کفر۔ شرک یا منافقت ہے۔ چوتھا فائدہ گناہوں کی سزا میں رب کی طرف سے اضافہ نہیں ہوگا۔ ایک گناہ کی ایک سزا مگر نیکیوں کی جزا میں بہت اضافے بھی ہوں گے اور بطور عطیہ فضل بھی یہ فائدہ جَزَاءُ سَیِّئَةٍ بِمِثْلِهَا سے حاصل ہوا نیک اعمال کے متعلق فرماتا ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ یہ کریم کی کرم نوازی ہے پانچواں فائدہ مومن اگرچہ کیسا ہی گناہ گار ہو مگر قیامت میں اس کا منہ کالا نہ ہوگا۔ چہرے کی سیاہی کفار کے لیئے ہے یہ فائدہ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ۔ قیامت میں مددگار نہ ہونا کفار پر عذاب ہوگا۔ اللہ تعالےٰ مومنوں کے لیئے بہت سے مددگار مقرر فرما دے گا۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچے بھی ماں باپ کی شفاعت کریں گے یہ فائدہ مَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ سے حاصل ہوا۔ اس کے لیئے ہماری کتاب فہرست القرآن ملاحظہ کرو۔ ساتواں فائدہ قیامت میں مومن و کافر چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے کہ مومنوں کے منہ اجیلے کافروں کے منہ کالے ہوں گے یہ فائدہ كَاَنَّمَا اُغْشِیَتْ وُجُوْهُهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمَاهُمْ مسئلہ بعض گنہگار مومنوں کے چہروں پر غبار ہوگا۔ سیاہی کے علاوہ اور علامات ہوں گے۔ جن سے اُن کے جرموں کا پتہ لگے گا۔ مثلاً بیشہ ور بھکاری کے منہ پر گوشت نہ ہوگا۔ اپنی بیویوں پر انصاف نہ کرنے والوں کی ایک کروٹ نہ ہوگی۔ بخیل کا مال۔ گنجے سانپ کی شکل میں اس کے کندھے پر ہوگا۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہے۔ آٹھواں فائدہ گنہگار مومن اگرچہ سزا کے لیئے کچھ دن دوزخ میں رہے گا۔ مگر

وہ دوزخ والا نہ ہوگا۔ دوزخ والے صرف کفار ہوں گے۔ مہمان گھر والا نہیں ہوتا یہ فائدہ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لیئے ہے مومن گنہگار وہاں ہمیشہ نہ رہے گا۔ یہ فائدہ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیۃ کریمہ میں ذلت کے متعلق فرمایا گیا تَرْهَقُهُمْ اور سیاہی کے لیے ارشاد ہوا اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ یعنی وہاں چہرے کا ذکر نہیں یہاں چہرے کا ذکر ہے اس فرقِ بیان کی کیا وجہ ہے جواب سخت سیاہی کفار کے صرف چہروں پر ہوگی کہ چہرہ ہی حسن اور بدصورتی کی جگہ ہے مگر ذلت وخواری سارے بدن پر ہوگی۔ مثلاً ان کے بدن میں کوڑھ برص کے داغ وغیرہ بھی ہوں گے ان کے علاوہ اور علامات بھی۔ دوسرا اعتراض۔ کافر ایک جرم کرتا ہے یعنی کفر اسے سَيِّئَات جمع کیوں فرمایا گیا تم نے کہا کہ سَيِّئَات سے مراد کفر ہے جواب ہر کافر کا کفر علیحدہ ہے نیز کفر کی قسمیں بہت ہیں کوئی کافر شرک کرتا ہے کوئی کسی قسم کا کفر کرتا ہے کوئی دوسری قسم کا کوئی منافقت کا مرتکب اِن وجوہ سے سَيِّئَات جمع ارشاد ہوا۔ بہت کفار بہت قسم کے کفر کرتے ہیں بخلاف ایمان کے کہ وہ حضرت آدم سے لے کر تا روزِ قیامت سارے مومنین ایک ہی قسم کا ایمان اختیار کرتے ہیں یعنی توحید ورسالت لہٰذا ایمان ہر جگہ واحد ارشاد ہوتا ہے نبی کے بدلنے سے ایمان نہیں بدلتا۔ تیسرا اعتراض اس آیۃ میں اُغْشِيَتْ فعل مجہول ہے پھر قِطَعًا کو فتحہ کیوں ہوا جواب اُغْشِيَتْ کا نائب فاعل وُجُوْهُهُمْ ہے اور قِطَعًا دوسرا مفعول ہے اس لیئے فتحہ ہوا۔ جیسے اُعْطِيَ زَيْدٌ دِرْهَمًا چوتھا اعتراض قِطَعًا جمع ہے قِطْعَةٌ کی پھر اُس کا حال مُظْلِمًا واحد کیوں ارشاد ہوا مُظْلِمَات چاہیئے تھا۔ جواب ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا مُظْلِمًا قِطَعًا کا حال نہیں اَللَّيْل کا حال ہے جن لوگوں نے قِطَعًا کا حال بنایا ہے وہ بہت گہری توجیہیں کرتے ہیں ہماری عرض کی ہوئی ترکیب آسان بھی ہے اور قوی بھی۔

تفسیرِ صوفیانہ کفر شرک منافقت اگرچہ ایک ایک جرم ہے مگر اُن میں سے ہر ایک صدہا گناہوں کی جڑ ہے اِس لیئے ان میں سے ہر ایک کو سَيِّئَات فرمایا۔ یعنی سَيِّئَات کا مرکز حتیٰ کہ کافر کی نیکی بھی گناہ ہے کہ وہ ایمان کے بغیر کرتا ہے جیسے بے غسل والے کا قرآن یا نماز پڑھتا یا مسجد میں آنا یا طواف کرنا کہ یہ سب کام عبادات ہیں مگر بے غسلے کے لیئے سخت گناہ اعمال میں جس قدر اِخلاص زیادہ اُسی قدر درجہ زیادہ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ایں ریاضتہائے درویشاں چراست ۔ کاں بلا برتن بقاءِ جانہا است
مردنِ تن در ریاضت زندگی است ۔ رنج ایں تن روح را پائندگی است
پس ریاضت را بجاں شو مشتری ۔ چوں سپردی تن بخدمت جاں بری

چونکہ دل کی سیاہی تمام سیاہیوں سے بدتر ہے کہ اس سے انسان ہر طرح کے اندھیرے میں رہتا ہے اس لیئے کفار کے چہروں پر سخت تر سیاہی ہوگی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومنین کا جنت میں داخلہ ایمان سے ہوگا۔

وہاں کے درجات اعمالِ صالحہ سے اور وہاں کی ہمیشگی اُس کی نیت اور ارادہ سے کہ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ ہمیشہ نیک اعمال کروں گا اگرچہ ابدالآباد تک جیتا تو رب کی عبادت ہی کرتا اس کے برعکس کافر کا دوزخ میں داخلہ کفر کی وجہ سے ہوگا۔ وہاں کے درکات اُس کے بداعمال کی وجہ سے اور وہاں کی ہمیشگی اس کی نیت کی بنا پر۔ اس کا ارادہ کہ ہمیشہ بت پرستی و کفر کروں عمل کی نیت بھی ایک عمل ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان کو سب کو پھر کہیں گے ہم ان لوگوں سے جنہوں

اور جس دن ہم ان سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں کو سمجھائیں گے

أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا

نے شرک کیا ٹھہرو اپنی جگہ تم اور شریک تمہارے پھر جدائی کر دیں

اپنی جگہ رہو تم اور تمہارے شریک تو ہم انہیں

بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾

گے ہم درمیان ان کے اور کہیں گے شریک ان کے نہ تھے تم ہم کو پوجتے۔

مسلمانوں سے جدا کردیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے تم ہمیں کب پوجتے تھے

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا

بس کافی ہے اللہ گواہ درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے بیشک ہم تھے

تو اللہ گواہ کافی ہے ہم میں اور تم میں کہ ہمیں تمہارے

عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾

تمہاری عبادت سے بے خبر

پوجنے کی خبر بھی نہ تھی

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں مشرکین کی ایک طرح کی رسوائی ذلت خواری کا ذکر ہوا یعنی ان کے منہ کالے ہونا اب ان کی دوسری قسم کی ذلت و خواری کا تذکرہ ہے یعنی سارے

محشر والوں کے سامنے ان کے معبودوں کا ان پر لعن طعن کرنا۔ ان سے بیزار ہو جانا گویا جسمانی رسوائی کے بعد دلی اور روحانی رسوائی کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی بے بسی کا ذکر ہوا کہ ان کا مددگار عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ مَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ۔ اب اس بے کسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے دنیا میں جن بتوں کو اپنا مددگار حمایتی سمجھا تھا۔ وہ قیامت میں انہیں صاف جواب دیں گے ان سے بیزار ہو جائیں گے گویا یہ آیۃ کریمہ پچھلی آیۃ کی تفصیل ہے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیۃ میں کفار کی عملی چھانٹ کا ذکر ہوا تھا کہ کفار کے منہ کالے ہوں گے مومنوں کے منہ اوجیالے اب ان کی مکانی چھانٹ کا تذکرہ ہے کہ قیامت میں مومنین کو کفار سے الگ کر دیا جاوے گا فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ۔

تفسیر — وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اس کا واو ابتدائیہ ہے اور اس میں ایک فعل پوشیدہ ہے۔ اُذْكُرْ یا ذَكِّرْهُمْ خَوِّفْهُمْ۔ اَنْذِرْهُمْ یعنی کفار کو وہ دن یاد دلا دیجئے یا اس کا ذکر کیجئے یا اس دن سے ڈرائیے۔ یَوْمَ سے مراد ہے قیامت کا دن اس لیئے بمعنی وقت ہے رات کا مقابل دن مراد نہیں۔ نَحْشُرُهُمْ بنا ہے حشر سے بمعنی جمع کرنا قوی یہ ہے کہ هُمْ سے مراد سارے انسان ہیں مومنین اور کفار اور مشرکین کے بت اس میں حضراتِ انبیاء کرام داخل نہیں یہ قیامت کے اول وقت ہوگا۔ جب سارے انسان اپنے قبور سے نکل کر میدانِ محشر میں جمع ہوں گے جَمِيعًا هُمْ کا حال ہے اس میں یا تو یہ بتایا گیا کہ سارے ہی انسان جمع ہوں گے۔ کوئی باقی نہ بچے گا۔ یا ایک ہی جگہ ایک میدان میں جمع ہوں گے اس کے بعد تلاش شفیع میں یہ سارے ہی مختلف جگہ پھریں گے۔ اگر اس مجمع میں حضرات انبیاء بھی ہوتے تو یہ مجمع انہیں ڈھونڈنے کے لیے کیوں مارا مارا پھرتا۔ ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ اَشْرَكُوْا۔ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے نَحْشُرُهُمْ پر چونکہ یہ واقعہ لوگوں کے جمع ہونے کے بہت عرصہ کے بعد ہوگا اس لیئے ثُمَّ ارشاد ہوا ظاہر یہ ہے کہ براہِ راست رب تعالےٰ ہی مشرکین سے یہ کلام فرمائے گا یہ فرمان غضب اور قہر کا ہوگا۔ لہٰذا یہ آیۃ اس آیت کے خلاف نہیں وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ (الخ) کہ وہاں رحم و کرم کے کلام کی نفی ہے اور ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ یہ کلام ہو۔ شرک سے مراد سارے کفر ہیں خدا کی ہستی کا انکار۔ چند معبود ماننا۔ نبی کے کسی فرمان کا انکار سب ہی اس میں شامل ہیں۔ چونکہ اگلا مضمون مشرکین کے متعلق ہے اس لیئے یہاں اَشْرَكُوْا ارشاد ہوا۔ یہ بات خیال میں رہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف مشرکین الگ کر دیئے جاویں اور یہودی عیسائی دہریئے وغیرہ سب کافر مسلمانوں کے ساتھ رہیں مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ۔ حق یہ ہے کہ مَكَانَكُمْ اسم فعل نہیں جس کے معنی اَلْزِمُوْا ہیں بلکہ مَكَانَ اسم ظرف ہے بمعنی جگہ اس سے پہلے اَلْزِمُوْا پوشیدہ ہے شُرَكَاء سے مراد مشرکین کے بت ہیں۔ جن میں چاند تارے سورج لکڑی۔ پتھر وغیرہ کے سارے بت داخل ہیں جن کی مشرکین پرستش کرتے تھے اس میں حضرت عیسٰی اور عزیر اور وہ نیک بندے داخل نہیں جن کی یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار پوجا کرتے تھے۔ حضراتِ انبیاء کرام تو اس مجمع میں تھے ہی نہیں ہاں صلیب اور ان بزرگوں کے فوٹو مجسمے جن کو یہ پوجتے تھے وہ اس میں داخل ہیں یعنی اے کافرو تم اور تمہارے جھوٹے معبود بت یہاں ہی ٹھہرو اپنا فیصلہ سنو۔ اپنا انجام معلوم کر لو۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ یہ عبارت یا تو مَكَانَكُمْ (الخ) کی تفصیل ہے یا بِالْقَوْلِ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا پر معطوف۔ چونکہ یہ علیحدگی اس فرمان کے فورًا بعد ہو جاوے گی۔ اس لئے فَ ارشاد ہوئی۔ قوی یہ ہے کہ زَيَّلْنَا بنا ہے زوال سے بمعنی مٹنا یا ہٹنا یا علیحدہ ہونا باب تفعیل میں آ کر اس کے معنی ہوئے علیحدگی کر دی ہم نے۔ اگر بَيْنَهُمْ سے مراد مومنین و کفار ہیں تو مکانی علیحدگی مراد ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیۃ ہے وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ کہ وہاں سے مومنین اور جگہ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اور کفار وہاں ہی قید رہیں گے۔ اور اگر بَيْنَهُمْ سے مراد مشرکین اور ان کے بت ہیں تو دلی علیحدگی مراد ہے۔ یعنی ہم عابدین اور معبودین دونوں کے دلوں کو الگ الگ کر دیں گے۔ کہ ایک دوسرے سے متنفر ہو جائیں گے۔ ایک قرأت میں زَايَلْنَا بَيْنَهُمْ ہے۔ ابوالبقا نے کہا کہ یہ اصل زَيْوَلْنَا تھا باب فَيْعَلٌ کا ماضی اور واؤ جمع ہوئے تو واؤ کو ی میں مدغم کر دیا گیا۔ (تفسیر روح المعانی وکبیر وغیرہ) خیال رہے کہ یہ واقعات قیامت میں ہوں گے مگر چونکہ یقینًا ہوں گے لہذا انہیں ماضی سے ارشاد فرمایا جیسے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ۔ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ۔ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کے یا سرداروں کے متعلق کہیں گے کہ خدایا ہم کو انہوں نے گمراہ کیا ہم ان کی عبادت کر کے گمراہ ہوئے ہم کو سزا نہ دے ہماری سزا ان کو دے تب ان کے معبود یہ کہیں گے رب تعالیٰ انہیں قوتِ گویائی بخشے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خدایا انہوں نے ہم کو نہ پوجا بلکہ شیطان اور اپنے نفس امارہ کو پوجا جس کے کہنے پر انہوں نے شرک کیا۔ لہذا سزا سے یہ کیسے بچ سکتے ہیں خیال رہے کہ کفار کے بت چاند سورج بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ مگر عذاب پانے کے لیے نہیں بلکہ کفار کو عذاب دینے کے لیئے رب فرماتا ہے۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ بعض نے کہا کہ یہ قول فرشتوں اور حضرت عیسیٰ وعزیر علیہم السلام کا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کی عبادت کفار کرتے تھے قولِ اول قوی ہے قرآنِ مجید کی زبان میں ان بزرگوں کو شرکاء نہیں کہا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ (الخ) فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ یہ ان ہی شرکاء کا کلام ہے۔ پہلے کلام کی دلیل یعنی ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ تم نے ہماری عبادت نہ کی بلکہ اس کی کی جس نے تم کو یہ راہ بتائی اور تم سے شرک کرایا۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ آج ہم تم دونوں بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہیں خود رب تعالیٰ جو اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ ہے ہمارا تمہارا گواہ ہے کہ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ۔ اس عبارت میں اِنْ اصل میں اَنَّا تھا یعنی ہم کو تمہاری اس عبادت کی خبر نہ تھی۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں شرکاء سے مراد صرف بت ہیں فرشتے انبیاء کرام اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ ان حضرات کو تو ان کی اس عبادت کی خبر تھی رب فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ اور حضراتِ انبیاء کرام کے متعلق فرماتا ہے۔ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ یعنی کراماً کاتبین فرشتے تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔ اور حضراتِ انبیاء کرام اپنی امتوں کے گواہ ہوں گے گواہی علم و خبر کے بغیر ناممکن ہے۔

خلاصۂ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار و مشرکین کو اس ہولناک اور کس مپرسی افراتفری کے دن سے ڈراؤ جب

پہلے تو ہم سارے مومنین و کفار ان کے جھوٹے معبودوں کو یکجا جمع فرمائیں گے۔ پھر اس بھرے مجمع میں کچھ عرصہ کے بعد مشرکین سے فرمائیں گے کہ تم مومنوں سے چھٹ جاؤ۔ کہ تم اور تمہارے بت تو یہاں ہی رہو مسلمان قرب الٰہی میں بھیجے جاتے ہیں تم اپنا فیصلہ سنو۔ چنانچہ ہم مومنوں اور کافروں میں علیحدگی اور فیصلہ کر دیں گے اب کفار اور ان کے بتوں میں جھگڑا ہوگا۔ کفار بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم کفر و شرک کرنے میں بے قصور ہیں۔ ہمیں تو ان مردودوں نے بہکایا۔ ہم کو معافی دے انہیں سخت سزا دے تو اُن کے جھوٹے معبود جواب میں کہیں گے کہ تم ہم کو نہ پوجتے تھے بلکہ درحقیقت شیطان اور اپنے نفس کو پوجتے تھے۔ ہم نے تم کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا۔ شیطان اور تمہارے نفسوں نے دیا تھا۔ ہمارے تمہارے درمیان رب تعالیٰ گواہ ہے۔ اس کی گواہی پر فیصلہ ہے وہ جانتا ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ہم بے جان لکڑی پتھر تھے اور جن کے نام پر ہمیں گڑھا گیا تھا جیسے لات منات عزیٰ یا جیسے رام چندر کرشن وغیرہم وہ تمہاری عبادات سے پہلے ہی مر چکے تھے تم صدیوں بعد اُن کے پجاری بنے انہیں تمہاری عبادت کی کیا خبر۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ۔** قیامت میں پہلے سارے مومنین کافرین اکٹھے کھڑے ہوں گے۔ اس لئے اسے یوم الحشر کہتے ہیں۔ یعنی جمع ہونے کا دن پھر مومنوں کافروں میں چھانٹ ہوگی۔ اس لئے اسے یوم الفصل کہتے ہیں یعنی جدائی کا دن یہ فائدہ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** دنیا میں لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا جسمانی قرابت وغیرہ سے ہوتا ہے مگر قیامت میں اجتماع ایمان و کفر سے ہوگا۔ کہ چھانٹ ہونے پر کافر باپ مومن بیٹے سے کافرہ ماں مومنہ بیٹی سے الگ کر دی جاوے گی۔ اجنبی کفار کے ساتھ رکھی جاوے گی۔ یہ فائدہ۔ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد کفار و مومنین کی چھانٹ ہو۔ رب فرماتا ہے گا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۔ **تیسرا فائدہ** مومنوں کو چاہیئے کہ دنیا میں بھی کفار سے صورت و سیرت میں الگ چھٹے ہوئے رہیں اپنی شکل و صورت مومنوں کی سی رکھیں اپنے اعمال کردار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے سے بنائیں۔ جب وہاں چھانٹ ہوتی ہے تو یہاں ہی چھانٹ کیوں نہ کر لیں۔ **چوتھا فائدہ** قیامت میں چھانٹ اِس طرح ہوگی۔ کہ اجتماع کی جگہ سے مسلمان منتقل کر کے دوسری جگہ پہنچائے جائیں گے۔ کفار وہاں ہی رہیں گے اس میں مومنوں کی عزت افزائی ہوگی۔ یہ فائدہ مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۔ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** قیامت میں رب تعالےٰ لکڑی پتھر کے بتوں کو بھی گویائی دے گا۔ جس سے وہ کفار کی مخالفت اور اپنی بیزاری کا اظہار کریں گے۔ یہ فائدہ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ۔** یہاں شرکاء میں حضرات انبیاء اور فرشتے داخل نہیں۔ اگرچہ بعض کفار ان کی پرستش کرتے ہوں صرف بت یا کفار کے سردار ہیں جو انہیں اس عبادت کا حکم کرتے تھے ہاں صلیب اور جناب عیسیٰ و مریم کے فوٹو اور مجسمے اس میں داخل ہیں یہ فائدہ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ۔ سے حاصل ہوا **ساتواں فائدہ** حضرات انبیاء اور اولیاء اپنے متبع مومنین سے نہ دنیا میں بیزار رہیں نہ آخرت میں بیزار ہوں گے۔ بلکہ وہاں ہر طرح باذن الٰہی اُن کی مدد ان کی شفاعت کریں گے۔ کیونکہ بیزاری

مشرکین سے ان کے بت کریں گے جو یہاں بطور عذاب ارشاد ہوئی۔ اگر یہ حضرات بھی بیزار ہوں تو فرق کیا رہے۔ یہاں یہ بیزاری بطور عذاب ارشاد ہوئی رب فرماتا ہے۔ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا۔ یہ بحث تیسرے پارہ میں آیۃ الکرسی کی تفسیر میں شفاعت کی بحث میں کر چکے ہیں آٹھواں فائدہ۔ مومنوں کی عبادات سے نہ رب تعالیٰ بے خبر ہے نہ حضرات انبیاء و اولیاء یہ فائدہ عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ سے حاصل ہوا کہ اُن کے بت بے خبر ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں شرکاءکم میں حضرت مسیح و عزیر اور فرشتے سب داخل ہیں کہ اُن کی بھی عبادت کی جاتی ہے قیامت میں اولاً مومن و کافر نبی فرشتے سب یکجا جمع ہوں گے پھر چھانٹ ہوگی۔ رب فرماتا ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ۔ وہاں فرشتوں کا نام ارشاد ہوا کہ ان سب کو کفار کے ساتھ جمع کیا جاوے گا ان سے سوال ہوگا۔ جواب۔ ایک قول یہ ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ فرشتے اور انبیاء کرام کفار کے ساتھ جمع نہیں کئے جائیں گے۔ اس کی چند دلیلیں ہیں ۱؎ سارے محشر والے شفیع کی تلاش میں مختلف انبیاء کرام کو ڈھونڈتے پھریں گے۔ یکے بعد دیگرے اُن کے آستانوں پر پہنچتے اور جواب پاتے رہیں گے پھر آخر میں حضور انور تک پہنچیں گے اگر وہ حضرات انہیں کے ساتھ اس مجمع میں ہوتے تو انہیں ڈھونڈنے کے کیا معنی! اس تلاش میں ایک ہزار سال صرف ہوں گے۔ ۲؎ یہاں شرکاء کا قول ارشاد ہوا کہ تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔ حالانکہ انبیاء اور فرشتے اُن کے ہر عمل سے خبردار تھے اس لئے یہ حضرات ان کے کفر کی گواہی دیں گے ۳؎ یہ آیت بلکہ یہ سورت مکیہ ہے کفار مکہ سے اس میں خطاب ہے۔ مشرکین مکہ نہ ان نبیوں کی عبادت کرتے تھے نہ فرشتوں کی۔ وہ تو انہیں مانتے ہی نہ تھے۔ لہٰذا قوی یہ ہی ہے کہ شرکاء سے مراد مشرکوں کے بت اور وہ لوگ ہیں جن کے نام کے بت تھے تمہاری پیش کردہ آیت میں یہ ہرگز نہیں کہ فرشتوں اور نبیوں کو کفار کے ساتھ جمع کیا جاوے گا جب وہ اپنی بے گناہی اور معبودوں کے گمراہ کرنے کا دعویٰ کریں گے فرشتوں کو بلا کر ان سے وہ سوال ہوگا۔ دوسرا اعتراض۔ ان آیتوں میں شرکاء کے دو کلام نقل ہوئے۔ ایک یہ کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ دوسرے یہ کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ان دونوں میں تعارض ہے اگر وہ ان کی عبادت سے بے خبر تھے تو یہ کیسے جانتے تھے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔ جواب مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تمہاری عبادت ہمارے علم میں نہیں۔ تم کرتے ہوگے اس صورت میں إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ۔ اس کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان لکڑی پتھروں کی عبادت کرتے تھے جو ہمارے نام پر بنائے گئے تھے وہ جانیں اور تم جانو۔ یا ہم نے تم سے نہ کہا تھا کہ ہمیں پوجو۔ تم سے نفس یا شیطان نے یہ کہا تھا تو تم ان کے پجاری ہوئے۔ نہ کہ ہمارے۔ اس صورت میں غافلین کے معنی بے پرواہ یا ناراضی ہیں۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی)

تیسرا اعتراض۔ اللہ تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہے نہ کہ گواہ پھر یہ کیوں ارشاد ہوا کہ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا گواہ اور ہوتا ہے حاکم دوسرا۔ جواب۔ حاکم کی گواہی خدا کی گواہی ہوتی ہے۔ جو تمام گواہیوں سے اعلیٰ اس کی تحقیق ہم تیسرے پارہ میں

وَاِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں رب تعالیٰ دیکھ رہا تھا کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ چوتھا اعتراض۔ اس آیۃ کریمہ میں ایک جگہ ثُمَّ ہے کہ ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ اور دوسری جگہ فَ ہے۔ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ اس فرقِ بیان کی وجہ کیا ہے۔ جواب۔ اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ لوگوں کو جمع فرمانے اور چھانٹ فرمانے پر بڑا فاصلہ ہوگا۔ چھانٹ بہت عرصہ کے بعد ہوگی لیکن چھانٹ کے حکم اور چھانٹ واقع ہو جانے میں پل بھر کا فاصلہ نہ ہوگا۔ حکم ہوا کہ چھانٹ ہوگئی اس لیئے پہلے کے لیئے ثُمَّ ارشاد ہوا جس سے تاخیر معلوم ہوئی اور دوسری جگہ فَ ارشاد ہوئی بمعنی فوراً۔

تفسیر صوفیانہ قیامت میں انسان کی روحیں اور چیزوں کی حقیقتیں ظاہر کر کے جمع کر دی جائیں گی۔ چنانچہ دنیا دار لوگ وہاں دنیا کی حقیقت دیکھیں گے جو نہایت حقیر صورت میں ہوگی۔ پھر ارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ دنیا جس کی طلب میں تم نے اپنی عمریں خرچ کر ڈالیں۔ اب تم اور تمہاری معبود دنیا ایک جگہ رہو۔ کہ تم اعلیٰ تھے اور دنیا اسفل۔ تم اونچے ہو کر نیچے کی پوجاری ہوئے اب تم اس نیچی کے ساتھ رہو۔ پھر ہم مشرکین اور ان کے معبودوں میں فرق کر دیں گے کہ انہیں لعنت و پھٹکار دوری۔ جدائی کے رنج و غم میں مبتلا کریں گے اس وقت ان کے مال منال شکایت کریں گے کہ خدایا یہ نفس و شیطان کے پوجاری تھے ہم کو نفس و شیطان کے لیئے استعمال کیا۔ اگر یہ ہمیں تیرے لیئے استعمال کرتے تو ہم عین دین بن جاتے ان کا معبود دین نہیں بلکہ ان کی ہوا و حرص ہے اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ۔ یہ لوگ عبادتِ الٰہی کی لذت اور اطاعتِ رسول کے ذوق سے بے خبر رہے اور ہم ان سے متنفر رہے۔ قیامت وہ دن ہے جس میں مسلمانوں کے بہت سے خیالات فاسد نکلیں گے چہ جائیکہ کفار کی عبادات۔

حکایت کسی نے حضرت جنید بغدادی کی وفات کے بعد انہیں خواب میں دیکھا پوچھا کیسی گذری۔ فرمایا اشارات غائب ہو گئے۔ عبادات فنا ہو گئیں۔ رسوم کام نہ آئیں۔ علوم نے ساتھ چھوڑ دیا آخری رات کی گریہ زاری تہجد کے رکوع سجود کام آ گئے۔ شعر

بہ گنجے سعادت کہ خدا داد بحافظ	از یمن دعاء شب و وردِ سحری بود	(حافظ)
چوں بباطن بندگی دعوئے کجا است	او دعوی پیشِ آں سلطاں فنا است	

صوفیاء کے نزدیک رب سے غفلت دنیا میں مشغولیت بت پرستی ہے۔ (از روح البیان)

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى

اس جگہ پڑتال کرے گی ہر ذات ان اعمال جو آگے بھیجے۔ اور لوٹائے جائیں گے

یہاں ہر جان جانچ لے گی جو آگے بھیجا اور اللہ کی طرف پھیرے

اللّٰہِ مَوْلٰىہُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْہُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (۳۰)

وہ اپنے سچے والی کی طرف اور غائب ہو جائیں گے ان سے وہ جو گھڑتے تھے
جائیں گے جو ان کا سچا مولیٰ ہے اور ان کی ساری بناوٹیں اس سے گم ہو جائیں گی۔

تعلق۔ اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیۃ کریمہ میں بتوں اور بت پرستوں کے اس جھگڑے کا ذکر ہوا جو قیامت میں ہوگا اور اب جھگڑے کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ یعنی بت پرستوں کا اپنی غلطی مان لینا گویا دنیا میں جو بیان تھا وہ وہاں عیان ہو جاوے گا۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت کریمہ میں مومنوں اور کافروں میں چھانٹ کا ذکر ہوا اب ان دونوں جماعتوں کے اعمال کی چھانٹ کا تذکرہ ہے کہ مومن اپنے اعمال عقائد کی حقانیت کو کفار اپنے عقائد کے بطلان کو دیکھ لیں گے۔ گویا عاملین کی چھانٹ کے بعد اعمال کی چھانٹ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جھوٹے معبود اپنے عابدوں کی عبادات کا انکار کر دیں گے مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ۔ جس سے معلوم ہوا تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی عبادتوں کا حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کی اطاعتوں کا انکار نہ فرمائیں گے ان کی قدردانی فرمائیں گے اب ارشاد ہے کہ اس انکار و اقرار سے باطل اور سچے عمل کی چھانٹ ہو جاوے گی۔ دنیا میں مومن کافر ایک جگہ ہیں اعمال بظاہر ایک طرح کے ہیں۔

تفسیر هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے هُنَالِكَ کے معنیٰ ہیں اس جگہ۔ کبھی اس کے معنیٰ ہوتے ہیں اس وقت یہاں دونوں معنیٰ درست ہیں چونکہ یہ ظرف تَبْلُوْا سے آگے ہے اس لئے حصر کے معنیٰ ہوئے یعنی اس ہی جگہ یا اس ہی وقت رب فرماتا ہے۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ اسی جگہ جہاں بی بی مریم تھیں حضرت زکریا نے رب سے دعا کی۔ ہماری قرأت میں تَبْلُوْا تِ اور ب سے ہے یہ بنا ہے بَلْوٌ سے بمعنیٰ جانچنا رب فرماتا ہے وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً اور فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ (الخ) یعنی ہر نفس جانچ گی ایک قرأت میں ہے نَبْلُوْا نون اور ب سے اور كُلَّ نَفْسٍ کے فتح سے یعنی ہر نفس کو ہم جانچیں گے ایک قرأت میں تتلو ہے دو ت سے یا تلاوت سے یعنی ہر نفس پڑھے گی اپنے اعمال۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اپنی کتاب خود پڑھ لے یا تلو سے بمعنیٰ پیچھے ہونا۔ یعنی ہر نفس اپنے اعمال کے پیچھے چلے گی۔ مومن کو اس کی نیکیاں جنت کی طرف رہبری کریں گی کافر کو اس کی بدیاں دوزخ میں پہنچائیں گی غرضکہ اس ایک لفظ کی چار تفسیریں ہیں اگر هُنَالِكَ کے معنیٰ ہیں اس جگہ تو كُلُّ نَفْسٍ سے مراد سارے انسان مومن ہوں یا کافر کیونکہ اس جگہ میں رہ کر اپنے کئے دھرے کی خبر ہونا کفار کے لئے خاص ہوگا۔ مسلمان تو وہاں سے ہٹا لیے جائیں گے۔ ہاں اس وقت دونوں کو اپنے اعمال کی خبر ہوگی۔ نفس کے بہت معنیٰ بارہا عرض کر چکے ہیں کہ خون۔ جان۔ نفس امارہ۔ نفس مطمئنہ اور ذات سب ہی کو نفس کہا جاتا ہے یہاں بمعنیٰ ذات ہے مَّاۤ اَسْلَفَتْ یہ عبارت تَبْلُوْا کا مفعول ہے مَا سے مراد اعمال ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنے عقائد کی جانچ

تو قبر میں ہی ہو جاوے گی۔ کہ وہاں صرف ایمان و کفر کا امتحان ہے۔ اعمال کا نہیں۔ ہاں قیامت میں اعمال کی جانچ ہے۔ اَسْلَفَتْ بنا ہے سَلَفٌ سے بمعنی آگے اسلاف کے معنی ہیں آگے بھیجنا اس لیئے متقدمین کو سلف صالحین کہتے ہیں اس کا مقابل ہے خَلَفٌ اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو دنیا میں کئے تھے جو تندرستی میں یا بیماری میں مرتے وقت یعنی کفر یا اسلام پر عوظا کہ اس کی بھی سزا و جزا ہے لہذا یہ فرمان بہت جامع ہے۔ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ یہ فرمان عالی معطوف ہے تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ پر۔ رُدُّوْا کا نائب فاعل وہ مشرکین و کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے چونکہ دنیا میں سارے بندے رب کے بھیجے ہوئے رب کے پاس سے آئے تھے اس لیئے اب وہاں جانے کو رد یا رجوع یعنی لوٹنا کہا جاتا ہے چونکہ مومن وہاں بخوشی جاتے ہوں گے۔ جیسے دوست دوست کے پاس جاتا ہے اس لیئے اکثر رجوع فرمایا جاتا ہے یعنی بخوشی لوٹنا اور کفار جبراً دھکے دے کر وہاں لوٹائے جاتے ہیں۔ اس لیئے اُن کے لیئے اکثر رَدّ ارشاد ہوتا ہے۔ یعنی جبراً لوٹایا جانا۔ ان دونوں کے متعلق ارشاد ہے یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا مومنوں کے لیئے حشر اور وفد ارشاد ہوا۔ کفار کے لیئے سوق اور ورد دوسری جگہ ارشاد ہے وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا اور ارشاد ہے وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا دونوں سوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دُولہا کو دلہن کے ہاں بھی لے جاتے ہیں اور مجرم کو پھانسی گھر بھی مگر دونوں لے جانے میں فرق ہے۔ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ یہ فرمان عالی لفظ اللہ کی صفت یا بدل ہے یہاں مولیٰ بمعنی مالک ہے یا بمعنی مربی حق مقابل ہے۔ باطل کا۔ کفار نے دنیا میں بہت جھوٹے مولیٰ مان رکھے تھے۔ ان کا جھوٹا ہونا آج ظاہر ہو گیا کہ سب ان کے مخالف ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ سچا مولا ہے مولیٰ کے معنی اس کے اقسام اور کس معنی سے یہ لفظ کس پر بولا جاتا ہے ہم نے سورۂ بقر کے آخر میں اَنْتَ مَوْلٰىنَا کی تفسیر میں عرض کر دیئے ہیں۔ کہ مولیٰ یا وَلِی سے بنا ہے بمعنی دوستی۔ قرب یا ولایۃ سے رب تعالےٰ کو مولیٰ کہتے ہیں۔ اور معنی سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۃ المسلمین اور فرشتوں کو عام مومنین کو مولیٰ کہا جاتا ہے۔ دوسرے عام معنی سے یہ لفظ بہ یک وقت سب پر بولا جاتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ یہاں ضَلَّ کے معنی ہیں ضائع ہو گئے۔ جاتے رہے مراد ہے کام نہ آئے وہ پہلے سے ہی ضائع و غائب تھے آج اُن کا ضائع ہونا انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مَا سے مراد بُت پرستوں کے بُت اُن کی عبادات اور اُن کے سارے اعمال ہیں خصوصاً نیکیاں جنہیں وہ نیکی سمجھتے تھے اور واقع میں وہ گناہ تھیں نیز ان کے وہ اعمال جو واقعی نیکیاں تھے جیسے صدقہ و خیرات۔ ماں باپ کی خدمت وغیرہ کہ ان میں کوئی چیز ان کے کام نہ آئی۔ خیال رہے کہ کفار کی نیکیاں تو اس طرح ضائع ہوں گی کہ اُن سے انہیں جنت حاصل نہ ہو گی ان کے گناہ اس طرح ضائع ہوں گے کہ بجائے نفع دینے کے انہیں نقصان پہنچائیں گے لہذا آیۃ کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں انشاء اللہ مومنوں کی نیکیاں کام آئیں گی اور گناہ معاف ہوں گے۔ ضلالت اور معافی کا فرق یاد رہے۔

خلاصہ تفسیر ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیۃ کریمہ کی تین قراتیں ہیں اور چار تفسیریں۔ ہم ان سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو ہماری قرأۃ کے موافق ہے اور قوی ہے جب یہ چھانٹ اور معبودین باطلہ کا ناراض ہونے کا ظہور ہو گا تو اس جگہ یا اس وقت ہر جان ہر ذات اپنے دنیا میں بھیجے ہوئے اعمال کی جانچ کرے گی۔ کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور یہاں کیا ہوا۔ اور اب وہ اپنے سچے مالک سچے رب کی طرف جبراً لوٹائے جائیں گے کہ فرشتے انہیں دھکے دیتے ہوئے بارگاہِ عالی میں پیش کریں گے اور اُن کے جھوٹے معبود اُن کے کفر بت پرستی بلکہ اُن کے وہ نیک اعمال جو وہ دنیا میں کرتے تھے سب برباد ہو جائیں گے۔ جس کا وہ خود اقرار کریں گے۔

مصرع۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا!

فائدے اس آیتہ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ دنیا میں جو چیزیں چھپی ہیں وہ قیامت میں عیاں یعنی ظاہر ہو جاویں گی۔ وہاں حضراتِ انبیاء کرام کی حقانیت آنکھوں دیکھ لی جاوے گی۔ یہ فائدہ هُنَالِكَ اور تَبْلُوا سے حاصل ہوا بہتر ہے کہ انسان یہاں ہی آنکھیں کھول لے۔ دوسرا فائدہ قیامت میں فیصلہ الٰہی سے پہلے ہی بدکاروں کی بدکاریاں اور نیک کاروں کی نیک کاریاں ظاہر ہو جاویں گی۔ یہ فائدہ كُلُّ نَفْسٍ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ہر ذات ہے مومن ہو یا کافر تیسرا فائدہ دنیا کے نیک و بد اعمال کا حساب قیامت میں ہوگا۔ قبر میں نہیں۔ قبر میں تو صرف ایمان کا حساب ہے یہ فائدہ مَا اَسْلَفَتْ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ہی حساب کرے گا۔ رب تعالیٰ کا حساب لینا قانونی کاروائی کے لئے ہوگا۔ یہ فائدہ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ وہ تِ اور بِ سے ہو۔ پانچواں فائدہ قیامت میں کوئی شخص بے پڑھا حساب سے ناواقف نہیں ہوگا۔ یہ فائدہ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ یہ تلاوت سے بنا ہو رب فرماتا ہے اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ بلکہ بعد موت سب کی زبان عربی ہو جاتی ہے کیونکہ قیامت کا حساب اور قیامت کا سارا کام عربی زبان میں ہوگا۔ چھٹا فائدہ۔ بعد قیامت ہر شخص کو اس کے اعمال رہبری کریں گے۔ کفار کے اعمال انہیں دوزخ کے اور مومنوں کے نیک اعمال انہیں جنت کے گھر پہنچائیں گے یہ فائدہ تَتْلُوْ کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب یہ لفظ تَتْلُوْ بمعنی تَتْبَعُ سے بنا ہو۔ ساتواں فائدہ مومن رب کی بارگاہ میں خوش خوش جاتا ہے مگر کافر دھکے دے کر جبراً وہاں حاضر کیا جاتا ہے یہ فائدہ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر رَدُّ اور رجوع کا فرق بلکہ مومن خوشی خوشی ہنستا ہوا مرتا ہے۔ کافر روتا ہوا شعر۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم ۔ قضا آید تبسم بر لبِ اوست

اللہ تعالیٰ ایمان پر موت نصیب فرمائے۔ آٹھواں فائدہ اللہ تعالیٰ ہر مومن و کافر کا مولیٰ یعنی مالک اور رب ہے سچا مولیٰ وہ ہی ہے یہ فائدہ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ قیامت میں اکیلا رہ جانا اسی حالت میں بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا کفار پر رب کا عذاب ہوگا۔ مومن ان شاء اللہ اپنے نیک اعمال اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

سایہ میں مومنین کی ہمراہی شفاعت کرنے والوں مددگاروں کے جم گھٹ میں وہاں حاضر ہوں گے یہ فائدہ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ سے حاصل ہوا۔ اگر مومن بھی ایسے ہی بے کسی بے بسی کی حالت میں پیش ہوتے تو یہاں اس بے کسی کو کفار کا عذاب قرار نہ دیا جاتا رب فرماتا ہے يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا **دسواں فائدہ**۔ کفار نے جنہیں اپنا والی وارث سمجھا وہ غلط اور جھوٹے ہیں۔ مومنوں کے والی وارث شفیع سفارشی بالکل برحق ہیں ان کی مدد برحق ہے یہ فائدہ يَفْتَرُوْنَ ۔ سے حاصل ہوا۔ مومنوں کے لیئے رب فرماتا ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔

پہلا اعتراض جب قیامت میں ہر نفس اپنے نیک و بد اعمال کی خود ہی جانچ کرے گا تو رب تعالےٰ کے حساب لینے کا کیا فائدہ ہوگا۔ **جواب**۔ وہ حساب اجرا قانون کے لیئے ہوگا۔ بعض لوگوں سے حساب نہ لینا اور بغیر حساب انہیں جنت میں بھیج دینا رب کا کرم ہوگا۔ مگر کسی کو بغیر حساب دوزخ میں نہیں بھیجا جاوے گا۔ کہ اس میں عدل کا ظہور ہے عدل اور فضل میں فرق یاد رہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ کافروں کا بھی مولا ہے کہ فرمایا گیا مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۔ کافروں کا مولا کوئی نہیں آیتوں میں تعارض ہے **جواب** وہاں مولیٰ بمعنی مددگار ہے اور یہاں مولیٰ بمعنی رب اور مالک ہے اللہ تعالیٰ کافروں کا مالک رازق ہے مگر ان کا مددگار نہیں لہٰذا آیتیں دونوں صحیح ہیں۔ (روح البیان و معانی۔ کبیر وغیرہ) **تیسرا اعتراض** یہاں مولا کے ساتھ حق کیوں ارشاد ہوا کیا باطل مولیٰ بھی ہے۔ **جواب** جی ہاں جن بتوں اور سرداروں کو کفار نے دنیا میں اپنا رب یا مالک مان رکھا تھا وہ باطل مولیٰ تھے سچا مالک رب تعالےٰ ہے **چوتھا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار کے بت قیامت میں غائب ہو جائیں گے۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ مگر دوسری جگہ ہے کہ ان کے بت ان کے ساتھ رہیں گے حتیٰ کہ دوزخ میں ان کے ساتھ جائیں گے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** بتوں کی مدد شفاعت وہاں ان سے غائب ہو جائے گی۔ ہاں ان کی مخالفت کرتے انہیں اور زیادہ سزا دینے ان پر طعن کرنے کے لیئے قیامت اور دوزخ میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ حتیٰ کہ چاند سورج بھی ان کے ساتھ جائیں گے تاکہ آگ کی گرمی کے ساتھ انہیں سورج کی گرمی بھی پہنچے غرضکہ ہمراہی مدد کی اور ہے اور غضب و قہر کی کچھ اور (از صاوی)

تفسیر صوفیانہ مومن دنیا کی ہر چیز کا ظاہر و باطن دونوں دیکھتا ہے دنیا کا ظاہر حسین اور باطن قبیح ہے۔ اس لیئے اس کی کسی چیز سے دل نہیں لگاتا۔ مگر کافر صرف حسین صورت دیکھتا ہے اور اس میں پھنس کر رب کو بھول جاتا ہے مومن کے لیئے دنیا کی ہر چیز خدا رسی کا ذریعہ ہوتی ہے اور کافر کے لیئے رب تعالےٰ سے حجاب دنیا کی ہر چیز برف کا کھلونا ہے ظاہر میں سب کچھ باطن میں کچھ نہیں آنا گانا شعر۔

وَمَا الْخَلْقُ فِي التِّمْثَالِ اِلَّا كَثَلْجَةٍ ... بِهَا صُوْرَةٌ لٰكِنْ تَبَدَّتْ مِنَ الْمَاءِ

فَخُذُوا الْكَشْفَ لَمْ يَشْهَدْ سِوَى الْمَاءِ وَحْدَهُ ... تُبْدِيْ بِوَصْفِ الثَّلْجِ مِنْ غَيْرِ اِخْفَاءِ

وَمَنْ تَحْسَبُهُ صُوْرَةَ الثَّلْجِ جَاهِلٌ تَغَطّٰى عَلَيْهِ الْأَمْرُ مِنْ لَمْعِ أَضْوَاءٍ

جاہل نے برف کے کھلونے کو حسین محبوب سمجھا اس سے کھیلنے لگا۔ مگر سورج نکلتے ہی جب وہ پگھلے گا تب حقیقت کھل جائے گی کہ یہ صرف پانی تھا۔ دنیا گویا سردی کی راتیں ہیں یہاں کی چیزیں حتٰی کہ نفس کے بیٹے عبادات گویا برف کے کھلونے ہیں قیامت کا دن گویا سورج چمکنے کا وقت ہے ان اعمال کا برباد ہو جانا گویا ان کا پانی بن کر بہ جانا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ مومن نے انہیں دنیا میں ہی فانی پانی جانا۔ قیامت میں ان کا یقین عین الیقین ہو جاوے گا (از تفسیر صاوی) روز قیامت گویا پردے اٹھنے کا دن۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ

فرمائیے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہوتا ہے

تم فرماؤ تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

کانوں اور آنکھوں اور کون نکالتا ہے زندہ مردے سے

اور آنکھوں کا اور نکالتا ہے زندہ کو مردے سے

وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ

اور نکالتا ہے مردہ زندہ سے اور کون انتظام کرتا ہے کام کی

اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

پس عنقریب کہیں گے کہ اللہ پس فرمائیے تم کہ پس کیوں نہیں تم خوف کرتے ہو

تو اب کہیں گے کہ اللہ۔ تم فرماؤ تو کیوں نہیں ڈرتے

تعلق اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں مشرکین وکفار بھی اپنی بے کسی دیکھ کر رب تعالٰی کی وحدانیت وحقانیت کو مان لیں گے اب ارشاد ہے کہ دنیا میں بھی اسلامی دلائل کی قوت دیکھ کر کبھی مشرکین اللہ تعالٰے کی وحدانیت قدرت کے قائل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں گویا آئندہ کے اقرار

کے بعد موجودہ انکار کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین اپنی رسوائیوں کے بعد اس وقت ایمان لائیں گے جب ایمان معتبر نہ ہوگا۔ اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ دنیا میں اس طرح ایمان لاتے ہیں جو معتبر نہیں یعنی توحید کو مان لیتے ہیں مگر بغیر نبوت کے گویا بے وقت ایمان کے بعد بے فائدہ ایمان کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں اشارۃً ذکر ہوا تھا کہ ان کے جھوٹے معبود ان کی محض گڑھی ہوئی باتیں ہیں اب ارشاد ہے کہ خود وہ بھی مجبوراً یہ بات مان لیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ آسمان و زمین کی روزیاں خود ان کی اپنی جسمانی طاقتیں رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ جب ایسے ہی خود مانتے ہیں پھر معبود ان باطلہ خالق و مالک کہاں رہے گویا پہلے دعوی کا ذکر تھا اب دلائل کا۔

تفسیر قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ۔ ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یرزقکم میں روئے سخن ان کفار سے ہے اللہ تعالیٰ کو خالق رازق مالک مانتے ہوئے بتوں کو اپنا شفیع اور بت پرستی کو رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ اور کہتے تھے۔ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عام مشرکین عرب خصوصاً مشرکین مکہ ایسے ہی کافر تھے یہاں دہریوں وغیرہم سے کلام نہیں آیت واضح ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عیسائی یہودی بھی اس خطاب میں داخل ہوں کہ وہ بھی حضرت عیسیٰ وعزیر کو خالق رازق نہیں مانتے صرف رب کو مانتے ہیں ان بزرگوں کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں یرزق بنا ہے رزق سے بمعنی روزی۔ رزق کے معنی ہیں حصہ۔ رب فرماتا ہے۔ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ یہاں اس سے مراد روزی کا حصہ ہے آسمان کی روزی بارش دھوپ ہوا۔ موافق موسم ہے جس میں انسان کے کسب کو بالکل دخل نہیں اور زمینی رزق دانے پھل چارہ وغیرہ ہے جس میں انسانی کسب کو بھی دخل ہے چونکہ روزی کی پیداوار میں آسمانی زمینی اسباب دونوں کو دخل ہے اور آسمان اور وہاں کی چیزیں مؤثر ہیں اور زمین اور یہاں کی چیز متاثر یعنی اثر لینے والی اس وجہ سے آسمان و زمین دونوں کا ذکر فرمایا اور آسمان کا ذکر پہلے کیا زمین کا بعد میں یہ نعمتیں خارجی نعمتیں۔ پھر داخلی نعمتوں کا ذکر فرمایا أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ اس فرمان عالی میں أَمَّنْ اصل میں أَمْ اور مَنْ ہے أَمْ بمعنی بلکہ مَنْ بمعنی کون ملک سے مراد یا مالک ہونا ہے۔ یا محافظ ہونا یا خالق ہونا (روح البیان) سمع سے جنس سمع مراد ہے جس میں ایک اور زیادہ سب داخل ہیں اس لیے اسے سمع واحد ہی لا اسماع نہ فرمایا۔ اور الْأَبْصَارَ جمع ہے بصر کی۔ سمع سے مراد ہے سننے کی طاقت بصر سے مراد ہے دیکھنے کی قوت یعنی بینائی ممکن ہے کہ اس سے مراد کان اور آنکھیں ہوں مگر یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ کان کو عربی میں أُذُن کہتے ہیں اور آنکھ کو عین۔ چونکہ سننے اور دیکھنے کی طاقتیں تمام طاقتوں سے افضل و اشرف ہیں کہ دوسری طاقتیں چلنا۔ چھونا وغیرہ ان کی مدد سے ہی ممکن ہے نیز آیات الٰہیہ انہیں کے ذریعہ سنی اور دیکھی جاتی ہیں۔ انہیں سے ہی نبی کا فرمان سنا جاتا ہے جمال رسول دیکھا جاتا ہے آج کعبہ اور روضہ اطہر کی زیارت انہیں سے ہوتی ہے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔ چونکہ کان ہر طرف کی آواز سن لیتا ہے۔ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے۔ بعض نبی ایک وقت عارضی طور پر نابینا ہوئے۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مگر بہرے کبھی نہیں ہوئے۔ ان وجوہ سے سمع کو پہلے اور ابصار کو بعد میں بیان فرمایا گیا۔ خیال رہے سننے اور دیکھنے کی

طاقت میں رب تعالیٰ کی عجیب قدرتوں کا نظارہ ہے آنکھ میں نامعلوم کتنے پردے ہیں اور ہر پردہ کیا کیا کام کرتا ہے پھر یہ اتنی نازک ہیں کہ کان ایک قطرہ پانی اور آنکھ ایک تنکا برداشت نہیں کر سکتا اچھی خاصی آنکھیں ذرا میں بیکار ہو جاتی ہیں وہ ہی یہ نعمتیں دینے والا ہے وہ ہی اِن کی حفاظت فرمانے والا ہے اِس لیئے اِن کے متعلق یَمْلِکُ فرمانا بہت ہی مناسب ہے ہم ہر وقت اُس کی مِلک اُس کے قبضہ اس کی حفاظت میں ہیں۔ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ اِس فرمانِ عالی میں رب تعالیٰ کی تیسری صفت کا ذکر ہے۔ یہ عبارت مَنْ یَّرْزُقُکُمْ الخ پر معطوف ہے۔ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ حَیّ سے مراد جاندار ہے مَیِّت سے مراد بے جان رب تعالیٰ زندہ یعنی سبزے سے مردہ یعنی خشک بیج پیدا فرماتا ہے اور بے جان نطفہ سے جاندار حیوان اور جاندار حیوان سے بے جان نطفہ کو۔ یا جاندار چڑیوں سے بے جان انڈے کو اور بے جان انڈے سے جاندار چڑیوں کو یا عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم کو یا کافر سے مومن اور مومن سے کافر کو۔ بیدار سے غافل کو اور غافل سے بیدار کو یا خوش نصیب سے بدنصیب کو اور بدنصیب سے خوش نصیب کو۔ تیز زبان سے گنگا اور گنگے سے تیز زبان کو پیدا فرماتا ہے۔ بتاؤ یہ قدرت و قوت کس میں ہے وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ یہ عبارت معطوف ہے مَنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ الخ پر اس میں رب تعالیٰ کی چوتھی قدرت کا ذکر ہے تدبیر سے مراد مکمل نظام جس سے دنیا قائم رہے اَمْر سے مراد تکوینی احکام ہیں یعنی بتاؤ کہ دنیا کا انتظام کون فرما رہا ہے۔ کس کے انتظام سے یہ جہان قائم ہے۔ رزق کی تقسیم۔ موسموں کی تبدیلی۔ موت و زندگی قوموں کی ترقی و تنزل چاند و سورج کا طلوع و غروب یہ سارا انتظام کون کر رہا ہے جب آپ ان سے یہ چار سوال کریں گے تو فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ۔ تو یہ مشرکین عرب یا مشرکین اور یہود و نصاریٰ بریک زبان کہیں گے کہ یہ سارا کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ اِن کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں یہ فرما کر اشارۃً بتایا کہ وہ لوگ بلا تاخیر فوراً یہ جواب دیں گے۔ یہاں لفظ اللہ سے پہلے یا بعد میں یَفْعَلُ پوشیدہ ہے۔ خیال رہے عالم کے سارے انتظامات فرشتوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں چنانچہ ان کی ایک جماعت ماں کے پیٹ میں بچے بنانے پر مقرر ہے ایک جماعت جان نکالنے پر ایک جماعت اللہ کی رحمتیں بارش وغیرہ لانے پر ایک جماعت عذاب لانے پر قرآن مجید نے ان فرشتوں کو مُدَبِّرَاتِ اَمْر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا مگر فرشتے خدام بارگاہ میں اسی کے حکم سے اسی کی دی ہوئی طاقت سے یہ تدبیر عالم کرتے ہیں۔ شب برات میں ہر قسم کے احکام متعلقہ فرشتوں میں تقسیم کیئے جاتے ہیں فرماتا ہے فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ لہٰذا حقیقی مدبر رب تعالیٰ ہے اور اُس کے اِذن اُس کے ارادے سے فرشتے بلکہ عالم اجسام میں بادشاہ اور حکام۔ پولیس وغیرہ دنیا کا انتظام کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت واضح ہے دوسری آیات کے خلاف نہیں۔ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ اس میں اللہ کی طرف سے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جوابُ الجواب کی تعلیم ہے تَتَّقُوْنَ بنا ہے تقویٰ سے بمعنی بچنا یا ڈرنا یعنی اے کافرو جب تم رب کی اِن تمام صفات کے قائل ہو تو اس سے ڈرتے کیوں نہیں یا تم کفر و شرک و بت پرستی سے بچتے کیوں نہیں۔ معبود بے جان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ انہیں خدا کا شریک کیوں

مانتے ہو۔ سبحان اللہ کیا پیاری تبلیغ ہے۔

خلاصۂ تفسیر اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی چار ایسی عطاؤں کا ذکر ہے جن کے متعلق مشرکین و کفارِ عرب یہود و نصاریٰ بھی اعتقاد رکھتے تھے۔ کہ یہ صرف رب تعالیٰ کی کرم نوازیاں ہیں۔ ارزاق۔ ہوش و حواس۔ موت و حیات۔ دنیا کا انتظام۔ چنانچہ محبوب کریم سے فرمایا گیا۔ کہ آپ ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ آسمان اور زمین سے روزی تمہیں کون دیتا ہے۔ بارش ہوا۔ دھوپ یوں ہی زمین میں اگانے کی طاقت اس کا سبزہ اگانا۔ اس میں پھل پھول لگانا کس کی قدرت سے تم کو ملتے ہیں اپنے حواس سے غور کرو کہ تمام ظاہری حواس کی اصل اور نہایت ہی نازک اور بہت ہی کار آمد۔ یعنی سننے اور دیکھنے کی طاقت، کا مالک کون ہے۔ کہ جب چاہے تم کو سننے والا دیکھنے والا بنا دے جب چاہے یہ قوتیں تم سے چھین لے۔ کون ہے جو نطفہ انڈے سے جانداروں کو پیدا فرماتا ہے اور جاندار سے یہ چیزیں پیدا کرتا ہے۔ کافر سے مومن اور مومنوں سے کافر۔ یونہی عاقل سے غافل اور غافل سے عاقل۔ یوں ہی خوش نصیب سے بدنصیب اور بدنصیب سے خوش نصیب کو پیدا فرماتا ہے۔ اور کون ہے عالم کو سنبھالے ہوئے اس کا انتظام فرما رہا ہے۔ یہ سوال سن کر وہ لوگ بے توقف کہیں گے کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بتوں کو یا عیسائی حضرت عیسیٰ کو یہودی حضرت عزیر کو رازق۔ خالق۔ مدبرِ امر نہیں مانتے۔ اس جواب پر آپ ان سے فرماؤ کہ جب تم یہ سب باتیں مانتے ہو تو کفر و شرک سے بچتے کیوں نہیں تمہارے اعمال تمہارے اقوال کے خلاف کیوں ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر سوال سوال کرنے والے کی بے علمی سے نہیں ہوتا۔ کبھی اقرار کرانے یا سرزنش کرنے کے لیئے بھی سوال ہوتا ہے یہ فائدہ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یہ سوالات حضور سے کرائے گئے۔ کفار کو قائل کرنے یا اُن کی سرزنش کرنے کے لیئے۔ دوسرا فائدہ رزق و روزی کا کارخانہ آسمان میں ہے مگر اس کا خزانہ زمین میں یہ فائدہ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ سے حاصل ہوا کہ رزق کو آسمان و زمین کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ۔ تیسرا فائدہ ہماری بے بسی رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ سے حاصل ہوا۔ جس میں بتایا گیا کہ تمہارے کان اور آنکھیں ان کی قوتیں رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جب چاہے چھین لے۔ چوتھا فائدہ حواسِ ظاہری میں کان اور آنکھ بڑی ہی حیرت انگیز حواس ہیں آنکھ کی بناوٹ اُس کے کمال کو دیکھو ان پر رب نے پپوٹوں کے پردے لگا دیئے جو ہر بیرونی آفات سے انہیں بچاتے ہیں ان میں پانی کا تالاب رکھا ہے کہ جہاں کوئی تنکا پڑے پانی آئے اور اسے بہا کر لے جائے۔ ایک آنکھ میں تنکا پڑ جانے پر اور قسم کا پانی بہتا ہے آنکھ دکھنے پر اور قسم کا پانی۔ آنکھ میں زخم ہو جائے تو اور طرح کا پانی رونے پر اور طرح کا پھر درد دکھ سے روؤ تو اور طرح کا۔ عشقِ رسول میں روؤ تو اور طرح کا۔ خوف خدا میں روؤ تو اور طرح کا پانی بہتا ہے۔ عشق و خوف کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں دل پر اثر ڈالتے ہیں رب ہی جانے کہ مختلف

قسم کے پانی کہاں سے آتے ہیں لہٰذا اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ بالکل برحق ہے۔ **پانچواں فائدہ** ایک ماں کے پیٹ سے نرو مادہ۔ کافر مومن۔ نیک و بد۔ عاقل و دیوانہ۔ کالے گورے ذہین و غبی کالے گورے بچے پیدا ہونا رب کی قدرت کی بڑی دلیل ہے سانچہ ایک ہے مگر اس سے ڈھلنے والے برتن مختلف۔ **چھٹا فائدہ** عالم کا سارا نظام دن رات کا آنا جانا موسموں کا بدلنا عمریں ختم ہونا۔ موت و زندگی کا سلسلہ رب تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہے حقیقی مدبر وہ ہی ہے اس کے حکم سے بعض فرشتے بلکہ تکوینی اولیاء اللہ مجازاً مدبر عالم ہیں۔ ان اولیاء میں غوث قطب۔ ابدال اوتاد وغیرہم ہیں ان کے یہ نام ان کے کام کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ فائدہ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** کفار بہت قسم کے ہیں بعض[1] خالق کے منکر جو زمانہ کو خالق مانتے ہیں۔ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ بعض[2] چند خالق ماننے والے کہ خیر کا خالق اور ہے اور شر کا خالق دوسرا بعض[3] کافر توحیدیے ہیں جو عالم کا خالق مالک رازق مدبر امر صرف رب تعالیٰ کو مانتے ہیں بعض[4] کافر موحد بھی ہیں جو صرف اللہ کو معبود مانتے ہیں مگر انکار اور گستاخی نبوت سے کافر ہیں۔ یہ فائدہ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ سے حاصل ہوا **آٹھواں فائدہ** نبی پر ایمان لائے بغیر عقیدہ توحید سے انسان مومن نہیں بنتا توحید ذریعہ نجات نہیں ایمان کا مدار نجات ہے۔ یہ فائدہ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ سے حاصل ہوا کہ ان کفار کو باوجود عقیدۂ توحید کے قرآن کریم نے مومن نہ مانا انہیں کافر قرار دیا۔ **نواں فائدہ** رب تعالیٰ بندوں سے بواسطہ پیغمبر کلام فرماتا ہے اس کا قانون یہ ہے اور پیغمبر سے اکثر بواسطہ فرشتہ اور کبھی بلاواسطہ براہ راست یہ فائدہ یہاں دونوں جگہ قُلْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ اور فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔

پہلا اعتراض اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ بندوں کو روزی آسمان سے بھی ملتی ہے اور زمین سے بھی کہ ارشاد ہوا مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ حالانکہ ہم کو دانے پھل وغیرہ زمین ہی سے ملتے ہیں۔ آسمان سے نہیں برستے۔ **جواب** اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ بعض رزق آسمان سے ملتے ہیں۔ دھوپ ہوا۔ بارش وغیرہ اور بعض رزق زمین سے دانے پھل وغیرہ رزق زمین سے دانے پھل وغیرہ۔ رزق صرف غذا کو نہیں کہتے بلکہ یہ عام ہے دوسرے یہ کہ کھیتوں باغوں میں دانے پھل آسمانی اور زمینی اسباب سے مل کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم کو آسمان و زمین کے اسباب سے غذائیں دیتا ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ اس آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ سمع بصر کا کون مالک ہے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ ان کا خالق کون ہے **جواب** تاکہ معلوم ہو کہ ان چیزوں کے پیدا فرمانے کے بعد بھی رب تعالیٰ اِن کا مالک ہے تم کو صرف کام لینے کی اجازت ہے ملک خلق۔ حفاظت۔ مالکیت سب کو شامل ہے وہ جب چاہے یہ نعمتیں تم سے چھین لے۔ جیسا کہ دن رات دیکھا جاتا ہے۔ **تیسرا اعتراض** میت اُسے کہتے ہیں جو جاندار ہو چکنے کے بعد بے جان ہو۔ یعنی مردہ مردے سے کوئی زندہ نہیں ہوتا پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ **جواب** قرآن مجید میں میت بہت معنیٰ میں استعمال ہوا۔ ایک وہ ہیں جو تم نے سمجھے۔ رب فرماتا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ دوسرے خشک معنیٰ اس سے سوکھی زمین کو میت فرمایا گیا۔ تیسرے بے جان چیز جیسے دانہ۔ انڈا۔ نطفہ اس معنیٰ میں یہاں میت ارشاد ہوا بلکہ کافر۔ غافل کو بھی

میت کہا گیا۔ اس کے مقابل مومن ذاکر کو زندہ۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار بھی صرف اللہ تعالےٰ کو ہی مدبر عالم مانتے تھے۔ کسی بت یا اور بندے کو نہیں مانتے تھے۔ مگر تم لوگ بعض ولیوں کو مدبر عالم مانتے ہو۔ چنانچہ تمہارے اعلیٰحضرت خود غوث پاک کی شان میں فرماتے ہیں۔

ذی تصرف بھی ہے ماذون بھی مختار بھی ہے ۔۔۔ کار عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر!

تم مشرکین مکہ سے بڑھ کر مشرک ہو۔ (دیوبندی) **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو مدبرات امر فرمایا ہے۔ فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا نیز تم دنیوی بادشاہوں۔ حکام کو دنیا کا منتظم مانتے ہو یا نہیں مانتے ہو اور ضرور مانتے ہو۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کے ذریعہ سے عالم کا نظام قائم ہے حتیٰ کہ بیان تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ قطب عالم کے ذریعہ زمین و آسمان قائم ہیں اگر وہ نہ ہو آسمان گر پڑے اسے عماد السماء کہا جاتا ہے یہ سب عقیدے شرک ہیں یا نہیں **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ رب تعالےٰ مدبر عالم ہے اپنی قدرت سے یہ حضرات مدبر عالم ہیں اپنی خدمت سے یعنی رب کے خدام ہیں اس نے انہیں تدبیر عالم پر مقرر فرمایا ہے میاں محمد صاحب سیف الملوک میں فرماتے ہیں۔ شعر۔

مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سٹّے ۔۔۔ دنیا باغ وچ مالی ہے بوٹے لاوے پٹّے

یعنی باغ عالم کا رب تعالیٰ مالک ہے اولیاء اللہ اس باغ کے مالی انہیں رب نے اختیار دیا ہے کہ پودے لگائیں اور اکھیڑیں کسی پودے کا قلم کسی سے لگائیں۔ مالک اور مالی کا فرق دھیان میں رہے اور فرماتے ہیں شعر۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی ۔۔۔ مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

غرضکہ والی اللہ ہے مالی ولی اللہ ہے والی مالک ہے مالی مالک کا خادم باغ کا مختار

پانچواں اعتراض۔ اگر یہ بات ہے تو وہ مشرک کیوں ہوئے جیسے تم نبیوں ولیوں کو عارضی طور پر مدبر عالم حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہو ایسے ہی وہ بتوں کو دور سے سننے والا حاجت روا عالم غیب۔ حاضر و ناظر مانتے تھے۔ اس لئے وہ مشرک تھے۔ تم نبیوں ولیوں کو ایسا ہی سمجھتے ہو۔ تم بھی مشرک ہو (دیوبندی) اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب**۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ تم کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کرتے ہو مشرکین پتھر کے بت کی طرف تم آب زمزم کا احترام کرتے ہو۔ مشرکین گنگا کے پانی کی۔ تم عید بقر کا ادب و احترام کرتے ہو۔ مشرکین ہولی دیوالی اور عیسائی ۲۵ دسمبر کا دونوں کے عمل یکساں ہیں پھر تم مومن کیوں ہو اور وہ مشرک کیوں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ عیسائی یہودی حضرت عیسیٰ عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اولاد باپ کی طرح باپ کے برابر ہوتی ہے تو انہوں نے ان بندوں کو اللہ کی برابر مان لیا نیز مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنے بتوں کی برابر سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ رب تعالیٰ دنیا کو بنا کر تھک گیا کہ اس کا انتظام چلانے کے لائق نہ رہا ہمارے بت یہ کام کر رہے ہیں وہ رب تعالےٰ کے بندے ہیں مگر

اس کی حکومت میں دخیل کار ہیں۔ اس برابری کے عقیدے سے وہ مشرک ہوئے۔ رب فرماتا ہے ثُمَّ الذین کفروا بربهم یَعْدِلُوْنَ۔ مشرکین اپنے بتوں کو رب کی برابری میں کرتے ہیں اس وجہ سے مشرک ہوئے۔ رہا دور سے سننا دیکھنا مدد کرنا اب تو دن رات ہو رہا ہے ابھی آخر جولائی ۱۹۷۱ء میں امریکہ نے ایک راکٹ اپالو ۱۵ کے ذریعہ تین خلا باز چاند میں بھیجے زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل ہے مگر امریکہ میں بیٹھے ہوئے کنٹرولر اپنے کانوں سے ان تینوں کے دلوں کی دھڑکن سن رہا تھا اور گن رہا تھا کہ ایک منٹ میں کتنی بار حرکت کرتا ہے۔ یہاں سے انہیں سوئے ہوؤں کو جگایا کر تمہاری آکسیجن کی پیٹی میں سوراخ ہو گیا ہے اسے فوراً بند کرو۔ یہ ہے دور سے سننا اور مدد کرنا۔ اگر شرک اتنا سستا ہو جائے تو آج سب ہی مشرک ہوں گے بندوں کو بندہ مان کر یہ صفات بہ عطاء الٰہی پائے جائیں تو شرک نہیں اگر بندے کو خدا سے برابر مان لیا جائے تب شرک ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن اور اسلام کی چار اصطلاح میں کی گئی ہے وہاں مطالعہ کرو۔ **چھٹا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے مگر دوسری جگہ ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون تمہاری روزی آسمان میں ہے۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس اعتراض کے بہت جواب دیے گئے آسان اور قوی جواب وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ روزی کی ٹکسال جہاں روزی بنتی ہے وہ آسمان ہے مگر روزی کا خزانہ جہاں سے روزی ہم کو ملتی ہے وہ زمین ہے شاہی سکہ ڈھلتا ہے ٹکسال میں بٹتا ہے خزانہ سے لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں چونکہ ابھی مضمون ختم نہیں ہوا اس کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت کے ساتھ کی جائے گی۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا

پس یہ ہے اللہ پالنے والا تمہارا سچا پس کیا ہے پیچھے سچے کے سوا گمراہی کے

تو یہ اللہ ہے تمہارا سچا رب پھر حق کے بعد کیا ہے مگر

الضَّلٰلُ ۚ ۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

پس کہاں پھیرے جاتے ہو تم اسی طرح ثابت ہو گیا

گمراہی پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔ یوں ہی ثابت ہو چکی ہے تیرے

رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

فرمان آپ کے رب کا ان لوگوں پر جو فاسق ہوئے تحقیق وہ نہیں ایمان لائیں گے

رب کی بات فاسقوں پر تو وہ ایمان نہیں لائیں گے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں رب تعالٰے کی وہ صفات بیان ہوئیں جنہیں مشرکین اور یہودی عیسائی بلکہ سارے کفار عرب چار یا ناچار مانتے تھے۔ اب اس ماننے کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جس ذات میں یہ صفات ہوں وہ حقیقی رب ہے۔ **دوسرا تعلق** ابھی پچھلی آیتہ کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ جب تم رب تعالٰی کی یہ صفات مانتے ہو تو پھر بت پرستی سے کیوں نہیں بچتے اَفَلَا تَتَّقُوْن۔ اس سوال کا جواب انہوں نے تو نہ دیا رب تعالٰی نے خود دیا کہ كَذٰلِكَ حَقَّتْ الخ یعنی ان کے بت پرستی سے نہ بچنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کا ارادۂ الٰہی ہو چکا ہے ان کا نام کفار کی فہرست میں آچکا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں سوال تھا اس آیت میں اس سوال کا جواب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیتہ میں اللہ تعالٰی کی معبودیت اس کی صفات عالیہ سے ثابت کی گئی۔ اب ارشاد ہے کہ جو ان صفات سے موصوف ہے وہ تو حق معبود ہے جو بت ایسے نہیں ان کی معبودیت محض باطل ہے گویا رب تعالٰے کی معبودیت کے بعد اس کی حقانیت کا ذکر ہے۔

تفسیر فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقّ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ لہٰذا اس کی ف جزائیہ ہے یعنی جبکہ تم نے رب تعالٰی کی مذکورہ صفات کا اقرار کر لیا تو یہ بھی اقرار کر لو اس پر بھی ایمان لاؤ ذٰلِكُمْ دور کے اشارہ کے لیے آتا ہے رب تعالٰی حسی اشارہ سے پاک ہے کہ وہ حواس میں نہیں آتا اس لیے اشارۂ ذہنی ہے۔ شعر۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔۔۔ پہچان گیا میں تیری پہچان یہ ہی ہے

چونکہ اللہ ایسی شان والا ہے کہ اس کی شان ہماری عقل سے وراء ہے لہٰذا اشارہ بعید یعنی ذالکم ارشاد ہوا۔ اشارہ قریب یعنی ذا یا ہٰذا ارشاد نہ ہوا۔ چونکہ پچھلی آیت میں رب تعالٰے کی بہت سی صفات مذکور ہوئیں اس لیے ذلکم میں کم ضمیر جمع ارشاد ہوئی ذالک واحد استعمال نہ ہوا رب تعالٰی کی ذات ایک (واحد) ہے اس کے صفات بہت ان صفات کی وجہ سے کبھی اس کے لیے ضمیر جمع ارشاد ہوتی ہے قوی یہ ہے کہ ذالکم مبتدا ہے اللہ اس کی خبر اوّل ربکم خبر دوم اور الحق ربکم کی صفت اور ہو سکتا ہے۔ کہ ذالکم اللہ پورا مبتدا ہو اور ربکم الحق اس کی خبر اس فرمانِ عالی کی اور بہت تفسیریں ہیں خیال رہے کہ ربکم میں خطاب انہیں مشرکین و کفار سے ہے جن سے پہلے سوالات ہوئے تھے لہٰذا ربوبیت سے مراد جسمانی ربوبیت ہے جو جسمانی نعمتوں سے ہوتی ہے روحانی ربوبیت مراد نہیں ربوبیت جو روحانی نعمتوں ایمان تقوٰی وغیرہ سے ہوتی ہے کیونکہ کفار نے اس کی وہ ربوبیت قبول کی ہی نہیں ربوبیت قہری ربوبیت مہری۔ ربوبیت محبوبی میں فرق ہم بارہا عرض کر چکے ہیں رب تعالٰے ورب العالمین بھی ہے رب الناس بھی رب مومنین بھی ہے۔ رب کافرین بھی۔ پھر وہ رب اولیاء بھی ہے رب انبیاء بھی اور رب محمد مصطفٰی بھی اس لیے کہیں اسے رَبُّکُمْ اور کہیں ربک کہا جاتا ہے اس کی تفسیر سورہ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر میں دیکھو۔ الحق یا مقابل ہے باطل کا یعنی سچا یعنی تمہارے تجویز کئے ہوئے رب باطل اور جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالٰے سچا رب ہے یا مقابل ہے زائل

کا بمعنی ناقابل زوال یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا ایسا رب ہے جس کی ربوبیت کو کبھی زوال نہیں تمہاری پیدائش سے پہلے اور دنیا کی زندگی میں بھی مرنے بعد ہر جگہ ہر طرح ہر وقت مختلف طریقوں سے تمہاری پرورش فرماتا ہے دوسروں کی پرورشیں وقتی اور قابل زوال ہیں۔ تم ایسے دائمی رب کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ لفظ ماذا یا تو ایک ہی لفظ ہے بمعنی کیا اور ما یا سوال کے لیے ہے اور ذا بمعنی الذی اسم موصول اور بمعنی غیر موئی ہے (روح البیان وغیرہ) ضلال کے معنی اس کے اقسام ہم سورۂ فاتحہ میں ولا الضالین کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں بمعنی کفر و شرک ہے ماسوی اللہ کی عبادت، اگرچہ ظاہری اعضاء سے ہوتی ہے اور کفر و شرک دل کا کام ہے مگر چونکہ وہ عبادت اس بد عقیدگی پر مبنی ہے اور اس کی علامت ہے اس لیے خود عبادت کو ضلال فرمایا گیا۔ یعنی صرف رب تعالیٰ حق ہے تو اس کا غیر اور اس غیر کی عبادت گمراہی ہی ہوگی۔ کہ ہدایت اور گمراہی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں حق بمعنی ہدایت ہے۔ لہٰذا یہ حق پہلے حق کے علاوہ ہے اس لیے یہاں حق کا نام لیا گیا۔ پہلے حق کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی گئی۔ (روح المعانی) فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ اس فرمان عالی میں ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب یہ بات ہے تو تم حق سے کیسے پھرے جاتے ہو۔ لفظ انّٰی کے معنی فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ کی تفسیر میں عرض کئے گئے کہ بمعنی کَیْفَ ہوتا ہے اور بمعنی مِنْ اَیْنَ بھی یہاں بمعنی کیف ہے۔ صَرْف کے معنی ہیں پھرنا یہاں مراد ہے ایمان عرفان۔ اسلام سے کفر و شرک کی طرف پھرنا حقیقۃً پھیرنے والا رب تعالیٰ ہے ظاہری پھیرنے والا نفس امارہ ہے یا شیطان (کبیر روح المعانی) یعنی اس قدر ظاہر ہوتے ہوئے تم رب کی عبادت سے کس طرح پھرے جاتے ہو۔ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اس عبارت سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی جیسے رب تعالیٰ کی ذات حق ہے اس کا نام حق اس کی عبادت حق اس کے احکام برحق اس کے نبی حق ایسے ہی اس کا یہ فرمان بھی حق اور ناقابل زوال ہے۔ کہ یہ لوگ ایمان نہیں لانے والے۔ کلمہ رب سے مراد یا تو وہ فرمان ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ یا یہ فرمان عالی فَمِنْكُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ یا روز ازل جب نور کا چھینٹا روحوں پر ڈالا گیا بعض پر نہ پڑا اور وہ سیاہ رہیں تو ارشاد ہوا کہ ہم نے دوزخ کے لیے پیدا کیا۔ یہ دوزخیوں کے سے کام کریں گے یا کلمہ سے مراد ہے ارادۂ الٰہی یعنی ان کے کفر پر مرنے کا ارادہ فرما لیا عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اس کا تعلق حَقَّتْ سے ہے۔ اَلَّذِيْنَ سے مراد یہ ہی کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا۔ فَسَقُوْا بنا ہے فِسْقٌ سے بمعنی اطاعت سے نکل جانا۔ فسق کی بہت قسمیں ہیں۔ یہاں فسق مجوری ہی مراد ہے۔ یعنی کفر و شرک فَسَقُوْا سے مراد ہے کہ وہ علم الٰہی میں فاسق ہو چکے اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یہ فرمان عالی ایک حکمت کا بیان ہے ایمان سے مراد وہ دنیا میں ایمان لانا ہے جس پر نجات کا مدار ہے ورنہ اَلَسْتُ کے دن تو سب بلیٰ کہہ کر مومن ہو چکے تھے پھر مرتے وقت جان نکالنے والے فرشتوں کو دیکھ کر بھی سب ایمان قبول کر لیں گے۔ مگر وہ دونوں ایمان مفید نہیں نہ ان کا کوئی مکلف ہے۔

خلاصہ تفسیر اے لوگو جس ذات کریمہ کے تم نے مذکورہ اوصاف سنے اور تم نے ان کا اقرار کیا کہ وہ ہی آسمان

وزمین سے سب کو روزی دیتا ہے وہ ہی کان آنکھ کا مالک ہے وہ ہی مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا فرماتا ہے وہ ہی دنیا جہاں کی تدبیر فرماتا ہے ان صفات کا مالک ہی تو تمہارا سچا رب ہے جس کی ربوبیت تم پر کرم فرمارہی ہے اور ہے اور رہے گی اسے کبھی زوال نہیں۔ جب حق وہ ہے تو سمجھ لو کہ اسے چھوڑ کر جسے اختیار کیا جاوے وہ محض گمراہی ہے تم کیسے پھرے جاتے ہو۔ رب کی طرف کیوں نہیں آتے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رب تعالیٰ کی ذات اس کے صفات اس کے احکام برحق ہیں۔ ایسے ہی اس کا یہ فرمان بھی حق ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا کہ یہ اپنی خوشی اپنے ارادے اپنے اختیار سے کافر جئیں گے۔ کافر مریں گے۔ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہ سنیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سننے کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔

فائدے۔ ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** دنیا کے حالات یہاں کے واقعات معرفت توحید کے ذریعے ہیں عالم کو دیکھو رب کو پہچانو یہ فائدہ فذالکم کی ف سے حاصل ہوا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معرفت ایمانی کا ذریعہ ہیں کبھی توحیدی معرفت ایمانی معرفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اس قسم کی آیات ایمان کی طرف رہبری کرتی ہیں اس لیے کبھی رب تعالیٰ اپنی پہچان کراتا ہے دنیا کی چیزوں سے کبھی پہچان کراتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی الخ **دوسرا فائدہ** رب تعالیٰ دنیا میں بندوں کے گناہوں بلکہ کفر و شرک کی وجہ سے ان کی روزی نہیں بند کرتا یہ فائدہ رَبُّكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ انہیں کفار و مشرکین سے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم تمہارے رب ہیں تم کو پال رہے ہیں۔ شعر۔

ولیکن خداوند بالا و پست　　　بہ عصیاں درِ رزق برکس نہ بست

رب تعالیٰ ہم کو غیرت ایمانی عطا فرمادے کہ ہم اس کے مطیع و فرمانبردار رہیں۔ رنج و غم۔ عیش و خوشی میں اس کے دروازے سے نہ ہٹیں۔ **تیسرا فائدہ** کفر و ایمان کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں انسان یا مومن ہوگا یا کافر یہ فائدہ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ سے حاصل ہوا یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ معتزلہ ان دونوں کے درمیان فسق کا درجہ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں فاسق نہ مومن ہے نہ کافر۔ قرآن کریم نے گنہگار فاسقوں کو مومن فرمایا ہے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا۔ آپس میں لڑنے بھڑنے جنگ و جدال کرنے والوں کو مومن فرمایا ہے **چوتھا فائدہ** کبھی رب تعالیٰ بندوں سے سوال فرماتا ہے تعجب دلانے کے لیے سوال ہمیشہ بے علمی کے لیے نہیں ہوتا یہ فائدہ فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ۔ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** ازلی بدبخت ہرگز ایمان نہیں لا سکتا وہ تو حضور انور کو دیکھ کر آپ کے معجزات کا مشاہدہ کر کے بھی کافر ہی رہے یہ فائدہ اِنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ سے حاصل ہوا کسی صابن سے کوئلہ سفید نہیں ہو سکتا۔ کسی پانی سے گوبر پاک نہیں ہو سکتا۔ شعر۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بد ست　　　تربیت نا اہل را چوں گردگاں بر گنبد است

خر عیسٰی اگر بہ مکہ رود چوں بر آید ہنوز خر باشد

پہلا اعتراض۔ اس آیت کریمہ میں لفظ حق دو جگہ ارشاد ہوا ربکم الحق اور فماذا بعد الحق الا الضلال حق اللہ تعالٰی کا نام ہے رب کے حق کون ہو سکتا ہے نہ اس سے پہلے کوئی چیز ہے نہ اس کے بعد کچھ کیونکہ وہ ہی اوّل ہے وہ ہی آخر پھر بعد الحق فرمانا کیونکر درست ہوا۔ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ پہلے حق سے مراد باری تعالٰی ہے دوسرے حق سے مراد درست عقیدے نیک اعمال ہیں اور یہاں بعد بمعنی سوا ہے یعنی حق کے ماسوا جو ہے وہ گمراہی ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں حق کا مقابل ضلال فرمایا گیا حالانکہ اس کا مقابل باطل ہوتا ہے یہ مقابلہ کیونکر درست ہوا۔ جواب یہاں ضلال بمعنی باطل ہی ہے غیر حق عقیدے اور غیر حق اعمال باطل ہیں۔ اگر بُرے عمل بدعقیدگی کے ساتھ ہوں تو گمراہی بلکہ کفر ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں بعض اعمال بدعقیدگی بلکہ کفر کی علامت ہیں وہ عمل ہی گمراہی بلکہ کفر ہیں جیسے غیر خدا کی عبادت یا زنار باندھنا۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کرنا۔ تیسرا اعتراض جن لوگوں کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ان کا ایمان ناممکن ہو گیا اور اللہ تعالٰے کسی کو ناممکن چیز کا مکلف نہیں کرتا۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا تو چاہیئے کہ وہ نہ ایمان کے مکلف ہوں نہ کفر کی وجہ سے عذاب ہو۔ کیونکہ ان کے بارے میں ارشاد ہو گیا لَا يُؤْمِنُوْنَ جواب معترض نے دو باتوں میں سے ایک بات پکڑی۔ دوسری کی طرف توجہ نہ کی۔ علم الٰہی میں دو باتیں ان کے متعلق آئیں ایک یہ کہ یہ لوگ اپنے اختیار اپنی خوشی سے کفر کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اسی خوشی اسی اختیار اسی کفر پر قائم رہیں گے۔ انہیں چیزوں پر مریں گے۔ لہٰذا ان کا کفر کو بخوشی اختیار کرنا لازم ہو گیا۔ بخوشی اسلام لانا غیر ممکن ہو گیا۔ ان کا کفر واجب نہیں ہوا بلکہ اختیار کفر لازم ہوا اس کا اختیار پر پڑا ہے خلاصہ یہ کہ وہ کفر میں مختار ہیں اختیار میں مجبور ہیں۔

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر ۔ خاموش و گویانم چوں خط بہ کتاب اندر
مجبورم و مختارم پابندم و آزادم ۔ لاریب نہ موجودم چوں مد بحساب اندر

تفسیر صوفیانہ اے محبوب ہر عقل رکھنے والے سے پوچھو کہ آسمان نبوت سے ایمان عرفان کی روزی زمین نفس سے تقوٰی و پرہیزگاری کی روزی کون دیتا ہے۔ کہ نفس کی کھیتی دل کے باغ پر فیضان نبوت کی بارش ہوتی ہے۔ جس سے ازل سے بوئے ہوئے تخم ظاہر ہو جاتے ہیں تمہارے دل میں گوش ہوش اور بصیرت نورانی کس نے بخشی اور ان کا کون مالک ہے۔ مومن کو کافر سے کافر کو مومن سے یوں ہی ذاکر شاغل کو غافل سے اور غافل کو شاغل سے کون پیدا فرماتا ہے۔ عالم روحانیت کا انتظام کون فرما رہا ہے کہ دل کی دنیا میں کبھی بیداری کا دن نکلتا ہے کبھی غفلت کی رات۔ اس دنیا میں کبھی ابلیسی طاقتوں کا راج ہوتا ہے کبھی نبوی اور ولایت کے فیضان کا راج۔ ہر ہوش والا یہ کہے گا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالٰے ہی کرتا ہے۔ تو ان سے فرما دو کہ تم ادھر ادھر کیوں بھٹکتے ہو۔ میرے دامن کرم میں آؤ۔ کہ سب کی پناہ یہاں ہی ہے۔ میرے ذریعہ رب کو پہچانو کہ وہ رب ہے جس نے مجھے تمام عالم بقا کا ذریعہ بنایا۔

شعر — وہ ہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
یہ عقیدہ حق ہے اس کے سوا جو ہے وہ محض گمراہی ہے جو جانور چرواہے کی حفاظتی باڑھ سے نکلے۔ وہ ناری جانوروں کا لقمہ بن جاتا ہے مجھ سے پھر وگے شیطان کے جال میں پھنسو گے۔ یہ سب کچھ حق ہے مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ آپ کی طرف نہ آئیں گے۔ کیونکہ وہ خلقۃً ناری ہیں ناریوں کو نور سے نفرت فطری طور پر ہوتی ہے ان کے متعلق رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ دو ضدوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ نار و نور کا اکٹھا ہونا محال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ناریاں مر ناریاں را طالب اند نوریاں مر نوریاں را جاذب اند

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ

فرمایئے کیا تمہارے شریکوں میں سے وہ ہے جو شروع کرتا ہے پیدائش کو پھر لوٹاتا

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اول بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

اس کو فرماؤ اللہ شروع کرتا ہے پیدائش تو پھر لوٹائے گا اسے پس کہاں اوندھائے جاتے ہو

تم فرماؤ اللہ اول بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ

فرمایئے کیا تمہارے شریکوں میں سے وہ ہے جو ہدایت دے طرف حق کے

تو کہاں اوندھے جاتے ہو تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ حق کی راہ دکھائے

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ

فرماؤ کہ اللہ ہدایت دیتا ہے طرف حق کے تو کیا وہ جو ہدایت دے طرف حق کے زیادہ

تم فرماؤ کہ اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے

اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ

حقدار ہے اس کا کہ اتباع کی جائے یا وہ جو نہیں جنبش پاتا مگر یہ کہ اسے جنبش دی

حکم پر چلنا چاہیئے یا اس کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا

فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٥﴾

جائے پس کیا ہے تمہارے لیئے کیسے فیصلے کرتے ہو

جائے تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں سچے معبود اور کفار کے جھوٹے معبودوں میں چند طرح فرق کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے بت رازق نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے حواس کا مالک ہے۔ بت نہیں۔ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردے سے مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے بت نہیں اللہ تعالیٰ مدبر امر ہے۔ بت نہیں اب اس فرق کو دوسری دو نوعیتوں سے بیان فرمایا جا رہا ہے ۱؎ رب تعالیٰ خالق ہے پہلے بھی اور بعد میں بت نہیں ۲؎ رب تعالیٰ ہادی ہے بت نہیں گویا چار فرق بیان فرمانے کے بعد پانچواں چھٹا فرق بیان ہو رہا ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں بیرونی دلائل سے رب تعالیٰ کی معبودیت ثابت کی گئی روزی تدبیر امر وغیرہ اب ان آیات میں ہمارے اندرونی دلائل سے اس کی معبودیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے یعنی ہماری جسمانی پیدائش سے جسے خلق کہتے ہیں اور روحانی رہنمائی سے جسے ہدایت فرمایا جاتا ہے۔ گویا بیرونی کے بعد اندرونی کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر ہوا جو براہ راست بندوں کو عطا ہوتی ہیں رزق تدبیر عالم وغیرہ اب اس نعمت ہدایت کا ذکر ہے جو نبی کے ذریعہ بندوں کو ملتی ہے کہ کوئی شخص بغیر رسول ہدایت نہیں پا سکتا رب فرماتا ہے اِنَّكَ لَتَهْدِىْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ۔ گویا توحید کے بعد نبوت کا ذکر ہے۔ جس سے توحید ایمان بنتی ہے۔

تفسیر قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن مشرکین مکہ سے ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ سے بھی ہو کہ مکی آیات ان تک پہنچتی تھیں۔ نیز انہوں نے حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام کو رب کا بیٹا مانا تھا۔ بیٹا باپ کا شریک ہوتا ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ مکی آیات میں خطاب مشرکین سے ہوتا ہے حل انکاری سوال کے لیے ہے جس کے جواب میں انہیں یہ ہی کہتے بن پڑ سکتی تھی کہ واقعی ہمارے بت خالق یا ہادی نہیں۔ شرکاء سے مراد مشرکوں کے بت اور ان کے وہ سردار ہیں جنہیں انہوں نے رب تعالیٰ کا شریک مان رکھا تھا حتیٰ کہ انہیں حرام و حلال کا مالک مطلق مانتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان شرکاء میں فرشتے داخل ہوں کہ مشرکین عرب انہیں رب تعالیٰ کی بیٹیاں مان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ مگر پہلا احتمال قوی ہے۔ کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں انہیں شرکاء میں داخل ماننا ان کی سخت بے ادبی ہے کہ یہ لفظ غضب کا ہے اس میں مغضوب علیہ

بندے ہی داخل ہوتے ہیں نہ کہ رحمت والے ۔ اس میں حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو داخل ماننا بالکل ہی غلط ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ۔ مَنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ۔ یہ فرمان مالی مِنْ شُرَکَائِکُمْ کا مبتدا موخر ہے بدا خلق سے مراد مخلوق کو اس دنیا میں پیدا فرمانا ہے اور دوبارہ بنانے سے مراد قیامت میں ان کو دوبارہ زندہ کرنا ہے ۔ بعض مشرکین قیامت کے قائل تھے ۔ ان سے یہ فرمانا تو بالکل ظاہر ہے مگر اکثر اس کے منکر تھے ان سے یہ فرمانا واقعہ کے لحاظ سے ہے ۔ نہ کہ ان کے عقیدے کے لحاظ سے ۔ چونکہ قیامت اور وہاں کے واقعات قوی دلائل سے اس طرح ثابت ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔ کون ہے جو کسی کو دے کر اس کا حساب نہ لے رب بھی اپنی دی ہوئی نعمتوں کا حساب ضرور لے گا اس لیے منکرین قیامت سے یہ سوال بے جا نہیں قادیانیوں نے یہاں بدء خلق سے بندہ کو پیدا فرمانا مراد لیا ۔ جیسے حضرت آدم کی پیدائش پھر پیدا فرماتا رہنا یُعِیْدُ سے مراد لیا (تفسیر بیان القرآن مرزائی) مگر یہ بعید ہے ورنہ پھر بَدَاَ ماضی ہوتا یُبْدِاُ مضارع نہ ہوتا ۔ کہ اس معنی سے پہلی پیدائش ایک بار ہو چکی بار بار نہیں ہوتی ۔ قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ۔ چونکہ مذکورہ سوال ایسا تھا جس کے بہت سے کفار انکاری تھے یعنی قیامت میں دوبارہ پیدا کئے جانے کے قائل نہ تھے اس لیے یہ نہ فرمایا گیا کہ وہ کہیں گے بلکہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب خود آپ ہی ان سے یہ فرما دیں اس وجہ سے جواب میں بھی یہ عبارت دہرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ قدرت والا ہے کہ پہلی بار دنیا میں مخلوق کو پیدا فرماتا رہتا ہے پھر وہ ہی قیامت میں انہیں دوبارہ زندہ کرے گا اس کے سوا کسی میں یہ طاقت نہیں ۔ خیال رہے کہ دنیا میں جو انسان پیدا ہوتے ہیں ان کی پیدائش میں اس فرشتے کو بھی دخل ہے جو ماں کے رحم میں بچہ بناتا ہے اسے بحکم پروردگار زمادہ کرتا ہے اس کی تقدیر لکھتا ہے مشرکوں کے بتوں کا تو اتنا دخل بھی نہیں پھر قیامت میں تمام کا بننا اٹھنا جمع ہونا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کو دخل ہوگا کہ یہ سب ان کے صور پھونکنے سے ہوگا ۔ رب فرماتا ہے ۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ۔ اس لیے سوال میں جو لفظ شرکاء ارشاد ہوا اس میں فرشتے داخل نہیں ہونے چاہئیں ۔ نیز خیال رہے کہ قیامت میں دوسرے جسم کی ساخت پہلے جسم کے اصلی اجزاء پر ہوگی ۔ دونوں میں بہت فرق ہوگا ۔ اس لیے یہاں یعیدہ فرمایا گیا ۔ آج ہم ایک بوڑھے آدمی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی بچہ ہے جو فلاں سنہ میں فلاں کے گھر پیدا ہوا تھا اگرچہ بچپن کی شکل قد قامت اور بڑھاپے کی شکل قد قامت میں بڑا فرق ہے یہ بات خیال میں رہے لہٰذا آیت واضح ہے فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ کی جزاء ہے ۔ یعنی جب یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو تم کیسے بہکے جا رہے ہو لہٰذا ف جزائیہ ہے اور انّٰى بمعنی کَیْفَ ہے تُؤْفَكُوْنَ بنا ہے اِفْكٌ سے جس کے معنی ہیں قَلْبُ عَنِ الشَّیْءِ کسی چیز سے پھر جانا ایک شاعر کہتا ہے،

اِنْ تَكُ عَنْ اَحْسَنِ الصَّنِيْعَةِ مَا فُوْكًا فَفِيْ اٰخَرِيْنَ قَدْ اُفِكُوْا ۔

اس شعر میں مَاْفُوْکٌ اور اَفَکُوْا اسی اِفْكٌ بمعنی لوٹنے سے بنا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ قلب ہر لوٹنے پھرنے کو کہتے ہیں مگر اِفْكٌ کسی رائے سے پھرنے یعنی رائے بدلنے کو کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی) اس لیے تہمت لگانے کو اِفْكٌ کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی اس شخص کے متعلق رائے بدل جاتی ہے قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۔ اس فرمانِ عالی میں انہیں کفار و مشرکین سے دوسرا سوال ہے یہاں بھی شرکا سے مراد اُن کے بت اور سردارانِ کفر ہیں۔ ہدایت کے معنٰی اس کے اقسام سورہ فاتحہ میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر میں عرض کیئے گئے۔ یہاں ہدایت سے مراد اسبابِ ہدایت پیدا فرمانا یعنی حضرات انبیاء کو بھیجنا اُن پر کتاب یا صحیفہ نازل فرمانا پھر لوگوں کو ان کا فرمان سننے سمجھنے کے لیئے حواس بخشنا اور خوش نصیب لوگوں کو ان کی بات قبول کرنے کی توفیق دینا یہ سارے کرم نوازیاں صرف رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ خیال رہے کہ فرشتوں کو بھی ہدایت میں دخل ہے کہ وہ حضرات انبیاء پر وحی لاتے ہیں جو ذریعہ ہدایت ہے اور حضراتِ انبیاء کرام کو تو ہدایت میں بڑا ہی دخل ہے۔ بلکہ ان کتابوں کو بھی اس میں دخل ہے اس لیئے حضرات انبیاء کرام کو ہادی کہا جاتا ہے لہٰذا یہاں بھی شرکا سے مراد بت ہی ہیں اس میں فرشتے اور انبیاء کرام داخل نہیں۔ رب فرماتا ہے وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ قرآن مجید کے مقابلہ کے لیئے اپنے معبودوں کو بلالو۔ وہاں بھی شہداء یعنی معبودین میں حضراتِ انبیاء کرام داخل نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ و عزیر کو قرآن کے مقابلہ کے لیئے بلاؤ۔ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ یہ اس سوال کا جواب ہے۔ چونکہ کفار حضور۔ قرآن۔ وحی کے منکر تھے اس معنٰی سے وہ رب کی ہدایت کے منکر تھے اس لیئے یہاں بھی قُلْ ارشاد ہوا کہ اے محبوب آپ خود ہی انہیں یہ جواب دو۔ خیال رہے کہ ہدایت کے بعد اِلٰی بھی آتا ہے اور لام بھی چونکہ حق ہدایت کی انتہا ہے لہٰذا اس کے بعد اِلٰی آتا ہے اور چونکہ حق ہدایت کا اصل مقصود ہے اس لیئے اس کے بعد لام آتا ہے اس آیت میں دونوں طرح استعمال ہوا۔ اِلَى الْحَقِّ بھی اور لِلْحَقِّ بھی (تفسیر روح المعانی) اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ۔ یہ فرمانِ عالی اس دوسری دلیل کا تتمہ ہے اس میں سوال اقرار کرانے کے لیئے ہے یعنی تم خود سوچ فیصلہ کرو کہ جو ذاتِ کریم حق کی ہدایت دے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جاوے یا دوسرا کوئی اور۔ یہاں اتباع بمعنٰی اطاعت ہے نہ کہ بمعنی نقشِ قدم پر چلنا کہ رب تعالیٰ قدم اور نقشِ قدم سے پاک ہے نیز اس کے افعالِ کریمہ کی اتباع ناممکن ہے اتباع بمعنٰی نقشِ قدم پر چلنا صرف حضور ہی کی ہو سکتی ہے۔ فرماتا ہے فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ رب تعالیٰ یا قرآن کی اتباع کے یہ معنٰی ہیں کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى اس عبارت کا تعلق اَفَمَنْ يَّهْدِيْ سے ہے اس میں اَمْ حرفِ عطف ہے اور یہ فرمانِ عالی پہلے پر معطوف ہے یہاں بھی مَنْ سے مراد اُن کے بت اور سردارانِ کفر ہیں اس میں فرشتے اور انبیاءِ کرام داخل نہیں لَا يَهِدِّيْ اصل میں يَهْتَدِيْ تھا۔ اِهْتِدَاءٌ کا مضارع ہدایت پانا خیال رہے کہ ہدایت کے لغوی معنٰی میں نقل و حرکت کیا جانا جیسے هَدَايَةُ الْمَرْاَةِ اِلٰى زَوْجِهَا بیوی خاوند کے پاس منتقل کر

دی گئی ہو جانور حرم شریف میں ذبح کرنے کو لے جایا جائے اسے ہَدِیٰ کہتے ہیں۔ کسی کی خدمت میں پیش کش کو ہدیہ کہا جاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ۔ اور کہا جاتا ہے فُلَانٌ يُهَادِىْ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ فلاں شخص دو آدمیوں کے درمیان لایا جاتا ہے جبکہ بیمار دو کے کندھوں پر چلتا ہو۔ رہبری کو اس لیئے ہدایت کہتے ہیں کہ ایک کے ذریعہ ایک شخص کو برائی سے بھلائی کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ تو معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ بت جو نقل و حرکت نہ کر سکیں بلکہ انہیں دوسری جگہ آدمی کے ذریعہ منتقل کیا جاتا ہو۔ وہ اتباع کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں (از تفسیر کبیر وصاوی ولسان العرب) اس صورت میں آیت کے معنیٰ بالکل واضح ہیں چونکہ کفار ان بتوں کو عقل و سمجھ والا سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ اپنے پوجاریوں کو جانتے پہچانتے ان کے کام آتے ہیں اس لیئے اُن کے لیئے یہاں مَنْ ارشاد ہوا جو عقل والوں کے لیئے آتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ذکر کا میں حضرت مسیح و عزیر اور فرشتے داخل نہیں کہ وہ حضرات ہادی بھی ہیں اور نقل و حرکت بھی کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ یہ سوال گذشتہ مضمون کا خلاصہ نتیجہ ہے حکم سے مراد فیصلہ ہے اور تعجب دلانے کے لیئے یعنی اے بے وقوفو! تم کیسے اوندھے فیصلے کرتے ہو کہ ان دلائلِ قویّہ کے ہوتے ہوئے بھی شرک و کفر اختیار کرتے ہو۔

خلاصۂ تفسیر ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے خلق اور ہدایت دو چیزوں کے متعلق کفار سے سوال کا حکم دیا۔ کیونکہ خلق و ہدایت میں گہرا تعلق ہے اس لیئے قرآن مجید میں جگہ جگہ ان دونوں کو ملایا گیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے فرمایا اَلَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رَبُّنَا الَّذِىْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى، وغیرہ۔ کیونکہ خلق کا جسم سے تعلق ہے اور ہدایت کا روح اور دل سے بلکہ جسم کی پیدائش کا مقصود روح کی ہدایت ہے جسمانی حواس ہدایتِ قلب کا ذریعہ ہیں۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار و مشرکین سے پوچھو تو کہ رب تعالیٰ کے سوا تمہارے معبودِ باطلہ میں کوئی ایسا ہے جس نے دنیا میں ابتداءً مخلوق کو پیدا فرمایا اور آئندہ قیامت میں پیدا فرمائے گا۔ وہ تو اس کا جواب دیں گے نہیں۔ آپ ہی جواب دیں کہ وہ خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے تو ان سے کہو کہ تم کیوں پھرے جاتے ہو۔ اور ان سے یہ بھی پوچھو کہ تمہارے معبودوں میں کوئی ایسا ہے جو لوگوں کو حق کی راہ دکھائے کہ ان کی ہدایت کے لیئے نبی بھیجے کتاب آسمانی اوتارے بندوں کے کانوں تک نبی و کتاب کے فرمان پہنچائے پھر انہیں قبولیت کی توفیق دے وہ اس کا جواب دیں گے نہیں۔ کیونکہ وہ نبوت اور کتاب آسمانی کے قائل نہیں۔ تو آپ ہی انہیں یہ جواب دو کہ وہ ہادی حقیقی اللہ ہے اور ایک اللہ۔ تو اے بے وقوفو سوچو کہ ایسا خالق۔ مالک ہادی اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت اس کے نبی کی اتباع کی جائے یا وہ بت جو دوسرے کے بغیر ہلائے بغیر جنبش دیئے اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں تم کو ہو کیا گیا تم اپنے متعلق کیسے فیصلہ کرتے ہو کچھ سوچو اور سوچ سمجھ سے صحیح رائے قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ

نے عقل ہوش گوش اسی لیے دیئے ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ قیامت میں مخلوق کی دوبارہ پیدائش نئی نہیں ہوگی بلکہ اس اول پیدائش کا اعادہ ہوگا۔ اگرچہ شکل و صورت میں فرق ہوگا کہ ہر جنتی ساٹھ گز کا ہوگا۔ حسین وجمیل کافر کے منہ کی ایک داڑھ پہاڑ کے برابر ہوگی بدصورت بدشکل مگر ہوگی اس اصلی اجزاء پر لہٰذا وہ ہی شخص ہوگا۔ یہ فائدہ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ مشرکین بھی اپنے بتوں سرداروں کو دنیا کا خالق نہیں مانتے تھے۔ یہ خالق صرف رب تعالیٰ کو جانتے مانتے تھے۔ یہ فائدہ قُلِ اللّٰہُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ الخ سے حاصل ہوا۔ پھر وہ مشرک کیوں تھے۔ اس کی وجہ پچھلی آیت میں عرض کی گئی۔ تیسرا فائدہ اگر کوئی ضدی آدمی نہایت ہی ظاہری بات کا انکار کرے یا اقرار نہ کرے تو اسے خود ہی بتا دینا درست ہے تاکہ اگر وہ نہ مانے تو دوسرے سننے والے تو مان لیں۔ یہ فائدہ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ حق کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے یہ فائدہ خَلْقٌ کے بعد ہدایت کا ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے عالم جسمانی کا نظام سورج سے وابستہ ہے ایسے ہی عالم روحانی کا نظام ہادی مطلق حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ اس لیئے حضور کو قرآن مجید میں رحمۃ للعالمین فرمایا۔

شد وجودش رحمۃ للعالمین مسجد او شد ہمہ روئے زمین!

سید الکونین ختم المرسلین آخر آمد بود فخر الاولین!

حضور انور تک پہنچنا ایمان بلکہ رحمان تک پہنچنا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ پانچواں فائدہ حضرات انبیاء علماء دین اور اولیاء کاملین رب تعالیٰ کی صفت ہدایت کے مظہر اتم ہیں کہ رب تعالیٰ اس لیئے سچا معبود ہے کہ اس نے یہ ہادی قائم فرمائے۔ یہ فائدہ اَللّٰہُ یَھْدِیْ لِلْحَقِّ سے حاصل ہوا ارشاد فرماتا ہے لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ۔ بتوں کے متعلق فرماتا ہے۔ لَیْسَ لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ چھٹا فائدہ کبھی اتباع یعنی اطاعۃ آتا ہے یہ فائدہ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ (الخ) سے حاصل ورنہ لغوی اتباع یعنی کسی کے پیچھے یا اس کے نقش قدم پر چلنا رب تعالیٰ کی نہیں ہوسکتی۔

پہلا اعتراض کفار مکہ جن سے ان آیات میں خطاب ہے وہ دوسری پیدائش یعنی قیامت میں اٹھنے کے قائل نہ تھے پھر ان سے ثُمَّ یُعِیْدُہٗ فرمانا کیونکر درست ہوا۔ جواب۔ بہت سے کفار مکہ قیامت کے قائل تھے وہاں کی جزاء سزا کے بھی معتقد تھے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے اور ان کے دین پر ہونے کے دعویدار اس لیئے وہ بہت سے نیک کام بھی کرتے تھے صدقہ وخیرات۔ کعبہ معظمہ کی خدمت حجاج کی نگرانی تاکہ قیامت میں ان کی جزا ملے۔ ہاں بہت سے اس کے منکر بھی تھے لہٰذا ان سے یہ فرمانا بالکل درست ہوا۔ دوسرا اعتراض گذشتہ آیات میں تو ارشاد ہوا تھا فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ اور ارشاد ہوا قُلِ اللّٰہُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ۔ وغیرہ اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ جواب اس لیئے کہ ان آیات میں رب تعالیٰ کی وہ صفات بھی بیان ہوئی تھیں جن کے سارے کفار قائل تھے رب تعالیٰ کا

خالق ۔ رازق ۔ مدبّر امر ہونا ۔ مگر یہاں ان صفات کا بھی ذکر ہے جن کے بہت سے کفارِ عرب منکر تھے قیامت میں بندوں کو اٹھانا ہدایت کے لیئے انبیاء کو بھیجنا اولیاء مقرر فرمانا وغیرہ اس لیئے یہاں قُلْ ارشاد ہوا ۔ تیسرا اعتراض عام مفسرین نے یہاں شرکاء میں حضرت مسیح اور عزیر علیہم السلام کو داخل مانا ہے کیونکہ عیسائی یہودی ان کی عبادت کرتے ہیں مگر تم نے کہا کہ صرف بت مراد ہیں تمہارا یہ قول عام مفسرین کے خلاف ہے ۔ جواب ہم نے شرکاء کی تفسیر قرآنی محاورہ کو دیکھ کر کی ہے قرآن مجید میں شُرَکَاءُکُمْ شُھَدَاءَکُمْ ۔ اَلَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یہ الفاظ بتوں کے لیئے آتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ سرداران کفر کے لیئے ۔ ان عام الفاظ میں حضرات انبیاء داخل نہیں ہوا کرتے اِن میں روئے سخن بتوں کی طرف ہوتا بلکہ کبھی النّاس سے صرف کفار مراد ہوتے ہیں نہ کہ مومن و صالحین وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اردو فارسی کے محاوروں میں کبھی عام خلق میں حضرات انبیاء داخل نہیں ہوتے ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ دُر
کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

جو کوئی یہاں عام خلق میں نبیوں ولیوں کو داخل مانے وہ بے دین ہی ہے ۔ چوتھا اعتراض عام مفسرین نے اَمَّنْ لَّا یَھِدِّیْ اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی میں حضرت مسیح و عزیر اور فرشتوں کو داخل مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان میں کوئی ہدایت یافتہ نہیں جب تک کہ رب تعالےٰ کی طرف سے ہدایت دیا نہ جائے مگر تم نے کہا کہ اس سے صرف بت مراد ہیں بت بے جان بے شعور لکڑی پتھر ہیں وہ لفظ مَنْ میں داخل نہیں ہو سکتے نیز وہ ہدایت نہیں پا سکتے پھر ان کے متعلق اِلَّآ اَنْ یُّھْدٰی کیونکر درست ہے ۔ جواب ہم نے یہ تفسیر بحوالہ تفسیر کبیر اور صاوی اور روح المعانی کی ہے اور بہت قوی ہے چونکہ کفار بتوں کو عاقل ۔ فاعل مختار مانتے تھے تو ان کے خیال کے لحاظ سے انہیں مَنْ فرمایا نہ کہ واقعہ کے لحاظ سے اور ہدایت کے معنی نقل و حرکت ہے ۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی یعنی کمزور بت جو خود دوسرے کے حرکت دیئے بغیر حرکت نہ کر سکیں تمہیں رب تعالےٰ تک یا جنت تک کیسے پہنچا سکتے خدا رسی کے لیئے اس ذات کی اطاعت چاہیئے جس کا تعلق خلق سے بھی ہو ۔ خالق سے بھی اطاعت حقیقی صرف رب کی ہے نہ کہ اس کے مقابل بتوں کی ۔

تفسیر صوفیانہ انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ عمارت کی بنیاد مضبوط زمین پر رکھے اگر زمین کمزور ہے تو بنیاد کمزور اور بنیاد کمزور ہے تو ساری عمارت کمزور اعمال ایک قسم کی عمارت ہیں جن کی بنیاد عقائد پر ہے اگر عقائد کا تعلق توحید و رسالت سے ہے تو بنیاد قوی ہے اعمال قوی لیکن اگر عقائد بت پرستی دشمنان خدا سے تعلق پر قائم کیئے گئے تو عقائد ضعیف پھر ان ضعیف عقائد پر قائم کی گئی اعمال و عبادات کی عمارت کمزور اسی اصول سے یہاں ارشاد ہوا کہ بے وقوفو تم خود سوچو کہ تمہارے بتوں کو نہ تو مخلوق کی پیدائش میں کچھ دخل ہے نہ اس کی ہدایت میں بلکہ وہ بنتے ہیں تمہارے بنانے سے ۔ نقل و حرکت کرتے ہیں تمہارے ہلانے ہٹانے سے تم اتباع کرو ۔ قوی قادر کی نہ کہ ایسے

کمزور مخلوق کی صوفیاء فرماتے ہیں یوں ہی عقل کمزور ہے عشق قوی ایمان کی بناء عقل پر نہ رکھو عشق پر رکھو۔ شعر

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی۔

کمزور کے ساتھ نہ رہو۔ وہ خود بھی پٹے گا تمہیں پٹوائے گا۔ وقت پر عین دھوکا دے کر اکیلا چھوڑ جائے گا۔ قوی کے ساتھ رہو جو تمہیں آفات سے بچائے گا دنیا کے ساتھ نہ رہو اس کے پیچھے نہ چلو یہ تم کو وقت پر دھوکا دے گی۔ یہ خود بھی فانی ہے جو اس سے وابستہ ہو جائے اسے بھی فنا کر دیتی ہے دنیا کے لئے عبادات کرنا سب کچھ برباد کر دیتا ہے۔

اِنَّمَا الدُّنْیَا فَنَاءٌ لَیْسَ لِلدُّنْیَا بَقَا اِنَّمَا الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا کَنَسْجِ الْعَنْکَبُوْت

دنیا مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے جس کا پھیلاؤ بہت مگر ایک انگلی لگ جائے تو بیکار ہو جائے دنیا نفس امارہ کا خود ساختہ بت ہے اس کی اتباع اہل طریقت کے نزدیک بت پرستی ہے۔ جس کا انجام خراب۔

وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ
اور نہیں پیروی کرتے بہت سے ان میں سے مگر اٹکل کی تحقیق اٹکل نہیں کام دیتی
اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر بے شک گمان حق کا کچھ
مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾
حق کے مقابلہ کچھ تحقیق اللہ جاننے والا ہے اس کا جو وہ کرتے تھے
کام نہیں دیتا بے شک اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے
وَمَا کَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا جاوے طرف سے اللہ کے ماسوائی کے
اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنالے بے اللہ کے اتارے
وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ
اور لیکن تصدیق ہے اس کی جو سامنے ہے اس کے اور تفصیل ہے اس
ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾

کتاب کی نہیں ہے شک اس میں طرف سے ہے جہانوں کے رب کے

کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار کی بے عقلی کا ذکر ہوا اب ان کی وہم پرستی کا تذکرہ ہے یعنی وہ عقل سے کام نہیں لیتے کہ ایک خدا کی عبادت کریں بلکہ وہم گمان میں پھنسے ہوئے ہیں کہ بتوں کو پوجتے ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ کفار رب کو نہیں مانتے کہ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے ہادیوں کی اطاعت نہیں کرتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ لوگ رب کے مقابل سب کی مانتے ہیں۔ یعنی اپنے باپ دادوں کی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں دور سے حمد الٰہی کا بیان چلا آرہا ہے اب رب کی کتاب یعنی قرآن مجید کے فضائل کا تذکرہ ہے وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ الخ کہ قرآن مجید کی تعریف درحقیقت رب تعالیٰ کی حمد ہے کہ وہ اس کا بھیجا ہوا ہے۔

نزول کفار عرب قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں بلکہ حضور انور نے بنائی ہے اور اسے رب کی طرف نسبت کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اتاری کتاب ہے ان کی تردید میں آیہ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ الخ نازل ہوئی (تفسیر صاوی وکبیر وغیرہ)

تفسیر وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے مانافیہ ہے ماضی پر لا نافیہ آجاتا ہے۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى یوں ہی مضارع پر ما نافیہ آتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى یہ سمجھنا کہ لا صرف مضارع کی نفی کے لیئے ہے اور ما صرف ماضی کی نفی کے لیئے غلط ہے روح المعانی نے فرمایا کہ جب مضارع کی نفی ما سے ہو تو نفی کا دوام مراد ہوتا ہے۔ اتباع کے معنی کسی کے جانے ہوئے راستہ پر چلنا اس معنی سے اتباع آدمی کی بھی ہو سکتی ہے اور دوسری چیزوں کی بھی۔ دیکھو یہاں اتباع کی نسبت ظن کی طرف ہے یہاں اکثر سے مراد سارے ہی کفار ہیں جیسے رب کا فرمان فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ وہاں قلیل سے مراد کفار ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

قلیل التشکی فی المصیبات حافظ — من الیوم اعقاب الاحادیث فی غدا

اس شعر میں قلیل بمعنی جمع ہے (روح المعانی وخازن وغیرہ) ما اکثر بمعنی بہت ہی ہے ان سے مراد سرداران کفر ہیں۔ سرداران کفر تو اپنے گمان سے شرک کرتے تھے۔ اور ان کے ماتحت ان سرداروں کی دیکھا دیکھی یا اکثر لوگ تو محض گمان سے شرک کرتے ہیں اور بعض لوگ اسلام کی حقانیت حضور انور کی نبوت کے دل سے قائل صرف حسد اور عناد سے کفر کرتے ہیں (صاوی وغیرہ) ظن یعنی گمان سے مراد یا تو جاہل باپ داداؤں کی پیروی ہے یا یہ خیال کہ ایک خدا

اتنے بڑے جہان کو اکیلا نہیں سنبھال سکتا۔ لہٰذا کچھ شرکا بھی چاہئیں روح المعانی نے اس فرمانِ عالی کے ایک معنیٰ یہ بھی کئے کہ بہت سے کفار رب تعالیٰ کی وحدانیت اس کی ذات وصفات کو مانتے ہیں مگر نورِ نبوت سے نہیں بلکہ محض اپنی رائے سے لہٰذا وہ بھی کافر ہیں کہ ظن وگمان سے اسے مانتے ہیں۔ اس کی توحید تو نبی کے فرمان سے ماننی چاہیئے۔ (تفسیر کبیر وروح المعانی) اس صورت میں اکثر بمعنیٰ بہت ہے اور یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے یعنی بہت مشرکین اور کفار بت پرستی میں اپنے گمان کی راہ چلتے ہیں یا بہت کفار عقیدۂ توحید میں صرف گمان سے کام لیتے ہیں اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ اس فرمان عالی میں ان کی تردید ہے الظن میں الف عہدی ہے۔ اس سے مراد وہ کفار کے اٹکل پچو قیاسات ہیں عربی میں ظن کئی معنیٰ میں آتا ہے۔ یقین اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ ۲۔ تہمت بدگمانی جیسے تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا یا جیسے یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۳۔ نیک گمان جیسے ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۴۔ اٹکل وقیاس یعنی یقین کا مقابل یہاں ظن اس آخری معنیٰ میں ہے۔ یوں ہی حق کے بہت معنیٰ ہیں۔ سچ یعنی باطل کا مقابل ناقابلِ زوال یعنی غیر فانی یقین یعنی شک اور ظن کا مقابل یہاں حق یہ ہے۔ اس جملہ کی آسان ترکیب یہ ہے کہ شیئاً مفعول ہے۔ لایغنی کا اور من الحق حال ہے شیئاً کا۔ اغنا سے مراد ہے ضرورت دفع کرنا یا کام آنا۔ یعنی ان کفار کے مذکورہ گمان حق کی کوئی چیز نہیں بناتے کسی چیز میں کام نہیں آتے وہ وحی الٰہی اور نبوت سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ بڑے سے بڑا عاقل عقائد میں نبی کی پیروی کا حاجتمند ہے۔ اغنا کے لغوی معنیٰ ہیں بے نیاز کر دینا۔ اس کے علاوہ اور ترکیبیں پیچیدہ ہیں اور غیر ظاہر بھی۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِمَا یَفْعَلُوْنَ۔ اس فرمان میں ان پر عتاب ہے اللہ کا دیکھنا جاننا غضب کے لیئے بھی ہوتا ہے اور کرم نوازی کے لیئے بھی اگر یہ فرمانِ عالی مومنوں کے نیک اعمال کے ساتھ ہو تو اظہار کرم کے لیئے ہے اور اگر کفار کی بدعملیوں کے ساتھ ہو تو غضب کے لیئے ہے یہاں دوسری صورت ہے یعنی اللہ ان کی بدعقیدگیوں و بدعملیوں کو جانتا ہے انہیں اس پر سخت سزا دے گا۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ گذشتہ جملہ میں کفار کے جھوٹے دلائل کا ذکر ہوا کہ وہ محض ظنیات اور باپ دادوں کی اندھی تقلید میں ہیں اب اس کے مقابل اسلام کی مضبوط دلیل یعنی قرآن پاک کی شان کا تذکرہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں کَانَ ناقصہ ہے ھٰذا موصوف القرآن صفت سے مل کر اسم اور اَنْ یُّفْتَرٰی الخ اس کی خبر بمعنیٰ مُفْتَرٰی بعض نے فرمایا کہ مَا کَانَ کے معنیٰ ہیں مَا اَصَحَّ یا مَا اَمْکَنَ اور اَنْ یُّفْتَرٰی اصل میں لِاَنْ یُّفْتَرٰی ہے (روح المعانی) یعنی ممکن ہی نہیں کہ یہ شاندار قرآن غیر خدا کی طرف سے گڑھا ہوا ہو۔ ہم قرآن کے معانی تفسیر کے دیباچہ میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ لفظ یا قرءٌ سے ہے یا قرنٌ سے یا قرارۃ سے یعنی پڑھی ہوئی یا ملی ہوئی یا ملانے والی کتاب۔ اب یہ لفظ اس موجودہ کتاب کا نام شریف ہے افترٰی بنا ہے،

فَرْیٌ سے بمعنیٰ چمڑا چھیلنا ۔ اب اس جھوٹ کو افتراء کہتے ہیں جو دوسرے کی طرف نسبت کر دیا جائے ۔ دُوْنٌ کے معنیٰ ہم بارہا بیان کر چکے کہ اس کے معنیٰ دور ۔ مقابل ۔ کٹا ہوا اجنبی اور سوا ہیں یہاں آخری معنیٰ میں ہے اعلیٰ حضرت قُدِّسَ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مِنْ دُوْنِ کے بعد اِنْزَال پوشیدہ ہے اور دون بمعنیٰ بغیر ہے ۔ یعنی اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اللہ کے سوا کی طرف سے گڑھ لیا جاوے یا اسے گھڑ کر رب کی طرف بغیر اس کے اتارے نسبت کر دیا جائے ۔ اس دعویٰ کی تین دلیلیں ارشاد ہوئیں ۔ پہلی دلیل یہ کہ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ یہ فرمان عالی یا تو گذشتہ كَانَ کی خبر اَنْ يُّفْتَرٰى پر معطوف ہے تو واوٴ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے اور لٰكِن کے بعد كَانَ پوشیدہ ہے اس کی یہ خبر ہے اس صورت میں واوٴ ابتدائیہ ہے ۔ بعض نے فرمایا کہ لٰكِن کے بعد لَاُجِلُ پوشیدہ ہے یعنی قرآن آیا تصدیق کے لیئے (روح المعانی) تصدیق بمعنیٰ مصدق ہے تصدیق کے تین معنیٰ ہیں سچا کرنا ۔ سچا کہنا ۔ سچا کہلوانا ۔ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد پچھلی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد گذشتہ نبی ۔ ان کے معجزات ان کی کتابیں سب ہی ہوں کہ قرآن مجید نے سب کو سچا کہا ۔ سچا کیا ۔ سچا کہلوایا ۔ ان سب نے قرآن کی آمد کی خبر دی قرآن آگیا وہ سب سچے ہو گئے اور سب کو سچا کہا ۔ کیونکہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری نبی پر آئی اس لیئے سب کی تصدیق ہی کی ۔ کسی نبی کسی کتاب کی بشارت نہ دی ۔ اس صورت میں اَلَّذِيْ تصدیق کا مفعول ہے یا بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد وہ غیبی آئندہ خبریں ہیں جن کی خبر قرآن مجید نے دی پھر وہ خبریں اس طرح ظاہر ہوئیں ۔ ان واقعات نے قرآن مجید کی تصدیق کر دی اس صورت میں الذی تصدیق کا فاعل ہے ۔ (روح المعانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ یہ عبارت معطوف ہے تصدیق پر ۔ تفصیل بنا ہے فصل سے بمعنیٰ جدائی تفصیل جدا جدا کرنا ہر چیز الگ الگ کر کے بیان فرمانا ۔ یہ مقابل ہے اجمال کا یعنی بہت چیزوں کو ایک ساتھ بیان کر دینا ۔ الکتاب کے متعلق تین قول ہیں ۔ ایک یہ کہ بمعنیٰ مکتوب ہے یعنی مفروض ۔ رب فرماتا ہے كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ یا فرماتا ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ۔ یا فرماتا ہے كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا یعنی قرآن مجید فرائض اور احکام شرعیہ کا تفصیلی بیان ہے (مدارک روح البیان ۔ خازن ۔ بیضاوی وغیرہ) دوسرے یہ کہ الکتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتب ہوں توریت و انجیل وغیرہ اس میں الف لام استغراقی ہو ۔ یعنی ان کتابوں کے اجمالی احکام کی تفصیل ہے ۔ تیسرے یہ کہ الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے ۔ جس کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ اور فرماتا ہے ۔ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (روح البیان وصاوی) یعنی جو علوم غیبیہ علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ ۔ لوح محفوظ میں ہے قرآن مجید اس کا تفصیلی بیان ہے جسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کا علم دے اسے لوح محفوظ دیکھنے کی ضرورت نہیں (صاوی) تیسری دلیل یہ ہے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ لَا رَيْبَ فِيْ کی نفیس تفسیر سورہ بقر ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں شک کی گنجائش نہیں ۔ اگر کسی کو اس میں شک ہو تو

تو وہ شک اس کے ذہن یا اس کے دل میں ہے جیسے اندھا اگر سورج کے منور ہونے میں شک کرے تو یہ شک اس کی آنکھ کی بیماری کی وجہ سے ہے سورج میں شک نہیں یوں ہی جو شخص قرآن مجید کی اعلیٰ فصاحت و بلاغت اس کی اعلیٰ تعلیم اس کی غیبی خبروں کی سچائی میں ذرا بھی غور کرے تو بے تامل پکار دے کہ ھٰذَا الْکَلَامُ لَیْسَ لِلْبَشَرِ ھٰذَا الْکَلَامُ خَالِقِ الْقُوَیٰ وَالْقُدَرِ اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ چونکہ اللہ تعالیٰ رب ہے اس لیئے اس نے جسمانی پرورش کے لیئے بارش نازل فرمائی ایسے ہی اس نے روحانی پرورش کے لیئے قرآن کا پانی نبوت کے بادل محمد رسول اللہ کے ذریعہ نازل فرمایا اس لیئے مِنَ اللہِ نہ کہا مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ارشاد فرمایا۔ رب وہ ہے جو قلب و قالب ظاہر و باطن دونوں کو پالے

خلاصہ تفسیر بت پرستوں کے پاس عقائد شرکیہ بت پرستی وغیرہ اور اپنے کفریہ اعمال کی کوئی دلیل نہیں ان کے عقائد و اعمال کی ساری عمارت محض اٹکل پچو قیاس آرائیوں اور وہم و گمان پر قائم ہے کہ چونکہ یہ کام جمہوری ہیں ہمیشہ سے سارے عرب والے کرتے آئے ہیں لہٰذا اچھا ہے اُن سے منع کرنا۔ ایک شخصی کام ہے جمہوریت کے خلاف ہے۔ لہٰذا درست نہیں وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ایسے ظن و گمان سے کوئی حق بات حاصل نہیں ہوتی وہم و گمان سے خبردار رہے۔ وہم سے حق نہیں ملتا یہ تو صرف انبیاء کرام کے ذریعے ملتا ہے اللہ تعالیٰ انکی حرکتوں وہموں سے بے خبر نہیں وہ ان کے ہر عقیدے وہم گمان و عمل سے خبردار ہے ہر عمل کی سزا دے گا۔ ان میں سے اکثر کا تو یہ حال ہے کہ محض وہم و گمان پر چلتے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جنہیں حضور انور کی حقانیت قرآن مجید کی صداقت پر یقین ہے مگر حضور کی حسد سے یا اپنی سرداری قائم رکھنے کی نیت سے اسلام قبول نہیں کرتے۔ اے محبوب یہ لوگ قرآن کے متعلق کہتے ہیں کہ حضور انور قرآن مجید خود بناتے اور رب کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ مردود جھوٹے ہیں خود قرآن کی شان بتا رہی ہے کہ یہ گھڑنے کے لائق نہیں۔ یہ کلام ربانی ہے اس کی تین دلیلیں ہیں ایک یہ کہ اس میں گذشتہ کتابوں کے مسائل عقائد خبروں کی تصدیق ہے۔ حالانکہ ان محبوب نے نہ تو وہ کتابیں پڑھیں نہ ان کتابوں کے جاننے والوں کی صحبت حاصل کی پھر ان کتابوں کے تاریخی واقعات کی تصدیق فرمائی اور ان میں سے ایک بات غلط نہ ہوئی۔ ورنہ دشمن یہودی عیسائی شور مچا دیتے کہ فلاں بات غلط ہوئی۔ دوسرے یہ کہ لوح محفوظ کے علوم غیبیہ کی اس قرآن میں تفصیل ہے۔ ہر ذرہ ہر قطرہ کی اس میں خبر ہے جو ہو بہو صحیح ہوتی رہتی ہے۔ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی تردد ہو سکتا ہی نہیں۔ جو عقل سے ذرا کام لے وہ اس کا کتاب اللہ ہونا یقین سے جان لے گا۔ دیکھو رومیوں پر فارسی لوگ غالب آئے قرآن نے خبر دی کہ عنقریب ان میں جنگ ہوگی اور اب کی بار رومی غالب ہوں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خبر دی کہ قرآن ہم نے اتارا ہم ہی اس کے حافظ و ناصر ہیں دیکھ لو آج تک ایک نقطہ نہ بدلا۔ قرآن نے خبر دی کہ ہم نے محبوب کا چرچا بلند کر دیا دیکھ لو آج تک حضور کا کیسا چرچا ہے قرآن نے خبر دی کہ وہ صحابہ جو ابھی کمزور سمجھے جا رہے ہیں رب انہیں زمین کی خلافت دے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اس جیسی ہزارہا غیبی خبریں

ہیں۔ جن کا مشاہدہ دن رات ہو رہا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اللہ کے رسول کے مقابلہ میں ساری دنیا اور سارے عقلا جھوٹے اور جاہل ہیں یہ فائدہ مَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ تمام جہان کی رائے ظنی ہے نبی کا فرمان یقینی ہے ان کے فرمان کے مقابل قابل قبول نہیں۔ یہ فائدہ بھی اِلَّا ظَنًّا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے عرب والوں کے قول اور اتفاق کو ظن فرمایا یعنی اٹکل پچو قیاس تیسرا فائدہ عقائد جن پر کفر و اسلام کا دار و مدار ہے اس میں محض اپنے قیاس کافی نہیں اس کے لیئے وحی یا وحی کی تائید ضروری ہے۔ یہ فائدہ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا سے حاصل ہوا کہ اَلظَّنّ میں الف لام عہدی ہے۔ جس سے مراد کفار کے گمان اور حق سے مراد اسلامی عقیدہ جو مدارس کا ذریعہ ہے چوتھا فائدہ قرآن کریم نے نازل ہو کر پچھلے سارے نبی ساری آسمانی کتابوں کو سچا کر دیا کہ انہوں نے قرآن اور صاحب قرآن کی بشارت دی تھی۔ یہ فائدہ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اَلَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد گذشتہ نبی اور ان کی کتابیں ہوں۔ پانچواں فائدہ قرآن مجید آخری کتاب ہے اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ قرآن کے بعد کوئی آسمانی کتاب آئے نہ حضور کے بعد کوئی نبی۔ یہ فائدہ بھی تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے حاصل ہوا۔ تصدیق گذشتہ کی ہوتی ہے بشارت آئندہ کی۔ قرآن مجید نے سب کی تصدیق کی کسی کی بشارت نہیں دی۔ چھٹا فائدہ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کو کل علم غیب عطا فرمایا۔ ایسا کوئی قطرہ یا ذرہ نہیں جو حضور انور کے علم میں نہ ہو۔ یہ فائدہ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اَلْكِتٰب سے مراد لوح محفوظ ہو۔ کیونکہ ساری لوح محفوظ کی تفصیل قرآن مجید میں ہے۔ اور سارا قرآن مجید حضور انور کے علم میں۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور ظاہر ہے کہ سارے علوم لوح محفوظ میں ہیں وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ اس لیئے لوح محفوظ کو کتاب بھی کہتے ہیں اور مبین بھی۔ ظاہر کرنے والا۔ ساتواں فائدہ ساری آسمانی کتابیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یعنی ان کی تعلیمات یہ فائدہ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ کتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں ہوں پھر لطف یہ ہے کہ قرآن مجید ان کتب میں بھی تھا۔ رب فرماتا ہے اِنَّهٗ لَفِىْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ۔ آٹھواں فائدہ قرآن مجید کی عبارت اس کی ترتیب بلکہ اس کے اعراب سب کچھ رب تعالےٰ کی طرف سے ہے یہ فائدہ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ سارا قرآن رب کی طرف سے ہے اور قرآن میں ترتیب و اعراب داخل ہیں جو اسے ترتیب عثمانی کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔

پہلا اعتراض تم لوگ حدیث رسول کو دین اسلام کا رکن مانتے ہو۔ حالانکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید فرما رہا ہے کہ ظن حق کا فائدہ نہیں دیتا لہٰذا تمہارا حدیث کو ماننا غلط ہے۔ (چکڑالوی) جواب ساری حدیثیں

ظن نہیں - حدیث متواتر خواہ لفظاً متواتر ہو یا معنیً قطعی یقینی ہے قرآن مجید کا قرآن ہونا حدیث سے ثابت ہے کسی نے قرآن اترتے نہیں دیکھا - نماز کی رکعتیں زکوٰۃ کی مقدار سب ہی حدیث سے ثابت ہے وہ احادیث قطعی ہیں باقی حدیث واحد وغیرہ اگرچہ ظنیؔ ہیں مگر شرعی مسائل ان سے ثابت ہیں - یہاں اس آیت میں الظن سے مراد کفار کے وہمیات ظنیات ہیں جو وہ قرآن و حدیث کے مقابل کرتے تھے - دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

دوسرا اعتراض تم لوگ اجماعِ امت کو یقینی کہتے ہو - حتیٰ کہ حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کے منکر کو کافر کہتے ہو۔ کیونکہ ان کی خلافتیں اجماعِ صحابہ سے ثابت ہیں اجماعِ امت نہ قرآن ہے نہ حدیث اس کو وحی نہیں کہہ سکتے پھر وہ قطعی کیسے (روافض) جواب اجماعِ امت کو وحی الٰہی سے تائید حاصل ہے - رب نے فرمایا وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ حضور انور نے فرمایا لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ قرآن و حدیث کی تائید کی وجہ اجماعِ قطعی ہوا - یہاں ظن سے مراد کفار کے ظن و گمان ہیں یہ خیال رکھو - تیسرا اعتراض - نماز کی اذان صحابہ کی خواب سے ثابت ہے اور خواب تو محض ظن و وہم ہے تو اذان کا اتنا بڑا درجہ کیسے ہوا کہ اس کا منکر گمراہ ہے۔ **جواب** اس لیئے کہ اس خواب کی تائید حضور انور کے فرمان سے ہو گئی - لہٰذا یہ ظن نہ رہی وحی الٰہی نے تائید فرما دی - **چوتھا اعتراض** - مجتہدین کا قیاس ظنیؔ ہے اور ظن سے حق حاصل نہیں ہوتا - (غیر مقلد) **جواب** اسے بھی قرآن و حدیث کی تائید حاصل ہے - رب فرماتا ہے فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ - حضرت معاذ بن جبل نے گورنر بنتے وقت حضور انور سے عرض کیا تھا اَجْتَهِدُ بِرَأْيِي اگر مجھے کوئی مسئلہ کتاب و سنۃ میں نہ ملا تو اپنے قیاس سے اجتہاد کروں گا - اس پر حضور انور خوش ہوئے اور حضور نے خدا کا شکر کیا - کہ اس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیقِ خیر دی - یاد رکھو کہ یہاں جن ظن و گمان کی برائی ہے وہ کفار کا ظن ہے وحی کے مقابل - یہ بھی خیال رکھو کہ ظن کے بہت معنیٰ ہیں - دیکھو تفسیر - قیاس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو - **پانچواں اعتراض** یہاں تفصیل الکتاب میں الکتاب سے مراد لوحِ محفوظ نہیں بلکہ یا تو شرعی احکام ہیں - کتاب بمعنی مکتوب یا گذشتہ آسمانی کتب لہٰذا نہ قرآن میں علم غیب ہے نہ حضور کو (دیوبندی) **جواب** قوی یہ ہے کہ یہاں الکتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے - اس تفسیر کی تائید اس آیۃ سے ہے نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ - لہٰذا یہ تفسیر اس تائید کی وجہ سے قوی ہے - تفسیر صاوی روح البیان وغیرہ - تفاسیر نے یہ تفسیر کی - جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ کمزور بنیاد اور کمزور پشتہ والی دیوار کمزور ہوتی ہے بے لنگر کی کشتی کو ڈوبنے کا خطرہ ہے - جن عقائد و اعمال کی بنیاد محض اپنا گمان و ظن ہو اور پشتہ جاہل باپ دادوں کی اندھی تقلید وہ بے لنگر والی کشتی کی طرح ہیں جو کفار کو غرق کریں گے - مولانا فرماتے ہیں۔

کشتی بے لنگر آمد مرد شر — کہ ز بادِ کج نیابد او حذر!

لنگر عقل است عاقل را اماں ! لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

بے لنگر والی کشتی باد مخالف سے نہیں بچ سکتی اے اللہ کے بندے کسی عاقل سے لنگر کی بھیک مانگ تاکر دنیا میں تو ڈوب نہ جائے اس آیت میں انہیں بے لنگر کی کشتی والوں سے کہا گیا ہے۔ کہ ظن و گمان کشتی کو ڈوبنے سے نہیں بچاتا ایسی بے لنگر والی کشتی کنارہ پر نہیں پہنچتی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی ساخت اپنے بنانے والے کا پتہ دیتی ہے۔ قرآن کتاب الہی کی شان بتا رہی ہے کہ یہ کسی بندے کا کلام نہیں۔ بے وقوف ہیں وہ جو قرآن مجید کو حضور انور کا بنایا ہوا کہتے ہیں۔ نیز جن ذات کریم نے ساری عمر کسی انسان پر جھوٹ نہ بولا وہ رب کریم پر جھوٹ کیسے بول سکتی ہے قرآن کی شان والے محبوب کی آن بان دونوں بتا رہی ہیں کہ قرآن کلام الہی ہے اس لیے ارشاد ہوا لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ جیسے رب تعالیٰ اپنی توحید کا گواہ۔ ایسے ہی اس کا کلام اپنے کلام اللہ ہونے کا گواہ۔ صوفیاء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الہی ہیں اور قرآن مجید آپ کے صفات آپ کے شان کی تفصیل ہے کہ قرآن قال ہے حضور کے کمال کا۔ شعر۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط کا حباب

دن رات شام سویرا دوپہر صبح صادق۔ اوجیالا ایک ہی سورج کی کیفیت کا نام ہے۔ قرآن مجید کے آیات جلالی۔ جمالی۔ احکام ارکان وغیرہ اسی سورج نبوت کی کیفیات کاملہ ہیں۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّثۡلِہٖ
کیا کہتے ہیں وہ کہ گھڑ لیا ہے اس کو فرما دو کہ تو لاؤ ایک سورت اُس کی مثل
کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنا لیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورت
وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ
اور بلا لو انہیں کہ طاقت رکھتے ہو تم سواء اللہ کے اگر ہو تم
لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلاؤ اگر تم
صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ یُحِیۡطُوۡا بِعِلۡمِہٖ
سچے بلکہ جھٹلایا انہوں نے اسے کہ نہ گھیرا جس کے علم کو
سچے ہو بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا

وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ

اور اب تک نہیں آیا ان تک انجام اس کا اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے

اور ابھی انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا ایسے ہی ان سے اگلوں

قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

پہلے تھے پس دیکھو کیسا ہوا انجام ظالموں کا

نے جھٹلایا تھا تو دیکھو ظالموں کا کیسا انجام ہوا

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں اجمالاً ارشاد ہوا کہ کفار صرف اپنے ظن وگمان یا باپ دادوں کی اندھی تقلید پر اپنے دین ومذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں اب اس اجمال کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دیکھو یہ لوگ قرآن کریم کو حضور انور کا بنایا ہوا کہتے ہیں مگر اس کا ثبوت ان کے پاس کچھ نہیں بجز اپنے وہم وگمان۔ کا ایسا ہوا ہو گا۔ گویا یہ آیتِ کریمہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیتِ کریمہ میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ اس کی مثل تمام جہان کے انسانوں سے نہیں بن سکتا اور جس کا مثل انسان سے نہ بن سکے وہ چیز خدائی ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن خدائی کتاب ہے گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس کی دلیل ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں قرآن مجید کو دلائل سے کلام الٰہی ثابت کیا گیا۔ اب اس کے انکار پر ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے۔ کہ پچھلے زمانہ میں جن لوگوں نے آسمانی کتابوں کو جھٹلایا وہ ہلاک کی گئیں اگر تم بھی یہ جرم کرو گے تو تمہارا انجام بھی یہ ہی ہو گا۔ کیونکہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں اور بعض ڈر سے۔

تفسیر اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ یہاں اَمْ بمعنیٰ بل ہے۔ یا بمعنیٰ واوُ ابتدائیہ (خازن) یَقُوْلُوْنَ کا فاعل وہ کفارِ عرب ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے قول سے مراد منہ سے بولنا ہے خواہ دل سے ہو یا دل کے خلاف۔ کیونکہ بعض کفار تو دل سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید خدائی کتاب نہیں مگر اکثر اسے خدائی کتاب مانتے تھے لیکن منہ سے یہ ہی کہتے تھے کہ حضور انور نے خود بنائی ہے۔ اس لیئے اسے یَقُوْلُوْنَ فرمایا گیا تاکہ دونوں قسم کے لوگوں کو شامل ہو جائے یَعْلَمُوْنَ یا يَعْتَقِدُوْنَ نہیں فرمایا۔ . . . .

. . . . وہ لوگ کبھی تو کہتے تھے کہ کوئی شخص حضور کو قرآن سکھا جاتا ہے کبھی کہتے تھے کہ جادو ہے کبھی کہتے تھے کہ شعر ہے کبھی کہتے کہ حضور انور نے خود بنا لیا ہے۔ اپنی طرف سے اس لیئے قرآن کریم کی مختلف آیات میں ان کی مختلف بکواس کا ذکر ہے یہاں آخری بات نقل فرمائی گئی۔ اِفْتِرَام

کے معنی ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے کہ کوئی بات گڑھ کر کسی طرف نسبت کر دی جاوے کہ فلاں نے کہی ہے افترا اس ہی لئے دو جھوٹ ہوتے ہیں۔ کلام میں اور نسبت میں قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ یہ ان کی مذکورہ بکواس کا جواب ہے۔ قرآن مجید کا اکثری قاعدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ یا قرآن مجید پر جو اعتراض ہو اس کا جواب حضور انور سے دلوایا جاتا ہے جو حضور انور پر اعتراض ہو اس کا جواب رب تعالیٰ دیتا ہے۔ شعر

دشمن نے تو سے جو کچھ بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا
پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تری شرم و حیا کا کیا کہنا

اس لئے یہاں قُلْ ارشاد ہوا سورۃ آیۃ۔ منزل۔ رکوع وغیرہ کا فرق ہم سورۂ فاتحہ کے اوّل میں بیان کر چکے۔ قرآن مجید کا وہ حصہ جس میں مضمون پورا ہو اور اس کا کچھ نام بھی ہو سورۃ کہلاتی ہے یہ دو قسم کی ہے مکیہ اور مدنیہ سب سے بڑی سورۂ سورۃ بقر ہے اور سب سے چھوٹی سورۃ والعصر اور کوثر ہے اگر یہاں چھوٹی سورۃ مراد ہے تو سُورَةٍ کی تنوین قلت کی ہے۔ چونکہ چھوٹی آیۃ ایک لفظ بلکہ ایک حرف کی بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے الم ایک لفظ کی آیۃ ہے اور ص۔ ق۔ ایک ایک حرف کی آیت ہے اس لیے یہاں چھوٹی آیۃ کے مقابلہ کا ذکر نہیں ہوا ورنہ وہ کوئی حرف ج۔ د وغیرہ بول دیتے کہ ص بھی ایک آیت ہے ایسے ہی ج بھی ایک آیت ہے۔ مِّثْلِهِ سُورَةٍ کی صفت ہے اس میں ہٗ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ سورۃ بقر میں بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ میں ہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی۔ وہاں مطلب یہ تھا کہ ان محبوب جیسی ذات سے ایک سورہ بنوا کر لاؤ۔

شعر لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگرد رشید حق تعالیٰ

وہاں حضور انور کی بے مثلی بیان ہوئی تھی اس لیے وہاں مِن مِّثْلِهِ ارشاد ہوا تھا مِنْ کے ساتھ یہاں قرآن مجید کی بے مثلی ارشاد ہوئی لِهٰذَا مِنْ نہ لایا گیا۔ (از تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) مثل سے مراد صرف حرفوں کی ترتیب میں مثل ہونا نہیں بلکہ فصاحت بلاغت غیبی خبروں میں مثلیت ہے۔ ورنہ سارے عربی کلام انہیں اٹھائیس حرف سے بنتے ہیں مگر حضرات انبیاء نبوت۔ علم غیب۔ قرب الٰہی وغیرہ لاکھوں صفات میں بے مثل ہوتے ہیں۔ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ۔ یہ دوسرا حکم ہے انہیں کفار کو جس میں پہلے حکم کی اہمیت دکھائی گئی ہے۔ لہٰذا یہ واؤ عاطفہ ہے اُدْعُوا بنا ہے دُعَاءٌ سے بمعنی پکارنا یا بلانا اپنی مدد کے لیے مطلقاً پکارنا مراد نہیں۔ یہاں دُونِ بمعنی مقابل ہے بمعنی سوا نہیں لہٰذا مِن دُونِ اللَّهِ میں ان کے بت۔ سرداران کفر۔ یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے جہان بھر کے عالم داخل حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام۔ مومنین۔ صالحین علماء اسلام ہرگز داخل نہیں اِسْتَطَعْتُمْ فرما کر یہ بتایا کہ صرف مکہ معظمہ یا طائف کے علماء کفر ہی کی پابندی نہیں۔ دنیا بھر کے سارے کافروں علم والوں کو بلا لو۔ جہاں تک علماء تم بلا سکتے ہو۔ سبحان اللہ یہ ہے۔ اعلیٰ درجہ

کی للکار اور وہ بھی وہاں جہاں فصحاء بلغاء کی بہتات تھی۔ جن کی زبان دانی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا جو اپنے کو عرب یعنی بولنے والا کہتے تھے دوسروں کو عجم (گونگا) اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے (روح المعانی) یعنی اگر تم اس خیال میں سچے ہو کہ قرآن مجید حضور انور کی بنائی ہوئی ہے تو آ جاؤ مقابلہ میں بنالاؤ۔ ایک چھوٹی سی سورت پھر اکیلے نہیں بلکہ اپنے سارے مددگاروں کو بلالو۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ اس عبارت سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی ان کفار نے کچھ سوچ سمجھ کر قرآن کریم کا انکار نہیں کیا۔ یا کسی عام کتاب کا انکار نہیں کیا بلکہ ایسی عظیم الشان کتاب کا انکار کیا۔ جس کے علوم جس کی فصاحت و بلاغت کو کما حقہٗ یہ جان بھی نہ سکے۔ مَا سے مراد قرآن مجید ہے۔ احاطہ علمی سے مراد ہے اس کے علوم کو کما حقہٗ جاننا اس کی تہ تک پہنچ جانا یعنی ان لوگوں نے صرف لوگوں سے سن سنا کر انکار کر دیا۔ اس کے علوم سے واقف ہو کر انکار نہیں کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے ایسی کتاب کا انکار کیا۔ جس کے علوم کو انسانی عقل نہیں گھیر سکتی۔ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ یہ فرمان عالی معطوف ہے لَمْ يُحِيْطُوْا پر اور مَا کا صلہ ہے لَمَّا کے معنی ہیں اب تک نہیں۔ یہ لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں ابھی کوئی چیز ہوئی تو نہ ہو مگر ہونے کی امید ہو۔ تاویل بمعنی نتیجہ انجام یہاں مراد ہے وہ چیزیں جن کے ہونے کی قرآن مجید نے خبر دی۔ یعنی انہوں نے ایسی کتاب قرآن مجید کا انکار کیا جس کی غیبی خبریں انہیں ان تک آئی نہیں یعنی ظاہر نہ ہوئیں۔ انہوں نے تھوڑا صبر تو کیا ہوتا۔ اسکی خبروں کا ظہور تو ہونے دیا ہوتا انہیں اسکی حقانیت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی۔ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس فرمان عالی میں انہیں ڈرانا مقصود ہے اور اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد گذشتہ ہلاک شدہ قومیں ہیں جیسے قوم نوح قوم صالح و ہود علیہم السلام اور قوم موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام۔ جھٹلانے سے مراد ہے اپنے نبیوں ان کے معجزات ان کے صحیفوں کتابوں کا انکار یعنی یہ انکار نئی چیز نہیں ہمیشہ سے کفار نبیوں کا انکار کرتے ہی رہے ہیں آپ اس سے ملول نہ ہوں۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ۔ اگر اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو نظر سے مراد ہے آنکھوں سے دیکھنا۔ کیونکہ حضور انور کی نگاہ سے کوئی گذشتہ آئندہ چیز پوشیدہ نہیں اور اگر خطاب ہر مسلمان سے ہے تو نظر سے مراد ہے غور کرنا۔ ظالمین سے مراد ہیں کفار کیونکہ ہر کافر اپنے پر ظلم کرتا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ عاقبۃ سے مراد ہے وہ عذاب جو ان قوموں پر آئے یعنی آپ دیکھو تو یا اے مسلمان غور تو کر کہ ان جھٹلانے والوں کا نتیجہ کیا ہوا۔ وہ ہلاک ہوئے ایسے ہی ان کا بھی انجام ہونا چاہیئے۔

خلاصۂ تفسیر کفار عرب کہتے ہیں کہ قرآن مجید کتاب ربانی نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنائی ہے اور رب کی طرف نسبت فرما دی کہ یہ قرآن رب کی کتاب ہے۔ اے محبوب آپ انہیں جواب دو کہ انسانی مصنوع کی پہچان یہ ہے کہ اس کی مثل انسان بنا سکے۔ اس قاعدہ سے تم اکیلے نہیں

بلکہ تمام جہان کے کفار زبان دانوں کو اپنی مدد کے لیئے بلالو اور سب مل کر قرآن مجید کی مثل فصیح و بلیغ علوم غیبیہ پر شامل ایک چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ۔ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار کی وجہ یہ نہیں بلکہ وجہیں دو ہیں ایک یہ کہ انہوں نے ایسے قرآن کا انکار کیا ہے جس کے علوم کا یہ احاطہ نہ کرسکے نہ کوئی انسان احاطہ کرسکتا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قرآن مجید کو کماحقہٗ سمجھ لیا۔ دوسری یہ کہ ابھی تک قرآن مجید کی غیبی خبریں ان پر ظاہر نہ ہوئیں۔ یہ تھوڑا صبر تو کرتے۔ پھر دیکھتے کہ اس کی خبریں کس درجہ صحیح ہوتی ہیں ان سے پہلے کفار نے اپنے نبیوں ان کے معجزات ان کی کتابوں صحیفوں کا انکار کیا۔ دیکھو ان ظالموں کا انجام کیا ہوا سب ہلاک کیئے گئے یہ ہی نتیجہ ان کا ہونا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے کفار مکہ سے چھ موقعوں پر چھ مطالبہ کئے ۱۔ پورے قرآن بنانے کا مطالبہ کر فرمایا

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ ۲۔ دس سورتیں بنانے کا مطالبہ کر فرمایا فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ ۳۔ ایک چھوٹی یا بڑی سورۃ بنانے کا مطالبہ کر فرمایا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ ۴۔ قرآن جیسی ایک بات بنانے کا مطالبہ کر فرمایا فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖ ۵۔ حضور جیسی ہستی کی مثل سے ایک چھوٹی سورت بنوانے کا مطالبہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۶۔ اس ایک سورۃ بنانے کے لیے سب سے امداد لینے کی اجازت کہ ایک سورۃ کے بنانے میں اپنے علماء بتوں سرداروں کی مدد لے لو وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ الخ (تفسیر کبیر) ان مطالبوں کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے پورے قرآن بنانے کا مطالبہ ہوا پھر فرمایا اچھا دس سورتیں بنالاؤ پھر فرمایا اچھا ایک بڑی سورہ ہی بنالاؤ پھر فرمایا اچھا سب کی مدد سے ایک چھوٹی سورۃ بنالاؤ

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ جھوٹے کو اپنی بات کا اعتبار نہیں ہوتا وہ ایک بات پر نہیں ٹھہرتا کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں نے کیا کہا تھا۔ یہ فائدہ اِفْتَرٰىهُ سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ حضور انور کو کبھی دیوانہ کہتے تھے کبھی جادو کیا ہوا کبھی جادوگر کبھی افترا کرنے والا۔ حالانکہ دیوانہ اور مسحور بے عقل ہوتے ہیں۔ اور مفتری بڑے عاقل۔ دوسرا فائدہ انسانی مصنوع کی پہچان یہ ہے کہ انسان اس کی مثل بنا سکے جس کی مثل انسان سے نہ بن سکے وہ خدائی چیز ہے۔ یہ فائدہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ سے حاصل ہوا۔ ہم اس کی تحقیق پہلے پارہ میں مِنْ مِّثْلِهٖ والی اس آیت کی تفسیر میں کرچکے ہیں۔ دیکھو انجن ہوائی جہاز کو ہم انسانی صنعت مانتے ہیں اور چیونٹی کو خدائی صنعت اس قاعدے سے کہ ہوائی جہاز اپنے بڑا ہونے کے باوجود انسان سے بن سکتا ہے مگر چیونٹی حالانکہ بہت چھوٹی ہے مگر کسی انسان سے نہیں بن سکتی۔ تیسرا فائدہ قرآن مجید بے مثل کتاب ہے لہٰذا حضور انور بھی بے مثال نبی ہیں بلکہ حضور کی ازواج مطہرات بے مثال بیبیاں یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ بلکہ حضور کی امت بے مثل امت ہے كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ چوتھا فائدہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ

مِثْلِہٖ۔ سے حاصل ہوا۔ سورۃ ہود میں بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ۔ ارشاد ہوا یہاں قرآن مجید کی بے مثالی ارشاد ہوئی اور وہاں حضور انور کی بے مثالی۔ چوتھا فائدہ امر ہمیشہ واجب کرنے کے لئے نہیں ہوتا کبھی عاجز کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو قرآن مجید کی مثل ناممکن ہے مگر اس کے بنانے کا مطالبہ امر کے صیغہ سے ہوا تاکہ کفار کو اپنا عجز معلوم ہو۔ پانچواں فائدہ کوئی کتاب صرف عربی ہونے اٹھائیس حرفوں سے بننے رسم الخط یکساں ہونے کی وجہ سے قرآن کی مثل نہیں ہو سکتی بلکہ فصاحت بلاغت غیبی خبریں عالی مضامین میں مشابہت چاہیئے جو ناممکن ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص انسانیت۔ ظاہری اعضاء اور کھانے پینے کی وجہ سے حضور انور کا مثل نہیں ہو سکتا حضور کی مثلیت کے لئے خاتم النبیین۔ سید المرسلین شفیع المذنبین وغیرہ ہونا ضروری ہے اور وہ ناممکن ہے حضور انور کا اور قرآن کریم کا مثل ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے رب تعالیٰ کا مثل۔ ہم نے عرض کیا۔ شعر۔

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبداؤ منتہیٰ
نہیں دوسرے کی یہاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

سب سے اول سب سے آخر سب کا سردار سب کا بخشوانے والا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس وصف میں شرکت کی گنجائش نہیں۔ یوں ہی سب سے آخری کتاب سب کی ناسخ کتاب صرف ایک ہی ہو سکتی ہے زیادہ نہیں۔ چھٹا فائدہ غیر اللہ کی مدد لینا اسے مدد کے لئے پکارنا نہ شرک ہے نہ حرام بلکہ بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ الخ سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے کفار کو اجازت دی کہ وہ اپنے مدد کے لئے اپنے اہل زبان والوں کو بلائیں اور قرآن کی مثل بنوائیں اگر یہ شرک ہوتا تو رب تعالیٰ اس کی اجازت نہ دیتا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق اول میں ملاحظہ کرو فَاْتُوْا کا امر عجز کے لئے ہے وَادْعُوْا کا امر عجز کے لئے بھی نہیں کیونکہ کفار اپنے یاروں کو بلانے سے عاجز نہ تھے یہ صرف اجازت کے لئے ہے اور شرک کی اجازت بھی بری ہے ساتواں فائدہ۔ قرآن مجید میں عموماً لفظ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کے محبوبوں کے لئے نہیں۔ یہ فائدہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ سے حاصل ہوا کہ یہاں اس سے نبی ولی۔ صحابہ کرام مراد نہیں بلکہ کفار کے سردار مراد ہیں ولی اللہ اور ولی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کا یہ ہی فرق ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں مطالعہ کرو۔ آٹھواں فائدہ کوئی شخص قرآن مجید کے علوم کا احاطہ نہیں کر سکتا یعنی اس کے سارے علوم پر پورا پورا مطلع نہیں ہو سکتا خواہ کتنی ہی کوشش کرے قرآن ایک سمندر ناپیدا کنار ہے یہ فائدہ بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ سے حاصل ہوا یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کَمَا حَقُّہٗ کوئی نہیں جان سکتا۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ ؞ فَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ ؞ غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ ؞ وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ -

یعنی سارے نبیوں رسولوں نے حضور کے سمندر سے ایک چلو یا حضور کی بارش سے ایک چھینٹا حاصل کیا حضور کی خدمت میں سب نبی اپنی حدوں پر کھڑے ہیں۔ آپ کے علم کا ایک لفظ یا آپ کی حکمتوں سے ایک حکمت حاصل کر رہے ہیں۔ **نواں فائدہ** قرآنی خبریں ساری برحق ہیں اگرچہ ان میں سے بعض کا ظہور دیر سے ہو۔ دیر ہونے پر انکار نہ کرنا چاہیئے۔ یہ فائدہ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوا لَا تَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ۔ خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو اور یہاں فرماتا ہے وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ دونوں آیتوں میں تعارض ہے **جواب** وہاں تمہاری پیش کردہ آیۃ میں لَا تَدْعُوْا کے معنی ہیں نہ پوجو یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ یعنی دعا کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں اور علم القرآن میں مطالعہ کرو۔ **دوسرا اعتراض** قرآن مجید کے مقابلہ کی کوشش کرنا اس کے لیئے دوسروں سے مدد لینا تو کفر ہے پھر رب تعالیٰ نے اس کا حکم اور اس کی اجازت کیوں دی۔ **جواب** ان کا عجز ظاہر کرنے کے لیئے اور عجز کا ظہور ان کے ایمان کا ذریعہ بنے گا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت جادوگروں کو ابتداءً جادو کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیا اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ حالانکہ جادو حرام یا کفر ہے۔ جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی وہاں بھی عجز ظاہر کرنا مقصود تھا۔ **تیسرا اعتراض** قرآن مجید میں لفظ دُوْنَ بمعنی سواء آتا ہے - مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ یہاں بھی اس کے معنی ہونے چاہئیں کہ اللہ کے سوا سب کو مدد کے لیئے بلا لو- خواہ وہ اللہ کے سوار۔ یہاں تمام ہی انسانوں کو چیلنج دیا گیا ہے کیونکہ دون سب کو شامل ہے خواہ وہ اللہ کے اپنے ہوں یا غیر یا دشمن سب کو مدد کے لیئے بلا لو۔ خواہ وہ اللہ کے اپنے ہوں یا غیر یا دشمن - **جواب** لفظ دُوْن کی اصل وضع مقابل یا دور کے لیے ہے - کبھی بمعنی سواء آجاتا ہے جبکہ دشمن یا مقابل میں سوار ہو - خدا کے سوار جس کی عبادت کی جاوے گی وہ اللہ کا مقابل ہی ہوگا۔ **چوتھا اعتراض** جیسے کفار کو قرآن کے مقابلے کے لیئے للکارا گیا ہے۔ کیا توریت وانجیل کے مقابلہ کے لیئے بھی للکارا گیا تھا۔ کیا ان کی مثل بنانا بھی انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اگر نہ تھا تو وہ کلامِ الٰہی کیسے ہوئیں اور اگر تھا تو لوگوں نے اس میں خلط ملط کیسے کر دیا۔ لوگوں کی ملاوٹی آیتیں اصلی آیات سے متشابہ کیسے ہوگئیں۔ **جواب**۔ حق یہ ہے کہ ان کتابوں کی عبارت معجزہ نہ تھی۔ اس لیئے کسی کو ان کتابوں کے مقابلہ کی دعوت نہیں دی گئی تھی۔ اگرچہ مقابلہ اس کا بھی ناممکن تھا۔ نیز اس زمانہ میں لوگ فصاحت وبلاغت کے ایسے ماہر نہ تھے جیسے حضور کے زمانہ کے کفار لہٰذا انہیں دعوتِ مقابلہ دینا درست نہ تھا ان زمانوں میں جس چیز کا زور تھا اس قسم کے معجزے نبیوں کو دیئے گئے اور لوگوں کو ان کے مقابلہ کی دعوت دی گئی جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا۔ یا یوں کہو

کہ ان کتابوں کا مثل بھی ناممکن تھا کیونکہ وہ کلام الٰہی تھیں۔ مگر جو آیات لوگوں نے ملائیں وہ دوسروں پران کی بے علمی کی وجہ سے مشتبہ ہو گئیں واقعہ میں ان کتابوں کے مشابہ نہ تھیں۔ جیسے آج کوئی عربی دان دیہاتیوں کے سامنے اپنی عربی عبارت آیات قرآنیہ سے ملا کر پڑھے اور کہہ دے کہ یہ سب قرآن ہے اور وہ پاکستانی دیہاتی فرق نہ کر سکیں۔ بے مثل ہونا اور بات ہے اور بے مثل معلوم کرنا کچھ اور۔ یہ جواب خیال میں رہے

تفسیر صوفیانہ جیسے قرآن مجید فصاحت بلاغت علوم غیبیہ میں بے مثال ہے کہ اس کی مثل ناممکن ہے ایسے ہی قرآن مجید اپنے اندرونی اوصاف میں بے مثال ہے وہ مبارک ہے عزت والا ہے۔ شفاء ابدان اور شفاء ارواح ہے بغیر سمجھے تڑپا دینے والا ہے ہمیشہ نیا رہنے والا ہے کہ کبھی پرانا نہیں پڑتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور محمد مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے کہ اسے حضور نے رب سے لیا ہے مخلوق کو دیا ہے۔ اس سے قرآن کی عظمت کو چار چاند لگ گئے فرماتا ہے۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ مبارک ایسا کہ جس مہینہ میں قرآن آیا وہ مہینہ یعنی رمضان مبارک جس رات آیا وہ رات مبارک یعنی شب قدر۔ جو فرشتہ قرآن لایا وہ مبارک یعنی جبریل جس نبی پر آیا وہ نبی مبارک جس زمین پر آیا وہ زمین مبارک جس عالم کے سینہ میں رہے وہ سینہ مبارک جس زبان پر رہے وہ زبان مبارک جس کی موت قرآن پر ہو وہ موت مبارک یہ ہی حال اس کی عزت کا ہے جو قوم اسے اپنا لے وہ عزت پائے جو اسے چھوڑے ذلیل ہو جائے۔ شعر۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

یہ ہی حال اس کی تمام مذکورہ صفات کا۔ اس بنا پر ارشاد ہوا کہ لاؤ ایسا کلام جس میں یہ صفات ہوں جیسے قرآن مجید ان صفات کی بنا پر بے مثال ہے۔ ایسے ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاکھوں صفات کی بنا پر بے مثال ہیں کہ آپ کا مثل ناممکن ہے۔

لائیں تو یہ دوسرا دوسرا اور کوئی دوسرا جس کو یہ رتبہ ملا تم پہ کروڑوں درود

جیسے ہمارے قرابت دار بہت ہو سکتے ہیں مگر ماں باپ صرف ایک ایسے ہی انبیاء اولیاء بہت ہوئے مگر خاتم الانبیاء صرف ایک کہ ماں باپ سے ہمارا جسم بنا حضور انور سے سارا عالم بنا۔ ان کفار نے قرآن مجید کا اس لیے انکار کیا کہ وہ اس کے علوم تک نہ پہنچ سکے صرف الفاظ ہی دیکھتے رہے یوں ہی حضور انور کو اپنا مثل کہنے والے صرف کھانا پینا سونا جاگنا دیکھ کر یہ کہہ بیٹھے۔ حضور کے یہ ظاہری صفات ان کی بصیرت کے لیئے آڑ بن گئے۔ یہ آڑ ہٹ جائے تو لطف آجائے۔ شعر

کفر و اسلام کے جھگڑے نہ چھپنے سے بڑھے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی ہو جائے

اللہ کرے کوئی پردہ اٹھانے والا مل جائے۔ اقبال کہتے ہیں شعر۔

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردۂ میم کو اٹھا کر۔

وہ بزمِ امکاں میں لاکھ بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر۔

وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ

اور اُن میں سے وہ ہیں جو ایمان لائیں گے اس پر اور اُن میں سے وہ ہیں جو ایمان نہ

اور ان میں کوئی اس پر ایمان لاتا ہے اور ان میں کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا ہے

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾ وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل

لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے فسادیوں کو اور اگر جھٹلائیں وہ آپ کو

اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو فرما دو

لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا

تو فرما دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے تم بری اس سے جو کرتا ہوں میں

کہ میرے لیے میری کرنی اور تمہارے لیے تمہاری کرنی تمہیں میرے کام سے

أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

اور میں بری ہوں اس سے جو کرتے ہو تم

علاقہ نہیں اور مجھے تمہارے کام سے تعلق نہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار مکہ کا موجودہ حال بیان ہوا کہ وہ قرآن کو بغیر سوچے سمجھے اور بغیر اس کی خبروں کا انجام دیکھے جھٹلاتے ہیں اب انہیں کفار کا آخری حال و انجام بیان ہو رہا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائیں گے گویا ان کے موجودہ کفر کے بعد ان کے آئندہ ایمان یا بقاءِ کفر کا ذکر ہے۔ یہ تعلق اس صورت میں ہے جبکہ یہاں یُؤمِنُ سے مراد ہو آئندہ ایمان لانا دوسرا تعلق پچھلی آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ کفارِ مکہ نے قرآن مجید کو جھٹلا دیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان میں سے بعض نے دل سے مانا صرف زبان سے جھٹلایا اور بعض نے دل سے بھی جھٹلایا یہ تعلق جب ہے جبکہ یُؤمِنُ سے مراد ہو موجودہ دلی ایمان یعنی پہچان۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ گذشتہ ظالم قوموں کے انجام میں غور

کردکہ وہ کیسے ہلاک ہوئیں جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اب ارشاد ہے کہ ایسا نہ ہوگا ان پر فنا کر دینے والا عذاب نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائیں گے۔ اگر ہلاک کر دیئے جاویں تو ایمان کیسے لائیں۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ دونوں صیغے یؤمن اور لا یؤمن بمعنی حال ہیں اور ایمان سے مراد ہے لغوی ایمان یعنی جاننا پہچاننا اور منہم میں ھم سے مراد یا مشرکین مکہ ہیں یا سارے کفار عرب جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں بہ سے مراد قرآن مجید ہے جس کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ذکر قرآن مجید کے ذکر کے ضمن میں ہوا۔ (دیکھو تفسیر مدارک۔ تنویر المقیاس۔ بیضاوی کبیر وغیرہ) ۱؎ یعنی ان مشرکین مکہ یا کفار عرب میں سے بعض تو وہ ہیں جو دل سے قرآن کریم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت مانتے ہیں مگر ضد اور حسد کی وجہ سے ان کے انکاری ہیں يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ اور بعض وہ عام کفار ہیں جو محض اپنے سرداروں کے کہنے میں آکر قرآن کریم اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے ہی نہیں مانتے۔ کبھی ان کے صفات عالیہ میں غور نہیں کرتے ۲؎ یا ان مشرکین و کفار میں سے بعض تو وہ ہیں جو آگے چل کر قرآن یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں کریں گے جیسے حضرت خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابوجہل۔ ابو سفیان۔ ہندہ وغیرہم اور بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے کفر پر مریں گے یا مارے جائیں گے۔ جیسے ابولہب اور ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہم اس صورت میں یہ غیبی خبر ہے جو ہو بہو پوری ہو کر رہی۔ دنیا نے دیکھ لیا وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ یہ دوسرا نیا فرمان ہے یہاں الْمُفْسِدِينَ سے مراد کفر پر مرنے والے کفار ہیں کہ اصل فسادی وہ ہی ہیں جنہوں نے اپنی فطرت بگاڑی۔ علم سے مراد غضب و قہر کے لیئے جاننا تاکہ انہیں عذاب دیا جاوے لہذا آیۃ بالکل واضح ہے۔ یعنی اے محبوب ہم ان فسادی کفار کو خوب جانتے ہیں انہیں سخت سزا دیں گے۔ حقانیت قرآن کے تمام دلائل بیان فرمانیکے بعد ارشاد ہوا کہ وَإِن كَذَّبُوكَ اس فرمان عالی میں تکذیب سے مراد جھٹلانے پر قائم رہنا۔ ایمان اختیار نہ کرنا۔ اس کا فاعل وہ ہی کفار عرب یا مشرکین مکہ ہیں جن سے اب تک خطاب ہو رہا ہے چونکہ ان میں بعض تو آگے چل کر ایمان قبول کرنے والے تھے بعض نہیں اس لیئے یہاں اِنْ فرمایا گیا۔ یعنی جو لوگ ایمان قبول کرلیں وہ تو آپ کے اپنے ہو گئے۔ اس طرح کہ آپ کی نیکیوں سے انہیں بھی نفع ہوگا۔ ان کی نیکیوں سے انہیں بھی نفع ہوگا۔ اُن کی نیکیوں سے آپ کا ثواب بھی بڑھے گا۔ کیونکہ وہ نیکیاں آپ کی تعلیم سے ہیں ان کے گناہ آپ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ رہے وہ لوگ جو آپ کو جھٹلاتے ہی رہے ایمان لائے ہی نہیں ان سے دو باتیں فرما دیں۔ ایک یہ کہ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ۔ یہاں لام کے بعد جزا اور لکم کے بعد

عذاب پوشیدہ ہے۔ لی اور لکم میں لام لزوم کے لیے ہے نہ کہ نفع۔ کے لیے کہ کفار کو ان کے اعمال کا نفع نہیں ملا سزا ملتی ہے نیکیاں برباد ہوتی ہیں عمل سے مراد مطلق عمل ہیں۔ خواہ دل کے ہوں یا اعضاء ظاہری کے۔ یا مالی اعمال یعنی تو آپ ان سے فرما دو کہ میرے اعمال کا ثواب میرے لیئے۔ ہے تمہیں ان سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ کیونکہ تم میرے نہ بنے کافر قرابت داروں کو نہ مال کی میراث ملے نہ اعمال کی نہ احوال کی نہ کمال کی اور تمہارے گناہوں کی سزا صرف تم کو ملے گی اس۔ کے متعلق مجھ سے بازپرس نہ ہو گی۔ کیونکہ میں مکمل تبلیغ کر چکا۔ دوسری بات یہ کہ اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی پہلے کلام کی تفسیر یا تاکید ہے۔ بعض نے فرمایا کہ پہلے فرمان سے نیک اعمال مراد تھے۔ حضور انور کے واقعی نیک اعمال اور کفار کی وہ نیکیاں جنہیں وہ نیکی سمجھتے اور کرتے تھے اور اس فرمان میں برے اعمال یعنی گناہ مراد ہیں وہ مردود دین حضور انور کی توحید عبادات اور تبلیغ کو گناہ کہتے تھے اور اپنے بدکرداریوں کو گناہ سمجھتے تھے تو مطلب یہ کہ تم میرے گناہوں سے بری ہو تم سے ان کا حساب نہ ہو گا۔ اور میں تمہارے گناہوں سے بری (از روح البیان و کبیر وغیرہ)

خلاصۂ تفسیر ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں کی بہت تفسیریں ہیں۔ ہم ایسا خلاصہ عرض کرتے ہیں جس میں ان سب کا تذکرہ آجائے گا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ یا کفار عرب جو اس وقت بہت جوش میں ہیں یہ سارے کافر رہیں گے نہیں بلکہ بعض ایمان قبول کر لیں گے اور اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں گے اور بعض کفر پر مریں گے یا مارے جائیں گے یا ان کفار میں بعض وہ ہیں جو صرف زبان کے کافر ہیں دل سے آپ کو سچا قرآن کو برحق جانتے ہیں۔ حسد اور عناد کی وجہ سے انکار کئے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو غور و خوض کرتے نہیں۔ صرف اپنے سرداروں سے سن کر دل سے آپ کے انکاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کو خوب جانتا ہے انہیں سخت سزا دے گا۔ ان دونوں فریق میں سے جو ضدی دل سے انکاری ہیں یا جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان سے فرما دو کہ تم مجھ سے کٹ گئے لہٰذا میرے لیئے میرے عمل کی جزا ہے تمہیں مجھ سے اور میرے عمل سے فائدہ نہیں پہنچے گا اور تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملے گی۔ نہ میری شفاعت سے وہ بخشے جاویں نہ مجھ سے ان کے متعلق بازپرس ہو۔ کیونکہ میں نے تم کو پوری تبلیغ کر دی تم میرے اعمال سے بری ہو میں تمہارے اعمال سے بری اور بیزار ہوں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ قرآن مجید کی غیبی خبریں بالکل حق ہیں جیسا فرمایا ویسا ہو کر رہا یہ فائدہ مَنۡ یُّؤۡمِنُ اور مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ ایمان سے مراد ہو شرعی ایمان اور یُؤۡمِنُ کے معنی ہوں ایمان قبول کر لیں گے۔ واقعی بہت کفار و مشرکین بعد میں ایمان لائے اور

بعض اس سے محروم رہے۔ دوسرا فائدہ اکثر کفار حضور انور کی صداقت قرآن مجید کی حقانیت کے دل سے قائل تھے کچھ لوگ قائل نہ تھے یہ فائدہ مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ ایمان سے مراد ہو لغوی ایمان یعنی دل سے قائل ہونا مراد ہو۔ اس کی تفسیر وہ آیۃ کریمہ ہے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ تیسرا فائدہ اگر حضور کی اُلفت اور جذبۂ اطاعت دل سے نہ ہو تو دل سے سچا مان لینا شرعی ایمان کے لیے کافی نہیں نہ اس سے نجات ہو۔ یہ فائدہ بھی يُؤْمِنُ بِهٖ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو قرآن مجید ان کے دلی پہچان کی خبر دے رہا ہے اور پھر انہیں کافر بھی کہہ رہا ہے آج بہت سے غیر مسلم سکھ ہندو بلکہ عیسائی حضور انور کی نعتیں بہت شاندار لکھتے ہیں مگر رہتے ہیں ہندو۔ کیونکہ تسلیم اور اطاعت و اقرار سے علیحدہ ہیں۔ چوتھا فائدہ بفضلہ تعالیٰ مومنوں کو حضور انور کے اعمالِ طیبہ طاہرہ سے فائدہ پہنچتا ہے اور قیامت تک بلکہ قیامت کے بعد تک پہنچے گا۔ کفار اس سے محروم ہیں یہ فائدہ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ سے حاصل ہوا۔ کہ لِيْ عَمَلِيْ کو معلق کیا گیا اِنْ كَذَّبُوْكَ پر حضور کی نیکیاں ہم گنہگاروں کا ان شاء اللہ بیڑا پار کریں گی۔ حضور انور نے اپنی امت کی طرف سے قربانی بارہا کی ہمارے لیے رات کو جاگ کر رو رو کر شفاعت فرمائی اور قیامت میں فرمائیں گے۔ **پانچواں فائدہ**۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے کبھی بری اور بے تعلق نہیں ان شاء اللہ ان کی نیکیاں قبول کراتے اور ان کے گناہ بخشواتے ہیں۔ بلکہ اس کے ذمہ دار ہیں رب فرماتا ہے عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ تمہارے تکلیفی اعمال ان کے ذمہ کرم پر ہے۔ روح البیان عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ کی تفسیر ہے۔ رب فرماتا ہے کہ کفار کے مال و اعمال کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو۔ اور فرماتا ہے۔ مومنوں سے پل بھر کے لیے نگاہ نہ پھیرو انہیں اپنی نگاہ میں اپنے دامنِ کرم میں رکھو۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ اور فرماتا ہے۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اگر ایک آن کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آنکھ پھیر لیں تو ہمارا ٹھکانہ کہیں نہ لگے۔ رب تعالیٰ ہم کو ان کی نظر کرم میں رکھے۔

مانگ لے مانگ لے چشمِ تر مانگ لے — مانگ لے ان سے دردِ جگر مانگ لے

مانگ لے ان کی میٹھی نظر مانگ لے — پیارے آقا کی نگری میں گھر مانگ لے۔

پہلا اعتراض۔ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کفار مومن تھے۔ مگر دوسری آیۃ میں ارشاد ہے هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا سارے ہی پکے کافر ہیں۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**۔ اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے اور وہاں کفر سے شرعی کفر مراد ہے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بہ یک وقت لغوی مومن اور شرعی کافر ہو **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ صرف فسادیوں کو خوب جانتا ہے اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ۔ تو کیا وہ مومنوں متقیوں کو نہیں جانتا۔ **جواب** جاننا غضب کے لیے بھی ہوتا ہے اور رحمت و کرم کے لیے بھی رب تعالیٰ ان فسادیوں کو غضب و قہر کے لیے

جانتا ہے ۔مومنوں کو رحم وکرم کے لیئے نیز اس آیتہ میں حصر کا کوئی لفظ نہیں جس کے معنیٰ ہوں کہ وہ صرف فسادیوں کو ہی جانتا ہے **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کا عمل دوسرے کے کام نہیں آتا - اپنی کرنی اپنی بھرنی - دیکھو ارشاد ہوا کہ لِیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ۔ میرے لیئے میرے کام ہیں اور تمہارے لیے تمہارے کام - جب نبی کے عمل امت کے کام نہیں آتے تو امت کے ایک دوسرے کے عمل کسی کے کیسے کام آسکتے ہیں - لہٰذا ثواب بخشنا کسی کی طرف سے حج بدل کرنا سب ناجائز ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم تیسرے پارے میں مَاکَسَبَتْ وَعَلَیْهَامَا اکْتَسَبَتْ کی تفسیر میں دے چکے ہیں - یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ خطاب کفار سے ہے اس لیئے ارشاد ہے - وَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ واقعی نبی کے اعمال کفار کے کام نہ آئیں گے - کنعان نبی زادہ تھا مگر کافر تھا تو کشتی نوح اس کے کام نہ آئی مومنوں کے کام آئی مومنوں کے کام آئی کشتی بھی تو حضرت نوح علیہ السلام کا عمل ہی تھی - **چوتھا اعتراض** - اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ نبی امتی سے بے تعلق ہیں - اور امتی نبی سے بے تعلق پھر تم کیوں نبی پر بھروسہ کیئے بیٹھے ہو (وہابی) **جواب** افسوس ہے کہ معترض یہ لفظ نہیں دیکھتا وَاِنْ کَذَّبُوْکَ جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو نبی کو جھٹلائے اس سے نبی بے تعلق ہیں نہ کہ مومنوں سے۔

تفسیر صوفیانہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت اور صفت اضلال کا مظہر ہے - لہٰذا اعلیٰ سے اعلیٰ چیز سے سارے انسان ہدایتہ و فائدہ نہیں پاتے کچھ فائدہ پاتے ہیں کچھ نقصان سورج سے ساری آنکھیں روشنی نہیں پاتیں ۔ نہ بارش سے ساری زمین سبزہ حاصل کرے - حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانِ ہدایت کے سورج ہیں قرآن مجید اسلام اور اسلام کے سارے احکام فرمان حضور کی شعاعیں یا حضورِ انور رحمت کا بادل ہیں قرآن مجید وغیرہ آپ کی بارش آپ سے اور آپ کی شعاعوں اور بارش سے سب نے فائدہ نہ اٹھایا - رب نے یہاں فرما دیا کہ سب اس سے ہدایت نہیں پائیں گے - بعض ایمان لائیں گے بعض نہ لائیں گے - رب تعالیٰ فسادیوں کو جانتا ہے جس کسی کے دل میں فساد کفر شرک کا تخم بویا ہوا ہے - قرآنی بارش سے وہ ہی تخم اُگے گا۔

شعر۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی
نہیں ان کے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے

صوفیا فرماتے ہیں کہ بڑا بدنصیب وہ ہے کہ حضور انور کے اعمال میں جس کا حصہ نہ ہو انشاء اللہ حضور کی نیکیاں سارے مومنوں کا بیڑا پار کریں گی - ان کے لیئے فرمایا گیا - لِیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ شعر۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

سخی کے مال میں فقیروں کا حق ہوتا ہے - جواد رؤف رحیم کے اعمال میں - ہم سیاہ کاروں کا انشاء اللہ حصہ ہے اور ضرور ہے اس سے بھی بڑھ کر بدنصیب وہ ہے جس سے نبی بیزار یا بے تعلق ہو جائے - اگر بجلی کا

تار کٹ جائے تو ساری فٹنگ بے کار ہے۔ اگر حضور انور سے غلامی کا رشتہ ٹوٹ جاوے تو شیطان کی طرح ساری عبادات محض بے کار ہیں اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اسی کے متعلق ارشاد ہوا وَاَنَا بَرِیٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ حضور انور کو ہمارے نیک اعمال سے تعلق ہے قبول کرانے کا۔ اور ہمارے گناہوں سے تعلق ہے بخشوانے کا نہ نیک کاران سے بے نیاز ہے نہ ہم جیسے سیہ کار بدکار۔ ہم تو ہیں ہی ان کے منگتے۔ ہمارا کام ہی مانگنا کھانا ہے۔ وہاں تو حال یہ ہے کہ۔ شعر۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھادو جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو۔

گنہگارو ان کے قدموں سے لپٹے رہو۔ ممکن ہے کہ ہماری گنہگاری ہی ان کی رحمت کا ذریعہ بنے۔ اقبال کہتے ہیں شعر۔

دھری ہوئی کام آہی جاتی ہے جنسِ عصیاں عجیب شئی ہے
کوئی اسے ڈھونڈتا پھرے گا زرِ شفاعت دکھا دکھا کر۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ

اور بعض ان کے وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں طرف آپ کے کیا پس آپ سنائیں گے

اور ان میں کوئی وہ ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سنادو

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ

بہروں کو اگرچہ ہوں وہ نہ عقل رکھتے اور بعض ان کے وہ ہیں جو دیکھتے ہیں طرف

گے اگرچہ انہیں عقل نہ ہو اور ان میں کوئی تمہاری طرف

اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

آپ کے کیا پس آپ ہدایت دو گے اندھوں کو اگرچہ ہوں وہ نہ دیکھتے

تکتا ہے کیا تم اندھوں کو راہ دکھادو گے اگرچہ وہ نہ سوجھیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن مجید پر بعض لوگ ایمان لائیں گے بعض نہ لائیں گے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ایمان نہ لانے والے کون لوگ ہیں وہ وہ ہیں جو آپ کو اے محبوب بصیرت سے نہیں صرف بصارت سے دیکھتے

ہیں۔ آپ کی باتیں صرف سر کے کان سے سنتے ہیں دل کے کان سے نہیں سنتے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ میں تم سے بری ہوں۔ اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ اے محبوب انہوں نے تم کو اپنے دل میں نہیں رکھا۔ گویا پہلے عتاب تھا اب اس کی وجہ کا بیان ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ان بدنصیبوں کا ذکر ہوا جو حضور انور کو جھٹلاتے ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ بے بصیرت بھی ہیں اور بے عقل بھی۔ آپ کو تو جانور پتھر۔ کنکر۔ لکڑیاں بلکہ چاند سورج تارے جانتے مانتے اطاعت کرتے ہیں یہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں انسانوں کی دو قسمیں کی گئیں مومن اور کافر اب کافروں کی دو قسمیں کی جا رہی ہیں ایک انتہا درجہ کے بغض و عداوت والے دوسرے ان سے ہلکے گویا اس آیت میں قسم کی قسم بیان ہو رہی ہے۔ بغض و عداوت والے کی علامت یہ ہے کہ حضور کی سن کر بھی نہ سنے اور حضور کو دیکھ کر بھی نہ دیکھیں (تفسیر کبیر)

تفسیر وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ اِلَيْكَ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے مِنْهُمْ میں مِنْ بعضیت کا ہے هُمْ کا مرجع یا مُفْسِدِيْن ہیں یا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهٖ یہ مِنْهُمْ کی خبر مقدم ہے اور مَنْ يَسْتَمِعُوْنَ مبتدا موخر مَنْ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع۔ اس لیے يَسْتَمِعُوْنَ جمع ارشاد ہوا۔ استماع کے معنیٰ ہیں کان لگا کر سننا سمع کے معنیٰ ہیں سننا يَسْتَمِعُوْنَ کا مفعول پوشیدہ ہے یا القرآن۔ یا تلاوتك یا وعظك یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار میں سے جو ایمان لانے والے نہیں یا ان مفسدین میں سے بعض وہ بھی ہیں جو آپ کا وعظ آپ کی تلاوت آپ کا قرآن بظاہر بہت ہی کان لگا کر سنتے ہیں۔ دیکھنے والا سمجھے کہ بڑے غور سے بڑی محبت سے سن رہے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل کے کان بہرے ہیں اس لیے ان کے دلوں میں آپ کی آواز پہنچتی ہی نہیں۔ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ۔ اس فرمان عالی میں سوال انکاری ہے تُسْمِعُ بنا ہے اِسْمَاعٌ سے بمعنی سنانا مراد ہے قبولیت کا سنانا الصُّمُّ سے مراد ہے دل کے بہرے جن کے دل میں آپ کی حسد یا دنیا کی محبت کی وجہ سے ایسا بوجھ ہو گیا جس سے آپ کی بات ان کے دل میں نہیں اترتی کیا آپ ایسے بہروں کو سنا سکتے ہیں۔ خصوصاً وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ۔ وہ بے عقل بھی ہوں۔ کیونکہ عقل والا بہرا کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا لیتا ہے بتانے والے کے اشارہ وغیرہ سے سمجھ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دیوانہ بھی ہو اور بہرا بھی پھر اسے کسی کی ہدایت کیا کام دے۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلَيْكَ یہ فرمان عالی معطوف ہے وَمِنْهُمْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ پر لہٰذا واوٴ عاطفہ ہے۔ منہم کا مرجع وہ ہی مفسدین یا کفار ہیں۔ مَنْ سے مراد اگرچہ پوری جماعت ہے مگر یہ لفظاً مفرد ہے اس لحاظ سے يَنْظُرُ مفرد ارشاد ہوا۔ بہرحال يستمعون کو جمع لایا گیا۔ مَنْ کے معنیٰ کے لحاظ سے اور يَنْظُرُ کو واحد لایا گیا مَنْ کے لفظ کے اعتبار سے۔ نظر سے مراد ہے آنکھ سے بغور دیکھنا یعنی بعض فسادی کفار وہ ہیں

جو آپ کو آپ کے معجزات کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آپ کی الفت آپ کے معجزات کی عظمت نہیں آتی۔ اس صورت میں غور فرماؤ کہ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ۔ اس فرمان عالی میں بھی سوال انکاری ہے۔ ہدایت سے مراد رہنمائی نہیں۔ کیونکہ حضور انور رہنمائی تو سب کی کرتے ہیں بلکہ اس رہنمائی کو قبول کرانا مراد ہے۔ اَلْعُمْیَ میں اندھے سے مراد دل کے اندھے ہیں۔ یعنی بصیرت سے محروم یعنی اے محبوب کیا آپ دل کے اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں یعنی ان سے قبول کروا سکتے ہیں منوا سکتے ہیں کہ وہ آپ کی بات مان لیں جس کے دل میں نہ آپ سے الفت ہو نہ آپ کے معجزات کی عظمت۔ عمیٰ سے مراد دل سے اندھے ہیں۔ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ اس فرمان عالی میں يُبْصِرُوْنَ بنا ہے بصیرت سے بصیرت دل کی روشنی کو کہتے ہیں جیسے بصارت آنکھ کی روشنی کو کہا جاتا ہے یعنی اگرچہ وہ دل کی بصیرت سے محروم ہوں۔

خلاصۂ تفسیر وہ بدنصیب جن کے مقدر میں ہے کہ ایمان نہ لائیں مرتے دم تک کافر رہیں وہ آپ کا کلام بڑے غور سے سنتے ہیں آپ کی طرف کان لگاتے ہیں مگر دل کے بہرے ہیں تو کیا اے محبوب آپ بہروں کو اپنا فرمان سنا سکتے ہیں۔ جو بہرے ہونے کے ساتھ بے عقل دیوانہ بھی ہوں جس کی وجہ سے اُن تک آواز پہنچنے کی کوئی راہ نہ ہو۔ انہیں میں سے بعض وہ بدنصیب ہیں۔ جو نہایت غور سے آپ کو تکتے ہیں مگر دل کے اندھے ہیں۔ جس کی وجہ سے اُن کے دلوں میں آپ کی عظمت و الفت قائم نہیں ہوئی تو کیا اے حبیب ایسے طریقے کی بھٹکی بھولی ہوئی جماعت کو آپ ہدایت کر سکتے ہیں جو اندھے ہونے کے باوجود بصیرت سے بھی محروم ہوں۔ اس کا آپ کی خدمت میں آنا آپ کی مجلس شریف میں بیٹھنا آپ کی باتیں وصیان سے سننا اُن کے لئے محض بیکار ہے۔ کسریٰ شاہِ فارس کا وزیر جس کا نام یونان تھا کہا کرتا تھا کہ پانچ چیزیں ضائع اور برباد ہیں۔ کھاری زمین میں بارش۔ دھوپ میں چراغ۔ اندھے کے سامنے حسن۔ بیمار کے سامنے اچھا کھانا اور ناقدرے کے پاس عالم و فاضل آدمی۔ (تفسیر روح البیان)

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ قرآن مجید میں بہت جگہ اندھے بہروں سے مراد دل کے اندھے بہرے ہوتے ہیں ہم اس کی تحقیق پارہ الٓم صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ دیکھو ان آیات میں سننے والوں کو بہرا فرمایا اور دیکھنے والوں کو اندھا يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ کے ساتھ تُسْمِعُ الصُّمَّ اور يَنْظُرُ اِلَيْكَ کے ساتھ تَهْدِی الْعُمْیَ ارشاد فرماتا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ اس آیت سے سماعِ موتیٰ کا انکار کرنا حماقت ہے۔ دوسرا فائدہ۔ حضور انور کو دل کی

آنکھوں سے دیکھنا دل کے کانوں سے آپ کی بات سننا مفید ہے ۔ اس سے مومن صحابی بنتا ہے ۔ صرف دماغ کی آنکھوں سے دیکھنا سر کے کانوں سے سننا مفید نہیں ۔ جو حضور کو صرف محمد ابن عبداللہ ہونے کے لحاظ سے دیکھے وہ محروم ازلی ہے اور جو محمد رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے دیکھے وہ جنتی ہے صحابی ہے ۔ تیسرا فائدہ عقل وہ ہی مفید ہے جو اللہ رسول کی طرف رہبری کرے جو عقل دنیا کے سارے کام بنائے ۔ مگر ایمان نہ بنائے وہ جنون ہے ۔ شعر ۔

وہ ہے آنکھ اُن کا جو منہ تکے وہ ہیں لب جو محو ہوں نعت میں
وہ ہے سر جو ان کے لیئے جھکے وہ ہے دل جو اُن پہ نثار ہو!

یہ فائدہ لَا یَعْقِلُوْنَ اور لَا یُبْصِرُوْنَ سے حاصل ہوا ۔ کہ کفار مکہ بڑے عقل و فراست والے تھے ۔ مگر رب تعالیٰ نے انہیں بے عقل اور بے فراست فرمایا کہ وہ عقل سے دینی کام نہ لیتے تھے ۔ چوتھا فائدہ سننے اور دیکھنے کی طاقت دونوں ہی رب کا عطیہ ہیں ۔ مگر قوتِ سامعہ افضل ہے قوتِ باصرہ سے یہ فائدہ ذکری ترتیب سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سمع کا ذکر پہلے فرمایا اور بصر کا بعد میں مسئلہ اکثر مفسرین کے نزدیک سننے کی طاقت دیکھنے کی طاقت سے افضل ہے چند وجہ سے ۱؎ قرآن مجید میں سننے کا ذکر بصر سے پہلے ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے ۲؎ بعض نبی کبھی عارضی نابینا ہو گئے تھے جیسے یعقوب علیہ السلام اور بوجہ بڑھاپا بعض کی نظر کم ہو گئی تھی جیسے اسحاق علیہ السلام مگر کوئی نبی کبھی بہرے نہ ہوئے کہ اس مرض سے پہلے تبلیغ نہیں ہو سکتی ۳؎ کان ہر طرف کی آواز سن لیتے ہیں اگرچہ آواز پس پردہ سے ہو ۔ مگر آنکھیں صرف سامنے کو دیکھتی ہیں وہ بھی بے حجاب چیز کو ۴؎ علم دینا اور لینا کان ہی کے ذریعہ ممکن ہے ۔ بہرا آدمی نہ کسی کو سکھا سکے نہ کسی سے سیکھ سکے ۔ نابینا آدمی سیکھ بھی سکتا ہے سکھا بھی سکتا ہے ۔ ۵؎ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سمع کا عقل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ وہاں قلب سے مراد عقل ہے اور فرمایا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ یعنی اگر ہمارے پاس عقل یا سننے کی قوت ہوتی تو ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے ۔ ۶؎ انسان قوتِ گویائی کی وجہ سے جانوروں سے افضل ہے ۔ اس لیئے اسے حیوانِ ناطق کہتے ہیں اور گویائی کا فائدہ سننے کی قوت سے حاصل ہوتا ہے ۔ آنکھ صرف شکل اور رنگ دیکھتی ہے یہ کام جانور بھی کر لیتے ہیں ۔ ۷؎ حضور کا کلام تا قیامت سنا جائے گا ۔ اور لوگ اس سے ہدایت پائیں گے مگر آپ کا دیدار ایک خاص وقت میں ہوا یعنی سمع کا فیضان دائمی ہے اور آنکھ کا فیضان وقتی مسئلہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بصر افضل ہے سمع سے چند وجہ سے ۱؎ بیان سے عیان افضل ہے اور ظاہر کر بیان سنا یا جاتا ہے ۔ عیان دیکھا جاتا ہے ۔ ۲؎ بصر کا تعلق نور سے ہے اور سمع کا تعلق ہوا

سے ۔ ظاہر ہے کہ نور ہوا سے افضل ہے ۔ یعنی نور دکھاتا ہے اور ہوا سناتی ہے ۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے بمقابلہ کان کے آنکھ میں اپنی قدرت کے کرشمے زیادہ رکھے ہیں ۔ چنانچہ آنکھ میں سات پردے اور تین رطوبتیں ہیں کان میں یہ عجائب قدرت نہیں ۔ (۴) آنکھ ساتوں آسمانوں تک کی چیزیں دیکھ لیتی ہے مگر کان تھوڑے فاصلہ سے نہیں سن سکتے (۵) بہت رسولوں نے رب تعالیٰ کا کلام سنا مگر اسے دیکھا کسی نے نہیں حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کو بے تکلف اپنا کلام سنا دیا مگر دیدار کے متعلق فرمایا لَنْ تَرَانِیْ معلوم ہوا کہ آنکھ کا کام کان کے کام سے اعلیٰ ہے (۶) آنکھ چہرے کا سب سے بڑا حسن ہے کان میں یہ خوبی نہیں اس لیئے آنکھوں کو حدیث شریف میں کریمتین فرمایا دو نہایت ہی پیاری چیزیں ۔ مَنْ اَذْهَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں بہرے کے ساتھ بے عقل کا ذکر کیوں فرمایا ۔ **جواب** اس لیئے کہ اگر بہرا عاقل ہو تو اپنی عقل کے ذریعہ لوگوں کے اشارات سے فائدہ اٹھا لیتا ہے ۔ لیکن اگر بے عقل بھی ہو تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا ۔ اکثر ہلاک ہو جاتا ہے ۔ ناسمجھ بہرے اکثر گاڑیوں کے تلے دب کر مرتے دیکھے گئے

دوسرا اعتراض اندھے کے ساتھ لَا يُبْصِرُوْنَ کیوں ارشاد ہوا ۔ اندھا تو ہوتا ہی وہ ہے جو نہ دیکھتا ہو ۔ **جواب** لَا يُبْصِرُوْنَ بصر سے نہیں بلکہ بصیرت سے ہے یعنی دل کے اندھے ۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں آنکھ کی پھوٹ جانا ۔ سمجھ دار اندھا سن سنا کر کام چلا لیتا ہے مگر جو اندھا بھی ہو اور پاگل بھی کیا کام چلائے گا ۔

تیسرا اعتراض ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہروں کو ہدایت دے سکتے ہیں نہ اندھوں کو حالانکہ بہت بہرے اندھے صحابی بنے اور آج بھی مومن بلکہ اولیاء کاملین ہیں ۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا ۔ کہ یہاں بہرے اندھے سے مراد دل کے بہرے اندھے ہیں ۔ یعنی شقی ازلی ۔ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آ چکا ظاہر ہے کہ ایسوں کو ہدایت نہیں مل سکتی اس لیئے نہیں کہ حضور انور کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے بلکہ اس لیئے کہ ان کی تقدیر ہی ایسی ہے ۔ **چوتھا اعتراض** یہاں بہرے کے لیئے لَا يَعْقِلُوْنَ اور اندھے کے لیئے لَا يُبْصِرُوْنَ کیوں فرمایا ۔ عقل اور بصر میں کیا فرق ہے **جواب** بعض مفسرین نے فرمایا کہ کوئی فرق نہیں نام دو ہیں چیز ایک ہے ۔ عقل اور بصیرت بعض نے فرمایا کہ عقل کا تعلق دماغ سے ہے بصیرت کا تعلق دل سے ہے بصارت اور بصیرت اور عقل میں گہرا تعلق ہے ۔ کسی کی صورت دیکھتے ہی اس کا دوست یا دشمن ہونا اپنا عزیز یا اجنبی ہونا فوراً دل سے معلوم ہو جاتا ہے ۔ انسان بصر ہی کے ذریعہ ماں ، بہن بیوی بیٹی میں فرق کرتا ہے ۔ اس لیئے بصارت کے ساتھ بصیرت کا ذکر ہی موزوں ہے ۔

تفسیر صوفیانہ نبی کا زبان سننا خصوصاً براہ راست یوں ہی نبی کا چہرہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے ۔ جس کے مقابل کوئی نعمت نہیں کہ اس سے انسان مومن اور صحابی بنتا ہے ۔ لیکن یہ تب ہے جبکہ

دلی محبت اور جذبۂ شوق کے ساتھ ہو۔ اگر یہ دونوں کام دلی نفرت پیغمبر سے عداوت کے ساتھ ہوں تو رب تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔ ابوجہل اور حضرت ابوبکر صدیق میں فرق ظاہر ہے خیال رہے کہ ہر شخص کو دیکھنے کی نظر الگ ہے۔ ماں کو اور نظر سے دیکھتے ہیں بیٹی بیوی کو دوسری نظر سے یوں ہی نبی کو دیکھنے کی دوسری نظر ہے ان کفار کے پاس وہ نظر نہ تھی۔ اس لئے انہیں بہرا بے عقل اور اندھا بے بصیرت کہا گیا نظر بظاہر ایک ہے مگر نتیجے مختلف۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

بالِ بازاں را سوئے سلطاں بُرد بالِ زاغاں را بہ گورستاں بُرد

یعنی باز کے پر اسے بادشاہ کے پاس پہنچاتے ہیں اور کوے کے پر اسے قبرستان پہنچاتے ہیں۔ پر بظاہر یکساں ہیں مگر تاثیر میں مختلف۔ صدیقی نگاہ والے کو جنت میں پہنچائے گی۔ ابوجہلی نظر اسے دوزخ میں داخل کرے گی۔

حکایت مثنوی شریف میں ہے کہ پچھلے زمانہ میں ایک عاشق جانباز اپنے محبوب کے فراق میں جلا بھنا بمشکل تمام محبوب نے وعدہ کیا کہ میں کل نصف رات کے بعد تجھ سے ملوں گا اور بقیہ رات عیش سے میں اور تو گذاریں گے۔ عاشق جانباز اس رات آدھی رات تک تو جاگتا رہا مگر پھر سو گیا۔ فرماتے ہیں ؎

بعد نصفِ لیل آمد یارِ او صادق الوعد است آں دلدارِ او
عاشقِ خود افتادہ خفتہ دید! اندکے از آستینِ او را درید
گردگانے چند اندر جیب کرد کہ تو طفلی گیر۔ این و باز نرد

یعنی محبوب آیا عاشق کو سوتا پایا۔ اس کی کے جیب میں کچھ اخروٹ ڈال گیا۔ کہہ گیا کہ عاشقی بہادروں کا کام ہے۔ تو ابھی اخروٹوں سے کھیل۔ فرماتے ہیں۔

خواب را بگذار امشب اے پدر یک شبے ہر کوئے بے خواباں گذر
بنگر اینہا را کہ مجنوں گشتہ اند ہمچو پروانہ بوصلت کشتہ اند

یعنی اے اللہ کے بندے نیند چھوڑ اور کسی بے خواب یعنی جاگنے والوں کے محلہ میں جا جو اس کی راہ میں مجنون ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے پاس رب ملے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ

تحقیق اللہ نہیں ستم کرتا لوگوں پر کچھ بھی اور لوگ جانوں پر اپنی ظلم کرتے

بیشک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم

يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوٓا۟ إِلَّا

ہیں　　اور جس دن جمع فرمائے گا ان کو گویا کہ نہ ٹھہرے مگر ایک

کرتے ہیں　　اور جس دن انہیں اٹھائے گا گویا دنیا میں نہ رہے تھے مگر

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ

گھڑی دن کی ایک دوسرے کو پہچانیں گے آپس میں بے شک نقصان میں

اس دن کی ایک گھڑی آپس میں پہچان کریں گے کہ پورے گھاٹے میں

الَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِلِقَآءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا۟ مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾

وہ لوگ کہ جھٹلایا انہوں نے اللہ کے ملنے کو اور نہ تھے وہ ہدایت یافتہ

رہے وہ جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور ہدایت پر نہ تھے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں بعض کو ایمان کی توفیق ملے گی۔ بعض کو نہیں وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ اب ارشاد ہے کہ یہ توفیق نہ ملنا رب کا ان پر ظلم نہیں بلکہ ان کے اپنے کسب کو اس میں بڑا دخل ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار اندھے۔ بہرے اور بے عقل ہیں۔ یہ آپ سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے۔ اب ارشاد ہوا کہ ان کے ان عیوب کا سبب نعالی کا ان پر ظلم نہیں ان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں کفار کی دنیاوی خرابیوں کا ذکر ہوا اب ان کی اخروی مصیبتوں کا تذکرہ ہے کیونکہ ان کے دنیاوی حالات اخروی مصائب کا ذریعہ ہیں۔

تفسیر إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی سلبی صفت کا ذکر ہے یعنی اس کا ظلم سے پاک ہونا اس کے لیئے ظلم ناممکن ہونا۔ ظلم کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی بغیر اجازت تصرف اور عمل درآمد کرنا۔ ظلم کا ظاہر ہے کسی سے کام کرا کر مزدوری نہ دینا بغیر قصور سزا دینا۔ جو کسی سے وعدہ کیا تھا وہ پورا نہ کرنا پہلے معنی سے تو رب تعالیٰ کے لیئے کوئی چیز ظلم نہیں کہ ہر چیز اس کی اپنی ملکیت ہے جسے چاہے نہ رکھے۔ ہم درخت کا کوئی حصہ جلاتے ہیں کوئی حصہ فرنیچر بناتے ہیں ایک ہی مٹی کا کوئی برتن آگ پر تپنے کے لیئے بناتے ہیں جیسے ہانڈی کوئی برتن پانی کے لیئے جیسے گھڑا یہ ظلم نہیں کہ مٹی ہماری ہے جیسے چاہے بنائیں ظاہر یہ ہے کہ ظلم کے یہ معنی یہاں مراد نہیں ورنہ یوں ہوتا کہ ہم اپنی مخلوق سے جو معاملہ کریں وہ ظلم نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں یعنی ہم کسی کا وعدہ کیا ہوا حق نہیں مارتے نہ کم کرتے ہیں۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں ظلم یا تو بمعنی

نقص ہے یا اس میں نقص کے معنی شامل ہیں۔ اس لیے اس کے دو مفعول آئے ایک اَلنَّاسَ دوسرا شَیْئًا۔ نقص کبھی لازم ہوتا ہے کبھی ایک مفعول کا متعدی کبھی دو کا۔ کبھی تین کا۔ (روح المعانی) یہاں اَلنَّاسَ کا ذکر حصر کے لیئے نہیں اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ انسان ہو یا جن یا فرشتہ۔ جمادات ہوں نباتات یا حیوانات ظاہر یہ ہے کہ الناس سے مراد کفار ہیں کہ پہلے سے انہیں کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے انسان مراد ہوں مومن و کافر کہ رب تعالیٰ مومن سے کیا ہوا وعدہ کم نہ کرے گا۔ کفار کو بغیر جرم عذاب نہ دے گا۔ وَلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ اس فرمانِ عالی میں ایک شبہ دور فرمایا جا رہا ہے اس لیے اسے لٰكِنَّ سے شروع فرمایا گیا۔ اَلنَّاسُ سے مراد یا تو کفار ہیں۔ کہ انہیں کا ذکر ہو رہا ہے یا گنہگار مسلمان بھی۔ یہاں بھی الناس کا ذکر حصر کے لیئے نہیں اس حکم میں جنات بھی شامل ہیں۔ اَنْفُسُ جمع ہے نفس کی بمعنی ذات یا جان۔ اسے يَظْلِمُوْنَ پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی لوگ صرف اپنی جانوں پر اپنی ذاتوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ کفر اور بدعملی کا وبال تو انہیں پر ہے۔ خرابی معاملات۔ کسی کا حق مار لینا اس کا وبال بھی ان پر ہی پڑے گا۔ مظلوم پر ظلم عارضی ہے ظالم پر اس کی سزا دائمی۔ شعر۔

پنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد بر گردنِ او بماند بر ما بگذشت

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اور لفظ يَوْمَ یا اُذْكُرْ پوشیدہ کا ظرف ہے یا اَنْذِرْ پوشیدہ کا یعنی آپ انہیں وہ دن یاد دلائیں یا اس دن سے ڈرائیں۔ ہماری قرأۃ میں يَحْشُرُ سے ہے اور ایک قراۃ میں نَحْشُرُهُمْ سے ہے هُمْ کا مرجع کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ چونکہ وہ دنیا میں قیامت کے انکاری تھے اس لیئے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ خیال رہے کہ قیامت میں پہلے سارے کفار ایک جگہ جمع کئے جائیں گے پھر ان میں چھانٹ ہوگی۔ ہر قسم کے کافر الگ۔ یہاں اول وقت کا ذکر ہے اس لیئے قیامت کو یوم حشر یا محشر کہتے ہیں دوسرے وقت کے لحاظ سے اسے يَوْمَ الْفَصْلِ کہا جاتا ہے۔ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یہ فرمانِ عالی كَاَنْ پوشیدہ کے متعلق ہے اور يحشرهم کی ضمیر هم سے حال۔ لُبْثٌ کے معنی ہیں رہنا یا ٹھہرنا۔ اور لَيْثٌ عین سے اس کے معنی ہیں چھپنا۔ اس لیئے کپڑے کو لباس کہتے ہیں کہ وہ جسم کو چھپاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ٹھہرنے سے مراد دنیا میں ٹھہرنا ہے اور ہو سکتا ہے کہ قبر میں ٹھہرنا مراد ہو ساعۃً بمعنی گھڑی یعنی چھوٹا سا حصہ پہر یا دوپہر چونکہ دن کی گھڑیاں خوب جانی پہچانی ہوتی ہیں اور رات کی گھڑیاں مخفی جن کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں دن کی قید لگائی گئی۔ مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ یہ فرمان عالی يَحْشُرُهُمْ کی ضمیر سے دوسرا حال ہے تَعَارُفٌ مَعْرِفَتٌ سے بنا بمعنی پہچاننا یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کافر کو ایسے پہچانیں گے جیسے دنیا میں پہچانتے تھے۔ یہ جان پہچان قیامت کے اول وقت ہوگی۔ پھر حساب کتاب شروع ہونے پر کوئی کافر کسی کو نہ پہچان سکے گا۔

سخت وحشت اور گھبراہٹ کی وجہ سے۔ دوزخ میں پہنچ کر پھر پہچان ہو جاوے گی۔ اور ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ لہٰذا قرآن مجید کی مختلف آیات میں کوئی تعارض نہیں ہر آیت میں الگ الگ وقتوں کا ذکر ہے۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے خسارہ کے معنی بار ہا عرض کیئے جا چکے ہیں یعنی وہ نقصان جس سے اصل پونجی ختم ہو جائے۔ جھٹلانے والوں میں وہ کفار بھی داخل ہیں جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور وہ کفار بھی جو قیامت کے قائل تو ہیں مگر اس کی تیاری نہیں کرتے۔ جیسے عیسائی یہودی جو قیامت کو مانتے ہوئے حضور کو جانتے ہوئے مسلمان نہیں ہوتے اب قیامت کا ماننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے آپ کی اطاعت کرنے پر موقوف ہے لہٰذا آیۃ واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وَمَا کَانُوْا مُهْتَدِیْنَ یہ فرمان عالی یا تو قَدْ خَسِرَ الخ پر معطوف ہے یا کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ پر اور اَلَّذِیْنَ کا صلہ یعنی وہ ہدایت یافتہ نہیں بنے یا نہیں ہیں۔ ہدایت سے مراد ہے نجات یا نجات کے راہ کی ہدایت جس سے کامیابی ہو۔ کیونکہ انہوں نے ایمان کو کفر کے عوض اور تصدیق کو تکذیب کے عوض محبت کو عداوت کے عوض بیچ ڈالا اور وقت گذار دیا۔

خلاصہ تفسیر تم نے مومن و کافر سعید و شقی کا فرق سن لیا اس کے متعلق یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا۔ اس لیئے اس نے حضرات انبیاء کرام پھر ان کے نائبین علماء دنیا میں مقرر فرمائے۔ حق و باطل ظاہر فرما دیا لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں کہ اپنے اختیار سے اچھا راہ چھوڑ کر برا راستہ قبول کرتے ہیں انہیں وہ دن بھی یاد دلاؤ۔ اس دن سے ڈراؤ جس دن ہم سارے کفار کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے اور وہ دنیا کی بڑی زندگی کو یوں محسوس کریں گے کہ دن کی ایک گھڑی وہاں رہے پھر چلے آئے۔ کیونکہ وہ کما کر نہ گئے بلکہ گما کر گئے اور اب آخرت کی سختی دیکھی آرام کی مدت اگرچہ دراز ہو مصیبت میں تھوڑی معلوم ہوتی ہے پھر لطف یہ ہے کہ وہ اس وقت ایک دوسرے کو خوب جانتے پہچانتے ہوں گے۔ سب سے بڑے نقصان والے وہ ہیں جو یا تو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے منکر ہیں یا مان کر اس کی تیاری نہیں کرتے پھر وقت نکل جانے پر کف افسوس ملیں گے۔ شعر

چہ خوش گفت با کودک آموزگار که کارے نکردیم و شد روزگار!

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اللہ بغیر جرم و قصور کسی کو سزا نہیں دے گا کہ یہ صورۃً ظلم ہے یہ فائدہ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ زمانہ فترت کے موحدین دوزخی نہیں کیونکہ ان تک شرعی احکام پہنچے نہیں۔ جن پر وہ عمل کرتے اور بے خبر کو سزا دینا صورۃً ظلم ہے یہ فائدہ بھی اس آیۃ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ الخ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضور انور کے والدین کریمین دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہیں۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ کی تفسیر میں کر چکے۔ تیسرا فائدہ یہ نا ممکن ہے

کہ جس کی نیکیاں رب تعالیٰ قبول فرمائے پھر اسے جزا و ثواب نہ دے کہ یہ بھی ظلم ہے اور وعدۂ الٰہی کے خلاف ہے۔ چوتھا فائدہ رب تعالیٰ کے وعدوں کے خلاف ہونا غیر ممکن ہے وہ سچا اور اس کے وعدے سچے ۔ یہ فائدہ بھی لَا یَظْلِمُ الخ سے حاصل ہوا ۔ لہٰذا حضراتِ خلفاءِ راشدین اور تمام وہ صحابہ جن سے جنت کا وعدہ ہو چکا ان کا دوزخ میں جانا ناممکن بالذات ہے ۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی تفسیر میں کر چکے ۔ پانچواں فائدہ کفر و شرک بڑا ظلم ہے کافر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے ۔ یہ فائدہ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ سے حاصل ہوا ۔ رب فرماتا ہے وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ یہ فائدہ بھی اسی سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے چھٹا فائدہ ۔ قیامت میں اوّلاً سارے کفار ایک ساتھ ہوں گے ۔ ان کی چھانٹ اور علیحدگی بعد میں ہوگی یہ فائدہ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ سے حاصل ہوا مومنین ان شاء اللہ ساتھ اٹھیں گے اور ساتھ رہیں گے ۔ ساتواں فائدہ کفار قیامت کے دن اپنے دنیا کے قیام کے اندازے میں غلطی کریں گے ۔ سمجھیں گے ۔ کہ وہاں ہم صرف گھڑی بھر رہے مگر اس اندازے میں غلطی نہ کریں گے ۔ کیونکہ مومنوں نے زندگی اسی مقصد میں گذار دی ۔ جس لئے وہ دنیا میں بھیجے گئے تھے ۔ انہیں یاد ہوگا کہ ہم نے کتنے حج کیے کتنی قربانیاں کیں کتنی عیدیں اور نمازیں ادا کیں ۔ یہ فائدہ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْٓا (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس کا فاعل کفار ہیں ۔ قرآن مجید میں جہاں بھی اس غلطی اندازے کا ذکر ہے وہاں کفار کا تذکرہ ہے مومنوں کے متعلق کسی غلطی کا ذکر نہیں ۔ آٹھواں فائدہ قیامت میں کفار ایک دوسرے کو پہچانیں گے ۔ یہ فائدہ یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ سے حاصل ہوا حساب اور عذاب دیکھ کر ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے ۔ یہاں اوّل وقت کا ذکر ہے ۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۔ اور فرماتا ہے وَلَا یَسْـَٔلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ۔ (روح البیان و روح المعانی و کبیر)

پہلا اعتراض جب ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہے تو وہ جس سے جو کرے وہ ظلم نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ سب کو آگ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں تو لَا یَظْلِمُ النَّاسَ کا کیا مطلب ہے ۔ جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ظلم کے دو معنیٰ ہیں ۔ کسی دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ۔ اس معنیٰ سے رب تعالیٰ کا کوئی تصرف ظلم نہیں کہ سب کچھ اس کا ہے ۔ دوسرے کسی کو بغیر جرم سزا دینا ۔ کام کرا کے اجرت نہ دینا ۔ وعدہ کر کے پورا نہ کرنا ۔ اس معنیٰ سے لَا یَظْلِمُ النَّاسَ ارشاد ہوا ۔ لہٰذا یہ آیت اور وہ حدیث دونوں ہی درست ہیں ۔ دوسرا اعتراض ۔ یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا تو کیا وہ جنات یا فرشتوں پر ظلم کرتا ہے ۔ اگر نہیں تو لوگوں کا ذکر خصوصیت سے کیوں فرمایا جواب وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ظلم عیب ہے رب عیوب سے پاک ہے چونکہ ساری مخلوق میں انسان مقصود ہے باقی چیزیں اس کے لئے بنی ہیں خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا اس لئے لوگوں کا ذکر فرمایا یہاں حصر کا لفظ کوئی نہیں یعنی آیت کے معنیٰ یہ نہیں کہ صرف لوگوں پر ظلم نہیں کرتا ۔ تیسرا اعتراض یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ قیامت میں کفار کو جمع فرمائے گا اور وہ ایک دوسرے

کو پہچانیں گے مگر دوسری آیات میں ہے کہ کفار ایک دوسرے سے الگ ہوں گے اور ان کے سارے رشتے اور جان پہچان ختم ہو جائے گی آیات میں تعارض ہے جواب قیامت پچاس ہزار سال کا دن ہے۔ اس کے موقعہ اور حالات مختلف ہیں۔ بعض اوقات جمع بھی ہوں گے اور ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور بعض اوقات الگ کر دیئے جائیں گے جان پہچان بھی ختم ہو جاوے گی۔ مختلف آیتوں میں مختلف اوقات کا ذکر ہے۔

چوتھا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار دنیا میں رہنے کی مدت کا اندازہ بہت غلط لگائیں گے کہ وہاں گھڑی بھر ٹھہرے اور مسلمان یہ غلطی نہیں کریں گے اس فرق کی وجہ کیا ہوگی۔ جواب چند وجہ ہوں گی ۱۔ کفار نے دنیا میں آرام کیا تھا مومنین نے کام۔ آرام کی گھڑیاں ہوا کی طرح گذر جاتی ہیں نہ کہ کام کی۔ ۲۔ کفار کے لیئے قیامت کا دن تکلیف کا ہوگا۔ دنیا ان کے عیش کی جگہ تھی۔ تکلیف کے وقت عیش کا گذشتہ زمانہ بہت کم محسوس ہوتا ہے مومنین کے لیئے قیامت کا دن آرام کا ہوگا۔ دنیا ان کے لیئے تکلیف کی جگہ تھی اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ۔ اور آرام کے زمانہ میں گذشتہ تکلیف کے زمانہ کے اندازہ میں غلطی نہیں ہوتی۔ ۳۔ مومنین دنیا میں مزدوری کرتے ہیں۔ قیامت میں اجرت پائیں گے۔ تو انہیں ان کا ایک عمل مع تاریخ و سنہ یاد ہوگا۔ کہ انہیں ہر ایک عمل بلکہ ہر ایک عمل کا بدلہ جو لینا ہے اس لیئے وہ غلطی کیسے کریں۔ کفار نے نہ دنیا میں مزدوری کی نہ قیامت میں اجرت لیں۔ لہٰذا وہ غلطی کریں گے۔ ۴۔ کفار اس دن اپنے ہوش و حواس کھو چکے ہوں گے۔ مومن کے ہوش و حواس نہ کھو چکے ہوں گے بلکہ مومن کے ہوش و حواس درست ہوں گے۔ کفار اسی مدہوشی کی حالت میں پاگلوں کی سی بڑ ہانکیں گے کہ ہم صرف گھڑی دو گھڑی دنیا میں رہے۔ مومن کی جو بات ہوگی وہ جانچی تلی ہوئی ہوگی۔

پانچواں اعتراض یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ دن کی ایک گھڑی گھڑیاں تو رات میں بھی ہوتی ہیں۔ جواب رات کی گھڑیوں کا اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ سوتے میں گذرتی ہیں دن کی گھڑیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ وہ بیداری میں ہوتی ہیں ان کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ ہم خوب سوچ سمجھ کر یہ اندازہ لگا رہے ہیں کہ دنیا کی عمر دن کی ایک دو گھڑی تھی۔

تفسیر صوفیانہ حشر تین طرح کا ہے۔ حشر عام۔ حشر خاص حشر اخص۔ قیامت میں دنیاوی جسموں کا قبروں سے نکلنا حشر عام ہے۔ اور اخروی روحوں کا دنیاوی جسموں سے نکلنا سیر و سلوک کے لیے یہ حشر خاص ہے۔ یہ حشر مومنوں کو دنیا میں ہوتا رہتا ہے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا یہ ہی مقصد ہے اور انانیۃ کی قبور سے ھُوِیَّتِ ربانیت کی طرف نکلنا یہ حشر اخص ہے یہاں حشر عام کا ذکر ہے۔ اس لیئے ارشاد ہوا یَوْمَ نَحْشُرُھُمْ جس دن ہم کافروں کا حشر کریں گے۔ (روح البیان) جب کفار اس عالم کی وسعت کو دیکھیں گے پھر گذشتہ دنیا کی تنگی وقت اور تنگی جگہ کا خیال کریں گے تو بے تاثل پکار اٹھیں گے کہ ہم دنیا میں اس جگہ کے مقابل ایک دو گھڑی ہی ٹھہرے۔ کیونکہ

وہ فانی تھی۔ یہ باقی اور فانی باقی کے مقابل ایک لحظہ بھی نہیں۔ مومنین دنیا میں رہتے ہوئے بھی نہ خود فانی تھے نہ فانی جگہ تھے۔ وہ باقی باللہ تھے۔ شعر۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

کفار کے آپس میں جان پہچان کو قیامت کا اجتماع ختم نہ کرے گا بلکہ حساب و عذاب ختم کرے گا۔ مومنوں کی آپس کی جان پہچان کو کوئی چیز نہ مٹائے گی لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ مگر کفار کا حشر کفار کے ساتھ ہوگا۔ اور مومنین صادقین کا حشر ان شاء اللہ ابرار و اخیار کے ساتھ اس لئے ارشاد ہوا کہ کفار خسارہ میں رہے کہ انہیں بجائے ابرار کے اشرار کا ساتھ ملا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کفار کے لئے عدل کے دروازے کھولے گا۔ اور مومنین کے لیے فضل کے۔ کون ہے جو اس کے عدل کی تاب لا سکے۔ وہ ظلم کسی پر نہ کرے گا۔ کفار اپنے پر ظلم کر کے اس کے عدل کے مستحق ہوئے۔ رب تعالیٰ فضل کرے عدل نہ کرے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ مولیٰ تو مجھے جو بھی سزا دے میں اس سے زیادہ کے لائق ہوں۔ اور تو مجھ پر جو بھی کرم کرے تو اس سے زیادہ کا مالک

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا
اور اگر دکھائیں ہم آپ کو بعض وہ عذاب کہ وعدہ کرتے ہیں ہم ان سے یا وفات دیں ہم
اور اگر ہم تمہیں دکھا دیں کچھ اس میں سے جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں یا تمہیں پہلے ہی
مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ
آپ کو پس ہماری طرف ہے لوٹنا ان کا پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو کرتے ہیں وہ۔ اور واسطے
اپنے پاس بلا لیں بہرحال انہیں ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے پھر اللہ گواہ ہے ان کاموں پر اور ہر
اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ
ہر امت کے رسول ہے پس جب آتا ہے پیغمبر ان کا فیصلہ کر دیا جاتا تھا ان کے درمیان
امت میں ایک رسول ہوا جب ان کا رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کر دیا
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾
ساتھ انصاف کے اور وہ نہیں ظلم کیئے جاتے
جاتا اور ان پر ظلم نہ ہوتا

تعلق اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق گذشتہ آیات میں کفار کے اخروی عذاب کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ ان پر دنیا میں بھی عذاب آئیں گے جنہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے گویا ان کے دائمی بڑے عذاب کے بعد ان کے عارضی چھوٹے عذابوں کا تذکرہ ہے دوسرا تعلق گذشتہ پچھلی آیات میں اس معاملہ کا ذکر ہوا جو کفار حضور انور کے ساتھ کرتے تھے مِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ اِلَيْكَ (الخ) اب ارشاد ہے کہ گذشتہ نبیوں کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہ ہی کچھ کیا تھا ۔ یہ کفار کی پرانی رسم ہے محبوب آپ غمگین نہ ہوں ۔ تیسرا تعلق پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ کفار قیامت میں ہی دنیاوی عمر کو ایک گھڑی محسوس کریں گے ۔ اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ انہوں نے زندگیاں لغویات میں گذاریں اس لیے وہ عمر انہیں حقیر محسوس ہوگی ۔ گویا ایک واقعہ کے بعد اس کی وجہ کا ذکر ہے ۔

تفسیر وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ چونکہ یہ جملہ نیا ہے اِس لیئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے ۔ اِمَّا اصل میں اِنْ مَا تھا اِنْ شرطیہ ما تاکید کے لیئے زائدہ اس لیئے نُرِيَنَّ میں نون تاکیدی لایا گیا ۔ خیال رہے کہ یہاں اِن شرطیہ شک کے لیئے نہیں بلکہ شوق دلانے یا انتظار کرانے کے لیئے ہے کہ رب تعالیٰ شک سے پاک ہے دکھانے سے حضور کی ظاہری حیات شریف میں ظاہری آنکھوں سے دکھانا مراد ہے ۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم برزخ میں اس جہان کے واقعات قوموں کے عذاب کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ہم اس کی تحقیق دوسرے پارہ میں وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں ۔ کاف میں خطاب حضور انور سے ہے اَلَّذِىْ سے مراد کفار پر دنیاوی عذابات ہیں جیسے تھوڑے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے بہت کا شکست فاش پانا مسلمانوں کا رعایا باج گزار بن کر رہنا ۔ عرب سے نکالا جانا پھر دیس بدیس مارا مارا پھرنا وغیرہ کیونکہ غیبی عام عذاب تو حضور کی آمد سے بند ہو چکے ۔ بعض اس لیئے فرمایا کہ ان دنیاوی عذابوں میں سے بعض عذاب تو حضور انور کی حیات شریف میں آئے ۔ جیسے مشرکین کا بدر ۔ حنین وغیرہ میں شکست فاش پانا بنی قریظہ کا قتل بنی نضیر کا مدینہ منورہ سے نکالا جانا وغیرہ اور بہت زیادہ عذاب صحابہ کرام کے زمانے میں خصوصاً خلافت فاروقی میں ظاہر ہوئے یہود کا خیبر سے نکالا جانا غزوۂ قادسیہ ۔ یرموک وغیرہ میں لاکھوں کا ہزاروں مسلمانوں سے شکست کھانا وغیرہ ۔ نَعِدُهُمْ میں وعدہ بمعنی وعید ہے یہ پورا جملہ شرطیہ ہے جس کی جزا پوشیدہ ہے ۔ نَحْنُ قَادِرُوْنَ بَاَيْنِهَا وغیرہ (روح البیان معانی وغیرہ) اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ یہ عبارت معطوف ہے پہلے جملہ پر ۔ اس میں شرط ہے ۔ نَتَوَفَّيَنَّكَ اس کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے اور فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ اس پوشیدہ عبارت کی وجہ ہے ف تعلیلیہ ہے یعنی اگر ہم آپ کو وفات دے دیں اور وہاں کفار کے اخروی عذاب آپ کو دکھائیں تو بھی ہم قادر ہیں کیونکہ آخر کار ان سب کو ہماری طرف ہی لوٹنا ہے اور اپنی سزا بھگتنا ہے (روح البیان معانی ۔ خازن ۔ صاوی ۔ مدارک ۔ وغیرہ)

اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ (روح البیان) یہ ترکیب آسان بھی ہے اور ظاہر بھی بہرحال اس جملہ میں دکھانے کی نفی نہیں۔ اس کی دوسری نوعیت کا ذکر ہے۔ چنانچہ زمانہ صحابہ میں جو جہاد ہوئے مسلمان فاتح اور کفار مغلوب ہوئے وہ سب حضور انور کی نظر میں تھے مگر اس نظر کی نوعیت کچھ اور تھی یہ تو نبی کے دکھانے کا ذکر ہوا پھر یہ بھی خیال رہے کہ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ اس فرمانِ عالی میں ثُمَّ یا تو ترتیب ذکری کے لیئے ہے یعنی پھر یہ بھی یاد رکھو یا بمعنی واؤ ہے اہلِ عرب کہتے ہیں زَيْدٌ قَائِمٌ ثُمَّ هُوَ كَرِيْمٌ۔ وہاں ثم بمعنی واؤ ہے (روح البیان) شہادت سے اس کا انجام یعنی فیصلہ مراد ہے کہ گواہی فیصلہ کے لیئے ہی تو ہوتی ہے۔ يَفْعَلُوْنَ سے کفار کے سارے دلی اور جسمانی برے عقیدے و اعمال مراد ہیں۔ یعنی پھر جانو کہ ہم ان کو ان کی بدعقیدگیوں بدعملیوں کی سزا دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ہم ان کا دنیوی عذاب تو آپ کو دکھا دیں گے اور اُخروی عذاب بعد قیامت دیں گے بہرحال آیت واضح ہے اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں ۱؎ قیامت میں ہر گروہ کا رسول ہوگا۔ جس کے نام سے وہ گروہ اور امت کو پکارا جائے گا فرماتا ہے يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۲؎ قیامت میں ہر امت کا ایک رسول ہوگا۔ جس کے ساتھ وہ امت ہماری بارگاہ میں پیش ہوگی۔ اس کے نبی اپنے مومنین کے حق میں اور کفار کے خلاف گواہی دیں گے۔ رب فرماتا ہے۔ وَجِاْىۤءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ (تفسیر روح المعانی) ۳؎ اس سے پہلے دنیا میں ہر امت کے لیئے ایک رسول ہوتے۔ اس صورت میں امت سے مراد ہلاک شدہ امتیں ہیں۔ کیونکہ فترت والوں کے پاس کوئی رسول نہیں پہنچے (از روح البیان و روح المعانی) فرماتا ہے۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ یا فرماتا ہے۔ وَمَاۤ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ۔ مگر نفی نبی کے پہنچنے کی ہے نہ کہ تشریف آوری کی۔ نبی کی تشریف آوری ہر قوم کے لیئے ہوئی۔ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اس فرمان عالی کی بھی وہ ہی تین تفسیریں ہیں جو ابھی بیان ہوئیں یعنی قیامت ۱؎ میں جب اس کے رسول ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ اپنی امت کے مومنین کے حق میں اور کفار کے خلاف گواہی دیں گے تو مومنین و کفار کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاوے گا۔ کہ کفار کو دوزخ میں مومنین کو جنت میں بھیجا جاوے گا یا جب ۲؎ امتوں کے پاس رسول آئے تھے اور ان میں کے اکثر لوگ ان کی مخالفت کرتے تھے (تھوڑے سے موافقت) اور نبی بددعا فرماتے تھے تو ان کے درمیان سچا فیصلہ کر دیا جاتا تھا۔ کہ کفار کو عذاب مومنین کو نجات ہوتی تھی۔ تفسیر روح المعانی نے پہلی تفسیر کو قوی فرمایا۔ کہ اس میں محذوفات کم ہیں مجاہد نے یہ ہی کہا۔ دیکھو تفسیر ابن جریر وغیرہ۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسری بتا رہا ہے وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اس کی بھی وہ ہی تفسیریں ہیں کہ کفار پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ ظلم کے معنی اس کی قسمیں ابھی پچھلی آیتہ میں مذکور ہوئیں یعنی ان کو نہ تو بے قصور سزا دی جاوے

گی نہ قصور سے زیادہ ۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے جن عذابوں کی خبر ہم نے آپ کے ذریعہ لوگوں کو دی ہے اگر ہم ان میں سے بعض عذاب آپ کو دکھا دیں کہ آپ کی زندگی شریف میں عذاب ان پر آجائیں تو ہم یہ بھی کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے بدر و حنین خیبر ۔ فتح مکہ ۔ طائف وغیرہ میں حضور انور کو کفار پر عذاب دکھا دیئے یا ہم آپ کو وفات دے دیں اور آپ کی وفات کے بعد کفار پر بعض عذاب آدیں اور آپ عالم برزخ سے ان کا مشاہدہ کریں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں ۔ چنانچہ زمانۂ صحابہ میں بلکہ بعد میں قیامت تک رب تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھ کفار کو عذاب دیتا رہے گا ۔ ان سب کو آخر ہماری ہی طرف لوٹنا ہے ۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ ان کے ہر عمل پر اللہ نگران بھی ہے حاکم بھی ہر امت کے لیے رسول ہوتے رہے جن پر ان رسول کی اطاعت واجب تھی مگر ہوتا یہ رہا کہ جب بھی امتوں کے پاس رسول آتے تو وہ لوگ ان کی مخالفت کرتے ۔ (سوا بعض کے) پھر وہ رسول ان کے لیئے بددعا فرماتے تو ہم ان میں حق کا فیصلہ فرماتے کہ کفار کو ہلاک کرتے مومنوں کو نجات دیتے ۔ ان پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا ۔ کہ کسی کو بے قصور یا قصور سے زیادہ سزا دے دی جاتی ۔ یا قیامت میں ہر امت کے لیئے رسول ہوں گے جن کے نام سے وہ بلائے جائیں گے ۔ پھر جب وہ رسول ان کے موافق یا مخالف گواہی دینے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونگے تو انکے درمیان فیصلہ کر دیا جاویگا کہ نافرمانوں کو دوزخ فرمانبرداروں کو جنت میں بھیج دیا جائے گا

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات شریف میں اور پردہ فرمانے کے بعد مومنوں اور کافروں کے حالات مشاہدہ فرماتے رہے اور فرما رہے ہیں ۔ اور فرماتے رہیں گے ۔ دیکھو یہاں نُرِيَنَّكَ یعنی دکھانے کے مقابلہ میں نہ دکھانا فرمایا گیا ۔ بلکہ وفات شریف کا ذکر فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وفات شریف سے دیکھنے میں فرق نہ آیا ۔ ہاں دیکھنے کی نوعیت بدل گئی حتیٰ کہ سب کے سلام سنتے جواب دیتے ہیں ابھی ۱۹۶۵ء میں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہوئی تو مدینہ والوں نے خواب میں حضور انور کو تیزی سے حجرۂ مبارک سے نکلتے اور گھوڑے پر کہیں جاتے دیکھا ۔ پوچھا حضور کہاں تشریف لے جا رہے ہیں فرمایا پاکستان جہاد کے لیئے ۔ پاکستانی غازیوں نے بیداری میں حضور انور کو اسلامی مورچوں میں تشریف فرما دیکھا ۔ جو اس زمانہ میں اخبارات میں چھپتے رہے ۔ اس پر مفصل گفتگو ہم دوسرے پارہ میں وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کی تفسیر میں کر چکے ہیں ۔ ابن قیم نے کتاب الروح میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرات ابوبکر اور عمر فاروق نے بعد وفات غزوات میں شرکت کی ۔ دوسرا فائدہ سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر کسی کا خوشی سے زندگی میں ہی اور کسی کا مجبوراً مرے بعد یہ فائدہ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ لوگوں کے حالات پر مطلع ہے ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر شخص

کے ہر حال سے خبردار ہیں ۔ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۔ دونوں جگہ شہید ارشاد ہوا ۔ اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لیے خبردار ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دینے فیصلہ کرانے کے لیئے خبردار ہیں فرماتے ہیں لَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا سُجُوْدُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ ۔ مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں (بخاری شریف) چوتھا فائدہ دنیا میں کوئی وقت نبوت سے خالی نہ رہا ہر وقت ہر جگہ کسی نہ کسی کی نبوت ضرور رہی ۔ یہ فائدہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ہاں کبھی ایسا ہوا ہے کہ دنیا والوں کو نبی کی تعلیم نہ پہنچی جیسے فترت والے لوگ ۔ چنانچہ حضور انور کے ظہور سے پہلے اہل عرب کے نبی حضرت ابراہیم تھے ۔ مگر ان کی تعلیم مسخ ہو گئی ۔ بلکہ مٹ گئی تھی ۔ پانچواں فائدہ دنیا میں ہر قوم کے لیئے نبی ضرور ہوئے مگر ہر قوم میں نبی نہیں ہوئے ۔ نبی ہمیشہ عالی نسب اونچے اشرف خاندانوں میں ہوئے ۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے ۔ یہ فائدہ لِكُلِّ اُمَّةٍ کے لام سے حاصل ہوا ۔ کہ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ نہ فرمایا ۔ ہاں اُونچی اور معمولی قوموں پر ان نبی کی اطاعت واجب تھی کہ وہ ان کے بھی نبی تھے ۔ جیسے ہمارے حضور ہاشمی مطلبی ہیں ۔ مگر ساری قوموں کے رسول ہیں سب پر آپ کی اطاعت فرض ہے ۔ چھٹا فائدہ قیامت میں ہر امت اپنے نبی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہو گی ۔ یہ فائدہ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب کہ اس کے معنیٰ ہوں کہ ہر امت کے لیئے رسول ہوں گے ۔ ساتواں فائدہ کسی قوم پر نبی کی تشریف آوری کے بغیر عذاب دنیا میں نہ آیا ۔ یہ فائدہ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ نبی کے آنے سے مراد ہو دنیا میں آنا اور قُضِيَ (الخ) سے مراد ہو دنیا میں فیصلہ ۔ آٹھواں فائدہ قیامت میں نبی کی گواہی پر رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو گا یہ فائدہ جَآءَ رَسُوْلُهُمْ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا ۔ جبکہ جَآءَ سے مراد ہو قیامت میں رسول کی پیشی بارگاہ الٰہی میں اور قُضِيَ (الخ) سے مراد ہو رب تعالیٰ کا فیصلہ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈالنا نواں فائدہ رب تعالیٰ کسی کو بے قصور سزا نہ دے گا ۔ نہ قصور سے زیادہ نہ کسی مطیع فرمانبردار کو دوزخ میں بھیجے گا نہ کسی کو اس کے عمل سے کم جنت کا درجہ دے یہ فائدہ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا ۔ کہ یہ بھی ظلم کے ایک معنیٰ ہیں ۔ لفظ سزا کا خیال رہے ۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات دنیا اور یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں ۔ یہاں کے کسی واقعہ کو نہیں دیکھتے ۔ دیکھو یہاں حضور انور کے ۲ حالات کا ذکر ہوا ۔ ایک نُرِيَنَّكَ اور دوسرا نَتَوَفَّيَنَّكَ وفات کے بعد کو دکھلانے کے مقابل لایا گیا ۔ جس سے پتہ لگا کہ بعد موت نہیں دیکھتے (دیوبندی) جواب اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا ۔ کہ یہاں دکھانے کے مقابل نہ دکھانا نہیں فرمایا بلکہ وفات دنیا فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات دکھانا تو ہو گا مگر اس کی نوعیت دوسری ہو گی ۔ یعنی کشف سے دکھانا ورنہ نمازوں میں حضور کو سلام نہ کیا جاتا کہ بے خبر کو سلام کیسا ۔ نیز حضور انور قیامت میں سب کے

گواہ ہیں ۔ بے خبر گواہ نہیں ہوتا ۔ دیکھو وہاں ہم گواہی دیں گے نبی سے سن کر اور نبی گواہی دیں گے دیکھ کر لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا اس کی تحقیق دوسرے پارہ میں اسی آیت کی تفسیر میں ہو چکی دوسرا اعتراض حضرت عزیر علیہ السلام سو سال مردہ رہ کر جب زندہ ہوئے تو بولے لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۔ اصحاب کہف تین سو برس سو کر جب اٹھے بولے لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ہم ایک دن یا اس سے بھی کم یہاں ٹھہرے معلوم ہوا کہ نبی ولی بعد وفات اِدھر سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں انہیں خبر نہیں ہوتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے ۔ جواب اس اعتراض کا جواب ہم نے تیسرے پارے میں اسی آیت کی تفسیر میں اور جاء الحق حصہ اوّل میں عرض کر دیا ہے کہ یہ واقعہ خصوصی تھا ایک معجزہ یا کرامت دکھانے کے لئے انہیں ادھر سے بے خبر کر دیا گیا تھا ۔ بے خبر ہونا اور ہے بے خبر کر دیا جانا کچھ اور ۔ ورنہ سارے نبیوں کو حضور کی معراج کی خبر کیسے ہوئی اور وہ حضرات حضور کا استقبال کرنے حضور کے پیچھے نماز پڑھنے کیسے آئے دیکھو حضور فرماتے ہیں کہ ہمارا دل نہیں سوتا ۔ مگر تعریس کی رات نمازِ فجر قضا ہو گئی ۔ یہ واقعہ خصوصی تھا تاکہ لوگوں کو نماز قضا کرنے کا طریقہ معلوم ہو ۔ تیسرا اعتراض اگر ہر امت کے لیئے رسول ہوئے تو بتاؤ کہ فترت والوں کے کون رسول تھے اور حضور کے والدین کریمین کس نبی کے دین میں تھے ۔ جواب یہاں یا تو ہر امت سے ہلاک شدہ امتیں مراد ہیں کہ رب تعالیٰ نے کسی امت کو بغیر نبی بھیجے ہلاک نہیں کیا یا ہر امت کا رسول ضروری ہوا ۔ اگرچہ بعض کے پاس ان کے احکام نہ پہنچے ۔ حضور انور کے والدین کریمین طیبین طاہرین دین ابراہیمی پر تھے وہ ہی ان حضرات کے نبی تھے چنانچہ حضرت آمنہ نے وفات کے وقت حضور انور کے آنسو پونچھتے ہوئے جو الوداعیہ اشعار پڑھے ان میں ایک شعر یہ تھا ۔

دِيْنُ اَبِيْكَ دِيْنُ اِبْرَاهِيْمَ فَاللّٰهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ

ہم نے یہ اشعار اور پورا واقعہ تفسیر یعنی پارہ اوّل وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ کی تفسیر میں بہت تفصیل سے عرض کیا ہے چوتھا اعتراض جب رب تعالٰے کسی کو بغیر جرم دوزخ میں نہیں بھیجے گا تو کفار کے بت اور چاند سورج دوزخ میں کیوں جائیں گے انہوں نے کیا قصور کیا ہے رب فرماتا ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ جواب یہ چیزیں وہاں عذاب پانے نہ جائیں گی بلکہ اپنے پجاریوں کو سزا دینے کے لئے جیسے وہاں فرشتے ہوں گے سزا دینے کے لیئے ۔

تفسیر صوفیانہ جیسے کھیت والے کو کھیت تباہ کرنے والے دشمن کیڑے مکوڑوں کی ہلاکت سے خوشی ہوتی ہے ۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے دشمن کفار کی ہلاکت سے خوشی ہوتی ہے کہ ان کی ہلاکت سے دین کی بقا امت کی حفاظت ہے ۔ حضور انور نے فرعون کی ہلاکت کے دن یعنی عاشورہ کو روزہ رکھنا پہلے تو فرض کیا تھا پھر فرضیت منسوخ ہوئی ۔ سنت ابھی باقی ہے ۔ کیونکہ فرعون

کی ہلاکت کی خوشی میں ابوجہل کی ہلاکت کی خبر سن کر سجدۂ شکر ادا کیا۔ رب تعالیٰ نے اس آیۃ میں اس کی ہی خوشخبری دی کہ ہم آپ کو موذی کفار کی ہلاکت دکھائیں گے۔ بعض کی ہلاکت کو زندگی شریف میں ان آنکھوں سے بعض کی ہلاکت وفات شریف کے بعد کشف سے۔ ہر امت پر رسول آتے جاتے رہے ہمارے حضور سارے عالم کے لئے آئے ہمیشہ کے لئے آئے۔ ایسے آئے کہ آ کر نہ گئے۔ اب تا قیامت وارثین رسول علماء اولیاء دینی باطنی یعنی کشف والہام لاتے رہیں گے۔ ولی کی کرامت علماء کی امامت حضور کے معجزے ہیں جو ان کی تصدیق کریں۔ وہ سعید ہیں جو ان کے انکاری وہ شقی ہیں۔ شعر۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش سود دارد در خور آلائے خویش

(روح البیان)

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾
اور کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ اگر ہو تم سچے
اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ
فرما دو کہ نہ مالک ہوں میں واسطے ذات اپنی کے نقصان کا اور نہ فائدہ کا مگر وہ جو
تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا مگر جو
اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا
چاہے واسطے ہر امت کے ایک وقت مقرر ہے جب آ جاتا ہے وقت ان کا پس نہیں
اللہ چاہے ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾
پیچھے ہٹ سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھ سکیں گے
نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں قیامت اور اس دن کے عذابوں کا ذکر ہوا اب اس پر مشرکین عرب کے تعجب کرنے اس کا مذاق اڑانے کا تذکرہ ہے

گویا یقینی قطعی خبر کے ذکر کے بعد اس کے انکار کرنے کا ذکر ہو رہا ہے ۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں کفار پر دنیوی عذابوں کے آنے کا ذکر ہوا کہ بعض عذاب آپ کی ظاہری زندگی شریف میں آجائیں گے اور بعض آپ کی وفات کے بعد ۔ اب ارشاد ہے کہ ان عذابوں کا انکار کفار کرتے ہیں بجائے ماننے کے مذاق اڑاتے ہیں ۔
تیسرا تعلق ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جب گزشتہ انبیاء تشریف لائے تھے تو فیصلہ ربانی آجاتا تھا کہ مومنوں کو نجات کفار کو ہلاکت دی جاتی رہی ۔ اب ارشاد ہے کہ انہیں بجنروں کو لے کر کفار مکہ آپ کی نبوت کے انکاری ہیں کہ آپ کے منکروں پر عذاب کیوں نہیں آتا ۔

شان نزول جب آیۃ کریمہ وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ الخ نازل ہوئی تو کفار مکہ مذاق اور دل لگی کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ وہ عذاب جس کے آپ کو دکھانے کا وعدہ کیا گیا ہے ہم پر کب آئے گا ۔ ہم تو بے چینی سے اس کے منتظر ہیں ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ان کو نہایت ہی مسکت جواب دیا گیا (خزائن العرفان)

تفسیر وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ ظاہر یہ ہے کہ یَقُوْلُوْنَ کا فاعل کفار مکہ ہیں اور ان کا یہ قول دل لگی اور مذاق کے طور پر ہے اور هٰذَا الْوَعْدُ سے مراد وہ دنیوی عذاب ہیں جن کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی ۔ کفر کا زور ٹوٹ جانا ۔ اسلام کا غلبہ تھوڑے مسلمانوں کے ہاتھوں بہت کفار کا ہلاک ہونا وغیرہ یا قیامت مراد ہے بہر حال وعدے سے مراد وعید ہے اس میں کفار کا روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے مسلمانوں سے ہے ۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یَقُوْلُوْنَ کا فاعل ہر نبی کے زمانہ کے کفار ہوں جن میں مکہ والے کافر بھی داخل ہوں اور روئے سخن سارے نبیوں سے ہو ۔ اور هٰذَا الْوَعْدُ سے مراد یا وہ عذاب دنیوی ہوں جن کی خبریں ان حضرات انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو دی تھیں یا عذاب قیامت یعنی کفار مکہ آپ سے اور سارے مومنین سے کہتے ہیں یا ہمیشہ سے سارے کافر اپنے نبیوں سے کہتے رہے ہیں ۔ لہٰذا اے محبوب آپ اس قسم کے سوالات سے مغموم نہ ہوں (تفسیر خازن) اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ان کی اس گواس میں روئے سخن یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور كُنْتُمْ اور صٰدِقِیْنَ کا لانا یا ادب و احترام کے لئے ہے یا مذاق کے لئے یا خطاب حضور انور کے ساتھ سارے مسلمانوں سے ہے کیونکہ مسلمان ان کفار کو عذاب اور قیامت کی خبریں دیا کرتے تھے اور آیات عذاب پڑھا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ سارے نبیوں سے خطاب ہو ۔ اگر یَقُوْلُوْنَ کا فاعل سارے گزشتہ اور موجودہ کفار ہوں ۔ (خازن) چونکہ ان تمام وعدوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ عظمیٰ ہیں ۔ کہ حضور سے سن کر مسلمان کفار کو خبر عذاب دیتے تھے اس لئے جواب حضور سے دلوایا گیا کہ ارشاد ہوا ۔ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا قُلْ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن

انہیں مذاق اڑانے والے کفار سے جواب کا مقصد یہ ہے کہ میں قیامت کو یا عذاب کو وقت سے پہلے لانے پر قادر نہیں رب تعالٰے نے ان کا جو وقت مقرر فرمایا ہے اس وقت آئے گے کون ہے جو رب کا مقابلہ کر کے اس کی مرضی کے خلاف وقت سے پہلے قیامت یا عذاب لائے چونکہ قیامت اور دنیوی عذاب حضور انور اور مسلمانوں کے نافع تھے کفار کے لئے نقصان دہ اس لئے اس طرح بیان کیا گیا یعنی میں اپنی ذات کے کسی نقصان و نفع کا مالک و مختار نہیں تو تمہارے نفع نقصان کا کیسے مالک ہو سکتا ہوں اور وقت سے پہلے قیامت یا عذاب کیسے لا سکتا ہوں۔ خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں یا تو خدا تعالٰی کے مقابل ملکیت کا انکار ہے یا بذاتِ خود ملکیت کی نفی بغیر عطاءِ الٰہی لیکن مطلقاً ملکیت و اختیار کی نفی نہیں ورنہ یہ آیت قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہوگی رب فرماتا ہے اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اور غنی کر دینا نفع ہے۔ معلوم ہوا حضور نافع ہیں عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں باذنِ الٰہی مردے زندہ اور اندھے کوڑھے کو اچھا کر سکتا ہوں۔ (قرآن مجید) یوسف علیہ السلام نے فرمایا میری قمیص لے جاؤ والد صاحب کے منہ پر ڈال دو انکھیارے ہو جائیں گے (قرآن مجید) فرماتا ہے ہم نے تم کو خیرِ کثیر دے دیا۔ حضور فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں وغیرہ۔ نیز رب تعالٰی نے بادشاہ کو ملک والوں کے نفع نقصان کا مالک بنایا۔ حکام کو صوبہ ضلع اور شہر والوں کے نفع نقصان کا مالک بنایا۔ کہ وہ پھانسی۔ جیل یا جرمانہ انعام و اکرام ترقی دینے پر قادر ہیں ہم کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے نفع و نقصان کا مالک بنایا اسی اختیار پر سزا و جزا ہے۔ بہرحال وہ ہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا۔ اس لئے ارشاد ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ تفسیر خازن۔ بیضاوی۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہ استثناء ہے لَا اَمْلِكُ سے استثناء متصل ہے یعنی میں اپنی ذات کے لئے نقصانِ نفع کا مالک نہیں مگر رب تعالٰی کے چاہنے سے کہ وہ مجھے مالک بنا دے تو مالک ہو جاؤں روح المعانی نے فرمایا فَاِنِّیْ اَقْدِرُ عَلَیْهِ بِمَشِیَّتِهٖ سُبْحَانَهٗ یعنی میں نفع نقصان پر قادر ہوتا ہوں رب تعالٰی کے چاہنے سے اور فرمایا کہ بلا ضرورت مستثنٰی منفصل ماننا اِلَّا کو بمعنی لٰکِنْ کہنا اور یہ معنی کرنا کہ لیکن اللہ جو چاہے وہ ہوتا ہے خلافِ قاعدہ ہے استثناء میں اصل متصل ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ میں بغیر اللہ کے چاہے اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں اور ابھی قیامت کے لانے اور وقت سے پہلے عذاب آنے کا ارادہ رب نے چاہا نہیں تو میں اس کے لانے پر قادر نہیں یہ تفسیر خیال میں رہے اب آیت کے معنی بالکل واضح ہو گئے اس لئے آگے ارشاد ہوا لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ظاہر یہ ہے کہ کل امت سے مراد جماعت کفار ہے اور اجل سے مراد ان کے عذاب آنے کا وقت ہے یعنی رب کی طرف سے ہر کافر جماعت کے ہلاک ہونے کا طے شدہ وقت ہے۔ خلافِ مرضی الٰہی ان میں آگا پیچھا نہیں ہو سکتا۔ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ حق یہ ہے کہ جاء کے معنی ہیں جب آنے لگے اَجَلُهُمْ سے مراد ہے وقت ہلاکت اور دونوں جگہ باب استفعال بمعنی تفعّل ہے یعنی لَا يَتَأَخَّرُوْنَ وَلَا يَتَقَدَّمُوْنَ (روح المعانی) یعنی جب عذاب آنے لگے تو اس سے گھڑی بھر آگے پیچھے نہیں ہو سکتے کیونکہ آجانے پر آگے پیچھے ہونا کیسا۔ (روح المعانی)

خلاصۂ تفسیر قیامت اور عذابوں کا ذکر سن کر کفار مکہ نہ تو خدا سے ڈرتے ہیں نہ ایمان لاتے ہیں نہ قیامت کی تیاری کرتے ہیں نہ عذاب دفع کرنے کی تدبیریں بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہوئے بطورِ تمسخر آپ سے پوچھتے ہیں کہ یہ وعدۂ قیامت یا وعدۂ عذاب کب پورا ہوگا۔ یہ چیزیں کب آئیں گی اگر آپ حضرات سچے ہیں تو اس کا مہینہ دن تاریخ بتائیں آپ انہیں جواب دیں کہ یہ چیزیں اللہ کے ہاں مقرر ہیں کوئی شخص انہیں وقت مقررہ سے پہلے مرضی الٰہی کے خلاف نہیں لا سکتا۔ میرا خود یہ حال ہے کہ بغیر اللہ کے چاہے اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کا مالک و مختار نہیں۔ ہاں وہ ہی چاہے اور مجھے مختار کرے تو اس کی مہربانی ہے پھر میں کیسے خلافِ مرضی الٰہی قیامت یا عذاب لا سکتا ہوں۔ ہر امت کے متعلق ایک مقررمدت ہے جب وہ مدت آن لگے تو لوگ اپنی کوشش سے ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے لہٰذا جب تمہارے عذابوں کا وقت آئے گا تو ٹلے گا نہیں تم جلدی کیوں کر رہے ہو تم کو چاہیئے کہ بجائے تاریخ پوچھنے کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرو کہ ایمان و تقویٰ اختیار کرو۔ بارش کی تاریخ نہ پوچھو شکستہ گھر کی مرمت کرو۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ بڑا بے وقوف وہ ہے جو قیامت یا آنے والی مصیبتوں کی تاریخیں ہی پوچھا کرے اس کی تیاری نہ کرے۔ موت کی تاریخ نہ پوچھو اس کی تیاری کرو۔ یہ فائدہ وَيَقُوْلُوْنَ (الخ) سے حاصل ہوا کہ اسے طریقۂ کفار قرار دیا گیا۔ دوسرا فائدہ کبھی وعدہ بمعنی وعید بھی آتا ہے یعنی اندیشناک خبر کو وعدہ کہہ دیا جاتا ہے یہ فائدہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ سے حاصل ہوا کہ کفار نے قیامت اور دنیاوی عذابوں کو وعدہ کہا وہ اہلِ زبان تھے رب تعالیٰ نے بغیر تردید ان کا یہ کلام نقل فرمایا۔ تیسرا فائدہ اللہ والوں کی سچائی حقانیت میں شک و تردد کرنا طریقۂ کفار ہے مومن ان کی باتوں کو پتھر کی لکیر سمجھتا ہے ساری ایمانی چیزیں حضور انور کی زبان مبارک کی سچائی پر موقوف ہیں یہ فائدہ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ کوئی شخص بغیر عطاءِ الٰہی ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں سب اس کے حاجتمند ہیں وہ غنی و بے نیاز ہے یہ فائدہ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان کے بلکہ عالم کے نفع نقصان کا مالک بنایا ہے یہ فائدہ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر اور اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ شعر۔

کبھی نہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے ۔۔۔ سرکار بنایا انہیں مختار بنایا!!

حضور انور کو رب نے اپنے خزانوں اپنے احکام کا مالک بنایا یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ۔
چھٹا فائدہ ہر امت کی ہلاکت و عذاب وغیرہ کا وقت مقرر ہے جو لوح محفوظ میں تحریر ہے۔ جن کی نظر لوح محفوظ پر ہے۔ وہ ان تمام چیزوں پر بحکم پروردگار مطلع ہیں شعر۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء از چہ محفوظ اند محفوظ از خطا

یہ فائدہ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ سے حاصل ہوا۔ اجل میعاد مقرر کو کہتے ہیں۔ ساتواں فائدہ کوئی شخص اور کوئی قوم اپنے وقت مقرر سے ایک گھڑی پیچھے نہیں ہو سکتی یہ فائدہ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً (الخ) سے حاصل ہوا وعدہ کم نہ زیادہ
پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں جواب سوال کے مطابق نہیں۔ سوال تو یہ تھا کہ قیامت یا عذاب کب آوے گی۔ جواب دیا گیا کہ میں اپنے لیئے نفع و نقصان کا مالک نہیں اس کے جواب میں قیامت یا عذاب کی تاریخ مہینہ سنہ بتانا چاہیئے تھا۔ جواب کفار کے سوال کا مقصد ہنسی مذاق تھا وہ کہتے تھے عذاب کب آئے گا تم اسے لاتے کیوں نہیں اس لیئے انہوں نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو۔ ان دو باتوں کے دو جواب دیئے گئے۔ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ان کے اس مطالبہ کا جواب ہے کہ تم قیامت لاتے کیوں نہیں اور لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ان کے اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب ہوگی چونکہ قیامت اور دنیاوی عذاب اسرار غیبیہ میں سے ہیں جو عام طور پر ظاہر نہیں کئے جاتے اس لیئے اس کی تاریخ نہ بتائی گئی۔ دوسرا اعتراض کفار نے سوال حضور انور سے کیا تھا تو انہوں نے كُنْتُمْ اور صَادِقِينَ جمع کیوں کہا۔ جواب ابھی تفسیر میں اس کے تین جواب گذر گئے (۱) اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سب سے ہے کیونکہ عام کفار سے اوقات میں مومنین سے جرح قدح اور قیامت و عذاب کا ذکر کرتے تھے (۲) صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع کا صیغہ ادب و احترام کے لیئے ہے (۳) یہاں سارے کفار کا تذکرہ ہے۔ خواہ اس امت کے ہوں یا گذشتہ امتوں کے لہذا کنتم اور صادقین میں خطاب تمام نبیوں سے ہے۔ تیسرا اعتراض إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ شرط ہے اس کی جزا کہاں ہے۔ جواب اس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر تم سچے ہو تو قیامت اور عذاب لاتے کیوں نہیں فوراً لاؤ رہا اس کی جزاء پر مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ دلالت کرتا ہے۔ چوتھا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لیئے کسی نفع نقصان کی کسی چیز کے مالک و مختار نہیں۔ انہیں مالک یا ایک چیز کا مختار ماننا شرک ہے اور اس آیت کے خلاف اسماعیل دہلوی وہابی کی کتاب (تقویۃ الایمان میں ہے جس کا نام محمد یا علی ہے وہ ایک چیز کا بھی مالک و مختار نہیں) اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی یہ ہے کہ بتاؤ بادشاہ ملک کے گورنر صوبہ کے کمشنر پوری کمشنری کے اور ڈپٹی کمشنر ضلع کے بلکہ ہم خود اپنے ذات اپنے بال بچوں اپنے ماتحتوں کے نفع نقصان کے مالک ہیں یا نہیں اگر نہیں تو مصیبتوں میں حکام سے

فریادیں مقدمے کیوں کرتے ہو اور تم میں اور سلاطین و حکام میں فرق کیا ہے۔ کیوں کہتے ہو کہ فلاں حاکم کو پھانسی کا اختیار ہے فلاں کو عمر قید کا فلاں کو اتنے سال قید و جرمانہ کا اختیار ہے اور تم کسی پر احسان کرنے کسی کو قتل کرنے پر جزا سزا کیوں پاتے ہو۔ حضرات انبیاء کرام کے اختیارات خداداد تو آیات قرآنیہ سے صراحۃً مذکور ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کئے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو خود اس آیۃ میں دے دیا گیا ہے اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ یعنی اللہ کے بغیر اذن و ارادے کے میں کسی نفع نقصان کا مالک نہیں جب وہ ہی مالک بنا دے تو بنا سکتا ہے۔ حضور انور سے صرف جنت نہیں بلکہ جنت کا اعلیٰ مقام یعنی حضور کی ہمراہی مانگی (مسلم شریف باب السجود) جب وہ جنت کے مالک و مختار باذنِ پروردگار ہیں تو دنیا اور یہاں کی نعمتیں تو کہیں کم ہیں وہ بھی حضور سے مانگی جا سکتی ہیں۔ فرماتا ہے وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ہم بھکاریوں کے لیئے وہ ہی جود و عطا کا دروازہ ہے۔

پانچواں اعتراض۔ شعر۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے　　جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

جواب

وہ چندہ ہے نہیں ملتا خدا سے　　جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے

توسل کر نہیں سکتے خدا سے　　لہٰذا مانگتے ہیں اولیاء سے

تفسیر صوفیانہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ غافلین۔ عاقلین۔ غافلین آئندہ آنے والی مصیبتوں کے لیئے تیاری ان کے دفعیہ کی تدبیریں نہیں کرتے بلکہ جرح قدح۔ بحث مباحثہ میں وقت ضائع کرتے ہیں کہ قیامت آتی کیوں نہیں۔ اگر سچے ہو تو لے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ عاقلین کاملین بجائے تحقیقات کے تیاری کرتے ہیں ان کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے۔ شعر۔

عاشقاں را چہ کار با تحقیق　　ہر کجا نام اوست قربانیم

اس آیۃ کریمہ میں غافلین کی غفلت کا ذکر ہے غافلین واقعہ سے نبی کے قول کو آزماتے ہیں عاقلین نبی کے قول سے واقعہ کو آزماتے ہیں۔ شعر۔

فقط اشارہ سے سب کی نجات ہو کے رہی　　تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا　　جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

کفار کہتے تھے کہ اگر سچے ہو تو قیامت لاؤ۔ یعنی اگر قیامت ابھی آ جائے تو تم سچے ہو قیامت تم کو سچا کرے گی۔ عاقلین کہتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی کیونکہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ ان کی زبان غلط نہیں ہو سکتی محال بالذات ہے کہ قیامت نہ آئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ پورا عالم وہ ہے جو کسی کو عالم بنا سکے پورا مالک وہ ہے جو دوسرے کو مالک بنا سکے۔ جو عالم علم نہ دے سکے ناقص ہے جو مالک ملکیت بخش نہ

سکے وہ ناقص مالک ہے اللہ تعالیٰ تمام کے نفع نقصان کا پورا مالک ہے تو وہ اپنے بندوں کو مالک بنا بھی سکتا ہے اور بنا یا بھی ہے خود فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ ملک کا پورا مالک ہے جسے چاہے اپنا ملک بخشے اور فرماتا ہے عالم الغیب والشَّھَادۃ اور فرماتا ہے وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ یہ ہے پوری ملک اور پورا علم۔ نبی پاک کے غلام بھی یعنی تکوینی اولیاء اللہ دنیا کے سیاہ سفید کے مالک اور باذنِ پروردگار دنیا میں متصرف ہوتے ہیں۔ گروہِ اولیاء میں ایک جماعت کا نام غوث ہے یعنی مددگار۔ حضور انور کی مالکیتِ نفع رساں ان شاء اللہ قیامت میں آنکھوں دیکھی جائے گی کہ کوئی شخص اپنے اعمال سے کر رب کے پاس نہ پہنچے گا کہ مولیٰ کھاتا کھول نمازیں وغیرہ لے جنت دے۔ بلکہ حضور کو شفاعت کے لئے ساتھ لے کر بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ عشقِ رسول عطا فرمائے۔ اس دن عشاق کی دکانیں خوب چمکیں گی۔ شعر۔

سرِ محشر دکانیں عاشقوں کی خوب چمکیں گی خریدے گا خدا بچیں گے یہ صدقے محمد کے

دیکھو کوئی شخص مدت مقررہ سے ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا مگر ان کی دعا سے رب آگے پیچھے کر دیتا ہے۔ حضرت آدم کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو سال ہوئی۔ یہ ہے نفع نقصان کی ملکیت بحکمِ پروردگار۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا

فرما دو بتاؤ اگر آئے تم پر عذاب اس کا رات میں یا دن میں کیا ہے وہ کہ جلدی

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اس کا عذاب تم پر رات کو آئے یا دن کو

مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا

کرتے ہیں اس کی مجرم لوگ پھر کہا جائے گا

تو اس میں وہ کونسی چیز ہے کہ مجرموں کو جس کی جلدی ہے تو کیا جب ہو پڑے

وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

تو کہ جب کبھی ہو جاوے گا ایمان لاؤ گے تم اس پر کیا اب حالانکہ تم اس کو جلدی مانگنے ہو

گا اس وقت اس کا یقین کرو گے کیا اب مانتے ہو پہلے تو اسکی جلدی مچا رہے تھے

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے کہ جلدی کی انہوں نے چکھو عذاب دائمی نہیں بدلہ

پھر ظالموں سے کہا جائے گا ہمیشہ عذاب چکھو

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

دیئے جاؤ گے تم مگر اس کا کہ تھے تم کماتے

تمہیں کچھ اور بدلہ نہ ملے گا مگر وہی جو کماتے تھے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار کے اسی سوال کا ایک جواب دیا گیا کہ وعدہ عذاب کب پورا ہوگا۔ اور کب عذاب آوے گا اب اس سوال کا دوسرا جواب دیا جا رہا ہے کہ تمہارا جلدی کرنا تمہارے لیئے ہی مضر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار بجائے ایمان لانے کے عذاب مانگ رہے ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں گے اور ضرور لائیں گے۔ مگر اس وقت جبکہ لانا بیکار ہوگا۔ ہر کام وقت پر درست ہوتا ہے وقت نکل جانے پر بیکار گویا مفید ایمان کی نفی کے بعد بیکار ایمان کا ذکر ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار ایک عذاب یعنی دنیوی عذاب میں جلدی کرتے ہیں اس کا نقاضہ کرتے ہیں اب ارشاد ہے کہ ان پر دو عذاب آرہے ہیں۔ دنیا میں وقتی عذاب ذلت شکست قید جزیہ وغیرہ کا آنے دوسرا آخرت میں دائمی عذاب وہ تو ایک عذاب مانگ رہے ہیں ذرا ٹھہر جائیں انہیں دو عذاب ہوں گے۔

تفسیر قُلْ اَرَءَيْتُمْ یہاں بھی قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے جو عذاب جلدی مانگتے تھے اَرَءَيْتُمْ کے لفظی معنی ہوتے ہیں کیا دیکھا تم نے مگر استعمال میں یہ اسم فعل ہے بمعنی اَخْبِرُوْنِیْ یعنی مجھے خبر تو دو۔ بتاؤ تو کیونکہ رویت یعنی دیکھنا خبر دینے کا سبب ہے (روح البیان) یا مطلب ہے غور تو کرو۔ سوچو تو سہی اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا۔ یہ فرمان عالی قُلْ کا مقولہ ہے یہاں اِنْ فرمانا شک اور تردد کے لیئے نہیں کیونکہ عذاب سے مراد ہے نبیی عذاب جو پچھلی امتوں پر آئے جیسے صورتیں مسخ ہو جانا۔ پتھر برسنا وغیرہ وہ تو نہیں آسکتے کیونکہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہو چکا کہ مَا كَانَ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور اگر عذاب سے مراد جنگوں میں شکست مسلمانوں کی مدد کے لیئے فرشتوں کا نزول وغیرہ ہے تو وہ یقیناً آنے والا ہے کہ اس کی خبر اللہ رسول نے دی تھی لہٰذا یہاں اِنْ فرمانا معلق کرنے کے لیئے ہے۔

(روح المعانی) جیسے اگر زید شیر ہو جائے تو طاقتور ہو یا اگر زید انسان ہے تو ناطق ہے یا اگر سورج نکل آئے تو دن نکل آئے اور ہو سکتا ہے کہ اِنْ فرمانا انہیں شک اور تردد دلانے کے لیئے ہو۔ یعنی اگر تم کافر رہو تو تم پر عذاب مذکورہ آجائے گا اور اگر مومن ہو جاؤ تو بچ جاؤ گے۔ چونکہ ان کا کافر رہنا مشکوک تھا لہٰذا ان پر عذاب آنا بھی ان کے لیئے مشکوک تھا۔ بَیَاتًا ظرف ہے اَتَاکُمْ کا یہ بروزن سَلَام ہے بابِ تفعیل کا مصدر بمعنی وقتِ بیات (کبیر۔ روح المعانی) یہ بنا ہے بَیْتُوْتَۃٌ سے بمعنی بیت یعنی گھر میں رہنا مراد ہے۔ رات میں آرام کرنا چونکہ عمومًا انسان رات کو گھر میں رہتا ہے دن کو باہر اس لیئے رات کو بیات کہہ دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم پر عذاب اس وقت آئے جب تم گھر میں آرام میں ہو۔ یا دن میں آئے جب تم دنیا کی مشغولیتوں میں لگے ہو اس شرط کی جزا یا تو پوشیدہ ہے یعنی فَکُنْتُمْ تم شرمندہ ہو جاؤ گے۔ یا تَعْرِفُوْا خَطَاءَکُمْ اس وقت اپنی خطا کا اقرار کرو گے وغیرہ (بیضاوی) یا اس کی جزا یہ ہے مَاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْہُ الْمُجْرِمُوْنَ جیسے کہا جاتا ہے۔ اِنْ جِئْتُکُمْ مَاذَا تُطْعِمُنِیْ اگر میں تمہارے پاس آؤں تو کیا کھلاؤ گے (کبیر۔ خازن۔ معانی وغیرہ) اس فرمان عالی میں مَاذَا یا تو ایک ہی لفظ ہے یا مَا سوال کے لیئے ہے اور ذَا اشارہ کے لیئے یعنی عذاب میں وہ کون سی خوبی و ذلت ہے جس کی وجہ سے کفار عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ ابھی دیکھا نہیں ہے ورنہ کبھی اس کا نام نہ لیتے۔ خیال رہے کہ یہاں بجائے مَاذَا تَسْتَعْجِلُوْنَ کے یَسْتَعْجِلُ مِنْہُ الْمُجْرِمُوْنَ اتنی دراز عبارت فرمانے میں اس جانب نفیس اشارہ ہے کہ ان کی یہ جلد بازی صرف اس لیئے ہے کہ وہ مجرم غافل و کافر ہیں۔ اگر مومن ہوتے تو عذاب کے نام سے ڈرتے کانپ جاتے اور توبہ کرتے ان میں یہ ڈھٹائی نہ ہوتی۔ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِہٖ یہ فرمانِ عالی کفار پر ملامت کے لیئے ہے جو بجائے ایمان لانے کے عذاب مانگتے تھے۔ اس فرمان میں ہمزہ سوال کا ہے اور سوال جھڑکنے کے لیئے اور ثُمَّ بمعنی بعد ہے اِذَا مَا میں مَا زائدہ ہے اس کے معنی ہوئے جب کبھی اور یہ آمَنْتُمْ کا ظرف ہے یعنی اے بے وقوفو کیا جب تم پر عذاب آپڑے گا تب ایمان لاؤ گے۔ جبکہ ایمان لانا کام نہ آئے گا۔ دیکھو فرعون ڈوبتے وقت چیختا ہی رہا کہ میں ایمان لاتا ہوں مگر ڈوب ہی گیا۔ اگر پہلے کہہ لیتا تو بچ جاتا۔ آلْئٰنَ وَقَدْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ اس فرمان عالی سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی اگر تم اس وقت ایمان لائے تو تم سے کہا جائے گا کہ کیا اب ایمان لاتے ہو پہلے سے اس کی جلدی کرتے رہے کہتے رہے کہ کب آوے گا لہٰذا اس میں الف سوال انکاری کا ہے اور اَلْئٰنَ ظرف ہے اٰمَنْتُمْ پوشیدہ کا یہ فرمان جھڑک کے لیئے ہے جیسے فرعون نے جب ڈوبتے وقت اپنے ایمان کا اعلان کیا تو فرمایا گیا آلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ مِنْ قَبْلُ کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا جب وقت تھا ایمان کا وہ تو نے نکال دیا یہاں تک تو ان کے دنیاوی عذاب کا ذکر ہوا۔ آخری عذاب کے متعلق ارشاد ہے ثُمَّ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ اس فرمان عالی میں دوزخ کے عذاب کا ذکر ہے جو قیامت کے بعد کفار پر ہوگا

اس لیے ثم ارشاد ہوا جو تاخیر اور مہلت کے لیئے بولا جاتا ہے اس سے عذاب برزخ یعنی قبر کا عذاب مراد نہیں کیونکہ وہ عذاب دائمی نہیں جو کفار سے قیامت کے دن ختم کر دیا جاوے گا۔ عذاب الخلد دوزخ کا عذاب ہے یہ کہنے والا یا تو رب تعالیٰ ہے یا فرشتے یا مومنین جو کفار سے یہ خطاب کریں گے چونکہ کفار پر دوزخ کا عذاب اور یہ قول یقینی ہے اس لیئے فعل ماضی ارشاد ہوا۔ ظَلَمُوْا سے مراد کفر ہے۔ کیونکہ دائمی عذاب صرف کفار پر ہوگا یہاں چکھنے سے مراد ہے برداشت کرنا یا بھگتنا۔ جیسے کہا جاتا ہے اب تو اپنے کیئے کا مزہ چکھے گا۔ یعنی بھگتے گا۔ یہ دنیوی عذاب کے بعد کفار سے کہا جاوے گا رب تعالیٰ کی طرف سے یا فرشتوں یا مومن انسانوں کی جانب سے کہ اب تم دائمی عذاب بھگتو۔ یہ فرمان قیامت کا فیصلہ سنانے کے بعد ہوگا کہ تم کو عمر قید کی سزا ہے یعنی دائمی کیونکہ وہاں کی عمر دائمی ہے۔ وہاں نہ عمر ختم ہو نہ عذاب۔ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ یہ فرمان عالی قیل کے مقولہ کا بقیہ مضمون ہے اس میں سوال انکاری ہے۔ جزا سے مراد سزا ہے یعنی عذاب بِمَا میں ب سببیہ ہے اور مَا سے مراد بد عقیدگیاں اور یہ بد عملیاں سب ہی ہیں۔ كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ سے مراد ہے دنیا میں کسب یعنی کمائی کرنا یعنی تم کو صرف تمہاری اُن بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی سزا ملے گی جو تم دنیا میں کماتے رہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے کسی بندے کو بغیر جرم سزا نہیں دیتا کہ یہ ایک طرح کا ظلم ہے اور رب ظلم سے پاک ہے،

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار سے جو عذاب میں جلدی کرتے ہیں فرما دو کہ اگر تم پر رات میں آرام کرتے ہوئے یا دن میں اپنے کاروبار میں مشغولیت کے حالت میں عذاب آجائے تو تم شرمندہ ہو جاؤ گے۔ اور پھر شرمندگی کام نہ دے گی۔ غور تو کرو کہ عذاب میں ایسی کیا خوبی ہے جس وجہ سے مجرم اس میں جلدی کرتے ہیں اے بے وقوفو کیا تم اس وقت ایمان لاؤ گے جب تم پر عذاب آہی جائے گا۔ اگر تم اس وقت ایمان لائے تو تم سے فرشتے یا مسلمان کہیں گے کہ کیا تم اب ایمان لاتے ہو تو پہلے اس کو جلدی مانگتے تھے اب تمہارا ایمان قبول نہیں سدیکھ لو فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا مگر عذاب سے نہ بچا ڈوب ہی گیا۔ پھر تم کو صرف دنیا میں ہی عذاب نہیں دیا جائے گا بلکہ کچھ عرصہ بعد یعنی برزخ سے فارغ ہو کر قیامت کا فیصلہ سنا کر تم کو دائمی عذاب دوزخ دیا جائے گا۔ اور تم ظالموں سے کہا جاوے گا کہ اب دائمی عذاب چکھو تم کو تمہارے گذشتہ برے عقیدوں برے اعمال کی ہی سزا ملے گی بے قصور کو رب تعالیٰ سزا نہیں دیتا۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ عذاب الٰہی اکثر بندوں کی غفلت کے وقت آتا ہے جب وہ نہ بھاگ سکیں نہ بچاؤ کی تدبیر سوچ سکیں یہ فائدہ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا فرمانے سے حاصل ہوا کہ لَيْلًا وَّنَهَارًا نہ فرمایا۔ بیات رات میں آرام کرنے کو سونے کو کہتے ہیں۔ دوسرا فائدہ مومن تو امن کا زمانہ اللہ کے ذکر شکر عبادات میں گذارتے ہیں۔ کفار غافل۔ یہ زمانہ غفلت شرعی چیزوں کا مذاق اڑانے میں

میں کھو دیتے ہیں۔ یہ فائدہ یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ سے حاصل ہوا کہ جلدی عذاب مانگنے والوں کو مجرمین فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ بیدار دل۔ گریاں آنکھ اور ذکر والی زبان عطا فرمادے۔ تیسرا فائدہ عذاب الٰہی دیکھ کر ایمان ملنا قبول نہیں اور اس وقت کے ایمان سے عذاب ٹلتا نہیں یہ فائدہ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ایمان بالغیب قبول ہے عذاب دیکھ کر ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بِالشَّهَادَةِ ہے نبی پر ایمان لاؤ نہ کہ اپنی آنکھ پر چوتھا فائدہ۔ مرتے وقت یعنی غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ کرنا ایمان قبول کرنا بالکل مقبول نہیں۔ کیونکہ یہ بھی عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لانا ہے۔ ایمان بالغیب نہیں یہ فائدہ بھی اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ۔ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ دوزخ کا دائمی عذاب جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہو صرف کفار کو ہوگا۔ مومن خواہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آخر کار جنت میں پہنچے گا۔ یہ فائدہ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ سے حاصل ہوا کہ یہاں ظَلَمُوْا کے معنی ہیں کَفَرُوْا رب فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے چھٹا فائدہ کفار کے ناسمجھ چھوٹے بچے یا وہ دیوانے پاگل بے ہوش رہے اِس حالت میں مر گئے انہیں رب تعالےٰ عذاب نہ دے گا۔ یہ فائدہ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ سے حاصل ہوا۔ اِلَّا کے حصر سے معلوم ہوا کہ کفار کو عذاب صرف ان کی بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے ہوگا بچے۔ دیوانہ نہ بدعقیدہ رہے نہ بدعمل انہیں سمجھ ہی نہ آئی کہ مر گئے۔ ساتواں فائدہ کفار و مشرکین عذاب آخرت کے اعتبار سے گناہ چھوڑنے اور نیکیاں کرنے کے مکلف ہیں۔ یعنی ان پر ضروری ہے کہ اسلامی محرمات سے بچیں اور اسلامی فرائض ادا کریں۔ ورنہ ان کو ان جرموں کی بھی سزا ملے گی یہ فائدہ بھی بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ سے حاصل ہوا کہ کسب میں بدعقیدگیاں اور بدعملیاں سب ہی داخل ہیں۔

پہلا اعتراض یہاں عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے اگر غیبی عذاب مراد ہے تو وہ تو حضور انور کی تشریف آوری سے بند ہو گئے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ اور اگر جنگوں میں شکست وغیرہ کے عذاب یا قیامت مراد ہے تو بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا فرمانے کے کیا معنی قیامت تو ابھی آئے گی وہ تو آخر زمانے میں آئے گی اور جب آئے گی تو دن ہوگا جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جانوروں کے حوض کا پلستر کرتا ہوگا کوئی کپڑا فروخت کرتا ہوگا کوئی کھانا کھاتا ہوگا کہ قیامت آجاوے گی۔ بہر حال یہ آیت کیونکر درست ہے جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں عذاب آنے یا نہ آنے کا ذکر نہیں بلکہ اس کی آمد پر کفار کی شرمندگی موقوف ہونے کا ذکر ہے جیسے اگر زید شیر ہو تو طاقتور شکاری ہو جیسا کہ منطق کی کتابوں سے معلوم ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور انور کی آمد سے غیبی عام عذاب بند ہوئے خاص غیبی عذاب آسکتے ہیں اور آئیں گے۔ قریب قیامت بعض لوگوں کی صورتیں بگڑیں گی۔ نیز قیامت بعض لوگوں پر دن میں آئے گی۔ بعض پر رات میں۔ کیونکہ تمام زمین پر یک وقت دن کبھی نہیں ہوتا۔ دوسرا اعتراض یہاں بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا کیوں فرمایا گیا۔ لَيْلًا اَوْ نَهَارًا۔ کیوں نہ فرمایا حالانکہ

کا مقابلہ لیل سے ہوتا ہے نہ کہ بیات سے ۔ جواب رات کے اول حصے میں لوگ جاگتے ہیں مگر آخری حصہ میں سارے ہی غافل سوتے ہیں یہاں یہ ہی آخری حصہ مراد ہے اس وقت عذاب کا آنا بڑی ہی مصیبت کا باعث ہے کہ نہ کوئی بھاگ سکے نہ کوئی مدد کر سکے یہ بتانے کے لیے بیاتاً ارشاد ہوا نیز یہاں اشارۃً یہ بتایا کہ کافروں کی راتیں غفلتوں میں گذرتی ہیں مومنوں کی راتیں ہوشیاری میں تیسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عذاب قبر کوئی شئے نہیں بس دو ہی عذاب ہیں ۔ عذاب دنیا اور عذاب آخرت جو بعد قیامت شروع ہوگا ۔ دیکھو یہاں اِنْ اَتَاكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا (الخ) میں عذاب دنیا کا ذکر ہوا اور ثُمَّ قِيْلَ میں عذاب خلد یعنی دائمی عذاب کا ذکر ہوا جو بعد قیامت ہے اگر عذاب قبر بھی کچھ ہوتا تو اس کا ذکر بھی ہوتا ۔ جواب دوسری آیات میں عذاب قبر کا ذکر صراحۃً ہے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۔ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ یہاں ابتدائی اور انتہائی عذاب کا ذکر ہے علاوہ قبر کا یہاں ذکر نہ ہونا اس سے لازم یہ نہیں کہ وہ ہے ہی نہیں ۔ اس لیے ثُمَّ ارشاد ہوا ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ (الخ) تاکہ مذکورہ دو عذابوں میں فاصلہ معلوم ہو ۔ چوتھا اعتراض ۔ تم نے کہا کہ عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں مگر قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی کافر قوم عذاب دیکھ کر ایمان لائی اور ان کا ایمان قبول ہوا ۔ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا ۔ جواب وہ لوگ علامات عذاب دیکھ کر ہی ایمان لے آئے تھے ابھی عذاب آنے میں دیر تھی جیسے کوئی کافر لاعلاج بیماری میں مسلمان ہو جائے تو قبول ہے مگر نزع کی حالت میں قبول نہیں کہ وہ عذاب دیکھ کر ایمان ہے ۔ پانچواں اعتراض ۔ تم نے کہا کہ بغیر جرم عذاب و سزا دینا ظلم ہے اور رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ بچوں جانوروں دیوانوں پر بھی مصیبتیں آ جاتی ہیں ۔ امام حسین پر کربلا میں جو مصیبت آئی وہ تو بیان نہیں ہو سکتی انہوں نے کیا جرم کیے تھے ۔ دیکھو تو بغیر جرم مصیبت آگئی اور آتی ہے ۔ جواب ہم نے عذاب یعنی سزا کے متعلق یہ قانون عرض کیا دنیا کی تکالیف سزا نہیں ہوتیں ۔ کبھی یہ گناہوں کی معافی کبھی بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہوتی ہیں یہ رحمت ہیں جیسے بیمار کا اپریشن کہ شفاء و صحت کا ذریعہ ہے سزا چیز ہی اور ہے یعنی غیر مجرم کو مجرم قرار دے کر اسے سزا دی جائے یہ ظلم ہے رب تعالیٰ سے یہ ناممکن ہے چھٹا اعتراض تم نے تَكْسِبُوْنَ کے معنی کیے برے عقیدے اور برے اعمال اختیار کرنا اور تم نے کہا ان سب کی سزا کفار کو ملے گی مگر کفار اسلامی اعمال کے مکلف نہیں نہ ان پر نماز و روزہ فرض ہے نہ شراب اور سؤر حرام پھر سزا کیسی ۔ جواب کفار دنیوی احکام میں اسلامی اعمال کے مکلف نہیں اس لیے بڈھا نو مسلم اپنے کفر کے زمانہ کی نمازیں قضا نہیں کرتا مگر اخروی سزا کے لحاظ سے وہ ان کے مکلف ہیں ۔ یعنی انہیں ان اعمال پر بھی سزا ملے گی ۔ چنانچہ جب دوزخی کفار سے پوچھا جاوے گا کہ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ تم کو دوزخ میں کون سا گناہ لایا تو کہیں گے ۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۔ ہم نماز نہ پڑھتے خیرات نہ کرتے تھے ۔ اس لیئے

تم ہو قادر وہ ہے وہاں زور سے بچا نہیں جا سکتا زاری انکساری عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے اس دن حالت بے قراری یہ ہو گی کہ جس پر عذاب کا فیصلہ ہو گا اگر اس کے پاس روئے زمین کے سارے خزانے ہوتے اور وہ سمجھتا کہ میں یہ دے کر عذاب سے بچ جاؤں گا تو وہ بے تامل اور بے دریغ وہ خزانے دے کر اپنے کو عذاب سے بچا لیتا۔ ان کی یہ شیخیاں آج ہیں۔ جب عذاب دیکھیں گے تو دل میں شرمندہ ہوں گے اور ایک دوسرے سے اپنی شرمندگی چھپائیں گے۔ منہ سے کچھ نہ بولیں گے یا اپنی شرمندگی کا اعلان کریں گے یا نہایت اخلاص سے اپنے کفر و گناہوں سے توبہ کریں گے مگر اس وقت یہ کچھ کام نہ آوے گا اور ان کفار کے طبقوں کے درمیان۔ یا کفار و مومنین کے درمیان یا حق مارنے والے ظالموں اور مظلوموں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاوے گا۔ کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اچھا فیصلہ کرانا ہے تو دنیا میں اچھے بن کر رہو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ اگر کوئی جاہل دل لگی یا مذاق کے طور پر بھی کچھ پوچھے تو اس کو تحمل سے جواب دینا چاہیئے کہ یہ بھی ایک قسم کی تبلیغ ہے دیکھو حیی ابن اخطب نے دل لگی مذاق کے طور پر پوچھا تھا کہ کیا آپ کی باتیں سچی ہیں تو حضور انور سے نہایت نفیس جواب دلوایا گیا کہ ہاں رب کی قسم سچی ہیں۔ ایک کافر نے کسی صحابی سے کہا کہ تمہارے نبی پیشاب پاخانہ کی باتیں بھی تمہیں سکھاتے ہیں۔ یہ بطور مذاق اس نے کہا تھا ان صحابی نے جواب دیا کہ ہاں انہوں نے ہم کو حکم دیا ہے کعبہ کو منہ یا پشت کر کے استنجاء نہ کریں۔ اور تین پتھروں سے استنجاء کریں۔ یہ ہے حکیمانہ جواب۔ دوسرا فائدہ تبلیغ کے لیے ہر موقعہ پر دلائل قائم کرنا ضروری نہیں کبھی تاکیدی قسم ارشاد فرمانا بھی مفید ہوتا ہے یہ فائدہ اِیْ وَرَبِّیْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس فرمان میں اِیْ اور وَرَبِّیْ ہے اور اِنَّ اور لَحَقٌّ کے تاکیدی لام سے حاصل ہوا۔
تیسرا فائدہ کوئی شخص اپنے زور طاقت کسی حیلہ جھوٹے بہانہ کسی دوسرے کی قوت کے ذریعہ رب تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ وہاں صرف عاجزی۔ اطاعت۔ زاری کام آتی ہے یہ فائدہ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ۔ سے حاصل ہوا۔ شعر۔

عجز کار انبیاء و اولیاء است عاجزی محبوب درگاہ خدا است

چوتھا فائدہ سوال سے زیادہ جواب دینا جو مفید ہو بہتر ہے کہ اس میں نفع ہوتا ہے یہ فائدہ بھی وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ سے حاصل ہوا۔ کفار نے صرف یہ ہی پوچھا کہ کیا آپ کی باتیں سچی ہیں جواب میں یہ اضافہ فرمایا گیا۔
پانچواں فائدہ مال و دولت سے محبت صرف آرام میں ہوتی ہے مصیبت پڑنے پر یہ محبت نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ لَافْتَدَتْ بِهٖ سے حاصل ہوا۔ دیکھو قیامت میں کفار عذاب الٰہی دیکھتے ہی اپنی دولت اور دنیا سے متنفر ہو جائیں گے ان کا یہ حال ہو گا کہ دفع عذاب کے لیئے ساری دنیا کے خزانے قربان

کر دینے پر تیار ہوں گے۔ ہم نے ایک لکھ پتی کے متعلق سنا کہ وہ سخت بیمار ہوا۔ زندگی سے مایوس ہونے پر ڈاکٹر سے کہا کہ تم میری ساری کوٹھیاں دکانیں بنک کا روپیہ لے لو مجھے کسی صورت سے اچھا کر دو وہ تو آخرت کا عذاب ہے اس کا کیا کہنا۔ یہ ہی حال دنیاداروں کی آپس کی محبتوں کا ہے اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ اس قیامت کے دن دوست دشمن بن جائیں گے۔ سوا پرہیزگاروں کے اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم ہی فرمائے چھٹا فائدہ قیامت میں کفار خصوصاً سرداروں کو ڈبل عذاب ہوگا۔ ایک دوزخ کا عذاب دوسرا شرمندگی اور پشیمانی کا عذاب جسے وہ اپنے ماتحتوں سے چھپائیں گے یہ فائدہ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب اس کے معنیٰ ہوں وہ شرمندگی کو چھپائیں گے ساتواں فائدہ قیامت میں کفر سے توبہ قبول نہیں۔ توبۂ ایمان کی جگہ دینا ہے یہ فائدہ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اَسَرُّوا کے معنیٰ ہوں کہ وہ اخلاص سے اپنے کیئے پر نادم یعنی تائب ہوں گے۔ آٹھواں فائدہ کسی کا حق مارنا بدترین گناہ ہے سؤر کتا بلا کھانے سے بدتر ہے۔ کسی کا مال مار کر کھانے سے کہ اس گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے مگر اس ظلم سے توبہ قبول نہیں۔ وہ تو حق والے کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوگا۔ دیکھو جو سانسی مسلمان ہو جائے تو اس نے زمانۂ کفر میں جو کتنے بلے سؤر کھائے وہ مسلمان ہوتے ہی معاف ہو گئے مگر اس نے جو کسی کا حق مارا ہوگا وہ معاف نہیں ہوگا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا۔ یہ فائدہ كُلُّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ ظلم سے مراد کسی کا حق مارنا ہو۔

پہلا اعتراض اپنے دعوے پر قسم کھانے سے کیا فائدہ کفار جب حضور انور کو سچا جانتے ہی نہ تھے تو قسم کے بعد بھی نہیں مانیں گے تو اِیْ وَرَبِّیْ۔ کیوں ارشاد ہوا۔ ان کو دلائل سے خاموش کرنا چاہیئے تھا۔ جواب حضور انور نے اپنی نبوت پر معجزات کے دلائل تو بے شمار قائم فرما دیئے تھے نہ ماننے والے انکاری ہی رہے مگر بعض کفار وہ بھی تھے جو حضور انور کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ کیا آپ سچے نبی ہیں۔ کیا قیامت وغیرہ برحق ہے اور قسم فرما دیتے پر مان جاتے تھے۔ ان کے لیئے قسم مفید تھی۔ اس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ دوسرا اعتراض حیی ابن اخطب نے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا آپ کی باتیں حق ہیں اس کا جواب اِیْ وَرَبِّیْ کافی تھا۔ بعد میں اور باتیں فرمانا بلاضرورت ہے کہ تم رب کو عاجز نہیں کر سکتے قیامت کی گھبراہٹ کا یہ حال ہوگا وغیرہ۔ جواب یہ ہی تو مقصود تبلیغ ہے کہ اکثر لوگ ڈر کر ایمان قبول کر لیتے ہیں اِیْ وَرَبِّیْ۔ تو اس کی تمہید ہے۔ تیسرا اعتراض اگر اَسَرُّوا النَّدَامَةَ کے معنیٰ یہ ہوں کہ کفار اپنی شرمندگی ندامت چھپائیں گے۔ تو یہ آیت دوسری آیات کے خلاف ہے رب فرماتا ہے يَوْمَئِذٍ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنی ندامت شرمندگی ظاہر کریں گے جواب قیامت کے حالات

یا عذاب موعود ہے جس کی خبر حضور انور نے دی تھی۔ اگرچہ پوچھنے والا ایک شخص حیی ابن اخطب تھا مگر چونکہ وہ اپنی قوم کا سردار یا نمائندہ تھا تو گویا ساری قوم یہود ہی شامل تھی۔ اس لئے یَسْتَنْۢبِـُٔوْنَ جمع ارشاد ہوا یعنی یہ لوگ آپ کے دعویٰ نبوت یا خبرِ قیامت یا خبرِ عذاب کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے۔ یہاں حق بمعنیٰ صدق ہے۔ کذب کا مقابل یا اپنے ہی معنیٰ میں ہے یعنی باطل کا مقابل عقائد پر حق و باطل بولا جاتا ہے۔ اور اعمال اقوال پر صادق و کاذب (تفسیر روح المعانی۔ کبیر وغیرہ) اگرچہ اس نے بطورِ مذاق یہ سوال کیا تھا مگر نہایت متانت سے اس کا جواب دلوایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ۔ عربی زبان میں نعم۔ بَلٰی۔ اَجَلْ اِیْ۔ جَیْرِ سارے حروفِ ایجاب بمعنیٰ ہاں ہیں مگر لفظ اِیْ کے ساتھ قسم ہونا ضروری ہے۔ جیسے اِیْ وَاللّٰهِ۔ اس قاعدے سے یہاں اِیْ وَرَبِّیْ ارشاد ہوا آج کل اہلِ عرب کہتے ہیں اِیْ وَہْ شاید یہ واؤ قسمیہ ہے اور ہ وقف کی یا اللہ کا آخری حرف ہے۔ پہلے معنیٰ زیادہ موزوں ہیں۔ (تفسیر کبیر و صاوی وغیرہ) خیال رہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں۔ بعض قسم وغیرہ تاکیدوں سے بعض تلوار سے یہ جواب دوسری قسم کے لوگوں لحاظ سے ہے احادیث میں وارد ہے کہ بعض لوگ حضور انور کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ کیا خدا کی قسم آپ رسول ہیں۔ حضور انور کے ہاں فرمانے پر مان جاتے تھے۔ (کبیر) اِنَّهٗ لَحَقٌّ۔ میں وہ احتمالات ہیں جو اَحَقٌّ هُوَ کی تفسیر میں عرض ہوئے۔ یعنی میری نبوت کا دعویٰ قیامت سے ڈرانا عذابوں کی خبریں بالکل برحق ہیں انہیں باطل ہونے کا شائبہ بھی نہیں۔ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ یہ فرمانِ عالی یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا معطوف ہے اِنَّهٗ لَحَقٌّ پر اور قسم کا جواب یا معطوف ہے اِیْ وَرَبِّیْ پر اور قُلْ کا مفعول ہے۔ ان صورتوں میں واؤ عاطفہ ہے اَنْتُمْ میں خطاب یا تو مذکورہ سوال کرنے والوں سے ہے یا سارے کفار سے مُعْجِزِیْنَ بنا ہے اِعْجَازٌ سے جس کا مادہ عَجْزٌ ہے۔ عجز کے معنیٰ عاجز ہونا بھی ہیں بچنا بھی۔ اور فوت ہونا بھی (روح المعانی) یعنی تم لوگ موعود عذاب کو فوت نہیں کر سکتے یا تم اس سے بچ نہیں سکتے یا تم رب تعالیٰ کو سزا دینے سے عاجز نہیں کر سکتے وہاں زور کام نہیں آتا۔ زاری عجز و انکساری کام آتی ہے۔ شعر۔

زور را بگزار زاری را بگیر رحم سوئے زاری آید اے فقیر

اس فرمانِ عالی میں رب تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہوا اب انسان کی مجبوری مقہوری کا ذکر ہے۔ کہ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ اس فرمانِ عالی میں نفس سے مراد ذات یا جان ہے ظلم سے مراد یا شرک و کفر ہے یا کسی بندے کا حق مارنا یا کسی پر ناحق زیادتی کرنا یہاں کو بمعنیٰ اِنْ ہے۔ یا اپنے ہی معنیٰ میں ہے مَا سے مراد زمین کی ساری دولتیں ہیں۔ سونا۔ چاندی۔ موتی۔ جواہرات وغیرہ۔ فدیہ بمعنیٰ معاوضہ ہے یعنی قیامت کی گھبراہٹ اور بے بسی کا یہ حال ہوگا کہ اگر ظالم یا کافر آدمی کے پاس زمین کے سارے خزانے ہوتے اور اس سے کہا جاتا کہ تو یہ سب مال دے کر اپنی جان عذاب سے بچالے تو وہ اس میں ذرا بھی تامل اور تردد نہ کرتا فوراً سب کچھ

دے کر اپنے کو عذاب سے بچالیتا۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اس فرمان میں اَسَرُّوا جمع ارشاد ہوا اور بِکُلِّ نَفْسٍ میں واحد لایا گیا کہ ہر ایک کا انفرادی حال بیان ہوا۔ اور یہاں اجتماعی حال کا ذکر ہے۔ اَسَرُّوا بنا ہے اسرار سے اسرار کے تین معنی ہوتے ہیں ۱ چھپانا۔ یعنی اعلان کا مقابل رب فرماتا ہے سِرًّا وَّعَلَانِيَةً اگر اس کے بعد کسی کا ذکر ہو تو معنی ہوتے ہیں اس پر ظاہر کرنا۔ دوسرے سے چھپانا۔ رب فرماتا ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ اور فرماتا ہے وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۲ ظاہر کرنا کہا جاتا ہے اَسْرَرْتُ الشَّيْءَ میں نے اس چیز کو ظاہر کردیا۔ امراء القیس کہتا ہے عرب کا مشہور شاعر لَوْ يُسِرُّوْنَ مَقْتَلِيْ گویا یہ لفظ اضداد سے ہے ظاہر کرنا اور چھپانا دونوں ہیں ۳ اخلاص۔ یہاں تینوں معنی درست ہیں یعنی جب کفار عذاب دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے اپنی شرمندگی چھپائیں گے۔ دل میں شرمندہ ہوں گے زبان خاموش یا عذاب دیکھ کر مبہوت و حیران ہو جائیں گے کسی سے کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ جیسے قتل کا ملزم تلوار دیکھ کر چپ رہ جاتا ہے یا اس وقت علانیہ اقرار کریں گے کہ ہم غلطی پر تھے۔ چنانچہ کہیں گے يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا یا کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا۔ یا اب پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کریں گے کہ ندامت توبہ کی اصل ہے (تفسیر روح المعانی۔ کبیر) رب فرماتا ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ یہ ہے اخلاص سے توبہ کرنا (تفسیر صاوی) بہرحال اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ شعر۔

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ ان سے ۔۔۔ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

خیال رہے کہ یہ واقعات قیامت میں ہوں گے جو ابھی بہت دور ہے مگر ماضی ارشاد ہوا کیونکہ وہ ماضی کی طرح یقینی ہے۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے۔ قُضِيَ سے مراد وہ فیصلہ بیانی ہے جو قیامت میں ہوگا۔ بینہم سے مراد یا تو کافروں کے گروہ ہیں، ہر کافر کو بقدرِ کفر اور بقدر گناہ سزا دی جائے گی۔ ابوجہل ابولہب اور درجے میں ہوں گے ہلکے کافر دوسرے درجہ میں یا کفار و مومنین کے درمیان انصاف کا فیصلہ ہوگا۔ کہ مومنین اوّل سے ہی یا آخرکار جنت میں بھیجے جائیں گے اور کفار ہمیشہ کے لیئے دوزخ میں۔ یا ظالم و مظلوم کا فیصلہ انصاف سے کیا جاوے گا۔ کہ یا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں گی یا ظالم کو عذاب سخت اور مظلوم کا عذاب ہلکا یا اس کا درجہ جنت میں زیادہ کردیا جاوے گا۔ غرضکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کا دعویٰ نبوت یا خبر قیامت یا وعدۂ عذاب حق ہے۔ آپ انہیں جواب دو کہ ہاں رب کی قسم یہ سب کچھ برحق ہے۔ تم ایمان لاکر اپنے کو عذاب سے بچالو۔ ورنہ خیال رکھو کہ تم رب کو عذاب دینے سے عاجز نہ کرسکو گے۔ عاجز

دوزخ میں ڈالے گئے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کریمہ میں کفار کے دن ورات دکھائے گئے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا۔ شعر۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے   خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ان سے فرمایا گیا کہ تم پر عذاب اور ندامت دونوں آجانے کا خطرہ ہے تم کس ہمت پر عذاب میں جلدی کرتے ہو۔ چونکہ ان کے دن اور رات دونوں وقت غفلتوں میں گزرتے ہیں اس لیئے ان پر دونوں جہان میں عذاب ہو گا۔ نیز ان کے جسم بدعمل ہیں اور دل بد عقیدہ اس لیئے دونوں عالم ان کے تباہ ہیں۔ ایمان وہ بھی لائیں گے مگر وقت کھو کر مومن وقت پر ایمان لاتے ہیں۔ شعر۔

آنچہ دانا کند کند ناداں   لیک بعد از خرابیِ بسیار

صوفیاء کے نزدیک عذاب الخلد میں دونوں عذاب داخل ہیں عذاب دوزخ اور عذاب قبر۔ شعر۔

نہ پنداری کہ بدگو رفت وجان برد   حسابش باکراماً کاتبین است!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ابتداءِ عذاب بندے کی طرف سے ہے اس کا نتیجہ رب کی طرف سے جیسے کوئی زہر کھائے اور مر جائے زہر کھانا بندہ کا کام ہے اس پر موت دینا رب کا کام ہے۔

چہ از غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب   ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتنم! (روح البیان)

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔۚ

اور سوال کرتے ہیں وہ آپ سے کیا حق ہے وہ فرما دو ہاں قسم میرے رب کی تحقیق وہ

اور تم سے پوچھتے ہیں کیا وہ حق ہے تم فرماؤ ہاں وہ میرے رب کی قسم بیشک وہ ضرور

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۟ؑ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ

بالکل حق ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے اور اگر تحقیق ہر اس جان کے لیئے جس نے ظلم

حق ہے اور تم کچھ تھکا نہ سکو گے اور اگر ہر ظالم جان زمین میں جو

مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا

کیا وہ ہوتا جو زمین میں ہے یقیناً فدیہ دے دیتا وہ اس کا اور چھپائیں گے وہ شرمندگی

کچھ ہے سب کی مالک ہوتی ضرور اپنی جان چھڑانے میں دیتی اور دل میں چپکے چپکے

الْعَذَابَ ج وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾

جب وہ دیکھیں گے عذاب کو اور فیصلہ کیا جاوے گا درمیان ان کے ساتھ انصاف کے اور وہ ظلم نہیں کیے جاویں گے

پشیمان ہوئے جب عذاب دیکھا اور ان میں انصاف سے فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر ظلم نہ ہو گا

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے ایک قسم کے مذاق و دل لگی کا ذکر ہوا۔ جو وہ قیامت یا عذاب الٰہی کے متعلق کیا کرتے تھے۔ یعنی اس میں جلدی کرنا۔ اب ان کے دوسرے قسم کے مذاق کا ذکر ہے یعنی پوچھتے پھرنا کہ کیا واقعی وہ عذاب حق ہے۔ کیا وہ آئے گا گویا ایک قسم کے انکار کے بعد دوسرے قسم کے انکار کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق ابھی پچھلی آیت کریمہ میں آنے والے عذاب کی ایک قسم کی سختی کا ذکر ہوا۔ کہ اس وقت وہ ایمان لائیں گے مگر قبول نہ ہوگا۔ اب اس عذاب کی دوسری سختی کا تذکرہ ہے کہ وہ ساری زمین کا مال فدیہ دینے پر راضی ہوں گے مگر بے سود تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے جسمانی عذاب کا ذکر ہوا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ۔ اب ان کے روحانی اور دلی عذاب کا تذکرہ ہے کہ وہ عذاب پر سخت شرمندہ اور نادم ہوں گے۔

ہر اپنے کوتکوں سے آتی ہے جو مصیبت ہوتی ہے ساتھ اس کے شرمندگی غضب کی

شانِ نزول ایک بار حیی ابن اخطب یہود کا سردار خیبر سے مکہ معظمہ آیا اسے حضور انور کی جلوہ گری اور آپ کے دعوئ نبوت اور آخرت کے عذاب کی خبریں دینے کا پتہ لگا۔ تو وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بولا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہ بطورِ دل لگی یا مذاق کہہ رہے ہیں یا یہ باتیں واقعی حق ہیں اس کے جواب میں یہ آیۃ نازل ہوئی۔ (تفسیر بیضاوی) اس حیی ابن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ بنت حیی غزوۂ خیبر میں گرفتار ہو کر آئیں۔ حضور انور نے انہیں آزاد فرما دیا اور ان سے نکاح کیا وہ ام المومنین ہیں۔

تفسیر وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لیئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے يَسْتَنْبِئُوْنَ بنا ہے نَبَاٌ سے بمعنی خبر رب فرماتا ہے عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ اگر یہ باب افعال یا تفعیل سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں خبر دینا۔ رب فرماتا ہے وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ اگر باب استفعال سے ہو تو معنی ہوتے ہیں خبر معلوم کرنا۔ یعنی پوچھنا یہاں اسی معنی میں ہے یہ لفظ دو مفعول چاہتا ہے دوسرے مفعول کے اول میں عن آتا ہے یہاں پہلا مفعول تو کاف خطاب ہے دوسرا مفعول مع من کے پوشیدہ ہے۔ جو اَحَقٌّ هُوَ سے معلوم ہو رہا ہے یعنی عَنْ دَعْوٰى نُبُوَّتِكَ يَا عَمَّا وَعَدْتَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ وَالسَّاعَةِ يَاعَنْ هٰذَا السُّؤَالِ اَنَّهٗ۔ میں هُوَ کا مرجع حضور انور کا دعوئ نبوت یا قیامت

مختلف ہوں گے ایک وقت اور ایک حالت میں وہ ندامت چھپائیں گے۔ دوسرے وقت دوسرے حال میں ظاہر کریں گے۔ دیکھو ایک وقت تو کفار اپنے کفر کا انکار کریں گے۔ دوسرے وقت اقرار۔
چوتھا اعتراض چند روزہ جرم پر دائمی سزا دینا ظلم ہے۔ کفار نے کفر دس بیس یا سو پچاس سال کیا مگر انہیں اس کی سزا میں ابدالاباد تک دوزخ میں رکھا گیا یہ انصاف کے خلاف ہے (آریہ) جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آج چوری کرتا ہے ایک آدھ گھنٹے میں مگر اس کی سزا سات سال جیل کیا یہ ظلم ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ مجرم کو سزا قانون شکنی کی ہوتی ہے۔ قانون بڑی اہم چیز ہے کفر و شرک کی سزا دائمی دوزخ یہ قانون کے مطابق ہے جس کا اعلان دنیا میں کر دیا گیا ہے خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا اگر کسی کو یہ سزا منظور نہیں تو مومن بن جائے بچ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ غافل لوگوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ اخروی خبروں میں شک و تردد میں ہیں۔ ان کی آنکھوں اور دلوں میں تعلق دنیا۔ محبت دنیا اور الفت اہل دنیا نے ایسی بیماری پیدا کر دی ہیں جس سے وہ دنیا سے آگے بڑھتے ہی نہیں مگر عاقل مومن بیدار ہیں وہ دل کی آنکھوں سے آخرت کی چیزوں کو ایسے محسوس کرتے ہیں جیسے دماغ کی آنکھوں سے دنیا کو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

سرمہ کن در چشم خاکِ اولیاء تا بہ بینی زابتدا تا انتہا!

بعض اللہ کے بندے آخرت کو دماغ کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نبی نے معراج میں سارا عالم غیب کو ان آنکھوں سے دیکھا عام مومنوں کے لیئے آخرت علم الیقین ہے خاص کے لیے عین الیقین اخص کے لیے حق الیقین ان کے متعلق فرمایا اِنَّهٗ لَحَقٌّ لطف یہ ہے کہ حضور انور نے قسمیں کھا کھا کر سارے ایمانیات کی حقانیت بیان کی اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اور رب تعالیٰ نے قرآن کی قسم فرما کر حضور کی نبوت ثابت فرمائی۔ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۔ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ یہ ہے شان محبوب رب تعالیٰ کے عذاب سے کفار نہ بچیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس دوزخ بجھانے والا پانی نہیں۔ مومنین دوزخ کو عذاب دینے سے عاجز کر دیں گے کہ ان کے پاس ایمان کا نور اور خوف خدا عشق رسول میں بہنے والے آنسو ہیں۔ جن سے دوزخ پناہ مانگے گی۔ کفار اپنے عذاب کا فدیہ نہ دے سکیں گے مگر مومنوں کے لیئے رب تعالیٰ کفار کو فدیہ بنا دے گا کہ کافر دوزخ میں اپنی جگہ سنبھال لے گا اور مومن کی جگہ بھی جیسے مومن جنت میں اپنی جگہ بھی لے گا اور کافر کی جگہ بھی۔ کفار اپنی شرمندگی چھپائیں گے مومن کے چہرے پر اس کے نیک اعمال کا نور ہو گا۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ مومن کا حسن کافر کی بد شکلی قیامت میں معلوم بلکہ سب کو محسوس ہو گی۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ
خبردار تحقیق صرف اللہ کی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خبردار تحقیق وعدے
سن لو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سن لو بیشک
اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ
اللہ کے حق ہیں اور لیکن بہت ان میں سے نہیں جانتے وہ زندہ کرتا
اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر ان میں اکثر کو خبر نہیں وہ جلاتا
وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾
ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تم سب
اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھرو گے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر قیامت میں کفار دنیا بھر کے خزانوں کے مالک ہوتے تو عذاب کا فدیہ دے دیتے۔ اب ارشاد ہے کہ وہ ایک ذرہ ایک قطرہ کے مالک نہ ہوں گے کیونکہ ہر چیز اللہ کی ملک ہے وہ جسے مالک کرے وہ مالک ہو۔ اس نے ان کفار کو دنیا میں عارضی مالک کیا تھا آخرت میں مالک نہ کرے گا۔ گویا پچھلی آیۃ میں دعویٰ تھا اس آیۃ میں اس دعوے کی دلیل ہے۔ (تفسیر صاوی۔ تفسیر کبیر) دوسرا تعلق پچھلی آیۃ کریمہ میں کفار کا ایک سوال مذکور ہوا کہ کیا یہ مذکورہ چیزیں حق ہیں اور حضور انور کا جواب ذکر کیا گیا کہ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اب اس جواب کی تائید فرمائی جارہی ہے کہ محبوب کے وعدے اللہ کے وعدے ہیں اور اللہ کے وعدے خلاف نہیں ہو سکتے گویا یہ آیۃ کریمہ پچھلی آیت کی تائید ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں کفار کی جلد بازی کا ذکر ہوا کہ وہ عذاب جلد مانگتے ہیں مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ اب ان کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ اس جلد بازی میں بڑے بے وقوف ہیں۔ اللہ کے وعدوں کا وقت مقرر ہے۔ وقت پر عذاب بھی آجائے گا۔ دنیا میں جو بچہ آج اپنا بڑھاپا مانگے وہ دیوانہ ہے بڑھاپا آئے گا مگر اپنے وقت پر۔

تفسیر اَلَآ اِنَّ جس مضمون کے منکر موجود ہوں یا ہونے والے ہوں اسے اَلَآ اِنَّ قَدْ لَقَدْ کی تحقیقات سے شروع کیا جاتا ہے دنیا میں غافل لوگ عملی طور سے اپنے کو گویا مال و متاع کا حقیقی مالک مان چکے تھے ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ یہ چیز میری وہ تیری کبھی غور نہ کرتے تھے کہ ملکیت ختم ہونے والی ہے بعض کفار کے

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ
اور شفا اس چیز کی جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت
اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ
واسطے ایمان والوں کے فرما دو کہ اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت سے پس اس سے
ایمان والوں کے لیئے تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اسی پر چاہیئے
فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾
چاہیئے کہ خوش ہوں تم وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں
کہ خوشی کریں وہ ان کی سب دھن دولت سے بہتر ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر ہوا اب اس کی رحمتوں نعمتوں کا ذکر ہے گویا خوف کے بعد امید کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ڈر کر مانتے ہیں اور بعض لوگ لالچ سے چونکہ خوف سے ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں اس لیئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کی گئی تھی بذریعہ قرآن مجید کہ وہ حضور انور کا دائمی معجزہ ہے وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (الخ)۔ اب حضور انور کی نبوت اسی قرآن کے ذریعہ ثابت کی جا رہی ہے۔ اس لیئے کہ اس کی تعلیم بہت اعلیٰ ہے وہ شریعت طریقت حقیقت کا جامع ہے (تفسیر کبیر) تیسرا تعلق پچھلی آیات میں قرآن مجید کی حقانیت کا دعویٰ کیا گیا۔ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اب اس کی حقانیت کے دلائل دیئے جا رہے ہیں کہ یہ ایسی جامع کتاب ہے جس کی مثل کوئی کتاب نہیں نہ دنیا کی کتابوں میں نہ آسمانی کتابوں میں۔

تفسیر یَا اَیُّهَا النَّاسُ پکارنا کبھی ہوتا ہے اظہار کرم کے لیئے کبھی اظہار غضب کے لیئے کبھی غافل کو بیدار کرنے کے لیئے کبھی مضمون کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیئے یہاں آخری دو مقصدوں کے لیئے ہے۔ اَلنَّاسُ سے مراد حضور انور کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے سارے انسان ہیں خواہ کسی زمانہ اور کسی زمین میں ہوں۔ کیونکہ قرآن مجید سب ہی کے لیئے نصیحت وغیرہ ہے۔ جیسے سورج کی روشنی سارے جہان کے لیئے ہے۔ پہلی آسمانی کتابیں چراغ تھیں خاص قوموں کے لیئے قرآن سورج ہے سب کے لیئے

اگرچہ قرآن مجید جنات کے لیے بھی نصیحت ہدایت ہے بلکہ اس کے بعض احکام فرشتوں پر بھی جاری ہیں جیسے نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جانا ۔ راستہ وغیرہ میں ان کے آگے نہ چلنا مگر چونکہ انسان اشرف خلق ہے نیز انسان ہی نزولِ قرآن سے مقصود ہے دوسری مخلوق تابع اس لیئے الناس سے خصوصیت کے ساتھ خطاب کیا گیا ۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ یہ فرمان عالی مقصود خطاب ہے ۔ جس قرآن مجید کی آمد کی خبر دی گئی ہے اس فرمان عالی میں دو باتیں ملحوظ رہیں ایک یہ کہ قرآن مجید ہر جگہ بلکہ ہر گھر بلکہ ہر دل میں پہنچا خواہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے ۔ جیسے سورج کی روشنی ہر جگہ پہنچی اگرچہ چمگادڑ کی آنکھ اس سے فائدہ نہ اٹھائے ۔ دوسرے یہ کہ قرآن ہر جگہ اپنے آپ یا محکمہ ڈاک وغیرہ سے نہیں پہنچا بلکہ حضرت جبریل کے ذریعہ حضور انور تک اور حضور انور کے ذریعہ صحابہ کرام تک اور صحابہ کرام کے ذریعہ کتابی شکل میں جمع ہو کر سارے لوگوں تک لہٰذا حضور انور اور اُن کے صحابہ کرام کا سارے لوگوں پر احسانِ عظیم ہے ۔ نیز قرآن مجید میں حضرات صحابہ نے کمی بیشی نہیں کی جیسا اور جس شان کا حضور انور سے لیا ۔ ویسا ہی سب کو دیا ورنہ قَدْ جَآءَتْكُمْ درست نہ ہوتا ۔ پھر قرآنِ مجید کے الفاظ سب کے کانوں تک اس کے مضامین مومنوں کے دماغوں تک اس کے اسرار ان کے دلوں تک بذریعہ علما و اولیا پہنچے غرضکہ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے ۔ رب تعالٰے نے یہاں قرآن مجید کی چار صفات بیان فرمائیں ۔ اوّل یہ کہ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عربی میں مَوْعِظَةٌ وَعْظٌ و عِظَةٌ تینوں لفظ ایک ہی معنٰی میں ہیں ۔ یعنی نصیحت ۔ خواہ پچھلی باتیں یاد دلاکر ہو یا آئندہ کے عذاب و ثواب بتاکر ۔ خواہ ڈرا دھمکا کر ہو یا امید و لالچ دلاکر یا اچھی باتوں کی رغبت اور بُری باتوں سے نفرت دلاکر قرآن مجید میں یہ ساری باتیں موجود ہیں ۔ (از روح البیان و معانی) خیال رہے کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتدا اور رب کی طرف سے ہے اور انتہا حضور پر اس لیئے یہاں مِنْ ارشاد ہوا اور بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ میں اِلٰی پھر قرآن پاک کی تبلیغ کی ابتدا حضور انور سے ہے اور انتہا ہم لوگوں پر یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ یہاں رَّبِّكُمْ فرمانا بہت مناسب ہے کیونکہ قرآنِ مجید رب کی طرف سے بندوں کی روحانی پرورش کا ذریعہ ہے جیسے بارش جسمانی پرورش کا ذریعہ ۔ قرآنِ مجید کی دوسری صفت شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۔ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے موعظۃ پر ۔ شفاء بمعنی دوا یا علاج یا صحت یعنی مرض کا مقابل لِمَا میں لام صلہ کا ہے ۔ مَا سے مراد ساری دلی بیماریاں ہیں جیسے جہالت ۔ شک ۔ شرک ۔ نفاق اور بُرے عقیدے بُرے اخلاق حسد ۔ کینہ ۔ ہوس ۔ دنیا کی حرص ۔ عداوت وغیرہ ۔ صدور جمع ہے صدر کی بمعنی سینہ مَا فِی الصُّدُوْرِ سے مراد وہ دل ہے جو سینہ کے غلاف میں ہے ۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ جہاں قرآن مجید میں قلب کا ذکر ہے ۔ وہاں علم و عقل کی طرف اشارہ ہے جیسے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ۔ (امام راغب) اور جہاں قرآنِ مجید میں صدر یعنی سینہ کا ذکر ہے تو وہاں ساری قوتوں کی طرف اشارہ ہے جیسے شہوت ۔ غضب ۔ ہوس وغیرہ لہٰذا شفاء لما فی

وعدوں میں جھوٹ کا امکان نہیں۔ اس کا جھوٹ ناممکن بالذات ہے کہ جھوٹ عیب ہے اور رب تعالیٰ عیوب سے پاک ہے یہ فائدہ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ وَعْدَ اللّٰہِ سے مراد ہو اللہ کے کئے ہوئے وعدے اور حق کے معنی ہوں ثابت ولازم پانچواں فائدہ جو اللہ کے وعدوں کی خبروں میں جھوٹ کا امکان مانتے وہ بحکم قرآن بے علم جاہل ہے اگرچہ اپنے کو بڑا عالم ہی کہتا ہو۔ یہ فائدہ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ سے حاصل ہوا چھٹا فائدہ زندگی وموت کا پیدا فرمانے والا اور مخلوق کو زندہ ومردہ رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے یہ فائدہ هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ سے حاصل ہوا ہاں زندگی اور موت کے اسباب بندوں کی طرف سے بھی ہو سکتے ہیں۔ ان پر ثواب وعذاب ہے۔ ایک فاسقہ عورت نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلا یا تو وہ بخشی گئی اور قاتل کو سزائے موت دی جاتی ہے کیونکہ وہ فاسقہ عورت کتے کی زندگی کا سبب بنی اور قاتل موت کا سبب ہے۔ ساتواں فائدہ ہر مومن وکافر شقی وفاجر کو رب کے سامنے پیش ہوتا ہے اگرچہ پیشی کی نوعیت میں بڑے فرق ہیں۔ یہ فائدہ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر شخص کو اس پیشی کی تیاری چاہیئے۔

پہلا اعتراض یہاں ارشاد ہوا لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ دوسری جگہ ارشاد ہے خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا یہاں لِلّٰهِ میں بھی لام ہے اور لَكُمْ میں بھی۔ بتاؤ چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں یا ہماری ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں اس آیۃ میں لِلّٰهِ کا لام ملکیت کا ہے اور خَلَقَ لَكُمْ میں لَكُمْ کا لام فائدہ اور نفع کا ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کی مخلوق اس کی مملوک ہے مگر اس کے نفع کے لئے نہیں وہ تو نفع اٹھانے سے پاک ہے تمہارے نفع کے لئے ہے۔ **دوسرا اعتراض** اللہ کو مقدم فرمایا گیا مَا فِي السَّمٰوٰتِ پر جس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز صرف اللہ کی ملکیت ہے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور انور سارے جہان کے مالک ہیں یہ عقیدہ مشرکانہ ہے اس سے تم نے حضور انور کو خدا کا شریک مان لیا۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ عام لوگ اپنے گھر کے مالک زمیندار اپنی زمین کا مالک۔ لین لارڈ مربوں کا مالک نواب ریاست کا بادشاہ ملک وسلطنت کا مالک ہے کیا یہ عقیدہ بھی مشرکانہ ہے جواب تحقیقی یہ ہے شعر۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب ومحب میں نہیں میرا تیرا

نبی کریم کو مالک کو نین مان کر ہم شریک نہیں مانتے محبوب مانتے ہیں شریک ماننا نقصان ہے کیونکہ شریک آدھے کا مالک ہوتا ہے۔ حبیب سارے کا مالک۔ شریک کی شرکت ٹوٹ سکتی ہے حبیب کی الفت نہیں ٹوٹ سکتی شریک کوئی کام بغیر مشورہ شریک نہیں کر سکتا اکیلے کام کرتے اس کا دل دھڑکتا ہے حبیب

اپنے محبوب کے مال میں بے دھڑک تصرف کرتا ہے حضور انور میں محبوبیت کی تمام ہی نشانیں موجود ہیں۔ دیکھو احادیث عثمان غنی کے ہاتھ حوض کوثر فروخت کر دیا۔ نماز کسوف میں جنت کا خوشہ توڑنے کے لئے پکڑ لیا۔ پھر خود ہی چھوڑ دیا۔ حضرت ربیعہ کو جنت بخش دی وغیرہ۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں ارشاد ہوا کہ ان میں کے اکثر لوگ نہیں جانتے اکثر کیوں فرمایا تمام لوگ کیوں نہ فرمایا۔ جواب اگر اَكْثَرَهُمْ کی ضمیر مطلقاً انسانوں کی طرف ہے تب تو ظاہر ہے کیونکہ مومنین تو یہ جانتے مانتے ہیں کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور اگر ھم کا مرجع کفار ہیں تو وجہ یہ ہے کہ بعض کفار بھی مانتے تھے کہ ہر چیز اللہ کی ہے اور اس کے وعدے سچے ہیں مگر یہ تھوڑے تھے۔ اکثر مشرکین معبودوں کو خدا کی طرح بہت چیزوں کا مستقل مالک جانتے تھے۔ لہٰذا اَكْثَرُهُمْ فرمانا بالکل درست ہے۔ نیز وہ کہتے تھے کہ اللہ کے وعدے ہمارے بتوں کی مدد سے پورے ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ نبوت کے آسمانوں کی فیض رساں چیزیں۔ نفس امارہ زمین کی تمام فیض لینے والی چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملک میں ہیں۔ وہ جب چاہے جسے چاہے یہ فیض عطا فرمائے۔ ابوجہل جیسے سردار کو حضور کے فیض سے محروم کر دے اور حضرت بلال جیسے مسکین کو مالا مال فرما دے ہر چیز ممکن بالذات ہے جو مالک حقیقی کی محتاج ہے وہ جیسے چاہے تصرف فرمائے۔ جیسے رب تعالیٰ کی ذات اس کے صفات واجب بالذات ہیں ایسے ہی اس کے وعدے کا پورا ہونا لازم اور ضروری بالذات ہے۔ کیونکہ وعدہ خلافی یا مجبوری سے ہوتی ہے یا بے خبری سے یا شرارت نفس سے۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں عیبوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بعض دلوں کو ایمان کے ذریعہ زندہ کرتا زندہ رکھتا ہے۔ بعض کو ایمان سے محروم کر کے مردہ کرتا مردہ رکھتا ہے۔ مردہ کرنا مردہ رکھنا بھی اللہ پر آسان ہے اور مردے کو زندہ فرما دینا بھی آسان ہے۔ بڑے سے بڑے کافر اس کی نظر کرم سے مومن بن جاتے ہیں۔ رب کی طرف کوئی مجبور کوئی ٹوٹی ٹوٹی لوٹتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ یار خنداں رود بجانب یار۔ رب تعالیٰ رجوع اختیار کرنے عطا فرماوے۔ آمین

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اے لوگوں بیشک آئی تمہارے نصیحت طرف سے تمہارے رب کے
اے لوگوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی

مستقل مالک چند مانتے تھے اور مانتے ہیں کہ زمین ہمارے فلاں معبود کی اور آسمان فلاں کا بیماریاں فلاں بت کی ملک ہیں ۔ تندرستی و دولت مندی فلاں کی نیز یہ مضمون بہت اہم اس کی اہمیت دکھانا مقصود ہے اس لیے اس آیۃ کو اَلَا اور اِنَّ کی تحقیقات سے شروع فرمایا ۔ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس فرمان عالی میں لِلّٰہِ کا لام حقیقی ملکیت کا ہے نفع کا نہیں ۔ اور وہاں خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ میں لام نفع کا ہے یعنی ساری چیزیں اللہ کی ہیں ۔ مگر ہمارے نفع کے لیئے ہیں ۔ رب تعالیٰ نفع لینے سے پاک ہے لِلّٰہِ کو مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے مقدم فرمانے سے حصر حقیقی کا فائدہ حاصل ہوا ۔ یعنی اللہ ہی کی ہیں جو کسی ذرہ یا قطرہ کا مالکِ حقیقی خدا کے سوائے کسی کو مانے وہ مشرک ہے ۔ اگرچہ بعض بندے چیزوں کے مالک کئے گئے ہیں مگر وہ بندے خود اللہ کی ملک ہیں ۔ اور اپنے مملوک بندے کی مملوکہ چیزیں مولیٰ کی ہوتی ہیں ۔ پھر بھی وہ اللہ کی ہی ہوئیں ۔ چونکہ دنیا میں عاقل مخلوق تھوڑی ہے اور غیر عاقل زیادہ اس وجہ سے بطورِ غلبہ مَا ارشاد ہوا جو نا سمجھ کے لیئے آتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نا سمجھ چیزیں تو اللہ کی ہیں اور سمجھ دار عاقل لوگ کسی کے چونکہ ہمارا علم صرف جسمانیات تک ہے عالم الٰہ عالمِ امر وغیرہ ہمارے علم سے وارا ہیں ۔ اس لیئے یہاں آسمانوں اور زمین کا ذکر ہوا ۔ چونکہ آسمانوں کی حقیقتیں جداگانہ ہیں مگر ساتوں زمینوں کی حقیقت ایک جیسی ہے ۔ اس لیئے قرآن مجید میں آسمانوں کو جمع اور زمینوں کو واحد فرمایا جاتا ہے ۔ اَلَا اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے چونکہ عموماً غافل لوگ اللہ کے وعدوں پر مطمئن نہیں ہوا کرتے ۔ رزق کا رب نے وعدہ فرمایا ہے مگر وہ رزق کی فکر میں آخرت کو بھول جاتے ہیں ۔ موت یقیناً آتی ہے مگر اس سے بچنے کی کوشش میں رب سے غافل ہو جاتے ہیں اس لیئے اس مضمون کو اَلَا اور اِنَّ سے شروع فرمایا ۔ یہاں وعدہ یا تو بمعنیٰ موعود ہے یعنی وعدہ کی ہوئی چیزیں تو حق کے معنیٰ ہیں ثابت اور یقیناً آنے والی یعنی اللہ کی تمام وعدہ کی ہوئی چیزیں ضرور آنے والی ہیں ٹل نہیں سکتیں اس میں موعودہ عذاب بھی داخل ہیں یا وَعْدَہٗ مصدری معنیٰ میں ہے تو حق مقابل ہے باطل کا یعنی واقع کے مطابق یا واقعہ اس کے مطابق یا وَعْدَ اللّٰہِ سے مراد ہیں حضور انور کے کیئے ہوئے وعدے ۔ خواہ خاص ہے یا عام مسلمانوں سے خاص ہوں یا عام وعدے ہوں ۔ یا خاص یا عام کفار سے خاص یا عام وعیدیں یوں ہی مسلمانوں کی فتوحات کفار کی شکست کی خبریں وغیرہ تو حق کے معنیٰ ہیں یقیناً آنے والی جن کا ٹلنا ناممکن ہے ۔ (روح المعانی) وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ اس فرمانِ عالی میں اکثرھم سے مراد یا تو اکثر کفار ہیں یا اکثر لوگ علم سے مراد یا یقین ہے یا مطلقاً علم یعنی اکثر لوگ یہ جانتے نہیں اور پریشان رہتے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر اعتماد نہیں کرتے ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حضور کے وعدے رب کے وعدے ہیں ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے ھُوَ یُحْیٖ میں بلاغت کے قاعدے سے حصر کا فائدہ ہے یعنی صرف رب تعالیٰ ہی زندگی اور

موت دیتا ہے اس فرمان کی چند تفسیریں ہو سکتی ہیں ۱ وہ رب ہی دنیا میں زندگی اور موت دیتا ہے ۲ وہ ہی تاقیامت زندگی و موت دے گا ۳ وہ ہی زندگی دیتا ہے۔ اور موت دے گا ۴ وہ ہی زندہ رکھتا ہے اور موت دے گا۔ غرضکہ زندگی و موت اس کے قبضہ میں ہے وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ تم سب رب تعالےٰ کی طرف لوٹو گے خواہ بخوشی یا مجبوراً۔ مومن خوشی سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور کافر مجبوراً۔ مومن ایسے جاتا ہے جیسے دوست سے ملنے جاتا ہے کافر جیسے پھانسی کا ملزم حاکم کے سامنے پھانسی کی سزا سننے جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

خلاصہ تفسیر خبردار رہو۔ اس میں شک و شبہ نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق اس کی مملوک اس کی مقبوض ہیں جس طرح چاہے ان میں احکام جاری فرمائے یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے مجرموں کافروں پر عذاب کے مومنوں کے لیے رحمت کے قیامت کے آنے سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری بشارتیں ڈرانے والی خبریں بالکل برحق ہیں۔ سب پوری ہو کر رہیں گی۔ یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے لیکن بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے نہیں مانتے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اے لوگو تم ہر طرح رب کے قبضہ میں ہو وہ ہی تم سب کو زندگی دیتا ہے جب تک چاہے زندہ رکھتا ہے جب چاہتا ہے تم کو موت دے دیتا ہے تم سب کا رجوع اسی کی طرف ہے تو بہتر ہے کہ دنیا میں ہی خوشی خوشی اس کے آستانہ پر حاضر رہو اور خوشی خوشی موت کے ذریعہ اس تک پہنچو۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی مخلوق کا مالک حقیقی ہے اس کے سوا کوئی ذرہ کا مالک حقیقی نہیں یہ فائدہ لِلّٰهِ کے لام سے اور اسے مَا فِی السَّمٰوٰتِ (الخ) پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس میں لام ملکیت کا ہے اور طرز بیان حصر کا۔ دوسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے رب کی طرف سے رب کی چیزوں کے مجازی مالک ہیں رب کے حکم سے یہ فائدہ بھی لِلّٰهِ کے لام سے حاصل ہوا۔ کہ رب کی ملکیت کامل ہے اور کامل مالک وہ ہی ہے جو دوسروں کو مالک کر سکے اگر مالک نہیں کر سکتا تو ناقص مالک ہے فرماتا ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ الخ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ تیسرا فائدہ حضور انور کے سارے وعدے رب تعالیٰ کے وعدے ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ یہ فائدہ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ وَعْدَ اللّٰهِ سے مراد حضور انور کے کیے ہوئے وعدے ہوں کہ وہ درحقیقت رب تعالیٰ کے وعدے ہیں چوتھا فائدہ اللہ تعالیٰ کے

الصدور سے مراد ساری قوتیں ہیں قرآن مجید ان سب کی اصلاح کرنے والا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید جیسے دلی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے ایسے ہی جسمانی بیماریوں کا بھی علاج دوسری جگہ ارشاد ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وہاں قرآن کو مطلقاً شفاء فرمایا (از تفسیر روح المعانی) وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اس فرمانِ عالی میں قرآن مجید کی تیسری اور چوتھی صفت کا ذکر ہے۔ اس کی مکمل تفسیر ہم سورۂ بقر کی تفسیر هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے تحت بیان کر چکے کہ قرآن کریم کی ہدایتِ عامہ یعنی دعوتِ ایمان ہر انسان کو ہے۔ ہدایتِ خاصہ مومنوں کو اور ہدایتِ خاص الخاص علماء اولیاء کو یہ ہی حال اس کی رحمت کا ہے مومنین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہیں۔ جنہیں ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ زندگی میں مومن ہو کر جئیں یا کافر ہو کر۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے قُلْ میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن تاقیامت تمام انسانوں یا سارے مسلمانوں سے ہے۔ فضل اور رحمت کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ حق سے زیادہ عطیہ فضل ہے اور بغیر استحقاق عطیہ رحمت فضل اور رحمت کے متعلق چند قول ہیں ۱؎ یہ دونوں قرآن مجید کی صفتیں ہیں کہ قرآن اللہ کا فضل بھی ہے اور رحمت بھی ۲؎ حفظِ قرآن اللہ کا فضل ہے۔ علمِ قرآن رحمت ہے ۳؎ اللہ کا فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رحمتہ قرآن مجید۔ رب فرماتا ہے وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۴؎ اس کے برعکس کہ اللہ کا فضل قرآن مجید ہے اور رحمت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رب فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۵؎ حضور انور کو اور قرآن مجید کے نزول کو دیکھ کر ایمان لانا اللہ کا فضل ہے جیسے صحابہ اور ان پر سن کر ایمان لانا اللہ کی رحمت ۶؎ اسلام اللہ کا فضل ہے قرآن اللہ کی رحمت (کبیر) اس کے متعلق اور بھی چند قول ہیں اس کے بعد فَلْيَفْرَحُوْا پوشیدہ ہے۔ بفضل اللہ کو پوشیدہ فعل پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا اور فَلْيَفْرَحُوْا کی ف سے سببیت معلوم ہوئی (روح المعانی) فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یہ فرمانِ عالی پچھلے فرمان کی تاکید یا بیان ہے۔ اس میں پہلی یا دوسری ف یا دونوں زائدہ ہیں جیسے اس شعر میں

لَا تَجْزَعِيْ اِنْ نَفْسًا اَهْلَكْتُهٗ ۔۔۔ فَاِذَا اَهْلَكْتُ فَعِنْدَ ذٰلِكَ فَاجْزَعِيْ

اس شعر میں فَاِذَا اَهْلَكْتُ اور فَعِنْدَ ذٰلِكَ دونوں جگہ ف آئی یا پہلی ف زائدہ ہے یا دوسری یا دونوں۔ (روح المعانی) چونکہ قرآن مجید بڑی شان والی کتاب ہے اس لئے بذالک اسم اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ بہ یا بھذا نہ فرمایا فرحت سے مراد شکر کی خوشی ہے نہ کہ فخر کی خوشی لہٰذا یہ آیت اس کے خلاف نہیں لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۔ کہ وہاں فخر کی خوشی یعنی شیخی سے منع فرمایا گیا ہے هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ اس فرمانِ عالی میں اس خوشی کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ هُوَ کا مرجع یا فرحت و خوشی ہے یا اللہ کا مذکورہ فضل و رحمت یا يَجْمَعُوْنَ سے مراد دنیا کا مال و دولت وغیرہ ہے یعنی یہ خوشی و فرحت یا یہ قرآن مجید یا یہ فضل و رحمت ساری دنیا کی دولت

سے بہتر ہے کہ دولت فانی ہے اور یہ نعمت یا اس نعمت کی خوشی کا ثواب باقی غیر فانی ہے دنیا کا مال و دولت چند وجہ سے زحمت ہے یہ نعمتیں ہزار ہا وجوہ سے رحمت ہیں۔

خلاصۂ تفسیر اس فرمان عالی میں قرآن کی چھ شانیں بیان ہوئیں۔ خدا کی طرف سے آنا۔ سارے انسانوں کے پاس آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آنا۔ ہمیشہ کے لئے آنا۔ اس کا نصیحت ہونا۔ شفا ہونا۔ ہدایت ہونا۔ رحمت ہونا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے جہان بھر کے لوگو کہیں بھی ہو تمہارے کانوں۔ دماغوں دلوں زبانوں پر تمہارے رب کی طرف سے تحفہ قرآن آیا جو نصیحت ہے یعنی تمہارے ظاہر کو پاک صاف کرنے والا ہے تمہارے دلوں کو شفا ہے کہ اسے گندے عیوب سے نجات دیتا ہے۔ یعنی باطن کو پاک و صاف کرتا ہے مومنوں کی روح کے لئے ہدایت ہے اور ان کے جسم کے لئے رحمت یعنی اس میں شریعت ہے طریقت ہے حقیقت ہے معرفت ہے، شریعت کا تعلق جسم سے ہے طریقت کا دل سے حقیقت کا روح سے معرفت کا اسرار و لطیفہ سے (تفسیر کبیر وغیرہ) اے محبوب لوگوں کو یہ خوشخبری دے کر انہیں یہ بھی حکم دو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ملنے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ عمومی خوشی تو ہر وقت مناؤ خصوصی خوشی اُن تاریخوں میں جن میں یہ نعمت آئی یعنی رمضان خصوصاً شب قدر اور ربیع الاول خصوصاً بارھویں تاریخ میں کہ رمضان میں اللہ کا فضل یعنی قرآن آیا اور ربیع الاول میں رحمۃ للعالمین۔ یعنی محمد مصطفیٰ پیدا ہوئے، یہ فضل و رحمت یا ان کی خوشی منانا تمہارے دنیوی جمع کیئے ہوئے مال و متاع روپیہ مکان جائیداد۔ جانور کھیتی باڑی بلکہ اولاد وغیرہ سب سے بہتر ہے کہ اس خوشی کا نفع شخصی نہیں بلکہ قومی ہے وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے صرف دنیا میں نہیں بلکہ دین و دنیا دونوں میں ہے جسمانی نہیں بلکہ دلی اور روحانی ہے برباد نہیں بلکہ اس پر ثواب ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ قرآن مجید تا قیامت سارے انسانوں کے لئے آیا یہ زمانہ یا جگہ سے محدود نہیں یہ فائدہ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے حضور انور کے متعلق ارشاد ہوا يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا حضور انور کی رسالت، قرآن کی ہدایت سب کے لئے ہے، کیونکہ جہاں تک بادشاہ کی سلطنت وہاں تک اس کے سکہ کا چلن۔ دوسرا فائدہ قرآن مجید دلی بیماریوں کے لئے بھی شفا روحانی امراض کا بھی علاج ہے اور جسمانی بیماریوں کی بھی دوا یہاں ارشاد ہوا شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ، دوسری جگہ ارشاد ہے شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ لہٰذا آیات قرآنیہ سے دم یا تعویذ کرنا بالکل درست ہے اور سنت سے ثابت ہے ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میرے سینے میں درد ہے

فرمایا کہ قرآن مجید پڑھ اور یہی آیت تلاوت فرمائی بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ میرے حلق میں درد ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت کر (روح المعانی)
مسئلہ ہر ظاہری باطنی جسمانی جنانی۔ روحانی بیماریوں سے شفا سے ہونا اس میں سوز وگداز اور دردِ دل ہونا کہ پڑھنے والے اور سننے والے کو تڑپا دے قرآن کریم کی خصوصیات سے ہے دوسری آسمانی کتابوں میں یہ صفات نہ تھیں۔ شفاء کے متعلق تو اس آیت میں اور آیت شفاء ورحمۃ للمومنین میں ذکر ہے سوز وگداز کا ذکر اس آیت میں ہے وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ اور اس آیت میں تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اور اس آیت میں وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا مسئلہ آیات کے تعویذ اور اس سے دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے کہ وہ علاج کرنے کی اجرت ہے ایک صحابی نے سانپ کاٹے ہوئے پر سورۂ فاتحہ دم کر کے تیس بکریاں اجرت لیں۔ جو لشکر صحابہ نے کھائیں۔ مدینہ منورہ واپسی پر حضور انور نے اس کا بقیہ گوشت کھایا تیسرا فائدہ قرآن مجید کی نصیحت اور شفا تو سارے جہان کے لئے ہے مگر اس کی ہدایت اور خصوصی رحمت صرف مومنوں کے لئے ہے یہ فائدہ للمومنین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے موعظت اور شفاء کے لئے کوئی قید نہ لگائی مگر ھُدًی اور رحمت کے لئے لِّلْمُؤْمِنِينَ کی قید لگائی ہدایت اور رحمت سے خاص ہدایت و رحمت مراد ہے اس کے متعلق هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔ چوتھا فائدہ قرآن مجید اللہ کا فضل بھی اور اس کی رحمت بھی یہ فائدہ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ ان دونوں سے قرآن مراد ہوا۔ شعر

زہے کلامِ تو محض ہدایت وحکمت　　زہے پیامِ تو عینِ عنایت ورحمت
کنند گمند کلامِ تو اہل عرفان را　　زشورہ زار خیابست گلشنِ ہمت

مسئلہ اللہ کے فضل و رحمت میں مفسرین کے چند قول ہیں ۱ فضل و رحمت دونوں سے مراد ہے قرآن مجید یہ قول مجاہد کا ہے ۲ ابو شیخ اور ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فضل قرآن ہے اور اللہ کی رحمت اس کی اتباع کی توفیق ہے ۳ اللہ کا فضل قرآن ہے۔ اللہ کی رحمت اسلام ۴ اللہ کا فضل علم ہے اور اس کی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ قول حضرت عبداللہ ابن عباس کا ہے رواہ ابو الشیخ ۵ اللہ کا فضل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ کی رحمت حضرت علی رضی اللہ عنہ (رواہ خطیب و ابن عساکر عن ابن عباس) ۶ اللہ کا فضل جنت ہے اس کی رحمت دوزخ سے نجات (روح المعانی) تفسیر کبیر نے بھی ان میں سے بعض چیزیں بیان فرمائیں ۷ اللہ کا فضل قرآن ہے اس کی رحمت مومن کے دل میں قرآن کی الفت و محبت یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے ۸ اللہ کا فضل قرآنی

احکام ہیں اس کی رحمت حضور انور کی سنتیں (تفسیر خازن) پانچواں فائدہ جسے اللہ تعالیٰ قرآن کا علم دے وہ دنیا میں بڑا غنی ہے اور اسے اللہ کا فضل و رحمت دونوں مل گئے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ تعالیٰ اسلام اور قرآن کا علم دے پھر وہ لوگوں سے فقر و فاقہ کی شکایت کرتا پھرے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر فقیری لکھ دے گا جو قیامت تک نہ مٹے گا۔ (تفسیر مدارک) یہ فائدہ بھی بِفَضْلِ اللهِ بِرَحْمَتِهٖ سے حاصل ہوا۔ فقیر پُر تقصیر احمد یار عرض کرتا ہے کہ میری آزمائش و تجربہ ہے کہ قرآن مجید کی خدمت کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوکری کرنے والا ایسا غنی ہو جاتا ہے جس کا بیان ناممکن ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے اسے روٹی کپڑا۔ روپیہ اور ساتھ ہی غنا۔ استغنا یا قناعت اور دل کا سکون و چین عطا ہوتا ہے یہ تنخواہیں کوئی بادشاہ بھی نہیں دے سکتا۔ شعر۔

کیوں جاؤں میں کہیں کہ غنی تم نے کر دیا	اب ہے یہ در پسند یہ گھر یہ گلی عزیز
ان کے در نے کر دیا سب سے غنی	بے طلب بے مانگے اتنا مل گیا
ان کے در کے ٹکڑے ہیں اور ہیں غریب	مجھ کو روزی کا ٹھکانہ مل گیا

میں سالہا سال سے اس طرح خانہ نشین ہوں کہ ظاہری اسباب میں کوئی آمدنی مستقل نہیں نہ امامت نہ خطابت نہ ملازمت ہے کہیں مجالس میں جانا وغیرہ بند کر دیا ہے رب نے قرآن مجید کی خدمت حضور انور کی نوکری محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمادی ہے تو اتنا خوشحال ہوں کہ زندگی میں اتنا کبھی نہ ہوا تھا۔ ساتھ ہی سکونِ قلب جو عطا ہوا ہے وہ تو بیان سے باہر ہے۔ چھٹا فائدہ ماہ رمضان خصوصًا شبِ قدر یعنی ستائیسویں رمضان کو نزولِ قرآن کی خوشی منانا بہت ہی بڑی عبادت ہے یہ فائدہ فَلْيَفْرَحُوْا سے حاصل ہوا۔ عمومًا مسلمان اس مہینہ اس رات کو مسجدوں کی زینت چراغاں میلاد خوانی۔ تقسیم شیرینی وغیرہ کرتے ہیں ان سب کا یہ ہی آیتہ ماخذ ہے ساتواں فائدہ یوں ہی ماہِ ربیع الاوّل خصوصًا بارھویں تاریخ کو میلاد شریف کی مجلس کرنا جلوس نکالنا اس رات غسل کرنا لباس بدلنا خوشبو ملنا تمام رات نوافل یا ذکر خیر کرنا۔ صبح صادق کے وقت عین پو پھٹتے (لَو لگتے) پر قیام و سلام کرنا تقسیم شیرینی کرنا۔ فقراء و مساکین کو صدقہ دینا بڑا ثواب اور باعث برکت ہے اس کا ماخذ یہ ہی آیت ہے اور یہ فائدہ بھی فَلْيَفْرَحُوْا سے حاصل ہوا۔ حضور انور اللہ کی بڑی نعمت ہیں۔ شعر۔

ربِّ اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود	رب تعالیٰ کی منّت پہ لاکھوں سلام

جب پاکستان ڈے یوم استقلالِ پاکستان ڈے قائدِ اعظم کی پیدائش قائدِ اعظم کی برسی کی یادگار منائی جاتی ہے تو حضور انور جو رسولوں کے قائدِ اعظم اللہ کی نعمت عظمیٰ ہیں ان کی یادگار میں خوشی کیوں نہ منائی جائے

آٹھواں فائدہ رمضان اور ربیع الاوّل میں سوا اُن کے جو حرام ہیں ہر طرح کی خوشی منانا ثواب ہے۔ بعض خوشی میں ناچ گانا، عورتوں کی بے پردگی وغیرہ نہ ہو۔ باقی جو بھی خوشی کا جائز کام کیا جاوے۔ بازار سجانا مسجدوں میں گھروں میں چراغاں کرنا جھنڈیاں لگانا وغیرہ جائز بلکہ ثواب ہے یہ فائدہ بِہٖ فَلْيَفْرَحُوْا کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ رب نے قید نہ لگائی کہ فلاں قسم کی خوشی کرو۔ بلکہ جو جذبہ محبت بتائے حد شرع میں رہ کر کرے وہ خوشی منائے۔ **نواں فائدہ** یہ مذکورہ خوشی دنیا کی تمام نعمتوں اور ان پر خوشیاں منانے سے بہتر اور افضل ہے یہ فائدہ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ خوشی دینی ہے اور دین یقیناً دنیا سے بہتر ہے۔ ابولہب نے حضور انور کی ولادت کی خبر اپنی لونڈی ثویبہ سے پاکر خوشی میں اسے آزاد کر دیا بعد موت حضرت عباس نے اسے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے بولا سخت عذاب میں مبتلا ہوں مگر پیر کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور مجھے سخت پیاس میں کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے کہ اسے چوستا ہوں پانی پاتا ہوں۔ وجہ خود بتائی كُنْتُ اَعْتَقْتُ جَارِيَتِيْ ثُوَيْبَةَ ——— کیونکہ میں نے حضور انور کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا (از بخاری شریف شرح کتاب الرضاع۔ مدارج النبوۃ) ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر

شبِ ولادت میں سب مسلمان نہ کیوں کریں جان و مال قرباں
ابولہب جیسے سخت کافر خوشی میں جب فیض پا رہے ہیں

پہلا اعتراض قرآن مجید تو جن و انس سب ہی کے لئے آیا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ کیوں ارشاد ہوا اور صرف انسانوں سے کیوں کہا گیا کہ تمہارے پاس نصیحت وغیرہ آئی قرآن کی صفت تو ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ انسان اشرف الخلق ہے وہ ہی ہدایت سے مقصود ہے باقی مخلوق اس کے تابع نیز قرآن مجید کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں۔ جنات و فرشتوں پر بعض احکام جاری نیز قرآن لانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ انسانی میں تشریف لائے ان وجوہ سے صرف انسانوں سے خطاب ہے۔ جیسے رب تعالیٰ انسانوں سے فرماتا ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائیں۔ اگرچہ اور مخلوق بھی ان سے فائدہ بلکہ فائدے اٹھاتی ہے
دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید صرف دلی بیماریوں کی شفا ہے نہ کہ جسمانی بیماریوں کی فرمایا لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ لہٰذا اس سے دم تعویذ کرنا جسمانی بیماریوں کے لئے نہیں چاہیئے (وہابی) **جواب** علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ قرآن مجید جیسے دلی بیماری کی شفا ہے ایسے ہی بدنی بیماریوں کی بھی شفا ہے اور انہوں نے اس کے متعلق دو تین حدیثیں پیش فرمائیں جو ابھی ہم نے تفسیر میں بیان کیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام قرآنی آیات سے بیمار پر دم کرتے تھے ایک صحابی نے سورۂ

فاتحہ سانپ کاٹے پر دم کی اسے شفاء ہوئی ان جیسی احادیث سے کتب بھری ہیں۔ نیز دوسری آیتہ میں لِمَا فِی الصُّدُوْر کا لفظ نہیں بلکہ شفاء مطلق ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ نیز ابھی ہم تفسیر میں بحوالہ امام راغب عرض کر چکے ہیں کہ یہاں فِی الصُّدُوْر فرمایا فِی الْقُلُوْب نہ فرمایا فی الصدور سے مراد ساری قوتیں ہوتی ہیں بہر حال قرآن مجید جسمانی جنانی ساری بیماریوں کی شفاء مطلق ہے۔ تیسرا اعتراض اس آیۃ کریمہ میں هُدًى اور رَحْمَةٌ کے لیے مومنین کی قید کیوں لگائی موعظہ اور شفا کی طرح اسے بھی مطلق کیوں نہ رکھا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ہدایت اور رحمت سے مراد آخری ہدایت اور اخروی رحمت ہے یہ صرف مومنوں کو ملتی ہے اور موعظت و شفا سے مراد دعوت ایمان اور شفاء مطلقہ ہے وہ مومن اور کافر سب کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے حضور انور کے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور دوسری جگہ فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اسی طرح قرآن مجید هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ بھی ہے یعنی راہ نما اور هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ بھی ہے یعنی مطلوب تک پہنچانے والا۔ چوتھا اعتراض اس آیۃ کریمہ میں بِفَضْلِ اللّٰهِ (الخ) کو فَلْیَفْرَحُوْا پر مقدم فرمایا جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی اللہ کے فضل اور رحمت ہی پر خوشی مناؤ کیا ہم مال اولاد اور دوسری نعمتوں پر خوشی نہ منائیں۔ جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ خوشی دو طرح کی ہے دنیا کی جس پر ثواب نہ ملے دینی جو بڑی عبادت ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے یہاں حصر دوسری فرحت و خوشی کے لحاظ سے ہے یعنی اس فضل و رحمت پر یہ خاص خوشی مناؤ رب سے ثواب پاؤ۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ رب کی ہر نعمت میں دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ ہم کو مفید ہے دوسرے یہ کہ رب کی عطا ہے جو کوئی کسی نعمت کی خوشی پہلی وجہ سے کرے وہ ہمارے شریک میں شریک ہے جو دوسری وجہ سے کرے وہ مومن موحد ہے۔ اس پر ثواب ہے۔ (تفسیر کبیر) اس لیے مِنْ رَّبِّكُمْ ارشاد ہوا لہٰذا مومن اللہ تعالیٰ کی ہر دینی دنیوی نعمت پر اس لیے خوشی منائے کہ وہ کریم رحیم کا تحفہ ہے ثواب پائے گا۔

تفسیر صوفیانہ اے رب سے کئے ہوئے عہد و پیمان بھول جانے والو۔ انس ہوں یا جن تمہارے پاس وہ کتاب آئی جو نفس کے لیئے نصیحت ہے سینہ کے لیے شفاء ہے روح کے لیے ہدایت ہے مومنوں کے دل و دماغ کے لیئے رحمت یا وہ کتاب۔ عوام کے لیئے نصیحت ہے خواص کے لیئے شفاء اور خاص الخواص کے لیئے ہدایت اور ان سب کے لیئے رحمت کہ ان سب کو اعلیٰ مقام پر پہنچاتی ہے۔ اے محبوب اپنے غلاموں سے فرما دو کہ اللہ کے فضل یعنی اس کے احسان پر جو اس نے تم پر کیا اور اس کی ہدایت پر کہ اس نے تم کو تمہاری پیدائش سے پہلے مومنین صالحین کے زمرہ میں لکھا خوب خوشیاں مناؤ اس طرح کہ اپنی عبادات طاعات پر بھروسہ نہ کرو۔ بلکہ میرے فضل و کرم

پر اعتماد کرو کہ یہ ہی اعتماد تمہاری زندگانی کا سرمایہ ہے۔ مومنوں کا سرمایہ اللہ کا فضل ہے اور اس کا خزانہ رب کی رحمت۔ شعر۔

گر شاہ را خزانہ نہادن بود ہوس — درویش را خزانہ ہمیں لطفِ دوست بس

بادشاہوں کا خزانہ مالِ دنیا ہے ہم فقیروں کا خزانہ یار کا لطف و کرم ہے۔

حکایت مالک ابن دینار ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے جب جہاز منزل مقصود پر پہنچا تو کسٹم والوں نے کہہ کر مسافروں سے کہا اپنے مالوں کی تفتیش کراؤ مالک ابن دینار اتر کر چل دیئے سپاہی نے پوچھا تم کیوں چل دیئے بولے میرے پاس صرف جسم کے کپڑے ہیں وہ بولا جاؤ آپ نے لوگوں سے فرمایا یہ ہی معاملہ روز قیامت میں ہونا ہے۔ قرآن مجید تحفۂ ربانی ہے جس کا فیض ابدالآباد تک رہے گا۔ (روح البیان)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

فرماؤ کہ بتاؤ تو جو اوتارا اللہ نے تمہارے لیے رزق پس بنایا تم

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لیے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی

مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى

نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال فرماؤ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو اس کا یا اللہ پر

طرف سے حرام اور حلال ٹھہرالیا تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ

اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

بہتان باندھتے ہو اور کیا ہے گمان ان لوگوں کا جو گھڑتے ہیں اللہ پر

پر جھوٹ باندھتے ہو اور کیا گمان ہے ان کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ

الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

جھوٹ دن قیامت کے تحقیق اللہ البتہ بڑے فضل والا ہے لوگوں

قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا بے شک اللہ لوگوں پر فضل

النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

پر	اور لیکن بہت سے ان میں سے شکر نہیں کرتے
کرتا ہے	مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

ع ۱۱

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں قرآن مجید کے نصیحت شفاء رحمت ہدایت ہونے کا ذکر ہوا اب ان بدنصیبوں کا تذکرہ ہے جو ایسی اعلیٰ کتاب سے نفع نہیں اٹھاتے قرآنی احکام حرام و حلال میں اپنی عقل سے کام لیتے اور ٹھوکریں کھاتے ہیں گویا سورج اور بارش رحمت کا ذکر پچھلی آیات میں تھا اور چمگادڑ یا شورہ زمین کا ذکر ان آیات میں ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن مجید مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جس سے معلوم ہوا تھا کہ کفار اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اب اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ کفار اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ سورج کی بجائے چراغ سے روشنی لینے کی کوشش کرتے ہیں بخلاف مومنین کے کہ وہ عقل سے بے نیاز ہو کر قرآن کریم کو اپنے لیے مشعل راہ بناتے ہیں۔ تیسرا تعلق گذشتہ پچھلی آیات میں کفار کی ان غلطیوں کا ذکر ہوا جو وہ عقائد میں کرتے تھے اب ان غلطیوں کا ذکر ہے جو وہ اعمال خصوصاً رزق کے متعلق کرتے تھے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید کی تشریف آوری پر خوشیاں مناؤ اب ارشاد ہے کہ یہ خوشیاں ان لوگوں کے نصیب میں ہیں جو اس کے فرمانوں پر ایمان لاتے ہیں۔ بدنصیب کفار کو قرآن مجید سے رنج و غم ہی ملے گا۔ کیونکہ وہ عقل کے پیچھے پڑے ہیں گویا خوشی دینے والے خزانے کے بعد خوشی نہ لینے والے محروموں کا تذکرہ ہے

تفسیر قُلْ اَرَءَيْتُمْ قُلْ میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے قول سے مراد سوال کے طور پر فرمانا یعنی پوچھنا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اور یہ پوچھنا عتاب۔ سرزنش اور جھڑکنے کے لیے ہے۔ روئے سخن ان کفار مکہ سے ہے جو حلال جانوروں اور کھیت کی پیداوار میں پابندیاں لگاتے تھے کہ کہتے تھے هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ۔ یا کہتے تھے مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا۔ اور ان کا حال یہ تھا وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا وغیرہ کہ فلاں جانور مردوں کے لیے حلال عورتوں پر حرام یا جانور اور کھیت سے ہم چاہیں اس کے لیے حلال باقی کے لیے حرام وغیرہ نیز بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ حام وغیرہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام جانتے تھے کہ ان کا دودھ ان پر سواری ان کا گوشت حرام ہے غرضکہ وہ بعض حلال جانوروں کو مطلقاً حرام کہتے تھے اور بعض کو کسی کے لیے حرام کسی کے لیے حلال اَرَءَيْتُمْ کے لفظی معنی ہیں کیا دیکھا تم نے مگر جب یہ اسم

فعل بن کر آئے تو اس کے معنیٰ ہوتے ہیں بتاؤ تو۔ غرضیکہ دو وہ ہی معنیٰ یہاں مراد ہیں۔ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ
اس فرمان عالی میں یا تو مَا موصولہ ہے اور یہ جملہ اَرَءَيْتُمْ کا مفعول اول یا مَا سوال کے لیئے ہے۔ اور اَنْزَلَ
اللّٰهُ کا مفعول ہے (روح المعانی) رزق کے معنیٰ حصہ بھی ہیں رب فرماتا ہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ وہاں
رزق بمعنیٰ حصہ ہے اور اس کے معنیٰ عطا جاری بھی ہے جو رب کی طرف سے مسلسل ملتی رہی۔ فرماتا ہے وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یعنی روزی یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ اور اس سے مراد ہے حلال غذائیں جیسا کہ لَكُمْ سے معلوم
ہو رہا ہے کیونکہ حرام چیزیں بچنے کے لیئے پیدا کی گئی ہیں۔ نہ کہ کھانے کے لیئے۔ (تفسیر بیضاوی و روح البیان)
خیال رہے کہ گونت وانے پھل اگرچہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان کے اندازے آسمان پر مقرر ہیں۔ کہ
یہاں کس کو کتنا دینا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ نیز ان تمام
چیزوں کی پیداوار آسمانی اسباب بارش ہوا۔ دھوپ چاند وغیرہ سے ہے کہ بارش سے سبزہ اگتا ہے۔
وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا دھوپ سے دانا پکتا ہے چاندنی سے
پھلوں میں رنگت اور ستاروں کی روشنی سے لذت پیدا ہوتی ہے ان وجوہ سے اَنْزَلْنَا فرمایا گیا یعنی ہم نے
آسمان سے رزق اتارا مِنْ رِّزْقٍ میں مِنْ یا تو بیانیہ ہے مَا کا بیان یا بعضیت کا ہے کیونکہ ہر سال بعض
رزق ہی پیدا ہوتا ہے۔ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا یہ عبارت معطوف ہے اَنْزَلَ اللّٰهُ پر مِنْهُ مِنْ بعضیت
کا ہے اور ہٗ کا مرجع رزق ہے یعنی تم نے اپنی رائے سے سارے حلال رزق میں بعضیت پیدا کر دی کہ
بعض کو حرام ٹھہرا لیا اور بعض کو حلال رکھا۔ خیال رہے کہ یہاں عتاب حلال جاننے پر نہیں کہ وہ تو پہلے
ہی حلال ہے بلکہ حلال میں بعضیت پیدا کرنے پر ہے کہ یہ سارے حلال نہیں بلکہ بعض حرام بھی ہیں۔ (از
تفسیر روح المعانی وغیرہ) یہ بات خوب یاد رہے بڑی اہم ہے قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ یہ سوال بھی عتاب کے
لیئے ہے ورنہ حضور انور کو تو معلوم ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ یعنی اے محبوب
ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کے ذریعہ تم کو اس تفریق کی اجازت دی
ہے۔ چونکہ عموماً اہل عرب اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے اور اپنے دین کو ملت ابراہیمی اس لیئے ان سے
یہ سوال کیا گیا یعنی اے لوگو کیا رب تعالیٰ نے تم کو حضرت ابراہیم یا ان کے صحیفوں کے ذریعہ اس حرکت
کی اجازت دی ہے۔ اگر دی ہے تو دکھاؤ خیال رہے کہ لفظ آللہ میں ایک ہمزہ سوال کا ہے۔ دوسرا
ہمزہ اللہ کا صرفی قاعدے سے دوسرا ہمزہ الف سے بدل دیا گیا۔ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ۔ اس فرمان عالی میں
اَمْ یا حرف عطف ہے بمعنی یا اور یا بمعنیٰ بل ہے (روح المعانی) تَفْتَرُوْنَ بنا ہے اِفْتِرَآءٌ سے بمعنی جھوٹ
بات کو کسی کی طرف نسبت کرنا یعنی یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہو یا بلکہ واقعی تم اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو

خیال رہے کہ دوبارہ قل فرمانا اس مضمون کی اہمیت دکھانے کے لیے ہے۔ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے مَا مبتدا ہے اور ظَنُّ الَّذِينَ اس کی خبر ظن کے دونوں مفعول پوشیدہ ہیں (روح البیان)، اگرچہ یہاں ظَنُّهُمْ فرمانا بھی کافی ہوتا کیونکہ ان کے افترا کا ذکر ابھی ہو چکا لیکن دراز عبارت اس لیے ہے تاکہ اُس کی اِس حرکت کا انتہائی جرم ہونا بھی معلوم ہو اور سزا کی وجہ بھی (روح البیان) یعنی یہ جھوٹ باندھنے والے لوگ اپنے متعلق کیا گمان کرتے ہیں۔ ایک قرأت میں ظَنَّ فعل ماضی ہے اور الَّذِينَ اس کا فاعل۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قوی یہ ہے کہ یہ فرمانِ عالی ظن کا ظرف نہیں بلکہ مَا يُفْعَلُ بِهِمْ پوشیدہ کا ظرف ہے یعنی ان کے ساتھ قیامت میں رب کی طرف سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ رحمت یا غضب بخشش یا پکڑ جنت یا دوزخ خود ہی فیصلہ کرلیں ظاہر ہے کہ غضب پکڑ میں ہی ہوں گے۔ کیونکہ وہ کام غضب کے کر رہے ہیں إِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ اس فرمان عالی میں رب کی اس رحمت عامہ کا ذکر ہے جو دنیا میں اس نے بندوں پر کیا ہے۔ لہٰذا فضل سے مراد انسان کو عقل ہوش دینا اس کی جماعت میں انبیاء کرام بھیجنا اور خاتم النبیین کے بعد تا قیامت علماء اولیاء کے ذریعہ حضور انور کے احکام پہچانا۔ لہٰذا الناس سے سارے انسان مراد ہیں۔ چونکہ یہ مذکورہ نعمتیں ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں اس کریم کی بندہ نوازی ہے۔ اس لیئے ذُو فَضْلٍ ارشاد ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں سارے مومن کافر مخلص و منافق پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے کہ اس کریم نے انسان کو بے خبر رکھا اسے اچھے بُرے سے خبردار فرمادیا۔ رب تعالیٰ کا کرم تو سن چکے اب انسان کی نا قدری ملاحظہ ہو وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ بہت لوگ ان نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ کفرانِ نعمت کرتے ہیں اس کی تفسیر وہ آیۂ کریمہ ہے۔ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ تھوڑے بندے شکرگزار ہیں۔ یعنی بہت لوگ (کفار و منافقین) اللہ کے فضل و کرم کا شکریہ ادا نہیں کرتے ناشکری اور کفرانُ ہی کرتے ہیں ورنہ ان حرکتوں سے باز آتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔

خلاصۂ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین عرب سے آپ ایک سوال تو کریں کہ ذرا تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیئے فرش پہ عرشی نعمتیں اتاریں کہ زمین میں سے آسمانی مدد سے دانے پھل گوشت و سواری کے جانور عطا فرمائے اور یہ سب کچھ تمہارے لیئے حلال کیئے مگر تم نے یہ غضب کیا کہ ان حلال چیزوں کی تقسیم کردی کہ ان میں بعض جانور بحیرہ وغیرہ سب پر بعض جانور اپنی عورتوں پر یوں ہی بعض زمینی پیداوار بعض پہ حرام کردی اور بعض حلال رکھیں۔ بتاؤ کیا یہ تقسیم و چھانٹ رب تعالیٰ نے کسی نبی یا کسی آسمانی کتاب کے ذریعہ کی ہے اگر ایسا ہے تو وہ کتاب یا نبی کی تعلیم پیش کرو۔ یا تم نے یہ خود ہی تقسیم کرکے اس کی نسبت رب کی طرف غلط کردی ہے۔ کہ رب نے یہ تقسیم فرمائی ہے اللہ تعالیٰ پر ایسے جھوٹے

باندھنے والے اپنے متعلق کیا خیال کرتے ہیں کہ ان سے قیامت میں کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ کرم یا غضب۔ چھٹکارا یا پکڑ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ وہ کس فیصلہ کے مستحق ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ سارے لوگوں پر بڑا ہی فضل وکرم فرمانے والا ہے کہ اس نے سب کو ہوش گوش عقل حواس دیئے پھر ان کی ہدایت کے لیے ان میں رسول کتابیں بھیجیں مگر اکثر لوگ ناقدرے ناشکرے ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے۔ خیال رکھیں کہ قیامت میں ان ناشکروں پر یہ فضل نہ ہوگا وہ دن فیصلہ اور چھانٹ کا ہے وہاں دانہ الگ اور بھوسہ علیحدہ کر دیا جائے گا

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر قسم کے رزق کا مرکز آسمان ہے زمین اس کا مظہر ہے یعنی رزق بنتے ہیں آسمان میں نکلتے ہیں زمین سے یہ فائدہ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ دوسرا فائدہ اگرچہ حرام و حلال ساری چیزیں رزق ہیں حرام خور بھی رب تعالیٰ کا رزق ہی کھاتا ہے مگر حلال رزق ہمارے استعمال کے لیئے پیدا فرمایا گیا اور حرام چیزیں بچنے کے لیئے۔ بکری کھانے کے لیے بنی ہے سؤر پرہیز کرنے کے لیے یہ فائدہ لَكُمْ کے لام سے حاصل ہوا کہ یہاں لام نفع کا ہے۔ (از تفسیر بیضاوی) تیسرا فائدہ ہر قسم کے رزق مخلوق رب تعالیٰ کے ہیں مگر ان کی پیدائش ہمارے نفع کے لیئے ہے رب تعالیٰ نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ یہ فائدہ بھی لَكُمْ کے لام سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا چوتھا فائدہ جن چیزوں کو اللہ رسول نے حرام نہ کیا ہو انہیں حرام سمجھنا حرام کہنا سخت جرم ہے یہ فائدہ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا سے حاصل ہوا۔ لہٰذا بزرگوں کی فاتحہ میلاد شریف کے تبرک کو حرام کہنا بڑی بے دینی ہے کہ انہیں نہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا نہ اس کے رسول نے۔ پانچواں فائدہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور اگر مسلمان غازی کے ہاتھ لگے وہ شوق سے کھائے یہ فائدہ بھی فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا سے حاصل ہوا کہ کفار بحیرہ سائبہ وغیرہ جانوروں کو حرام سمجھتے تھے کہ وہ بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اس پر ان کی تردید فرمائی دوسری جگہ رب فرماتا ہے مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ (الخ) چھٹا فائدہ یوں ہی مزارات اولیاء اللہ کے چڑھاوے۔ جیسے مٹھائی کپڑے حلال اور طیب ہیں۔ اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو مگر اب تو حرام سمجھنے والے علماء بھی محکمہ اوقاف میں نوکری کرتے ہیں اور ان ہی چڑھاوے کی آمدنی سے تنخواہیں لیتے ہیں۔ کیونکہ اوقاف کی آمدنی میں زیادہ تر مزارات اولیاء کے چڑھاوے ہیں جنہیں یہ حضرات مزے سے کھا رہے ہیں جو حرام کہتے تھے۔ ساتواں فائدہ اللہ رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حیلے بہانے سے نام بدل کر انہیں حلال سمجھنا سخت جرم اور کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ اَشَاءً حَرَامًا وَّحَلٰلًا سے حاصل ہوا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو سود کو نفع کہہ کر شراب کو وسکی کہہ کر رشوت کو آمدنی کہہ کر استعمال کرتے ہیں قیامت

قریب ہے اللہ حسیب ہے۔ آٹھواں فائدہ بھوک ہڑتال کرنی حرام ہے۔ اگر اس سے مر گیا تو خودکشی اور حرام موت سے مرے گا کہ اس میں بھی اللہ کے حلال رزق کو اپنے پر حرام کرنا ہے۔ نواں فائدہ کھیل کود تماشے فوٹو وغیرہ محرمات کو حلال کرنے کی کوشش کرنے والے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جسے اللہ رسول نے حرام کر دیا اسے حلال کرنے والے ہم کون۔ یہ فائدہ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ ہم پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حقیقی مُنۡعِم ہے یہ فائدہ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان ہم پر یہ ہے کہ اس نے ہم میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور ہم کو ان کا امتی بنایا یہ فائدہ بھی لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ بارہواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ انسانوں پر کرم فرمایا اتنی مہربانی نہ فرشتوں پر ہوئی نہ دوسری مخلوق پر یہ فائدہ بھی لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ میں اَلنَّاسُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ نوع انسانی میں حضور انور کی جلوہ گری اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ انسانیت دوسری مخلوق پر فخر کرے گی۔ خصوصاً مسلمانوں پر تو اس کا بڑا ہی احسان ہے کہ انہیں ایمان کی توفیق بخشی۔ خود فرماتا ہے لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا۔ تیرہواں فائدہ مگر حیرت در حیرت ہے کہ ساری مخلوق میں زیادہ ناشکرا انسان ہی ہے۔ حتیٰ کہ انسان ہی نے دعویٰ خدائی کیا اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی یہ فائدہ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔ چودہواں فائدہ ناشکرے انسان زیادہ ہیں اور شکر گذار تھوڑے یہ فائدہ بھی اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔ کہ ناشکروں کو اکثر فرمایا گیا فرماتا ہے۔ وَقَلِيۡلٌ مِّنۡ عِبَادِىَ الشَّكُوۡرُ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا حصہ نکالو۔ ہزار میں سے نو سو ننانوے یعنی ایک فی ہزار جنتی ہے قوم یاجوج ماجوج دوزخیوں کی یہ تعداد پوری کرے گی۔

پہلا اعتراض اس آیتِ کریمہ میں رزق کے متعلق اَنۡزَلَ فرمایا گیا انزال کے معنیٰ ہیں اوپر سے نیچے اوتارنا حالانکہ دانہ پھل وغیرہ زمین میں سے نکلتے ہیں اور جانور وغیرہ زمین پر پیدا ہوتے ہیں ان میں سے کوئی چیز آسمان سے نہیں اتری۔ یا تو اخراج فرمایا جاتا یا خلق۔ **جواب** ان سب مذکور چیزوں کا مدار بارش اور دھوپ چاندنی اور تاروں کی چھاؤں پر ہے۔ یہ سب چیزیں اوپر کی طرف سے اتری ہیں اور حق یہ ہے کہ زمین ان چیزوں کا مخرج یعنی دروازہ ہے ان کا خزانہ آسمان میں ہے وَفِى السَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ حضور انور نے معراج میں نیل اور فرات دریاؤں کا مرکز آسمان پر ملاحظہ فرمایا۔ لوہے کے متعلق رب ارشاد فرماتا ہے وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ ہم نے لوہا اتارا وہاں بھی یہ ہی تحقیق ہے **دوسرا اعتراض** رزق اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لیئے پیدا فرمایا پھر لکم کیوں فرمایا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف انسانوں کے لیئے پیدا ہوا ہے۔

جواب دو وجہ سے ایک یہ کہ دنیا میں صرف انسان مقصود ہے باقی چیزیں انسان کے طفیل ہیں اس لیئے جن قوموں پہ عذاب آئے وہاں کے جانور بھی ہلاک کر دیئے گئے نیز روزی جانور کھاتے ہیں اور ہم جانوروں کو کھاتے ہیں لہٰذا بالواسطہ وہ روزی ہم نے ہی کھائی دوسرے یہ کہ اگلا مضمون یعنی بعض رزقوں کو حرام سمجھ لینا صرف انسانوں کا عمل ہے ان کے سوا کوئی مخلوق یہ حرکت نہیں کرتی لہٰذا اس کی تمہید میں بھی انسانوں کا ذکر ہوا **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو نہ تو بغیر دلیل حرام کہنا چاہیئے نہ حلال حرمت اور حلت دونوں کے لیئے دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ ارشاد ہوا فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا دونوں باتوں کی بنا پر کفار پر عذاب ہوا۔ لہٰذا گیارہویں کی مٹھائی میلاد شریف کا تبرک حلال نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی حلت کی کوئی دلیل نہیں **جواب** پھر تم انہیں حرام کس دلیل سے کہتے ہو آیۂ کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے لیئے سارے حلال رزق اوتارے تم نے اس میں تقسیم کیوں کر دی۔ کہ بعض کو تو حرام سمجھ لیا اور بعض کو حلال جانا۔ سب کو ہی حلال کیوں نہ مانا۔ اس لیئے کہ کفار بحیرہ سائبہ وغیرہ حلال جانوروں کو ہی حرام کہتے تھے۔ اس کی بحث کہ تمام چیزوں میں اصل حلال ہونا ہے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل اور اقتدار خان کی کتاب راہ جنت میں ملاحظہ کرو۔ رب فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ الخ وہاں کسی چیز کی حرمت نہ پانے کو حلال ہونے کی دلیل قرار دیا اگر کوئی چیز بغیر دلیل حلال نہیں ہو سکتی تو مصیبت آ جاوے گی۔ آم۔ خربوزہ انناس اور تمام وہ کھانے جو حضور انور کے زمانہ میں لوگ جانتے بھی نہ تھے وہ حلال نہ ہو سکیں گے کہ ان کی حلت کی نہ آیت ہے نہ حدیث۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل والا ہے لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ تو کیا وہ دوسری مخلوق پر فضل والا نہیں پھر عَلَی النَّاسِ کیوں فرمایا۔ **جواب** یا اس لیئے کہ اس نے جتنا فضل و کرم انسانوں پر کیا اتنا کسی مخلوق پر نہ کیا۔ ساری مخلوق کو اس کا خادم بنایا۔ انبیاء اولیاء اسی میں پیدا کیئے شریعت طریقت اسی کے لیئے رکھی۔ اعلیٰ غذائیں اسی کو کھلائیں یا اس لیئے کہ بڑا ناشکرا صرف انسان ہی ہے اس لیئے اُس کے ساتھ فرمایا وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَشْکُرُوْنَ۔

تفسیر صوفیانہ جیسے رب تعالیٰ نے جسمانی رزق سب کے لیئے پیدا فرمائے ایسے ہی اس نے روحانی رزق ایمان عرفان وارادت۔ شواہد ربانیہ بھی سب کے لیئے پیدا کیں جو بے وقوف کہے کہ یہ چیزیں صرف قلوب والوں کے لیئے ہیں نفوس والوں کے لیئے نہیں۔ دنیاداروں کو دین سے کیا تعلق دین کو علماء اولیاء جانیں۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ رب نے سب کو ان چیزوں کی دعوت دی فرماتا ہے وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ اور فرماتا ہے یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ ان روحانی رزقوں کو اپنے نفس پر حرام جان لینا کم ہمتی ہے رب نے یہ دروازہ کسی پر بند نہیں کیا۔ شعر۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

وہ عاشق ہی کیا جس پر محبوب کرم نہ کرے ارے کم بخت تیرے پاس درد ہی نہیں ورنہ دوا اور طبیب موجود ہے جو سمجھے کہ میں شہوت و غفلت سے نکل سکتا ہی نہیں وہ رب تعالیٰ کی قدرت میں کمی مانتا ہے وہ ہم جیسے کروڑوں کو نکالنے پر قادر ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس آیت کی زد میں غلط فتوے دینے والے علماء اور غلط راہ پر چلانے والے صوفیاء بھی داخل ہیں ۔ کہ وہ اپنی رائے اپنے سوے سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال کہتے ہیں ۔

حکایت علی بلخی کی لڑکی نے اپنے باپ علی سے پوچھا کہ اگر پیٹ سے قے منہ میں آ جائے اور پھر لوٹ جائے تو وضو گیا یا نہیں وہ بولے ٹوٹ گیا ۔ رات کو خواب میں حضور انور کی زیارت ہوئی فرمایا اے علی جب تک منہ بھر کر نہ ہو ۔ معلوم ہوا کہ ہمارے فتوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں رب تعالیٰ حق بات کی توفیق دے ۔

وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ

اور نہیں ہوتے تم کسی حال میں اور نہیں تلاوت کرتے تم رب کی طرف سے
اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن پڑھو

وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَیْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ

کچھ قرآن اور نہیں عمل کرتے تم لوگ کوئی عمل مگر ہیں ہم اس پر گواہ (مشاہدہ کرنے والے)
اور تم لوگ کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم

تُفِیْضُوْنَ فِیْهِ ؕ وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ

جب مشغول ہوتے ہو تم اس میں اور نہیں چھپتی رب سے تمہارے کوئی ذرہ کی برابر
اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے رب سے ذرہ بھر کوئی چیز نہ

ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ

زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں ہے کوئی چھوٹا
غائب نہیں زمین میں آسمان میں اور نہ آسمان نہ اس سے چھوٹا

ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۱﴾

چیز اس سے اور نہ بڑی مگر وہ ظاہر کرنے والی کتاب میں ہے

اور نہ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں جو ایک روشن کتاب میں نہ ہو

تعلق اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق ابھی پچھلی آیۃ میں اللہ تعالیٰ کے عام فضل و کرم کا ذکر ہوا اب اس کے عام علم کا ذکر ہے کیونکہ علم کے بغیر فضل ناممکن ہے گویا فضل و کرم کے بعد اس کے موقوف علیہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فضائل کا ذکر ہوا کہ وہ نصیحت۔ شفا۔ ہدایت رحمت ہے اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اس کا نازل کرنے والا رب علیم۔ خبیر۔ شاہد ہے جس کتاب کا بھیجنے والا ایسی صفات والا ہو سمجھ لو کہ کتاب کیسی ہوگی۔ گویا قرآن مجید کی چار صفتوں کے چار فضائل کے بعد اس کی پانچویں صفت کا ذکر ہے کہ وہ علیم و خبیر کا بھیجا ہوا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں کفار پر عتاب مومنوں پر اظہار کرم تھا مومنوں سے فرمایا گیا تھا کہ تم اللہ کے فضل اس کے رحم پر خوب خوشیاں مناؤ۔ کفار سے کہا گیا کہ تم نے کس دلیل سے بعض چیزوں کو حرام بعض کو حلال کر لیا اب یہ آیت کریمہ جامع آیت ہے جس میں رحمت کی شان بھی نظر آتی ہے اور غضب و قہر بھی جھلک رہا ہے کہ ہم ہر ایک کا ہر حال جانتے ہیں۔ چوتھا تعلق گزشتہ پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فضائل بیان ہوئے اب صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات حضور کے مناقب شریفہ کا ذکر ہے کہ وہ اور ان کا ہر حال ان کی تلاوت قرآن ہماری نظر کرم میں ہے۔ اگر تم ہماری نظر کرم میں آنا چاہتے ہو۔ تو ان کی نظر کرم میں آ جاؤ ان کے قدم سے وابستہ ہو جاؤ۔ تم پر بھی وہ ہی نظر ہو جائے گی۔

تفسیر وَمَا تَكُوْنُ فِیْ شَاْنٍ اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور چونکہ یہ نیا جملہ ہے اس لیے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ تکون حال دائمی ہے یعنی ولادت پاک سے لے کر وفات شریف تک آپ کی ہر شان ہماری نظر میں ہے اور ممکن ہے کہ تکون مضارع استمراری ہو جیسے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ میں یُصَلُّوْنَ۔ مضارع استمراری ہے جس میں ہر زمانہ داخل ہے یعنی عالم ارواح عالم انوار پھر عالم اجسام پھر یہاں دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد عالم قدس جس جگہ جس حال میں آپ تھے یا ہیں یا ہوں گے شان کے بہت ہی معنی ہیں۔ یہ مصدر بھی ہوتا ہے بمعنی ارادہ۔ اسم بھی بمعنی حال۔ بمعنی ضروریات دنیوی بمعنی عظیم الشان مشغلہ۔ یہاں آخری معنی میں ہے اس سے حضور انور کی ہر حالت مراد ہے حتیٰ کہ سونا جاگنا چلنا پھرنا دینی و دنیوی کام و اعمال (تفسیر خزائن) رب فرماتا ہے كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ رب تعالیٰ ہر دن یا ہر

وقت نئی شان میں ہوتا ہے بہرحال شان سے مراد حضور انور کا ہر حال آپ کی ہر کیفیت ہے جو نہایت شاندار ہے کہ اللہ کو حضور کی ہر ادا پسند ہے نیز حضور کا ہر حال تا قیامت لوگوں کے لیئے نمونہ عمل ہے اس لیئے اسے شان فرمایا گیا اس آیتہ کی تائید ان آیات سے ہے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ہم آپ کے آسمان کی طرف منہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں۔ اَلَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ جب تم تہجد کے وقت اٹھتے ہو اور نمازیوں میں گشت لگاتے ہو تو رب تعالیٰ تم کو دیکھتا ہوتا ہے فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (طور) اے ہمارے محبوب تم ہماری نظروں میں رہتے ہو وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے روح البیان اور بیضاوی وغیرہ نے یہ ہی فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مَا بمعنی جب ہے۔ وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے مَا تَكُوْنُ الخ پر۔ مِنْهُ اور مِنْ قُرْاٰنٍ کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں آسان تر اور قوی یہ ہے کہ مِنْهُ کی ضمیر قرآن کی طرف ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ (الخ) میں۔ اور مِنْ بعضیت کا ہے اور مِنْ قُرْاٰنٍ میں مِنْ بیانیہ ہے قرآن سے مراد کوئی آیتہ کوئی رکوع کوئی سورۃ کیونکہ قرآن مجید کا ہر لفظ قرآن ہے یعنی نہیں تلاوت کرتے آپ قرآن کی کوئی آیتہ بعض نے فرمایا کہ مِنْ ہی مِنْ بمعنی لام ہے اور ہ ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے یعنی نہیں تلاوت کرتے آپ اللہ کے لیئے کچھ قرآن۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مِنْهُ مِنْ ابتدائیہ ہے اور ہ ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے یعنی جب آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کی مدد سے کچھ قرآن تلاوت کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ تلاوت قرآن بھی حضور انور کی ایک شان ہی ہے اور مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ میں داخل ہے مگر چونکہ یہ مشغلہ تمام مشاغل سے اعلیٰ اور تمام شانوں سے زیادہ شاندار اس لیئے اس کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ فرمایا۔ وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ یہ عبارت معطوف ہے وَمَا تَتْلُوْا پر مگر اس میں خطاب سارے مسلمانوں یا سارے انسانوں سے ہے چونکہ بڑے کا ہر کام بڑا ہوتا ہے اس لیئے وہاں فی شان ارشاد ہوا کہ وہاں حضور انور کا حال مراد تھا اور یہاں مِنْ عَمَلٍ ارشاد ہوا یعنی اے انسانو یا اے مسلمانوں تم نہیں کرتے کوئی چھوٹا بڑا کھلا چھپا اچھا برا کام اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اس فرمان عالی کا تعلق گذشتہ تینوں چیزوں سے ہے كُنَّا اور شُهُوْدًا کو جمع فرمانا تعظیم کے لیئے ہے شہود جمع شاہد کی یا شہید کی جو مشاہدہ یا شہادت سے بنا یعنی مگر ہم تم پر گواہ یا مطلع ہوتے ہیں تم سب کچھ ہمارے سامنے کرتے ہو۔ اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ یہ عبارت كُنَّا عَلَيْكُمْ کا ظرف ہے تُفِيْضُوْنَ بنا ہے اِفَاضَةٌ سے جس کے معنی ہیں نکلنا پھیلنا کثرت سے لگ جانا۔ شروع کرنا کبھی بمعنی خوض آتا ہے یعنی مشغول و معروف ہونا۔ یہاں یا بمعنی شروع کرنا ہے یا بمعنی معروف ہونا۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اگر مضارع پر ما نافیہ آئے تو اسے بمعنی حال کر دیتا ہے اور اگر لا نافیہ آئے تو بمعنی استقبال کرتا ہے حضور انور کے دونوں کام شریف

پڑھا نا فیہ آیا اور عام لوگوں کے عمل پر لا نا فیہ ارشاد ہوا (روح المعانی) بہر حال مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ کوئی کام شروع کر دیا جب کسی کام میں مشغول و مصروف ہو تو ہم مشاہدہ فرماتے ہیں وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ یہ فرمان عالی گویا پچھلے فرمان عالی کا تتمہ یا اس کی دلیل ہے اس میں رب کی وسعت علم کا ذکر ہے۔ يَعْزُبُ بنا ہے عَزَبَ سے بمعنی غائب ہونا دور ہونا عربی میں عازب اس شخص کو کہتے ہیں جو چارے کی تلاش میں اپنے گھر سے دور نکل جائے (غیاث) عزب بمعنی غاب آتا ہے۔ رَجُلٌ عَزَبٌ وہ شخص جو گھر بار سے دور ہو یعنی آپ کے رب سے دور یا غائب نہیں ہوتی۔ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ یہ مَا یَعْزُبُ۔ کا فاعل ہے اس میں مِنْ زائدہ ہے عربی میں مثقال ایک خاص وزن کا نام بھی ہے جو سوا چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ ایک درہم چھ دانق کا ہوتا ہے اور دس درہم سات مثقال کے مگر لغت میں اس کے معنی ہوتے ہیں ہموزن یعنی یہ ثقل بمعنی وزن یا بوجھ سے بنا دہ ہی یہاں مراد ہے ذرہ چھوٹی چیونٹی کو بھی کہتے ہیں ریت کے ریزہ کو بھی اور ھباء کو بھی جو روشن دان میں سے دھوپ آتی ہوئی میں اڑتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید میں هَبَاءً مَّنْثُوْرًا کہا جاتا ہے زمین و آسمان سے مراد عالم اجسام ہے جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ اور عالم اسرار کو جبروت جس کا علم رب تعالیٰ ہی کو ہے (تفسیر صاوی) یعنی زمین و آسمان میں رب تعالیٰ سے ذرہ بھر کوئی چیز چھپی نہیں تو تم اور تمہارے اعمال اس سے کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ وَلَا اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرَ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ یہ فرمان عالی مستقل اور نیا جملہ ہے۔ گذشتہ پر معطوف نہیں ذٰلِكَ سے اشارہ ذرہ کی طرف ہے اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے چونکہ وہ کتاب خاص بندوں پر ظاہر بھی ہے اور علوم ظاہر کرتی بھی ہے اس لئے اس کو مبین کہا جاتا ہے یعنی خود روشن اور دوسری مکتوب چیزوں کو روشن کرنے والی یعنی ذرہ سے بھی چھوٹی چیز اور اس سے بڑی چیزیں سب کی سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ جو اللہ والوں پر ظاہر اور ظاہر گر ہے اس کی شرح وہ آیت ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ اس کے متعلق اور بہت سی آیات۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کسی کام کسی حال میں ہوں اور جب آپ رب کے فضل سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہوں ہم آپ کو ملاحظہ فرماتے ہوتے ہیں اور اے مسلمانوں تم کسی کام میں مشغول ہو تو ہم تم کو جانتے ہیں۔ کیونکہ اے محبوب آپ کے رب سے زمین و آسمان میں ذرہ بھر چیز چھپی نہیں۔ ذرہ اور ذرہ سے چھوٹی بڑی چیز سب کچھ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے یہ ہمارے علم نام کی ایک جھلک ہے یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ عالم تین قسم کے ہیں عالم ملک جس کا مشاہدہ عوام کرتے ہیں۔ جیسے زمین و آسمان اور اس کی ظاہری چیزیں۔ عالم ملکوت جو عوام کی نظر سے پوشیدہ

ہے خواص کو ان پر مطلع فرمایا گیا جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ۔ عالم جبروت جو خاص الخاص بندوں کو دکھائے بتائے گئے جیسے روح۔ عالم امر۔ عالم انوار وغیرہ ہا۔ لاہوت وہ رب تعالیٰ کی ذات صفات ہیں جنہیں رب کریم ہی کما حقہ جانتا ہے۔ حضور انور نے فرمایا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ ۔

فائدے اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت ہر آن رب تعالیٰ کی نظر کرم نگاہِ عنایت ہے یہ فائدہ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ الخ سے حاصل ہوا۔ اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۔ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا ۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ وغیرہ رب کو حضور پیارے تو آپ کی ساری ادائیں پیاری۔ دوسرا فائدہ جو چاہے کہ رب تعالیٰ کی نگاہ کرم میں آ جائے وہ حضور انور کے دامن آپ کے قدم سے وابستہ ہو جاوے۔ یہ فائدہ بھی وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ الخ سے حاصل ہوا آپ جس کو دیکھیں گے تو یقیناً اس کے کپڑوں اس کی نعلین کو بھی دیکھیں گے۔ اس کی تائید اس آیتہ سے ہوتی ہے فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ اور لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۔ تیسرا فائدہ دوسرے مشاغل سے تلاوتِ قرآن رب کو زیادہ پیاری ہے خصوصاً جبکہ سمجھ کے ساتھ ہو اور خصوصاً جبکہ تبلیغ دین کے لیئے ہو یہ فائدہ وَمَا تَتْلُوا مِنْ قُرْآنٍ سے حاصل ہوا کہ فِي شَأْنٍ میں تلاوتِ قرآن بھی شامل تھی مگر اسے خصوصیت سے بیان فرمایا۔ چوتھا فائدہ تلاوتِ قرآن اور قرآن مجید کی صحیح سمجھ اس کی خدمت کی توفیق رب تعالیٰ کے کرم سے ملتی ہے یہ فائدہ مِنْهُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ مِنْهُ کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہو۔ یعنی مِنْ فَضْلِهٖ پانچواں فائدہ قرآن مجید کی ہر آیت قرآن ہے یہ فائدہ مِنْهُ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ مِنْهُ کی ضمیر قرآن کی طرف ہو اور مِنْ قُرْآنٍ سے مراد آیات قرآنیہ ہوں۔ چھٹا فائدہ انسان کو گناہوں سے بچانے والی نیکیاں کرانے والی بڑی چیز یہ ہے کہ انسان خیال رکھے کہ رب مجھ کو میرے بڑے چھوٹے ہر کام کو دیکھ رہا ہے ان شاء اللہ اس خیال کی برکت سے گناہوں سے بچا رہے گا۔ یہ فائدہ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا سے حاصل ہوا ساتواں فائدہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے مگر محبوبین کو محبت کی نظر سے مردودین کو قہر و غضب کی نظر سے یہ فائدہ بھی عَلَيْكُمْ شُهُودًا سے اشارۃً حاصل ہوا۔ کہ ایک شہودا کا تعلق حضور انور کی شان آپ کی تلاوتِ قرآن سے بھی ہے اور تمام لوگوں کے اعمال سے بھی مگر تعلق کی نوعیت میں فرق ہے اس لیئے اولاً حضور انور کی شانوں کا ذکر ہوا بعد میں تمام لوگوں کے اعمال کا حضور کو تمام لوگوں میں شامل نہ کیا گیا۔ دیکھو رب فرماتا ہے إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ اور فرماتا ہے وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ اور فرماتا ہے وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ یعنی اللہ صابرین کے ساتھ بھی ہے عام لوگوں کے ساتھ بھی اور کفار کے ساتھ بھی۔ جب وہ کفر کر رہے ہوں مگر ان تینوں ہمراہیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

آٹھواں فائدہ زمین و آسمان اور ان کی ہر چھوٹی بڑی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر وقت جانتا ہے۔ یہ فائدہ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا فلاسفہ کا یہ قول کہ رب تعالیٰ کلیات کو جانتا ہے جزئیات کو نہیں جانتا اور مولوی حسین علی دیو بندی کا قول کہ رب تعالیٰ ہمارے عمل کرنے کے بعد عمل کو جانتا ہے پہلے نہیں جانتا محض باطل اور اس آیت کے خلاف ہے۔ نواں فائدہ عالم کی ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہے یہ فائدہ إِلَّا فِي كِتَابٍ سے حاصل ہوا۔ عالم کا ایسا کوئی واقعہ نہیں کوئی ذرہ کوئی قطرہ نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔ دسواں فائدہ لوح محفوظ اور اس کی تحریر سارے بندوں سے چھپی نہیں۔ رب کے بعض بندے لوح محفوظ اور اس کی ساری تحریر کو جانتے ہیں یہ فائدہ کتاب مبین میں لفظ مُبِيْن سے حاصل ہوتا ہے اگر وہ چھپی ہوتی تو مُبِيْن کیسے بنتی یعنی ظاہر اور ظاہر کرنے والی۔ تین باتیں یاد رکھو ۱ لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ یہ بات اسی آیت سے ثابت ہوئی ۲ لوح محفوظ قرآن مجید میں موجود ہے۔ تَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۳ سارا قرآن مجید حضور انور کے علم میں ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے علوم حضور انور کو حاصل ہیں۔

سر عرش پر ہے تری گذر دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئی وہ نہیں جو تجھ پہ عیاں نہیں

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اعمال شریفہ کو شان فرمایا اور ہمارے افعال کو عمل۔ اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے جواب اس لئے کہ حضور انور خود بھی شاندار ہیں۔ اور آپ کی ہر ادا شاندار کسی عمل شریف میں نقص کا احتمال ہی نہیں شعر۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہ ہی پھول خار سے دور ہے یہ ہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

رہے ہم تو ظاہر ہے کہ ہم خود ناقص ہمارے احوال و اعمال بھی ناقص۔ اگر حضور سے تعلق ہو جاوے تو کامل ہو جاویں لہٰذا فرق ظاہر ہے دوسرا اعتراض اگر مَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ۔ میں مِنْہُ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف ہو تو دو دفعہ مِنْ کیوں ارشاد ہوا مِنْہُ اور مِنْ قُرْاٰنٍ جواب پہلا مِنْ بعضیت کا ہے دوسرا مِنْ یا زائدہ ہے یا بیانیہ یعنی آپ قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کرتے ہیں لہٰذا مِنْ مکرر نہیں بلکہ الگ الگ معنیٰ کے لئے ہے تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا کہ جب تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو تو ہم گواہ ہوتے ہیں۔ کیا رب تعالیٰ ہمارے عمل سے پہلے اس سے خبردار نہیں وہ تو ہمیشہ علیم و خبیر ہے۔ جواب۔ علم اور مشاہدہ میں فرق ہے۔ کسی چیز کا علم اس سے آگے پیچھے بھی ہوتا ہے مگر مشاہدہ اس کی موجودگی میں جاننا اور دیکھنا ہے۔ ان کا فرق یاد رہے

اس لیے یہاں شُہوُدًا ارشاد ہوا نہ کہ علیم یعنی جب تم کچھ کرتے ہوتے ہو تو ہم تمہارا اور تمہارے عمل کا مشاہدہ فرماتے ہیں اسے علم ظہور کہا جاتا ہے ۔ **چوتھا اعتراض** ۔ یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ پہ زمین و آسمان کی ذرہ بھر چیز بھی چھپی نہیں تو کیا زمین و آسمان کے علاوہ دوسرے عالَم کی چیزیں اس سے چھپی ہوئی ہیں ۔ **جواب** آسمان و زمین کا ذکر ہمارے لحاظ سے ہے کہ ہمارا علم انہیں دو تک ہے ورنہ تو رب عالمین کی ہر شئے سے خبردار ہے ۔ **پانچواں اعتراض** رب تعالیٰ نے ہر چھوٹی بڑی چیز لوح محفوظ میں کیوں لکھی کیا اسے بھول جانے کا خطرہ تھا وہ تو بھول سے پاک ہے **جواب** اپنے محبوب بندوں کو بتانے کے لیئے ہم اپنا علم دوسروں کو سامنے رکھ کر زبانی بتاتے ہیں اور دور والوں کو بذریعہ کتاب چنانچہ فرشتے ۔ انبیاء کرام ۔ اولیاء اللہ جن کی لوحِ محفوظ پر نظر ہے وہ اس کے علوم پر مطلع ہیں ۔ **چھٹا اعتراض** تم نے کہا کہ رب تعالیٰ موجود چیزوں کو دیکھتا ہے ۔ معدوم چیزوں کو جانتا ہے دیکھتا نہیں مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بعض مقبول بندے خصوصًا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کو ان کی پیدائش سے پہلے اور بعد فنا بھی دیکھتے ہیں ۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اور جیسے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ تو کیا ان بندوں کا دیکھنا رب تعالیٰ کے دیکھنے سے قوی تر ہے ۔ **جواب** دیکھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دیکھی چیز میں دیکھے جانے کی قابلیت ہو ۔ پھر اسے دیکھا جائے یہ ہے عادی دیکھنا ۔ دوسرے یہ کہ چیز میں دیکھے جانے کی قابلیت نہ ہو پھر بھی اسے دیکھا جائے یہ ہے اعجازی دیکھنا ۔ کوئی معدوم چیز دیکھے جانے کے قابل نہیں اسے دیکھنا اعجازی و قدرتی دیکھنا ہی ہوگا ۔ عادی دیکھنا نہ ہوگا ۔ یہاں پہلے قسم کے دیکھنے کا ذکر ہے كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ہم اور ہمارے اعمال موجود ہونے سے پہلے دیکھے جانے کے قابل نہ تھے ۔ رب ان کو دیکھتا تھا ۔ قدرتی اعجازی طور پر موجود ہو جانے پر ہم دیکھے جانے کے قابل ہو گئے ۔ رب انہیں اب دیکھتا ہے عادی طور پہ جسے علم ظہور کہتے ہیں پہلے کو علم مکاشفہ ۔ **ساتواں اعتراض** اگر شہود یا شہادت کے ساتھ علیٰ ہو تو خلاف گواہی مراد ہوتی ہے اور اگر نہ ہو تو موافق گواہی ۔ یہاں عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا میں کیا خلاف گواہی مراد ہے کیا رب تعالیٰ حضورِ انور اور مومنوں کے خلاف گواہ ہے **جواب** اس اعتراض کا جواب وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کی تفسیر میں دوسرے بارے میں دے چکے ہیں کہ جب شہادت میں نگران کے معنی شامل ہوں تو موافق گواہی کے لیے بھی علیٰ آجاتا ہے یعنی شہود بمعنی رقیب ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اللہ کی شان ہیں اور آپ کی ہر ادا رب کی شان کہ ان سے رب کی شان نظر آتی ہے ۔ شعر ۔

محمد مصطفٰے یعنی خدا کی شان کے صدقے
میں ہر ہر آن یا رب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

حضور کی تلاوتِ قرآن وہ ہے جس نے قرآن کو قرآن بنا دیا اسے قرآن اسی لیئے کہتے ہیں کہ اسے حضورِ انور

نے پڑھ لیا۔ حضور کی تلاوت سے قرآن میں سوز و گداز یعنی تڑپا دینے کی صفت پیدا ہوئی جیسا کہ ہم ساتویں سپارے کی پہلی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے یہاں ارشاد ہوا کہ اے محبوب تم جب بھی اپنی کسی ادا سے ہمارے شان کے اظہار میں مشغول ہوتے ہو اور جب آیاتِ قرآنیہ کو پڑھ کر قرآن بناتے ہو تو ہم اس کا مشاہدہ نہایت کرم و محبت کی نظر سے کرتے ہیں اور اے لوگو تم جس کام میں مشغول ہوتے ہو ہم تم پر نگران ہوتے ہیں کیونکہ ہم سے ذرہ بھر چیز چھپی نہیں لہٰذا جو کرو یہ سمجھ کر کرو ہم تم کو دیکھ رہے ہیں یہاں روح البیان نے فرمایا کہ دل مردہ کی علامت یہ ہے کہ عبادات میں کوتاہی کرنے پر غمگین نہ ہو۔ اور خطائیں کرنے میں نادم و شرمندہ نہ ہو۔ کیونکہ زندگی احساس چاہتی ہے احساس نہ رہنا موت ہے صوفیا فرماتے ہیں۔ شعر

لوحِ محفوظ است پیشانیٔ یار ۔۔۔ رازِ پنہاں می شود زاں آشکار

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب ۔۔۔ گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط کا حباب

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

خبردار اللہ کے ولی نہیں ہے ڈر ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي

وہ جو کہ ایمان لائے اور ہیں وہ پرہیزگاری کرتے واسطے ان کے بشارت ہے

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ

زندگانی دنیوی میں اور آخرت میں نہیں ہے تبدیلی اللہ کی باتوں

دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں

اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾

میں وہ ہی کامیابی ہے بڑی

سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے

وقف لازم

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق ابھی پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ زمین وآسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک ایسی کتاب میں لکھی ہے جو ظاہر اور ظاہر گر ہے اب ارشاد ہے کہ وہ کتاب مبین کسی پر ظاہر ہے اولیاء اللہ پر گویا اسی غیبی کتاب کے بعد اس کتاب کے پڑھنے والوں کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو ہم تمہارے ہر کام کا مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ اس فرمان عالی سے اطاعت والوں کو دلی قوت میسر ہوئی اور بدکاروں کی ہمت ٹوٹی اب اس آیت کریمہ میں اس پہلی جماعت یعنی مطیعوں کا ذکر ہے جنہیں اس فرمان سے دلی قوت نصیب ہوئی۔ یعنی حضرات اولیاء اللہ (تفسیر کبیر) تیسرا تعلق گذشتہ آیات میں کتاب اللہ قرآن مجید اور حضور انور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہوا گویا سایہ دار کے بعد سایہ کا۔ اور فیض بخش کے بعد فیضیاب جماعت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ۔ جس مضمون کے منکرین موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے ہوں۔ اُسے قرآن مجید میں تاکیدی حروف سے شروع کیا جاتا ہے۔ جیسے قَدْ۔ لَقَدْ۔ اَلَا۔ اِنَّ وغیرہ پھر جس درجہ کا انکار ہو اسی درجہ کی تاکید کی جاتی ہے۔ چونکہ مشرکین مکہ اور کفار مکہ سرے سے ولایت کے قائل نہ تھے وہ تو حضور انور کی نبوت کے انکاری تھے ولایت کیا مانتے۔ نیز آئندہ خود کلمہ گو مسلمانوں میں اولیاء اللہ کے منکرین پیدا ہونے والے تھے جو بہت سختی سے مختلف قسم کے انکار کرنے والے کوئی فرقہ اولیاء کی ذات کا انکاری کوئی ان کی صفات عالیہ کا کوئی ان کی کرامات کا کوئی اُن کے فیوض و برکات کا کوئی ان کے علوم کا انکاری تھا۔ اس لئے اس مضمون کو ڈبل تاکید اَلَا اور اِنَّ سے شروع فرمایا گیا۔ اَوْلِيَآءُ جمع ہے وَلِيٌّ کی یہ وَلْيٌ کا صفت مشبہ ہے بروزن فَعِيْلٌ جیسے کرم سے کریم اور حسن سے حسین۔ ولی کے معنی ہیں قرب۔ محبت۔ مدد لہذا وَلِيٌّ کے معنی ہوتے قریب والا۔ محبت والا۔ مدد و نصرت والا یہاں ولی یا بمعنی فاعل ہے یعنی اللہ سے قرب محبت رکھنے والا یا بمعنی مفعول یعنی جسے اللہ نے قرب بخشا۔ محبت عطا کی اس کی مدد اس کا احترام فرمایا (صاوی) کیونکہ رب تعالیٰ انہیں یہ صفات خود عطا فرماتا ہے۔ انہیں بندوں کا حاجتمند نہیں کرتا (صاوی) خیال رہے کہ بعض مردود بندے اولیاء شیطان ہیں جنہیں کفار مشرکین اپنا ولی مددگار مانتے ہیں جنہیں قرآن مجید کی اصطلاح میں ولی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں اولیاء اللہ فرمایا صرف اولیاء نہ کہا۔ ولی اللہ مقبولین بندے ہیں۔ اور ولی من دون اللہ مردودین۔ رب فرماتا ہے اَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ اور فرماتا ہے اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ولی اللہ من دون اللہ کا فرق یاد رہے۔ ولی اللہ کی تعریف ان کی ضرورت ان کی پہچان۔ ان کی قسمیں اور ان کے

اختیارات انشاء اللہ خلاصۂ تفسیر میں عرض کئے جائیں گے ۔ یعنی خبردار رہو بے شک اللہ کے دوست اس سے قرب رکھنے والے اس کے دین کے مددگار یا وہ بندے جن کو اللہ نے اپنے سے قریب فرما لیا یا انہیں اپنا دوست بنا لیا یا براہ راست رب ان کا دوست ہوا ان کی شان یہ ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ یہ فرمان عالی اِنَّ کی خبر ہے اس میں حضرات اولیاء اللہ سے غم و خوف کی نفی کی گئی ہے مگر طرز بیان جدا ہے خوف کے متعلق ارشاد ہوا لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ جس سے معلوم ہوا کہ انہیں کبھی دنیا میں خوف اگر ہوگا تو وہ ان پر غالب نہ آئے گا اور دائمی نہ ہوگا۔ اس لیے عَلَيْهِمْ فرمایا لَهُمْ نہ فرمایا ۔ رہا دنیا نہ ہونے کا رنج و غم وہ انہیں کبھی ہوتا ہے اس لیئے لَا حُزْنَ نہ فرمایا بلکہ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ فرمایا (روح المعانی) یہ فرق خیال میں رہے موسیٰ علیہ السلام کو اوّلاً فرعون کا خوف نہ ہوا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰى مگر یہ خوف ان پر غالب نہ آیا نہ باقی رہا ۔ خوف آئندہ تکلیف دہ چیز کے اندیشہ کو کہتے ہیں ۔ اس کا مقابل ہے امن اور حزن گذشتہ تکلیف دہ چیز پر رنج و ملال کو کہتے ہیں اس کا مقابل ہے فرح (روح المعانی) حضرات اولیاء اللہ ان سے محفوظ ہیں خیال رہے کہ اس جملہ کی چند تفسیریں ہیں ع۱ اولیاء اللہ کو دنیا میں دنیا دار سے خوف و غم نہیں تب خوف نہ ہونے کے وہ معنی ہیں جو ابھی عرض کیئے گئے ع۲ اولیاء اللہ قیامت میں خوف و غم سے آزاد ہوں گے ۔ عام مسلمانوں کو اپنا خوف ہوگا اور حضرات انبیاء کرام کو اپنی گنہگار اُمت کے پکڑے جانے کا خوف ہوگا۔ اور جو پکڑے جا چکے ہوں گے ان کی پکڑ کا رنج رہے گا اولیاء اللہ انہیں نہ اپنے پر خوف و رنج ہو نہ دوسروں پر رب فرماتا ہے ۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (تفسیر روح البیان و کبیر) ع۳ اولیاء اللہ دنیا و آخرت دونوں جہان میں خوف و غم سے آزاد کیئے گئے ہیں ع۴ حضرات اولیاء اللہ پر دنیا میں کبھی ایسا وقت آتا ہے جبکہ وہ خوف و غم سے آزاد ہوتے ہیں ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم خواص پر ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی کہ آپ جنگل میں تھے آپ کے پاس خونخوار درندوں کا ہجوم ہو گیا ۔ آپ کا مرید ڈر کر درخت پر چڑھ گیا مگر آپ پر کوئی ڈر خوف طاری نہ ہوا ۔ دوسری رات مچھر نے آپ کے ہاتھ پر کاٹا تو تڑپ گئے مرید نے ان سے ان دو ماجروں کی وجہ پوچھی فرمایا کل ہم نے اپنی قوت سے نہیں بلکہ واردات ربانیہ کی قوت سے یہ تحمل کیا جب وہ واردات بند ہو گئی تو میری ذاتی حالت سامنے آئی اور میں کمزور ترین مخلوق ہوں (تفسیر کبیر) ع۵ اولیاء اللہ کو دنیا کا نقصان وہ خوف و رنج کبھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی بندے کے خوف سے اپنا دین بدل دیں یا عبادات الٰہیہ چھوڑ دیں نہ ان سے کوئی کوتاہی عمداً سرزد ہوتی ہے جس پر وہ غم کریں وہ رب تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہوتے ہیں رہا اللہ کا خوف تو وہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ خوف مفید ہے ع۶ اولیاء اللہ کو ذات باری میں اتنا استغراق ہو جاتا ہے کہ انہیں خوف و غم کا احساس نہیں ہوتا احساس کے بغیر خوف و غم کیسا (تفسیر کبیر) خود میں نے ایک مجذوب فقیر کو گجرات میں دیکھا کہ اس کے پاؤں پر ٹریکٹر گذر گیا۔ پنڈلی کے

ٹکڑے ہو گئے اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ پولیس نے تفتیش کرتے ہوئے پوچھا تو کبھی کہتا کہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا کبھی کہتا کہ مجھے چیونٹی نے کاٹا ہے^۱ جب دنیوی ٹیکہ لگ جاتے سے درد محسوس نہیں ہوتا تو جسے خوف الٰہی کا ٹیکہ لگے اسے کیا محسوس ہو بہر حال یہ فرمان بالکل درست ہے۔ رہا یہ کہ ولی اللہ کون ہے اس کے متعلق ارشاد ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ یہ فرمان عالی یا تو نیا جملہ ہے پوشیدہ ھُمْ کی خبر یا اولیاء اللہ کا بیان یا اس کی صفت چونکہ موصوف وصفت میں فاصلہ اجنبی سے ہونا منع ہے اور لَاخَوْفٌ (الخ) اولیاءُ اللہ کی خبر ہے۔ اجنبی نہیں اس لیئے یہ جائز ہو (روح المعانی) اَلَّذِیْنَ سے مراد سارے اولیاء اللہ ہیں۔ غوث ہوں یا قطب جن ہوں یا انسان۔ کیونکہ اولیاء اللہ جنات میں بھی ہیں۔ ایمان تین طرح کا ہوتا ہے۔ علم الیقین والا عین الیقین والا اور حق الیقین والا یہاں آخری دو قسم کے ایمان مراد ہیں۔ کیونکہ علم الیقین والا ایمان تو ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے ہم اس کی تحقیق تیسرے پارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی تقویٰ کے دو معنی ہیں۔ بچنا اور ڈرنا اگر یہاں بمعنی ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ہیبت مراد ہے کیونکہ جس قدر ایمان قوی اور قرب الٰہی زیادہ اسی قدر رب تعالیٰ کی ہیبت دل میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر بمعنی بچنا ہے تو تقویٰ کی بہت قسمیں ہیں۔ کفر و شرک سے بچنا۔ بدعقیدگیوں سے بچنا۔ حرام چیزوں سے بچنا۔ جس میں ناجائز ہونے کا شبہ ہو اس سے بچنا۔ جو چیز اللہ سے غافل کرے اس سے بچنا۔ اگرچہ مال و اولاد بلکہ اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ماسوی اللہ سے بچنا۔

شعر۔
رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست رہ عاشقاں جز خدا ہیچ نیست

یعنی ہر آڑ کو پھاڑ کر یار تک پہنچنا جس درجہ کا ولی اسی درجہ کا اس کا ایمان اور تقویٰ یہ فرمان بہت جامع ہے چونکہ ایمان ایک دائمی صفت ہے کہ ایک بار حاصل ہو کر مرتے دم بلکہ بعد تک رہتا ہے اور تقویٰ یعنی پرہیزگاری ہمیشہ اختیار کی جاتی ہے ہر وقت کا تقویٰ نیا ہوتا ہے اس لیے اٰمَنُوْا ماضی مطلق اور کَانُوْا یَتَّقُوْنَ ماضی استمراری ارشاد ہوا۔ ولی اللہ کی علامت یہ ہے کہ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں ان حضرات کے خوف و غم سے آزاد ہونے کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی وہ خوف و غم سے اس لیئے آزاد ہیں کہ انہیں رب کی طرف سے بشارتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ جس سے وہ ہر وقت خوش و خرم رہتے ہیں اس فرمان میں ولیوں پر دوسرے کرم کا ذکر ہے بشارة کے معنی اس کے قسمیں ہم دوسرے پارہ میں وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ اَلَّذِیْنَ (الخ) کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں دنیوی اخروی بشارت سے کیا مراد ہے

۱؎ ان کا نام سائیں یوسف قصاب فوت ہو چکے ہیں بجوار جلالپور روڈ پر ان کا مزار ہے (اقتدار احمد خان)

اس میں چند قول ہیں ۱؎ لوگوں کی زبان سے نکلنا کہ فلاں ولی ہے یہ موجودہ بشارت ہے رب فرماتا ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْاَرْضِ مخلوق کی زبان خالق کا قلم ہے۔ ۲؎ دلوں کا ان کی طرف کھنچنا کہ لوگ خواہ مخواہ ان سے محبت کریں یہ ولایت کی خاص علامت ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب رب تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو حضرت جبریل سے فرماتا ہے کہ فرشتوں میں اعلان کر دو کہ وہ میرا پیارا ہے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر زمین والوں کے دلوں میں اس کی قبولیت ڈال دی جاتی ہے۔ (روح البیان وغیرہ) ۳؎ خود ان کے دلوں میں اچھے کاموں اچھے بندوں کی طرف میلان ہونا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روح کے مختلف طبقے ہیں۔ ہر روح اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔

نوریاں مر نوریاں را طالب اند ناریاں مر ناریاں را جاذب اند

۴؎ مرتے وقت فرشتوں کا ان کو کہنا يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي اے مطمئن نفس لوٹ اپنے رب کی طرف تو رب سے راضی رب تجھ سے راضی میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔ میری جنت میں آ۔ ۵؎ دنیا میں انہیں اچھی خوابوں اچھے الہامات کے ذریعہ بتا دیا جانا کہ تو اللہ کا مقبول ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خوابیں نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ اس حدیث کی شرح ہماری کتاب مرآت شرح مشکوٰۃ میں دیکھو ۶؎ قیامت میں خود رب تعالیٰ کا انہیں اپنے کرم و فضل کی بشارت دینا رب فرماتا ہے يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ ۷؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں مغفرت و بخشش رب کے فضل و کرم کی بشارتیں دینا جو مدینہ منورہ سے ان کے دلوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللهِ فَضْلًا كَبِيرًا ۸؎ جنت میں داخلہ کے وقت فرشتوں کا انہیں بشارتیں دینا رب فرماتا ہے وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۹؎ رب تعالیٰ ولی کی موت کے وقت فرماتا ہے کہ اللہ نے تجھے بھی بخشا اور جس نے تیری میت کو کندھا دیا اسے بھی بخشا۔ یہاں بشارت سے وہ بشارت مراد ہے (روح المعانی) اس کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں غرضکہ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللهِ۔ اس فرمان عالی میں گذشتہ سارے وعدوں کی گویا رجسٹری فرما دی گئی۔ یہاں کلمات اللہ سے مراد رب تعالیٰ کے وہ وعدے ہیں جو اس نے اولیاء اللہ سے کیئے یا قرآن میں یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں فرمایا کہ اللہ کے وعدوں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے جس سے رب تعالیٰ پاک ہے ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ یہ فرمان عالی ساری آیۃ کریمہ کا خلاصہ ہے یعنی اے مسلمانوں بڑی کامیابی یہ ہی ہے جو تمہاری عقل و درایت سے دور ہے دنیا کی دولت۔

عزت حکومت اس کے مقابل ہیچ ہے کہ وہ فانی ہیں یہ باقی اللہ کا ولی مرے بعد بھی دنیا پر راج کرتا ہے۔ شعر۔

ہر کہ دیوانہ بُوَد در ذکرِ حق زیرِ پائش عرش و کرسی نہ طبق

خلاصہ تفسیر ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیۃ کریمہ میں اس گروہ کا ذکر ہے جو حضور انور کا فیض امت تک پہنچائیں یعنی اولیاء اللہ اور اس آیۃ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے لوگو کان کھول کر سن لو۔ آگاہ رہو خبر دار رہو اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوست اس سے قرب رکھنے والوں کی شان یہ ہے کہ دنیا میں ان پر کسی مخلوق کا خوفِ رعب ڈر نہیں چھاتا کیونکہ ان کے دل رب کے خوف سے بھرے ہیں دوسرے خوف کی وہاں جگہ ہی نہیں نہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے انہیں بعد میں غم پیدا رنج ہو انہیں اللہ تعالیٰ ان دونوں تکلیفوں میں انہیں محفوظ رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سچے پکے مومن ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت ہر طرح پرہیز گار متقی رہتے ہیں کہ نہ کوئی شرعی فرض واجب سنت چھوڑتے ہیں نہ کوئی ناجائز کام کرتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں خوشخبریاں ہیں کہ خواہ مخواہ بندوں کے منہ سے نکلتا ہے کہ وہ ولی اللہ ہیں ان کی طرف دل جھکتے ہیں اور مرتے وقت فرشتے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔ قیامت میں اور جنت میں داخلے کے وقت انہیں خوشخبریاں دیتے ہیں اور دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں کلماتِ الہیہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی اے لوگو یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔ اس کی طرف رغبت کرو

اولیاء اللہ

اللہ تعالےٰ نے حضور انور پر نبوت ختم فرمادی مگر ولایت ختم نہیں فرمائی اب کوئی نبی نہیں بن سکتا مگر ولی بنتے رہے ہیں اور بنتے رہیں گے اولیاء اللہ کے متعلق چند چیزیں قابل تحقیق ہیں۔

۱۔ ولی اللہ کون ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ولی اللہ وہ ہے جو شرعی فرائض سے اللہ کے قرب اور اس کی اطاعت سے اللہ کا نور حاصل کرے اس کا دل معرفت الٰہی میں ڈوبا رہے کہ جب دیکھے تو دلائل قدرت دیکھے جب سنے تو آیات الٰہیہ سنے جب بولے تو رب کی حمد و ثنا سے شروع کرے جب حرکت کرے تو اطاعتِ الٰہی میں حرکت کرے جب بندہ اس حال پر پہنچتا ہے تو رب تعالیٰ اس کا مددگار ہو جاتا ہے متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ولی ہے جس کے عقائد درست ہوں اور قوی دلائل پر مبنی ہوں اعمال شریعت کے مطابق ہوں بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی کا اور ہمیشہ رب کی طرف متوجہ رہنے

کا جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے کسی چیز کا ڈر نہیں رہتا نہ کسی چیز کے فوت ہونے کا غم حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آئے (طبری) ابن زید نے کہا کہ ولی وہ جس میں یہ صفات ہوں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی ایمان و تقویٰ اور بشارت بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ جو کسی سے محبت یا نفرت کریں تو محض اللہ کے لئے کریں حتیٰ کہ خود جو کام کریں صرف رضاء الٰہی کے لئے کریں (خزائن العرفان) بعض نے فرمایا کہ ولی وہ کہ جن کی طبیعت شریعت سے آراستہ ہو۔ نفس طریقت سے دل معرفت سے۔ اور روح حق سے۔ اور ماسوئے اللہ سے بچے رب تعالیٰ تک اس کی کشش سے پہنچے وہ خدا رسی میں مبداء منتہیٰ کا محتاج نہ ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چہ درازو کوتہ کہ آنجا خدا است　　این درازو کوتہی مر جسم راست

رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد　　چو خدا مر جسم را تبدیل کرد

یعنی دوری درازی جسمانی سفر کے لئے جہاں خدا ملتا ہے وہ دور نہیں جب خدا جسمانیت کو روحانیت میں تبدیل کر دیتا ہے تو اس کا سفر بغیر کوس بغیر میل بغیر منزل ہوتا ہے۔ (روح البیان)

ولی اللہ کی پہچان صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا کی پہچان آسان ہے مگر ولی کی پہچان مشکل ہے کہ ہر ذرہ ہر قطرہ جمال رب کا آئینہ ہے۔ شعر۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار　　ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

مگر ولی تو ہم میں رہیں ہماری طرح کھائیں پئیں سوئیں جاگیں لیکن ان کے دل قندیل نورانی ہوں ظاہر میں شریعت سے موصوف ہوں باطن فقر کے انوار سے روشن ہو اب بتاؤ انہیں کیسے پہچانیں وہ ان دولہنوں کی طرح ہیں جن تک ان کے محبوب کے سوا کوئی نہیں پہنچتا یہ قول بایزید بسطامی کا ہے۔ حضرت سہیل فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے (روح البیان) ان کی آسان پہچان وہ ہے جو اس آیت میں قرآن مجید نے بیان فرمائی کہ اس کے دل میں ایمان۔ ظاہر میں تقویٰ ہو۔ عام مخلوق اسے ولی کہے اس کی طرف دل کھنچیں۔ انہیں دیکھ کر خدا یاد آئے۔ دیکھو تفسیر لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الدُّنْيَا (الخ)

ولایت کی قسمیں۔ ولایت کسبی جو تقویٰ عبادت مجاہدات۔ مراقبات سے حاصل ہو۔ ولایت[۲] فطری یعنی مادر زاد ولی جیسے حضرت مریم مادر زاد ولیہ تھیں۔ آپ سے کرامات بچپن سے ظاہر ہوتی تھیں وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا یا غوث الثقلین جنہوں نے رمضان کے دن میں ماں کا دودھ نہیں پیا۔ شعر۔

غوث اعظم متقی ہر آن میں　　چھوڑا ماں کا دودھ بھی رمضان میں

آدم علیہ السلام پیدا ہوتے ہی مسجود ملائکہ بنے۔ ولایت[۳] عطائی جو کسی ولی یا نبی کی نظر کرم سے آناً فاناً

جائے جیسے فرعونی جادوگر نگاہِ موسوی سے اور حبیب نجار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نظر سے یکدم ولی ہو گئے۔ یا حضرت سید کبیر الدین دریائی دولہا جن کا مزار شریف ہمارے اس گجرات پنجاب میں ہے کہ ان کی ڈوبی کشتی حضور غوث پاک نے بارہ ۱۲ برس کے بعد مع برات نکالی اور ایک نگاہ سے ولی بنا دیا ان کی عمر پورے چھ سو برس ہوئی۔ شعر

غوثِ اعظم کی نگاہِ لطف سے نکلے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے

یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ شیخ عبد القادر جیلانی میں ولایت کے کرامات قلبیہ کرامات کونیہ دونوں جمع ہیں شیخ ابو مدین مغرب میں اور شیخ عبد القادر مشرق ایسے صاحب کرامات ہیں کہ ان کی مثال نہیں ملتی (روح البیان)

اولیاء اللہ کی قسمیں ولی اللہ دو قسم کے ہیں ولی تشریعی اور ولی تکوینی۔ ولی تشریعی وہ مسلمان متقی ہے جسے اس کے تقوے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے قرب نصیب ہو جاوے اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ ہر عالم دین با عمل اللہ کا ولی ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رب فرماتا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا اور جہاں چالیس مومن جمع ہوں ان میں ایک نہ ایک ضرور ولی اللہ ہوگا جیسا کہ حدیث ابن عباس میں ہے انہوں نے اپنے بچہ کی نماز جنازہ کے لیے چالیس مسلمانوں کے جمع ہونے کا انتظار فرمایا مگر ولی تکوینی وہ ہیں جنہیں عالم میں تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا۔ حضور انور فرماتے ہیں بِہِمْ یُمْطَرُوْنَ اور بِہِمْ یُرْزَقُوْنَ ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں لوگوں کو رزق ملتے ہیں۔ ولی تکوینی کی بہت جماعتیں ہیں اور ان کے ذمہ دنیا کے سیاہ و سفید کے مختلف اختیارات ہیں۔ چنانچہ ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ ابدال چالیس، امناء سات، خلفاء تین قطب عالم ایک رہیں گے۔ قطب عالم سے دنیا ایسے قائم ہے جیسے میخ کی چوب سے خیمہ۔ جیسے عالم ارواح میں فرشتے دنیا کا انتظام کرتے ہیں جنہیں مدبرات امر کہتے ہیں۔ یونہی عالم اجسام میں تکوینی اولیاء دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ سلطنت حکومت ان بزرگوں کے ہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے بو علی قلندر پانی پتی قدس سرہ کا ایک مکتوب اشعار میں نقل فرمایا جو انہوں نے بادشاہ علاء الدین خلجی کو لکھا۔ اس کا ایک شعر اس طرح ہے۔

خامہ را برداشت فرمانے نوشت از فقیرے سوئے سلطانے نوشت
بازگیر ایں عالمے بد گوہرے ورنہ بخشم ملکِ تو با دیگرے

اولیاء اللہ کی ضرورت دنیا خصوصاً مسلمان ہر آن اولیاء اللہ کے ایسے حاجتمند ہیں جیسے روزی۔ پانی۔ تاروں کی روشنی کے۔ ہم اس کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں علماء اولیاء اللہ

دین حق اور صراط مستقیم کی دلیل ہیں جس دین میں ولی ہو وہ حق ہے جو ملت ولایت سے خالی ہے وہ باطل ہے۔ ہمیشہ ولیوں والا دین اختیار کرو۔ رب فرماتا ہے وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ سچوں کے ساتھ رہو۔ اور سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی علامت یوں بیان فرمائی ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ دیکھ لو مشرکین و کفار میں کوئی ولی نہیں کہ وہ باطل ہیں گذشتہ نبیوں کے دینوں میں اولیاء اللہ ہوئے۔ آسف بن برخیا۔ اصحاب کہف جناب مریم۔ جریج وغیرہم جن کے قصے کرامات قرآن مجید اور حدیث شریف میں مذکور ہیں مگر جب وہ دین موسوی عیسوی وغیرہ منسوخ ہو گئے ان سے ولایت ختم ہو گئی۔ جب جڑ سوکھ جائے تو درخت میں پھل پھول کیسے لگیں اسلام میں سوا مذہب حقہ اہل سنت کے کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی جڑ تو ہری ہے مگر اس کا فیض صرف ایک ہی شاخ اہل سنت میں آ رہا ہے۔ باقی میں فیض نہیں اس میں ولایت کا سبزہ پھل پھول ہیں۔ یہ شاخ جنتی ہے باقی خشک شاخیں دوزخ کا ایندھن ہیں ولایت حقانیت اسلام اور مذہب اہل سنت کی جیتی جاگتی دلیل ہے ۲؎ اولیاء اللہ اور ان کی کرامات حضور انور کا زندہ جاوید معجزہ ہیں ان کے کمالات سے کمال مصطفوی کا پتہ لگتا ہے کہ جب اس شہنشاہ کونین کے غلاموں میں یہ کمالات ہیں تو حضور انور کے کمالات کا کیا کہنا ۳؎ حضور انور نے اپنی امت کو دو قسم کے فیض دیئے۔ ظاہر۔ باطن۔ ظاہری فیوض علماء دین سے امت تک پہنچ رہے ہیں باطنی فیوض اولیاء اللہ کے ذریعہ ۴؎ جیسے دل کا فیض اعضاء بدن تک رگوں کے ذریعے پہنچتا ہے اگر رگیں کٹ جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے ایسے ہی حضور انور کا فیض ساری امت کو بذریعے اولیاء اللہ پہنچتا ہے کہ ولایت درمیان میں نہ ہو تو امت کی روحانی موت واقع ہو جائے ۵؎ بجلی کا پاور بنتا ہے پاور ہاؤس میں استعمال ہوتا ہے گھروں دکانوں کارخانوں میں مگر پہنچتا ہے درمیان کے کھمبوں اور تار کے ذریعہ۔ ایمان بنتا ہے مدینہ منورہ کے پاور ہاؤس میں ملتا ہے ہم گنہگاروں کو مگر درمیان میں علماء کے کھمبے اولیاء کے تار کے ذریعے ۶؎ بجلی کا نور قمقموں سے ملتا ہے۔ حضرات اولیاء فیضان نبوت کے بلب ہیں جو حضور سے چمکتے ہیں اور ہم گنہگاروں کو روشنی دیتے ہیں۔ پھر جس بلب کی جیسی طاقت ویسی اس کی روشنی۔ جیسا بلب کا رنگ ویسی اس کی روشنی۔ قادری چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی اسی مرکز کے فیض کے رنگ برنگے مختلف طاقتور والے بلب ہیں۔ شعر۔

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجے نگاہ! جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

جیسے بجلی کا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے ایسے ہی اولیاء اللہ سے دشمنی کرنے والا حکومت ربانیہ کا مجرم ہے ۷؎ زمین کا قرار پہاڑوں سے ہے جنگل میں ہلکے پتہ کا قرار کسی مضبوط آڑ سے ہے۔

ورنہ ہوائیں اسے اڑائیں پھریں ایسے ہی ہمارے دلوں کا قرار حضراتِ اولیاء سے ہے شعر۔

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ترا بھروسہ تیرا

۳ قیامت میں لوگوں کو ان کے امام پیشوا مشائخ کے ذریعہ بلایا جائے گا یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے ۹ دنیا میں جس کا کوئی شیخ نہ ہو اس کا شیخ شیطان ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کریں۔

کراماتِ اولیاء جو عجیب و غریب عقل سے وراء کام مُدعیٔ نبوّت کے حق میں اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں اسے معجزہ کہتے ہیں جو کسی نبی کے متبع کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ کرامت ہے جو کافر و فاسق معلن کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ استدراج کہلاتا ہے۔ جیسے دجال بڑے کرشمے کر کے دکھائے گا۔ بعض سادھو اور فراڈی جواری فقیر انوکھے کام کر دکھاتے ہیں یہ سب استدراج ہیں۔ جیسے نبی کے معجزے برحق ہیں ان کا انکار کفر ہے، اور جس طرح کفار کے استدراج کو برحق ماننا کفر ہے۔ ایسے ہی اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں ان کا انکار کفر ہے کہ قرآن کا انکار ہے قرآن کریم فرماتا ہے کہ آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تختِ بلقیس ملکِ یمن سے فلسطین میں حضرت سلیمان کے پاس لے آئے۔ حضرت مریم لڑکپن میں بے موسم غیبی پھل کھاتی تھیں اور کہتی تھیں قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ اصحاب کہف صدہا سال سے زندہ ہی سو رہے ہیں اُن کے ساتھ ان کا کتا بھی زندہ ہے یہ تمام حضرات اولیاء بنی اسرائیل ہیں۔ صحابہ کرام کی کرامات سے احادیث کی کتب پُر ہیں۔ اب بھی اولیاء اللہ کی کرامات دیکھی جاتی ہیں۔ فقیر نے خود اپنے پر دیکھی ہیں۔ ان کا انکار گویا چلتے سورج کا انکار ہے۔ ان جاہلانہ بیانوں کا مشہور کرنا جیسے شاہ غوث پاک کا دولہا بنانا وغیرہ ان کو تسلیم کرنا ہے کیونکہ شریعت کے خلاف ہے کرامت کی پہچان ہے کہ کسی طرح شریعت کے خلاف نہ ہو جس سے بزرگی کی توہین ہو۔

حالاتِ اولیاء حضرات انبیاء کرام صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ اس لئے اُن کے حالات مختلف ہیں۔ کوئی نبی جلالی ہے کوئی جمالی۔ کوئی نبی بادشاہ ہیں جیسے حضرت سلیمان و داؤد اور کوئی تارک الدنیا جیسے حضرت عیسٰی و یحیٰی علیہم الصلوٰۃ والسلام یونہی حضرات اولیاء اللہ کسی نہ کسی نبی کے نقش قدم پر ہیں۔ انہیں کے مظہر ولایت موسوی کا اور رنگ ہے ولایت ابراہیمی کا اور ہی نقشہ اور ولایت محمدی سب سے اعلیٰ اس لئے اولیاء اللہ کے حالات مختلف حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّيْ
عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے مگر میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں۔ چنانچہ بعض اولیاء امیر بلکہ بادشاہ ہوئے بعض تارک الدنیا۔ حضور غوث پاک بڑے غنی۔ ابراہیم ادہم تارک السلطنت ہو کر گدڑی پوش۔ یوں ہی بعض اولیاء اللہ ہمیشہ اور بعض اولیاء کبھی کبھی حالت جذب میں۔ عقل و ہوش

کھو بیٹھتے ہیں اس وقت اُن پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے رب فرماتا ہے۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی نشہ کی حالات میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اور فرماتا ہے وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر گئے یہ ہی موسوی بے ہوشی کی انہیں میراث ملتی ہے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا قوم کی بت پرستی دیکھ کر توریت کی تختیاں گرا دینا حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لینا۔ زنانِ مصر کا حسن یوسفی دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لینا بے خودی کی حالت میں ہوا۔ حضورِ انور فرماتے ہیں رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ اَلصَّبِیِّ وَالنَّائِمِ وَالْمَجْنُوْنِ تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ یعنی شرعی احکام ان پر جاری نہیں۔ بچہ۔ سوتا ہوا۔ دیوانہ۔ یہ لوگ مجنوں یا مجذوب ہوتے ہیں۔ اس جذب کی حالت میں اُن کے منہ سے اَنَا الْحَقُّ یا اَنَا اللّٰہُ یا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ نکلتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی اَنَا فنا کر چکے ہوتے ہیں اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

چو روا باشد اَنَا اللّٰہ از درخت　　کے روا نبود کہ گوید نیک بخت

جب وادیِ طویٰ کا بیری کا درخت کہے اَنْ یّٰمُوْسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ۔ اے موسیٰ میں اللہ ہوں تو یہ بندہ اگر اس درخت کی طرح اَنَا الْحَقُّ کہے تو مجرم نہیں اور بعض بڑے عالی ظرف اولیاء اپنے کو ایسے سنبھالتے ہیں کہ کسی وقت عقل و خرد سے الگ نہیں ہوتے۔ شعر۔

موسیٰ زہوش رفت بہ یک پرتوِ صفات　　تو عینِ ذات می نگری در تبسمی!

انہیں سالک کہا جاتا ہے غرضکہ نہ ہر ولی کا ایک حال ہے اور نہ ہر ایک کا قال۔ شعر۔

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم!　　گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

فقیر کی یہ چند معروضات اگر غور سے پڑھی گئیں تو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔ رب تعالیٰ ہم کو خاک دری نصیب کرے اُن کے در کی خاک چشم دل کا سرمہ ہے فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاکِ اولیاء　　تا بہ بینی زابتدا تا انتہاء

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　او نشیند در حضورِ اولیاء

چوں شدی دور از حضورِ اولیاء　　آنچناں داں دور گشتی از خدا

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ولایت برحق ہے اور تا قیامت اولیاء اللہ دنیا میں رہیں گے حضور انور پر نبوت ختم ہوئی ولایت ختم نہ ہوئی یہ فائدہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ ہر زمانہ میں ایک دو نہیں بہت سے اولیاء اللہ رہیں گے یہ فائدہ اولیاء اللہ جمع فرمانے سے حاصل ہوا ہے۔ تیسرا فائدہ اولیاء اللہ ایک

قسم یا ایک طرح کے نہیں ان کی جماعتیں مختلف ہیں ان کے کام جداگانہ یہ فائدہ بھی اشارۃً اولیاء اللہ جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ اولیاءُ اللہ اور حضرات ہیں اور اولیاء مِنْ دُوْنِ اللہ دوسرے لوگ ہیں۔ اولیاءُ اللہ مقبول ہیں اولیاء مِنْ دُوْنِ اللہ مردود ہیں یہ فائدہ اولیاء اللہ کو اللہ کی طرف مضاف فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ پانچواں فائدہ حضرات اولیاء اللہ کو دنیا میں کسی مخلوق کا خوف چھاتا نہیں۔ اگرچہ کبھی عارضی طور پر ہو جائے یہ فائدہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ میں علیٰ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت موسیٰ ہارون علیہم السلام کو ایک وقت فرعون سے خوف ہوا مگر وہ خوف نہ تو ان کے دلوں پر چھایا نہ باقی رہا۔ چھٹا فائدہ حضراتِ اولیاء اللہ کبھی عمدًا برا کام نہیں کرتے جس سے انہیں آگے چل کر غم ہو یہ فائدہ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ سے حاصل ہوا یہ سب فائدے لَا خَوْفٌ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوئے جبکہ اس سے دنیا کا خوف و غم مراد ہو ساتواں فائدہ قیامت کے دن حضرات انبیاء کرام کو اپنی امت پر خوف و غم ہوگا۔ ہم لوگوں کو اپنا خوف و غم اور قیامت کا خوف و غم ہوگا۔ مگر اولیاء اللہ کو ان میں سے کوئی غم و خوف نہیں۔ یہ فائدہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ میں هُمْ کی ضمیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس خوف و غم سے قیامت کا خوف مراد ہو۔ وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں حضرات انبیاء کرام رشک کریں گے اولیاء پر اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ ان کی بے خوفی بے غمی پر رشک کریں گے ورنہ تمام انبیاء کرام تمام اولیاء اللہ کے سردار و آقا ہیں اور سب غوث و قطب انبیاء کے غلام درگاہ ہیں۔ اگرچہ حضور عبد القادر جیلانی ہوں۔ شعر

نائبِ مصطفیٰ دریں کشور — رشکِ پیغمبراں معینُ الدین

آٹھواں فائدہ کوئی مشرک کافر۔ بدمذہب ولی اللہ نہیں بن سکتا لہٰذا ہندو۔ عیسائی یہودی یوں ہی قادیانی چکڑالوی وہابی ولی نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے حاصل ہوا۔ اِن جماعتوں سے آج تک کوئی ولی نہیں ہوا نہ ہوگا۔ نواں فائدہ کوئی فاسق و فاجر بے نماز بے روزہ بھنگی چرسی ولی نہیں یہ فائدہ وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ سے حاصل ہوا۔ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ جب ہر وقت سورج کی دھوپ۔ ہوا۔ غذا کی ہر پیر فقیر کو ضرورت ہے تو شریعت جناب مصطفیٰ کی بھی ہر وقت ضرورت ہے بعض شیاطین کا یہ حال ہے۔ شعر

کارِ شیطاں می کند نامش ولی — گر ولی اینست لعنت بر ولی!

مجنوں و مجذوب کے احکام ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ بلکہ ہم مرے بعد سورج وغیرہ سے بے نیاز ہو جاتے ہیں حضور انور کے محتاج وہاں بھی رہتے ہیں۔ جو کہے میں خدا تک پہنچ گیا اب مجھے شریعت کی ضرورت نہیں اسے چاہیئے کہ وہ کھانے یا دھوپ ہوا بھی استعمال نہ کرے بے [illegible] ۔ دسواں فائدہ کسی مومن کے [illegible] عام خلقت کہے کہ وہ ولی ہے تو یہ اس کے ولی ہو[illegible] کی علامت ہے عام خلقت سے مراد مومنین صالحین اور عوام سب ہی ہیں یہ فائدہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی ایک

تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ حضور انور فرماتے ہیں اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْاَرْضِ۔

پہلا اعتراض اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور انور پر نبوت ختم ہو گئی مگر ولایت ختم نہ ہوئی۔ حضور خاتم الانبیاء ہیں مگر خاتم الاولیاء نہیں جواب حضور انور آسمان نبوت کے دائمی چمکنے والے سورج ہیں دوسرے انبیاء کرام یا چاند تارے ہیں یا روشن چراغ اور اولیاء اللہ گویا اس سورج کے ذرے ہیں۔ سورج چاند تاروں کو اپنے نور میں چھپا لیتا ہے چراغوں کو بجھا دیتا ہے مگر ذروں کو چمکا دیتا ہے۔ اولیاء اللہ اسلام کی حقانیت اس کے غیر منسوخ ہونے کی دلیل ہیں لہٰذا ان کا بقاء ضروری ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں ارشاد ہوا کہ ولیوں پر خوف و غم نہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کو خوف خدا و قیامت بہت زیادہ ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا بھی خوف ہوا اور جب عصا پہلی بار سانپ بنا تو اس سے بھی۔ جواب اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگر خوف سے مراد دنیا میں خوف ہو تو اس سے غیر اللہ کا خوف دل پر چھا جانا مراد ہے انہیں غیر اللہ سے کبھی عارضی خوف ہوتا ہے جو جاتا رہتا ہے پھر انہیں کلیم اللہ نے فرعون کا ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ سبحان اللہ اور اگر خوف آخرت مراد ہے تو دوزخ کی سختی حساب وغیرہ کا خوف مراد ہو گا۔ تیسرا اعتراض۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ولی وہ جو مومن متقی ہو۔ مگر حضرت مریم تو بچپن ہی میں ولیہ تھیں اس وقت انہیں تقویٰ کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا۔ ایسے ہی رابعہ بصری اور حضور غوث اعظم پھر آیت کا فرمان کیونکر درست ہوا۔ جواب اس آیت میں ولایت کسبی کا ذکر ہے اور ان حضرات کی ولایت ولایت فطری ہے یوں سمجھو کہ ولایت کسبی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور ولایت فطری سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ وہ ولی ہو کر متقی ہوتا ہے۔ چوتھا اعتراض۔ بعض فاسق و فاجر فقیر ولی ہوتے ہیں ان سے کرامات سرزد ہوتی ہیں پھر ولایت تقویٰ پر موقوف کیسے۔ جواب۔ وہ ولی نہیں بلکہ ابلیس کی ذریت ہیں ان کے عجائبات کرامت نہیں۔ استدراج ہیں دجال بڑی عجیب باتیں دکھائے گا۔ مگر ولی کیا مومن بھی نہ ہو گا۔ ولایت کے لیئے کرامت کی شرط نہیں یہ تو ایک خاص درجہ قرب الٰہی کا ہے۔ جس قدر حضور انور کی غلامی قوی تر اسی قدر رب تعالیٰ سے قرب زیادہ۔ پانچواں اعتراض یہاں خوف کے لیئے لَا خَوْفٌ اور غم کے لیئے وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ارشاد ہوا نیز ایمان کے لیئے اٰمَنُوْا اور تقویٰ کے لیئے وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ارشاد فرمایا۔ اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے جواب اس کے نکات ابھی تفسیر میں عرض ہوئے کہ اولیاء اللہ کو اگرچہ عارضی خوف ہو سکتا ہے مگر وہ خوف ان پر نہ غالب ہوتا ہے نہ دائمی رہا غم وہ تو بفضلہ تعالیٰ ان کے قریب نہیں ہوتا یوں ہی ایمان دائمی حیثیت سے ہے کہ ایک بار حاصل ہو گیا۔ مرتے وقت تک رہا مگر

تقویٰ اعمال سے تعلق رکھتا ہے اور اعمال ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ولایت۔ خوف۔ غم۔ ایمان اور ولی پرہیزگاری ان سب کا تعلق دل سے ہے ولایت دل کا نور ہے اور خوف و غم ایک طرح کی تاریکی نور آیا اندھیرا گیا۔ ولایت عشق رسول خوف خدا کے ایک درجے کا نام ہے۔ شعر۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد شمس آمد شمع خود بیچارہ شد

دنیوی خوف و غم عقل پر وارد ہوتے ہیں جس کا تعلق دلیل سے ہے ولایت دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ دل کے مقابل دلیل کمزور ہے عالم دین جسم پر شریعت کے نقش و نگار کرتا ہے ولی اللہ دل کو گھوٹ کر صاف کر کے مانجھ کر مصفا بناتا ہے بیچ میں سانس کا پردہ ہے۔ جب یہ پردہ ہٹا تو ان شاء اللہ یہ تمام نقش و نگار دل میں جلوہ گر ہوں گے۔

لطیفہ گروہ اولیاء میں حضور غوث الثقلین سید عبد القادر جیلانی قطب عالم اور تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ آپ کا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم ہیں حضور انور سید الانبیاء ہیں اور سرکار بغداد سید الاولیاء کسی بزرگ کا قول ہے۔ شعر۔

غوث اعظم درمیان اولیاء چوں جناب مصطفیٰ درانبیاء

تمام اولیاء اللہ مظہر انبیاء حضور غوث پاک مظہر مصطفیٰ تمام انبیاء مظہر صفات الٰہی حضور مصطفیٰ مظہر ذات الٰہی۔ عرب و عجم میں حضور غوث پاک کی فاتحہ کو گیارہویں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضور غوث پاک ماں کی طرف سے حضرت حسین کے گیارہویں پوتے ہیں اور والد کی طرف سے امام حسن کے گیارہویں پوتے۔ ولادت شریف ۱۱ ربیع آخر کو رب کی شان کہ یہ آیت اولیاء دسویں سورت، گیارہویں پارہ میں آئی رب تعالیٰ نے گیارہ کا عدد پہلے ہی منتخب فرما لیا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ
اور نہ غمگین کرے آپ کو قول ان کا تحقیق عزت اللہ کی ہے تمام کی تمام وہ سننے والا جاننے
اور تم ان کی باتوں کا غم نہ کرو بے شک عزت ساری اللہ کے لیئے ہے وہ سنتا جانتا
الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي

والا ہے خبردار تحقیق اللہ کے ہیں وہ لوگ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ لوگ جو
ہے سن لو بے شک اللہ ہی کے ملک ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے
الْاَرْضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ
زمین میں ہیں اور نہیں پیروی کرتے وہ جو پوجتے ہیں ماسوا اللہ شریکوں کو
زمینوں میں ہیں اور کاہے کے پیچھے جا رہے ہیں وہ جو اللہ کے سوا شریک پکار
اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾
نہیں پیروی کرتے وہ لوگ مگر گمان کی اور نہیں ہیں وہ مگر اندازہ لگاتے
رہے ہیں وہ تو پیچھے نہیں جاتے مگر گمان کے اور وہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں اللہ کے دوستوں یعنی اولیاء اللہ کا ذکر خیر ہوا اب اللہ کے دشمنوں یعنی کفار کی برائیوں کا ذکر ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اندھیرے سے روشنی جہالت سے علم۔ کفر سے ایمان۔ عداوت سے ولایت کی پہچان ہوتی ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں حضور کے غلاموں یعنی اولیاء اللہ کے اخروی خوف و غم کی نفی کی گئی جیسا کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اب حضور انور سے دنیوی غم کی نفی کی جارہی ہے کہ آپ کو کفار مکہ سے کوئی رنج و غم نہیں (تفسیر کبیر) تیسرا تعلق پچھلی آیات میں حضور انور کے غلاموں یعنی اولیاء اللہ کے لئے دنیا و آخرت میں خصوصی بشارتوں کا ذکر ہوا اب کفار کی دھمکیوں اُن کے بے بنیاد ڈرانے کی تردید کی جارہی ہے۔

نزول مشرکین مکہ فقراء مساکین مسلمین سے کہا کرتے تھے کہ ہماری اولاد ہماری عزت ہماری دولت زیادہ ہے ہم تم کو برباد کردیں گے۔ ان کی تردید میں مومنوں کی تسکین کے لئے یہ آیاتِ کریمہ آئیں۔ (دیکھو تفسیر خازن۔ تفسیر کبیر)

تفسیر وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ۔ اس فرمان عالی میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا ہے ان حضرات صحابہ کو اور ان کے صدقہ سے تاقیامت مسلمانوں کو قولہم میں قول سے مراد کفار مکہ کا وہ ہی قول ہے جو ابھی نزول میں عرض کیا گیا کہ ہم دولت۔ عزت اولاد جتھے والے ہیں اور ھُمْ کا مرجع وہ بکواس کرنے والے کفار ہیں۔ یعنی یہ ہی کہ آپ کو ان کفار کی یہ شیخی کی باتیں دھمکیاں وغیرہ ملول

نہ کریں مطلب یہ ہے کہ آپ اس سے ملول نہ ہوں جیسے کسی سے کہا جاوے کہ کل میں تم کو یہاں نہ دیکھوں یعنی کل تم یہاں نہ آنا (روح البیان وغیرہ) اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اس لیے ہماری قراۃ میں اِنَّ ہے الف کے کسرہ سے ہے بعض قراتوں میں اَنَّ الف کے فتحہ سے ہے تو وہاں لام پوشیدہ ہے اصل میں لِاَنَّ تھا (روح المعانی) عزت کے معنی ہیں غلبہ اس لیے غالب کو عزیز کہا جاتا ہے اردو میں عزت بمعنی وقار۔ آبرو۔ عظمت استعمال ہوتا ہے اس کا مقابل ہے ذلت۔ اَلْعِزَّةَ سے مراد حقیقی۔ دائمی۔ یہی ذاتی عزت ہے جو بغیر کسی کی عطا کے بغیر کسی سبب کے ہو اور اس آیت کریمہ اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ میں عزت سے مطلق عزت مراد ہے لہٰذا یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں لِلّٰهِ میں لام صلہ کا ہے جَمِیْعًا عزت کا حال اس میں ہر قسم کی عزت بلکہ عزت کی ہر فرد داخل ہے یعنی یہ قسم کی ہر عزت ہمیشہ رب تعالیٰ کی ہے۔ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ روئے سخن مومنین سے ہے یعنی اے مسلمانوں رب تعالیٰ کفار کی دھمکیوں کے مقابلہ میں تمہاری نرم گفتگو سنتا ہے اور ان کی دھمکیوں تکبر والی باتوں سے جو تمہارے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے اسے رب جانتا ہے یہ حالات رہیں گے نہیں عنقریب انقلاب آئے گا کفار ذلیل ہوں گے چاند تمہارا چمکیگا۔ تب یہ فرمان رحمت کاملہ کا ہے دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ ان کفار کی تکبرانہ گفتگو سنتا ہے ان کے دلوں کے کفر عناد کو جانتا ہے تو یہ فرمان عالی عتاب وعذاب کا ہے یا سمیع کا تعلق کفار سے ہے علیم کا تعلق مومنین سے یعنی رب تعالیٰ کفار کی یہ شیخی والی گفتگو سنتا ہے اور تمہارا موجودہ حال جانتا ہے تو یہ فرمان عالی غضب و رحم کی جامع ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جو پہلے فرمان عالی کی دلیل ہے کہ جب آسمان و زمین کے سارے لوگ اللہ کی ملک ہیں تو انہیں عزت و ذلت دینا بھی اس کے قبضہ میں چونکہ اس مضمون کے کفار منکر تھے اس لیئے اسے اَلَا اور اِنَّ کی تاکیدوں سے شروع کیا گیا۔ لِلّٰهِ میں لام ملکیت اور قبضہ کا ہے لِلّٰهِ کو مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ (الخ) پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی یہ اللہ ہی کے مخلوق مقبوض مملوک ہیں۔ یہاں بھی ملکیت اور قبضہ سے مراد ذاتی اور دائمی ملکیت وقبضہ ہے لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں کہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ الخ یا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وغیرہ کہ وہاں عارضی عطائی ملکیت وقبضہ مراد ہے عربی میں عقل وسمجھ والی مخلوق کو مَنْ کہتے ہیں اور بے عقل مخلوق کو مَا یہاں مَنْ سے عاقل مخلوق مراد ہے آسمانوں کی عاقل مخلوق فرشتے جنت کے حور وغلمان ہیں اور زمین کی عاقل مخلوق انسان اور جنات ہیں۔ چونکہ یہ مخلوق اعلیٰ و افضل باقی چیزیں ان کے تابع جب اللہ تعالیٰ ان کا مالک ہے تو ان کے تابع دوسری چیزوں کا بھی مالک ہے یا یوں کہو کہ ابھی کچھ پہلے ہی سورت میں ارشاد

ہوا تھا لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وہاں مَا سے غیر عاقل چیزیں مراد تھیں ان دونوں آیتوں سے پتہ لگا کہ دنیا کی ہر عاقل اور غیر عاقل چیزیں اللہ کی ملک ہیں۔ (تفسیر خازن وغیرہ) وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُرَکَآءَ۔ اس فرمان عالی کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہاں مَا نافیہ ہے اور یَدْعُوْنَ کا مفعول پوشیدہ ہے اور شُرَکَآءَ یَتَّبِعُوْنَ کا مفعول ہے یعنی جو ما سوی اللہ کو پوجتے ہیں تو وہ اللہ کے شریکوں کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ کوئی اللہ کا شریک ہے ہی نہیں۔ (تفسیر روح البیان و روح المعانی) بلکہ وہ تو اپنے گمان وہم کی پیروی کرتے ہیں اعلیٰحضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ترجمہ سے مَا سوالیہ ہے اور شُرَکَآءَ مفعول ہے۔ یَدْعُوْنَ کا یعنی جو خدا کے سوا شرکاء کو پوجتے ہیں غور تو کرو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں تفسیر خازن وغیرہ نے یہ ہی تفسیر اختیار فرمائی۔ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ یہ فرمانِ عالی پچھلے فرمان کا تتمہ ہے یعنی وہ صرف اپنے اٹکل قیاس گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ کیونکہ جنہیں یہ اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر پوجتے ہیں وہ عقلاً نقلاً اللہ کے شریک نہیں اوّلاً تو وہ ہیں۔ کچھ نہیں صرف ان کے من گھڑت نام ہیں۔ رب فرماتا ہے اِنْ ھِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا۔ جیسے ہندوؤں کے ہنومان۔ گنیش گھنیا وغیرہ اور اگر وہ کچھ ہیں تو اللہ کے بندے ہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا لِلّٰہِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ۔ یہ فرمان عالی اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ کی تاکید یا تائید ہے خرص کے معنی اندازہ بھی ہے اور کھلا جھوٹ بھی (روح المعانی) یعنی یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں یہ اپنے عقائد اپنے اعمال میں جھوٹ ہی بولتے ہیں قول کے عمل کے عقیدے کے جھوٹے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار مکہ کی ان شیخی کی باتوں ان کی دھمکیوں ان کی عزت کے دعووں سے کچھ بھی غم نہ کریں کیونکہ ساری عزت تو رب تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہے عزت دے اور جس سے چاہے عزت چھین کر ذلیل کر دے آج بظاہر کفار زور دار ہیں۔ عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ یہ سب یا آپ کے غلام ہو کر مسلمان ہوں گے یا ذلت و خواری سے ہلاک ہوں چاند تمہارا ہی چمکے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا بھی ہے۔ ان کی یہ بکواس اور ان کے دلی تکبر اس سے چھپے نہیں۔ خبردار آگاہ رہو کہ آسمان و زمین کے سارے لوگ فرشتے۔ حور و غلمان جن و انس اللہ تعالیٰ کے مخلوق اس کے مملوک اس کے قبضہ میں ہیں کفار و مشرکین بت پرستی کر کے رب کے شریکوں کو نہیں پوجتے کہ اس کا کوئی شریک ہے ہی نہیں یہ تو صرف اپنے گمان کی پرستش کرتے ہیں کہ جھوٹے سچے مخلوق کے نام رکھ کر انہیں رب کا شریک مانتے ان کی پرستش کرتے ہیں وہ صرف جھوٹے اندازے ہی لگاتے ہیں جس کی تائید نہ نبوت سے ہے نہ عقل سلیم سے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ حقیقی سچی عزت اللہ تعالیٰ کی ہے پھر وہ جسے دے اس کی ہے یہ فائدہ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ کے لام سے حاصل ہوا۔ کفار و منافق اور دنیا داروں کی عزت جھوٹی عارضی بلکہ ایک دھوکا ہے کیونکہ انہیں عزت ،دولت حکومت اور جھتے وغیرہ سے ملتی ہے۔ دوسرا فائدہ کفار وفساق کی عزت دیکھ کر مسلمانوں کو غمگین نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ چلتی پھرتی چیز ہے نہ ان کی شیخیوں پر ملول ہونا چاہیئے۔ ان کی بکواس جانوروں کی سی آواز ہے یہ فائدہ لَا يَحْزُنْكَ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ دینی اور دنیوی عزتیں بہت قسم کی ہیں۔ ایمان عرفان۔ ولایت صحابیت۔ نبوت یہ سب دینی عزتیں ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یہ فائدہ جمیعًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ عاقل مخلوق بے عقل مخلوق سے افضل ہے یہ فائدہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا بے عقل مخلوق کو ان کا تابع قرار دیا۔ پانچواں فائدہ اس فرمان سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ساری عاقل مخلوق حضور انور کی اُمت ہے جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے اس کے حضور انور نبی ہیں یہ فائدہ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے اشارۃً حاصل ہوا اللہ کی صفت ہے رب العالمین حضور کی صفت ہے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ چھٹا فائدہ انسان کے علاوہ اور بہت مخلوق عاقل ہے آسمانوں میں فرشتے حوریں غلمان اور زمین میں جنات۔ منطقی حکماء صرف انسان ہی کو عاقل مانتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں حور و غلمان اور جنات کے قائل نہیں مگر منطقیوں کی بات غلط ہے یہ فائدہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ مشرکوں کے اکثر بت محض فرضی خیالی چیزیں ہیں جن کی اصل کچھ نہیں محض ان کے گمان وخیالات ہیں یہ فائدہ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ سے حاصل ہوا چنانچہ مشرکین ہند نے انسانوں کی ایسی شکلیں گھڑی ہیں جو قانون فطرت کے خلاف ہے۔ جیسے ہنومان کے پیٹھ پر دم گنیش کے منہ پر سونڈ یا کسی دیوی کے چار منہ آٹھ ہاتھ وغیرہ صرف گھڑے ہوئے نام ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ (الخ) آٹھواں فائدہ عقائد میں صرف ظن تخمینے گمان وخیال کافی نہیں ان میں کتاب وسنت سے ثبوت ضروری ہے یہ فائدہ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ وحی کے مقابل قیاس کرنا طریقہ کفار ہے سب سے پہلے اس طرح کا قیاس ابلیس نے کیا کہ رب تعالیٰ نے سجدۂ آدم کا حکم دیا تو وہ بولا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (الخ) یہ فائدہ بھی اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور کو کفار کی باتوں سے غم ہوتا تھا جسے دفع فرمانے کیلئے ارشاد ہوا کہ لَا تَحْزَنْ لیکن ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اولیاء اللہ غمگین نہیں ہوتے

وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ دونوں آیتوں میں تعارض ہے - جواب اس اعتراض کا جواب اس آیت میں عرض کیا گیا کہ یا تو وہ فرمان آخرت کے متعلق ہے کہ قیامت میں وہ حضرات خوف وغم سے آزاد ہوں گے اور اگر دنیا میں اس کی نفی ہے تو وہاں اپنے بُرے کاموں پر غم مراد ہے یعنی گناہ کریں اور غمگین رہیں - دوسروں پر غم یہ تو انتہائی ہمدردی وخیر خواہی ہے یہ حضرات انبیاء کرام کے لیئے ثابت ہے ان کا یہ ہی غم گنہگاروں کا بیڑا پار لگائے گا - دوسرا اعتراض اللہ تعالیٰ تو ساری مخلوق کے ایک ایک ذرّے قطرے کا مالک ہے پھر یہاں مَنْ فرماکر عاقلوں کی اور فِی السَّمٰوٰتِ اور فِی الْاَرْضِ فرماکر آسمانوں زمین والوں کی قید کیوں لگائی کیا وہ اور چیزوں کا مالک نہیں - جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ بے عقل چیزوں کو عاقلوں کے تابع فرمایا گیا ہے کہ جب وہ انسانوں جنات فرشتوں کا مالک ہے تو ضرور بالضرور دوسری مخلوق جو ان کے تابع ہے اس کا بھی مالک ہے - چونکہ ہمارا علم آسمانوں اور زمین سے آگے نہیں بڑھتا اس حد میں محدود رہتا ہے اس لیئے یہاں آسمانوں وزمین کا ذکر ہوا یہ قید نہیں بلکہ ہم کو سمجھانے کے لیئے اس کا ذکر ہوا ہے - تیسرا اعتراض منطقی اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ صرف انسان ہی عاقل ہے اس لیئے اسے حیوان ناطق کہتے ہیں یعنی عقل رکھنے والا جاندار مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ اور مخلوق بھی عاقل ہے یعنی جن فرشتے حور وغلمان وغیرہ - جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں - ایک یہ کہ وہ بے دین فرشتوں جنات کے قائل نہیں - وہ اپنے گندے عقیدے کی بنا پر یہ کہتے ہیں اور ناطق کو انسان کی فصل مانتے ہیں - دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک ناطق بمعنیٰ عاقل نہیں بلکہ اس کے معنیٰ ہیں نفس ناطقہ والا - یہ نفس کا ایک درجہ ہے اور واقعی انسان کے سواء اور کوئی مخلوق نفس ناطقہ نہیں رکھتی - چوتھا اعتراض اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مشرکین اللہ کے شریکوں کی پیروی نہیں کرتے حالانکہ وہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں انہیں خدا تعالیٰ کا شریک ہی جانتے ہیں اس خیال سے ان کی اطاعت عبادت اور پیروی کرتے ہیں پھر یہ فرمان کیونکہ درست ہوا - جواب یہاں ذکر واقعہ کا ہے نہ کہ اُن کے عقیدے کا یعنی وہ جن چیزوں کی پیروی کرتے ہیں وہ اللہ کی شریک واقعہ میں نہیں اگرچہ اُن کے عقیدوں میں ہوں لہٰذا وہ اپنے گمان و خیال کے پیرو ہیں -

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو بندوں پر رحیم وکریم بنایا اس لیئے سب کا درد حضورِ انور کے دل میں قدرتی طور پر ہوتا ہے اِس لیئے فرمایا کہ آپ ان کے قول وغیرہ پر غم نہ کریں دوسرے حضراتِ انبیاء کرام مظہر جلالِ الٰہی تھے وہ کفار سے زمین خالی ہونے پر غمگین نہ ہوتے تھے چنانچہ شعیب وصالح علیہما السلام نے عذاب یافتہ مردہ کفار پر گذرتے ہوئے ارشاد فرمایا فَکَیْفَ آسٰی عَلٰی الْکٰفِرِ

اَلْکٰفِرِیْنَ یہ فرق ہے حضور انور اور دیگر حضرات انبیاء میں ۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا فرعون سے نرم بات کرنا۔ معلوم ہوا اُن کی طبیعت مبارک جلالی ہے مگر حضور انور سے فرمایا۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ اے محبوب کفار و منافقین پر خوب سختی کرو معلوم ہوا کہ طبیعت مبارکہ میں رحم و کرم و جمال ہے دائمی عزت رب تعالیٰ کی ہے اس کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہ رب نے حضور کو بلکہ حضور کے غلاموں کو دائمی عزت بخشی اللہ تعالیٰ سب کی سنتا سب کو جانتا ہے مگر کسی کی سنتا اسے جانتا ہے غضب و قہر کے ساتھ اور کسی کو رحم و کرم کے ساتھ آسمان و زمین کے تمام لوگ اللہ کے مخلوق مملوک ۔ مقبوض تو ہیں مگر سب محبوب و مقبول نہیں ہاں آسمانی مخلوق کوئی مردود نہیں زمینی لوگ بعض محبوب ہیں بعض مردود اس لیئے مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ کا ذکر پہلے ہے اور مَنْ فِی الْاَرْضِ کا بعد میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو چیز بذریعہ رسول معلوم ہو وہ حقیقت ہے جو ان کے خلاف عقل وغیرہ سے معلوم ہو وہ محض وہم و گمان ہے حتیٰ کہ مشرکین جو عبادات ریاضات نفس کشی۔ صدقہ خیرات پیغمبر کے خلاف اپنی رائے سے کرتے ہیں اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں وہ سب محض گمان و اندازے بلکہ محض دھوکا ہے ۔ حقیقت کا پتہ صرف نبی کے ذریعہ لگتا ہے اس لیے ارشاد ہوا۔ اِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ

وہ اللہ وہ ہے کہ بنائی اس نے واسطے تمہارے رات تاکہ سکون پاؤ اس میں اور دن کو

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں چین پاؤ اور دن بنایا

مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾

دکھانے والا تحقیق اس میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو سنتی ہے

تمہاری آنکھیں کھولتا بے شک اس میں نشانیاں ہیں سننے والوں کے لیئے

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ الْغَنِیُّ ۭ لَهٗ مَا

کہا انہوں نے کہ بنایا اللہ نے اولاد پاکی ہے اُسے وہ بے نیاز ہے اسی کی ہے

بولے اللہ نے اپنے لیے اولاد بنائی پاکی اُس کو۔ وہی بے نیاز ہے اسی کا ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ
وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے نہیں ہے پاس تمہارے کوئی دلیل
جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی بھی سند
بِهٰذَاؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞
اس کی کیا کہتے ہو تم اللہ پر وہ جو نہیں جانتے تم
نہیں کیا اللہ پر وہ بات بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ آسمان و زمین کے سارے بندے فرشتے جن و انس ہمارے مملوک مخلوق مقبوض ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ہم ان کے صرف مالک ہی نہیں بلکہ ان کے مربّی ان کی ہر طرح پرورش کرنے والے خبر گیری فرمانے والے ہیں دیکھو زمانے کو ہم نے دن رات میں تقسیم کیا تمہاری پرورش کے لیئے اس سے پتہ لگا کر فرشتوں کی پرورش ان کے لائق ہم ہی کرتے ہیں دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی پوری ملکیت کا دعویٰ تھا اب اس آیت کریمہ میں اس کا ثبوت ہے ان بندوں کی تبدیلی حالات کہ رات کو تمہیں سُلاتے ہیں دن کو ہم جگاتے ہیں تمہارے حالات بتا رہے ہیں کہ تم ہمارے قبضۂ قدرت میں ہو۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ملکیت کا ذکر تھا اور اب دنیا کے واردات کے ذریعے اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ تم پر کبھی رات کا راج ہوتا ہے کبھی دن کا یہ واردات کا اختلاف تمہارے مملوک ہمارے مالک ہونے کی دلیل ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیات میں مشرکین کے وہمی معبودوں کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں ان کی پُر زور تردید ہے کہ تم جنہیں اپنا معبود سمجھتے ہو وہ دن رات کے لانے جانے پر قادر نہیں بلکہ یہ زمانے تمہاری طرح اُن پر بھی گزرتے تھے لہٰذا وہ بھی تمہاری طرح بندے ہی تھے نہ کہ رب کے شریک۔

تفسیر هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًاؕ۔ اس فرمان عالی میں عجیب روش ہے وہ یہ ہے کہ جعل کے بعد مظلماً پوشیدہ ہے اس کی دلیل لتسکنوا ہے اور نہاراً کے بعد لتبتغوا کو پوشیدہ ہے۔ اس کی دلیل مُبصِراً ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے وہ کرم و رحم والا ہے جس نے تمہارے لیئے رات اندھیری کی تاکہ تم اس میں جسمانی روحانی سکون و چین پاؤ اور دن کو دکھانے والا روشن بنایا تاکہ تم اس میں چلو پھرو روزی کماؤ (روح البیان و معانی) یہاں لکم میں لام

نفع کا ہے اور کُمْ میں خطاب سارے انسانوں سے ہے چونکہ انسان ساری مخلوق میں اصل مقصود ہے
باقی اس کے لیئے ہیں اس لیئے انہیں سے خطاب فرمایا کہ رات و دن تمہارے لیئے بنے ہیں جانور
جنات بھی تمہاری طفیل ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ چونکہ اس میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں اس
لیئے لَیْل کا ذکر پہلے فرمایا اور نہار کا بعد میں جَعَلَ بمعنیٰ خَلَقَ نہیں ہے بلکہ اس کے معنیٰ ہیں بنایا اس
کے دو مفعول ہوئے ۔ بعض نے کہا بمعنیٰ خَلَقَ ہے اور مُظْلِمًا اور مُبْصِرًا حال ہیں نہ کہ دوسرا مفعول ۔
(روح المعانی) سکون اس ٹھہرنے کو کہتے ہیں جو حرکت و جنبش کے بعد ہو چونکہ دن بھر کا تھکا ہارا انسان
رات کو آرام کرتا ہے اس لیئے اس کے لیئے سکون ارشاد ہوا (خازن) چونکہ رات سکون کا صرف وقت
ہے سبب نہیں اور دن روشنی کا وقت بھی ہے سبب بھی اس لیئے رات کو سکون کا فاعل نہ قرار دیا اور
دن کو اس لیئے روشنی یا دکھانے کا فاعل بنایا (بیضاوی) اہل عرب عموماً سبب اور وقت کو فاعل
کہہ دیا کرتے ہیں اس قاعدے سے یہاں اسم فاعل ارشاد ہوا ورنہ روشنی دینے والا دکھانے والا
رب تعالیٰ ہے (روح المعانی خازن وغیرہ) جریر شاعر کہتا ہے ۔ شعر ۔

لَقَدْ لُمْتِنَا یَا اُمَّ غَیْلَانَ فِی السُّرٰی وَنِمْتِ وَمَا لَیْلُ الْمَطِیِّ بِنَائِمٖ

اس شعر میں رات کو نیند کا فاعل کہا گیا ۔ حالانکہ وہ نیند کا وقت ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یَّسْمَعُوْنَ اس فرمان عالی میں رات و دن کے آنے جانے اور لوگوں کے حالات مختلف ہونے کی حکمت
ارشاد ہوئی ۔ اگرچہ یہ دونوں چیزیں ابھی قریب میں ہی ذکر ہوئیں مگر چونکہ بہت شاندار ہیں عقل سے
بہت دور ہیں اس لیئے ذٰلِکَ اشارہ بعید ارشاد ہوا ذٰلِکَ سے اشارہ یا رات و دن کی طرف ہے
یا ان میں سوتے جاگنے کی طرف ۔ آیات جمع فرما کر ارشاد ہوا کہ یہ صرف ایک ، دو نشانیاں نہیں بلکہ
بے شمار نشانیوں کا مجموعہ ہیں ۔ اگر ذرا سا غور کیا جاوے تو اس سے مرنا مرنے کے بعد اٹھنا پھر
اٹھ کر حساب و کتاب دنیا سب ہی ثابت ہے ۔ سونا مرنے کی دلیل ہے پھر جاگنا بعد مرے کے اٹھنے
کی دلیل ہے ۔ اُٹھ کر کام کاج میں لگ جانا قیامت کے اعمال و افعال کی نشانی ۔ نیز ان چیزوں میں
انسان بالکل بے بس ہے نہ تو رات کو دن کر سکتا ہے نہ دن کو رات نہ دن کو آرام کا وقت بنا سکتا
ہے نہ رات کو مخلوق کے کام و کاج کا وقت اس سے اپنی بندگی رب تعالیٰ کی قدرت بخوبی سمجھ میں آسکتی
ہیں ۔ اس دلیل پر حضرت ابراہیم کے سامنے نمرود حیران رہ گیا تھا فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۔
اس فرمان عالی میں کفار کی ایک اور حماقت کا ذکر ہے قَالُوْا کا فاعل وہ مشرکین عرب ہیں جو فرشتوں
کو رب کی بیٹیاں مانتے تھے اور وہ یہود و نصاریٰ جو حضرت عزیر اور عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ

کا بیٹا مانتے ہیں۔ قول سے مراد یا منہ سے بولنا ہے یا دل کا عقیدہ و اعتقاد کہا جاتا ہے۔ یہں نیرا قائل یعنی معتقد ہوگیا۔ ولد سے منہ بولا اولاد نہیں بلکہ اپنے سے پیدا شدہ اولاد ہے بعض لوگوں نے اِتَّخَذَ سے دھوکا کھایا کہ منہ بولا بیٹا مراد ہے یعنی مُتَبنّیٰ (روح المعانی) اِن کے معنی ہیں بیٹا بنت بیٹی مگر ولد دونوں کو شامل ہے یہ واحد بھی آتا ہے جمع بھی لہٰذا اس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب ہی کا قول مراد ہے (معانی) سُبْحٰنَهٗ یہ فرمانِ عالی یا تو مسلمانوں کو تعجب دلانے کے لیئے ہے کہ اِن بے وقوفوں نے ایسی باطل بات کہی اولاد ماں باپ سے ہوتی ہے اور ان کے بعد پیدا ہوتی ہے ان کی جنس سے ہوتی ہے۔ اگر رب کی اولاد ہوتی تو اُس کی طرح قدیم ازلی ابدی غنی ہوتی پھر اولاد کیسے ہوتی اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک پوشیدہ فعل سَبِّحُوْا کا مفعول مطلق ہو۔ یعنی اے مسلمانو تم اُن کے جواب میں اپنے رب کی پاکی بولو کہ وہ اولاد بیوی وغیرہ سے پاک ہے بغیر بیوی کے صرف باپ سے کبھی اولاد نہیں ہوتی۔ هُوَ الْغَنِیُّ یہ سُبْحٰنَهٗ کی پہلی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ بے نیاز ہے اور اولاد نیازمند و محتاج کے ہوتی ہے ماں باپ مرنے کے بعد وارث کے محتاج ہیں دشمنوں کے مقابل قوتِ بازو یعنی بیٹے کے حاجت نیز شہوت سے مغلوب ہو کر زوجین ایک دوسرے کے حاجتمند رب تعالیٰ ان سب کمزوریوں سے پاک ہے پھر اس کے اولاد کیسی۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یہ سُبْحٰنَهٗ کی دوسری دلیل ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ باپ بیٹے کا مالک نہیں ہو سکتا۔ ولادت ملکیت جمع نہیں ہو سکتی اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ اِن کا مالک نہ ہوتا حالانکہ وہ ہر ما سوی کا مالک ہے۔ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ یہ فرمانِ عالی سُبْحٰنَهٗ کی تیسری دلیل ہے۔ اس میں اِنْ نافیہ ہے اور مِنْ زائدہ نفی کے معنی کو عام کرنے کے لیئے سلطان سے مراد نقلی یا عقلی دلیل ہے ہٰذا سے اشارہ اس مذکورہ بکواس کی طرف ہے۔ عِنْدَكُمْ میں خطاب سارے مشرکین یہود و نصاریٰ سے ہے جو رب تعالیٰ کے لیئے اولاد مانتے تھے۔ یا مانتے ہیں یعنی اے بے وقوفو! اس عقیدۂ باطلہ کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں نہ عقلی اور نہ کسی نبی کا فرمان نہ کسی آسمانی کتاب کی آیت۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو نبی اور کتاب آسمانی کے ذریعہ مانو۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یہ فرمانِ عالی ان تینوں دلیلوں کا خلاصہ ہے اس میں سوال تعجب دلانے کے لیئے ہے علم سے مراد واقعی علم ہے نہ کہ صرف جاننا غلط چیز کو درست جاننا علم نہیں بلکہ جہالتِ مرکبہ ہے۔ شعر۔

آں کس کہ نہ داند و بداند کہ بداند ۔۔۔ در جہل مرکب ابد الدھر بماند

یعنی تعجب کی بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف وہ چیزیں منسوب کرتے ہو جس کا تم کو مطلقاً علم نہیں۔ بے علمی کی بات تو دنیوی کاموں میں بھی قبول نہیں ہوتی چہ جائے کہ آخرت کی چیزوں اور رب

تعالیٰ کی ذات و صفات میں قبول ہو۔

خلاصۂ تفسیر اللہ تعالیٰ کی قدرت رحمت اس کی پوری ملکیت پورا قبضہ اس طرح جانو یا لو کہ وہ اللہ وہ قدرت والا ہے جس نے وقت کے دو حصے کیئے ایک رات دوسرا دن یہ سب کچھ تمہارے لیئے کیا تاکہ تم رات میں آرام کرو۔ اس نے اسے اندھیرا بنایا دن کو اوجیالا اور روشن کیا تاکہ تم اس میں کام کاج کرو۔ ان دونوں سے ہفتے مہینے۔ سال بنائے انہیں سے تمہاری عمریں ختم فرمائیں۔ اُن کی بناوٹ میں اِن لوگوں کے لیئے صدہا نشان قدرت ہیں مگر ان لوگوں کے لیے جو نبی کا فرمان غور سے اور سمجھنے کے لیئے سنتے ہیں اگر صرف دن ہی ہوتا تو آرام کب کرتے اور صرف رات ہی ہوتی تو تم کام کیسے اور کب کرتے پھر تاریخیں کیسے مقرر ہوتیں ہفتے مہینے سال کیسے بنتے یہ لوگ ایسے بے وقوف ہیں کہ کہتے ہیں اللہ نے اپنے لیئے اولاد بنائی۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ بیٹے والا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اُس کے بیٹیاں ہیں۔ اے مسلمانو کہو کہ یہ چیز رب کے لیئے عیب ہے وہ عیب سے پاک ہے۔ اولاد محتاجی یا فنا کی بنا پر ہوتی ہے دیکھ لو چاند سورج کو قیامت تک فنا نہیں تو اُن کے لیئے اولاد نہیں۔ جنت دوزخ میں انسانوں کو فنا نہ ہوگی تو ان کے اولاد بھی نہ ہوگی رب تعالیٰ غنی ہے نہ اُسے فنا ہے نہ اُسے محتاجی۔ نیز باپ اولاد کا مالک نہیں ہوتا وہ ہر ماسوئی کا مالک ہے نیز یہ عقیدہ عقل کے بھی خلاف اور حضرات انبیاء کی تعلیم کے بھی مخالف۔ تمہارے پاس اس کی کوئی عقلی نقلی دلیل نہیں تعجب ہے کہ بلا دلیل دعویٰ تو دنیوی کاموں میں نہیں سنا جاتا۔ تم آخرت بلکہ ذات باری کے لیئے بے دلیل ہانکتے جاتے ہو۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ رات دن سے افضل ہے یہ فائدہ رات کو دن سے پہلے ذکر فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو دن میں قبولیت دعا کی ساعت صرف جمعہ کے دن میں ہوتی ہے وہ بھی نامعلوم ہے مگر رات میں یہ ساعت قبولیت ہر رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بہت وجوہ سے رات کی فضیلت ثابت ہے دوسرا فائدہ اسلام میں رات پہلے ہے دن بعد میں آفتاب ڈوبتے ہی تاریخ بدل جاتی ہے یہ فائدہ بھی رات کو دن پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہندؤں کے ہاں طلوع آفتاب سے تاریخ بدلتی ہے عیسائیوں کے ہاں آدھی رات سے مگر اسلامی قانون قوی ہے کیونکہ ظلمت نور سے پہلے ہوتی ہے۔ تیسرا فائدہ رات و دن بلکہ سارے عالم کی پیدائش انسانوں کے لیئے ہے دوسری مخلوق انسان کے طفیل اُن سے فائدہ اٹھاتی ہے یہ فائدہ لَکُمْ کو اَلَّیْلَ پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ اللہ تعالیٰ نے رات آرام کے لیئے اور دن کام کے لیئے بنایا ہے۔ رات کو بلا وجہ جاگنا کھیل کود میں راتیں کاٹنا ٹھیک نہیں یہ فائدہ

تَسْكُنُوْا فِيْهِ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ فعل کے سبب کو فاعل بنایا جا سکتا ہے یہ فائدہ لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہاں دن کو دکھانے والا فرمایا حالانکہ دکھانے والا رب تعالیٰ ہے لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ حضور انور صاحب جود و عطا جنت دینے والے دوزخ سے بچانے والے ہیں۔ چھٹا فائدہ جو کان حق بات نہ سنیں وہ بہرے ہیں جو آنکھیں حق نہ دیکھیں وہ اندھی ہیں یہ فائدہ لِقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے صرف مومنوں کو سننے والا فرمایا دوسری جگہ کفار کے متعلق فرمایا صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ یہ بہرے اندھے گونگے ہیں ساتواں فائدہ اللہ تعالیٰ کے لئے صاحب اولاد ہونا عیب ہے وہ اولاد دیتا ہے اولاد رکھتا نہیں کیونکہ اولاد کی ضرورت یا تو محتاج کو ہوتی ہے یا مجبور کو جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یہ فائدہ سُبْحٰنَهٗ اور هُوَ الْغَنِیُّ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ یہود و نصاریٰ مشرک ہیں۔ کیونکہ وہ بھی حضرت عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو رب کا بیٹا مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کی مثل بھی ہوتا ہے اور اس کی چیز کا مالک بھی تو انہوں نے بھی ان دو حضرات کو خدا کی مثل مانا یہ ہی شرک ہے یہ فائدہ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سے حاصل ہوا کہ قَالُوْا میں مشرکین۔ یہود۔ نصاریٰ سب جمع فرمائے گئے۔ نواں فائدہ اگر کافر کو نبی سے نسبت ہو جائے تو اس کے احکام ہلکے اس کا کفر و شرک نرم ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہودی عیسائی مشرکوں کی طرح شرک میں گرفتار ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو رب کی لڑکیاں کہتے ہیں اور یہ دونوں دو نبیوں کو رب کا بیٹا مگر اس کے باوجود ان کے احکام نرم ہیں کہ ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور قرآن مجید میں انہیں یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ کے خطاب سے پکارا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے کو نبی کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ دسواں فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے صفات نبی کے ذریعہ جانو ورنہ صرف عقل اس راہ میں ٹھوکریں کھاتی ہے یہ فائدہ لَا تَعْلَمُوْنَ سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے عرب کے علم والے مشرکین عیسائیوں یہودیوں کو جاہل قرار دیا۔

پہلا اعتراض۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رات صرف سونے کے لئے ہے مگر رات میں اور بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔ کھانا بھی کھاتے ہیں۔ نماز عشا بھی پڑھتے ہیں بعض خوش نصیب بندے نماز تہجد بھی پڑھتے ہیں پھر یہ فرمان عالی کیسے درست ہوا۔ جواب اس فرمان عالی میں نیند کا ذکر نہیں بلکہ سکون یعنی چین پانے کا ذکر ہے کھانے پینے میں جسم کا چین ہوتا ہے اور نماز میں روح اور دل کا چین لفظ سکون دونوں کو شامل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دن کی نماز دن کے کھانے میں وہ چین و سکون نہیں ملتا جو رات میں ملتا ہے کہ دن میں کام کاج کی فکر ہوتی ہے رات میں نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا لہٰذا لِتَسْكُنُوْا فرمانا بہت ہی مناسب ہے دوسرا اعتراض بعض لوگ رات کی ڈیوٹی دیتے ہیں

دن میں سوتے ہیں کیا وہ اس آیت کے خلاف کرتے ہیں۔ جواب یہ شخصی اور عارضی حالات ہیں عموماً لوگ دن میں کام اور رات میں آرام کرتے ہیں مجبوری و معذوری کے احکام جداگانہ ہیں ہاں جو لوگ رات کھیل تماشہ میں گذاریں دن کو سوئیں وہ اس فرمان عالی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عشا بلاوجہ جاگنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ تیسرا اعتراض اس آیت کریمہ میں لِتَسْكُنُوا کا مقابلہ مُبْصِرًا سے فرمایا گیا۔ یہ تقابل کیونکر درست ہوا سکون کے مقابل ہیں حرکت یا کام و کاج ہیں اور مُبْصِرًا کا مقابل مُظْلِمًا ہے۔ جواب اس کی نفیس حکمت ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ اصل عبارت یہ ہے کہ رات کو تاریک بنایا تاکہ تم کو سکون ہو۔ دن کو روشن بنایا کہ تم جنبش و حرکت کرو۔ دونوں جگہ ملزوم سے لازم کو سمجھایا گیا۔ یہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت ہے۔ چوتھا اعتراض یہاں کفار کے اس عقیدہ کی تردید میں کہ رب تعالیٰ کی اولاد ہے سُبْحَانَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ کیوں ارشاد ہوا اس کی تردید عقلی دلائل سے ہونی زیادہ مناسب تھی۔ جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس فرمان عالی میں چار طرح ان کی تردید کی گئی نہایت شاندار طریقے سے۔ کہ اولاد کی اس کو ضرورت ہے جس کو یا تو فنا ہو یا حاجتمندی ہو۔ رب کی صفت ہے هُوَ الْغَنِيُّ وہ غنی ہے اور غنیٰ تمام چیزوں کی ملکیت سے ہوتی ہے۔ اور وہ سُبْحَانَهٗ ہے اس کو فنا بھی نہیں پھر اس کی اولاد کیسی نیز اولاد جزو اور بدن سے ہوتی ہے رب تعالیٰ بدن اور جزئیت و کلیت سے پاک ہے۔ نیز اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے۔ اس کریم کی شان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے مسافران راہ طریقت و معرفت کے لیئے دو قسم کے وقت رکھے ہیں بعض اوقات راحت کے لیئے بعض مجاہدے اور طاعت کے لیئے۔ راحت میں نفس مطمئنہ چین پاکر پھر نئے سرے سے طاعت کے لیئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لیئے مدارس دینیہ بلکہ دنیوی کاروبار میں بھی بعض دن تعطیل اور چین کے رکھے جاتے ہیں۔ ابن خیام شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

زمانے بحث و درس و قیل وقالے — کہ انسان را بود کسب و کمالے

زمانے شعر و شطرنج و حکایات — کہ خاطر را بود دفعے ملالے

انسان کی فطرت میں تلوّن اور تجدّد ہے حتیٰ کہ سونے میں بھی کروٹیں بدلتا رہتا ہے جو وقت یار کی یاد میں گزرے وہ دن ہے اگرچہ بظاہر اندھیری رات ہو اور جو وقت طلب معاش یا لہو و لعب یا کروٹیں بدلتے گزرے وہ رات ہے اگرچہ بظاہر دن ہو۔ دل کی دنیا میں رات دن مدینے والی سرکار کی تجلی سے آتے ہیں۔ چونکہ تجلیٔ مصطفیٰ کے طور رنگ برنگے ہوں گے تو دل کی دنیا کے دن رات رنگ برنگے غافلین ان مفید کاموں کو چھوڑ کر۔ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو سمجھنے میں عقلی ڈھکوسلوں میں الجھ گئے۔ کہ کسی نے کہا اس کے شریک ہیں۔ کسی نے کہا اس کی اولاد ہے یہ سب

خرابیاں بربادیاں بدنصیبیاں دامنِ نبی کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے فرمایا جارہا ہے کہ پہلے نبوت کی روشنی لے آؤ پھر یار کو پالو گے (از تفسیر روح البیان مع زیادت)

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾
فرمادو بے شک وہ لوگ جو گھڑ لیتے ہیں پر اللہ جھوٹ نہیں کامیاب ہوں گے
تم فرماؤ وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا
مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ
کچھ سامان میں دنیا پھر طرف ہماری لوٹنا ان کا پھر چکھادیں گے ہم ان کو
دنیا میں کچھ برت لینا ہے پھر انہیں ہماری طرف آنا ہے پھر ہم انہیں
الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾
عذاب سخت بدلہ اس کا تھے وہ کفر کرتے
سخت عذاب چکھائیں گے بدلہ ان کے کفر کا

ثلثہ

ع ١٢

تعلق اس آیت کے پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہیں پہلا تعلق پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے جھوٹ اور افترا کا ذکر تھا کہ وہ اللہ کے بیٹے بیٹے۔ اولاد کی نسبت کرتے ہیں اس آیت میں ان کے افترا کا نتیجہ بیان کیا جارہا ہے کہ وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ جھوٹا آدمی ہمیشہ ذلیل و ناکام رہتا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں سب کا مالک و مربی ہے اب اخروی ملکیت و ربوبیت کا ذکر ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں دن رات کے عیش و آرام کا ذکر تھا۔ اب دنیوی آرام کی بے ثباتی اور فنا کا ذکر ہے تاکہ غافل لوگ دنیوی عیش سے دھوکا نہ کھائیں۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت میں کفار سے دلیل کا مطالبہ و سوال تھا اب ان کی دلیل سے عاجزی کا ذکر ہے

نحوی تفسیر قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ۔ قُلْ صیغہ امر واحد اس کا مادہ اشتقاق قَوْلٌ اجوف واوی ہے اِنَّ حرفِ تحقیق شک کو دور کرنے یقین کو ثابت کرنے کے لئے استعمال ہوتا الَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر بعد والے کی حالت بیان کرتا ہے۔ يَفْتَرُوْنَ مضارع جمع غائب بابِ افتعال فَرْيٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ بھرنا اصطلاحی ترجمہ اپنی طرف سے کسی کے لئے کوئی بات بنا لینا بمعنی من گھڑت خود ساختہ شرعی ترجمہ نفسِ امارہ کے کہنے پر کوئی بات کہنا۔ علیٰ حرفِ جر اصولوں پر

داخل ہوتا ہے بہت معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے یہاں نسبت کے لیئے ہے اَللّٰہِ۔ خالقِ کائنات کا ذاتی نام پاک اَلْکَذِبَ۔ لغوی ترجمہ معدوم چیز۔ شرعی ترجمہ جان بوجھ کر ایسی بات یا خبر دے جسکے نا ہونے کا علم ہو لَا یُفْلِحُوْنَ مضارع مَنفی بلَا۔ جمع مذکر غائب فَلَحٌ سے بنا۔ لغوی ترجمہ۔ مقصد کو پالینا شرعی ترجمہ اللہ کے عذاب سے نجات پانا۔ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ مَتَاعٌ مصدر میمی ہے جیسے مَقَالٌ۔ بعض نے کہا یہ مصدر میمی کے مثل نہیں بلکہ اس کا مادہ متعٌ ہے اور یہی صحیح ہے جیسے مجالٌ لغوی ترجمہ بلا واسطہ نفع دینے والا سامان پس سونا چاندی روپیہ پیسہ اس میں شامل نہیں۔ شرعی ترجمہ دنیا کی چیزیں اس پر تنوین (دو پیش) تقلیل کی ہے جو کمی کو بیان کرتی ہیں۔
فِی حرف اصلاً ظرفیت کے لیئے استعمال ہوتا ہے اَلدُّنْیَا اسم تفضیل مؤنث دَنُوٌّ سے بنا لغوی ترجمہ حقیر۔ اور نیچی ہونے والی شرعی ترجمہ۔ عالمِ برزخ سے پہلی اور عالمِ ارواح کے بعد کی زندگی دارالعمل کی زندگی۔ ثُمَّ حرفِ تعقیب جو کسی کے بعد میں ہونے کو بیان کرتا ہے جو کسی کے بعد میں ہونے کو بیان کرے۔ اِلَیْنَا۔ دو لفظ ہیں ۱ اِلٰی ۲ نَا۔ اِلٰی انتہا کو بتاتا ہے۔ نَا جمع متکلم۔ مگر اکثر غیر جمع کے لیئے استعمال ہوتا ہے مَرْجِعُهُمْ یہ دونوں لفظ ہیں ۱ مَرْجِعُ ۲ هُمْ مَرْجِعُ اسم ظرف یا مصدر میمی رَجْعٌ سے بنا۔ بمعنیٰ لوٹنا هُمْ ضمیر جمع غائب۔ ثُمَّ۔ تعقیب کیلئے۔ نُذِیْقُ جمع متکلم ذَوْقٌ سے بنا واؤ کو یِ سے تبدیل کر دیا باب افعال ہے لغوی ترجمہ چکھانا شرعی ترجمہ بدلہ دینا۔ اَلْعَذَابُ عَذْبٌ سے بنا لغوی ترجمہ سزا۔ شرعی ترجمہ اللہ کی سزا دینا الشَّدِیْدَ لفظِ عذاب کی صفت ہے صیغہ صفتِ مشبہ۔ شَدٌّ سے بنا ترجمہ۔ ہمیشہ سختی والا۔ بِمَا دو لفظ ہیں ۱ بِ ۲ مَا بِ حرف جر ہے بہت معنیٰ میں استعمال ہوتی ہے یہاں بمعنیٰ بدلہ استعمال ہوئی ہے مَا اسم موصول ہے۔ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ماضی ناتمام صیغہ جمع غائب۔ کُفْرٌ سے بنا بمعنیٰ انکار۔ شرعی ترجمہ خدائی قانون کا انکار کرنا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اس میں خطاب نبی کریم سے ہے اور اس کے معنیٰ ہیں کہ کافروں کو متنبہ کر دو تاکہ آپ کی تبلیغ مکمل ہو جائے وہ کافر مانے یا نہ مانیں اور یہ تنبیہ ظاہراً کسی خاص جماعت کو نہیں اس لیئے آگے ارشاد ہوا اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ لفظِ اِنَّ اس لیئے ارشاد ہوا کہ اُن کا گمان تھا کہ ہمارے یہ افترا اللہ کے قرب اور دنیاوی مال و دولت کے حصول میں شاندار کامیابی ہیں ان کے اس فاسد گمان کو حتمی طور پر توڑا جا رہا ہے کہ نہ تم کو قربِ الٰہی نصیب ہو اور اسلام کے تشریف لے آنے سے نہ تمہاری دنیاوی عزت باقی۔ یہ بد نصیبی اور ناکامی کیوں ہوئی کہ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ یَفْتَرُوْنَ اِفْتِرَاءٌ سے بنا جس کے معنیٰ ہیں جان بوجھ کر سمجھتے ہوئے اپنے پاس سے کوئی بات بنا لینی یہ لوگ بہت سی خود ساختہ باتیں بنا لیا کرتے تھے الَّذِیْنَ سے اُن کے عالم لوگ مراد ہیں کیونکہ وہی ایسے

عقیدے بنا یا کرتے تھے عوام ان سے سنکر ایمان لے آیا کرتے تھے ۔ عَلَی اللّٰہِ کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے متعلق کِذْب جھوٹی بات جیسے کہ اللہ کا شریک ٹھیرانا۔ حضرت عیسٰی و موسٰی کو ابنُ اللہ کہنا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا! ان سب بے وقوفوں نے۔ اللہ کا شریک بنا کر انبیاء کی عزت سمجھی ۔ حالانکہ شریک ہونے میں خود انبیاءِ کرام کی توہین و گستاخی اور شان کی کمی ہے ۔ اس لیئے کہ شریک کی ملکیت اختیار تھوڑے ہوتے ہیں ۔ اور پیاروں کے اختیار زیادہ ہوتے ہیں ۔ اسی لیئے مسلمان نبی کریم کو حبیب اللہ کہتے ہیں نہ کہ شریکُ اللہ ۔ اور انبیاءِ کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ حضرات خصوصًا نبی کریم اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں شرک کو ختم کرتا ہے ۔ اور یہ عقیدہ توحید کو مکمل کرنے والا ہے ۔ جو یہ عقیدہ نہ رکھے بلکہ نئے نئے عقیدے بناتا ہے ۔ لَا یُفْلِحُوْنَ وہ لوگ کامیاب نہ ہوں گے ۔ اُن کو اپنی دنیاوی عزت پر مغرور نہ ہونا چاہیئے اور نہ کسی مسلمان کو ان کی سلطنت حکومت دولت وغیرہ پر فکرمند ہونا چاہیئے نہ کوئی شخص اس بات سے اُن کو سچا سمجھے کیونکہ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ۔ یہ مبتداءِ محذوف ھُوَ کی خبر ہے یا اِس جگہ لَھُمْ پوشیدہ ہے ۔ اور تنوین تحقیر کے لیئے ہے ۔ یا کمی بیان کرنے کے لیئے ۔ یعنی یہ ان کی سب دولت وقوت تھوڑی اور چند روزہ ہے فِی الدُّنْیَا ظرف ہے اسی متاعٌ مصدر کا ۔ یا ثَابِتٌ پوشیدہ کا ۔ اس مال دولت کا ان کو صرف اسی دنیا میں کچھ نفع ہے ۔ اور چونکہ دنیا اصل مقصود نہیں بلکہ راہِ مقصود ہے اس لیئے یہ دولت کامیابی کی دلیل نہیں ہو سکتی ۔ مگر مسلمان کی یہی دنیاوی دولت بلکہ مومن کی ہر چیز کامیابی اور فلاح ہے ۔ عثمانِ غنی امیر بن کر بھی کامیاب رہے ۔ اور اصحابِ صفہ غریب رہ کر بھی کامیاب رہے ۔ کسی نے دولت سے رب کی رضا حاصل کی کسی نے غربت و مسکنت سے ۔ کافر کی نہ غربت اچھی نہ امیری فائدہ مند ۔ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ۔ ثُمَّ بعدیت کا متقاضی ہے یعنی دنیاوی زندگی کے بعد یہاں صرف کافر مراد ہیں ۔ کیونکہ مومن دنیا میں بھی اللہ کے قرب میں ہے ۔ وہاں بُعدیت کا کوئی شبہ نہیں ۔ مومن کا ہر وقت اللہ کی طرف رجوع ہے اس کی زندگی موت برابر ہے اس لیئے فرمایا گیا ۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کافر کی زندگی و موت میں فرق ہے ۔ اِلَیْنَا۔ ہماری طرف ! یہاں اِلٰی انتہاءِ مکانی کے لیئے نہیں بلکہ نسبت کے لیئے یعنی ہمارے عذاب کی طرف اُن کا لوٹنا یا لوٹنے کی جگہ حشر قیامت وغیرہ ۔ ثُمَّ نُذِیْقُھُمْ۔ یہاں تیسرے زمانے کا ذکر ہے پہلا زمانہ عمل کا دوسرا احساب کا تیسرا عذاب و سزا کا اس لیئے دوبارہ ثُمَّ ارشاد ہوا نُذِیْقُھُمْ۔ ذَوْقٌ ۔ سے بنا ہے عرف میں چکھنا تھوڑے فائدے یا تھوڑے کھانے یا تھوڑے لفظ کے لیئے استعمال ہوتا ہے ۔ مگر یہاں مختلف عذاب یک دم ہونا یا بدل بدل کر ہونا مراد ہے بھگتوانا اور بھگتنا کے معنیٰ میں بھی آتا ہے ھم سے مراد وہی مفترین ہیں ۔ اور چونکہ سب ہی کافر مفتری ہیں اس لیے سب کافر بھی ....

اس کا مرجع ہو سکتے ہیں۔ مسئلہ! اللہ تعالیٰ کو جمع کے غائب یا جمع حاضر کے صیغہ سے پکارنا یا ذکر کرنا گناہ اور بے ادبی اور توحید کے خلاف ہے۔ ہر شخص کا ادب جداگانہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ادب یہی ہے کہ اس کو واحد کے صیغے سے خطاب کرو تاکہ مومن کی ہر ادا یہاں تک کہ روزمرہ گفتگو میں بھی توحید باری تعالیٰ کی جھلک نظر آئے۔ دیوبندی حضرات جمع کا صیغہ بولتے ہیں اور ارادہ ادب کا رکھتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ اور نبی پاک کی گفتگو میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کیا ان حضرات کو ادبِ خداوندی کا پتہ نہ تھا۔؛ جمع متکلم اہلِ عرب میں اکثر واحد متکلم کی جگہ فصاحتِ کلام کے لیئے ہوتا ہے نہ کہ ادب کے لیے خود اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ صیغوں میں اپنی ذات پاک کے لیے لفظ واحد ہی ہر جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ اَنَا یا اِنَّنِیْ کاکہیں ثبوت نہیں۔ اَلْعَذَابِ بمعنیٰ رب کی سزا الف لام عہد ذہنی ہے رب بہتر جانتا ہے۔ وہ کیسی سزا ہے اللہ ہم کو محفوظ رکھے۔ اَلشَّدِیْدَ صفت ہے اَلْعَذَابِ کی یعنی ہمیشہ سخت رہنے والا۔ دنیا کی سزائیں اگرچہ کچھ دیر مسلسل تو رہ سکتی ہیں مگر سختی ایک جیسی مسلسل نہیں رہتی کبھی ہلکی بھی ہوجاتی ہے جس میں سزا دینے والے کی کمزوری ہوتی ہے مگر رب کا عذاب جس کے لیئے جتنا مقرر ہو گیا۔ اتنا ہی مسلسل رہے گا اسی لیئے صیغہ صفت مشبّہ کا ارشاد ہوا کیونکہ رب کمزوری سے پاک۔ ہاں عذاب کا ختم ہو جانا یا بعض خصوصی کافروں پر ہلکا ہو جانا یہ اُس کی شانِ کریمی ہے۔ نہ کہ کمزوری۔ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِ بمعنیٰ بدلہ مَا سے مراد نوعیت کفر افتراء جھوٹ وغیرہ۔

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ماضی استمراری سے فعل دائمی مراد ہے۔ یعنی یہ ہمیشہ ایسا ہی دنیا میں کیا کرتے تھے۔ کافر کا ہر کام کفر ہے کیونکہ کفر کی زیادتی کا سبب ہے یہاں تک کہ کھانا پینا بھی کفر ہے اس کا فسق اور گناہ بھی کفر ہے بخلاف مومن کے کہ اُس کا گناہِ کبیرہ بھی کفر نہیں۔

خلاصہ تفسیر اے پیارے حبیب ان کافروں کو خبردار کردو کہ یہ تمہارے جھوٹ فریب تمہاری ہی ناکامی کا سبب ہیں ایسے بے ہودہ فعلوں سے تم کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے اے کافرو دنیا کے تھوڑے نفع پر مغرور نہ ہو یا اے مسلمانو۔ کافروں کے امیرانہ حالت سے پریشان نہ ہونا یہ دولت عیش و عشرت ان کی کامیابی نہیں۔ بلکہ چند دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات دائمی ہے اور ہمارے ہی طرف اُن کا آنا ہے ہم ان کو ہر کفر کا علیحدہ علیحدہ عذاب دیں گے کوئی اور رعایت یا کمی نہ ہوگی یہ اٹل اور یقینی قانون ہے اس میں تبدیلی کا خیال بھی نہ کرنا۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ قانونِ خداوندی وہ ہے جو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن پاک سے ادا ہو۔ یہ فائدہ لفظ قُلْ فرمانے

سے حاصل ہوا کہ یہاں دنیا و آخرت کا قانون بنا یا گیا اور رب تعالیٰ نے نبی کریم کے منہ مبارک سے ادا فرمایا کہ فرمایا اے پیارے تم کہہ دو کہ مُفتری جھوٹے کافر کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ کامیابی دینا نہ دینا رب تعالیٰ کا کام ہے مگر قانون نبی کریم کی زبان سے بنوایا۔ جو بات نبی کریم نہ فرمائیں خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ اسلام کا قانون نہ بنے گی۔ دوسرا فائدہ انبیائے کرام کبھی افترا نہیں کر سکتے وہ حضرات اس سے پاک و معصوم اور ان کی کامیابی دنیوی و اخروی۔ اس دعویٰ کی دلیل اور کفار کے الزام کی تردید ہے تیسرا فائدہ دنیاوی دولت و حکومت کامیابی نہیں بلکہ زندگی کا مقصد پا لینا کامیابی ہے۔ جیسا کہ لَا یُفْلِحُوْنَ کے لفظ سے ثابت ہوا کہ بڑے بڑے دولت منداور بادشاہ بھی کفر میں رہ کر ناکام ہی ہوئے چوتھا فائدہ اللہ سے دوری صرف کافروں کے لیئے ہے یہ فائدہ مَرْجِعُھُمْ سے حاصل ہوا

اعتراض اس آیت پر چند اعتراضات پڑسکتے ہیں پہلا اعتراض اس آیت سے ثابت ہوا کہ صرف افتراع کرنے والے ناکام ہیں جیسا کہ اَلَّذِیْنَ کی خصوصیت سے ظاہر ہے۔ اور افتراع تو صرف پڑھے لکھے یا پہلے کافروں نے کیا تو چاہیئے کہ جن کافروں نے یہ عقیدے بنائے صرف وہ ناکام ہوں اور ان پر ہی عذابِ شدید ہو دوسرے سب کافر اس میں شامل نہ ہوں بلکہ کامیاب و کامران ہوں۔

جواب اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو عقلِ سلیم عطا فرمائی جس کے ذریعے دین دنیا کی بھلائی سوچتا ہے۔ تو جیسے ہر کافر دنیاوی بھلائیاں اپنی عقل سے سوچتا ہے کاروبار مزدوری کاریگری سب کچھ عقل کے ذریعے کرتا ہے اچھے برے کی تمیز کرتا ہے کسی لکیر کا فقیر نہیں بنتا تو واجب ہے کہ دین کی بھلائی اچھے عقیدے بھی عقل کے ذریعے سوچے اندھا بہرا ہو کر باپ داداوں کی نقل کر لینا عقل سے کام نہ لینا بھی درحقیقت افتراع ہے کہ کفر کی تائید بھی کفر ہے۔ اس لیئے رب تعالیٰ نے مومن کی ایک تعریف یہ بھی فرمائی کہ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا۔ دوسرا اعتراض بہت سے مسلمان بھی افتراع کر لیتے ہیں دن رات مسلمانوں کے منہ سے بہت بے پر کی اڑ جاتی ہے جن کو ہمارے عرف میں افواہ یا بکواس کہا جاتا ہے۔ تو چاہیئے کہ وہ مسلمان بھی ان کافروں کی طرح ناکام ہوں یہاں مطلقاً مفتریوں کا انجام بیان کیا۔ پس کافر مومن میں کوئی فرق نہ رہا جواب یہاں اِفتراع علی اللّٰہِ کا ذکر ہے۔ جو صرف کافر ہی کرتا ہے۔ اور جو کرے گا وہ مومن نہ رہے گا۔ بحمدہٖ تعالیٰ گنہگار سے گنہگار مومن بھی افتراع تو کر دیتا ہے مگر افتراع عَلَی اللّٰہِ نہیں کرتا۔

تیسرا اعتراض آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ کافر کا عذاب کبھی ہلکا یا ختم نہ ہوگا حالانکہ ابی لہب سے پیر کے دن عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے اور ابوطالب کا عذاب ختم کر دیا گیا کہ جہنم سے نکال کر جھرنے میں کر دیا۔ جواب اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ لفظِ شدید نے قانون اور عمومیت کا ذکر کیا تھا یا یہاں مُفترین

کا عذاب مذکور ہے۔ اور ابی لہب کو تخفیف انعام خصوصی ہے۔ اور محبت حبیب پاک کی شان بیان فرماتا ہے۔ یا ابی لہب کا شمار معفرین میں نہ ہوگا۔ ابوطالب کے ایمان میں اہل اسلام کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آپ نہ کافر ہیں نہ منافق نہ ظاہری مسلم بلکہ ساترین میں سے ہیں اور آپ کی نجات اللہ تعالیٰ کے دست کرم سے ہوگی جس چلّو سے اللہ تعالیٰ سب شفعا کے بعد جہنمیوں کو نکالے گا وہ ساترین ہوں گے جن میں ابوطالب بھی ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ دنیا عالم ناسوت کا بحری جہاز ہے تمام دنیا والے نیک و بد اس میں سوار ہیں یہ جہاز منزل لاہوت کی طرف رواں دواں ہے دنیا کی حرام غذائیں گندگی کے ڈھیر ہیں۔ حلال غذائیں۔ اللہ رسول کا ذکر۔ دین اسلام کے خوشبودار پھول ہیں جو انسان کے لیئے بھیجے گئے اور جس کے لیئے انسان پیدا کیا گیا مگر کفار و فساق نے حرام غذاؤں کو اختیار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہی اصل حلال ہے۔ یہ ان کا افتراء علی اللہ ہے کیونکہ بلبل پھول کو پا کر ہی کامیاب و کامران ہے تو انسان رضائے الٰہی حاصل کر کے ہی فلاح مند ہے۔ وہ لوگ جو برے عقیدوں اور حرام غذاؤں میں مبتلا ہیں وہ عذاب باطنی میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ محسوس نہیں کرتے کیونکہ وہ عیش و عشرت کی چادر اوڑھ کر مست سو رہے ہیں۔ اور سوتا ہوا تکلیف باطنی کو محسوس نہیں کرتا مگر جب اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو ان کو اس عذاب کا احساس ہوگا۔ اور ظاہری عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان مثل بلبل ہے اور برے عقیدے حرام غذائیں مثل گندگی ہے جو بظاہر بہت زیادہ ہیں جس طرح بلبل کو پکڑ کر گندگی کے ڈھیر کے پاس باندھ دو تو اس کے لیئے سخت عذاب اسی طرح مرد کامل دنیا کی ان چیزوں سے سخت متنفر ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کو پسند کرتے ہیں وہ سو رہے ہیں ان کی قوت شامہ بیکار ہو چکی ہے نہ ان کو ایمان کی خوشبو آتی ہے اور نہ حرام رشوت وغیرہ کی بدبو۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو رات دن تجارتیں بڑھانے کے لیئے سود لیتے بھی ہیں دیتے بھی ہیں۔ اور مثل کفار کے رب تعالیٰ کے قانون کی پرواہ نہیں کرتے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ

اور تلاوت کیجئے ان پر خبر نوح کی جب فرمایا کو قوم اپنی اے میری قوم اگر ہو

اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى

بوجھل تم پر رہنا میرا اور نصیحت کرنا میرا کو آیتیں اللہ کی نشانیاں

اگر تم پر شاق گذرا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی نشانیاں یاد دلانا

اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

تو پر اللہ بھروسہ کیا میں نے پس جمع کر لو تم امر اپنا اور شریک اپنے پھر نہ ہو

تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا تو مل کر کام کرو اور اپنے جھوٹے معبودوں سمیت

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

اپنا کام پکا کر لو پھر تمہارے کام میں تم پر اندھیرا نہ رہے پھر کر ڈالو طرف میری اور نہ مہلت دو مجھ کو

اپنا کام پکا کر لو پھر تمہارے کام میں تم پر کچھ نہ رہے پھر جو کر سکو میرا کر لو اور مجھے مہلت نہ دو

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں موجودہ یہود و نصاریٰ کی قوم کی ناکامی و رسوائی کا ذکر تھا یہاں نوح علیہ السلام کی ناکامی و رسوائی کا تذکرہ شروع کیا جا رہا ہے تاکہ بتا دیا جائے کہ کافر شروع ہی سے ناکام ہوتے چلے آئے۔ **دوسرا تعلق** پہلی آیت میں نبی کریم نے کافروں کو خبردار کیا اور متنبہ کیا تھا کہ تم ہر کام میں ناکام و ذلیل ہو تمہارا کوئی کام درست نہیں اس آیت میں بتایا جا رہا ہے تمہاری میرے خلاف چالیں بھی ناکام ہی ہوں گی میں تمہاری ایذا رسانی سے نہیں ڈرتا کیونکہ اللہ کے نبی سچے ہوتے ہیں دیکھو نوح علیہ السلام نے کتنے زور دار لفظوں میں باوجود اکیلے ہونے کے کافروں کو للکارا۔ **تیسرا تعلق** پہلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئندہ علم کا ذکر تھا کہ ہمارا نبی قیامت اور بعد قیامت حشر نشر سب کچھ اور سب کے انجام سے باخبر ہے اور ان کو آئندہ کی ہر شے کا پورا پورا علم غیب ہے جس کا وہ کافر یا کوئی بے وقوف انکار کر سکتا تھا۔ تو اس آیت میں گذشتہ ایک عظیم واقعہ کا تذکرہ ہے۔ جو صرف ان کی کتابوں میں لکھا تھا ہر ایک کو معلوم نہ تھا باوجود اُمّی ہونے کے نبی کریم نے سارا واقعہ مفصل سنا دیا جس سے علم غیب عطائی کا مزید ثبوت ہوا

شانِ نزول کفار نے کہا تھا ہمارے عقیدے بالکل صحیح اور خدا کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب نہیں ہے وہ کیا جانتے ہیں کہ ہماری توریت و زبور میں کیا لکھا ہے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت نوح کے واقعہ کے سناتے

کا حکم ہوا جو حضرتِ موسیٰ اور توریت و زبور سے بھی پہلے کا ہے تاکہ ثابت ہو کہ جو نبی سب سے پرانے واقعہ کو بھی جانتا ہے۔ وہ تمہارے باطل عقیدوں کی حقیقت کو کیونکر نہ جانتا ہوگا۔

تفسیر نحوی وَاتْلُ تُلْیٌ سے بنا امر حاضر معروف واحد مذکر کا صیغہ بمعنی پڑھنا عَلَیْہِمْ۔ علی بمعنی عند مع فوقیت جس کا مطلب ہے کھڑے ہو کر یا ممبر پر بیٹھ کر۔ جس سے بلندی اور نزدیکی دونوں پائی جائیں۔ ھِمْ سے مراد وہ معترین کافر۔ نَبَأَ پوشیدہ خبر کو کہتے ہیں نوح مبالغے کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ بہت زیادہ آہ زاری کرنے والا۔ اِذْ ظرفیت زمانہ ماضی۔ قَالَ ماضی کا صیغہ واحد غائب قَوْلٌ سے بنا اجوف واوی باب نَصَرَ یَنْصُرُ اس کا فاعل نوح علیہ السلام ہیں لِقَوْمِہٖ لام مفعولیت کا ہے حرف جر۔ لفظ قوم بمعنی گروہ وجماعت قومٌ بمعنی کھڑا ہونا مصدر سے بنا اجوف واوی یہاں صیغہ مبالغہ جس سے ایک نسل قائم ہوتی ہے۔ ایک دادا کی اولاد۔ کھڑا ہونا مدد کے لیئے چونکہ اپنے رشتے دار جلدی کھڑے ہوتے اس لیئے اقرباء کو قوم کہا جاتا ہے۔ یا ہر شخص اپنی برادری کی اچھائی کے لیئے جلدی کھڑا ہوتا ہے اس لیئے قوم کہا جاتا ہے۔ اسی لیئے بجز نبی پاک کے ہر نبی اپنی اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے۔ ہ سے مراد نوح علیہ السلام ہیں۔ یٰقَوْمِ۔ یا۔ حرف ندا۔ قوم۔ خاندان۔ ی۔ متکلم پوشیدہ ہے۔ مرکب اضافی منادیٰ۔ اِنْ حرف شرط۔ کَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب کَوْنٌ سے بنا۔ اجوف واوی۔ کَبُرَ کِبَرٌ سے بنا بروزن فَعُلَ صیغہ صفت ہے۔ بمعنی اپنے سے زیادہ بڑا۔ یعنی بوجھل مراد تنگئ دل۔ عَلَیْکُمْ علی فوقیت کے لیئے کُمْ سے مراد مخاطبین کافر قوم نوح علیہ السلام۔ مَقَامِیْ مرکب اضافی۔ مقام مصدر میمی، ظرف زمان ومکان بھی ہو سکتا ہے۔ تذکیری ذکرٌ سے بنا بمعنی نصیحت دینا مرکب اضافی۔ ی۔ واحد متکلم کی ضمیر فاعل مضاف الیہ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ۔ بِ بیانیہ ہے آیات جمع آیت کی مراد اللہ کا قانون یا عذاب اللہ اِلٰہٌ یا اَلِہٌ سے بنا بمعنی لائق عبادت اسم ذاتی مع صفاتی۔ یا یہ لفظ جامد ہے تو فقط اسم ذاتی ہے اور اسم اعظم ہے۔ فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ۔ فِ خبریہ ہے۔ علی نسبت کے لیئے تَوَکَّلْتُ صیغہ واحد متکلم ماضی مطلق بمعنی استمرار۔ وَکْلٌ سے بنا۔ باب تَفَعُّلْ۔ یعنی اپنا معاملہ کسی کے سپرد کر دینا۔ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَکُمْ وَشُرَکَآءَکُمْ فِ جزائیہ ہے اس کی شرط۔ اِنْ کَانَ کَبُرَ الخ ہے اَجْمِعُوْا امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر جمع یہاں مراد ایک رائے پر جمع ہونا۔ اَمْرَکُمْ مرکب اضافی امر بمعنی ارادۂ قلبی کُمْ سے مراد قوم نوح واؤ جمع کی ہے شُرَکَآءَکُمْ اضافت فاعلی ہے یعنی تمہارے خود ساختہ شریک۔ جھوٹے معبود۔ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّۃً۔ ثُمَّ تراخی زمانی کے لیئے ہے۔ لَا یَکُنْ فعل ناقصہ منفی مضارع معروف اس کا فاعل اَمْرُکُمْ یعنی تم لوگوں کا وہی میرے خلاف حتی فیصلہ عَلَیْکُمْ یہاں علی بمعنی فی یعنی تمہارے آپس میں یا تم ہر ایک کے

دل میں غُمَّۃً مصدر غَمٌّ سے بنا لفیف مقرون۔ بمعنیٰ پوشیدگی یہاں مراد کمی ہے۔ ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ ثُمَّ تراخی زمانی کے لیئے۔ اُقْضُوْا فعل امر۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا فاعل وہی مُخَاطَبِیْنَ قوم قَضٰی سے بنا بمعنیٰ فیصلہ کر دینا۔ فیصلہ دو قسم کا ہے قولی و فعلی یہاں فعلی مراد ہے۔ اِلَیَّ مرکب اضافی بطرف ضمیر متکلم اِلٰی بمعنیٰ عَلٰی ہے یعنی مجھ پر۔ فَلَا تُنْظِرُوْنِ فَ تعقیبیہ ہے بمعنیٰ پھر۔ لَا تُنْظِرُوْا صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف باب افعال نظرٌ سے بنا بمعنیٰ دیکھنا۔ سوچنا مہلت دینا یہاں تیسرے معنیٰ مراد ہیں۔ نِ نون وقایہ جو صیغہ کے آخر کو بچانے کے لیئے آتا ہے یہاں یِ بوجہ ثقل پوشیدہ محذوف منوی ہے مفعول بہ ہے۔ دراصل لَا تُنْظِرُوْنِیْ تھا۔

تفسیر عالمانہ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ۔ تلاوت مختصر بیان کو کہتے ہیں اور قرأت زیادہ پڑھ کر سنانے کو اور اُذْکُرْ عام ہے یعنی اے پیارے حبیب نوح علیہ السلام کی قوم کے کچھ حالات ان کو سنا دو۔ تاکہ وہ آپ کی نافرمانی سے ڈریں اور نبی کے متعلق بے خبری و بے علمی کا باطل عقیدہ بھی ختم ہو جائے۔ نَبَاٌ اس قصہ کو کہتے ہیں جس کو گورے اتنا زمانہ گزر چکا ہو کہ ظاہراً بلحاظ دنیاوی زندگی کے سننے سنانے والوں میں اس وقت کوئی بھی نہ ہو اس لیئے غیب کی خبر دینے والا ہی نبی ہو سکتا ہے نہ کہ ہر مخبر۔ ہمارا گذشتہ زمانوں کی خبر دینا نقل خبر ہے نہ کہ خبر اس لیئے اگر ہم کہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے یہ حالات تھے تو ہم ناقل کہلائیں گے نہ کہ مخبر نوح۔ آپ کا نام یشکر ہے لقب نوح لشکر اسم فعل بمعنیٰ شاکر یا نام ہی شاکر ہے (روح) تفسیر صاوی میں ہے آپ کا نام عبدالغفار بن ملک بن متوشلخ بن ادریس آپ سے پہلے صرف تین نبی تشریف لائے جن میں ایک آدم علیہ السلام اور ایک ادریس علیہ السلام اور ایک حضرت شیث۔ حضرت ادریس کے ایک ہزار سال بعد حضرت نوح کی ولادت ہوئی آیت کریمہ کا یہ حصہ یہاں مکمل ہے۔ اگلا جملہ اس سے متعلق نہیں۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ۔ یہ جملہ علیحدہ ہے کیونکہ لفظ اِذْ ظرفیت کے لیئے ہے جس کا تعلق قَالَ سے ہے۔ نہ کہ پچھلے فعل اُتْلُ سے ورنہ کلام غلط ہو جائے گا۔ لِقَوْمِهٖ میں لام مفعولیت اور نفع کا ہے۔ قوم تین قسم کی ہے۔ ۱ نسبی ۲ دینی۔ ۳ وطنی۔ یہاں صرف وطنی قوم مراد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام حضرت شیث کی اولاد سے ہیں (مظہری) جبکہ یہ لوگ قابیل کی اولاد سے تھے۔ سب سے پہلے عذاب الٰہی ان پر آیا سخت ترین کافر تھے (معانی التنزیل علی اربع تفاسیر) آپ کے زمانے میں ہی حقیقی بہن بھائی کا نکاح حرام ہوا (روح البیان) یاقوم اس میں نسبت ہے۔ یہ پیارہ اور اخلاق کریمانہ کا جملہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ تبلیغ ہمیشہ نرم اور محبت کے الفاظ سے کرنی چاہیئے اگرچہ قوم سخت اور ظالم ہو۔ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ۔ یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا آگے آ رہی ہے یہ حضرت نوح کا کلام ہے کَبُرَ ب کے پیش سے

دل کا بوجھ بِ۔ کے زیر سے کَبُرَ جسم کا بوجھ یہاں دل کا بوجھ یعنی تنگی ، دل مراد ہے عَلَیْکُمْ سے ساری قوم مراد ہے مقامی کے چار معنیٰ کھڑا ہونا ۔ ٹھیرنا ۔ عمر گزارنا ۔ اور ذات ۔ یا مصدر میمی ہے یا ظرف ہے پہلے معنیٰ کے لحاظ سے یہ مطلب ہوگا کہ اگر تم کو میرا کھڑا ہونا اور تم کو کھڑے ہو کر وعظ سنانا ناگوار ہے کیونکہ عام طور پر کھڑے ہو کر وعظ تبلیغ کی جاتی ہے جو تبلیغ کافروں کو نبی کریم نے کی وہ بھی کھڑے ہو کر ہی فرمائی ۔ دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے مطلب یہ ہے اگر میرا تم میں سکونت اختیار کرنا تم کو ناگوار ہو ۔ حضرت نوح کی عمر شریف ساڑھے نو سو ۹۵۰ سال تھی ۔ چار سو ۴۸۰ اسی سال کی عمر میں آپ کو نبوت عطا ہوئی (روح البیان / روح المعانی) نے فرمایا کہ آپ کا یہ کلام آخری عمر میں طوفان سے کچھ پہلے تھا ۔ تیسرے معنیٰ کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اگر تم کو میری ذات سے دل تنگی ہو ۔ مقام جب ظرف ہو تو اس سے ذات ہی مراد ہوتی ہے ۔ جیسے کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔ میں تَذْکِیْرِیْ بمعنیٰ میری نصیحت کرنا ۔ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۔ آیات جمع ہے آیت کی بمعنیٰ نشانی عذاب کی یا رحمت کی یا قانون کی یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے خیال رہے کہ حضرت نوح پر صرف توحید و رسالت کی تبلیغ فرض تھی اور بت، شرک کی حرمت ، وعذاب بیان فرماتے تھے نہ کہ مستقل قانون کی ۔ اس زمانے میں صرف یہی قانون تھے بعد میں بہن بھائی کے نکاح کی حرمت کا قانون بھی اسی زمانے میں آیا ۔ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ یہ جملہ معترضہ ہے بعض مفسرین نے اس کو سابقہ شرط کی جزا بنایا ہے مگر وہ بالکل غلط ہے ۔ اولاً تو ف خبریہ ہے جزائیہ نہیں دوم اس لیے کہ جزا ہمیشہ شرط کے بعد ہوتی ہے اگر یہ جزا ہو تو مطلب یہ ہوا کہ اے قوم اگر تم پر میرا ٹھیرنا ناگوار ہو تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اگر ناگوار نہ ہو تو بھروسہ بھی نہ ہو کیونکہ شرط نہیں تو جزا بھی نہیں ۔ حالانکہ تَوَكُّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ دائمی عبادت ہے ۔ جس سے ایک آن بھی نبی علیحدہ نہیں ہوتے ۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جزا نہیں بلکہ خبر ہے ۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! میں نے تو ہمیشہ رب پر ہی بھروسہ کیا ہے ۔ اگرچہ تم نے اس سے پہلے مجھ کو بہت ایذائیں دیں ۔ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ۔ فَاَجْمِعُوْا میں ف جزائیہ ہے باب افعال کی ہمزہ وصلی نہیں بلکہ قطعی ہے اس میں سب قراء کا اتفاق ہے کہ یہاں ہمزہ قطعی ہے ۔ اور معنی یہ ہے کہ جان بوجھ کر بالارادہ اپنے امر کو جمع کرو اس ہمزہ قطعیہ سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوا عقل اور سوچ سمجھ سے جمع ہو جاؤ اگر ہمزہ وصلی ہو تو جیسا جمع ہونا مراد ہوتا جیسے جمعت عسکراً میں نے لشکر جمع کیا ۔ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ والی آیت میں ہمزہ میں قاریوں کا اختلاف ہے کہ بعض نے وہاں ہمزہ وصلی مانی ہے مگر یہاں نہیں ۔ یہ فعل متعدی بالحرف بھی ہو سکتا ہے ۔ اَمْرَكُمْ سے مراد قلبی فیصلہ یعنی سب جمع ہو کر ایک ہی دفعہ سوچ سمجھ کر مکمل فیصلہ کر لو تاکہ کل فیصلے پر عمل کرتے وقت تم کو کوئی روکنے والا نہ ہو ۔ پھر عمل نہ کرنے کی صورت میں یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے اس فیصلے کو سوچا سمجھا نہ تھا نہ یہ کہہ سکو کہ مجھ کو اگر فلاں کا لحاظ نہ ہوتا یا مجھ کو فلاں نہ روکتا تو میں نوح کو کر دیتا

وہ کر دیتا۔ نہ روز۔ روز خواہ مخواہ مجھ کو دھمکیاں دو۔ شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری دھمکیوں سے ڈر کر اپنے رب کی اطاعت و بندگی یا تبلیغ دین چھوڑ دوں گا۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ میں تمہارے پنڈتوں یا دریوں یا بتوں سے مرعوب ہو جاؤں گا جن کو تم نے اپنے باطل عقیدوں سے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ رکھا ہے۔ میں ہرگز ان جھوٹوں سے نہیں ڈرتا اس لیئے وَشُرَكَاءَكُمْ اپنے ان شریکوں کو بھی اس فیصلے میں ساتھ ملا لو اور میرے خلاف ان سے ظاہری و باطنی مدد حاصل کر لو میری طرف سے تم کو کھلی چھٹی ہے۔ اس میں ان کے اس باطل عقیدہ کی طرف تردیدی اشارہ ہے جو وہ حضرت نوح سے کہا کرتے تھے اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہمارے بت باطنی طور پر تم کو ہلاک کر دیں گے۔ اس لفظ شُرَكَاءَكُمْ میں تین قرأتیں ہیں ایک یہ کہ ہمزہ پر زبر ہے اس لیئے کہ مفعول معہٗ ہے واؤ بمعنی مَعَ ہے دوسرے یہ کہ ہمزہ پر زیر ہے اور عطف کی واؤ ہے معطوف علیہ اَمْرَكُمْ ہے یعنی جمع کر لو اپنے امر کو اپنے شرکاء کے ساتھ یا امر کو اور اپنے شرکاء کو تیسرے یہ کہ ہمزہ پر پیش ہے۔ اور اس کا عطف اجمعو کے فاعل پر ہے۔ حسن ابن ابی اسحٰق عبدالرحمٰن سلمی علیٰ تقفی کی یہی قرأت ہے۔ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ ترتیب کی زمانی تراخی کے لیئے ہے۔ اَمْرُكُمْ سے وہی فیصلہ مراد ہے جو قوم نے کرنا تھا۔ غُمَّةً سے مراد پوشیدہ یعنی تم پر یا تم میں سے کسی پر یہ فیصلہ پوشیدہ یا شک شبہ والا نہ ہو جو عمل میں رکاوٹ ڈالے پوشیدگی تین قسم کی ہوتی ۱ ظاہری پوشیدگی جیسے آنکھ کان ناک منہ سے پتہ نہ لگنا۔ ۲ دماغی پوشیدگی ۳ قلبی۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ ثُمَّ اقْضُوا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ یہ ثُمَّ بھی تراخی کے لیئے اقضوا قاف سے بمعنی ادا کرو قضاءٌ سے بنا فیصلہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ قولی و عملی یہاں عملی مراد ہے ایک قرأت میں افضوا فاء سے ہے بمعنی میدان میں نکل آنا یا جلد عمل کر لینا۔ پہلے معنی کے لحاظ اِلٰی بمعنی علی ہے یعنی مجھ پر ہلاکت یا قتل کا فیصلہ جاری کر دو۔ دوسرے معنی میں اِلٰی بمعنی انتہا ہے۔ وَلَا تُنْظِرُوْنِ نظرٌ سے بنا یہاں بمعنی سوچنے کا وقت دینا ہے یعنی مجھ کو بالکل سوچنے سمجھنے کا وقت نہ دینا۔ آخر میں نون وقایہ ہے جس کے بعد یاءِ متکلم پوشیدہ ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ انبیاءِ کرام کو کسی چیز کسی مخلوق کا خوف نہیں ہوتا بہت دلیر اور بہادر ہوتے ہیں یہ ان کی امتیازی شان ہے دیکھو اکیلے نوح علیہ السلام اتنی بڑی قوم کے سامنے جو سخت ترین خون کی دشمن ہے اور جس سے کوئی رعایت کی امید بھی نہیں کس جرأت مندی سے خطاب فرما رہے ہیں یہ جرأت انبیاءِ کرام کا ہی خاصہ ہے اور ان کے صدقے بعض اولیاء اللہ کا دوسرا فائدہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ رب العزت نے تمام کائنات کے علوم غیبیہ عطا فرمائے اتنی بیئے واقعۂ نوح علیہ السلام کے سنانے کا حکم ہوا جو

نافرمانی؛ قوم میں اوّل ترین ہے تیسرا فائدہ دین کی تبلیغ محبت اور پیار سے کرنی چاہیئے۔

اعتراض اس آیت پر مخالفین کی طرف سے چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض آپ کی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاءِ کرام کو کسی مخلوق کا خوف نہیں ہوتا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر سانپ سے ڈر گئے کہ ارشادِ ربانی ہے قَالُوْا لَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی۔ اور جب قبطی کو مار کر آپ مصر سے چلے گئے تھے تو دوبارہ تبلیغِ نبوت کے لیے واپسی پر آپ نے رب تعالیٰ سے یہی عرض کیا کہ مجھ کو فرعون سے خوف آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی ـــ اسی طرح حضرت ابراہیم نے نہمان فرشتوں کو نہ پہچان کر ان سے خوف کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ ان آیات میں اور اس آیت کی تفسیر میں تعارض ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی شان میں ارشادِ ربانی ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ اس کا بھی تعارض دور کیا جائے۔ **جواب** اگرچہ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں کسی نے فرمایا لَا خَوْفٌ میں آخرت کا خوف مراد ہے دنیا میں خوفِ مخلوق اولیا انبیاء کو ہو سکتا ہے بعض نے فرمایا لَا خَوْفٌ میں خوفِ دنیا کی نفی نہیں بلکہ خوفِ دین و تبلیغ کی نفی یعنی ان کو وہ خوف نہیں ہوتا جو دین یا تبلیغ میں رکاوٹ بنے۔ لہٰذا اس واقعۂ نوح اور لَا خَوْفٌ میں دوسری قسم کا خوف اور معترض کی پیش کردہ آیات میں خوفِ ایذا مراد ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب جواب کمزور ہیں اور اپنی اپنی تاویلیں ہیں ان مفسرین کرام نے۔ خوف کی نفی والی آیات میں تاویلیں کر کے خوفِ انبیاء و اولیا ثابت کر دیا۔ حالانکہ بہتر جواب یہ ہے کہ لَا خَوْفٌ وغیرہ نفی والی آیات کو مطلق رکھ کر انبیاءِ کرام سے خصوصی طور پر ہر قسم کے خوف کی نفی کی جائے۔ کہ انبیاء کرام کو کسی قسم کا مخلوق سے خوف نہیں ہوتا وہ ہر طرح بہادر اور دلیر ہوتے ہیں ہاں ان آیات میں تاویل کی جائے جن میں ظاہراً خوف ثابت ہو رہا ہے۔ چنانچہ معترض کی پیش کردہ پہلی آیت میں تاویل اس طرح ہے۔ کہ لَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا واقع میں دراصل حضرت موسیٰ کو سانپ سے خوف نہ آیا بلکہ پہلے ہی ہیبتِ کلام دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ خوف کا ظہور سانپ پر ہوا۔ جس طرح کوئی شخص اندھیرے سے خوف کر رہا ہو تو اگر پتہ بھی ہلے تو بھاگ کھڑا ہوتا۔ پس جس طرح ڈر حقیقت میں اندھیرے کا ہوتا ہے۔ مگر ڈر کا ظہور ہوتا ہے پتے کے کھڑکنے پر اگر بغیر اندھیرے کے پتہ کھڑکتا تو کبھی خوف نہ آتا اسی طرح یہاں ہے اگر اس موقع کے علاوہ حضرت موسیٰ کو سانپ نظر آ جاتا تو آپ کبھی نہ ڈرتے۔ یہ خوفِ موسیٰ فقط ہیبتِ کلامِ الٰہی تھا۔ یہی ہیبتِ کلام نبی کریم کو پہلی وحی کے نزول پر غار میں ہوا نہ کہ حضرت جبریل کا رعب جیسا کہ بعض جہلا نے کہا ہے بھلا استاد کو شاگرد کا رعب کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسری آیت قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا کی تاویل یہ ہے کہ یہاں بھی حضرت موسیٰ کو مطلق ایذائے فرعون کا خوف نہ تھا بلکہ نوعیتِ ایذا کا تھا۔ اس

مرض و معروض کا مقصد یہ ہے کہ اے اللہ میں قبطی کو مارنے میں شرعاً یا قانوناً مجرم نہیں مگر فرعون اپنی قوم کے سامنے مجھ کو مجرم اور قاتل کہہ کر ایذا پہنچائے گا۔ جس سے ہماری عزت میں فرق آئے گا اور ہماری تبلیغ بھی غیر موثر ہو جائے گی دیکھو جیل اور کچہریوں میں جانا اچھا نہیں مگر سیاسی لیڈر اس سے نہیں ڈرتا بلکہ خود ہار پھول پہن کر جبراً جیل میں جاتا ہے یہ اس کی بے خوفی کی دلیل ہے۔ وہاں کی سزائیں وغیرہ سب برداشت کرتا ہے کسی ایذا سے نہیں ڈرتا مگر وہی لیڈر قاتل یا چور بن کر جانا کبھی پسند نہیں کرتا بلکہ اس طرح جانے سے ڈرتا ہے تو یہ خوف ایذا نہیں بلکہ خوف عزت ہے اسی طرح یہاں بھی۔ لہٰذا انبیاء کی بہادری پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ تیسری آیت فاوجس منھم (الخ) کی تاویل یہ ہے کہ یہاں خوف بمعنیٰ اندیشہ یا شرمندگی ہے۔ جیسے کوئی مہمان کسی کے گھر کھانا نہ کھائے تو میزبان سوچتا ہے کہ نہ معلوم یہ مجھ سے ناراض ہے یا اس کو میرا کھانا پسند نہ آیا۔ ایسا ہی یہاں تھا۔ چونکہ ابھی یہ واقعہ نوح مکمل نہیں ہوا اس لیے تفسیر صوفیانہ اگلی آیت میں بیان کی جائے گی۔

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى

پس اگر پھر گئے تم پس نہیں مانگا میں نے تم سے بدلہ نہیں ہے اجر میرا مگر پر

پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو نہیں مگر اللہ پر

اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ

اللہ اور حکم دیا گیا ہوں میں اس بات کا کہ ہوں میں سے مسلمانوں تو جھٹلایا انہوں

اور مجھے حکم ہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں تو انہوں نے

فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ

نے اس کو پس بچایا ہم نے اس کو اور اس شخص کو ساتھ اس کے بیچ کشتی اور بنایا ہم نے ان لوگوں کو

اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور انہیں ہم نے

وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

خلیفے اور غرق کیا ہم نے ان کو جھٹلایا جنہوں نے کو آیتوں ہماری پس دیکھو کیسا ہوا

نائب کیا اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو ہم نے ڈبو دیا تو دیکھو ڈرائے ہوؤں

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾		
انجام	ڈرائے	ہوؤں کا
کا انجام	کیسا	ہوا

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پہلی آیت میں خوف اور ڈر کی نفی تھی اس میں دنیاوی لالچ کی نفی ہے یعنی انبیاء کرام کو کوئی چیز تبلیغ سے نہیں روک سکتی نہ دنیا کا خوف نہ دنیا کا مال و دولت دوسرا تعلق پہلی آیت کریمہ میں قوت بازو طاقت وغیرہ استعمال کرنے کی کھلی اجازت تھی اس آیت کریمہ میں ان کو دولت لالچ کی حقیقت کا پتہ بتایا گیا کہ نہ تمہارا وہ حیلہ کارگر ہو سکتا ہے نہ یہ۔ تیسرا تعلق۔ پہلی آیت کریمہ میں کفار کی حق سے روگردانی کا ذکر تھا اس میں ان کے انجام کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق۔ پہلی آیت میں کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر تھا اس میں نوح علیہ السلام کی فرماں برداری اور اس کے انعام کا ذکر ہے۔ پانچواں تعلق! پہلی آیت میں توکل کا ذکر تھا اس میں اس کا ثبوت ہے کہ میں یہ تبلیغ دنیا کے حصول کے لیے نہیں کرتا بلکہ محض حکم خداوندی کو پورا کرنے کے لیے۔ اور جیسے کہ حفاظت جان میں مجھ کو رب تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہے اسی طرح دنیاوی ضروریات میں بھی میرا اسی پر بھروسہ ہے گویا کہ یہ سچی نبوت اور بے غرض وعظ پر بہترین دلیل ہے۔ ہمیشہ جھوٹے نبی دنیا کی لالچ میں ایسا کرتے ہیں جیسا کہ مرزا قادیانی نے چندہ جمع کرنے کے لیئے ایسا کیا۔

تفسیر نحوی فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ ف ترتیب کے لیئے ہے اِن حرف شرط ہے لغو ہے تَوَلَّيْتُمْ جمع مذکر حاضر ماضی مطلق معروف باب تَفَعُّلْ۔ وَلْیٌ سے بنا۔ لفظ ولی کے آٹھ معنی ہیں دوست۔ مددگار تابع فرمان وغیرہ وغیرہ یہاں بمعنی تابع ہے۔ جب کوئی مادہ باب تفعل میں آتا ہے تو پانچ طرح اس کا استعمال ہو سکتا ہے جن میں ایک معنی سلب فعل ہے وہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی ترک اِتباع جس کو اردو میں پھر جانا کہا جاتا ہے بعض نحویوں نے فرمایا ان حرف شرط درست ہے اور جزا پوشیدہ ہے فَمَا سَاَلْتُكُمْ یہاں ف تعلیلیہ ہے مَا سَاَلْتُ ماضی مطلق منفی متکلم ہے۔ مِنْ اَجْرٍ مِنْ بیانیہ یا تبعیضیہ ہے اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ یہاں اِن نافیہ ہے کیونکہ اِلَّا بمعنی غیر سے پہلے ہے لفظ علیٰ بیانِ وجوب یا استحقاق کے لیئے نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ اللہ پر واجب ہے یا میں اس کے بدلے کا حقدار ہوں جیسے ملازم یا مزدور اجرت کا مستحق ہوتا ہے اور مالک پر اجرت دینا واجب ہوتی ہے۔ بلکہ علیٰ بیانِ کرم کے لیئے ہے کیونکہ اللہ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ وَاُمِرْتُ ماضی مطلق مجہول واحد متکلم اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَن حرف ناصب اَكُوْنَ فعل مضارع معروف فعل مضارع معروف فعل ناقص کَوْنٌ اجوف وادی سے بنا۔ اپنے ہی معنیٰ میں ہے یعنی رہوں میں مسلمانوں میں سے۔

مُسْلِمِیْنَ ۔ جمع مذکر سالم بحالت جر اس کا واحد ہے مسلم، بمعنی سلامتی والا یا بمعنی عاجز ہونے والا اصطلاحی معنیٰ
دین اسلام کو ماننے والا یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں فَكَذَّبُوْهُ فِ ترتیبیہ کَذَّبُوْا باب تفعیل بمعنیٰ نسبت ۔ علماء متکلمین
کے نزدیک باب تفعیل چھ معنوں میں مستعمل ہے ۔ یہاں بمعنیٰ نسبت ہے جھوٹا کہنا ۔ ہٗ ضمیر منصوب متصل بوجہ
مفعولیت فَنَجَّيْنٰهُ فِ تعقیبیہ ہے یعنی جھٹلانے کے بعد یا اس سارے واقعہ کے بعد نَجَّيْنَا نَجٌّ سے ہے باب
تفعیل ۔ بمعنیٰ تعدیہ یعنی علیحدہ کیا جمع متکلم صرف فصاحت کیلئے ہے نہ کہ بمعنیٰ جمعیت کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیئے
محال ہے ۔ وَمَنْ مَّعَهٗ واؤ عاطفہ یا بمعنیٰ مَعَ مَنْ اسم موصول واحد جمع ہر دو کے لیئے مستعمل ہے ۔ عقلاء کے لیئے
خاص ہے بخلاف مَا موصولہ کے کہ وہ اصلاً غیر عقلاء کے لیئے ہے مگر عقلاء کے لیئے بھی مستعمل ہے ۔ مَعَهٗ مرکب
اضافی ۔ صلہ ہے موصول کا ۔ فِي الْفُلْكِ فِي جارہ اپنے معنیٰ میں ظرفیت مکانی کے لیئے ہے ۔ فُلْكٌ واحد جمع دونوں
کے لیئے مستعمل ہے ۔ یہاں واحد ہے ، وَجَعَلْنٰهُمْ واؤ جملے کے عطف کے لیئے ہے جَعَلْنَا جَعْلٌ سے بنا
مادہ صحیحہ ہے ۔ بمعنیٰ تصییر جَعَلْنَا یعنی صَیَّرْنَا حالت کا بدلنا مطلب یہ کہ اب ہم نے ان کی حالت بدل کر ان کو زمین
کا مالک کر دیا ۔ خلائف جمع ہے خلیفہ کی ۔ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا واؤ جمعیت کی ہے اَغْرَقْنَا جمع متکلم ہے ۔
فاعل اللہ تعالیٰ ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول صرف جمع مذکر کے لیئے آتا ہے كَذَّبُوْا باب تفعیل ہے تکذیب سے بنا ۔
آخر کا الف جمع کی نشانی ہے بِاٰيٰتِنَا آیات جمع ہے آیت کی بمعنیٰ نشانی فَانْظُرْ بصیغہ امر نظر سے بنا بمعنیٰ غور
کرنا نبی کریم سے خطاب ہے یا ہر مسلمان سے ہو سکتا ہے ۔ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ عَاقِبَةٌ بمعنیٰ انجام ہے آخری فیصلہ ۔ منذرین
صیغہ اسم مفعول نذر سے بنا باب افعال بمعنیٰ ڈرانا ۔ یعنی ڈرائے ہوئے ۔ حالت جر ہے مراد کافر قوم
بزمانہ نوح ۔

تفسیر عالمانہ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔ یہ کلام بھی حضرت نوح کا ہے
لفظ اِن عربی میں تین قسم کا ہے ۔ اِن شرطیہ اور اِن نافیہ اور مخففہ ۔ اس آیت میں پہلا اِن شرطیہ
ہے یہ ماضی کو مستقبل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے اور دوسرا ۔ اِن نافیہ ہے وہ ہمیشہ اِلَّا وغیرہ سے پہلے آتا ہے
حضرت نوح نے پہلے تو یہ فرمایا تھا کہ اے قوم تم میری اتباع اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اگر تم نے ایمان قبول
نہ کیا تو تم میرے خلاف جو چاہو کر لو ۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو اور ۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ تم پھر گئے مجھ سے یا ایمان لانے سے
تَوَلِّیْ مادے کے اعتبار سے فرماں بردار ہونے کے معنیٰ میں تھا باب تفعل کی وجہ سے سلبیت کے معنیٰ پیدا
ہو گئے اب معنیٰ ہو گئے فرماں برداری سے پھر جانا یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا فَلَا بَاْسَ عَلَيَّ یا فَلَا
حَاجَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ پوشیدہ ہے ۔ یعنی اگر تم سب میری تابعداری یا امداد سے منہ پھیر لو تو مجھے کوئی نقصان نہیں
کیونکہ فَمَا سَاَلْتُكُمْ فِ تعلیلیہ ہے ۔ اور جملہ علت ہے شرط کی ۔ یعنی میں نے کبھی تم سے اپنی تبلیغ پر

پھر اجرت نہیں مانگی کیونکہ نہ تو یہ کام دنیا کی وجہ سے میں نے شروع کیا نہ میں لالچی ہوں ۔ تبلیغ دین میں دو ہی چیزیں رکاوٹ ڈالتی ہیں ۱؎ بزدلی ۲؎ لالچ ۔ سبحان اللہ تعالیٰ انبیاء کرام ان دونوں سے محفوظ و مامون ہوتے ہیں مسئلہ بہتر یہ ہے کہ علماء کرام دینی کاموں پر اجرت نہ لیں تاکہ سنتِ انبیاء پر عمل ہو جائے ۔ لیکن بوقت حاجت جائز ہے ۔ اجرت اور تنخواہ نہ لینی انبیاء کرام کا خاصہ ہے اگر علماء یا صوفیا مشائخ وعظ تقریر یا مدرسین قرآن و حدیث پڑھانے پر تنخواہیں لیں تو بھی گناہ گار نہ ہوں گے (کتب فقہ) مَا سَاَلْتُکُمْ اپنے اصلی ماضی کے معنیٰ میں ہے مگر تَوَلَّيْتُمْ شرط کی وجہ سے بمعنیٰ مستقبل ہے ۔ موجودہ زمانے کے بعض حضرات نے تَوَلَّيْتُمْ کو بھی ماضی کے معنی میں رکھا ہے ۔ مگر یہ اُن کی علمی غلطی ہے ۔ جس طرح حرفِ لَمْ مستقبل کو بمعنیٰ ماضی کر دیتی ہے اسی طرح حرف اِنْ ماضی کو بمعنیٰ مستقبل کر دیتا ہے ۔ اسی لیئے فقہاء کرام کے اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ میں دخولِ آئندہ مراد ہے اگرچہ دخلتِ ماضی ہے ۔ اِنْ اَجْرِیَ یہاں اِن نافیہ ہے یہ جملہ پچھلے جملے کی تکمیل ہے ۔ یعنی میرے اس کام کا اجر بدلہ زندگی اور بعد وفات میرے اللہ کے پاس ہے ۔ لفظ عَلٰی بمعنیٰ عِنْدَ ہے ۔ اور چونکہ رب تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے اس لیئے اس سے مانگنے کی حاجت نہیں بلکہ ع ۔ میرا کریم مجھے بے سوال دیتا ہے ۔ اس لیئے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ میں رب سے مانگتا ہوں ۔ وہاں بے مانگے ہی سب کچھ ملتا ہے بشرطیکہ کوئی سچے دل سے اس کا بن جائے ۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مجھ کو صرف اس بات کا حکم ہے کہ میں مسلمان بنا رہوں ۔ یہ بھی نوح علیہ السلام کا قول ہے ۔ خیال رہے کہ دینِ اسلام حضرت آدم سے شروع ہوا اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا ۔ اصول دین بھی ایک ہی رہے صرف فروعات و ضروریات ہر شریعت میں بدلتے رہے ۔ اسی لیئے نبی کریم کو آخری نبی کا لقب عطا ہوا اگر اسلام صرف نبی کریم ہی سے کر آتے تو آپ اوّل نبی ہوتے آپ کو آخری نبی نہ کہا جاتا ۔ دینِ الٰہ العالمین ایک ہی ہے ۔ از اوّل تا آخر ۔ نبی کریم ہی سے دین اسلام کی ابتدا ہوئی اس لیئے آپ فرماتے ۔ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ انتہا بھی آپ پر فرماتے ہیں ۔ میں بیت اسلام کی آخری اینٹ ہوں ۔ (حدیث) اسلام کے دو پہلو ہیں ۱؎ تصوف طریقت ۔ ۲؎ شریعت ۔ طریقت کی ابتدا حضرت آدم سے پہلے ہوئی ۔ اس لیے نبی پاک نے فرمایا کُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَآءِ ۔ میں نبی تھا ۔ کس چیز کے نبی ؟ یعنی علم طریقت کے ۔ یہی وجہ ہے حضور اکرم کے علاوہ کسی نبی نے نہ تو اوّل مسلمین ہونے کا دعویٰ فرمایا نہ کُنْتُ نَبِيًّا ۔ کی خبر دی ۔ شریعت کی انتہا بھی نبی کریم کیونکہ فرمایا اَلْيَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِيْنَکُمْ ۔ فَکَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ ۔ پیار محبت کی اتنی شاندار گفتگو سن کر بھی ان بدنصیبوں پر اثر نہ ہوا پھر بھی جھٹلاتے ہی رہے ۔ اور چونکہ یہ جھٹلانا محض ضد کی بنا پر تھا اس لیئے فَنَجَّيْنٰهُ ہم نے حضرت نوح اور مومن ساتھیوں کو ایک کشتی میں پناہ دی آپ کے ساڑھے نو سو سال تبلیغ

سے صرف اسّی مرد و عورت ایمان لائے چالیس مرد چالیس عورتیں۔ اگرچہ کشتی میں ہر قسم کا جانوروں کا بھی ایک ایک جوڑا تھا مگر مَنْ ذَوِی الْعُقُوْل۔ فرمانے میں۔ اصلیت کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات میں اگر اللہ کے نزدیک کوئی قابلِ نجات ہیں تو وہ مومن ہی ہیں باقی سب انہیں کے طفیل بچ رہے ہیں۔ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ یعنی ہم نے نبی کی عزت و احترام اور دین اسلام قبول کرنے کا اجر صرف نجات ہی نہ دیا بلکہ وَجَعَلْنٰهُمْ ہم نے ان کو اپنی تمام زمین کا بادشاہ بھی بنا دیا کہ جس وقت طوفان ختم ہوا تو روئے زمین پر کوئی بھی انسان حیوان نہ تھا ساری زمین کے یہی مالک تھے۔ خیال رہے نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی بھی اس لئے ہے کہ اب باقی نسلیں آپ کی ہیں۔ اور نبی اللہ کے گستاخ و نافرمان کا بدلہ کیا ہے کہ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے۔ کہ ہم نے تمام ان لوگوں کو اس طوفان میں ڈبو دیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو قولاً جھٹلایا اس وقت جب سب کافر ڈوب گئے جن میں نوح علیہ السلام کا سب سے پہلا بیٹا کنعان بھی تھا۔ تو روئے زمین پر صرف وہی چند زندہ نفوس بچے جو آپ کی کشتی میں سوار ہوئے یہ طوفان ساری زمین پر آیا۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے تحت ہے کہ شیخ آفندی فرماتے ہیں کہ قیامت تک ہر تیس سال بعد یہ طوفان کہیں کہیں ظاہر ہوتا رہے گا کہ بارش بھی ہوگی اور سیلاب بھی آئے گا اور کچھ بستیاں دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں گی لوگ ڈوبیں گے۔ اور یہ بات بالکل درست و تجربہ شدہ ہے۔ طوفانِ نوحی چالیس دن رہا یہ واقعہ زمانۂ تاریخ سے پہلے کا ہے۔ جب طوفان ختم ہوا تو نئے سرے سے دنیا آباد ہوئی حضرت نوح کے چار بیٹے تھے۔ ۱ کنعان تو ڈوب گیا تھا باقی تین آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے جن کے نام ہیں سام۔ حام۔ یافث۔ عرب اور عجم فارس۔ روم۔ یہ قومیں سام کی اولاد ہیں حضرت خضر بھی انہیں کی اولاد ہیں نوح علیہ السلام حضرت خضر کے ساتویں دادا ہیں حضرت نوح سے پہلے تین پیغمبر تشریف لائے۔ حضرت خضر علم طریقت کے نبی تھے حبشی اور سندھی اور ہندوستان کی قومیں حام کی اولاد ہیں۔ یاجوج ماجوج اور قوم ترک اور صقلاب۔ یافث کی اولاد ہیں۔ دنیا میں اس وقت سے صرف یہ قومیں آباد چلی آرہی ہیں۔ باقی لوگ کچھ تو کشتی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے اور کچھ لاولد رہے اور کچھ کی نسل نہ چلی واللہ اعلم (تفسیر روح البیان) فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ اے پیارے حبیب غور تو کرو یا اے انسانوں غور کرو۔ کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ پہلے معنیٰ کے لحاظ سے یہ نبی کریم کو تسلی ہے۔ دوسرے معنیٰ سے یہ تمام انسانوں کے لیئے درسِ عبرت ہے۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ جس طرح انبیاءِ کرام بہادری اور طاقت میں سب مخلوق سے زیادہ ہوتے ہیں کوئی جن فرشتہ حیوان انسان ان سے طاقت میں زیادہ نہیں ہو سکتا اور کوئی شخص بزورِ طاقت ان کی تبلیغ نہیں روک سکتا۔ اسی طرح دنیا سے بھی یہ

حضرات بے نیاز ہوتے ہیں ۔ اور کسی کا یہ حیلہ بھی ان کو تبلیغ دین سے ہٹا نہیں سکتا ۔ دوسرا فائدہ دنیاوی لالچ اور بزدلی جھوٹوں کا خاصہ ہے ۔ مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا قادیانی تک تمام جھوٹے ۔ نبی بننے والے بزدل بھی تھے اور لالچی بھی تیسرا فائدہ علما اور صوفیا کو چاہیئے کہ دین کا ہر کام اپنے پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی اور خوش کرنے کے لیے کریں ۔ ولیہ کاملہ حضرت رابعہ عدویہ اپنی معینہ عبادت کے علاوہ دن رات میں ہزار نفل صرف رسول اللہ کو راضی کرنے کے لیے ادا فرماتی تھیں کہ کل قیامت میں انبیاء کرام کے سامنے فخریہ شاید میرا ذکر فرمائیں کہ دیکھو ہماری بندی کی عبادت کتنی زیادہ ہے ۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ یہ تفسیر بھی صرف اور صرف رسول اللہ کو خوش کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ روح البیان نے فرمایا کہ جو کام رسول کریم کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کا بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے ۔ چوتھا فائدہ سب سے بڑا گناہ لالچ ہے ۔ ہر مسلمان خصوصاً علما و مشائخ کو اس سے بچنا چاہیئے غلط مسئلے جھوٹے فتوے لالچ ہی کی پیداوار ہیں چنانچہ شیخ سعدی نے فرمایا شعر

زباں میکند مرد تفسیر دان　　　که علم وادب میفروشد بنان

دین کا کام بے غرض ہونا چاہیئے ۔ عالم کی نگاہ ہر وقت رب کی طرف لگی رہنی چاہیئے ۔ اللہ توفیق دے پانچواں فائدہ جو شخص اللہ کا سچا بندہ بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پوری حفاظت فرماتا ہے ۔ شعر ۔

محال است چوں دوست دارد ترا　　　که در دستِ دشمن گذارد ترا !

اعتراض اس پر چند طرح اعتراض کیے جاسکتے ہیں پہلا اعتراض نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا اجر تو رب تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے ۔ اگر یہاں دنیاوی اجر مراد ہے یعنی روٹی کپڑا رزق وغیرہ تو بغیر محنت مشقت انبیاءِ کرام کو بھی عطا نہ ہوا اور محنت مشقت سے تو ہر ایک کو مل جاتا ہے ۔ کام ان کا مخصوص مگر روزی محنت مشقت مخصوص نہیں ۔ کسی نے زنبیلیں (ٹوکریاں) بیچ کر روٹی کپڑا حاصل کیا کسی نے لوہے کے اوزار بنا کر ۔ اور اگر اُخروی اجر مراد ہو تو دو خرابیاں لازم آئیں گی ۔ ۱ یہ اجر تو سب کو ہی رب نے دینا ہے اور سب ہی اس اجر (ثواب) میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ یہ مخلوق سے ناممکن ہے پھر انبیاءِ کرام کی خصوصیت نہ رہی ۲ یہ جملہ ماقبل کے جملے سے مخالف ہو جائے گا کیونکہ فَمَا سَاَلْتُكُمْ میں دنیاوی کی نفی ہے اور اسی کی لالچ منع ہے ورنہ اخروی لالچ تو بہترین ہے ۔ جواب ۔ یہاں دونوں اجر مراد ہیں دنیاوی بھی اور اُخروی بھی ۔ انبیاءِ کرام دونوں جہان میں کامل متوکل علی اللہ ہیں بجز اُن ولیوں کے جو انبیاءِ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہیں ۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ نہیں ۔ نہ دنیاوی نہ اُخروی ۔ اگر دنیاوی بھروسہ ہوتا تو دنیا میں زر ۔ زن ۔ زمین کا جھگڑا نہ ہوتا ۔ بہت سے لوگ کاروبار کرتے ہیں مگر ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ کاروبار کریں گے تو کھائیں گے ۔ نہ ان لوگوں

کو آخرت کے اجر پر کامل بھروسہ ہے اگر ایسا ہوتا تو دنیا سے گناہ ختم ہو جاتے۔ انبیاء کرام کا دنیاوی کاروبار محنت مشقت کرنے سے روزی کمانا یا ضروریات زندگی پورا کرنا مقصود نہیں بلکہ آنے والوں کو سبق سکھانا مقصود ہوتا ہے۔ ورنہ دیکھو کہ جس کو رب نے تخت و تاج سونا چاندی کے ڈھیر عطا فرمائے ہیں جیسے کہ حضرت سلیمان وہ تو زنبیلیں بنا کر بیچ رہے ہیں۔ لیکن جس کے پاس رہنے کا مکان بھی نہیں جیسے حضرت عیسیٰ۔ انہوں نے ساری عمر کوئی کاروبار ہی نہ کیا۔ اور خود نوح علیہ السلام سے بھی اتنی دراز عمر میں کوئی کاروبار ثابت نہیں۔ پھر بھی رب تعالیٰ ان کو غیب سے روزی عطا فرما رہا ہے۔ اگر نوح علیہ السلام کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو مخالفین فوراً یہ اعتراض کرتے یا ان سے خرید و فروخت بند کر کے بائیکاٹ کر دیتے بلکہ وہ سب لاجواب ہو گئے اور تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی یہ صاحب ہم سے ہر طرح بالکل بے نیاز ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اے پیارے نبی ان راہ روانِ طریقت کو فرما دو اس راہ پر چلنے کے لیئے توکل نوحی چاہیئے جب متوکل بحرِ فنا میں غوطہ زن ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور نفس امارہ کو ترغیب الی اللہ کرتا ہے۔ تو نفس امارہ قوم نوح کی طرح نافرمانی کرتا ہے اور عالم لاہوت کی روح کے خلاف سازشیں کرتا ہے۔ مگر روحِ کامل علی الاعلان نہایت دلیری سے مشفقانہ طریقہ سے نفس کی سازشوں کو طشت از بام کرتے ہوئے ان سے بے پرواہی برتتی ہے۔ نفس اپنی تمام شیطانی حیلے سازیوں کے باوجود جب عرشی روح کا تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ ۔ الا نعرہ سنتا ہے تو عجز و انکسار سے روح کو زیر کرنا چاہتا ہے اور لذاتِ دنیا کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے۔ مگر عرشی روح اس فریب کاری سے بچتے ہوئے راہِ سلوک کی منزلیں طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اور وارداتِ الٰہیہ کی لذتوں سے سرشار ہو کر جامِ توحید کو پیتے ہوئے پکار اٹھتی ہے۔ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔ (محی الدین ابن عربی) مومنِ کامل کو ہر مقام پر وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ کا سبق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہی ذریعۂ نجات ہے۔ اور سچی توحید یہی ہے کہ بندہ اپنے کو ملکوتِ الٰہی و جبروتِ خداوندی میں اس طرح فنا کر دے کہ بندہ خود صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہو جائے جب تک بندہ [illegible] ہو اس وقت تک وہ موحد نہیں بن سکتا۔ (تفسیر عرائس البیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ مسلمان [illegible] مسلمان جس کا ہر شخص کو حکم دیا گیا ہے دوسرا درجہ مومن تیسرا اور آخری درجہ موحد ہے جو شخص ابھی کامل مسلمان بھی نہ بنا ہو وہ اپنے کو موحد کہے تو جھوٹا اور کذاب ہے۔ ہر شخص کو حق نہیں کہ اپنے [illegible] موحدین کی توہین کرتا پھرے۔ جب بندہ کامل موحد بن جاتا ہے تو عنایات [illegible] جاتا ہے اور انوار و تجلیات کی کشتی میں بٹھا کر۔ روح اور اس کے ساتھیوں قلب و قالب [illegible] لٹکایا جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر نفس امارہ

وخواہشات شیطانیہ بحر ظلمات میں غرق ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور روح عرشی صحو وسکر کی لہروں پر خراماں خراماں جوش شوق پر وروز کرتی ہے ۔ پھر خطاب ربانی کی لذت سے نوازتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ۔ اللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْھَا ۔ واللہ اعلم ۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ
پھر بھیجا ہم نے سے بعد اس کے رسولوں کو طرف قوم ان کی پس لائے وہ ان
پھر اس کے بعد اور رسول ہم نے ان کی قوموں کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس
بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ
کے پاس کو نشانیوں پس نہیں تھے کہ ایمان لائیں وہ پر اس جھٹلایا انہوں نے کو اس
روشن دلیلیں لائے تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے پہلے
قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۷۴﴾
سے پہلے اسی طرح ہم مہر لگاتے ہیں پر دلوں حد سے بڑھنے والوں کے
جھٹلا چکے تھے ہم یونہی مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق ۔ پہلی آیت میں قوم نوح کی نافرمانی ہٹ دھرمی اور غرق ہونے کا ذکر تھا جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید بعد کی قومیں اس عذاب کے واقعات کو سن کر گناہ و کفر سے باز رہی ہوں گی تو اس آیت کریمہ میں بعد کی قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد عذاب کی سختی کو بھول کر کفر و سرکشی میں مبتلا ہو گئے ۔ دوسرا تعلق پہلی آیت پاک میں کافروں کے کفر پر ضد کرنے کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں اُس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اُن کے دل پر کفر کی مہر لگ جاتی ہے ۔ اس سیل کی وجہ سے نہ کفر باہر نکلتا ہے نہ ایمان و محبت پیغمبر اندر جاتا ہے ۔

تفسیر نحوی ثُمَّ ۔ یہ لفظ اکثر تعقیب زمانی کے لیئے آتا ہے وہی یہاں مراد ہے ۔ بَعَثْنَا ۔ ماضی مطلق معروف صیغہ جمع متکلم ۔ مراد اللہ تعالیٰ جمعیت مراد نہیں کیونکہ جمع متکلم علم ادب میں فصاحت محضہ کے لیئے بھی آجاتے ہیں ۔ جبکہ دوسرے جمع ۔ صرف جمعیت کے لیئے آتے ہیں ۔ بَعَثْنَا ۔ بَعْثٌ سے بنا

اس کے چار معنیٰ ۔ سبب بنا ۔ کسی چیز کے ۲ ساتھ کسی کو بھیجنا ۔ متنبہ ۳ اور آگاہ کر کے سب کچھ بتا کر سمجھا کر کسی کو بھیجنا ۔ نیند ۴ سے جگانا ۔ یہاں مراد ہے سب کچھ سمجھا کر بھیجنا پڑھا کر بھیجنا ۔ اس سے فرق معلوم ہو گیا دوسری مخلوق اور انبیاء کے تشریف لانے میں ۔ مِنۡ بَعۡدِہٖ ۔ مِنۡ ابتداءِ زمانی کے لئے ہے کوفیوں کے نزدیک یہ بات بصرے کے نحویوں کے خلاف ہے وہ اس مِن کو زائدہ مانتے ہیں ۔ عربی میں زائد حرف دو طرح پر ہے ۱ زائد فی العمل ۲ زائد فی المقصد یہاں دوسرے لحاظ سے زائد ہے ۔ نہ کہ عمل میں ۔ عمل تو کر رہا ہے ۔ بَعۡدِہٖ اس ہ کے تین مطلب ۔ یا اس سے مراد ۔ قومِ نوح ہے یا طوفان ۔ یا نوح علیہ السلام خود اور یہ ہی درست ہے کیونکہ قوم ۔ نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد گمراہ ہوئی تھی ۔ رُسُلًا ۔ جمع ہے رسول کی ۔ رسول علم عقائد کے مطابق وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ اپنے قانون دنیا پر جاری کرنے کے لئے بھیجے ۔ یہ دنیا پر صاحبِ اختیار ہوتے ہیں جمع فرمانے میں کثرت اور عظمت دونوں طرف اشارہ ہے ۔ علم نحو کے مطابق جمع میں کبھی صرف جمعیت ہوتی ہے کبھی جمعیت اور عظمت دونوں ۔ صرف عظمت مراد نہیں ہو سکتی ۔ ہاں ہماری زبان اردو میں جمع سے صرف عظمت بھی مراد ہو جاتی ہے ۔ اس لئے ایک شخص کو بھی آپ جناب کر کے خطاب کر دیا جاتا ہے ۔ مگر رب تعالیٰ کی عظمت توحید میں ہی ہے اِلٰی قَوۡمِہِمۡ ۔ الٰی اصلاً انتہا کے لیے ہوتا ہے یہاں انتہاءِ بعثت مراد ہے قوم کے معنیٰ پہلے بیان کر دیئے ہِمۡ سے مراد ہی انبیاء کرام جن کا ذکر ابھی ہوا ۔ فَجَآءُوۡہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ف خبریہ ہے ۔ جَآءُوۡا ماضی مطلق ۔ جمع غائب جیٌ سے بنا ۔ اجوف یائی اور مہموز لام ہے یہ لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی اگر لازم ہو تو بمعنیٰ آنا اور متعدی ہیں بمعنیٰ لانا یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں اس کا فاعل یہی رسول ہیں ہُمۡ سے مراد قوم والے بِالۡبَیِّنٰتِ بِ ۔ جَآءُوۡا سے متعلق ہے ۔ اور اس میں دو احتمال ہیں ۱ اگر جَآءُوۡا لازم ہے ۔ تو بِ حالیہ ہے اور اس سے پہلے مُتَلَبِّسِیۡنَ پوشیدہ ہے اور یہ اس سے متعلق ہے اور اگر جَآءُوۡا متعدی ہے تو بِ تعدیہ کی ہے ۔ بَیِّنٰت سے معجزات یا قانونِ خداوندی مراد ہے ۔ فَمَا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا بِمَا کَذَّبُوۡا بِہٖ مِنۡ قَبۡلُ ۔ فِ تعقیبِ زمانی کے لئے ہے مَا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡا ماضی استمراری منفی ہے ۔ اصل میں مَا کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ تھا ۔ درمیان میں لام تاکید لایا گیا جس سے نونِ اعرابی گر گئی ۔ ماضی استمراری صیغہ جمع ہے ۔ مراد کافر ہیں بِمَا میں ۔ بِ ۔ صلہ کی ہے ۔ ما ۔ موصولہ ہے ۔ کَذَّبُوۡا تکذیب سے بنا بمعنیٰ جھوٹا کہنا ۔ بِہٖ ۔ بِ مفعولیت کی ہے ہ ضمیر واحد مذکر غائب سے مراد یا پہلے نبی ہیں یا قانونِ سابقہ ۔ یا یہی نبی اور قانون ۔ مِنۡ قَبۡلُ ۔ مِنۡ زائدہ ہے قَبۡلُ ۔ اصل میں قَبۡلَ زبر سے تھا مگر ظرف کا مضاف پوشیدہ منویّہ ہے اس لئے پیش آ گیا ۔ اس کا ترجمہ پہلا ۔ اس میں وہی دو احتمال ہیں جو ہ ضمیر میں تھے یعنی یا پہلا زمانہ یا پہلا وقت ۔ کَذٰلِکَ نَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ۔ کَذٰلِکَ ۔

حرف تشبیہ ہے۔ نَطْبَعُ طَبْعٌ سے بنا اس کے تین معنی۔ ۱ بھر دینا مکمل کر اور کی گنجائش نہ رہے۔ سخت نشان لگا دینا (چھاپ دینا) کہ مٹ نہ سکے۔ ۳ مضبوطی سے بند کر دینا جبکہ کھولنا مقصود نہ ہو۔ (المنجد عربی) یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں علیٰ حرف جر ہے اس کی وجہ سے نَطْبَعُ متعدی بِعَلیٰ ہو گیا۔ قلوب جمع ہے قلب کی مبالغہ کا صیغہ یعنی ہر وقت حرکت کرنے والا۔ اَلْمُعْتَدِیْنَ عَدٰی سے بنا جسکے معنی تجاوز کر جانا حد سے آگے نکلنا۔ بابِ افتعال سے اسم فاعل جمع کا صیغہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جا رہا ہے تاکہ آپ موجودہ اور آئندہ لوگوں کو تبلیغ فرما دیں۔ یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ حضرتِ نوح علیہ السلام کے بعد حضرتِ ابراہیم تک دو رسول تشریف لائے حضرت صالح اور حضرت ہود علیہما السلام۔ قرآن کریم میں اگرچہ رسول و مرسل کا لفظ لغوی اعتبار سے ہے مگر اصطلاح شرعی میں۔ نبی۔ رسول۔ مرسل تینوں علیحدہ ہیں درجے و تبلیغ کے لحاظ سے۔ (کتب عقائد) ہمارے نبی کریم کے علاوہ سب انبیاء کرام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف آئے چنانچہ حضرت نوح علیہ قومِ قابیل کی طرف حضرت صالح ثمود کی ابراہیم علیہ السلام قومِ بابل کی طرف حضرت ہود عاد کی طرف اور حضرت شعیب قوم ایکہ (اہلِ مدین) کی طرف (روح) اس لیے اِلٰى قَوْمِهِمْ ارشاد ہوا۔ بعض حضرات نے حضرت نوح کو سب دنیا کا نبی مانا ہے۔ مگر ان کو غلط فہمی ہوئی اس لیے کہ طوفان کے بعد سب دنیا میں صرف رہتے ہی وہی لوگ جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اور وہ سب مومن تھے کیونکہ طوفان سے سب جہان کے کافر ہلاک ہو گئے تھے نوح علیہ السلام کے پردہ فرما لینے کے بعد آپ کی اولاد میں شیطانی گروہ پیدا ہوا جس نے گمراہی پھیلائی۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نوح سب دنیا کے نبی تھے۔ ان لوگوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرماتے رہے مگر کوئی اور دوسرا نبی تشریف نہ لایا حالانکہ باقی انبیاء جو اپنی قوم کی طرف ہی تشریف لائے ان کے ہم زمانہ دیگر اقوام میں نبی موجود رہے۔ جیسے حضرت ابراہیم کے ہم زمانہ حضرت لوط و شعیب کے ہم زمانہ موسیٰ۔ مگر یہ دلیل دو وجہ سے کمزور ہے ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے پہلی آیت میں حضرت نوح کے لیئے یٰقَوْمِهٖ کا لفظ ارشاد فرمایا دوسری وجہ یہ کہ اس وقت ابھی نسلِ انسانی بہت تھوڑی تھی بہن سے نکاح کا جواز ابھی پر شاہد ہے۔ دوسرے نبی کی حاجت ہی نہ تھی اس وقت گویا کہ قوم ہی ایک تھی۔ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ دنیا میں ہر نبی کچھ نہ کچھ لے کر تشریف لایا بعض کتاب شریعت معجزے سب کچھ لے کر تشریف لائے بعض شریعت اور معجزے اور بعض صرف معجزے۔ بیّنات سے مراد شریعت یا معجزے ہیں نہ کہ کتاب۔ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ ہر نبی علیحدہ علیحدہ اپنی قوم کے لیئے

معجزے لے کر آئے تاکہ نبوت ثابت ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ ہر نبی ایک قوم کے لیئے ایک معجزہ یا قانون لے کر آئے یہاں تقسیم فردی مراد نہیں بلکہ ایک ایک نبی کئی کئی قانون اور بہت بہت معجزے لے کر آئے ف تعقیبیہ نہیں بلکہ جزیہ ہے۔ اس لیئے کہ معجزات انبیاء کرام کو آنے سے پہلے ہی عطا ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ جیسے کہ حضرت موسیٰ کے دو معجزے ۱ عصا کا سانپ بننا اور ۲ ید بیضا۔ جاؤا۔ کا فاعل انبیاء ہیں۔ ھُم کا مرجع اُن کی مخصوص قومیں ہیں۔ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ یہ بھی رب تعالیٰ کا خبریہ کلام ہے۔ کہ اتنے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہ متکبر کافر پہلے جھٹلاتے تھے بعد میں ایک ہی ضد نہ ماننے کی باندھ لیتے تھے۔ گویا اُن کا پہلے جھٹلانا بھی عقل کے ماتحت نہ ہوتا تھا۔ سیدھے راستے پر وہ آسکتا ہے جو عقل کے حکم پر کوئی غلطی کرے لیکن جہالت و بے وقوفی۔ ہٹ دھرمی کی غلطی کے بعد راہِ راست پر آنا مشکل ترین ہوتا ہے۔ جہالت وغیرہ تکبر غرور کی پیداوار ہیں۔ مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا۔ ماضی استمراری اس لیئے ارشاد ہوا کہ ان کا کفر و جھٹلانا ایک آن کے لیئے بھی دل سے ختم نہ ہوتا تھا۔ تبلیغ دین تو درکنار ان کو نبی کا کوئی کام بھی پسند نہ آتا تھا۔ گویا کہ اپنے ہی محسنوں مشفقوں سے نفرت کرتے تھے یا مطلب ہے قوم بعد القوم جھٹلانے کا تسلسل باقی رہا۔ کوئی نبی بھی ایسا تشریف نہ لایا جس کو جھٹلایا نہ گیا ہو۔ تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔ یہ ایمان نہ لانا اس لیئے ہے کہ بِمَا كَذَّبُوا بِهِ۔ ب صلہ کی ہے جس سے عدم ایمان کے سبب کا پتہ لگا ما موصولہ ہے اس سے مراد عموم ہے کَذَّبُوا سے یا نوازنوح علیہ السلام تا شعیب علیہ السلام سب قومیں مراد ہیں یا نوح علیہ السلام کے بعد کی قومیں بہٖ سے یا نبی یا شریعت مراد ہے۔ مِنْ قَبْلُ پہلے سے ہی جھٹلایا بعد میں ضد بازی سے اڑ گئے۔ کہ چونکہ پہلے ہم جھٹلا چکے اب ہم کس طرح ایمان لائیں یہ ہمارے لیئے باعثِ شرم ہے۔ یا مقصد ہے کہ پہلے نبی کی پہلی قوم نے جھٹلایا پھر اسی قوم کے بقیہ لوگوں نے دوسرے نبی کا زمانہ پایا تو اب بھی اپنے پرانے وطیرے پر قائم رہے۔ اور دوسرے نبی علیہ السلام کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے نئے لوگوں نئی نسل نے بھی ایسا ہی کیا۔ بہرحال ہر طریقہ سے ان بدبختوں نے انبیاء کرام کو دکھ دیئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ایمان نہ لائے کیونکہ۔ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ۔ كَذٰلِكَ میں کاف تشبیہ کا ہے۔ یہاں دو احتمال ہیں یا تو اسی قوم کی قلبی مہر مراد ہے کہ دیکھو ہم اس طرح مہر ذلت لگاتے ہیں آئندہ نسلوں کو درس عبرت ہے یا قوم نوح کے کفریہ عقائد کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ہم نے اُن کو مہر لگا کر ذلیل و رسوا کیا تھا اِن کو بھی اسی طرح۔ طرح طرح کے عذاب سے رسوا کیا۔ پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں کیونکہ نطبع صیغۂ مستقبل ہے۔ جس سے آئندہ کا ذکر ثابت ہوتا ہے۔ طبعٌ مہر

لگانا عذاب کی یا ذلت کی یا کفر کی۔ مہر لگادی یعنی عذاب دائمی کا حکم لگا دیا گیا۔ جس طرح یہ کبھی کفر سے باز نہ آئے ہم عذاب کرنے سے کبھی نہ ہٹیں گے۔ علیٰ قلوب۔ عذاب یا مہر کس پر ہے دل پر کہ ہر تکلیف کا احساس۔ خروج دخول اسی پہ ہے۔ معتدین۔ یہ مہر ہر شخص پر نہیں بلکہ جو حرام حلال جائز ناجائز۔ گناہ و فسق۔ نیکی بدی کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حرام غذا سے رب تعالیٰ کی گستاخی پیدا ہوتی ہے۔ اور شرک و کفر کی جڑ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصۂ تفسیر اے مسلمانوں پھر ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی و کفر کی وجہ سے ان پر عظیم ترین عذاب بھیجا اور غرق کر دیا کہ سب کافر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے صرف چند مسلمان بچے ہم نے نوح علیہ السلام کی نسل کو دنیا میں قائم کیا جب نوح علیہ السلام زندہ حیات ظاہری سے رہے اس وقت تک تو وہ مسلمان رہے ان کے بعد پھر جب لوگوں کو شیطان نے گمراہ کیا تو ہم نے ان قوموں میں صالح ہود ابراہیم لوط شعیب جیسے اولوالعزم رسول بھیجے اور وہ حضرات انبیاء کرام ظاہر قانون خداوندی اور اپنی نبوت کے ثبوت میں بہت معجزے لے کر آئے مگر گمراہ لوگوں نے پہلے پہل انکار کیا پھر اسی پر ڈٹ گئے اچھائی برائی پر غور نہ کیا۔ یہ ان کی سختی دل اس لیے تھی کہ ان کے دلوں پر ہم نے مہر لگا دی تھی اسی طرح ہم مجرم کو پہلے پہلے ڈھیل دیا کرتے ہیں اس کے بعد پھر دل بند کر دیا جاتا ہے۔ جو بھی اسلام کی حدود کا خیال نہ رکھے اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر نبی معجزہ لے کر آئے اور معجزہ دکھانے میں وہ حضرات صاحب اختیار ہوتے ہیں یہ فائدہ فجاؤہم کی فاعلیت سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ اللہ کے نیک بندوں سے ضد ہٹ دھرمی کرنی اور ان سے تکبر غرور سے پیش آنا طریقہ کفار ہے۔ تیسرا فائدہ جس دل میں انبیاء کی محبت نہیں وہ مہر شدہ دل ہے۔ وہاں ایمان بھی نہیں آسکتا۔ چوتھا فائدہ اللہ کریم پہلے بہت ڈھیل دیتا ہے پھر بھی اگر انسان باز نہ آئے تب سختی کی جاتی ہے پانچواں فائدہ ہر نبی از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے لیکن ہمارے نبی ساری کائنات جن فرشتے انسان حیوان بلکہ لکڑی پتھر کے رسول بنا کر تشریف فرما ہوئے خیال رہے کہ حضرت سلیمان سب زمین اور زمینی مخلوق کے بادشاہ تو ہوئے مگر نبی صرف انسانوں کے تھے۔

اعتراض اس آیت پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں پہلا اعتراض آپ کی تفسیر اور آیت کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے کہ سب انبیاء صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تو جنات کو ہدایت کس نے

دی حالانکہ ہر زمانے میں بڑے نیک جن بھی موجود رہے خود قرآن پاک واقعۂ سلیمانی میں تخت بلقیس کے موقعہ پر ایک درباری جن کا ذکر فرما رہا ہے قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ الخ اور اگر کسی نے ہدایت نہ دی تو بے ہدایت جنات کے لیئے جہنم ہے یا جنت۔ اگر جہنم ہے تو یہ ظلم ہے۔ جس سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ اگر کفر ہوتا یا کسی تبلیغ کا انکار کرتے تب جہنمی بنتے بغیر اطلاع اور ہادی کے بھیجے ہوئے جہنم کی سزا کیوں اگر ان کا ٹھکانہ جنت ہے تو وہ اعمال کی جزا سے حاصل ہو گی بغیر عملِ صالح کے جزاءِ بہشت بھی ناممکن بلکہ نیکوں پر ظلم ہی ہے کہ وہی جنت ایک کو اعمال کی سخت ترین مشقت دے کر عطا ہوئی اور دوسرے کو بغیر مشقت جواب۔ انبیاءِ کرام کا مبعوث ہونا صرف دین حق کی اطلاع دینے کے لیئے ہے۔ جس مخلوق کو بجز انبیاءِ کرام اطلاع ناممکن ہو اور کسی ذریعے سے اُن کو اللہ کے دین کا پتہ نہ لگ سکے ایسی مخلوق کی طرف باری تعالیٰ اپنے انبیاء کو بھیجتا ہے ایسی مخلوق صرف انسان ہی ہیں۔ جنات کو قوت دی گئی تھی کہ آسمانوں تک پہنچ کر فرشتوں کا کلام سُن سکیں لہٰذا اُن کو فرشتوں کے ذریعے چونکہ اچھے بُرے کا۔ کفر اسلام کا پتہ چل جاتا تھا اس لیئے اُن پر ایمان لانا واجب تھا انبیاء کو ان کی طرف بھیجنے کی اطلاع دینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر انسان کو فرشتوں تک اور آسمانی پرواز کی طاقت نہ تھی اس لیئے ان کی طرف انبیاءِ کرام مبعوث ہوئے دیگر جمادات وغیرہ کو تبلیغ کی ضرورت نہ ہوئی کیونکہ وہ مکلّف نہیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے جنات کا آسمانوں پر جانا بند ہو گیا۔ اب جس نے ہدایت لینی ہے وہ نبی کریم کے آستانے پر آ سکتا ہے ... اسی لیئے نبی کریم جنات کے بھی نبی ہیں دیگر مخلوق جماد لکڑی پتھر وغیرہ کو صرف اعزازی طور پر شرف امت بخشنے کے لیئے "امتِ مصطفیٰ" میں شامل کیا گیا۔ ورنہ یہ کسی حکم کے مکلّف نہیں۔ جس طرح کوئی حکومت کسی غیر ملکی کو محبت کی بنا پر شہریت کا تمغہ دے کر اپنی رعایہ میں شامل کرے کراچی کے اونٹ بان بشیر کو امریکہ کے نائب صدر جانسن نے امریکہ کی شہریت کا تمغہ دیا۔ اور پاکستان کے سابقہ ایوب خان کو سعودی حکومت کی طرف سے مدینہ منورہ کی شہریت کا عظیم الشان قابلِ فخر تمغہ ملا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے نبی الانبیاء سرکار کائنات کی امت میں تمام مخلوق کو شامل فرما کر عظیم اعزازی تمغہ عطا فرمایا۔ اب سب جمادات پرند و چرند کا کام یہ ہے کہ تا عمر نبی کریم کے گیت گاتے رہیں۔ چونکہ بعثتِ انبیاء صرف اطلاعِ دین کے لیئے ہے تو جن کو کسی اور ذریعہ سے اطلاع نہ پہنچے اُن کی تبلیغ کے لیئے انبیاء تشریف فرما ہوں گے لیکن جن کو بغیر نبی اطلاع پہنچ جائے اُن کے لیئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی لیئے نبی کریم کے بعد اب تک رب تعالےٰ نے کوئی نبی نہ بھیجا کہ نبی کریم محمد مصطفیٰ عَلَیْهِ التَّحِیَّةُ وَالثَّنَا کی تبلیغ صحابہ کرام صوفیا اولیا علماء کے ذریعے سب کائنات میں جاری وساری ہے۔ دوسرا اعتراض۔ تو پھر انبیاء کی کیا ضرورت تھی جس طرح صرف اطلاع و تبلیغ جنات نے فرشتوں

سے اوپر جا کر لی۔ وہی فرشتے نیچے آکر بھی انسان کو تبلیغ کر دیتے۔ جواب انسانوں کی ضروریات جنات کی ضروریات سے زیادہ ہیں۔ اور انسان۔ عقل جزو فریب کاری فتنہ فساد میں جنات سے بڑھ کر ہے اس کو صرف قولی تبلیغ کافی نہ تھی اس کے لیئے عملی تبلیغ اشد ضروری ہے۔ فرشتے قولی تبلیغ تو کر سکتے تھے۔ مگر عملی تبلیغ ان کے لیئے ناممکن۔ انسانوں کی جسمانی ضروریات کے علاوہ روحانی اور قلبی ضروریات بھی ہیں اگر اس کو کاروبار روٹی کپڑا درکار ہے تو دردِ دل بھی۔ عشق و محبت کی آگ بھی چاہیئے۔ نہ فرشتے ایسی تبلیغ کر سکتے تھے نہ جنات کو ایسی تبلیغ کی ضرورت پس جنات کے لیئے فرشتے کافی تھے مگر بھلا حضرت انسان کب ماننے والا تھا۔ جس طرح انبیاء کرام نے پیار و محبت سے تبلیغیں فرمائیں اور باوجود تکلیفیں ایذائیں برداشت کرنے کے پھر بھی روحانی قوت سے ان کو ہلاک نہ کیا دعائیں ہی دیتے رہے۔ بھلا فرشتوں سے یہ کب برداشت ہوتا ایک ہی دفعہ میں طور پہاڑ اٹھا کر لے آتے کہ مانو ورنہ جان سے مار دیں گے۔

تیسرا اعتراض۔ رب تعالیٰ نے دلوں پر مہر لگا کر اسلام سے خود روکا مکلفین کو دینِ حق سے روک دینا عجیب بات ہے۔ جواب۔ پہلے بتا دیا کہ طبع کے معنی۔ بند کر دینا یا بھر دینا ہے یہاں کفر سے بھر نا مراد ہے اور شی پہلے ہوتی ہے بھر نا بعد میں۔ ثابت ہوا کہ ان کا کفر پہلے تھا اور بھر نا بعد میں جب دل کفر سے بھر گیا اور سب دائمی علیحٰ ناپاک گندا ہو گیا۔ نبی کی محبت اور اسلام کے قابل ہی نہ رہا تب ہم نے اس کو بند کر کے مہر لگادی۔

تفسیر صوفیانہ جب مومن کو دولت ایمانی سے نوازا جاتا ہے۔ تو اس دولت کے دشمن خواہشات کے ہتھیار لے کر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے کچھ حجاب بڑھ جاتے ہیں تو رب کریم تجلیات انوار و فیوضاتِ اولیاء کاملین کی لشکروں سے دفع فرماتا رہتا ہے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے یہ سب کچھ قلب کی خاطر ہوتا ہے جس کا قلب مائل بہ خواہشات ہو جاتا ہے اور اپنی طرف دشمن کو پناہ دیتا ہے تو باری تعالیٰ کی تجلیات اس سے منہ موڑ لیتی ہیں اور دل جو ہر وقت طرح طرح کی نفسانی خواہشات سے سرکش ہو کر۔ واردات الٰہیہ کا منکر ہو جاتا ہے اور طغیانیوں کا دلدادہ ہو جاتا ہے تو اس طرح بند کر دیا جاتا ہے کہ پھر راہ سلوک اس پر کبھی آشکارا نہیں ہوتا۔ نہ اس کو دوست دشمن کی پہچان رہتی ہے۔ بلکہ دشمن کو دوست اور سچے دوست کو دشمن سمجھتا ہے یہ اس کی سب سے زیادہ بدبختی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

پھر بھیجا ہم نے سے بعد ان کے موسیٰ اور ہارون کو طرف فرعون کے اور

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور

مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

لوگوں اس کے ساتھ نشانیاں ہماری پس تکبر ہوئے وہ سب حالانکہ تھے وہ قوم سب مجرم

اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا

پس جب کہ آیا اُن کے پاس حق سے پاس ہمارے کہا اُن سب نے یہ البتہ جادو ہے

تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا بولے یہ تو ضرور

لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

کھلا ہونے والا

کھلا جادو ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پہلی آیت کریمہ میں ایک قصہ کا ذکر تھا جس میں بغیر نام کے صرف تذکرہ انبیاء تھا۔ اس آیت کریمہ میں ایک اہم اور بہت درازواقعہ کو شروع فرمایا جا رہا ہے۔ گویا عمومی واقعہ کے بعد پھر خاص واقعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ عام پر خاص کا عطف ہے دوسرا تعلق۔ پہلے واقعات میں صاحب کتاب انبیاء کا ذکر نہ تھا اس آیت میں صاحب کتاب نبی حضرت موسیٰ کا ذکر ہے۔ اس میں عظیم تسلی ہے نبی کریم کو۔ تفسیر نحوی۔ ثُمَّ۔ تراخی زمانی کے لئے ہے۔ حرفِ عطف ہے نہ کہ اسم بَعَثْنَا۔ جمع متکلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فاعلی ہے۔ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ۔ حرفِ جار بیانیہ ہے لفظِ بعد۔ اسم ظرف زمانی ہے۔ هِم اسم ضمیر غائب متصل ہے۔ اس کا مرجع وہی انبیاء کرام ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت کریمہ میں ہو چکا۔ موسیٰ۔ وَسْیٌ سے بنا بمعنیٰ مدد کرنا۔ موسیٰ اسم مفعول بمعنیٰ مدد کیا ہوا۔ یہ علم ہے۔ هٰرُوْنَ۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ هران بھی پڑھا گیا ہے۔ علم ہے اِلٰی۔ حرفِ جر ہے فِرْعَوْنَ مجرور غیر منصرف ہے۔ فَرَاعِیْنُ جمع ہے۔ وَمَلَا۟ئِهٖ۔ مَلَاءٌ مبالغ کا صیغہ ہے مصدر سے بمعنی بھرا

مفعول ۔ اس کا معنیٰ بھرنا ۔ ہ ضمیر سے فرعون مراد ہے ۔ بِاٰیٰتِنَا آیات سے مراد معجزات اور قہر کی نشانیاں جمع ہے اس کا واحد آیت ۔ ب ۔ بعضیت کی ہے ۔ نا جمع متکلم کی ضمیر سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے فَاسْتَكْبَرُوْا ف تعقیبیہ بلا تراخی ۔ استکبروا استکبار باب استفعال کے مصدر سے بنا ماضی مطلق جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے ۔ مراد فرعونی ٹولہ ہے ۔ استکبار کبرٌ سے بنا بمعنیٰ اپنے کو بڑا سمجھنا ۔ وَكَانُوْا ۔ یہ صیغہ ماضی بعید کا ہے تو ترجمہ ہے کہ پہلے ہی سے تھے وہ ۔ یا کَوْنٌ فعل ناقصہ کا ماضی مطلق ہے ۔ تو ترجمہ ہوگا کہ اب ہو گئے یہاں اپنے معنیٰ میں نہ ہوگا بلکہ کَانُوْا بمعنیٰ صَارُوْا ہوگا ۔ اس کا فاعل یعنی اسم ہے فرعون اور اس کا گروہ ہے قَوْمًا زبر کی حالت میں ۔ خبر ہے کَانُوْا کی ۔ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع اس لیئے موصوف ہے اور اس کی صفت لفظ مجرمین جمع ہے مُجْرِمِيْنَ جرُمٌ مصدر سے بنا باب افعال کا اسم فاعل ہے حالت نصبی میں ہے ۔ کَانُوْا سے پہلے واؤ حالیہ ہے ۔ فَلَمَّا ف جزیہ ہے یہاں لَمَّا حرف شرط نہیں بلکہ ظرف زمانی کے لیئے ہے ۔ بمعنیٰ جس وقت ۔ جَآءَ ماضی مطلق واحد مذکر غائب ۔ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ھُمْ سے مراد فرعون اور اس کی جماعت حق بمعنیٰ سچی بات مضاعف ثلاثی ہے ۔ مِنْ عِنْدِنَا ۔ مِنْ بیانیہ ابتدائیہ ہے ۔ عِنْدِ ۔ مکانی ہے مجرور ہے ۔ مرکب اضافی ہے مضاف الیہ لفظ ۔ نا ۔ ہے قَالُوْا کا فاعل ھُمْ ضمیر ہے جس سے مراد وہی فرعون و فرعونی ہیں ۔ اِنَّ هٰذَا اسم اشارہ قریب کے لیے مشار الیہ وہ معجزات یا خود موسیٰ علیہ السلام لَسِحْرٌ لام زائدہ تحقیق کا ہے ۔ سِحْرٌ مصدر ہے مگر یہاں اسم جامد ہے بمعنیٰ جادو ۔ مُبِيْنٌ بَيِّنٌ سے بنا جس کے معنیٰ ہیں ظاہر ہونے والا ۔ کھلا ۔ باب افعال کا اسم فاعل ہے ۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ یہ جملہ پہلے ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ پر عطف ہے ۔ ثمّ کی وجہ سے رب کریم ارشاد فرما رہا کہ ہم نے ان سابقہ مذکور انبیاء کرام کے بعد پھر بعد والی قوموں کو ایسے ہی آزاد نہ چھوڑ دیا بلکہ انسانوں سے محبت کی وجہ سے پھر بھی سلسلۂ نبوت جاری کیا ۔ کیونکہ کمزور جانور کو آزاد چھوڑنا اس سے دشمنی ہے اس کے لیئے چوکیدار محافظ گلے کی رسی کی قیدیں اور پابندیاں اس کے لیئے رحمت و کرم ہیں ۔ اسی طرح انسان کی آزادی اس کے لیئے خطرناک و نقصان دہ ہے ۔ جس طرح آزاد گھریلو جانور غذا سے بھوکا پیاسہ مرجاتا ہے ۔ اسی طرح انبیاء کرام کی شرعی پابندیوں سے علیحدہ آزادی حاصل کرنے والا انسان روحانی موت مرجاتا ہے ۔ انبیاء کی بعثت اللہ کی رحمت کاملہ ہے ۔ موسےٰ و ہارون ۔ پہلے صاحب کتاب نبی حضرت موسیٰ ہیں آپ تین بہن بھائی تھے ۔ سب سے بڑی ہمشیرہ حضرت مریم تھیں یہ قتل فرعونی سے پہلے پیدا ہوئیں ۔ حضرت ہارون کی عمر حضرت موسیٰ سے تین سال زائد تھی ۔ ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جو فرعون کے قانون میں زندہ رکھنے کا سال تھا ۔ اور

حضرت موسیٰ ۔ قتل کے سال پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عمران تھا ۔ آپ کی دعا سے حضرت ہارون کو نبوت عطا ہوئی ۔ خیال رہے کہ نبوت سب سے مشکل چیز ہے ۔ نبی کی دعا سے یہ بھی مل جاتی ہے ۔ تو دیگر اشیا کیا محال ہیں ہارون علیہ السلام آپ کے وزیر اور معین تھے نہ کہ نائب نبی جیسا کہ بعض بے وقوفوں نے نبوت کی تقسیم کی ہے ۔ کوئی شخص نائب نبی نہیں ہو سکتا نبوت مکمل اور مستقل ہوتی اس میں کمی زیادتی ناممکن جیسا کہ دنیوی عہدوں میں صدر نائب صدر ہوتا ہے إِلَىٰ فِرْعَوْنَ مَلَإِيْهِ انبیاء کے ذکر کے بعد ۔ ان کی قوم کا بھی خصوصی طور پہ ذکر کیا گیا ۔ پہلی آیت میں نہ انبیاء کرام کے اسماء مذکور تھے نہ ان کی قوموں کے لفظ فرعون اس وقت شاہِ مصر کا لقب ہوتا تھا اس فرعون کا اصل نام ولید بن مصعب تھا ۔ (روح البیان) بہت فیشن پرست اور مغرور عیاش تھا ۔ وَمَلَإِيْهِ درباری سردار ۔ رؤسا اور وزرا ۔ کیونکہ اُن کی ہیبت سے لوگوں کی آنکھیں ۔ اور موٹے موٹے جسموں سے مجلس اور ان کے جلال سے لوگوں کے دل بھرے ہوتے ہیں اس لیئے ان کو ملاء بمعنی بھرا ہوا کہا جاتا ہے ۔ ہمیشہ غریب لوگ درباری امیروں سے ڈرتے ہی رہتے ہیں اور ان کے اپنے دل غرور تکبر سے بھرے ہوتے ہیں ۔ یہاں مَلَإِيْهِ یا صرف سردار مراد ہیں یا سب قبطی کیونکہ غربا بھی بوجہ خوف اُمَرا کے نقشِ قدم پر ہوتے ہیں بتایا یتنا ۔ ہم نے اپنے انبیاء کو ایسے ہی خالی ہاتھ نہیں بھیج دیا بلکہ اپنے بڑے سخت نشانوں کے ساتھ بھیجا حضرت موسیٰ کو رب کی طرف سے نو معجزے عطا ہوئے جن میں بعض جلالی تھے ۔ جلالی معجزے قہر اور عذاب کے تھے مگر ہلاکت مقصود نہ تھی ۔ پھر بھی کچھ اس قہر کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو گئے وہ معجزے یہ تھے ۔ عصا کا سانپ[۱] بن جانا ۔ ہاتھ کا چمکنا[۲] ۔ ہوا کا طوفان[۳] ۔ ٹڈی کا پھیلنا[۴] ۔ جوں کا پیدا[۵] ہونا مینڈک کا عذاب[۶] خون کا ظاہر[۷] ہونا ۔ دریا کا چیر[۸] جانا ۔ مال کی کمی[۹] عزت ۔ غرقِ فرعونی معجزہ نہ تھا بلکہ عذاب ہلاکت تھا ۔ اتنے عذاب و معجزے دیکھنے کے باوجود فَاسْتَكْبَرُوْا ف فصیحہ کی ہے یعنی پورے کلام کو واضح کرنے والی اس کا مقصد یہ ہوا کہ یہ دونوں رسول علیہما السلام فرعون کے پاس تشریف لائے اور جب ان کو تبلیغ کی تب انہوں نے تکبر کرتے ہوئے کہا کہ ارے تم وہی لوگ ہو جن کو ہم نے پالا ہے ۔ فرعون نے کہا أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۔ کہ اے موسیٰ تو وہی بچہ نہیں جس کو ہم نے پرورش کیا اور تو ہم میں چند سال ٹھیرا ۔ اس ملعون نے یہ الفاظ حقارت کے طور پر کہے اور نبی کو اپنے جیسا یا اپنے سے حقیر سمجھا تو غرور کیا ۔ اِسْتَكْبَرُوْا اِسْتِكْبَارٌ سے بنا جس کا معنیٰ ہے اپنے آپ کو بلا وجہ دوسروں سے بڑا سمجھنا ۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ سے اس طرح کی تکبرانہ گفتگو کی تو دوسرے بھی دیکھا دیکھی اسی طرح باتیں کرنے لگے اس لیئے فَاسْتَكْبَرُوْا جمع ارشاد ہوا ۔ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کی سچی تبلیغ اس لیئے ماننے سے انکار کیا کہ وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ

وہ مجرم ہو چکے تھے یہ جملہ معترضہ ہے مقصد ذلیل کرنا ہے ۔ ان کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو اپنے جیسا بشر سمجھا اور ہلکا سمجھا بے اختیار اور بے بس جانا اسی لیئے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے قانون کا۔ دین کا کسی چیز کا احترام وادب نہ کیا کیونکہ سب احتراموں کا اصل اور چابی تو انبیاء کا ادب ہے ۔ فرعون نے ان دونوں نبیوں سے تکبر کیا نہ کہ فقط حضرت موسیٰ سے ورنہ حضرتِ ہارون کی بات کا ہی کچھ پاس کرتے مگر ایسا نہ ہوا ۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ تو معجزات سے تکبر کیا اور ان کو جادو وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا مگر یہ درست نہیں کیونکہ روشِ کلام سے پتہ لگتا ہے کہ ابھی انہوں نے معجزات دیکھے بھی نہ تھے اور پھر وہ معجزے بیک دم نہ دیکھے ۔ یہ دفعتاً فوقتاً موقعہ بموقعہ معجزات دکھائے تکبر اور غرور انہوں نے پہلے کر دیا تھا لفظِ مجرمین ۔ یا جُرمٌ جیم کے پیش سے ہے یا جِرمٌ زیر سے جُرم بالضم کا ترجمہ گناہ جِرم" کا ترجمہ ہے جسم اور چونکہ اپنے کو باعتبار جسم کے بڑا سمجھنے والا گناہ زیادہ کرتا ہے اس لیئے اس کو مجرم کہا جاتا ہے ۔ معجزات کا بیان تو بعد میں ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوا ۔ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا تو جب ان کے پاس حق (یعنی معجزات) آیا (صاوی) حق سے مراد یہاں معجزہ عصا ۔ اور ید بیضا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہی دکھایا گیا ۔ ف ۔ یہاں بھی فصیحۃ کی ہے فاءِ فصیحۃ وہ ہوتی ہے جو مختصر کلام پر داخل ہو کر کسی پوشیدہ پورے واقعہ یا کلام کی طرف اشارہ کر دے ۔ یہ ف بھی ۔ حضرت موسیٰ کے معجزات دکھانے کے پورے واقع کی طرف اشارہ کر رہی ہے ۔ لَمَّا سے خبر دینا مراد ہے نہ کہ شرط ۔ جَاءَ ۔ یا لازم ہے یا متعدی ۔ اگر لازم ہے تو اس کا فاعل حضرت موسیٰ کا یہ معجزہ ہے اگر متعدی ہے جس کا ترجمہ ہو گا لے آئے ۔ تو فاعل خود حضرت موسیٰ اور لفظِ حق منصوب ہو کر جَاءَ فعل کا مفعول بہ ہو گا ۔ مگر ہماری قرأت میں ۔ جاءَ لازم ہے بمعنیٰ آگیا حق ۔ حق کے چار معنیٰ ہیں ۱ حق اللہ تعالیٰ کا بھی نام ہے ۔ چنانچہ سورۂ انعام آیت ۶۲ میں ارشاد ہے ۔ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۲ حق کے معنیٰ ثابت ہو جانا چنانچہ ارشاد ہے لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (یٰس) ۳ حق کے معنیٰ سچی بات جیسے یہاں ارشاد ہوا ۴ حق کے معنیٰ استحق ہونا چنانچہ ارشاد ہے وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ یہاں حق سے مراد سچی بات ہے ۔ یعنی معجزہ ۔ مِنْ عِنْدِنَا یہ آیت بھی متشابہات میں سے ہے ۔ عند قربِ مکانی کے لیئے آتا ہے اکثر ۔ مگر رب تعالیٰ قربِ مکانی وغیرہ سے پاک ہے ۔ یہاں مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے حکم سے ثابت ہوا کیونکہ انبیاء کرام مظہرِ صفاتِ کبریا ہیں ۔ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ جب فرعون اور فرعونیوں نے یہ دونوں معجزے دیکھے تو بجائے دل نرم ہونے اور ایمان لانے کے دل میں ان انبیاء کرام سے اور متنفر ہو گئے اور اسی نفرت و تکبر کی بنا پہ یہ کہا ۔ اِنَّ یہ جملہ اسمیہ ۔ قالوا ۔ کا مقولہ ہے گویا کہ معجزے کو یقینی طور پہ انہوں نے جادو

سمجھا۔ کیونکہ اس زمانے میں جادو بہت جاری تھا۔ ہٰذَا سے مراد یا جنسِ معجزہ ہے تب تو دونوں معجزے اسی ہٰذا کا مشار الیہ ہو سکتے ہیں۔ اگر خصوصی ہے تو صرف ایک معجزہ ہی مراد لیا جا سکتا ہے۔ یا عصا کا۔ کیونکہ ہٰذا اسم اشارہ واحد۔ سِحۡرٌ میں لام تحقیق ہے تحقیق کیلئے ہے یا ید بیضا کیونکہ ہٰذا اِنَّ سے بھی تحقیق ہوئی اور لَسِحۡرٌ لام سے مزید شک دور کیا۔ سِحۡرٌ کے معنی فریب۔ دھوکا۔ نظر بندی۔ اور جادو سب ہو سکتے ہیں۔ یہاں جادو مراد ہے کہ یہی اُس زمانے میں عام تھا۔ مُّبِیۡنٌ۔ یہ لفظ بھی۔ اُنْ کے یقین کو بتا رہا ہے۔ کہ اس میں بالکل شک شبہ نہیں یقیناً یہ جادو ہے۔ اور یہ یقین اُن کی اپنی ضد یا جہالت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انبیاءِ کرام معجزے دکھاتے ہیں خود انہوں نے ہی مطالبہ کیا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ فرعونیوں نے اس سے پہلے معجزہ دیکھا ہی نہ تھا نہ کوئی نبی اس سے پہلے اُن میں آیا اِس لئے انہوں نے اس کو جادو ہی سمجھا مگر یہ غلط ہے ورنہ وہ خود معجزے کا مطالبہ نہ کرتے اور جادوگر اس دربار میں اس وقت بھی موجود تھے جن کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ جادو نہیں۔ مگر انہوں نے اس کا اظہار نہ کیا محض عناد کے لئے۔ (وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ)

خلاصۂ تفسیر اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ابراہیم ولوط وغیرہما انبیاء کے بعد اپنے بہت سے نبی جلالی و جمالی نشاناتِ قدرت اور معجزاتِ نبوّت دے کر بھیجے اور ان آیات و نشانات کو حضرت موسٰی اور ان کی دعا سے نبی بننے والے ان کے وزیر حضرت ہارون۔ فرعون اور بڑے بارعب امراء اہل دربار کے پاس لے کر تشریف لائے مگر ان لوگوں نے ہمارے نبیوں کو اپنے سے کم درجہ یا برابر سمجھتے ہوئے اپنی مثل بشر سمجھا اور تکبّر کیا۔ یہ سب کچھ گستاخیاں اس لئے تھیں کہ وہ پرانے عادی مجرم تھے۔ جب اُن کے سامنے معجزے دکھائے گئے تو بھی ایمان نہ لائے بلکہ باوجود سب جادوگروں کے مقابلے سے عاجز ہو جانے کے پھر بھی اُن معجزات اور قدرت کے نشانات کو یہی کہتے رہے کہ بیشک یہ تو کھلا جادو ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ انبیاءِ کرام کی دعا بارگاہ رب العزت میں بہت ہی شان والی ہے اور قابلِ عزت ہے کہ نبوّت جیسی عظیم شی بھی اس دعا سے مل جاتی ہے یہ فائدہ حضرتِ ہارون کی نبوّت سے حاصل ہوا۔ جب دعاءِ نبوّت کی یہ شان ہے تو خود انبیاء کی شان اس بارگاہِ عالیہ میں کتنی عظیم ہے۔ بد بخت انسان ان کی عظمت جانے نہ جانے مگر اللہ کے نزدیک یہی شان والے ہیں۔ دوسرا فائدہ جس کے دل میں انبیاء کی عظمت و محبت نہیں اس کے دل میں اللہ کی قرآن کی کعبے کی مسجد کی کوئی عزت نہیں ہو سکتی گویا کہ نبی کا ادب و احترام اور خوف

وہیبت ساری عظمتوں ہیبتوں کی چابی ہے۔ یہ فائدہ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا سے حاصل ہوا۔ اس لئے دیکھا گیا ہے کہ نبی کے گستاخ ہی اللہ کے متعلق یہ عقیدہ بنا بیٹھے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے (معاذاللہ) اور نبی کے بے ادب لوگوں نے ہی یہ بھی لکھا کہ اللہ کام سے پہلے بندے کے ارادے سے بے علم ہوتا (بلغۃ الحیران) انہی نبی کے بے ادبوں نے کعبے کی طرف پیر کئے اور قرآن کریم کو زمین پر رکھا۔ جبکہ نبی کا عاشق وبا ادب کبھی بھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ دیکھو نجدی حکومت نے حجازِ مقدس میں کتنی بے ادبیاں کی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف نبی کی بے ادبی کی وجہ سے تیسرا فائدہ اللہ کی غیر خصوصی صفات سے اس کے مخصوص بندوں کو بھی موصوف کر سکتے ہیں اس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔ یہ فائدہ لفظِ حق سے حاصل ہوا تو جس طرح حق اللہ کا نام ہوتے ہوئے بھی۔ غیر اللہ کو حق کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح سمیع۔ بصیر۔ کریم رحیم۔ رؤف۔ نور۔ حاضر و ناظر غیب دان۔ انبیاءِ کرام خصوصاً آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

اعتراض اس آیت پر چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض جبکہ فرعونیوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ کھلا جادو ہے تو پھر حضرتِ موسیٰ نے بطورِ حکایت کیوں فرمایا کہ کیا یہ جادو ہے (تفسیر کبیر رازی) جواب! حضرتِ موسیٰ کا آئندہ قول بطورِ حکایت نہیں بلکہ ان کے سابقہ قول سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ کی تردید ہے۔ دوسرا اعتراض اس آیتِ کریمہ میں ارشاد ہوا کہ حضرتِ موسیٰ و ہارون صرف فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف آئے حالانکہ حضرت موسیٰ ساری قوم کی طرف مبعوث تھے۔ خصوصاً بنی اسرائیل کی طرف تو ملا کا ترجمہ صرف درباری کرنا صحیح نہ ہوگا۔ جواب ملا کا ترجمہ رؤسا اور درباری ہی ہے۔ اسی لیے حضرت سلیمان نے تختِ بلقیس کو منگانے کے وقت اپنے درباریوں سے خطاب کرتے وقت یا ایہا القوم وغیرہ کے الفاظ نہ ارشاد فرمائے بلکہ اَیُّھَا الۡمَلَؤُا اَیُّکُمۡ یَاۡتِیۡنِیۡ۔ فرمایا تو آپ کے درباریوں میں سے ایک انسان ولی اللہ نے آن کی آن میں تخت لا کر رکھ دیا۔ نہ کہ کسی فرشتے نے جیسا کہ بعض دیوبند کے وہابی کہتے ہیں فرشتے ملاء میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح یہاں بھی صرف درباری ہی مراد ہیں۔ باقی افراد متبعین تھے اس لئے ان کو تابع کرنے کی حاجت نہ تھی اصل عاجز کرنا درباریوں کا مطلوب تھا۔ ان کے ایمان کے بعد باقی لوگ خود بخود مومن ہو جاتے۔ کیونکہ وہ ان کے خدام تھے۔

تفسیر صوفیانہ قلب انسانی پر دو ہی کیفیات طاری ہوتی ہیں کبھی رحمانی کبھی شیطانی رحمانی کیفیات بالواسطہ ہوتی ہیں۔ مگر۔ اکثر شیطانی کیفیات بلاواسطہ خود رو جڑی بوٹیوں کی طرح وجود میں آتی ہیں۔ اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جائے یا کسی مرشد کا سخت گیر ہاتھ نہ پہنچے تو سرزمین قلب سے ان کا ہٹانا محال ہو جاتا ہے۔ اور صاحبِ قلب فسق و فجور۔ کفر و طغیان کے دلدل میں پھنستا ہوا کثافتِ

قلبی کے میدان میں چلا جاتا ہے۔ جہاں اس کو ہر روشنی۔ تاریکی محسوس ہوتی ہر اچھائی کو برائی۔ ہر نیکی کو بدی ہر معجزے کو فریب نظر سمجھتا ہوا ازلی خواروں میں شامل رہتا ہے۔ اور اسی جاگیر قلب پر فرعون نفس اور اس کے عقل کی آوازیں ایسا تسلط جماتی ہیں کہ پھر کسی موسیٰ و ہارون کی سچی تعلیم ان پر اثر پذیر نہیں ہوتی یہ انکی انتہائی بدنصیبی ہے کہ محسن کی خوشنودی ان کے لیے ناگوار ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ ہر علم کا کوئی موضوع ہوتا ہے۔ علم نحو کا موضوع کلمہ کلام علم صرف کا مصدر مشتق۔ علم طب اور علم فقہ کا موضوع مختلف طریقوں سے بدن انسانی اور تصوف کا موضوع روح اور قلب انسانی۔ واللہ و رسولہ اَعْلَمُ بالصواب۔

قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ

کہا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو کو حق جب کہ آیا تمہارے پاس کیا جادو ہے یہ حالانکہ نہیں

موسیٰ نے کہا کیا حق کی نسبت ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ

هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا

ہوتے کامیاب جادوگر کہا انہوں نے کیا تو آیا ہمارے پاس تاکہ تو جبر بدل دے تو ہماری

جادو ہے اور جادوگر مراد کو نہیں پہنچتے بولے کیا تم ہمارے پاس اس

عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ

سے اس پایا ہم نے باپ دادوں کو اپنے اور ہو جائے لیے تم دونوں برائی بھی

لیے آئے ہو کہ ہمیں اس سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور زمین

فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

زمین اور نہیں ہیں ہم لیے تم دونوں سے ایمان لانے والوں

میں تمہیں دونوں کی بڑائی رہے اور ہم تم پر ایمان لانے کے نہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرعونیوں کا ایک قول ذکر کیا گیا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے معجزات کو کھلا جادو کہا اس آیت کریمہ

میں اس کی مناظرانہ تردید میں حضرت موسیٰ کے قول کا ذکر کیا۔ کہ آپ نے کس مدلل انداز میں ان کے قول کی تردید فرمائی۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرعونیوں کی ایک بات کا ذکر تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو نبی نہ مانتے ہوئے محض انکار کی بنا پر معجزات کو قبول نہ کیا۔ اس آیت میں ان کی نہ ماننے کی دو اور وجہوں کا ذکر کیا جا رہا ہے خود ان کی زبانی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں فرعون اور اس کے گروہ کا اپنے کو بڑا سمجھنے کا ذکر تھا۔ اس آیت کریمہ میں ان کے اس غلط رجحان کا ذکر ہے کہ انبیاء کرام کو بڑا نہ سمجھنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ لوگ ہی حقیقت میں سب بزرگیوں اور بڑائیوں والے ہوتے ہیں۔

تفسیر نحوی قَالَ مُوسٰی۔ یہ جملہ فعلیہ قولی ہے اس کا مقولہ اگلی عبارت اَتَقُوْلُوْنَ ہے اَتَقُوْلُوْنَ کا اَ۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کیا تم ایسی بیہودہ بات کہتے ہو جو تم کو نہ کہنی چاہیے تھی۔ یہ بھی جملہ فعلیہ قولیہ ہے اس کا مقولہ پوشیدہ ہے۔ یہاں مَاتَقُوْلُوْنَ پوشیدہ ہے۔ یعنی اے بے دینو تم حق کو وہ بات کہتے ہو جو پہلے کہی تم نے۔ لِلْحَقِّ حق سے مراد معجزات موسوی ہیں۔ لَمَّا جَآءَکُمْ۔ لَمَّا خبریہ ہے نہ کہ شرطیہ۔ جَآءَ۔ ماضی مطلق معروف۔ لازم ہے۔ بمعنی آگیا۔ کُمْ سے مراد ہیں مطالبہ کرنے والے فرعونی اَسِحْرٌ ھٰذَا۔ یہ نیا جملہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ اَ ہمزہ سوالیہ ہے انکار کے لیئے ھٰذَا اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ حق ہے۔ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ۔ لَا یُفْلِحُ صیغہ واحد غائب مذکر۔ مضارع منفی بلا۔ فَلْحٌ سے بنا ہے، اس کے چار معنی۔ ۱۔ چیرنا پھٹنا۔ ۲۔ نجات پانا۔ ۳۔ کامیاب ہونا ۴۔ باقی رہنا۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی کامیاب ہونا مقصد پانا۔ اَلسّٰحِرُوْنَ۔ الف لام بمعنی اَلَّذِیْنَ ہے سٰحِرُوْنَ جمع کثرت ہے۔ اس کا واحد سَاحِرٌ ہے سِحْرٌ مصدر اور جامد دونوں طرح مستعمل ہے۔ سِحْرٌ س کے زیر سے بمعنی ۱۔ نظر یا عقل کو فریب دینا ۲۔ ملمع کرنا۔ اور سَحَرٌ س کے زبر سے بمعنی طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت اور بمعنی امید ۲۔ اور سینہ ۳۔ جوانمردی۔ یہاں سِحْرٌ بکسر سین ہے قَالُوْآ یہ فرعونیوں کا دوسرا قول ہے۔ اَجِئْتَنَا اَ ہمزہ سوالیہ۔ جِئْتَ۔ ماضی مطلق واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ متعدی ہے۔ مفعول پوشیدہ نَا ضمیر جمع متکلم ظرف کے لیئے ہے۔ لِتَلْفِتَنَا لام تعلیلیہ ہے تَلْفِتَ صیغہ واحد مذکر حاضر فاعل حضرت موسیٰ لَفْتٌ سے بنا۔ لام کے زبر سے بمعنی ۱۔ دائیں یا بائیں پھیرنا ۲۔ یا بیوقوف بنانا۔ لام کے زیر سے جامد ہے۔ شلجم کو کہتے ہیں۔ یہاں پھیرنا مراد ہے۔ عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا۔ عَمَّا۔ دراصل عَنْ مَا ہے عَنْ حرف جر اسی کی وجہ سے لَفْتٌ کے معنی پھیرنا ہو گئے ورنہ اس کے اصل معنی توجہ کرنا ہیں۔ اسی لیئے التفات بمعنی توجہ ہے۔ مَا موصولہ سے مراد ان کا خود ساختہ دین ہے اٰبَآءَنَا آباء جمع ہے اَبٌ کی بمعنی اصل جڑ۔ دادا باپ چچا کے لیئے استعمال ہوتا ہے۔ وَتَكُوْنَ۔ واو حرف عطف تَكُوْنَ معطوف ہے لِتَلْفِتَنَا

پر اس لیئے لام کے ناصبہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ تَكُوْنَ فعل ناقصہ سے بنا بمعنی صیلہ یعنی اب ہو جائے لَكُمَا لام ملکیت کا ہے کُمَا تثنیہ مذکر حاضر اس کا مرجع حضرت موسیٰ و حضرت ہارون ہے۔ اَلْكِبْرِيَاءُ الف لام عہد ذہنی ہے۔ کبریاءُ یہاں مصدر ہے بمعنی بڑا بننا مراد سرداری یا حکومت مبالغ کا صیغہ بھی ہے نام ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اگر تَكُوْنَ فعل تامہ ہے تو یہ اس کا فاعل ہے۔ فِي الْاَرْضِ۔ فِي بمعنی علیٰ ہے۔ الْاَرْضِ الف عہد ذہنی ہے۔ یعنی مخصوص زمین۔ لفظ ارض کا لغوی ترجمہ برابر کرنا۔ (منجد) وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ واؤ حالیہ یا مقالیہ یا سر جملہ مانافیہ نحن ضمیر منفصل لَكُمَا لام بمعنی علیٰ کُمَا سے مراد موسیٰ و ہارون۔ ب زائدہ ہے مومنین جمع ہے مومن اسم فاعل کی۔

تفسیر عالمانہ | جب حضرت موسیٰ مدین سے اپنی زوجۂ محترمہ کے ساتھ جانب مصر روانہ ہوئے تو کوہِ طور پر آپ کو تبلیغ نبوت کی اجازت عطا ہوئی اور دو معجزے مارِ عصا اور یدِ بیضا عطا ہوئے تو اس وقت حضرت موسیٰ کی التجا پر حضرت ہارون کو جو اب تک مصر ہی میں مقیم تھے نبوت ملی جب حضرت موسیٰ رات کے وقت مصر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے حضرت ہارون سے ملاقات کر کے اُن کو تمام حالات سے آگاہ فرمایا دوسرے یا تیسرے دن اللہ رب العزت نے دونوں کو وحی فرمائی کہ جاؤ سرکش فرعون کو ہدایت کی تبلیغ فرماؤ یہ دونوں بزرگ۔ تن تنہا۔ ظالم و سرکش مغرور فرعون کے شاہی دربار میں عین دوپہر کے وقت آئے اور بلا جھجک اپنی نبوت کا اعلان فرمایا فرعونیوں نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تو آپ نے دونوں معجزے دکھائے چونکہ اس وقت جادو عام تھا اس لیئے اُس کو بھی انہوں نے جادو کہنا شروع کر دیا جیسا کہ ابھی پہلے گزرا تب اگلا کلام حضرت موسیٰ نے ادا فرمایا۔ قَالَ مُوْسٰى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ یہ قول ہے ان کا مقولہ یعنی کیا کہتے ہو وہ یہاں پوشیدہ ہے اِس لیئے کہ سابقہ کلام لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ اس کا قرینہ ہے جو ثابت کر رہا ہے کہ یہاں یہ لفظ پوشیدہ ہے۔ حضرت موسیٰ کا یہ فرمان اُن کے اِس سابقہ دعوے کی تردید ہے آپ نے عظیم عالمانہ فصیحانہ طریقہ پر منطقی استدلال سے اُن کی تین طرح سے تردید فرمائی۔ ایک تو یہ جملہ اَتَقُوْلُوْنَ الخ اور دو جملے آگے آ رہے ہیں۔ اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ۔ حق سے یہاں مراد یہی معجزات نبوت ہیں۔ اس جگہ اِنَّهٗ لَسِحْرٌ بطور مقولہ پوشیدہ ہے۔ لَمَّا جَآءَكُمْ یہ لَمَّا شرطیہ نہیں جس کے معنیٰ ہوتے ہیں جب کبھی بلکہ یہ لَمَّا خبر یہ ظرفیہ ہے اِس کے معنیٰ ہیں جس وقت جَآءَكُمْ حضرت موسیٰ کے اِس فرمان میں عجیب شان ہے کہ آپ فرما رہے ہیں۔ تمہارے پاس حق آ گیا یعنی ہر طرح اُس کو دیکھ سکتے ہو کیونکہ تمہارے پاس ہے جادو کسی کے پاس آتا نہیں وہ تو ایک فریب نظر ہے۔ جس کو آناً فاناً دیکھا جا سکتا ہے مگر پرکھا نہیں جا سکتا۔ نہ وہ کسی حقانیت پر ہوتا ہے۔ تو کتنی جلد بازی کا یہ فیصلہ ہے کہ بلا سوچے اُس کو جادو کہہ دیا اَسِحْرٌ هٰذَا کیا یہ جادو ہے۔ یہ

حضرت موسیٰ کا اپنا قول ہے اور یہ دوسرا تردیدی جملہ ہے۔ نہ کہ سابقہ جملے کا مقدمہ جیسا کہ بادی النظر میں خیال گزرتا ہے۔ آپ کے اس کلام کو سن کر کسی شخص میں اتنی جرأت نہ ہوئی کہ فوراً کوئی توڑ کرے بلکہ سب پر حیرت طاری تھی اور عجیب خاموشی۔ کیا عجب نظارہ ہوگا جب کہ تمام جابر و ظالم ایک طرف اور یہ ڈٹ صاحب خم ٹھونک کر میدان میں علمِ توحید و رسالت گاڑھنے پر مُصِر ہیں (اللہ اکبر) اور کسی میں اس کے الزامی جواب کا یارا نہیں۔ پھر کچھ دیر بعد ارشاد فرمایا۔ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ یہ تیسرا تردیدی جملہ ہے۔ یعنی اے لوگو مقامِ غور ہے کہ کبھی جادوگر بھی اس طرح شان و شوکت رعب و ہیبت بے خوف و خطر جابر حاکم کے مقابل آسکتا ہے اور اس کے تمام قول و فعل کردار و عقائد کو غلط اور جھوٹا کہہ سکتا ہے۔ کسی جادوگر کی بھی کبھی اتنی ہمت و جرأت دیکھی ہے۔ جادوگر کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو اتنی بے باکی سے اپنے کمال نہیں دکھا سکتا آج نہیں تو کل رسوا و ذلیل ہو جائے گا۔ اور پھر جادوگروں کے مقابلے میں کبھی اپنا جادو نہ چلائے گا نہ اس کو علمِ غیب ہوگا۔ اس کو خطرہ ہوگا کہ کہیں میرا جادو توڑ کر کوئی برسرِ عام مجھ کو رسوا نہ کردے۔ لیکن یہاں ان میں سے کوئی بات نہیں ہم کو اسباب کا علم غیب ہے کہ ہم نے ہی کامیاب و کامران ہونا ہے اور نہ ماننے والوں نے رسوا ہونا ہے کیونکہ ہمارا مقصود صرف تم بے دینوں کو ہدایت دینا ہے۔ اتنے کلام کے باوجود کوئی شخص ان کی دلیل کو علمی اور عملی طور پر نہ توڑ سکا اور باطنی طور پر سب نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ کامیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن صرف شرمندگی مٹانے کے لیئے چند سرکردہ لوگوں نے کہا کہ۔ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا یہ رؤساءِ فرعون کے چند کا قول ہے جس سے وہ ظاہراً تو حضرت موسیٰ کی بات پر ایمان نہ لانے کی دو وجہیں بیان کر رہے ہیں ایک یہ کہ ہم تم پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ تم ہم کو ہمارے باپ دادوں کے عقیدوں سے پھیرنا چاہتے ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فرعون اور اس کے درباری اپنے اس دعوے کو ثابت نہ کر سکے جو انہوں نے معجزات کو جادو کہہ کر کیا تھا۔ بلکہ در پردہ حضرت موسیٰ کی بعثت کے مقصد کی وضاحت کر رہے ہیں کیونکہ واقعی حضرت موسیٰ اسی لیئے نبوت سے سرفراز ہو کر تشریف لائے تھے کہ فرعون اور بت پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف لگا دیں۔ قَالُوا اس کا فاعل چند درباری ہیں۔ أَجِئْتَ یہ فعل لازم ہے اس کا فاعل حضرت موسیٰ ہیں۔ اگرچہ حضرت ہارون بھی وہاں موجود تھے مگر وہ صرف بطورِ تعاون تھے۔ معجزات اور یہ سب دلیرانہ کلام حضرت موسیٰ نے ہی کیا۔ لہٰذا فرعونیوں نے اس وقت انہیں سے خطاب کیا۔ نَا۔ سے مراد۔ مع فرعون سب کافر ہیں۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ فرعون باوجود اپنے کو معبود کہلانے اور اپنی پرستش کرانے کے خود بھی بت پرست تھا۔ اور ان درباریوں کا عقیدہ بت پرستی اور فرعون پرستی دونوں تھے۔ کیونکہ

آباء کے وقت تو فرعون کا وجود نہ تھا۔ فرعون پرستی تو اب شروع ہوئی ہے اور فرعون صرف خدا پرستی کے مخالف تھا نہ کہ بت پرستی کے۔ یہ ان فرعونیوں کی انتہائی بے قوفی تھی کہ اس فرعون کو معبود سمجھتے رہے جو خود بتوں کو سجدہ کر رہا ہے لِتَلْفِتَنَا۔ لَفْتٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ایک طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری طرف توجہ کرنا۔ اسی سے ہے اِلتفات۔ یہاں مراد ہے ایک طرف سے دل ہٹا کر دوسری طرف لگانا۔ اگر حرف فی سے ہو تو معنی ہیں کسی میں توجہ کرنا یعنی اس کی طرف ہونا اسکی سننا اس سے دل لگانا اگر حرف عن سے ہو تو معنی ہیں کسی سے توجہ کرنا یعنی اس سے منہ یا دل پھیر لینا اس سے نفرت کرنا عن کی وجہ سے یہاں یہی معنی بنتے ہیں۔ مَا۔ موصولہ سے مراد دین مذہب ہے۔ وَجَدْنَا۔ یعنی تاریخوں سے پڑھا یا سنا اپنے موجودہ بڑوں سے کہ ہمارے خاندانی چھوٹے بڑے سب اسی بت پرستی کے عقیدے پر رہے اسی پر مرے لہٰذا یہی راستہ اور عقیدہ درست ہے وہ ہم سے زیادہ ذی عقل اور سمجھ دار تھے۔ وہ اچھے برے کو سمجھتے تھے خیال رہے کہ عقلِ انسانی صرف دنیا کے لیئے پیدا کی گئی اس کو صرف دنیا کے حصول یا اس سے بچنے کے لیئے صَرف کرو حصولِ ایمان کے لیئے عقل ناکارہ ہے نہ اس کے لیئے عطا ہوئی اس کو ایمان کے لیئے استعمال نہ کرو۔ جیسے ہاتھ پکڑنے کے لیے۔ پاؤں چلنے کے لیئے اگر الٹ استعمال کرو گے زخمی اور ناکام ہو جاؤ گے۔ اسی طرح۔ عقل کو دین میں لاؤ گے تو تباہ و گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہاں تو تعلیم نبوت لازم ہے۔ عَلَيْهِ۔ علیٰ بمعنی فِی ظرفیت۔ ہ سے مراد وہی دین آبَاءَنَا کا لفظی ترجمہ باپ دادے مراد سب پرانے فوت شدہ خاندان والے۔ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دین نیا دین خود ساختہ نہیں بلکہ پرانا ہے اور دین چونکہ پرانا ہی اچھا ہوتا ہے اس لیئے ہمارا دین اچھا اور درست ہے اور اے موسیٰ تم ہم کو اچھی چیز سے ہٹا رہے ہو اس لیئے ہم تمہاری بات نہ مانیں گے خواہ تم ہم کو سچے معجزے ہی کیوں نہ دکھاؤ اور یہ سب کچھ تم کیوں کر رہے ہو کہ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْاَرْضِ یہ فرعونیوں نے اپنے ایمان نہ لانے کی دوسری وجہ بیان کی۔ کہ ہم اس لیئے تم کو سچا نبی تسلیم نہیں کرتے کہ تمہارا یہ کام کسی خلوص پر مبنی نہیں بلکہ تم دونوں صرف یہ چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت اور بادشاہت قائم ہو جائے اس لیئے جادو کے یہ کرشمے دکھا کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہو۔ تکون فعل ناقصہ کو تامہ کیا گیا ہے لَكُمَا۔ لام ملکیت کا ہے اور کُمَا ضمیر سے دونوں حضرت موسیٰ و ہارون مراد ہیں۔ اَلْكِبْرِيَاءُ بمعنی عظمت مراد بادشاہی ہے مسبّب بول کر سبب مراد لیا یا ملزوم بول کر لازم مراد لیا ہے کیونکہ بادشاہی سبب ہے کبریائی کا۔ فِي الْاَرْضِ فی حرف جار ارض مجرور۔ یا متعلق ہے تکونُ سے یا کبریا مصدر سے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ مراد زمین مصر ہے وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ۔ یہ علیحدہ جملہ تمام سابقہ عبارت کے نتیجہ کے طور پر ذکر کیا گیا یعنی اس تمام حیل و حجت۔ بحث مباحثہ کا مقصد یہ ہے کہ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے

خواہ کچھ بھی ہو جائے ۔ واؤ رابطے کے لئے ہے ۔ ما نافیہ ہے ۔ لکما لام بمعنیٰ علیٰ یعنی تم دونوں پر ۔ بِمُؤْمِنِیْنَ ب بعضیت کی ہے مومنین ۔ تصدیق کرنے والے ۔ ایمان سے مشتق ہے ۔ اصطلاحی ترجمہ ہے دل اور زبان سے بیک وقت ماننا ۔ اس تمام آیت میں اَجِئْتَنَا اور لِتَلْفِتَنَا واحد مذکر حاضر کے صیغے جیسے صرف موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور اگلی عبارت میں ۔ دونوں جگہ لکما تثنیہ مذکر حاضر کی ضمیر ہے اس میں عجیب حکمت ہے جو اعتراضات میں بیان کی جائے گی ۔

خلاصۂ تفسیر جب فرعون وآلِ فرعون نے حضرت موسیٰ کے معجزات کو جادو کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا تب حضرتِ موسیٰ نے فرعونیوں سے فرمایا کہ کیا تم اتنے بڑے ظاہر حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ وہ بالکل تمہارے قریب آ چکا ہے ۔ غور تو کرو کیا یہ جادو ہو سکتا ہے ۔ اور پھر دیکھو ہم کتنے کامیاب وشادمان تمہارے پاس تن تنہا آگئے ۔ بھلا جادوگر بھی کبھی اس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں فرعونیوں نے لاجواب ہو کر کہا ۔ کیا تم اس لئے نہیں آئے کہ ہم کو ہمارے باپ دادوں بزرگوں کے دین سے پھیر دو اور تم دونوں بھائی ۔ ہمارے فرعون اور ہماری سلطنت ختم کر کے خود اس ملک کے بادشاہ بن بیٹھو ہماری عقل تو یہی کہتی ہے کہ تم نبی نہیں ہو نہ تمہاری کوئی اچھی نیت ہے بلکہ صرف بادشاہی چاہتے اور ہمارا دین خراب کرنا چاہتے ہو ۔ اس لئے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔ پہلا فائدہ اہل اللہ خصوصاً انبیاءِ کرام کے اعمال واقوال کو اپنی عقلوں سے نہ جانچو بلکہ بلا سمجھے ان کی باتوں کی تصدیق کرو ۔ دوسرا فائدہ جادو کرنا کفر ہے ۔ کیونکہ جادوگر دنیا وآخرت میں ناکام ہے اور یہی حال قرآن کریم نے کافروں کا بتایا چنانچہ سورہ مومنون آیت ۱۱۷ میں ارشاد ہے ۔ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ مومن خواہ کیسا ہی ہو ناکام نہیں ہے ۔ تیسرا فائدہ دین کی اچھائی برائی کے لئے پرانا یا نیا ہونا شرط نہیں ۔ دین وہی بہتر ہے جو نبی علیہ السلام کے واسطے سے میسر ہو ۔ تمام دین جن میں عقلِ انسانی یا اعمالِ انسانی کو دخل ہو وہ سب باطل ہیں خواہ کتنا ہی پرانا ہو ۔ چوتھا فائدہ انبیاءِ کرام کائنات کے تمام علوم کے ماہر ہوتے ہیں اور ہر چھوٹے بڑے کھوٹے کھرے کو پہچانتے ہیں منطقی فلسفی استدلالات کو بھی جانتے سمجھتے اور سائنسی فارمولوں جادوگری کی فریب کاریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں نہ کسی کو دھوکا دیتے ہیں نہ کسی سے دھوکا کھاتے ہیں ۔ پانچواں فائدہ سچی عظمت وکبریائی ۔ بادشاہت وحکومت انبیاءِ کرام ۔ اہل اللہ اور علماءِ کرام کی ہے ۔ دنیا کی چند روزہ حکومت وسرداری جھوٹی ہے اس لئے اللہ والے اس کی طلب نہیں کرتے ۔ چھٹا فائدہ ۔ یہ ضروری نہیں کہ حق کی تبلیغ پر سب ہی ایمان لائیں ۔ ایمان نہ لانے سے علماء ومبلغینِ اسلام

کو رنجیدہ دل ہو کر پریشان نہ ہونا چاہیئے ۔ بلکہ تبلیغ جاری رکھو کوئی مانے نہ مانے ۔ تبلیغ کا مقصد یہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے مرید یا مقتدی یا شاگرد یا معتقد بنیں بلکہ ۔ صرف اللہ رسول کی رضا و محبت کے لیے تبلیغ کرو ۔ یہ فائدہ وَمَا نَحْنُ سے حاصل ہوا دیکھو بعض انبیاء کرام کی امت میں ایک شخص بھی داخل نہ ہوا مگر ان اللہ کے پیاروں نے تبلیغ نہ چھوڑی ۔ خود موسیٰ علیہ السلام پر ایک قبطی بھی ایمان نہ لایا مگر آپ نے ان کے غرق ہونے تک ان کو تبلیغ کی ۔

اعتراضات اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں پہلا اعتراض ۔ یہ کیا وجہ ہے کہ یہاں تو اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا واحد مذکر حاضر کے صیغے بولے گئے پھر آگے دونوں جگہ لَکُمَا تثنیہ کی ضمیر ارشاد ہوئی پہلے صیغوں میں صرف حضرت موسیٰ سے خطاب ہے دوسرے الفاظ میں حضرت موسیٰ و ہارون دونوں مراد ہیں یہ افتراق کیوں ؟ جواب ۔ چونکہ معجزات بھی حضرت موسیٰ نے ہی دکھائے اور ہدایت دین اسلام بھی آپ نے ہی کی تھی اور یہ ساری سوال جواب کی گفتگو آپ نے ہی فرمائی اس لیے یہاں واحد کا صیغہ بولا گیا ۔ اور صاحب شریعت آپ ہی تھے حضرت ہارون آپ کے معاون تھے اس لیے لِتَلْفِتَنَا یعنی باپ دادوں کے دین سے پھیرنا آپ ہی کا کام تھا ۔ مگر بادشاہی سلطنت وغیرہ دنیاوی چیزوں کا تعلق دونوں سے تھا ۔ اس طرح ایک کو ماننا گویا دونوں کو ماننا تھا لہذا لَکُمَا دونوں جگہ ارشاد ہوا ۔ دوسرا اعتراض ۔ آل فرعون ۔ فرعون کے پجاری تھے اور فرعون کی عمر اس وقت ۷۵ سال تھی ۔ باپ دادے زمانۂ گزشتہ میں مر چکے تھے تو انہوں نے دین کی نسبت اپنے آباء کی طرف کیوں کی ۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا یہ سب صبح و شام اس کو سجدے کرتے تھے ۔ باپ دادوں کا دین بت پرستی ہوگا مگر ان کا دین فرعون پرستی ۔ دینِ آباء سے تو یہ پہلے ہی پھر چکے تھے ۔ اب کیوں کہا لِتَلْفِتَنَا الخ جواب ۔ اس کا جواب تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ لوگ عام بت پرستوں کی طرح صرف بت کے ہی پجاری نہ تھے بلکہ ہر بڑی اور عجیب چیز کو معبود کہہ دیتے تھے جیسے ہندوستان کے ہندو ۔ کہ بتوں کے بھی پجاری ہیں اور ناگ دیوتا پیپل دیوتا گاؤ ماتا سب کے پجاری ہیں ۔ اسی طرح یہ لوگ بت پرست بھی تھے اور فرعون پرست بھی تھے ۔ اور دین آباء سے صرف بت پرستی مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بے شمار معبود ماننا ہی باپ دادوں کا دین تھا بلکہ مشرکوں کے معبودوں کی ہر روز ہی تعداد بڑھتی ہے ایک سچے رب تعالیٰ کو سجدہ چھوڑنے کی سزا کیا ملی کر در ہا دروازوں پر سجدہ کرنا پڑا ۔ شعر ۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات !

تفسیر صوفیانہ دنیا میں دو قسم کے دین ہیں ایک دین فطرت دوسرا دین عقلی ۔ دین فطرت انبیاء کرام کے قول فعل ہیں عقلی دین انسان کی اپنی اختراع ۔ دین فطرت کی ابتدا عالم جبروت سے اور انتہا عالم لاہوت پر ہے ۔ بندۂ مومن ۔ طائر لاہوتی ہے ۔ دین عقلی کی ابتدا انتہا دونوں عالم ناسوت ہیں ۔ دین فطرت حق اور مضبوط ہے ۔ دین عقلی محض فریب نظر ۔ دین عقلی ہر در پر بھکاری جو متوکلین کے مشرب کے خلاف ہے اور دین فطرت راہ توکل پر گامزن کرنے والا ۔ دین عقلی مثل جادو کے ہے اور لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۔ شعبدے باز کبھی کامیاب نہیں ہوتے ۔ اے مشرب صوفیا اور بادۂ فقرا کو اپنانے والو فریب نظر سے نہ دھوکہ دینا نہ دھوکہ کھانا تاکہ منزل مراد پر پہنچ کر حقیقت کو پالو ۔ اور اس عقلی فریبوں کی دنیا سے کامیاب لوٹو ۔ واللہ اعلم ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا

اور کہا فرعون نے لاؤ تم میرے پاس کو ہر جادوگر علم والے پس جب

اور فرعون بولا ہر جادوگر علم والے کو میرے پاس لے آؤ پھر

جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ

کر آئے سب جادوگر فرمایا کو ان موسےٰ نے ڈالو تم جو تم ڈالنے

جب جادوگر آئے ان سے موسےٰ نے کہا ڈالو جو تمہیں ڈالنا

مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ

والے ہو پھر جب کہ ڈالا انہوں نے فرمایا موسےٰ نے وہ جو لائے تم کو جس

ہے پھر جب انہوں نے ڈالا موسےٰ نے کہا یہ جو تم لائے

بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ

جادو بیشک اللہ عنقریب باطل کرے گا اس کو بیشک اللہ نہیں درست ہونے

یہ جادو ہے اب اللہ اسے باطل کردے گا اللہ مفسدوں کا

عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ

دیتا عمل فسادیوں کا	اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو سے
کام نہیں بناتا	اور اللہ اپنی باتوں سے حق کو حق کر

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾

کلموں اپنے اگرچہ ناپسند کریں مجرم
دکھاتا ہے پڑے برا مانیں مجرم

ع ۱۲ ۱۲

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں واقعات موسیٰ وفرعون کا ایک پہلو مذکور تھا اس آیت پاک میں دوسرا نتیجہ خیز پہلو مذکور ہوا دوسرا تعلق پہلی آیت میں فرعون کے ناکام ہونے لاجواب ہونے کی ایک صورت ذکر ہوئی تھی اس آیت میں اس کے جھوٹا اور ناکام ہونے کی دوسری وجہ بیان ہو رہی ہے کہ باوجود خدائی کا دعویٰ کرنے کے پھر بھی خود کوئی مقابلہ نہ کر سکا بلکہ دیگر جادوگروں کا سہارا پکڑا۔ اتنا کمزور ہوا مگر درباریوں کی ضد اور حماقت کہ اب بھی اس کو خدا سمجھ رہے ہیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت پاک میں موسیٰ علیہ السلام کے قولی فتح کا ذکر تھا اس آیت میں آپ کے عملی فتح کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَقَالَ فِرْعَوْنُ لفظ واؤ عاطفہ نہیں بلکہ سر جملہ ہے۔ جو بیانِ جز کے لیئے جملوں کے شروع میں آتی ہے بخلاف عطف کے کہ وہ ہمیشہ درمیان کلام میں وارد ہوتا ہے۔ قَالَ ماضی ہے قولٌ سے مشتق ہے۔ مطرد کا پہلا باب ہے۔ اس کا فاعل فِرْعَوْنُ ہے۔ لفظِ فرعون اس زمانے میں ہر شاہ مصر کا شاہی اور ملکی لقب ہوتا تھا۔ یہ لفظ فَرْعَنٌ سے بنا، رباعی ہے اس کا لفظی ترجمہ ہے مکار فریبی۔ شریر۔ جابر۔ (منجد عربی) فرعون۔ فعلولٌ کے وزن پر مبالغہ رباعی ہے۔ اِئْتُونِیْ صیغہ امر جمع مذکر حاضر آتیٌ سے بنا بمعنی بلا لو تم۔ نِیْ میں نون وقایہ۔ یاء متکلم کی ضمیر متصل۔ بِكُلِّ ب معنی مفعولیت کی ہے۔ كُلّ مضاف ہے قضیہ موجبہ کلیہ کے مفہوم میں ہے۔ سحر۔ لفظاً واحد ہے معنیً جمع ہے، علیم۔ مبالغ کا صیغہ ہے۔ یعنی زیادہ اور کامل علم والا۔ یہاں جادوگر کافروں کی صفت ہے۔ فَلَمَّا ف خبریہ۔ لَمَّا ظرفیہ بمعنی جس وقت جَاءَ ماضی سے جملہ خبریہ ہے۔ اَلسَّحَرَةُ جمع ہے ساحر کی الف لام استغراقی ہے یعنی آگئے تمام جادوگر قَالَ کا فاعل لفظ موسیٰ۔ لھم میں لام حرف جر مفعولیت کا ہے اَلْقُوْا فعل امر حاضر معروف۔ یہ امر اہانت کے لیئے ہے۔ مَا اَنْتُمْ مَا اسم موصول۔ اگلا جملہ اس کا صلہ ہے دونوں مل کر اَلْقُوْا کا مفعول بہ ہے۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا ف خبریہ لَمَّا ظرفیہ۔ اَلْقَوْا خبر عنہم قَالَ مُوْسٰی۔ اَلْقَوْا اِلْقَاءٌ سے بنا۔ قَالَ قولٌ سے

بنا اَجُوْفْ وادی ہے یہ حضرت موسیٰ کے قول کی نقل فرمائی گئی۔ مَاجِئْتُمْ بِہِ السِّحْر اس جملے میں نحویوں کے تین اختلاف ہیں ایک قول یہ ہے کہ ما موصولہ ہے اور جِئْتُم بِہٖ۔ جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہو کر مبتدا السحرُ سما مبتدا کی خبر ہے۔ اور اَلسِّحْر میں الف لام جنسی ہے۔ اور میرے نزدیک یہی درست ہے دوسرا قول فرا نحوی کا ہے یہ کہ۔ اَلسِّحْرُ میں الف لام عہد ذہنی ہے کیونکہ اس سے پہلے اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ آچکا ہے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ مگر یہ اس لیئے غلط ہے کہ الف لام عہدی میں اتحاد ذاتی شرط ہے جیسے کہ اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ۔ یہاں لفظ رسول میں دونوں جگہ اتحادِ ذاتی ہے اس لیئے یہاں الرسول کا الف لام عہدی ہو سکتا ہے۔ مگر لَسِحْرٌ اور اَلسِّحْر میں اتحادِ ذاتی نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ عبارت دو علیحدہ جملے ہیں۔ پہلا جملہ مَا جِئْتُمْ بِہٖ اور دوسرا جملہ اَلسِّحْرُ یہاں ھُوَ مبتدا پوشیدہ ہے کہ اصل میں تھا ھُوَ السِّحْرُ۔ اِنَّ اللّٰہَ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ہے جو شک کو دور کرنے کے لیئے لایا جاتا ہے مگر یہاں تاکیدِ کلام اور مضبوطی و شدت کے لیئے ہے۔ لفظ اللہ اس کا منصوب اسم ہے سَیُبْطِلُہٗ یہ پورا جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر ہے۔ سین تاکید کی زیادتی کے لیئے ہے یُبْطِلُ۔ بَطْلٌ سے بنا بابِ افعال کا مضارع معروف بمعنی مستقبل ہے۔ بُطْلٌ کے چار معنی ہیں ۱ مٹا دینا۔ ۲ بیکار اور فضول کر دینا۔ ۳ چیز باقی مگر اثر ختم ہو جانا ۴ دیرپا نہ رہنا۔ یہاں یہ دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ اس کا فاعل ذاتِ باری تعالیٰ ہے ہٗ سے مراد یہ جادو ہے یا عام جادو۔ ضمیر منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ۔ یہ اِنَّ بھی تاکید کے لیئے ہے دوبارہ شدتِ تاکید کے لیئے ہے لَا یُصْلِحُ۔ صُلْحٌ سے بنا۔ بابِ افعال کا فعل حال منفی ہے۔ اس کا فاعل بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ جملہ پہلے جملے کا سبب ہے صُلْحٌ کے تین معنی ہیں ۱ موافقت کرنا ۲ درست اور قائم رکھنا ۳ دو ٹوٹے ہوؤں کو درست بنانا۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے۔ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ یہ عبارت مرکب اضافی ہے عمل مضاف اَلْمُفْسِدِیْنَ مضاف الیہ یہ پورا مرکب لَا یُصْلِحُ کا مفعول بہٖ ہے۔ عمل سے مراد ہر وہ کام ہے جو نقصان پہنچانے یا دینِ الٰہی کے مقابل ہو۔ اَلْمُفْسِدِیْنَ میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ مفسدین جمع ہے۔ یہ فسادٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اپنے نفع کے بغیر دوسروں کا نقصان کرنا جس کو خبیث یا موذی بھی کہا جاتا ہے وَیُحِقُّ اللّٰہُ۔ یُحِقُّ بابِ افعال کا مضارع معروف حَقٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا بمعنی قائم و دائم اور غالب رکھنا۔ اس کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اَلْحَقُّ سے مراد انبیاءِ کرام کے اعمالِ طیبہ۔ الف لام جنسی ہے۔ بِکَلِمٰتِہٖ ب سببیہ ہے کلمات کلمہ کی جمع ہے مراد اللہ کی قدرتیں۔ ہٖ ضمیر مجرور مضاف الیہ اس کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ۔ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ۔ واؤ وصلیہ ہے یہ ہمیشہ حرف اِنْ یا حرف لَوْ کے ساتھ آتا ہے۔ اور ترجمہ ہے اگرچہ کَرِہَ۔ مطلق کے تیسرے باب کا ماضی مطلق معروف ہے کُرْہٌ سے بنا ہے بمعنی ناپسند

کرنا۔ اَلْمُجْرِمُوْنَ۔ الف لام عہدی ہے مجرم سے مراد کافر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِکُلِّ سَاحِرٍ عَلِیْمٍ جب فرعون اور فرعونی قولی دلائل میں حضرت موسٰی سے سے شکست کھا گئے تو اپنی ضد اور عناد پالنے کے لیئے اور دوسری طرح اپنی برتری قائم رکھنے کے لیئے اپنے درباریوں اور رؤسا کو فرعون نے حکم دیا کہ اِئْتُوْنِیْ بِکُلِّ سَاحِرٍ عَلِیْمٍ میرے پاس سب علاقوں کے جادوگر جمع کرو اور چھوٹے موٹے جادوگر نہیں بلکہ علیم۔ بہت بہت زیادہ ماہر و لائق تجربے کار حمزہ اور کسائی جیسے قراء حضرات کی قرأت میں سحّار ہے یعنی بہت ہی بڑے بڑے جادوگر سحّار مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس حکم کے پاتے ہی مصری قبطی فوج کے ہرکارے دوڑ پڑے فرعون نے اسی مجلس میں تین ماہ کی تاریخ اور مصر سے ۱۰ میل دور اسکندریہ کا مقام سمندر کے کنارے مقرر کر دیا تھا کہ آج سے تین ماہ بعد وہاں ہی مقابلہ ہوگا۔ بے شمار جادوگروں کو پیغامات دیئے گئے فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ جب جادوگر آگئے تفسیر صاوی نے فرمایا اسّی ہزار جادوگر تاریخ مقررہ پر جمع ہوئے اور ان کی سواری کے اسّی ہزار گھوڑوں اونٹوں کے علاوہ تین سو اونٹ وہ تھے جن پر ان کے جادو وغیرہ کا سامان لدا ہوا تھا اللہ اکبر یہ ہے فرعون کے دل میں ہیبت کلیم علیہ السلام مجمع لگ گیا اور سارا اجتماع چار حصوں میں تقسیم ہوا پہلا گروہ فرعون اور درباری کا تخت شاہی پر دیگر تماشائی زمین پر میدان کے ایک طرف اسّی ہزار جادوگر بوڑھے اور جوان۔ میدان کے دوسری طرف صرف دو صاحب حضرت موسٰی و ہارون علیہما السلام۔ خیال رہے کہ وَقَالَ فِرْعَوْنُ میں اگرچہ ابتداءً حرف واؤ ہے جو ترتیب کو نہیں چاہتا مگر باعتبار قرینے کے یہاں ترتیب ملحوظ ہے کیونکہ فرعون کا یہ قول پہلے مکالمے کے بعد ہے۔ تفسیر صاوی کا۔ بوجہ واؤ ترتیب کا انکار درست نہیں دیکھو آیت وضو میں باوجود واؤ کے۔ ترتیب مستحسن ہے۔ حالانکہ واؤ وہاں بھی ترتیب کا متقاضی نہیں اسی طرح یہاں ترتیب ہے مگر واؤ سے نہیں۔ جب یہ سب کائنات کا انوکھا اجتماع ہو گیا۔ کہ دنیا نے اس سے پہلے ایسا مجمع نہ دیکھا تھا اسی اہتمام کو ظاہر کرنے کے لیئے رب تعالیٰ نے اس جادو کے مقابلے کا چار سورتوں میں ذکر فرمایا سورۂ اعراف سورۂ یونس یہی مقام سورۂ طٰہٰ سورۃ شعراء۔ تب فرمایا قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۔ سب انتظامات مکمل ہونے کے بعد پہلا کلام حضرت موسٰی نے فرمایا کہ اے جادوگرو پھینکو جو جادو کا شعبدہ پھینکنا چاہتے ہو اَلْقُوْا۔ اِلْقَاءٌ سے بنا ہے جس کے معنی زمین پر پھینکنا جس سے وہ چیز نظر آتی رہے اور ثابت رہے ٹوٹے پھوٹے نہ۔ طرحٌ کے معنی پھینکنا جس سے وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر نظر سے اوجھل ہو جائے آپ کا یہ فرمان جادو کی تحقیر کرنا مراد ہے نہ کہ جادو کی اجازت دینا۔ خیال رہے کہ جادو۔ دو قسم کا ہے۔ ایک نقصان وہ جس کی کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے اگرچہ دوام نہ ہو یہی اصل سحر

ہے دوسرا شعبدہ جو صرف فریب نظر ہوتا ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی پہلا جادو خود انسان پر وارد کیا جاتا ہے دوسرا جادو چیزوں پر اس لئے حضرت موسیٰ نے اَلْقُوْا فرمایا نہ کہ اُوْرُدُوْا اس سے حضرت موسیٰ کا علم غیب بھی ثابت ہوا کہ آپ نے بذریعہ غیب جان لیا کہ یہ جادوگر اپنی چیزوں کو زمین پر پھینک کر شعبدے دکھائیں گے اس لئے آپ نے یہ کلام کیا یہ سُن کر جادوگروں نے جواباً کہا کہ آپ پھینکیں گے کچھ یا ہم ہی پہل کریں آپ نے فرمایا۔ بلکہ تم لوگ ہی پہلے پھینکو اس کا ذکر سورۂ طٰہٰ میں ہو چکا۔ پہل ان سے کرائی دو وجہ سے ایک اس لئے کہ حضرت موسیٰ تو اپنے معجزے پہلے دکھا ہی چکے تھے اگرچہ سب نے نہ دیکھے مگر اصل منکروں نے دیکھے ہوئے تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے جادو کا توڑ کرنا تھا نہ کہ فقط معجزہ دکھانا نبی کا معجزہ دکھانا یا کافر کے مطالبہ پر ہوتا ہے یا کفر توڑنے اور تبلیغ کے لئے۔ پہلی دفعہ معجزہ دکھانا مطالبے پر تھا اب انکے جادو کو جو شعبدے کی شکل ظاہر ہونے والا تھا اس کو توڑنا مقصود تھا اور توڑی وہ چیز جاتی ہے جو موجود ہو۔ اس لیے آپ نے اس کفر کا حکم دیا۔ جیسے کوئی شخص اس نیت سے بت خریدے یا طلب کرے کہ اس کو توڑے۔ اگرچہ شعبدے والا جادو بعض فقہا کے نزدیک کفر نہیں مگر یہاں یہ شعبدہ بھی کفر ہے کہ کفر کی تائید میں اور نبی کے مقابلے میں ہے۔ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی شروع کرو تو انہوں نے کوئی منتر پڑھا جس سے اُن کے بانس لاٹھیاں رسیاں سب چھوٹے بڑے سانپوں کی طرح رینگنے لگے۔ فرعونی خوش ہوئے مگر نیچے بیٹھے ہوئے لوگ ڈر گئے حضرت موسےٰ نے تو سمجھ لیا کہ یہ کیا کچھ ہے جو نظر قائل تو لوگوں کو کرنا تھا اس لئے کچھ اندیشہ ہوا کہ لوگ میرا عصا کا سانپ دیکھ کر جادو اور معجزے میں فرق نہ کر سکیں گے۔ اور مقصد نبوت حاصل نہ ہو گا مگر رب نے تسلی دی کہ فکر نہ کرو دیکھو رب تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ یہ اندیشہ بھی صرف آپ کے دل میں ہوا جس کو صرف رب نے ہی جانا نہ جھجک ہوئی نہ گھبراہٹ۔ جیسا کہ تفسیر مواہب الرحمان والے نے غلطی کھائی۔ شعبدہ لوگوں کی نگاہوں کو تو متحیر کر سکتا ہے مگر نگاہِ نبی کو تعجب نہیں دے سکتا اس لئے آپ نے زوردار الفاظ میں فرمایا کہ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ یہ ہی جادو ہے جو تماشہ تم لائے۔ نہ کہ وہ معجزہ جس کو فرعون نے جادو کہا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ یہ پچھلے دعوے کی دلیل ہے۔ کہ یہ تمہارا کام جادو ہے کیونکہ ابھی ابھی عنقریب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے میرا اللہ اس کو تباہ و برباد کر دے گا۔ بخلاف میرے معجزے کے کہ اس کو تمہارا یہ آخری حربہ بھی ختم نہیں کر سکتا اور اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اگر بقولِ فرعون میرا معجزہ بھی سحروں کی طرح سحر ہوتا تو اتنے بہت سارے جادوگر اس کو ختم کر ڈالتے اور اللہ بھی اس کی حفاظت نہ فرماتا اس لئے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ یہ عبارت پچھلے کلام کی علت بھی ہو سکتی ہے۔ لَا يُصْلِحُ کا معنی درست نہیں ہونے دیتا یا اُس سے راضی

نہیں ہوتا۔ اور مٹا دیتا ہے کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ یا جنس عمل مراد ہے یعنی مطلقاً فسادیوں کے کام خواہ جادوگر یا فرعون یا فرعونی یا دنیا کا کوئی بھی فسادی شخص۔ فساد ہر وہ کام ہے جس سے اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہنچے اور دین میں خرابی پیدا ہو۔ وہ کام خواہ مسلمان سے سرزد ہو یا کافر منافق سے وَاللّٰہُ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ - اور اللہ تعالیٰ حق کو قائم و دائم فرماتا ہے۔ یہ جملہ عطف ہے پہلے جملے پر۔ اور اگر لَا یُصْلِحُ کا معنیٰ۔ ناراضی۔ ہوں تو یہ جملہ نتیجہ بنے گا ماسبق کا۔ کیونکہ حق کی تقویت و بقا ہی فساد و باطل کی فنا ہے بِکَلِمٰتِہٖ میں چند احتمال ہیں اس سے مراد یا معجزات انبیاء کرام ہیں۔ یا خود انبیاء کرام ہیں یا تقدیری فیصلۂ ربانی یا رب تعالیٰ کے وہ وعدۂ کرم جو انبیاء کرام سے فرمائے۔ بہر حال اپنے اپنے مقام پر سب معنیٰ درست ہیں وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ اگرچہ کافر ناپسند کریں کیونکہ کافر لوگ نبی ولی کی شان اسلام کی عزت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ہر طرح روکنے اور مٹانے کی کوشش کرتے ہیں یہاں مجرم سے مراد کافر ہیں (اکثر تفاسیر) کیونکہ مومن یا مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار ہو مگر عظمت و شانِ انبیاء کو ناپسند نہیں کرتا۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اس قصۂ فرعونی کو یہاں اس لیے بیان کیا گیا تاکہ بتایا جائے کہ جس طرح فرعون اور جادوگروں نے اب سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات خدائی چیزیں ہیں اسی طرح مکہ کے کافروں نے عقلاً سمجھ لیا ہے کہ آیات قرآنیہ کلام رب ہے۔ اور جس طرح باوجود حقیقت کو سمجھنے کے پھر بھی عناداً فرعون نے ان کو جادو ہی کہا اسی طرح ابوجہل وغیرہ نے عناداً قرآن کریم کو جادو کا کلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر ہی کہا۔ اور جس طرح فرعون کے جادوگر معجزات دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ نبوت کا معجزہ ہے اور مرعوب ہو کر ایمان لے آئے مگر فرعون نے کہا کہ تم سب پہلے ہی حضرت موسیٰ سے مل گئے ہو بلکہ یہ موسیٰ تمہارا بڑا استاد جادوگر ہے اسی طرح عرب کے فصحاء بلغاء شعراء فصاحتِ قرآنی سے مرعوب ہو کر مَا ھٰذَا کَلَامُ الْبَشَرِ کا نعرہ مار کر مومن ہو گئے تو ان ابوجہل وغیرہ نے بجائے ہدایت لینے کے اپنے بلائے ہوئے ان بھالوں پر زبان طعن دراز کی۔ دوسرا فائدہ جو لوگ انبیاء کرام کے علم و کمال کو گھٹیا اور ذلیل لوگوں سے مشابہ کریں وہ عند اللہ مجرم و کافر ہیں دیکھو فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کے کمال اور علم کو جادوگروں سے مشابہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مجرم یعنی کافر قرار دیا یہاں مجرمین سے مراد سب مفسرین کے نزدیک کافر ہیں۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے اس شخص کو کافر لکھا جس نے نبی کریم کے علم پاک بحرِ بے کنار کو پاگلوں بچوں سے مشابہ کیا۔ (نعوذ باللہ) تیسرا فائدہ جادو شعبدہ صرف فریب نظر ہے اور کچھ نہیں مگر نقصان وہ جادو ایک حقیقت ہے۔ چوتھا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ساری کائنات سے اونچا دیکھنا چاہتا ہے۔ اور نبی ہر طریقے سے

سب پر نہیں پانچواں فائدہ انبیاء کرام پر کوئی کسی قسم کا جادو اثر نہیں کرتا ۔ دیکھو سب لوگوں پر یہ شعبدہ اثر انداز ہوا مگر حضرت موسیٰ و ہارون بالکل نہ ڈرے ۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً سے مراد صرف دلی اندیشہ ہے وہ بھی صرف آئندہ لائحہ عمل اور معجزے کو برتر رکھنے کے طریقے کے لیئے ۔ تاکہ قوم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو ۔ نبی کریم پر قتل کا جادو کیا گیا مگر کوئی قطعاً اثر نہ ہوا صرف نشان بتانے کے لیئے دنیوی نسیان کا معمولی ظہور ہوا چھٹا فائدہ دنیوی لحاظ سے جادو بہت بڑی طاقت ہے اسی لیے فرعون نے جادوگروں کو بلایا اور ان کے فیل ہو جانے کے بعد کسی اور طرح مقابلہ نہ کیا ۔ ساتواں فائدہ حضرت موسیٰ کے زمانے میں بے حد جادو تھا کہ صرف ملک مصر میں بڑے بڑے جادوگر اسی ہزار تھے چھوٹوں کا تو شمار ہی کیا ۔ مگر ساری کائنات کے جادو کے لیئے ایک نبی کا ایک معجزہ ہی کافی ہے جب جادو جیسی طاقت والی چیز بھی معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو اور کسی جرأت ہے خیال رہے کہ جادو کی طاقت کا جنات بھی مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ اسی لیئے جادوگر جنات کو قابو میں رکھتے ہیں ۔

اعتراضات اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں ۔ پہلا اعتراض حضرت موسیٰ نے جادو کرنے کا حکم کیوں دیا جادو کفر ہے اور کفر کرنے کا حکم دینا گناہ کبیرہ ہے جواب ۔ اولاً تو بعض کے نزدیک شعبدے کا جادو کفر نہیں ۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پسندیدگی اور تائید کے لیے جادو کرانا یا حکم دینا کم از کم گناہ کبیرہ بلکہ کفر ہے ۔ لیکن جادوگروں کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لیئے اور توڑنے کے لیئے حکم دینا عین ایمان ہے ۔

تفسیر صوفیانہ قالب انسانی گویا ملک مصر ہے اسی میں موسیٰ قلب اسرار ہارون اور نفس امارہ فرعون موجود ہیں نیکی کے ارادے دعوت ایمان و تبلیغ ہے ۔ نفس کی حیلہ سازی گویا جادوگر ہے ۔ قلب موسیٰ ہمیشہ توحید باری اور عبادۃ خالق کی طرف بلاتا ہے مگر نفس خود دعویدار ربوبیت ہے لیکن قلب اور اسرار الٰہیہ کی حقانیت کے مقابل نفس امارہ کے سب دعوے ناکام ہو چکے ہیں محض نظر کا دھوکا و فریب کاری رہ گئی ہے جس کی بنا پر بضد ہے ۔ مولانا فرماتے ۔

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست !
لیک اُورا عون ۔ مارا عون نیست

قانون فطرت ہے کہ جب کائنات میں جابروں ظالموں اور فرعونوں ۔ فریب کار جادوگروں کی زیادتی ہوئی تو رب العزت نے عین اپنی رحمت و کرم سے ۔ اپنی طرف سے ایک عظمت والا حق بھیجا ۔ جس نے آتے ہی حیلوں فریب و نکا پردہ چاک کیا اور تمام فرعونوں کو ایسا غرق کیا کہ ہر فرعون کے ساتھ آل فرعون بھی

نیست ونابود ہوگئی۔ جیسے کہ کہا گیا لِکُلِّ فِرْعَوْنَ مُوْسٰی یہ سب کچھ اپنے بندوں کی فلاح کے لیے کیا گیا۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ظلم کی غلامی اور صعوبتیں راس آجاتی ہیں۔ اور ظلم کو انصاف اور غلامیت کو سرداری سمجھ جاتے ہیں۔ وہ بجائے شکر خداوندی ادا کرنے کے حق کا ہی مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں اور ناکامی کی صورت میں خود ہی حسد کی آگ میں جل مرتے ہیں۔ حق پھر بھی حق ہی رہتا ہے جو دن بدن صفات قدسیہ سے مزین ہوکر تحت لاہوت پر جلوہ گر ہوتا رہتا ہے کیونکہ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند
سگ ز نور ماہ کے مرتع کند

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ

تو نہیں ایمان لایا پر موسیٰ مگر اولاد سے قوم اس کی پر خوف سے

تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کے

مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ

فرعون اور درباریوں ان کے یہ کہ مجبور کریں وہ ان کو اور بیشک فرعون

درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انہیں ہٹنے پر مجبور نہ کردیں اور بے شک فرعون

لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ

البتہ مغرور تھا میں زمین اور بیشک وہ البتہ میں سے حد سے بڑھنے والوں اور کہا

زمین پر سر اٹھانے والا تھا اور بیشک وہ حد سے گزر گیا اور موسیٰ

مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا

موسیٰ نے اے قوم میری اگر ہو تم ایمان لائے پر اللہ پس پر اس بھروسہ کرو

نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسہ کرو

اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

تم اگر ہو تم اسلام لانے والے

اگر تم اسلام رکھتے ہو

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسے کے قولی اور فعلی مقابلے کا ذکر تھا۔ اس میں اس مقابلے کے اثر کا ذکر ہے کہ اس مقابلے اور حضرت موسیٰ کی فتح باطل کی شکست کا کیا اثر ہوا کہ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں فرعون کی ذریت کو ایمان سے پہلے ایمان لانے کی تبلیغ تھی جس کا تعلق شریعت اور قانون سے تھا اس آیت کریمہ میں ایمان لانے کے بعد تعلق اور تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور کامل راغب الی اللہ ہونے کی تاکید اور ایمان پر قائم رہنے کی تبلیغ کا ذکر ہے۔ گویا کہ پہلے کفار کو تبلیغ کا ذکر تھا اب مسلمانوں کو تبلیغ ہے۔
تیسرا تعلق پہلی آیت پاک میں اشارۃً فرعون و جادوگروں کا ذکر کر کے اور فرعون کی ہٹ دھرمی کے تذکرے سے ابوجہل اور فصحاءِ عرب کا تقابل کیا تھا جس سے نبی کریم کو یک گونہ تسلی ہوئی تھی اس آیت پاک میں اتنے بڑے مقابلے اور فتح کے نتیجے میں تھوڑے لوگوں کے ایمان کا ذکر کر کے نبی کریم کو دوسری طرح تسلی دی جا رہی ہے گویا باری تعالیٰ نبی پاک کو غمگین نہیں ہونے دیتا۔ نبی کریم کی تبلیغ پر تاخیر کے باوجود کہ جس سے پتھر دل بھی پگھل جاتے جب کفار کہ ایمان نہ لاتے تو نبی کریم غمگین ہو جاتے تھے۔ اس لیئے اس طرح تسلیاں دی جاتی تھیں کہ قلب محبوب پر اثر نہ ہو۔

تفسیر نحوی فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى ف عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ ایک پوشیدہ جملہ ہے مَا اٰمَنَ ماضی مطلق منفی ہے اَمْنٌ سے بنا جس کا ترجمہ ہے محفوظ ہونا مومن بن کر بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اس لیئے اس کو مومن کہا جاتا ہے۔ نفی سے کفار کی ضد اور بے رغبتی کا اظہار ہے لِمُوْسٰى میں لام بمعنی علی ہے اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ۔ اِلَّا حرف استثناء ہے یہاں اپنے ہی معنی میں مستعمل ہے ماقبل کی نفی کے اطلاق کو بطریقۂ حصر ختم کیا۔ ذریت ذَرَّةٌ سے بنا بمعنی چھوٹی چیونٹی۔ عربی میں حقارت کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے یہاں کم عمر اور نوجوان غربا طبقہ مراد ہے یا کم تعداد کی طرف اشارہ ہے مِنْ بعضیت کا ہے۔ قَوْمِهٖ قوم سے خاص قبطی مراد ہیں (صحیح قول میں) ہ ضمیر واحد غائب اس کا مرجع فرعون ہے عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ علیٰ سببیت کا ہے۔ خوف بمعنی دہشت۔ مِنْ بیانیہ ہے اضافت کا فائدہ دیا۔ فِرْعَوْنَ عجمی علم کی وجہ سے غیر منصرف ہے مراد ولید نامی شاہِ مصر ہے تاکہ سرِ فرعون۔ وَمَلَا۟ئِهِمْ واؤ عاطفہ جمع کے لیئے ہے ملا بڑے لوگ ماں باپ چچا تایا وغیرہ ہِمْ سے مراد یہ قلیل مومن۔ اگرچہ بعض لوگوں نے صیغہ جمع غائب کی ضمیر کا مرجع واحد فرعون کی طرف لوٹایا ہے مگر یہ صحیح نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ یہ چیز فصاحتِ عرب کے خلاف ہے کیونکہ واحد متکلم اور واحد حاضر کے لیئے تو بطریقۂ شاذ جمع کی ضمیر آسکتی ہے مگر واحد غائب کے لیئے ہرگز جمع کی ضمیر نہیں آسکتی جیسا کہ وہابی ٹولے نے مشہور کر دیا ہے

(روح المعانی یہ ہی آیت دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی آیت میں بہت جگہ اول آخر فرعون کے لیے ضمیریں آئیں مگر وہاں واحد ہی آئیں تو صرف یہاں کیوں واحد کے لیے جمع آئی ہمارے اِن علماء کو غلطی لگی جنہوں نے مَلَأِهِمْ کا ترجمہ فرعون کے درباری کیا ہے۔ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۔ اَنْ حرف ناصب ہے فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اس کو اَنْ مصدریہ بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ یہ فعل کو بمعنیٰ مصدر کر دیتا ہے يَفْتِنَهُمْ فِتْنَۃٌ سے بنا اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ سونا آگ میں ڈالنا۔ اَب انسان کو آگ میں ڈالنے کے لیئے بھی استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۔ اِس لحاظ سے مصیبت اور عذاب کے لیئے بھی مستعمل ہے یہاں یہ ہی معنیٰ مراد ہیں هُمْ سے مراد نومسلم لوگ ہیں یہ پورا جملہ سابق لفظِ فرعون کا بدل اشتمال ہے۔ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ واؤ حالیہ ہے اِنَّ حرفِ تحقیق ہے جو کلام کی مضبوطی اور شک کو دور کرنے کے لیئے بولا جاتا ہے۔ فِرْعَوْنَ۔ اِنَّ کا اسم ہے لَعَالٍ ۔ لام کی عالٍ عُلُوٌّ سے بنا بمعنیٰ بلندی عالٍ اسم فاعل مشتق ہے یعنی بلندی والا یہاں دنیوی بلندی مجازی طور پر مراد ہے یعنی غالب اور قاہر (معانی) وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ واؤ بر جملہ ہے یہ دونوں جملے علیحدہ علیحدہ ہیں پچھلے مضمون کی تاکید کر رہے ہیں۔ اِنَّ حرفِ تحقیق الف کے زیر سے شروع کلام میں آتا ہے اور زبر والا اَنَّ ۔ درمیان کلام میں آتا ہے ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع فرعون ہے لَمِنْ لام حرفِ کئے تاکید کے لیئے مِنْ تبعیضیہ ہے اَلْمُسْرِفِيْنَ ۔ الف لام استغراقی ہے مُسْرِفِيْنَ اسم فاعل جمع کا صیغہ سَرَفٌ سے مشتق ہے۔ اس کے تین معنیٰ ہیں ۱ فضول خرچی کرنا ۲ حد سے بڑھنا ۳ ظلم اور فساد کرنا یہاں یہ تیسرے معنیٰ مراد ہیں۔ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ ۔ واؤ بمعنیٰ ف ہے اور مقصد یہ ہے کہ نومسلموں کی اسی بزدلی کو دیکھتے ہوئے اگلی عبارت فرمائی يٰقَوْمِ ۔ یا حرفِ ندا قوم سے مراد یہی نومسلم ہیں یہاں یاءِ متکلم پوشیدہ ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ یہ جملہ ترکیب نحوی سے عجیب تر ہے اس میں مفسرین نحویوں نے بہت کلام کیئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ایک جزا اور دو شرطیں ہیں۔ مگر روح المعانی نے فرمایا کہ علی الترتیب یہاں دو شرطیں اور دو جزائیں ہیں۔ اور نحوی ترکیب اس طرح ہوگی۔ اِنْ حرفِ شرط كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ ماضی بعید بمعنیٰ قریب بِ جار لفظِ اللّٰہ مجرور ہو کر متعلق ہوا ماضی بعید کے اور یہ تمام عبارت جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ ف جزائیہ۔ عَلَيْهِ ۔ جار مجرور متعلق مقدم ہوا تَوَكَّلُوْا فعل امر حاضر اَنْتُمْ ضمیر فاعل۔ یہ عبارت جملہ فعلیہ بن کر جزاءِ مقدم۔ اِنْ حرفِ شرط كُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اسم ضمیر پوشیدہ ہے اس کی خبر مُسْلِمِيْنَ ہے یہ عبارت جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرطِ مؤخر ہوا اور اپنی جزاءِ مقدم سے مل کر پھر جزا ہوا پہلی شرط کی۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ ۔ یعنی اتنے

تفسیر عالمانہ عظیم واقعہ کے بعد بھی) پس نہیں ایمان لائے موسیٰ علیہ السلام پر مگر فرعون کی قوم کے چند چھوٹے لوگ فرعون اور اپنے بڑوں کے خوف سے ۔ اس کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں چنانچہ روح البیان نے فرمایا کہ مِنْ قَوْمِهٖ کی ضمیر سے مراد موسیٰ ہیں یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام میں سے چند ایمان لائے مگر صحیح یہ ہے کہ ہ ضمیر سے مراد ہے فرعون کیونکہ بنی اسرائیل تو سب پہلے ہی حضرت موسیٰ کے فرماں بردار ہو چکے تھے کیونکہ نجومیوں نے اُن کو خبر دی تھی کہ تمام بنی اسرائیل کو فرعون سے بچانے والا بنی اسرائیل کا ہی نومولود جوان ہو گا جس کو نبی بنایا جائے گا اُس کے یہ صفات ہوں گے اس لیئے در پردہ نسلی لحاظ سے بھی اور اس پیشگوئی کی بنا پر بھی سب بنی اسرائیل پہلے سے ہی حضرت موسیٰ سے محبت کرنے لگے تھے اس لیئے کہ شروع سے ہی فرعون قوم پرست تھا اپنی قوم کو عزت اور بنی اسرائیل کو ذلت آمیز نوکری اور طرح طرح کی سزائیں دیتا رہتا تھا یہاں جن کے ایمان کا ذکر ہو رہا ہے وہ جادوگروں کے مقابلے کے وقت کا ہے۔ اس واقعہ کے بعد سب سے پہلے ظاہر ظہور تو سب جادوگر جو اسی ہزار تھے سجدہ کرتے ہوئے ایمان لائے جس کا ذکر دوسری جگہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ یہ مومن بھی یہاں مراد نہیں بلکہ صرف قبطی لوگ مراد ہیں چنانچہ اربعہ تفاسیر اور روح المعانی۔ صاوی نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے علاوہ صرف آٹھ آدمی مسلمان ہوئے چار فرعون کے درباری ۵ حضرت آسیہ ۶ حضرت آسیہ کی خادمہ خاص کنگھی کرنے والی ۷ فرعون کا خازن ۸ اس کی بیوی یہ لوگ ایمان لا کر بہت خوف زدہ ہو گئے۔ فرعون کی ذلت آمیز ظالمانہ سزا اور اپنے بڑوں کی ڈانٹ جھڑک اور واپس کفر میں لوٹانے کا بہت سخت خوف تھا۔ علیٰ خوف میں علیٰ بمعنیٰ مع ہے اور خوف کی تنوین تعظیم کی ہے۔ اِن مومنوں میں اگرچہ بعض بوڑھے بھی تھے مگر ذریت کا لفظ ظاہری کمزوری اور غربت کی بنا پر بولا گیا۔ اسی طرح مَلَا۟ئِهِمْ سے ظاہری دنیاوی بڑائی مراد بھی ہو سکتی ہے۔ قوم موسیٰ خالص ایک نسل بنی اسرائیل تھے مگر قوم فرعون دو قسم کی تھی ۱ خالص قبطی ۲ باپ کی طرف سے قبطی ماں کی طرف سے اسرائیلی تفسیر صاوی نے فرمایا کہ جب فرعون نے قتل اَبْنَآءِ اسرائیل کا حکم دیا تو بہت سے بنی اسرائیل نے قتل کے خوف سے اپنے نومولود بیٹوں کو قبطی عورتوں کو ہبہ کر دیا لا ولد قبطی عورتوں نے اُن کو پیار سے پالا اور ظاہر نہ کیا جوان قبطی لڑکیوں سے ہی ان کی شادی ہوئی ان کی اولاد میں سے مومن ہوئے۔ اس طرح قوم فرعون تین قسم کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بعض نے فرمایا یہ لوگ ایمان لائے تھے مگر ترجیح پہلی تفسیر کو ہے ان کو یہی خوف تھا کہ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۚ کہ فرعون فتنے یا مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ اس طرح کہ یا تو فرعون قتل کرا دے گا یہ مصیبت ہوتی یا لوگوں کو حکم دے گا کہ ان پر جبر و قہر کر کے انھیں پھر دوبارہ پہلے دین میں لاؤ یہ فتنہ ہوا جس کی بنا پر یہ لوگ اپنے بڑوں سے بھی ڈرتے تھے یہاں مضارع واحد کا صیغہ استعمال ہوا حالانکہ خدشہ بہت سوں کا تھا۔ اس لئے کہ اصل فتنہ فرعون کا تھا باقی لوگ اسی کے واسطے سے تھے وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ ۔ اور بے شک البتہ فرعون ناحق سر اٹھانے والا مغرور ہے۔ زمین میں یہ کلام بھی ان نو مسلم لوگوں کی زبانی یا قطعی خبر ہے۔ اور ان کے خوف کا اصل سبب ہے۔ اس لئے کہ یہ خوف صرف انہی نئے مومن

حضرات کو تھا نہ کہ بنی اسرائیل کو بنی اسرائیل میں کچھ نہ کچھ اب بھی خاندانی اور نسلی شرافت اور ایمان موجود تھا کیونکہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے اور اکثریت کے اجداد انبیاء تھے ان میں صرف قارون فرعون سے ڈرتا تھا۔ وہ بھی اپنی دولت کی حفاظت کی وجہ سے (تفسیر ابن کثیر) قارون سے اپنی قوم کو بہت نقصان پہنچا یہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی ذاتی اغراض کے لئے قوم کی جڑیں اکھیڑتے رہتے ہیں ارض سے مراد یا علاقۂ سلطنت ہے یا ساری زمین۔ پہلے معنی تو ظاہر ہیں دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ روئے زمین میں اس وقت ایسا کوئی مغرور اور بدتمیز نہ تھا اس لئے کہ اِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ یہ حالت ہے کہ وہ بے شک حد سے بڑھنے والوں میں سے ہوگیا۔ یہاں تک کہ بندہ ہوکر معبودیت کا دعویٰ کر بیٹھا جب انسان کے دل سے خدا کا خوف نکل جائے تو اس سے کسی رحم اور محبت یا انصاف کی امید نہیں کی جا سکتی۔ یہ کلام فرعون سے ڈرنے کی دوسری وجہ ہے عزت دار ڈرتے ہی ہیں بے غیرت بے شرم لوگوں سے۔ یا یہ دونوں کلام رب تعالیٰ کے ہیں بطور خبر وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ۔ یہ سب کچھ سن کر سمجھ کر۔ تب حضرت موسیٰ نے فرمایا اے میری قوم اگر مسلمان ہو اور تم کو مومن ہونا پسند ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ کرو۔ پھر اغیار سے کیا ڈرنا یہ مومن خالص کا شیوہ نہیں۔ یہ ہے حضرت موسیٰ کا دلیرانہ ایمان افروز کلام۔ اگر یہ کلام نہ فرماتے تو لاکھ نماز روزہ کرتے مگر وہ دلیری اور جرأت مندی پیدا نہ ہوتی جو حضرت موسیٰ کی صحبت اور کلامِ طیبہ کے اثر سے ہوئی۔ یٰقوم سے مراد یہی تو مسلم ہیں نہ کہ بنی اسرائیل کیونکہ جن لوگوں کی طرف تبلیغ کے لئے نبی بھیجے جائیں وہی لوگ اس پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہوتے ہیں اس لحاظ سے فرعون اور فرعونی آپ کی قوم میں شامل ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ۔ اس اگلی پوری آیت سے مقصودِ کلام یہ ہے کہ ایمان کی اوّل شرط مسلمان ہونا ہے اور شرطِ تکمیل اللہ پر بھروسہ ہے۔ جو شخص عبادات کا تو پابند ہو مگر اللہ پر بھروسہ نہ ہو وہ مسلمان تو ہے لیکن درجۂ مومن اس کو حاصل نہیں۔ توکل الٰہیہ کے بغیر مسلمان ہونا بیکار ہے۔ (اللہ نصیب کرے)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** انبیائے کرام کی تبلیغ پر پہلے غرباء اور ضعیف لوگ اور ہر وقت کے یار دوست گھر والے ایمان لاتے ہیں۔ بخلاف دیگر مبلغین کہ ان پر گھر والے اور بچپن کے دوست ہرگز ایمان نہیں لاتے اگرچہ کتنے بڑے علامہ محقق اور پیر بن جائیں یہ انبیاء کرام کی سچائی اور بے داغ زندگی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ یہ فائدہ ذُرِّيَّةٌ کے لفظ سے حاصل ہوا۔ دین والوں اور دنیا والوں کی تبلیغ میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ اللہ والوں کی تبلیغ کا زیادہ اثر غرباء و مساکین پر ہوتا ہے۔ بخلاف دنیا پرستوں کی تبلیغ کہ اس کا اثر امرا اور نوجوان طبقے پر زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ کی تبلیغ سے حضرت آسیہ جیسی بوڑھی عورت ایمان لائیں اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان حضرت خدیجہ اہلِ خانہ ایمان لائیں۔ ہمارے دَور کے ایک سیاسی مفسر صاحب ذریۃ کا ترجمہ صرف نوجوان کرتے ہیں مگر یہ اُن کی غلطی ہے **دوسرا فائدہ** ہر نبی کی قوم وہی ہے جس کی تبلیغ کے لئے تشریف لائیں اور جن پر ان نبی علیہ السلام کی بات ماننی فرض ہو۔ لہٰذا ہم سب مسلمان نبی پاک کی قوم ہیں **تیسرا فائدہ** انسان کے سچے خیر خواہ اور مصیبتوں سے بچانے والے مشکل کشا حاجت روا اللہ کی طرف لانے والے انبیاءِ کرام ہی ہوتے۔ باقی

دنیوی خیر خواہ بننے والے اپنے لالچ کو آگے رکھتے ہیں جہاں سے ان کا لالچ پورا ہو اسی کے ساتھ اپنی ساری محبتیں اور مخلصین خلوص وابستہ کر دیتے ہیں قومیت یا تعلق داری کا خلوص ان کے نزدیک کچھ نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ وَمَلَاْئِهِمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** اللہ کے نزدیک وہ پیارا ہے جو اس کے انبیاء کی عزت و ادب کرے اور انبیاء کا پیارا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور بھروسہ کرے یہ ہی ہے ایمان کا خلاصہ۔ یہ فائدہ اس آیت کے اول جملے فَمَا اٰمَنَ لِمُوْسٰی (الخ) اور آخری جملے فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْا الخ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت کریمہ پر چند اعتراضات کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ پر چند صرف فرعونی ایمان لاتے حالانکہ سب جادوگر جو تعداد میں اسی ہزار تھے سب بنی اسرائیل جو سوا لاکھ تھے وہ بھی ایمان لاتے جیسا کہ اگلے واقع سے اور دیگر تفاسیر سے یہ پتہ چلتا ہے **جواب** حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والے تین گروہ تھے۔ پہلا گروہ بنی اسرائیل یہ خفیہ طور پر در پردہ ایمان لاتے جس کا کسی فرعونی کو علم نہ تھا۔ یہ لوگ اپنی نجات کی لالچ میں نجومیوں کی پیشگوئی کی بنا پر حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی دل میں مومن ہو گئے جس کا صرف نبی غیب دان کو تو پتہ لگ سکتا تھا اور کسی کو نہیں یہ ایمان اس وقت کے حالات کے اعتبار سے کچھ مفید نہ تھا کہ یہ لوگ مجبور بیکس تھے۔ اور پھر ان کے ایمان پر قومی تعصب یا برادری نوازی کا طعنہ بھی پڑ سکتا تھا دوسرا گروہ جادوگروں کا یہ لوگ بھی اپنی شکست کے بعد مغلوب و پریشان ہو کر ایمان لاتے تھے نہ کہ محض شانِ نبوت کے لئے جیسا کہ خود قرآن کریم نے ایک جگہ وَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سَاجِدِیْنَ کے الفاظ سے یہ کیفیت ظاہر کر دی۔ تیسرا گروہ جس نے بغیر معجزہ دیکھے ہوتے عصاءِ موسوی ڈالنے سے پہلے ہی محض احترام نبی میں اَوَّلًا ہی اپنے ایمان کو علی الاعلان ظاہر کر دیا (روح البیان) ایسے شان والا ایمان اُن ہی لوگوں کا تھا اور فرعونیوں میں سے صرف یہی چند نفوسِ قدسیہ مومن ہوتے ان ہی کے ایمان سے اسلام کو فائدہ پہنچا اور فرعون کا غرور ٹوٹا۔ اسی لئے صرف اِن کے ایمان کا ذکر کیا گیا۔ اس آیت کا جہاں یہ مقصد ہے کہ فرعونی لوگوں کی کج دلی کا اظہار ہو کر دیکھو بجز چند کے کوئی آخر دم تک ایمان نہ لایا وہاں اِن نفوس کے ایمان کی شان بتانا بھی مقصود ہے لہٰذا یہ حصر بہت مناسب ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت میں حضرت موسیٰ نے یٰقَوْمِ کیوں فرمایا۔؟ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرمانا چاہیئے تھا تاکہ فرق ہو جاتا کیونکہ قوم میں تو مومن کافر سب شامل ہوتے ہیں حالانکہ یہ خطاب مومنوں کو ہے۔ **جواب** حضرت موسیٰ کا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نہ فرمانا تین وجہ سے ہے ۱؎ یہ لقب صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو عطا ہوا سابقہ کسی امت کو اس پیارے لقب سے نہ نوازا گیا ۲؎ اگر یہ الفاظ یہاں بولے جاتے تو اگلا جملہ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ غلط ہو جاتا کیونکہ اس میں تو ابھی ایمان کو مشروط کیا جا رہا ہے ۳؎ لفظ مومن کا لقب کامل ایمان کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ یہاں ابھی کامل ایمان ہی نہیں کیونکہ کاملیت اللہ رسول پر بھروسہ سے حاصل ہوتی ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں فَعَلَیْهِ تَوَكَّلُوْا کیوں فرمایا؟ تَوَكَّلُوْا عَلَیْهِ فرمانا چاہیئے تھا۔ (تفسیر کبیر) **جواب**۔ تاکہ حصر کا فائدہ ہو اور مقصد یہ ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ مومن بناتا ہے، دنیاداروں حکومتوں امراء پر بھروسہ ایمان کے منافی ہے۔ اس کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت میں بیان ہوگی۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ

تو سب بولے پر اللہ تعالیٰ کے ہی بھروسہ کیا ہم نے اے رب ہمارے نہ بنا تو ہم کو فتنہ لیئے قوم

بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا الٰہی ہم کو ظالم لوگوں کے لیئے آزمائش

الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾

ظالموں اور بچا ہم کو ذریعے رحمت اپنی سے قوم کافروں

نہ بنا اور اپنی رحمت فرما کر ہمیں کافروں سے نجات دے

تعلق

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پہلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کا کلام طیبہ مذکور ہوا اس آیت میں اس فصیحانہ کلام کا دلدوز اثر بیان کیا جارہا ہے **دوسرا تعلق** پہلی آیت میں لوگوں کے ایمان کا ذکر تھا۔ اس آیت پاک میں ان کے روح ایمان یعنی توکل علی اللہ کے اقرار کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پہلی آیت پاک میں شرعی مومن ہونے کا ذکر تھا اس آیت میں قلبی اور حقیقی مومن ہونے کی دعا ہے **چوتھا تعلق** پچھلی آیت طیبہ میں فَمَا اٰمَنَ لِمُوْسٰی فرما کر فنا فی الرسول اور بارگاہ نبوت کی حاضری کا ذکر تھا اس آیت پاک میں فنا فی اللہ اور رغبت الی اللہ کے مدارج کی ابتداء ہے۔

تفسیر نحوی

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ فِ تعقیبیہ قَالُوْا ماضی مطلق جمع مذکر۔ اس کا فاعل وہی نو مسلم ہیں۔ علیٰ حرف جر اپنے معنی میں ہی مستعمل ہے بوجہ نسبت۔ لفظ اللہ باری تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ مگر صفتیت بھی مراد ہے یہ لفظ اسم اعظم بھی ہے اس کے بہت اشتقاق ہیں اور اس کا ترجمہ بعض کے نزدیک معبود ہے، حقیقت اللہ خود بہتر جانتا ہے۔ توکلنا جمع متکلم ماضی مطلق۔ اس کا فاعل نو مسلم جماعت ہے۔ وَکْلٌ سے بنا اکثر متعدی ہوتا ہے۔ اس کے پانچ معنی ہیں۔ سپرد کرنا۔ بھروسہ کرنا۔ کسی کے سہارے چلنا۔ کسی کا کام اپنے ذمے لینا۔ بزدل و عاجز ہونا۔ رابطہ قائم کرنا۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ اسی سے ہے وکیل رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ رَبَّنَا مرکب اضافی منادیٰ ہے یہاں حرف ندا پوشیدہ ہے۔ اصل میں تھا یا ربنا اے ہمارے رب۔ اس کے معنی پالنے والا ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے۔ مبالغے کا صیغہ ہے۔ بوجہ مبالغہ یہ لفظ اللہ کی خصوصی صفت ہے۔ کسی اور کو رب کہنا منع ہے۔ مگر اس مادے کے دوسرے صیغے غیر اللہ کے لئے استعمال کرنے جائز ہیں۔ بلحاظ ترجمہ ہر ایک کو کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اب بسبب شہرت کسی اور کو کہنا گناہ ہے۔ لَا تَجْعَلْنَا۔ فعل نہی حاضر معروف نَا اس کا مفعول بہٖ۔ جَعْلٌ سے بنا۔ اس کے سات ترجمے ہیں ۱ بنانا ۲ پیدا کرنا ۳ رکھنا ۴ تبدیل کرنا ۵ خیال کرنا ۶ سچ کو جھوٹ سمجھنا ۷ شرط دھنا جُعَل پیش کے ساتھ اس کالے سخت کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو اڑتا بھی ہے اور نرم زمین میں سوراخ بھی کرتا ہے۔ گنیڈے کی طرح اس کی شکل ہوتی ہے۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی نہ بنا تو ہم کو۔ فِتْنَةً۔ معنی آزمائش یا مصیبت یا عذاب۔ لَا تَجْعَلْنَا کا دوسرا مفعول ہے۔ لِلْقَوْمِ

لام حرف جار نقصان کے لئے۔ قوم بمعنیٰ گروہ مرکب توصیفی ہے۔ الظالمین جمع مذکر سالم ہے ظالم کی۔ بمعنیٰ نقصان کرنے والا۔
وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ۔ واؤ عاطفہ ہے۔ نَجِّ امر حاضر معروف نجوٌ سے بنا بمعنیٰ بچانا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ ہے۔ بِرَحْمَتِكَ۔ ب سببیہ رحمت کے سات معنیٰ ہیں۔ مدد۔ علم۔ کرم۔ وحی۔ نبوت۔ سہارا۔ مشکل کشائی۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ کَ ضمیر مجرور متصل ہے
سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ من حرف جر بیانیہ ہے۔ القوم میں دونوں جگہ الف لام عہد خارجی ہے۔
الکٰفرین جمع ہے کافر کی۔ کافر اسم فاعل کا صیغہ کفرٌ سے بنا۔ اس کے پانچ معنیٰ انکار کرنا۔ ناشکری کرنا۔ مٹانا۔ اللہ کا شرک کرنا۔ نبی کی گستاخی کرنا یہاں آخری دو معنیٰ مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا۔ تو وہ بولے اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ یہ جملہ ان ہی مسلمانوں کا قول ہے حضرت موسیٰ نے ان کی دلی کمزوری کو جان کر ان کو توکل علی اللہ کی تلقین کی تھی۔ تب ان تمام نے۔ نڈر اور بے باک ہو کر جواب دیا۔ لفظ تَوَكَّلْنَا۔ چونکہ ماضی کا صیغہ ہے اس لئے اس میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ یہ سب کلام خبر ہو یعنی اے اللہ کے پیارے نبی ہم نے تو پہلے ہی اپنے رب کریم پر بھروسہ کیا ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ کلام انشائیہ ہو۔ کیونکہ ماضی انشاءِ فعل کے لئے بھی ہوتی ہے۔ جیسے لفظ طَلَّقْتُ اِمْرَءَتِیْ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو مطلب ہے کہ اب طلاق دی نہ کہ پہلے اور اسی وقت سے اجراءِ طلاق ہوتا ہے۔ حالانکہ صیغہ ماضی زمانے کا بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں ماضی بمعنیٰ حال ہے۔ یعنی اے حضرت کلیم علیہ السلام آپ کے کلام طیبہ نے ہماری ڈھارس بندھا دی لہٰذا اب ہم اللہ کریم پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ کیونکہ اب سمجھ آ گئی کہ بھروسہ خداوندی ہی اصل ایمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں۔ ایمان والوں کو توکل علی اللہ کا بہت جگہ حکم دیا ہے لفظِ علی اللہ کے پہلے لانے سے حصر کا فائدہ ہوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ اے ہمارے رب نہ بنا تو ہم کو آزمائش ظالموں کے لئے۔ حضرت موسیٰ سے عرض و معروض کرنے کے بعد اب متوجہ الی اللہ ہونے کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو کہ نبی کی بارگاہ میں آ کر ہی اللہ کا قرب اور توجہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہی بارگاہیں قبولیتِ دعا کا مرکز ہیں۔ پہلے جملے میں اقرارِ توکل تھا اس میں اس پر عمل کیا گیا۔ کہ دعا ہی حقیقی ابتداء ہے توکل کی۔ کیونکہ اللہ اور اللہ والوں سے مانگنا ہی اللہ پر بھروسہ ہے۔ ظاہراً یہ الفاظ اپنے لئے دعا ہے مگر اشارۃً ان کفار کے لئے بھی دعا ہے جو مومن نہ ہوتے۔ یعنی اے اللہ ہم کو ان کے لئے فتنہ نہ بنا کہ وہ ہم کو جھوٹا اپنے کو سچا سمجھ کر دنیوی دھوکے میں پڑ کر مزید گمراہ ہوتے رہیں یا وہ ہم پر ظلم کریں بسبب ایمان کے اور ہم تو سچے اور پیارے اللہ کے بندے ہیں اس وجہ سے ان پر عذاب نازل ہو۔ کیونکہ اللہ کے ولیوں اور پیاروں کو ستانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ یا ہم بوجہ مومن ہونے کے ان کو تبلیغ کریں تو وہ غرور تکبر سے اللہ رسول کی شانِ اقدس میں مزید گستاخیاں کر کے بدترین لوگوں میں ہو جائیں۔ یعنی ہم ان کی مزید گمراہی کا سبب نہ بنیں۔ کیونکہ جاہل اور بدتمیز انسان کے سامنے ایسے ہی پاگل دیوانے یا مرتے ہوئے انسان کو جبراً کلمے وغیرہ کی تلقین کرنا منع ہے کہ یہ سب اس وقت شیطانی پھندے میں ہیں کچھ گستاخی نہ کر بیٹھیں اسی لئے رب کریم نے فرمایا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ جب ذی علم لوگوں سے جہلا بات کرنا چاہتے تو وہ کہہ

دیتے ہیں کہ تم کو دور سے سلام۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسماء حسنیٰ ہیں جن سے اُس ذاتِ کریم کو پکارنا جائز ہے۔ مگر لفظ ربّنا اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے۔ اور دعا کے وقت پیارے کلمات ہی بولنا چاہیئے تاکہ مستجاب الدعوات ہو وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ اور اے ہمارے رب ہم کو بچالے اپنی رحمت کے ذریعے کافر قوم سے۔ یہ ان لوگوں کی دوسری دعا ہے۔ پہلی دعا درپردہ کفار کے لئے تھی کہ وہ اپنی امیری ہماری غریبی بے بسی بے کسی کو اپنی حقانیت کی دلیل نہ سمجھ لیں جو اُن کے لئے ایک فتنہ ہے خیال رہے کہ کافروں کے لئے ہدایت کی دعا جائز ہے مگر بخشش کی دعا منع ہے۔ اس دوسرے جملے میں محض اپنے لئے دعا ہے کہ اے اللہ ہم کو بچا۔ یعنی ہم سے کوئی ایسی قولی یا عملی لغزش نہ ہو جو تیری ناراضگی کا باعث بنے۔ اور ہم دنیا میں کافروں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں یا تیری ناراضی کے سبب ہم پر کافر مسلط ہوں۔ جس سے کہ ہم کو اپنے پرائے طعنہ دیں۔ یہ دعائیں بہت شان والی اور جامع ہیں اللہ کریم کبھی بھی اپنے پیارے بندے کو کافروں کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں ہونے دیتا نہ متقیوں پر کافر مسلط ہوسکے۔

شعر
محال است چوں دوست دارد ترا ٭ کہ در دستِ دشمن گذارد ترا

یہی وجہ ہے کہ اولیائے اللہ کافر حکومتوں میں رہ کر بھی سب پر غالب رہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے بڑے مشرک بادشاہوں نے اولیاء اللہ کا بزور حکومت و لشکر مقابلہ کیا مگر ناکام رہے۔ اللہ کریم نے اپنے پیاروں کو ہمیشہ غلبہ دیا۔ جیسا کہ معین الدین خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ بتاتی ہے۔ جہادوں میں مسلمانوں کا شہید ہونا یہ تسلط نہیں۔ ہاں جب مسلمان بے عمل بدطینت خوفِ خدا اور عشقِ مصطفٰے سے دور ہٹ جائیں۔ تب ذلیل و خوار بھی ہوتے ہیں اور کفار سے مغلوبیت جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ الٰہ دنیا میں یہی التجا ہے کہ اے اللہ کریم ہم کو اپنے خوف اور عشقِ نبی کی دولت سے مالامال فرما تاکہ تقوے کے مضبوط قلعے میں ہم محفوظ و مامون رہ کر کفار کے تسلطِ ذلت آمیز سے بچے رہیں (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْهُ اَيْضًا) اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی ان کے خلوص اور حضرت موسیٰ کی برکت سے۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**۔ توکل۔ یعنی اللہ کی ذات بابرکات پر بھروسہ سب سے عظمت والی چیز ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں اس کا بہت اہتمام ہے۔ مومن و کافر کے بڑے بڑے فرقوں میں ایک یہ بھی فرق ہے **دوسرا فائدہ** ظالموں کافروں کی صحبت اور مجلسوں سے دور رہنا بھی مسلمان کے لئے بہتر ہے جب اور جتنی جلدی ہو سکے ان سے دور بھاگے۔ آج جو لوگ صرف دنیاوی دولت کی لالچ میں امریکہ وغیرہ کافر ملکوں میں جاکر سکونت اختیار کر رہے ہیں وہ اخلاقی اور ایمانی طور پر مفلوج ہو چکے ہیں۔ نام کے مسلمان ہیں۔ درحقیقت ان ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اپنے علماء سے متنفر انگریزوں کافروں کے مدح خوان۔ حرام حلال کی پرواہ نہیں (اللہ کریم سب مسلمانوں کو سچی ہدایت نصیب ہو)۔
تیسرا فائدہ گناہ اور فسق و فجور مسلمان کو دنیا میں ذلیل و خوار کرتا ہے۔ اور کافروں کے تسلط کا سبب ہے۔ لیکن نیکی۔ تقویٰ۔ خلوص عشقِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا اور آخرت کے غلبے کا سبب ہے۔ (اللہ کریم مجھ کو نصیب کرے)

اعتراضات اس آیت پر چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** ان مومنین بنی اسرائیل نے پہلے توکل کا ذکر کیا پھر کفار سے بچنے کی دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ حالانکہ دعا توکل کے خلاف ہے **جواب** غلط ہے دعا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں بلکہ اپنے رب کریم سے مانگنا تو عین توکل ہے۔ ہاں کسی دنیا والے سے مانگنا توکل علی اللہ کے منافی و مخالف ہے۔ حضرت ابراہیم کا نارِ نمرود میں اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کربلا میں دعا نہ مانگنا۔ توکل کی بنا پر نہیں بلکہ تکمیلِ امتحان اور کامیاب نتیجے کے سبب سے ہے۔ ورنہ سب سے بڑے متوکل خود آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں لیکن ساری عمر بارگاہِ رب العزت میں دعائیں مانگتے رہے **دوسرا اعتراض** توکل کا ذکر پہلے کیوں کیا پہلے دعا مانگنی چاہیئے تھی **جواب** اس لئے تاکہ توکل کی حقیقت کا پتہ لگے۔ پہلے توکل علی اللہ کا ذکر کیا۔ توکل کی ظاہری تعریف یہ ہے کہ قطع الاسباب یعنی تمام اسبابِ فعل کو اپنے سے جدا کر دے۔ مگر توکل کی حقیقی۔ شرعی اور اسلامی تعریف یہ ہے کہ غیر اللہ سے توڑ کر اللہ سے جوڑنا۔ توکل کے بعد دعا مانگنے کا مقصد اس کی حقیقت سمجھانا ہے کہ مُتوکل وہ جو اللہ ہی سے مانگے اُسی کے پیاروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے اور عقیدہ یہ رکھے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے۔ جو نا چاہے وہ نہیں مل سکتا انبیاء اولیاء اس کے چاہے بغیر کچھ نہیں دے سکتے۔ ملتا نبی ولی سے ہی ہے مگر اللہ رب العزت کے چاہنے سے۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم (روح المعانی) **تیسرا اعتراض** ان دونوں دعاؤں میں پہلے ظالمین کہا پھر کافرین کہا اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**۔ اس لئے کہ پہلی دعا میں خاص فرعون اور درباری مشیروں سے بچنے کی دعا ہے۔ جو کفر کے علاوہ ظالم اور قاتل و جلاد بھی تھے۔ کفر سے زیادہ اُن کی یہ صفت قابلِ مذمت و نفرت تھی اُس کا یہاں ذکر کیا۔ دوسری دعا میں عام کفار کا ذکر ہے جو ظالم تو نہ تھے البتہ ورغلانے والے۔ اور ان مسلمانوں کی خدانخواستہ مغلوبیت کی صورت میں طعنہ دینے والے ضرور تھے۔ اس لئے ان کی ذات کا ذکر کیا۔ گویا کہ پہلی دعا میں کافروں کی صفت کا ذکر ہے دوسری میں ذات کا۔

تفسیر صوفیانہ راہی ملکِ عدم کے لئے دو وادیاں ہیں ۱۔ وادیٔ بقا ۲۔ وادیٔ فنا جب مسافر تسلیم و رضا کی منزل پر رواں دواں ہوتا ہے تو تین مقام سے گزرنا پڑتا ہے پہلا مقام شکر پھر مقامِ صبر یہ دونوں وادیٔ بقا کی منزلیں ہیں جب وادیٔ بقا کو تہ کر جاتا ہے تو مقامِ توکل آتا ہے جو وادیٔ فنا کی ابتداء ہے۔ اس مقام کو تہ کرنے کیلئے احرامِ عشق و محبت لازمی شرط ہے جس کی پہلی چادر تسلیم و رضا ہے اور دوسری چادر ایمان و معرفت ہے۔ یہاں ہی مقامِ عرفات کی تجلیاں مُحرمِ اسباب پر ورود کرتی ہیں اصطلاحِ شریعت میں اسلام نام ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنے اور توحید و رسالت کے اقرار کا۔ اور ایمان نام ہے نماز روزہ تقویٰ پرہیزگاری کا۔ مگر اصطلاحِ طریقت تسلیم و رضا ہی۔ اسلام ہے اور معرفتِ کردگار ایمان ہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ۔ اٰمِنُوْا اے مومنوں ایمان لاؤ یعنی معرفتِ خالقِ کائنات حاصل کرو۔ اس عرفات میں۔ لبیک کے تلبیے کی حاجت نہیں کہ اس سے وجودِ نفس کا ثبوت ہے۔ یہاں تو آنا کو فنا کر دو۔ اسباب سے منقطع ہو کر، مسبب کے مشاہدے کی لذت کے دریا میں غرق ہو تاکہ زم زم لطائف کی حقیقت آشکارا ہو۔ کیونکہ جب فنا مکمل ہوتا ہے۔ تو توکل لازم ہوتا ہے (ابن عربی) اسباب کو چھوڑ کر مسبب پر نظر ہو تب بندۂ مومن توکل کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ کسی نے حضرت ابراہیم خواص سے پوچھا کہ توکل کیا ہے۔ تو فرمایا

اللہ میں شاغل ہونا بلاواسطہ توکل حقیقیہ ہے (روح البیان) ایمان تامہ اس وقت ہی مکمل ہوتا ہے جب مخلوق سے خوف ورجاء ختم کرلے اور خالق کے دست قدرت میں خود کو اس طرح ڈال دے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ اس آیت کریمہ میں اسی توکل کا درس دیا جارہا ہے۔ لیکن چونکہ اس راہ میں ہزارہا مصیبتیں۔ بے شمار رنج و بلا ہے لہٰذا ہر موقع پر اللہ کریم سے دعائیں مانگتا رہے تاکہ استقامت نصیب ہو۔ اور ظالم نفس اور ابلیس کفر سے محفوظ و مامون رہے۔ مولانا فرماتے ہیں؎ شعر

ہرکہ در بحر توکل غرقہ گشت ؎ ہمتش از ماسوی اللہ در گذشت

این توکل گرچہ دارد رنجہا ؎ فَهُوَ حَسْبُهٗ بخشد ازوی گنجہا

فرمایا جارہا ہے کہ اے مومن مخلص بندو جب تم رنج و راحت خوف و امید سب میں قادر مطلق کو ہی مؤثر حقیقی سمجھ لو اور

گرچہ تیر از کماں ہمیں گزرد ؎ از کماندار بیند اہل خرد

کے شان والے عقیدے پر قائم و دائم ہو تو وہ رب کریم تمہارے ہر معاملے میں تمہارا کفیل ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۔ جب تک لباس خودی میں رہتا ہے۔ احرام فنا سے روشناس نہیں ہوتا۔ محض دعوے ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ لذت والی وادی نصیب ہوتی ہے تو وجود خودی ختم ہوجاتا ہے۔ شعر

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر انند ؎ کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا
اور وحی بھیجی ہم نے طرف موسیٰ اور اس کے بھائی یہ کہ بناؤ تم دونوں لیئے قوم
اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات بناؤ
بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا
اپنی کی مصر بیت سے گھر اور بناؤ تم سب لوگ گھروں اپنوں کو مسجد اور قائم کرو نماز
اور اپنے گھروں کو نماز کی جگہ کرو اور نماز قائم رکھو
الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾
اور خوشخبری دے مومنوں کو
اور مسلمانوں کو خوشخبری سناؤ

تعلق | اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں نومسلم قوم کا ایمان افروز جواب مذکور

ہوا اس آیت میں سوال جواب کے بعد اگلی ہدایت و قانون کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ایمان و اسلام کا ذکر تھا اس آیت مبارکہ میں اعمال کا ذکر شروع کیا جا رہا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں قوم موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا اس میں دعا کی قبولیت کا اشارہ ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ اس قوم سے ہم کو علیحدہ کر دے اب رب کریم نے ان کی عرض قبول فرمائی اور ان کی کامیابی و کامرانی کے لئے اپنے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ و ہارون کو وحی کے ذریعہ پیغامات و ہدایات ارشاد فرمائیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں توکل کا سچا اقرار تھا اس آیت میں توکل علی اللہ کا نتیجہ مذکور ہے کہ اللہ کریم کے انبیاء کی مدد ان کو پہنچ گئی۔

تفسیر نحوی

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ۔ یہاں حرف واؤ نسر جملہ ہے۔ اَوْحَيْنَا باب افعال ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل ذات باری تعالیٰ فصاحت کلام کے لئے جمع مستعمل ہے نہ کہ جمعیت یا ادب کے لئے کیونکہ شان باری میں جمعیت کا استعمال سوء ادبی ہے اہل دیابنہ کا غلط طریقہ مروج ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق وَحْیٌ مثال واوی اور ناقص یائی۔ وَحْیٌ کے پانچ ترجمہ ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی طرف اشارہ کرنا ۲ کسی سے خفیہ بات کرنا ۳ کسی کام میں جلدی کرنا ۴ الہام کرنا یعنی دل میں بات ڈالنا جس کو عربی میں القاء کرنا بھی کہتے ہیں ۵ انبیاء کرام کی طرف پیغام بھیجنا (منجد) یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہیں۔ الیٰ حرف جر انتہا کے لئے اصلی معنیٰ میں مستعمل ہے اس کا مجرور پورا جملہ عاطفہ ہے۔ لفظ موسیٰ سے حضرت موسیٰ صاحب کتاب و شریعت مرسل نبی مراد ہیں یہ لفظ معطوف علیہ ہے۔ واؤ حرف عطف اَخِيْهِ مرکب اضافی معطوف ہے۔ لفظ اخی کے مادہ اشتقاق میں نحات کے تین قول ہیں ۱ اَخْیٌ مہموز الفاء و ناقص یائی اسی سے تخریہ ہے جس کے معنیٰ ہیں پیٹ کو زمین سے جدا کرنا۔ (مجمع البحار) دوسرا قول ہے اَخْوٌ۔ ناقص واوی۔ اسی سے ہے اخوت۔ یعنی ایک دوسرے کا بھائی بننا (لغات کشوری) تیسرا قول ہے۔ اَخٌ لفیف مقرون اَخِیْ اسماء ستہ مکبرہ سے ہے۔ اس کی مونث اُخْتٌ ہے۔ لفظ اخی کا ترجمہ ہے بھائی اصلاً نسبی ایک پیٹ کی اولاد کے لئے مستعمل ہوتا ہے یہاں اسی معنیٰ میں ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع لفظ موسیٰ ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون۔

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا۔ حرف اَنْ مصدریہ ہے مضارع کو نصب دیتا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ تبوّا۔ باب تفعّل کا مضارع معروف صیغہ تثنیہ مذکر حاضر اس کا فاعل حضرت موسیٰ و ہارون ہیں یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے بعض نے کہا متعدی بیک مفعول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اصلاً متعدی بیک مفعول ہے جب بعد میں لام آ جائے تو بدو مفعول ہو جاتا ہے۔ جیسے یہاں (معانی) اصل میں تھا تَتَبَوَّاٰ باب تفعل میں اکثر اجتماع تائین کے وقت صیغے کی تا گرا دی جاتی ہے بوجہ ثقل۔ جیسے کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ میں ہے۔ بَوْیٌ اجوف واوی و ناقص یائی سے بنا یا مہموز اللام بَوْءٌ سے بنا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ تبوّا ٹھکانا یا منزل بنانا جیسے کہ تَوَطُّنٌ وطن بنانا۔ کیونکہ باب تفعل پانچ خصوصیت سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک خصوصیت ہے تکلف۔ یہاں اسی لئے مستعمل ہے۔ لِقَوْمِكُمَا۔ لام نفع کا ہے۔ قوم سے مراد سب مسلمان۔ کُمَا ضمیر تثنیہ اس کا مرجع موسیٰ و ہارون (علیہم السلام) بمصر غیر منصرف ہے (تمرین الادب صلا) کیونکہ یہ مونث و معرفہ ہے۔ کبھی کبھی تخفیف کے لئے منصرف بھی کر لیا جاتا ہے۔ (معانی لغوی

ترجمہ مطلق شہر یہاں ملک مصر مراد ہے۔ بُیُوْتًا جمع ہے بیت کی اجوف یائی ہے۔ اصلاً مصدر مادہ ثلاثی ہے استعمالاً اسم جامد ہے رات گزارنے کی جگہ بمعنی گھر وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً ۔ واؤ عاطفہ ہے پہلا جملہ معطوف علیہ اور یہ پورا جملہ معطوف ہے۔ اِجْعَلُوا۔ امر جمع مذکر حاضر معروف۔ معطوف علیہ کا فعل تثنیہ ہے معطوف کا یہ فعل جمع اس کی وجہ اعتراضات میں بیان کی جائے گی۔ اس صیغہ جمع کا فاعل سب مسلمان ہیں۔ جَعْلٌ سے بنا حرفاً صحیح ہے۔ بمعنی اِبْتِدَاءً کسی چیز کو بنانا متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول بُیُوْتَکُمْ مرکب ناقص اضافی ہے دوسرا مفعول۔ قِبْلَۃً۔ قِبْلٌ سے بنا۔ آخر میں ت مصدر کی ہے۔ بمعنی آمنے سامنے ہونا بالمقابل ہونا۔ بعض نحویوں نے فرمایا۔ اِجْعَلُوْ متعدی بیک مفعول ہے بیوتکم اس کا مفعول بہ ہے اور قِبْلَۃً۔ بُیُوْتَکُمْ کا حال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ واؤ عطف کی ہے۔ یہاں بھی جملے کا جملے پر عطف ہے۔ اَقِیْمُوْا۔ باب افعال سے امر جمع مذکر حاضر معروف ہے۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ قومٌ اجوف واوی سے بنا۔ اس کے دس معنی ۱؎ منتشر کرنا ۲؎ رکنا ۳؎ کھڑا ہونا ۴؎ غالب کرنا ۵؎ عدول کرنا بدلنا ۶؎ ہمیشہ کرنا ۷؎ مطالبہ کرنا ۸؎ خود کو وقف کرنا ۹؎ کسی جگہ بطور وطنیت سکونت اختیار کرنا ۱۰؎ ارادہ کرنا (منجد) یہاں پہلے معنی درست ہیں۔ یعنی خود کو نماز کے لئے وقف کردو۔ الصَّلٰوۃ صَلٰوۃٌ سے بنا ناقص واوی ہے۔ یا صلیٌ سے بنا۔ تب ناقص یائی ہے۔ اس کے پانچ معنی ۱؎ نماز پڑھنا ۲؎ درود شریف پڑھنا ۳؎ دعاء رحمت ۴؎ آگ سے نرم کرنا ۵؎ پیٹھ کو درمیان میں کرنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یہ واؤ بھی عاطفہ ہے۔ اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ بَشِّرْ باب تفعیل سے امر واحد مذکر حاضر اس کا فاعل موسیٰ علیہ السلام۔ تبشیرٌ سے بنا۔ مادۂ اشتقاق بُشْرٌ ہے۔ اس کے آٹھ معنی ۱؎ پتلی کھال ۲؎ ظاہری انسانی جسم ۳؎ مکڑی سبزی کھانے والی جو کھانا حلال ہے ۴؎ چہرے کا حسن ۵؎ چہرے کی رونق ۶؎ ایک دوسرے سے ملنا ۷؎ زمینی پیداوار ۸؎ خوش خبری یہاں آخری معنی مراد ہے یہ متعدی بدو مفعول ہے اس کا ایک مفعول یہاں پوشیدہ ہے دوسرا مفعول اَلْمُؤْمِنِیْنَ۔ مومن کی جمع ہے۔ مراد حضرت موسیٰ و ہارون کے علاوہ باقی مسلمان ہیں باب تفعیل کی چھ خصوصیات ہیں سے ایک خصوصیت ابتدائے فعل ہے وہی یہاں مستعمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر عالمانہ

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ ۔ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی لفظ وحی ایک مشترک لفظ ہے جب اس کی نسبت انبیاء کرام کی طرف ہو تو اس سے صاف صاف پیغام قانونی یا خبری مراد ہوتا ہے۔ کبھی بواسطہ جبریئل اس کو وحی جلی کہتے ہیں۔ کبھی بغیر واسطہ اس کو خفی کہتے ہیں۔ اگر اس کی نسبت اولیاء اللہ کی طرف ہو تو اس کو الہام کہا جاتا اگر اس کی نسبت جانور کی طرف ہو تو اس کو القاء قلبی کہا جاتا ہے لفظ وحی کا حقیقی استعمال انبیاء کرام کے لئے ہے دوسروں کے لئے بطور مجاز ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ و ھارون علیہم السلام دونوں اللہ رب العزت کے اولوالعزم پیغمبر ہیں اس لئے وحی اپنے حقیقی معنوں میں ہے۔ یہاں وحی سے شرعی یا قانونی پیغام نہیں کیونکہ صاحب شریعت و کتاب صرف حضرت موسیٰ ہیں۔ آپ مرسلین میں پہلے مرسل نبی ہیں۔ نزول کتب سماوی کی ابتدا آپ سے ہی ہوئی یہ وحی اس وقت فرمائی گئی جب فرعون چند بزرگ اور سرکردہ مسلمانوں کو سولی دے چکا اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں ہی گھر بناؤ

جب فرعون نے بنی اسرائیل پر حکومت قائم کی تھی تو ان پر بے شمار ظلموں میں ایک ظلم یہ بھی تھا کہ ان کے گھر ان کی ملکیت سے چھین لئے تھے اور سب پر قبطیوں کو مالکانہ قابض کر دیا تھا اسرائیلی لوگ بطورِ غلام ولونڈی نوکر چاکر کی حیثیت سے متفرق گھروں میں ڈیوڑھیوں میں رہتے تھے ان کی مسجدیں معبد سب شہید کر دیئے تھے۔ بعثتِ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چونکہ اس کی حکومت کافی حد تک کمزور ہو گئی تھی کچھ اس کو اپنی شکست کا غصہ اور کچھ نو مسلم لوگ موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے دلیر ہو چکے تھے۔ فرعون کو اپنی ساکھ قائم کرنے کی فکر ہوئی تو اس نے بنی اسرائیل اور مسلمانوں کو اور بد دل کمزور کرنے کے لئے ان پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یا یہ پہلے کی طرح خادمانہ حیثیت سے رہیں یا بھاگ جائیں اور بنی اسرائیل کی اکثریت اتنے عرصے غلامیت میں رہنے کی وجہ سے۔ نماز روزہ ذکر اذکار دینی ریاضات ورواج بھول چکی تھی ان تمام وجوہ کی بنا پر اللہ کریم نے وحی بھیجی کہ اے موسے وہارون تم مصر میں ہی ڈٹ کر رہو یہیں پر اپنے مکان بناؤ اور جب تک ہم نکلنے کا ہجرت کرنے کا حکم نہ فرمائیں اس وقت تک یہیں رہ کر اپنی قوم کو عبادت وریاضت کا طریقہ سکھاؤ تاکہ بھولی ہوئی باتیں یاد آجائیں اور محکومی وغلامیت کا اثر ختم ہو کر جہاں بانی کی لیاقت پیدا ہو خیال رہے کہ کبھی کوئی نبی خوف زدہ ہو کر ہجرت پر مائل نہ ہوئے بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ عین عروجِ کفار کے زمانے میں تو انبیاء کفرستان میں ہی رہے۔ جب یہاں کفر کا زور ٹوٹا تب ان کو رب تعالیٰ نے ہی حکم ہجرت فرمایا تو ہجرت کی وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً۔ اور تم مسلمان اپنے اپنے گھروں میں قبلہ بناؤ۔ گھر بنانے کا حکم صرف حضرت موسیٰ وہارون کو دیا گیا۔ اور گھروں کو عبادت گاہ بنانے کا حکم ہر شخص کو فرداً فرداً دیا گیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ گھر بنانا ظاہراً خالص دنیاوی کام ہے جس کی طرف دنیا دار اور جلدی مائل ہوتا ہے اس لئے عام لوگوں کو اس کا حکم نہ دیا بلکہ انبیاء کو حکم فرمایا کہ ثابت ہو کہ دنیا وہی اچھی ہے جو سنت انبیاء کے مطابق ہو اور حصول دنیا میں بھی انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلو۔ آج جو بدبخت یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ دین ہمارا اسلام معاشرا ہمارا سوشلزم۔ قوت ہماری عوام ہیں وہ سخت گمراہی میں ہیں۔ اسلام ہر چیز میں اپنی بالادستی چاہتا ہے۔ تجارت حکومت گھر بار عبادت ریاضت سب کام میں فرمودات نبی کو مدِ نظر رکھنا ہی کامل ایمان ہے اور پھر جب تم کو شریعت کے مطابق حلال دنیا میسر ہو جائے تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ گھر بار جاہ وجلال تخت وتاج مال ودولت صرف عیش پرستی کے لئے دیا گیا ہے۔ بلکہ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ۔ یہاں صیغہ جمع فرمانے میں یہ راز ہے کہ چونکہ عبادت وریاضت کی طرف دنیا دار راغب نہیں ہوتا نہ خود بخود ان کا دل چاہتا ہے اس لئے سب کو خاص کر علیحدہ علیحدہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان گھروں کو حسب سابق لذاتِ دنیا کے لئے استعمال نہ کرنا بلکہ ہر گھر کو اللہ کی مسجد بنا دینا کہ تمہارے گھروں سے (بجائے فرعونی گھروں کی طرح گانے باجے کھیل کود کی آوازکے) نعت خوانی صلوٰۃ وسلام تلاوت وعبادت کی خوشبودار آوازیں برآمد ہوں اور مسلم وکافر کے گھروں کا امتیاز ہوتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ مسلمان جس کے گھر میں ایسی آوازیں اور تلاوت کے چرچے ہوتے ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم پر پھر کوئی فرعون مسلط ہو جائے گا۔ بعض محققین نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ تم گھروں کو قبلہ رخ بناؤ یعنی کعبہ کی سمت کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے تمام انبیاءِ کرام کا قبلہ کعبہ ہی تھا اس وقت تک مسجد اقصیٰ بنی ہی نہ تھی مسجد اقصیٰ جس کو پہلے ھیکل کہا جاتا تھا

حضرت آدم کے تین ہزار ایک سو دس سال بعد ۔ اور حضرت موسیٰ کی ہجرت مصر سے پانچ سو پانوے سال بعد پہلی مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے بنائی اور دعا کی کہ یا اللہ اس کو ہمارے لئے قبلہ بنا دے ۔ کعبہ کو پہلی مرتبہ حضرت آدم علیہ السّلام نے اور دوسری مرتبہ حضرت ابراہیم نے انہیں بنیادِ آدم پر بنایا ۔ کعبہ کو آج ساڑھے سات ہزار سال ہو رہے ہیں اور مسجد اقصیٰ کو آج تقریباً تین ہزار سال ہوئے پھر کعبہ حضرت آدم سے آج تک قبلہ ہے ۔ اور مسجد اقصیٰ صرف پندرہ سو سال قبلہ رہا ۔ کعبہ سب انبیاء کا قبلہ رہا لیکن اقصیٰ از حضرت سلیمان تا عیسیٰ علیہ السّلام صرف انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا اس دوران بھی غیر اسرائیلی انبیاء سمتِ کعبہ کو ہی قبلہ بناتے تھے ۔ اور نبی کریم نے بھی تھوڑے عرصہ مسجد اقصیٰ کو قبلے کی فضیلت بخشی ۔ بعض نے فرمایا کہ قِبْلَةً کا مطلب ہے مسجد کی شکل پر گھروں کو بناؤ ۔ اور گھروں میں رہو لیکن مسجد کی طرح ادب اداب کے ساتھ تاکہ تم خفیہ نمازیں بھی یہاں پڑھ سکو اور رہائش بھی رکھو ۔ فرعون کے ظلم سے بچے بھی رہو مگر یاد رکھو کہ فرعون تم پر اسی لئے مسلّط و غالب ہوا تھا کہ تم نے اپنے رب کو بھلا دیا اب ایسا نہ کرنا جس اللہ نے تم بیکسوں بے بسوں بے گھر بے در والوں کی دستگیری فرمائی اس کے حضور ہمیشہ حاضر رہنا بلکہ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ خود کو اس کی نماز کے لئے وقف کر دو کہ ہر وقت نماز ہی کا تصور ہو (بقول پنجابی) ہاتھ کار ول ۔ دل یار ول ۔ چلو تو اس کے ہو کر پھرو تو اس کے بن کر بیٹھو جاگو تو اس کے خیال میں ۔ بس وہ تمہارا ہو تم اس کے ہو ۔ اور خطاب آئے کہ اے بندے ہم تیرے ہی ہیں (اے میرے کریم مجھ کو بھی ایسی نماز عطا فرما) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قِبْلَةً ۔ بُيُوْتَكُمْ کا حال ہے ۔ اور مطلب ہے آمنے سامنے بالمقابل گھر بناؤ تاکہ ایک دوسرے کے پڑوسی بندے سب مسلمان قریب ہونے کی وجہ سے اصول محلے داری کی سمجھ کے علاوہ قوت میں بھی زیادہ ہو جاؤ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا بھی اسلام میں عبادت ہے ۔ گویا ایک عظیم وحدتِ ملّی اور اتّحاد کا سبق ہے ۔ دوریِ سکونت سے بُعدِ قلبی پیدا ہو جاتا ہے جس سے قومی کمزوری واقع ہوتی ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور اے موسیٰ علیہ السلام آپ ان مومنوں کو ۔ خوش خبری دے دو ۔ یہ خطاب صرف حضرت موسیٰ کو ہے ۔ کیونکہ صاحب شریعت و کتاب نبی آپ ہی ہیں ۔ اگرچہ یہ الفاظ ۔ ظاہراً بعد میں ہیں مگر حکماً پہلے ہیں یعنی اے موسیٰ ان مسلمانوں کو دنیا میں ان کی سابقہ دعا کی قبولیت اور مدد و غلبے عَلَی الْکفار کی خوش خبری اور آخرت میں جنت و تجلّیات و خوشنودیِ ربِّ کریم کی خوش خبری دے دو ۔ پھر اے موسیٰ و ھارون اپنی اس قوم کے لئے گھر بناؤ ۔ پھر تم سب نماز قائم کرو ۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا جملہ لفظاً و حکماً ہر دو طریق پر متوخر ہے مگر بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ صرف لفظاً مؤخر ہے ۔ حکماً اوّل ہے کیونکہ اصل خطاب حضرت موسیٰ کو ہے ۔ اسی لئے حضرت ہارون اگرچہ بڑے بھائی ہیں مگر ذکر میں تقدّم حضرتِ موسیٰ کو حاصل ہوا بارگاہِ خداوندی میں بزرگی عمر کوئی معنیٰ نہیں رکھتی نہ عمراً بڑا ہونا مدارج کو مستلزم ۔ وہ بے نیاز ذات جسے چاہے نواز دے ۔ اس کا نوازا ہوا ہی کائنات میں بزرگ ہے یہاں قوم نہ فرمایا جیسے کہ ابھی پہلے بلکہ مومنین ۔ کیونکہ نسبتوں کا فرق ہے ۔ وہاں دنیاوی نسبت تھی اس لئے قوم فرمایا یہاں ایمان و عرفان کی نسبت ۔ اس لئے اظہارِ شفقت و پیار کے لئے لفظِ مُؤْمِنِیْنَ ارشاد ہوا ۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ اللہ کریم جو نعمت بھی اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے دینی یا

دنیوی وہ اپنے نبی ہی کے واسطے سے عطا فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کو حکم بھی اپنے انبیاء کرام کے ذریعے ہی ارشاد فرماتا ہے حالانکہ قادر ہے کہ بلاواسطہ تمام انسانوں کو پیغام عطا فرما دے۔ جیسے کہ شہد کی مکھی کو۔ یا حضرت مریم کو وحی فرمائی۔ لیکن پھر بھی تمام بندوں کو نعمتیں لینے میں انبیاء کا محتاج بنایا یہ فائدہ وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی (الخ) سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** مرسل نبی کا درجہ غیر مرسل نبی سے زیادہ ہے اور شریعت میں عمر کی زیادتی سے درجے کی زیادتی نہیں ہوتی درجہ کی زیادتی رب کے کرم پر موقوف ہے کبھی چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے درجے میں زیادہ ہوتا ہے اور قابل ادب بھی اور ہر لحاظ سے اس کو اوّلیت دی جائے گی یہ فائدہ مُوْسٰی وَاَخِیْہِ کی ترتیب سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** دنیاوی ساز و سامان اللہ تعالیٰ کی عطا ہے یہ عیش و عشرت کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ذکر اور نماز روزے کے لئے ہے ان چیزوں کو لے کر اللہ رسول کی یادیں تازہ کرو نہ کہ غرور تکبر و عیش پرستی یہ فائدہ بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً سے حاصل ہوا۔ یعنی گھروں کو مسجدیں بناؤ نہ کہ کنجر خانہ **چوتھا فائدہ** نماز کو ایک ڈیوٹی یا مصیبت نہ سمجھو بلکہ اس کو روحانی غذا اور لذتِ ایمانی سمجھو اور یہ صرف پڑھو ہی نہ بلکہ خود کو اس کے لئے وقف کر دو۔ سب کام اس کے تابع ہوں یہ نماز روزہ سب کا متبوع ہو۔ خوشی و مصیبت رنج و راحت میں نماز کا سہارا پکڑو یہ فائدہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** اس آیت کریمہ میں تین حکم مختلف صیغوں سے ارشاد ہوئے پہلے تثنیہ پھر جمع۔ پھر واحد۔ اس کی کیا وجہ ہے جواب اس لئے کہ پہلا حکم دنیوی معاشرے اور اتحاد و دنیا میں رہن سہن سے متعلق ہے۔ اور یہ کام شریعت کے مطابق ہونا ہی دین ایمان ہے اس لئے بجز انبیاء کرام کے فرمودات کے دنیا کا معاشرہ قطعاً درست نہیں ہو سکتا بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے صرف انبیاء کو خطاب ہوا دوسرا حکم عبادت اور دینی باتوں سے متعلق ہے جو سب پر فرض ہیں اس لئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا تیسرا حکم آخرت اور نتیجے یا قبولیت سے متعلق ہے جو شریعت و طریقت کا مسئلہ ہے اس لئے صرف موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کیونکہ آپ صاحب شریعت و کتاب نبی ہیں۔ حضرت ھارون صرف صاحب تبلیغ نبی ہیں (مسائل الرازی ص۱۳) **دوسرا اعتراض** آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ قِبْلَۃً سے مراد کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہود کا قبلہ ھیکل اور بیت المقدس تھا اور یہود سب بنی اسرائیل تھے خود حضرت موسیٰ بھی بنی اسرائیل تھے۔ اس لحاظ سے ان کا قبلہ بیت المقدس کی طرف ہونا چاہیئے۔ دیگر تفاسیر میں بھی ایسا ہی ملتا ہے جواب بیت المقدس ایک پورے شہر کا نام ہے جو ملک فلسطین میں ہے۔ اس میں مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان کے زمانے میں بنی اسی کو ہیکل کہا جاتا تھا یہ ان یہود کا ذکر ہے جو بعد سلیمان علیہ السلام ہیں تا زمانۂ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم **تیسرا اعتراض** تمام تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کا قبلہ کعبہ رہا۔ تو بیت المقدس کب اور کس نے قبلہ بنایا حالانکہ قبلہ بنانا تو فقط انبیاء کا کام ہے۔ جواب صرف چند انبیاء کرام کے زمانے میں بیت المقدس قبلہ رہا از حضرت سلیمان تا عیسیٰ علیہ السلام اس کے علاوہ تمام انبیاء بنی اسرائیل و غیر بنی اسرائیل بنی اسرائیل کا قبلہ کعبہ ہی رہا وَلِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ اکثریت کو کل کا حکم دیا جاتا ہے **چوتھا اعتراض** حدیث پاک سے ثابت ہے کہ صرف نبی کریم اور آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ ساری زمین جنگل گھر بازار وغیرہ ان کے لئے رب تعالیٰ نے مسجد بنا دی۔ سابقہ

انبیاء اور امتوں کو جائز نہ تھا سوائے بیعوں کنیسوں کے نماز پڑھنا۔ مگر یہاں ثابت ہو رہا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھ سکتے تھے اور خود رب کا حکم یہ ہی تھا۔ تو ثواب بھی ان کو گھروں میں مسجدوں کے برابر ہی ملتا ہو گا تو حدیث و قرآن میں تعارض ہو رہا ہے اور پھر یہ امتِ مسلمہ کی خصوصیت نہ ہوئی بلکہ وہ لوگ امت نبی کریم سے شان میں بڑھ گئے کہ ہماری گھر کی نماز مسجد کے برابر نہیں جبکہ ان کی گھر کی نماز کا ثواب مسجد کی نماز کے برابر۔ جواب اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب آیت میں فرمایا گیا وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً گھروں کو مسجد بناؤ یعنی ان کا ہر گھر بیعہ اور کنیسہ بنا دیا گیا وہاں ان پر وہی پابندیاں لگا دیں جو آداب عبادت گاہ کی ہوتی ہیں ان کے علاوہ وہ کہیں نماز نہ پڑھ سکتے تھے بخلاف ہمارے کہ جہاں چاہیں بازار دکان سڑک گلی جنگل خشکی تری میں نماز پڑھیں دوسرا جواب بیعوں۔ اور کنیسوں (گرجوں مندروں) کی خصوصیت حالت امن کی ہے۔ لیکن یہاں گھر میں نماز پڑھنے کا اختیار حالت اضطرار وخوف کا ہے۔ خوف اور مجبوری میں حکم بدل جاتا ہے۔ لہٰذا تعارض نہ ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

یہ دنیا دار فنا ہے یہاں کی ہر چیز زوال پذیر ہے یہاں دل لگانا فضول ہے۔ اے عالم ناسوت کے مسافرو موسیٰ قلب کے ماتحت ہو جاؤ اللہ کریم فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ قلب اور اس کے قریبی ہارون فؤاد کی طرف وحی بھیجی ہے۔ کہ عالم سفلیہ میں اپنے ٹھکانے نہ بناؤ بلکہ عالم روحانیہ کے مصر میں اپنے مقام حاصل کرو اور فرعون نفس سے نہ ڈرو کیونکہ وہ تم کو عالم روحانیت سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے جب تک ہماری تجلیات وارشادات کا جلوہ گاہ موسیٰ قلب تم کو ہجرت عالم لاہوت کا اشارہ نہ کرے اس وقت تک یہیں ڈٹے رہو۔ اور اے دنیا کی طرف بھاگنے والے مسافرو مسافرت ترک کر کے اسی جسد عنصری کو قبلہ گاہِ خواہشات اسرار بنالو۔ اور بالکل تخفیہ۔ انا کو فنا کر کے خود میں سما کر دائمی نماز میں اس طرح مشغول ہو جاؤ کہ ہر دم مقامات روحانیہ سے قربات ومواصلات ربانیہ کی معراجیں حاصل ہوتی رہیں۔ اے دنیا کے پیچھے دوڑنے والو کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔ فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ کی طرف گامزن ہو جاؤ۔ کیونکہ دنیا اور یہاں کی اشیاء ممکن ہیں اور ممکن کا سیر متناہی ہے اور اس کی لذت منقطع ہے لیکن واجب تعالیٰ کی طرف سیر متناہی اور اس کی لذت غیر فانی۔ دائمی ہے دنیا و آخرت میں جو جو تکالیف آتی ہیں وہ ان کو صاحب کرامات اولیاء کی لذت سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہی وہ لذت تھی جو معراج میں نبی اکرم کو عطا ہوئی جس کی حضرت موسیٰ نے معراج میں تمنا کی۔ ان کو وہ لذت دیدار احمد مجتبیٰ سے حاصل ہوئی صحابہ رض کو یہ لذت جمال جہاں آرا سے نصیب ہوئی کہ مقام صحابیت پایا۔ ہر مومن کو اس کا حصول نماز میں ہے۔ اسی لئے صوفیا فرماتے ہیں کہ معراج محمدی قرب ذات سے ہوئی اور معراج موسیٰ۔ دیدار تجلیات محمدی سے اور معراج صحابہ رخ پاک انور کا دیدار کرنا۔ اور معراج مومن نماز ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ ۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ

اور عرض کیا موسیٰ نے اے رب ہمارے بیشک تو نے دیا فرعون اور سرداروں اس

اور موسیٰ نے عرض کی اے رب ہمارے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو

زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا

کے کو زینت اور بہت مال دنیں زندگی دنیا کی اے رب ہمارے تاکہ گمراہ

آرائش اور مال دنیا کی زندگی میں دیئے اے رب ہمارے اس

عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

کریں سے راستے تیرے اے رب ہمارے بربادی ڈال پر مالوں اُن کے اور سختی

لیے کہ تیری راہ سے بہکادیں اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

کر دے پر دلوں ان کو کہ نہ ایمان لائیں وہ یہاں تک کہ دیکھ لیں وہ عذاب دردناک

کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ

فرمایا بیشک قبول کی گئی دعا تم دونوں کی پس ثابت قدم رہو تم دونوں اور نہ اتباع

فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی تو ثابت قدم رہو اور نادانوں کی

سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

کرو تم دونوں راستہ ان کا جو نہیں جانتے

راہ نہ چلو

تعلق اس آیت کریمہ کے پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہیں پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ و ہارون کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ تم مومنوں کو اتحاد اور آداب حکمرانی سکھا کر مضبوط کر دو۔ تاکہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو اور باطل کمزور و مغلوب ہو اب فرعون کی غربت اور کمزوری کی دعا کا ذکر ہے کہ حکومت فرعونی کے خاتمے کے بغیر مسلمانوں کی حکومت کا

قیام ممکن نہ تھا۔ جس طرح اندھیرے کے خاتمے کے بغیر اجالے کا وجود ناممکن ہے ایسے ہی حق کا غلبہ باطل کی مغلوبیت کو مستلزم ہے۔
دوسرا تعلق پچھلی آیت میں خود موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا تھا کہ اے میرے نبی لوگوں کی مشکل کشائی حاجت روائی کرو۔
مسلمانوں کی حاجتیں پوری کرو اور مسلمانوں تم نے جو کچھ لینا ہے میرے انبیاء کرام سے مانگو ان کے در کے گدا و محتاج بن جاؤ۔ اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کی التجاؤں اور دعا کا ذکر ہے کہ اے میرے رب کریم میری مشکلات میں تو میری مدد فرما یعنی تیرے بندوں کی مدد تیرے حکم سے میں کروں گا اور میری دعائیں التجائیں تو قبول فرما۔ گویا کہ مومن مسلمان تو نبی کریم سے مانگیں اور نبی کریم اللہ سے مانگیں یہ ہے سچی توحید اور ایمان۔

تفسیر نحوی

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ ۔ الفظ واؤ سرجملہ ہے قَالَ فعل ماضی قولٌ اجوف واوی سے بنا اس کا فاعل لفظ موسیٰ اسم مقصود ہے۔ رَبِّ لفظ رب اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے رَبٌّ سے مشتق ہے مضاعف ثلاثی ہے۔ اصل میں رَابِبٌ تھا بروزن فَاعِلٌ بوجہ ثقل ب کا ب میں ادغام یعنی مشدد کیا گیا۔ رابٌّ ہو گیا اجتماع ساکنین کی بنا پر الف گرا دیا گیا رَبٌّ ہو گیا۔ جیسے کہ بارٌّ سے بَرٌّ ہوا (روح المعانی) نا ضمیر جمع متکلم۔ لفظ ربنا مرکب اضافی کلمات انبیاء کرام میں سے ہے۔ اِنَّكَ حرف مشبہ بالفعل با ضمیرِ اسم اگلا جملہ اس کی خبر ہے۔ اٰتَيْتَ اَتْيٌ یا اَتْيٌ سے مشتق ہے اسی لئے اس کا فعل اَمْرَاتِ بھی آتا ہے اور ھَاتِ بھی۔ ارشاد ہے هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۔ اَتْيٌ مہموز الفاء اور ناقص یائی ہے فرعون سے مراد وہی مذکور فرعون مراد وَمَلَاَهٗ مرکب اضافی ہے مَلَاٌ سے سرداران دربار اور ہٗ ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ اٰتَيْتَ فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول فِرْعَوْنَ (الخ) ہے اور دوسرا مفعول زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔
لفظ زینت زَيْنٌ اجوف یائی سے بنا بمعنی اپنے کو بوجھل کرنا۔ انسان فیشن کر کے بھی خود کو بھاری بھر کم بناتا ہے زینت مصدر بمعنی اسم مفعول۔ یعنی زینت کے اسباب لباس مکانات گھوڑے۔ اور خزانے زیور کے۔ حرف واؤ عطف کی ہے اموال جمع ہے مال کی۔ مال کی شرعی تعریف جس کو دے کر نفع دار اشیاء خریدی جائیں۔ مثلاً سونے چاندی وغیرہ وہی یہاں مراد ہے۔ فی حرف جار یہ صرف اسم جامد کے اول آتا ہے اَلْحَيَاتِ الدُّنْيَا۔ مرکب توصیفی ہے اَمْوَالًا اور زِيْنَةً کی تنوین (دو زبریں) تعظیم کی ہے لہٰذا الف لام جنسی ہے جو ہر قسم کی زندگی کے لئے کافی ہو۔ دنیا دُنُوٌّ سے بنا ہے بمعنی حقیر اور قلیل مونث اسم تفضیل ہے۔ یہاں یہ جہانِ فکر و عمل مراد ہے رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۔ یہ جملہ باختلاف نحاۃ یا تعلیلیہ ہے ماقبل کا۔ یا بیانِ عاقبت کے لئے ہے۔ رَبَّنَا دوبارہ کہنا اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کے آداب کے لئے ہے لِيُضِلُّوْا میں لام کئے ہے جس کو تعلیلیہ یا تعقیبیہ بھی کہتے ہیں۔ يُضِلُّوْا فعل مضارع معروف ضَلٌّ سے بنا اسی سے ہے ضلالت۔ اس کا ایک معنی ہے گمراہی یہاں مراد ہے کیونکہ اس کے بعد عَنْ سَبِيْلِكَ آ رہا ہے لفظ عن حرف جار يُضِلُّوْا کے معنی معین کر دیئے سبیل سبلٌ سے مشتق ہے صفت مشبہ مبالغے کا صیغہ ہے اس کی جمع سُبُلٌ ہے۔ یعنی کھلا راستہ شارع عام يُضِلُّوْا کو یا کے زبر سے بھی پڑھا گیا ہے اور پیش سے بھی پہلی صورت میں فعل لازم ہے یعنی خود گمراہ ہو جائیں دوسری صورت میں فعل متعدی لیکن مفعول پوشیدہ یعنی لوگوں کو گمراہ کریں۔ سبیلک میں ک ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ سب کلام موسیٰ علیہ السلام کا ہے رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ

یہاں ربنا پھر کہنا قبولیت دعا کے لئے ہے۔ اگلا جملہ بددعا بھی ہے اور دعا بھی خیال رہے جان کی ہلاکت کی تمنا ایک صورت سے بددعا ہی ہوتی ہے۔ لیکن مال یا عزت کی ہلاکت بہت دفعہ دعا ہوتی۔ اِطْمِس صیغہ امر ہے بروزن اِضرب طَمْسٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مال و دولت برباد کرنا۔ علیٰ فوقیت کے لئے اپنے اصل معنیٰ میں ہے۔ اموال جمع ہے مال کی ھُم سے مراد وہ فرعون و فرعونی اِطْمِس باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی یہاں متعدی ہے وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ واوٗ عاطفہ ہے۔ اُشْدُدْ فعل امر ہے باب نَصَرَ یَنْصُرُ کا۔ اسی سے ہے شِدَّتْ اس کا ترجمہ ہے سختی ڈالنا یا مہر لگانا یہاں دوسرے معنیٰ مناسب ہیں یہ جملہ بددعائیہ ہے اس لئے کہ علیٰ قلوبہم میں علیٰ حرف جار غلبے کے لئے ہے قلوبہم میں قلوب جمع ہے قلب کی دل میں مخزنِ ایمان و اسرار کا نام قلب ہے۔ گوشت کے ٹکڑے کو دل کہتے ہیں یہ ہر وقت حرکت کرتا ہے اس لئے قلب بمعنیٰ حرکت کرتا رہنے والا کبھی کہہ دیتے ہیں اس کا مصدر ہے قَلْبٌ یعنی ہمیشہ بدلنا۔ اسی لئے جسم حیوانی کو قالب کہتے ہیں کہ وہ بھی تبدیلیٔ زمانہ کے ساتھ بدلتا ہے۔ یہاں قلب مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ہے۔ ھِمْ ضمیر جمع غائب سے مراد وہی فرعونی لوگ ہیں فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۔ فَلَا یُؤْمِنُوْا۔ ف تعقیبیہ بیان نتیجہ کے لئے لَا یُؤْمِنُوْ فعل نہی جمع غائب بعض نحات نے حرفِ فا کو عاطفہ کہا اور پورا جملہ معطوف ہے اس کا معطوف علیہ لِیُضِلُّوْا عَلٰی سَبِیْلِكَ ہے لفظِ حتیٰ حرفِ جر نہیں ہے بلکہ حتیٰ ناصبہ ہے یہ ہمیشہ بیانِ مدت کے لئے آتا ہے۔ یَرَوْا فعل مضارع معروف صیغہ جمع غائب دونوں فعلوں کا فاعل فرعونی لوگ ہیں رَأْیٌ مہموز العین اور ناقص یائی۔ باب ضَرَبَ یَضْرِبُ بمعنیٰ توجہ سے دیکھنا۔ یقین اور دل کی نگاہ سے دیکھنا۔ اَلْعَذَاب۔ اس میں الف لام عہد خارجی ہے۔ عذاب کا اصطلاحی معنیٰ اخروی سزا اَلْاَلِیْمُ صفت ہے عذاب کی اَلَمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ درد صفت مشبہ ہے بروزنِ کریم قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ قَالَ قولٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل اللہ ہے یہاں قول حقیقی معنیٰ میں نہیں بلکہ متشابہات سے ہے یعنی جیسے بھی شانِ باری تعالیٰ کے لائق ہے۔ قَدْ اُجِیْبَتْ فعل ماضی قریب مجہول ہے۔ باب افعال ہے۔ جوبٌ اجوف واوی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ قبول کرنا یا جواب دینا یا ثابت کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں دعوت کے معنیٰ دعا مانگنا یا بددعا یہاں دوسرے معنیٰ مناسب ہیں۔ کُمَا تثنیہ مذکر حاضر کی ضمیر متصل مجرور مرکب اضافی کا مضاف الیہ ہے۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ و ھارون ہیں فَاسْتَقِیْمَا ف تعقیبیہ ہے اِسْتَقِیْمَا فعل امر حاضر معروف صیغہ تثنیہ۔ باب استفعال قومٌ سے مشتق ہے باب استفعال میں اگر طلب کے معنیٰ پیدا ہوئے یعنی ثابت قدم رہو یا ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہو۔ باب استفعال کی پانچ خصوصیات ہیں جن میں ایک ابتداءِ فعل ہے۔ یہاں یہی مناسب ہے وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ واؤ سر جملہ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ فعل نہی حاضر معروف تثنیہ۔ خطاب حضرت موسیٰ و ھارون علیہما السلام کو ہے سبیل سُبُلٌ سے بنا بمعنیٰ عام راستہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اس کا صلہ لَا یَعْلَمُوْنَ مضارع منفی معروف۔ عِلْمٌ سے بنا علم کے پانچ معنیٰ ۱۔ یقین کرنا ۲۔ ذہن میں کسی چیز کا آنا ۳۔ محسوس کرنا ۴۔ روشن ہونا ۵۔ حقیقت کو جاننا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

______ اور عرض کیا موسٰے نے اے ہمارے رب بے شک تو نے فرعون اور اس کے درباریوں

کو زینت کی چیزیں اور بہت سے مال دنیاوی زندگی میں دیئے۔ یہ کلام حضرت موسٰی علیہ السلام نے اس وقت عرض کیا جبکہ جادوگروں کے مقابلے کو کافی زمانہ گزر گیا اور حضرت موسٰی علیہ السلام نے ہر طرح سے فرعون اور اس کے رئیسوں کو سمجھا ڈالا مگر ان میں سے کوئی بھی ایمان کی طرف مائل نہ ہوا بلکہ مزید طرح طرح کے ظلم کرتے رہے۔ حضرت موسٰی نے بہت معجزات دکھائے پیار و محبت سے بھی سمجھایا مگر ان کا تکبر اور سرکشی بڑھتی ہی رہی۔ یہاں تک کہ آپ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ فرعونیوں نے مسلمانوں سے تین طرح اپنا رویہ رکھا ۱۔ سرکشی تکبر ۲۔ دشمنی ۳۔ حضرت موسٰی اور اسلام سے روکنا اور موقع بے موقع بلاوجہ مسلمانوں کو مارنا۔ اور تہمتیں لگانا اور یہ سب کچھ محض مال و دولت کے بل بوتے پر کرتے رہے۔ تب حضرت موسٰی نے بددعا کے طور پر یہ کلمات عرض کئے۔ لفظ رَبَّنَا انتہائی ادب کا کلمہ ہے اور قبولیت دعا کے لئے اکسیر ہے اِنَّكَ اٰتَيْتَ سے ثابت ہوا کہ جو کچھ کسی کو ملتا ہے رب سے ہی ملتا ہے۔ نیک ہو یا بد ظالم ہو یا مظلوم۔ لہٰذا بندے کو چاہیئے کہ اسی طرف ہی متوجہ رہے اور ہر راحت و مصیبت میں اسی کو یاد کرے۔ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ فرعون لقب ہے شاہِ مصر کا مراد یہی فرعون ہے جو مشہور ہے۔ یہ ملک مصر پر غاصبانہ قابض ہوا تھا۔ اور حبشے کی حدود بھی اس نے فتح کر لی تھیں۔ اولاً یہ شخص معمولی تاجر کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوا جبکہ مصر میں عجیب لاقانونیت جاری تھی جیسا کہ آج کل پاکستان میں۔ سابقہ فرعونِ مصر ملکی انتظام داخلی و خارجی سے بدمست تھا ارکانِ دولت اپنی من مانیاں کر رہے تھے اِن خرافات سے فائدہ اٹھا کر یہ فرعون سارے ملک پر قابض ہو گیا۔ سیاست اور ملک رانی میں بہت ہوشیار تھا چند سالوں میں دنیا کے امیر ترین ملکوں میں مصر کا شمار ہونے لگا۔ دنیا کے چار بادشاہ بہت امیر گذرے جن میں ایک یہ بھی ہے عمر کے ایک سو سال بعد اس نے حکومت شروع کی دو سو چالیس سال حضرت موسٰی سے پہلے اور چالیس سال بعثتِ موسوی کے بعد چار سو نو سال کی عمر میں اس کی موت ہوئی۔ یہ خود بھی امیر ترین تھا اور درباریوں کو بھی بہت زیادہ تنخواہیں اور جاگیریں دے کر رئیس اعظم بنایا ہوا تھا۔ قارون بھی ان میں سے ایک تھا۔ اگرچہ اسرائیلی تھا مگر فرعون کا مخبر و جاسوس تھا جو حضرت موسٰی و بنی اسرائیل کی حرکات و افعال سے فرعون کو باخبر رکھا کرتا تھا۔ ظاہراً مسلمان ہو گیا تھا مگر درپردہ فرعون کا معتمد تھا زِيْنَةً لفظِ زینت مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی فیشن او ر ناز نخرے کی چیزیں۔ جیسے خوشنما کپڑے اور کوٹھیاں بناؤ سنگھار کی اشیاء عطریات و زیورات پھول اور باغیچے وَاَمْوَالًا جمع ہے مال کی۔ جیسے سونا چاندی لعل و یاقوت ہیرے جواہرات۔ اونٹ بھینس گائے بکری گھوڑے ساز و سامان۔ غرضکہ ہر طرح کے خزانے موجود تھے۔ سونا چاندی لعل و یاقوت حبشے کے پہاڑوں سے نکلتے تھے۔ جو ان کے ہی قبضے میں تھے۔ ہیرے جواہرات سمندری علاقوں سے دستیاب تھے۔ ان مالوں سے دیگر مال خریدے جاتے تھے۔ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا صرف دنیا کی زندگی میں ہی ان کو یہ ملے گا۔ آخرت میں نہیں۔ لیکن چونکہ یہ مال دوسرے مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت کی مشکلات کا باعث اور متقیوں کو ایذائے جسمانی و قلبی ہے کہ اسی مال کے بھروسے پر مسلمانوں کو ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور تعصبانہ سزائیں دیتے ہیں۔ اور کمزور دل مسلمانوں کو لالچ دے کر ورغلاتے پھسلاتے ہیں۔ جن سے ان کے میلان کفر کا اندیشہ ہے

اس لئے عرض کیا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيْلِكَ ۔ اے ہمارے رب کریم تاکہ گمراہ کریں وہ تیرے راستے سے۔ دوبارہ رَبَّنَا عرض کرنا اظہار عجز و لجاجت کے لئے ہے کیونکہ اگلا کلام قدرے درشت ہے جو اگرچہ حقیقت پر مبنی ہے مگر خالق کائنات کے شاہی دربار کے مناسب نہ تھا اس لئے کہ رب تعالیٰ کی دین پر کچھ تعرض ہے کہ اے اللہ اس لئے تو نے ان کو مال و دولت عطا کی لِيُضِلُّوا تاکہ وہ گمراہ کریں یا گمراہ رہیں یا گمراہ ہو جائیں۔ یہ تین تفسیریں اس لئے ہیں کہ علماء کرام لِيُضِلُّوا کے لام میں اختلاف کرتے ہیں چنانچہ حمزہ اور کسائی نحوی اس کو لام امر کہتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں تاکہ گمراہ رہیں فراء نحوی کہتے ہیں لام تعلیلیہ ہے اس لحاظ سے پہلا ترجمہ ہوگا۔ یہی قول اعلیٰحضرت اور صدر الافاضل کا ہے۔ اخفش نحوی نے کہا کہ لام عاقبت کا ہے یعنی آئندہ اس مال کے بل بوتے پر گمراہ ہو جائیں (تفسیر کبیر و معانی) مقصد کلام یہ ہے کہ اموالِ دنیا شر ہے اور شر سے شر ہی پیدا ہوتا ہے اسی لئے وہ شریروں کو ہی دیا جاتا ہے۔ عَنْ سَبِيْلِكَ اللہ کا راستہ دینِ حق اور قانونِ شریعت ہے اور یہ دونوں نبی علیہ السلام کی فرمانبرداری اور تعظیم سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ سب کلام استفہام انکاری ہو۔ اور مطلب یہ ہو کہ اے رب کریم کیا تو نے ان کو مال اس لئے دیا تھا کہ یہ لوگوں کو یا خود کو گمراہ کرتے پھریں۔ یعنی تو نے یہ مال گمراہی کے لئے نہ دیا بلکہ اس لئے دیا تھا کہ یہ دولت دنیا لے کر عابد و ساجد شکر گذار بندے بن جاتے۔ تو یہ لام تعلیلیہ مجازی ہے (روح البیان) مگر چونکہ انہوں نے بجائے شکر گذار بندہ بننے کے گمراہی و گمراہ گری اختیار کی لہٰذا۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ ۔ اے ہمارے رب کریم برباد کر دے ان کے مال۔ یہاں پھر رَبَّنَا عرض کرنا یا لذتِ اسم پاک حاصل کرنے کے لئے ہے اور یا اس لئے کہ ابتداء بددعا یہاں سے ہو رہی ہے۔ اور لفظِ ربنا دعا بددعا کے قبولیت کے لئے اکسیر ہے۔ اِطْمِسْ طَمْسٌ سے بنا ہے۔ اس کے معنٰی ہیں بدل ڈالنا یا بربادی و ہلاکت میں ڈالنا۔ یہ بددعا تب کی گئی جبکہ حضرت موسیٰ نے علم غیب کے ذریعے حتماً و یقیناً پتہ لگا لیا تھا کہ اب یہ فرعونی لوگ راہِ راست پر آ ہی نہیں سکتے گویا کہ نجسُ العین ہو چکے ہیں۔ ان کی دولت باقی رہنے سے فساد اور گمراہی زیادہ ہی پھیلے گی کہ کچھ کو یہ خود طوعاً و کرہاً مرتد بنائیں گے اور کچھ لوگ لالچی طبیعت والے گمراہوں کے پاس بیٹھ کر اور ان لوگوں کی شان و شوکت دیکھ کر فرعون کی طرف راغب ہونے کی قلبی خواہش کریں گے نماز روزہ اور ایمان میں ان کا دل نہ لگے گا ہر وقت رشک کی بیماری میں مبتلا رہنے کی بنا پر دولتِ ایمانی اور لذتِ صحبتِ نبوت کی قدر نہ کریں گے۔ اور جو معرفت ان کو حاصل ہونی چاہیئے وہ نہ ہو گی اس لئے یہ بددعا فرمائی۔ لیکن چونکہ مقصود بروں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ غریب کر کے رسوا کرنا ہے جس سے ان کی سرکشی غرور بھی ٹوٹ جاتے اور مسلمانوں کو بھی ان کی ذلت آمیز زندگی کا مشاہدہ ہو جائے اور وہ دامنِ نبوت و دولتِ ایمانی کو غنیمت سمجھیں اور اسلام کی طرف اپنی پیش قدمی پر شاداں و فرحاں ہوں۔ جیسے کہ خشک روٹی کھانے والا مرغن غذا والے پر رشک کرتا ہے لیکن جب اس کو بے شمار بیماریوں میں مبتلا دیکھتا ہے تو شکر کرتا ہے کہ کتنا اچھا ہوا ہو جو میں نے مرغن غذا نہ کھائی۔ اسی طرح غریب دنیا دار اُمراء کو دیکھ رشک کرتا ہے لیکن جب شاہی عتاب امراء پر وارد ہوتا ہے اور ان کی جائدادیں و کارخانے ضبط ہوتے ہیں۔ اور اُمراء اپنے بنائے ہوئے کارخانوں سے دھکے دیکر نکال دیئے جاتے ہیں تب ان غرباء کو اپنی حالت پر ناز آتا ہے۔ اسی لئے علماء کرام منع فرماتے ہیں امراء کی مجلسوں سے یہ عبرت مشاہدے

میں ہوتی نہ کہ ہلاکت میں۔ کیونکہ ذلت کی زندگی سے تو امرا لوگ خود مرنے کو ترجیح دیتے ہیں ان وجوہ سے عرض کیا عَلَى اُمُوَالِہِمۡ۔ تفسیر صاوی نے فرمایا حضرت موسیٰ کے نو معجزات میں ایک معجزہ طمس ہے جس کا اظہار اس بد دعا کی قبولیت سے ہوا۔ یہاں بھی اموال جمع ہے۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ ان کے ہر قسم کے سب مال ہلاک فرما دے اور پھر یہ بھی نہ ہو کہ غریب ہو کر عاجز ہوں اور دیگر لوگوں کو ان پر ترس آئے وہ ان کی امداد کریں بلکہ وَاشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ۔ ان کے دلوں پر خوب سختی ڈال دے۔ یہ دوسری بد دعا ہے یعنی اے اللہ ان میں اب عاجزی پیدا نہ ہو بلکہ غریبی میں بھی ان کا تکبر نہ ٹوٹے۔ یہ بد دعا بہت سخت ہے اس لئے کہ امیر آدمی تو اپنی دولت کے ذریعے دنیا والوں کی مصیبت سے بچتا ہے اور غریب آدمی عجز و انکسار شفقت و محبت خدمت گذاری کے ذریعے بچتا ہے لیکن جب غربت اور اکڑ دونوں جمع ہو جائیں تو ہر طرح کی ذلت سامنے ہوتی ہے۔ ہر طرف سے دھکے کھاتا ہے۔ مغرور کو ایمان بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ظاہری رکھ رکھاؤ۔ غریب و امیر سب کے لئے بہتر ہے۔ اور شکرِ الٰہی کا ایک طریقہ ہے اس کو غرور نہیں کہا جاتا غرور و تکبر دل کا فعل ہے۔ اسی لئے عرض کیا گیا۔ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ۔ مرکزِ عجز و تکبر۔ نیکی و سرکشی۔ قلبِ انسانی ہے۔ اس کا ظہور جسم ظاہری پر ہوتا ہے۔ جب دل میں عجز ہو تو اعضاء پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں کہ زبان پر ایمان اور ہاتھ پاؤں پر نماز سجدہ سجود۔ اسی لئے جب دل میں تکبر ہو تو زبان پر کفر اعضاء پر ظلم و تعدی۔ بد دعا شدتِ تامہ کی تھی۔ اسی لئے عرض ببارگاہِ خداوندی کیا گیا فَلَا یُؤۡمِنُوۡا حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ۔ پس نہ ایمان لائیں وہ یہاں تک کہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ لگ گیا تھا بذریعے وحی الٰہی کہ یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے ان کے دل مہر شدہ ہیں اس لئے یہ دعا کی۔ انبیاء کرام کے لئے جائز ہے کہ کسی کے ایمان یا کفر کی خواہش کریں۔ کیونکہ وہ انجام سے باخبر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بد دعا کی رَبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا۔ اے میرے رب زمین پر کسی سرکش کافر کو نہ چھوڑ۔ کسی اور شخص کو جائز نہیں کہ کسی کو کفر پر رہنے مسلمان نہ ہونے کی بد دعا دے۔ کہ یہ سخت گناہ ہے۔ عذاب الیم کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور ایمان سے بھی دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔ ایمان سے یا تو شرعی ایمان مراد ہے یعنی قانون الٰہی کو ماننا یا عاجز ہونا رہنا اسی لحاظ سے عذاب الیم دردناک عذاب سے یا تو دنیا کی ذلت و خواری ہے یا مرتے وقت کا خدائی عذاب مگر دونوں میں پہلے معنی درست ہیں لفظ حتیٰ یا بمعنی لامِ کئے ہے یعنی تاکہ وہ دردناک عذابِ دوزخ دیکھیں۔ اور یا حتیٰ اِلٰی اَنۡ کے معنی میں ہے۔ یعنی یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ یہی اعلیٰحضرت نے فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اے رب وہ کافر لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک ذلت نہ دیکھ لیں تاکہ دیگر مسلمانوں کو دولت اور امیروں کے برے انجام کا پتہ لگ جائے پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دولتِ دنیا رضاءِ رب کریم کی نشانی ہے اور مثال قائم ہو جائے کہ اللہ کریم فرماں برداروں سے خوش ہوتا ہے نہ کہ دولت والوں سے۔ یہ کلام بد دعا کا تتمہ اور انجام ہے اس عرض و معروض کے بعد رب کریم کی طرف سے جواب ارشاد ہوا۔ قَالَ قَدۡ اُجِیۡبَتۡ دَّعۡوَتُکُمَا۔ فرمایا بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ اس دعا کا طریقہ یہ ہوا کہ ایک خاص مقام پر بیٹھ کر حضرت موسیٰ نے ذکر الٰہی کے بعد حضرت ہارون کو پاس بٹھا کر یہ الفاظ ادا کئے اور تین وقفے کئے حضرت ہارون تینوں مرتبہ آمین کہتے رہے۔ کیونکہ آمین بھی دعا ہے اس لئے دعا کو دونوں

کی طرف منسوب فرمایا (احکام القرآن للجصاص) اگرچہ لفظ آمین دعا ہے مگر لفظ قرآن نہیں اسی لئے یہاں مذکور نہیں تو جن لوگوں نے وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد آمین کو قرآن کریم کی ایک آیت تسلیم کیا ہے وہ صحیح نہیں یہ قبولیت بددعا کی جز ہے۔ اس کا اثر اور ظہور بہت دن بعد ہوا کہ ان کے تمام خزانے سونے چاندی ہیرے لعل وغیرہ کچھ گم ہو گئے کچھ پتھر بن گئے پھل خشک ہو گئے۔ دودھ سے جانوروں کے دودھ ختم ہو گئے یا بہت ہی کم ہو گئے (ابن کثیر و مظہری) برکت ختم ہو گئی کہ ڈھیر ساری روٹی صرف چند آدمی ختم کر جاتے پہلے پہلے تو اس طرح ہوا پھر کچھ روز بعد اور مصیبت آئی کہ عورتیں روٹیاں پکاتی تھیں جب تک ہاتھ میں رہتی آٹے کی ہوتی جب توے پر یا تندور میں جاتی پتھر کی ہو جاتی (معانی) یہ سب کچھ عذابِ الٰہی اور نبی کی گستاخی اور نبی علیہ السّلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے کا نتیجہ تھا۔ مگر یہ فرعون و فرعونی اب بھی بوجہ قساوۃِ قلبی (جو بددعاءِ موسوی سے ہوئی تھی) یہی کہتے رہے کہ یہ تو اتفاقی حادثہ ہے۔ پھر یہ مصیبت آئی کہ انسان بھی پتھر بننے لگے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ بددعا صرف مال کے لئے تھی (خازن) اب سب پریشان ہوئے غلہ ختم ہونے لگا آگے خریدنے کے لئے پیسے نہ رہے۔ فرعون جو خزانوں کے بھروسے پر خدائی کئے بیٹھا تھا سخت مضطرب تھا پہلے کی طرح اس کی سخاوتیں بھی ختم ہو گئیں ابن الوقت قسم کے لوگ علی الاعلان اس سے برگشتہ ہو گئے کچھ در پردہ اس کو گالیاں دیتے یہ سب عذاب کافروں کے لئے ہی تھا مگر مسلمان بہت شاداں و فرحاں تھے اور ان کے انجام سے مسرور تھے تب فرعونیوں نے مشورہ کیا کہ منافقانہ طور پر حضرت موسیٰ سے معافی مانگیں اور التجاءِ دعا کریں۔ تب سب کے سب قبطی بجز فرعون حاضر ہوتے روتے گڑگڑاتے اور جھوٹے آنسو بہاتے تو حضرتِ موسیٰ کی دعا سے یہ عذاب ختم ہوا لیکن پتھر بنے ہوئے ہیرے جواہرات اور روپے پیسے ویسے ہی رہے اور آج تک مصر میں عجائب خانوں میں دیکھے جاتے ہیں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تھیلی منگا کر دیکھی تھی جس میں انڈے اور اخروٹ پتھر بنے ہوتے اسی شکل میں تھے۔ اب باقی رکھنا صرف شانِ انبیاء کرام اور بددعاء نبی کا اثر دکھانا مقصود ہے (تفسیر مواہب الرحمٰن) یہاں تو یہ لوگ معافی مانگ کر وعدۂ ایمانی کر کے چلے گئے اور رحیم کریم نبی نے ساری فریب کاری اور بناوٹ کی عاجزی کو سمجھتے ہوئے دعا سے عذاب ختم کرا دیا۔ لیکن یہ منافق چند دن بعد پھر سرکش ہو گئے تو ان پر خون کا عذاب آیا کہ ان کے تمام پانی خون سالن دودھ گھی سب خون۔ جب بھوکے مرنے لگے تو ایک حیلہ کیا کہ نبی اسرائیل کو بلایا کہ تم اپنے منہ میں پانی اور سالن لے کر ہمارے منہ میں تھوکو۔ جب اسرائیلی مسلمان فرعونی کے منہ میں تھوکتے تو وہاں جا کر پھر خون بن جاتا۔ اللہ اکبر۔ کتنا سخت عذاب ہے کتنی ذلت کی زندگی ہے کہ جن کو یہ مغرور لوگ ذلیل سمجھتے تھے۔ ان سے ہی اپنے منہ میں تھکوا رہے ہیں۔ یہ ہے بددعا کا ظہور۔ مجبور ہو کر پھر حضرت موسیٰ کے قدموں میں گرے۔ آپ کو پھر رحم آگیا اور دعا سے یہ عذاب بھی دور کرایا۔ قربان جاؤ نبی کی رحیمی کے جب یہ رحم کلیم اللہ کا ظہور ہے تو بتاؤ میرے آقا رحمۃ اللعالمین کے رحم کی کیا شان ہو گی۔ یہ لوگ پھر بے ایمان ہو گئے تو ان پر مینڈک کا عذاب آیا۔ پھر روئے پیٹے تو پھر کلیم اللہ کو رحم آگیا۔ دعا کی تو پھر عذاب ختم ہوا تو پھر بے ایمان ہو گئے یہ تھی ان کی سختی دل جو نبی کی بددعا سے ہوئی۔ آخری عذاب غرق فرعونی کا ہوا۔ حضرت موسیٰ کی بددعا بارگاہِ ربّ العزت میں قبول تو ہو گئی مگر اس کا ظہور چونکہ کچھ عرصے بعد ہونا تھا اس لئے فرمایا فَاسْتَقِیْمَا۔ تم دونوں ثابت

قدم رہو۔ یعنی ظہور سے دیری میں گھبرانہ جانا۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ کے عذاب دیر سے آتے ہیں مگر آتے سخت ہیں۔ اس بددعا کی ابتدا بہت عرصے بعد ہوئی۔ چنانچہ ابن جریر ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ چالیس سال بعد یہ طمس کا عذاب شروع ہوا۔ (معانی) فَاسْتَقِيمَا کا یہ بھی مطلب ہے کہ اے موسیٰ تم تبلیغ نہ چھوڑنا اپنا وہی طریقہ جاری رکھنا۔ اگرچہ ان کا مومن نہ ہونا حتمًا ثابت ہو چکا ہے۔ دیکھو آقائے کائنات کو ابو جہل کا مختوم مِنَ اللّٰہ ہونے کا علم تھا مگر آپ نے اس کے مرتے دم تک تبلیغ فرمائی میدانِ بدر میں بھی تین مرتبہ سمجھایا اور دعوتِ اسلام دی وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ اور اے اللہ کے دونوں نبیو! بے علموں جاہلوں کے راستوں پر نہ جانا ان کی باتوں میں نہ آنا۔ یا اس طرح کہ عذاب میں دیر لگے کفار طعنہ بازیاں کریں اور تمہارے دل پر رنج وغم کا اثر ہو۔ یا اس طرح کہ بار بار ایسی بددعائیں کرنے لگ جاؤ اور جلد بازی کرتے ہوئے دل میں ہیجان اور پریشانی پیدا ہوا یسا نہ کرنا کیونکہ جلد بازی جہلا کا کام ہے۔ یا اس طرح کہ قبولیت سے مایوسی بھی کا فر اور جاہل کا کام ہے۔ اگرچہ یہ کیفیات۔ قلبی اثر سے ہوتی ہیں جس پر انسان کو قابو نہیں مگر انبیاءِ کرام کی شان سے یہ بھی محال ہیں۔ اس لئے بعض نحوی علماء نے لَاتَتَّبِعَآنِّ کو فعل نہی نہ مانا بلکہ لا و نفی سے فعل منفی ثابت کیا جس کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ہرگز پیروی کی۔ جن لوگوں نے اس کو فعل نہی مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی عَنِ المُحَال ہے صرف مسلمانوں کو سبق دینے کے لئے جیسے کہ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ۔ اے نبی اللہ سے ڈرو (کبیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ رحیم و کریم بھی ہے حلیم بھی اور جبار و قہار و بے نیاز و بے پرواہ بھی ہے اپنے نبی کی دلجوئی کے لئے سارے کفار کا ستیاناس فرما دیتا ہے۔ یہ فائدہ آیت کے سارے مضمون سے حاصل ہوا لہذا معتزلی فرقے کا یہ کہنا غلط ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف رحیم ہے **دوسرا فائدہ** جس کو جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ ہی دیتا ہے۔ اور اپنے بندوں پر قادر و قیوم ہے جب چاہے چھین لے دینا اپنے کرم سے ہے مگر چھینتا ہے سرکشی اور ظلم یا نبی ولی کی بددعا سے اور جب نبی ولی کی بددعا سے ملی ہوئی دولت و عزت برباد ہو سکتی ہے تو ان اللہ کے پیاروں کی دعاؤں سے دونوں جہان کی دولت و عزت عطا بھی ہو جاتی ہے لہذا ہم گناہگاروں کو چاہیئے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی بددعاؤں سے بچیں۔ ان کی دعائیں حاصل کریں اللہ توفیق دے **تیسرا فائدہ** باطل میں صرف شور ہے جس کو آخر فنا ہے۔ مگر زور اور بقاء ابدیت صرف حق میں ہے لہذا صرف شور سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے **چوتھا فائدہ** دنیا کی دولت۔ اور دنیا کی زیادہ مشغولیت۔ غفلت۔ اور سختیٔ دل۔ گمراہی و کفر کا سبب ہے۔ اور بارگاہ سے دوری کا نتیجہ ہے قرب خداوندی اور دین و ایمان نبی کریم کے دامن سے ملتا ہے۔ بندے کو چاہیئے دنیا کی طرف نہ دوڑے۔ کیونکہ طالب الدنیا مردود **پانچواں فائدہ**۔ جلدبازی۔ شیطان اور جاہلوں کا کام ہے **چھٹا فائدہ** علماء کو چاہیئے کہ ہر وقت تبلیغ کئے جائیں کوئی مانے یا نہ مانے اور لوگوں کو بھی تبلیغ کریں خود کو بھی **ساتواں فائدہ** اللہ کے نبی صرف طالب مولیٰ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے دین کے طالب ہوتے ہیں۔ دنیا اور دنیا والوں سے بے غرض اور ان کے کردار سے متنفر ہوتے ہیں ان کو اپنی پارٹی بنانے کی خواہش نہیں ہوتی ان کو ہزار کفار کے مقابلے میں۔ ایک کمزور اور غریب اللہ کا بندہ پیارا ہوتا ہے۔ ان کو مجرم انسانوں کے بقا کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے قانون کے بقا کی ضرورت

ہوتی ہے۔ لہذا وہ عالم اور پیر مسلمان لیڈر۔ عبرت پکڑے۔ جو صرف اپنے مقتدیوں کی یا مریدوں کی تعداد بڑھانا چاہتا ہے ہر اچھے برے کو مرید بنا لیتا ہے اور دین کو ان کے لئے نرم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ہر جائز و ناجائز بات میں جی ہاں کر دیتا ہے۔ مبلغ اور پیر طریقت کو چاہیئے کہ دین کے معاملے میں حضرت موسیٰ جیسی طبیعت بنائے۔ ابن الوقتی اور نرمی بے جا۔ سراسر نقصان دہ ہے کہ اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں **پہلا اعتراض** کفر کی بددعا گناہ ہے حضرت موسیٰ و ھارون نے کیوں کی۔ جواب اُس کے لئے گناہ ہے جس کو انجام کا پتہ نہ ہو ان حضرات کرام کو علم غیب سے فرعونیوں کے کفریہ انجام کا پتہ تھا لہذا ان کے لئے گناہ نہیں اسی لئے رب کریم نے قبولیت کا تمغہ بھی عطا فرمایا **دوسرا اعتراض** مفسرین فرماتے ہیں کہ طمس۔ حضرت موسیٰ کا معجزہ تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر بددعائیں کی اور چالیس سال تک انتظار بھی کیا۔ جس کے لئے رب نے تسلی کے حکم بھی فرماتے۔ معجزہ تو نبی کے قبضے میں ہوتا ہے۔ جواب طمس کے لغوی معنیٰ ہیں مال برباد ہونا جس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی تھیں مگر اس طرح عجیب طریقہ سے کہ سب مال اسی شکل پر رہتے ہوئے پتھر بن جاتے۔ یہ معجزہ تھا اور بددعا کرنا اس معجزے کے ظہور کی اجازت لینی تھی۔ معجزے کی شرعی تعریف یہ ہے کہ وہ کام جو خرقِ عادت و حیران کن ہوا اور نبی کی رضا کے لئے ہو۔ خواہ نبی کے ہاتھ سے اور اختیار سے ہو یا نبی کے عرض و معروض سے۔ اور تسلی کے کلمات نہی عن المحال ہے جو صرف امت کے سبق کے لئے ہے یا یہ جملہ خبریہ منفیہ ہے۔ جیسا کہ تفسیر میں بیان کیا گیا **تیسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں ہوتا تو یہاں کیوں راضی ہوا اور جب رضا ہوئی تو رضا کے مطابق کام کرنا عین ایمان ہونا چاہیئے۔ پھر کفر عین رضا ہوا۔ اور مطابقتِ رضا باعث جنت ہے (معتزلہ) جواب مشیتِ الٰہی تین قسم کی ہے ۱۔ حکم ۲۔ قانون ۳۔ رضا یہاں حکم ہے۔ شیطان و کفار کی پیدائش قانون ہے۔ مومن متبع بننا رضا ہے۔ کفر پر رضا نہیں ہو سکتی۔ صرف حکم ہوتا ہے۔ ورنہ ابلیس و کفار کی خلقت میں کیا کہو گے۔

تفسیر صوفیانہ سرکش انسان جب نفسِ فرعون کے ماتحت ہو کر ظلم اور بدعملی سے پر ظلمت کی دبیز تہوں میں دبتا چلا جاتا ہے اور روحِ ایمانی شدتِ جفا سے تڑپ جاتی ہے تو قلب اور نفسِ مطمئن آہستہ آہستہ سمجھاتے رہتے ہیں۔ مگر سرکش نفس حرکاتِ شیطانیہ سے باز نہیں آتا جس کا اثر سارے قالب پر وارد ہوتا اور انسان عجیب طرح کی پریشانی اور اضطراب محسوس کرتا ہے ہر مومن پر ایک بار ایسا وقت آتا ہے کہ دنیا سے اکتا کر رجوع الی اللہ کی خواہش کرتا ہے تب قلبِ مومن و نفس مطمئنہ مجبور مومن کی دعا اور امان کی بددعا کیلئے بارگاہ میں پہنچ پڑتے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں اس طرح دعا کرتے ہیں کہ قلب کی صدا بلند ہوتی ہے اور نفس مطمئنہ یعنی ضمیر انسانی آمین کہتا ہے اور عرض کرتے ہیں ربنا اطمس علی اموالہم الٰہی نفس و نفسیات کی خواہشوں کو خس و خاشاک کر دے واشدد علی قلوبہم سختی ڈال دے ان کے ارادوں پر فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم پس وہ آخرت حقیقیہ پر ایمان نہ لائیں اور طلب رضا کے راستے پر نہ چلیں جب تک کہ ترکِ شہوات کی لگام کا عذاب الیم نہ چکھ لیں اور ترکِ خواہشات

نفس کی موت ہے اور انسان موت سے پہلے ہوش میں نہیں آتا (تفسیر روح البیان مع زیادت) حضرت علی فرماتے ہیں دعا رب کے خزانوں کی چابی ہے۔ جو اللہ کریم نے بندوں کو عطا فرمائی اور عجز و انکسار اس چابی کے دندانے ہیں۔ جب قلب مومن کی آہوں بھری دعائیں سوئے عرش پہنچتی ہیں تو خطاب آتا ہے قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ تمہاری دعا تو قبول ہوئی کیونکہ مقامِ معرفت سے طلب سوال ہے اور مقامِ معرفتِ الٰہیہ مکانِ اجابت ہے جس نے مکان اجابت کو نہ پہنچانا اس سے دعا غیر مستحسن ہے یہیں سے معرفتِ رضا اور بسط و سکر کا حصول ہوتا ہے فَاسْتَقِيْمَا ذلت و عاجزی میں ہمیشہ قائم و دائم رہو۔ کہ وصلِ تجلّیات کا حصول عجز ہی میں ہے۔ (عرائس) بایزید بسطامی نے فرمایا کہ میں نے تیس سال لگاتار عبادت کی۔ تو مجھ کو غیب سے آواز آئی کہ ابو یزید اللہ کے خزانے عبادتوں سے بھرے ہوئے ہیں اگر تجھ کو لذّتِ وصلِ الٰہی چاہیئے تو ذلت و فقیری و عجز تلاش کر۔ شعر

فقیر و خستہ بدرگاہت آدرم رحمے ✿ کہ جز دعائے تو۔ ام نیست ہیچ دست آویز (روح البیان)

اور کسی حالت میں بھی نفس سرکش کے پھندے اور درغلانے میں نہ آنا۔ یہ تو ہر لباس و ہر حالت میں آکر ورغلاتے گا۔

اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ اَقْدَامِیْ عَلٰی صِرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ

وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

اور بڑھایا ہم نے کو بنی اسرائیل دریا پس پیچھے چلا اُن کے فرعون

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا

وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ

اور اس کا لشکر سرکشی اور دشمنی میں یہاں تک کہ جب پایا اس کو ڈوبنے نے

پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اُسے ڈوبنے نے آ لیا

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ

بولا میں ایمان لایا۔ شان یہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ کہ ایمان لائے جس پر

بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل

بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ

بنی اسرائیل اور ہیں سے مسلمانوں الیسے اب

ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب

وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾

حالانکہ بیشک نافرمان رہا تو پہلے اور تھا تو سے فسادیوں

اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ

تو آج سے ظاہر رکھیں گے ہم تجھ کو ساتھ لاش تیری تاکہ ہو تو لیئے اس کے جو

آج ہم تیری لاش کو اُترا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیئے نشانی

اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۱۰/۱۲

پیچھے تیرے نشانی اور بیشک بہت سے لوگ سے آیتوں ہماری البتہ غافل ہیں

ہو اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں

تعلق اس آیت کے پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہیں پہلا تعلق پہلی آیت میں بددعائے موسوی کا ابتدائی ذکر تھا اس میں اس کے انجام کا انتہائی ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اشارۃً دنیاوی لحاظ سے بنی اسرائیل کی کس مپرسی اور مظلومیت۔ اور فرعونیوں کی عیش پرستی۔ ظلم اور مغروریت کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت اور عزت۔ فرعونیوں کی ذلت وہلاکت کا ذکر ہے۔ گویا کہ ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال۔ کا عملی مظاہرہ ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں اس چیز کا ذکر تھا کہ حضرت موسیٰ وھارون علیہما السلام بار بار کہتے تھے کہ اے فرعون بندہ بن جا ایمان لے آ۔ مگر وہ دولت وعزت کی وجہ سے مانتا نہ تھا۔ اس آیت میں اس کے ایمان کا ذکر ہے۔ لیکن اب موسیٰ علیہ السلام نہیں مانتے۔ کہ ماننے کا وقت نکل گیا۔ اب ایمان لانا معتبر نہیں۔ سچ فرمایا اعلیٰحضرت نے شعر

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے ؎ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا۔

اس لئے کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ شعر

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت ؎ پھر ہو ہو سے کیا ہووت ہے

تفسیر نحوی

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ۔ واؤ سے جملہ ہے جَاوَزْنَا باب مفاعلۃ کا ماضی جمع متکلم ہے جَوْزٌ سے بنا ہے متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول بنی اسرائیل ہے مفعول دوم اَلْبَحْرَ ہے۔ باب مفاعلۃ کی دو خاصیت ہیں پہلی مشارکت دوسری تکلف۔ یہاں دوسری خاصیت مراد ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو دریا میں یا دریا کی طرف بڑھایا۔ وہ خود ہرگز دریا میں داخل ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ بِبَنِيٓ میں ب حرف جر نے لفظ بنی اسرائیل کو مفعول اوّل کے درجہ میں رکھا۔ بنی اسرائیل سے قوم موسیٰ علیہ السلام اور مومن مراد ہیں اگرچہ اس میں مومن قبطی بھی شامل تھے۔ مگر قلیل تعداد میں۔ اَلْبَحْرَ مبالغہ کا صیغہ ہے بَحْرٌ مصدر ثلاثی سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے گہری بھری ہوئی چیز۔ اسی سے ہے متبحر۔ بہت بڑے عالم دین کو متبحر عالم اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کے دل و دماغ میں علم بے شمار بھرا ہوتا ہے۔ عربی اصطلاح میں سمندر کو اور بڑے دریا کو بحر کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ گہرا عمیق بھی ہوتا ہے اور بھرا ہوا بھی۔ اب چھوٹے دریا کو بھی بحر کہا جاتا ہے۔ بوجہ مناسبت یہاں بحرِ قلزم مراد ہے جو بہت گہرا ہے۔

فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ط حرف فا تعقیبیہ ہے اَتْبَعَ فعل ماضی مطلق معروف باب افعال سے متعدی بیک مفعول تَبْعٌ سے بنا بمعنی کسی کے نقش قدم پر چلنا یا اسطرح کے اس کے پیچھے پیچھے چلنا یا اسطرح کہ اسکا کھوج لگاتے ہوئے چلنا یا کسی کی رائے کو اپنانا۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ ھم ضمیر جمع مذکر غائب مفعول بہٖ ہے فرعون اپنے معطوف سے ملکر اَتْبَعَ کا فاعل ہے فرعون کی کنیت ابوالولید بھی ہے۔ واؤ حرف عطف جُنُودُهٗ مرکب اضافی لفظ فرعون کا معطوف ہے۔ جنود جمع ہے۔ جُنْدٌ کی مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی شہروں کو گھیرنے والا مراد جنگجو لشکر اصطلاح میں ہر لشکر کو جنود کہا جاتا ہے بَغْيًا بَغْوٌ سے مشتق بمعنی حق کی مخالفت یا حق کا مقابلہ کرتے ہوئے یا غلطی یہاں پہلے معنی مراد ہیں وَعَدْوًا واؤ عاطفہ ہے عَدْوًا سے مشتق ہے بمعنی دشمنی یہ دونوں بَغْيًا اور عَدْوًا اسم فاعل کی تاویل ہو کر مصدر ہیں۔ اصل میں باغین اور عادین تھے یہ عاطفہ جملہ فاعل کا حال ہے حَتّٰىٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ۔ حرفِ حتّٰی سابقہ فعل اَتْبَعَ کی انتہا ہے إِذَا حرفِ شرط ہے اور اگلا جملہ شرط ہے۔ اَدْرَکَہٗ۔ دَرْكٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی کچھ آگے بڑھ کر کسی کو پکڑ لینا۔ یا پالینا۔ ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع فرعون ہے یا سب لشکر ہے مفعول بہ ہے الغَرَقُ مصدر بمعنی اسم فاعل غَرَقٌ مصدر لازم ہے اس کا معنی ہے ڈوبنا۔ یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہو کر ڈبونے والا کے معنی میں ہوا یعنی پانی قَالَ اٰمَنْتُ أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّا الَّذِيٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوٓا إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔

قال فعل ماضی ہے قولٌ سے بنا اس کا فاعل فرعون اور لفظ قال کلام لفظی پر دال ہے نہ کہ نفسی اس کا مقولہ اگلا کلام اٰمنتُ ہے۔ اٰمَنْتُ واحد متکلم کا فاعل بھی فرعون متکلم ہے۔ اَمْنٌ سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ کی وحدانیت اور اس کے نبی کی نبوت پر دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار سے ایمان لانا۔ یہاں اس وقت فرعون کے کلام سے ایسا ہی مراد ہے آمَنْتُ سے لے کر مسلمین تک تمام عبارت قال کا مقولہ ہے۔ اَنَّہٗ میں تین قول ہیں پہلا یہ کہ اَنَّ زبر والا ہے اور لفظ اٰمَنْتُ متعدی بِنَفْسِہٖ ہے دوسرا یہ کہ اَنَّہٗ دراصل بِاَنَّہٗ تھا اور اٰمَنْتُ متعدی بالباء ہے حرف ب کو گرا دیا گیا بوجہ تخفیف سوم یہ کہ اَنَّہٗ سے پہلے لفظ قول پوشیدہ ہے اور یہ اِنَّہٗ ہے زیر سے۔ یہ قاری حمزہ کا مذہب ہے۔ کسائی نحوی کہتے ہیں۔ یہ جملہ استئنافیہ ہے اس لئے اِنَّہٗ ہے زیر کے ساتھ۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ کسائی کے نزدیک اِنَّہٗ کا جملہ اٰمَنْتُ کا بدل ہے۔ ہٗ ضمیر شان اسم اَنَّ ہے (معانی) پہلے صحیح مسلک کے مطابق

اَنَّہٗ کا پورا جملہ اٰمَنْتُ کا مفعول بہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْ۔ لا نافیہ کبھی مطلق نفی کے لئے ہوتا ہے اور کبھی نفیِ مطلق کے لئے یہاں مطلق نفی کے لئے ہے۔ لفظِ اِلٰہَ۔ اسمِ لَا ہے۔ اِلَّا حرفِ استثنا ماقبل کو توڑتا ہے۔ یہاں بھی لَا اِلٰہَ کی مطلق نفی کو توڑ کر اَلَّذِیْ کو ثابت کر رہا ہے اَلَّذِیْ اسم موصول ہے۔ اور پوری عبارت اَنَّ کی خبر ہے اٰمَنَتْ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل بنی اسرائیل ہے۔ بِہٖ ب بمعنٰی علیٰ ہے ہٖ کا مرجع اَلَّذِیْ ہے۔ بنو اسرائیل جمع مذکر سالم ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ یہاں اٰمَنَتْ مؤنث اس لئے ہے کہ قَبِیْلَۃٌ پوشیدہ ہے۔ بنو اسرائیل اس کا بدل ہے۔ کیونکہ بنو اسرائیل سے یہاں اسرائیل کے بیٹے مراد نہیں بلکہ پورا قبیلہ مراد ہے۔ قَبِیْلَۃٌ مونث کی بنا پر اٰمَنَتْ مؤنث آیا۔ ورنہ مذکر سالم کے لئے مذکر کا ہی صیغہ آتا ہے۔ ہاں جمع کمتر کے لئے اکثر مؤنث کا صیغہ آتا ہے کیونکہ بمعنٰی جماعت ہوتا ہے۔ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یہ تیسرا جملہ تاکیدی واؤ عاطفہ یا تفسیریہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یعنی۔ اَنَا متکلم کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے مِنْ حرفِ جار بعضیت کا ہے اَلْمُسْلِمِیْنَ جمع مذکر سالم الف لام جنسی کی بنا پر جمع کثرت ہو گیا۔ اَلْئٰنَ حرف غیر عاملہ ہے جملے کے شروع میں آتا ہے جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ یہاں فعلیہ ہے کیونکہ اس جگہ قُلْتُ یا اٰمَنْتُ پوشیدہ۔ اَلْئٰنَ۔ خبریہ اور سوالیہ ہر دو طرح مستعمل ہے یہاں سوالیہ ہے۔ حرفِ اَلْاٰن دراصل فقط آن ہے جس کا معنٰی ہے مطلق وقت الف لام عہدِ ذہنی لگ کر اس وقت کے معنٰی ہو گئے وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۔ واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ حال ہے اَلْاٰنَ کے پوشیدہ فعل کا قَدْ عَصَیْتَ ماضی قریب معروف ہے۔ قبل ظروف ستہ میں سے ایک ظرف ہے یہ مضاف ہے اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اس لئے پیش سے مبنی ہے۔ عصیٰ ناقص یائی ہے بمعنٰی اکڑتے ہوئے علیٰحدہ ہو جانا اسی سے ہے اعصا یا عصا بمعنٰی لاٹھی کہ وہ بھی اکڑی رہتی ہے۔ حرفِ واؤ عاطفہ ہے کُنْتَ کَانَ یَکُوْنُ سے مشتق ہے فعل تامہ ہے بمعنٰی ماضی بعید معروف مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ حرف من بعضیت کو بیان کرتا ہے۔ یعنی فسادیوں میں سے ایک فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ۔ فِ تعقیبیہ ہے یعنی تیرے مرنے کے بعد اَلْیَوْم۔ الف لام عہد ذہنی یومَ بمعنٰی عام دن الف لام نے عام کو خاص کر دیا۔ اور مطلب ہوا آج نُنَجِّیْ باب تفعیل کا مضارع معروف جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ۔ نجیٰ سے مشتق ہے۔ بمعنٰی بچا لینا کَ ضمیر واحد مذکر حاضر ہمیشہ روح مع الجسد کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن جب قید لگا دی جائے تو قید ہی کا اعتبار ہو گا بلا قید زندہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر یہاں اگلی قید نہ ہوتی تو زندہ فرعون کی نجات مراد ہوتی مگر بِبَدَنِکَ کی قید سے مردہ فرعون مراد ہوا۔ صاحبِ روح البیان نے کہا یہ مصاحبت کی ہے مگر یہ غلط ہے۔ بدن سے مراد پورا جسم ہے مضاف ہے مضاف الیہ کَ ضمیر۔ یہ مرکب اضافی بدل ہے پہلے کَ کا۔ یعنی صرف تیرے بدن کو بچایا جائے گا لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً لِتَکُوْنَ۔ کا لام تعلیلیہ ہے تکونَ واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے فعل تامہ ہے صار کے معنٰی میں۔ اس کا فاعل فرعون ہے لِمَنْ کا لام حرف جار بمعنٰی عبرت۔ مَنْ اسم موصول خبریہ ہے نہ کہ استفہامیہ خَلْفَکَ خَلْفَ ظروفِ ستہ میں سے ایک ظرف ہے مرکب اضافی ظاہر ہے۔ مبنی نہیں معرب ہے صلہ ہے اٰیَۃً بمعنٰی نشانیِ قدرت وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ۔ واؤ مستانفہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق کلام کی مضبوطی کا فائدہ دیتا ہے شروع جملے میں ہمیشہ اِنَّ کسرہ سے آتا ہے درمیان جملے میں اَنَّ

زبردلالت آتا ہے کثیر کثرت سے بنا ہے مبالغہ کا صیغہ ہے مِن تبعیضیہ ہے جس نے کلیت کو ختم کر دیا اگر کثیر نہ ہوتا تو تھوڑے سے لوگ مراد ہوتے مگر کثیر نے زیادتی ثابت کی جو بعض کم کو بیان کیا۔ الناس میں الف لام استغراقی ہے یعنی تمام لوگوں میں سے زیادہ لوگ ناس نسیان سے ہے بمعنی بھولنے والی مخلوق عن حرف کبھی فرق کیلئے کبھی ہٹنے کیلئے آتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں آیات جمع ہے آیت کی مشترک المعانی ہے ۱ کلام اللہ ۲ معجزات ۳ عذاب دنیا ۴ نشان قدرت یہاں یہ آخری معنی زیادہ مناسب ہیں نا سے مراد اللہ تعالیٰ ہے لَغَافِلُوْنَ۔ لام تاکیدی ہے یا تحقیقی یعنی یہ بات بالکل تحقیق شدہ یقینی ہے کہ وہ لوگ غَافِلُوْنَ۔ غَفْلٌ سے مشتق ہے اسم فاعل جمع ہے۔ غَفْلٌ کے معنی پڑھ کر سیکھ کر یا دیکھ کر بھول جانا۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ اس میں علم کا ثبوت ہوتا ہے۔ بھول جانے کی بہت سی وجوہ ہوتی ہیں بعض اچھی بعض بُری۔

تفسیر عالمانہ

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ۔ اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے۔ یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے یعنی ہم نے پار کیا اس میں جبریوں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے بندہ فعل کا خالق۔ مذہب اہلسنت ہے کہ رب ہی خالقِ فعل ہے جیسے کہ یہاں جَاوَزْنَا سے ثابت ہوا بنی اسرائیل سے قومِ اسرائیلی مراد ہے۔ اس وقت یہ لوگ علاوہ بچوں عورتوں بوڑھوں کے چھ لاکھ جوان تھے (ابن کثیر) بحر سے مراد دریائے قلزم جس کو بحر سویس بھی کہتے تھے (بیان و صاوی) بہت بڑا دریا ہے اس میں بحری جہاز بھی چلتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کو سمندر سمجھا۔ اس کی چوڑائی اس مقام سے تقریباً دو میل تھی اس کا مختصر واقعہ اس طرح ہوا کہ تین دن پیشتر حضرت موسیٰ کو حکم ملا کہ سارے اسرائیلیوں کو خفیہ طور پر مصر سے نکال کر مقام تیہ کی طرف لے جاؤ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے ذریعے تمام بنی اسرائیل کو کہہ دیا کہ فلاں رات کو ہجرت کرنی ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ اتنے امیر نہ تھے بلکہ قبطیوں کے خدام تھے۔ اس لئے ہر تقریب شادی بیاہ پر عاریتاً قبطی عورتوں سے زیور مانگ لیا کرتے تھے۔ اس موقعے پر بھی تمام زیور ایک دن پہلے لے لئے بعدِ مغرب سب اسرائیلی حضرت موسیٰ و ھارون علیہما السلام کے رہنمائی میں ہجرت کر گئے ساری رات سفر کیا اور دن بھر چلتے رہے راستے میں کسی جگہ نہ ٹھہرے۔ صبح کو جب فرعونی لوگ بیدار ہوئے تو کوئی اسرائیلی نظر نہ آیا نہ کوئی کام کاج کرنے آیا۔ تب فرعون نے لشکر جمع کیا اور سب قبطیوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا فَاَتْبَعَهُمْ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّ عَدْوًا۔ تو پیچھا کیا فرعون نے اور اس کے لشکر نے سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے۔ اگرچہ فرعون بادشاہ تھا لفظ بغاوت کو بادشاہ کی طرف نہیں لگایا جاتا مگر یہاں بغیاً فرمایا مقابلہ حق کی بنا پر یعنی جو بھی اللہ کے دین کی مخالفت اور دین والوں کا مقابلہ کرے وہ ہی باغی ہے اگرچہ وقت کا بادشاہ ہو۔ وعدوًا۔ یہ پیچھا کرنا محض دشمنی کی بنا پر تھا۔ یا اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں وہ نئی حکومت نہ قائم کر لیں اگرچہ دونوں لشکر بہت تیزی سے چل رہے تھے مگر فرعون والوں نے بہت جلدی اُن کو آن لیا۔ جب دور سے فرعونیوں کو دیکھا تو سخت گھبرائے۔ مگر قسمت نے یاوری کی کہ بجائے ادھر ادھر بھاگنے کہ فوراً نبی کی بارگاہ میں آگئے ان کا ایمان تھا کہ دنیا جہان کی مشکلیں یہیں حل ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے رب کریم سے عرض کیا خطاب آیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر مارو۔ بارہ سڑکیں بن جائیں گی۔ ایسا ہی ہوا۔ تمام بنی اسرائیل اِن سڑکوں پر بآسانی دریا پار کر گئے تو معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا۔ ادھر یہ سب دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے ادھر لشکرِ فرعون دریا کے قریب آ گیا جو کہ آٹھ لاکھ تھے (معانی التنزیل خازن) باقی بچے عورتیں

لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ط پس آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو قیامت تک پچھلوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ یہ بھی رب تعالیٰ کا کلام ہے اسی نے ثابت کیا کہ پہلا کلام آلْآنَ (الخ) بھی رب کا کلام ہے۔ یہ کلام فرعون نے کانوں سنا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک زبردست لہر اٹھی جس نے فرعون کو مع گھوڑے ڈبو دیا اور پھر لاش کو پانی نے دوسرے کنارے جہاں بنی اسرائیل خوف زدہ اسی تذبذب میں کھڑے ہوئے تھے کہ نہ معلوم فرعون ڈوبا یا نہ وہیں لاش کو پھینکا تب بنی اسرائیل کا خوف ختم ہوا۔ دریا میں سے صرف فرعون کی لاش ہی نکلی تھی اس لئے کہ اسی کو نشانِ عبرت بنانا مقصود تھا۔ بنی اسرائیل اس لاش کو چھوڑ کر چلے گئے بعد میں دیہاتی لوگوں نے اس کو اٹھا کر بستی میں چھپایا اب تک مصر کے عجائب گھر میں یہ بحفاظت موجود ہے۔ ہمارے شہر کے بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ فرعون کی عمر چار سو نو سال ہوئی لیکن روح البیان نے صرف چار سو سال لکھی۔ تین سو سال اس نے مصر پر حکومت کی۔ بعض اسرائیلیات میں لکھا ہے۔ کہ کبھی کبھی خاص مصیبت کے وقت وہ خفیہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا تھا۔ اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتا تھا مگر یہ صحیح نہیں وَاِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ۔ اور بے شک بہت سے انسان ہمارے نشانوں سے غافل ہیں کلی طور پر نہیں بلکہ کثرت گمراہوں کی ہے ناس سے مراد بعض کے نزدیک صرف کفار ہیں اور چونکہ دنیا میں ابتداء سے اب تک کفار کی کثرت رہی ایمان والے ہمیشہ ہی تھوڑے رہے اس لئے صرف کفار کو بھی کثیر فرمایا گیا۔ لیکن میرے نزدیک ناس میں گناہ گار مسلمان بھی شامل ہیں کیونکہ گناہ کا ارتکاب غفلت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ آیات سے مراد کتبِ آسمانی اور انبیاء کرام بھی ہیں (ابن عباس) کہ یہ بھی نشانِ قدرت ہیں بلکہ ذاتِ نبی علیہ السلام عظیم نشان ہے۔ نشان ہمیشہ واضح ہوتا ہے جس کو ہر شخص چھوٹا بڑا عاقل عالم۔ امیر غریب اپنا پرایا سمجھ لے اور سمجھ کر بھولنا غفلت ہے یعنی بہت سے لوگ شانِ نبی کو جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو جاتے ہیں اسی لئے مثل فرعون طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی غفلت یہ ہے کہ نماز کی فکر نہ روزوں کی پرواہ نہ ظاہر کی درستی نہ باطن کی صفائی۔ نہ رات کی فریادیں نہ سحر کی آہ وزاری حالانکہ بقول ڈاکٹر صاحب

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو ؎ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

ہماری نہ زبان محفوظ نہ دل قابو میں۔ اللہ تعالیٰ ہی غفلت کے دبیز پردوں سے نکالنے والا ہے۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے اس لئے وہاں ان کے لئے فرمایا گیا وَرَافِعُكَ اِلَيَّ لفظ کَ جسم اور روح دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور جسم مع روح زندہ شخص کو ہی کہا جاتا ہے تو ترجمہ ہوا اے عیسیٰ ہم تم کو زندہ اپنی طرف اٹھانے والے ہیں۔ یہ فائدہ بِبَدَنِكَ سے حاصل ہوا دیکھو فرعون کا صرف جسم بچایا گیا تو اس لئے نُنَجِّيكَ کے ساتھ بِبَدَنِكَ کی قید لگا دی۔ اگر بقول قادیانی وعیسائی صرف نعشِ مسیح بغیر روح۔ بعد وفات اٹھانا مراد ہوتا تو یہاں بھی بدن کی قید لگ جاتی ضمیر مخاطب لفظِ کَ کا اطلاق بتا رہا ہے کہ حضرت مسیح زندہ اٹھائے گئے اور مرزائیوں کی بات قطعاً غلط ہے۔ **دوسرا فائدہ** قرآن کریم کی سچائی وحقانیت۔ عقلاً نقلاً تجربے اور

تاریخ ہر لحاظ سے ثابت ہے اور اس کی خبریں آج کے تجربے سے بھی ثابت ہو رہی ہے" فائدہ ٹیکنیک سے حاصل ہوا۔ بائیبل کی کتاب خروج میں فرعونِ مصر کا تمام واقعہ درج کیا گیا مگر وہاں نہ تو فرعون کی ڈوبتے وقت توبہ کا ذکر ہے نہ فرعون کی لاش کے بچانے کا تذکرہ ہے کسی اسرائیلی کتاب میں یہ نہیں۔ لیکن نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر پڑھے لکھے ہوتے ہوئے بھی اس وحی میں بدنِ فرعون کا تذکرہ فرمایا حالانکہ نبی کریم نے مصر کا سفر کبھی نہ فرمایا نہ اس کی نعش کو دیکھا آج دنیا کے سیاح اِس لاش کو دیکھ کر زبانِ انصاف سے حقانیتِ قرآن کی گواہی دے رہے ہیں۔ اور یہود ونصاریٰ کا یہ الزام کتنا خبیثانہ ہے کہ مسلمانوں کے نبی نے انجیل زبور سے خبریں لے کر قرآن بنایا (معاذ اللہ) اے یہود ونصاریٰ کہاں ہے تمہاری بائیبل دکھاؤ فرعونِ مصر کی میت کی حفاظت کا ذکر کہاں لکھا ہے۔ حالانکہ اس حقیقۃً قرآن کریم کو تمہاری بھی عقلِ سلیم جھٹلا نہ سکی۔ بلکہ مجھ کو گمان غالب ہے کہ اب موجودہ نئی انجیلوں میں کچھ اچھی باتیں قرآن سے چوری شدہ ہیں **تیسرا فائدہ** برے کام کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ دیکھو فرعون نے تین سو سال ہر قسم کی برائی کے بیج بوئے تاکہ اس کی حکومت وسلطنت قائم رہے مگر اس کا انجام کیا ہوا۔ ! قیامت تک دور کی لعنت وپھٹکار۔ اِس واقعہ سے ہر شخص کو عبرت پکڑنی چاہیے خاص کر سلاطین۔ حکام۔ وامراء کو

اعتراضات

اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں **پہلا اعتراض** انسان جب ڈوب جاتا ہے تو اس کے منہ سے بات نکل ہی نہیں سکتی تو یہاں اَدۡرَكَهُ الۡغَرَقُ کے بعد کیوں کہا گیا کہ قَالَ اٰمَنۡتُ فرعون نے کہا میں ایمان لایا (کبیری)

جواب! یہ کلام غرق ہونے کے بعد کا نہیں بلکہ غرق کے ابتدائی مراحل کا ہے یا یہ کلام اس وقت کا ہے جب اس نے اپنی قوم کو غرق ہوتے دیکھا اور اپنے بچنے کی صورت بھی نظر نہ آئی۔ یہ بات کرتے کرتے آدھا ڈوب گیا منہ تک پانی آتے آتے یہ کلام وجواب مکمل ہو گیا تھا۔ کیونکہ ڈوبنے میں کچھ دیر ضرور لگتی ہے **دوسرا اعتراض** فرعون نے تین دفعہ اپنے ایمان کا اظہار بیک زبان کیا۔ پہلے قَالَ اٰمَنۡتُ سے پھر اَلَّذِيۡۤ اٰمَنَتۡ بِهٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِيۡلَ سے پھر وَاَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ۔ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے تو اب اس کا ایمان کیوں نہ قبول فرمایا (دمرئے وآسیے) جواب۔! تفسیر کبیر میں امام رازی نے اس کی چند وجہیں بیان فرمائیں کہ فرعون کا ایمان نہ قبول ہونا یا اس لئے ہے کہ عذاب کے نزول کے وقت کی توبۂ کفر معتبر نہیں۔ فرعون پر عذاب شروع ہو گیا تھا لہذا اب ایمان لانا نامقبول ہوا۔ دوسری یہ ہے کہ فروعی مسائل میں تو تقلید ہونی ضروری ہے مگر ایمان وعقائد میں تقلید منع ہے۔ فرعون نے اپنے ایمان میں بنی اسرائیل کی تقلید کی اور کہا کہ میں اس معبود پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ گویا کہ اپنی معرفت کا انکار کرتا ہے کہ میں تو اس کو نہیں جانتا صرف بنی اسرائیل کی دیکھا دیکھی ایمان لا رہا ہوں۔ لہذا یہ ایمان مردود ہوا تیسری وجہ یہ ہے کہ اُس کا اِس وقت ایمان لانا خلوص وپر مبنی نہ تھا عذاب سے ڈر کر اور حسبِ سابق عذاب سے بچنے کے لئے ایمان لا رہا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے قبولیت نہ ہونے کی کہ بنی اسرائیل ابھی اکثر لوگ کامل مومن نہ بنے تھے صرف قومیت کی بنا پر حضرت موسیٰ نے شامل فرما لیا تھا۔ ناقص ایمان بارگاہِ خدا میں قبول نہیں فرعون نے اپنے ایمان کو ناقص ایمان سے مشابہت دی لہذا قبول نہ ہوا۔

تیسرا اعتراض یہاں تو بقولِ امام رازی ایمانِ فرعون اس لئے قبول نہ ہوا کہ اُس نے ایمان میں بنی اسرائیل کی تقلید ومشابہت

کی لیکن جادوگروں نے ایمان لاتے وقت اس طرح کہا تھا اٰمَنَّا بِرَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ہم موسیٰ و ھارون علیہما السلام کے
رب پر ایمان لاتے ہیں۔ وہاں تقلید ہی تھی فرق صرف یہ ہے کہ یہاں اللہ ہے وہاں رب۔ یہاں بنی اسرائیل وہاں موسیٰ و ھارون۔
یہاں فرعون وہاں جادوگر کافر۔ جواب۔ قانون شریعت میں ایمان وہ معتبر ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ہو۔ جادوگروں نے
رب تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام دونوں کا نام لیا تھا اس لئے قبول ہوا لیکن فرعون صرف اللہ پر ایمان لایا اس کا نبوت پر ایمان قطعًا
ثابت نہ ہوا رَبِّ موسیٰ کا مطلب ہے کہ موسیٰ کے بتائے ہوئے رب پر۔ جس سے نبی کے وسیلے سے ایمان کا ثبوت ہوا لہٰذا قبول ہو
گیا۔ یہاں یہ بات نہیں اس لئے نامقبول۔ چوتھا اعتراض حضرت جبریل نے فرعون کے منہ میں خاک کیوں ڈالی۔ ایمان سے روکنا تو
بری بات ہے پھر یہ رب کے حکم سے ہوا یا اپنی مرضی سے اگر حکم ربی سے خاک ڈالی۔ تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کو قولِ لیّن (نرم بات) کرنے
کا حکم فرما رہا ہے۔ یہاں کیوں سختی کا حکم ہوا اگر اپنی مرضی سے جبریل امین نے خاک ڈالی تو اس آیت کے خلاف ہے۔ کہ وَمَا نَتَنَزَّلُ
اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ ہم آپ کے رب کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں جواب سچے اور باخلاص ایمان سے روکنا منع ہے۔ جبکہ حالت
اختیاری میں ہو لیکن حالتِ نزع کا ایمان چونکہ معتبر ہی نہیں اس لئے اس سے روکنا برا نہیں۔ پھر حضرت جبریل نے اس دشمنِ انبیاء و مومنین
اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو فریاد و گڑگڑانے سے روکا تھا کہ کہیں اس پر رحم نہ ہو جائے اور ڈوبنے سے بچ نہ جائے اس لئے خاک
ڈالی تھی۔ اور یہ ان کا اپنا کام تھا نہ کہ بحکمِ رب۔ ملائکہ و جبریل کا نزول حکم ربی سے ہوتا ہے۔ نازل ہو کر پھر اپنے اختیار سے بھی کام کر
سکتے ہیں۔ کفار پر نرمی بھی اس وقت جائز ہے جب ان کو تبلیغ مقصود ہو اسی لئے حضرت موسیٰ کو نرمی کا حکم ہوا کہ وہ وقت تبلیغ تھا لیکن
سخت کافر پر سختی کا حکم ہے۔ جیسا کہ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ سے ثابت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حق میں زور ہوتا ہے مگر باطل میں خس شور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حق کے ساتھ صدق و سچائی ہے اور باطل کذب میں ہے اس دنیا و دون سے سب کا گذر ہے۔ اس عالمِ ناسوت میں جب اہلِ دل کا گذر ہوتا ہے تو بوجہ صدق بکمال خیریت معرفتِ الٰہی کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور رہبرِ کامل کے دامنِ تسلیم و رضا سے وابستہ رہ کر منزلِ مراد کو پاکر نفسِ فرعونی سے بچ جاتے ہیں۔ اھل اللہ دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے بچے رہتے ہیں وہ دنیا میں آتے ہیں مگر دنیا اُن میں نہیں آتی بخلاف اھلِ باطل و طالبِ نفس و ہوا کہ دنیا اُن میں اجاتی ہے۔ اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است ٭ آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

عالمِ لاہوت کے مسافر رضارِ یار سے دنیا میں آتے ہیں اور دنیا میں رضارِ یار کو تلاش کرتے چلے جاتے ہیں نہ ان کو کچھ فکر ہے نہ ڈر
دنیا کے پرستار دنیا کے لئے ہی غرور و تکبر سے دنیا میں آتے ہیں اور ہلاکت پر چیخ پڑتے ہیں پھر ان کو کون سنبھالے۔ صوفیا کرام
فرماتے ہیں کہ اھل دنیا کی ہر حالت اھل اللہ کے لئے نشانِ عبرت ہے۔ اُن کی فنا اُن کی بقا اُن کی موت ان کی زندگی ان کی امیری
ان کی غریبی اور راہ طریقت کے سالک ہی اس سے استفادہ کرتے ہیں مگر یہ عرفا بہت کم ہیں۔ اکثریت ان کی ہے جو غفلت میں
پڑے ہوئے ہیں انجام سے بے خبر ہو کر فرعونِ نفس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت پر مرمٹتے ہیں اللہ والوں کا پیچھا

کرتے ہیں مگر اطاعت کے لئے نہیں بلکہ ان پر لعن طعن کرنے کے لئے اور ان کو ستانے کے لئے یہ سب کچھ محض ان کی غفلت کی بنا پر ہوتا ہے یہ غفلت ہی وہ ناسور ہے جو غافل کو کہیں کا نہیں چھوڑتی نہ اس کو دین کا ہوش رہتا ہے نہ عقل کا۔ نہ اللہ کا نہ رسول کا۔ بلکہ حالت یہ ہو جاتی ہے۔ شعر

دن عیش میں کھونا تھے اور رات بھر سونا تھے　　　خوفِ خدا شرمِ نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ
اور البتہ بیشک ٹھکانہ دیا ہم نے قوم اسرائیل کو ٹھکانہ سچائی کا　اور رزق دیا ہم نے
اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو عزت کی جگہ دی اور انہیں ستھری روزی
الطَّیِّبٰتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اِنَّ رَبَّكَ
ان کو سے حلال پاک چیزوں پس نہ اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آگیا ان کو علم بیشک رب
عطا کی　تو اختلاف میں نہ پڑے مگر علم آنے کے بعد　　بے شک تمہارا
یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (۹۳)
تعالیٰ آپ کا درمیان ان کے فیصلہ فرما دے گا دن قیامت میں اس کے۔ جھگڑا کرتے
رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس بات میں جھگڑتے تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پہلی آیات میں اس چیز کا ذکر تھا کہ بنی اسرائیل نے ہم کو چھوڑ کر دنیا داروں فرعونیوں کا سہارا پکڑا تو ان دنیا داروں نے ان کو ذلیل وخوار کیا اب فرمایا جارہا ہے کہ جب صحبت پاک موسوی سے انہوں نے ہم سے تعلق جوڑا تو ہم نے ان کو دنیا جہان میں سچی عزت بخشی **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرعونیوں اور باطل پرستوں کی بیہودہ زندگی کے انتہائی دور کا ذکر تھا اس آیت میں بنی اسرائیل کی شاندار زندگی کی ابتداء کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ ہم نے فرعون کو دنیا کی عزت دی تو وہ بجائے شکر کے سرکش ہوا پھر اس کا انجام دنیا نے دیکھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اے اسرائیلیو تم بھی عزت دولت پاکر تعلیم انبیاء کرام بھول کر ہم سے سرکش ہوتے جارہے ہو بس اپنا بھی انجام سوچ لو اور بندے بن جاؤ۔ ورنہ قیامت سے کسی کو فرار نہیں۔

تفسیر نحویانہ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ ۔ واؤ سر جملہ ہے کیونکہ یہ نیا کلام ہے وَلَقَدْ بَوَّاْنَا ماضی قریب ہے لام نے تاکید پیدا کی بَوَّاْنَا سے مشتق ہے اجوف واوی اور مہموز اللام ہے اس کا لغوی ترجمہ

کسی کو اتارنا اس کے فاعل کا مرجع ذات باری ہے۔ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ یہ مفعول بہ ہے بَوَّاْنَا کا مُبَوَّاَ بُوْءٌ سے بنا ظرف مکان ہے اس لئے زیر والا ہے۔ بعض نے کہا یہ مصدر میمی ہے اور مضاف الیہ ہے اس کا مضاف لفظ مکان محذوف منوی ہے۔ صِدْقٍ۔ مُبَوَّ کا مضاف الیہ ہے۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اصل صادقٌ کے معنی میں ہے وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ۔ واؤ عاطفہ ہے پچھلا جملہ معطوف علیہ ہے رَزَقْنَا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ رِزْقٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی ہر نفع والی چیز (مجمع البحار) خواہ روحانی نفع ہو جیسے نماز روزہ یا جسمانی جیسے غذاء حلال۔ ھُمْ سے مراد یہی بنی اسرائیل ہیں مِنْ بعضیت کا ہے طیبات طَیِّبٌ کی جمع ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے حلال فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَھُمُ الْعِلْمُ۔ فَ تعقیبیہ اور مَا نافیہ ہے اِخْتَلَفُوْ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ فعل ماضی مطلق باب افتعال۔ اختلاف خَلْفٌ سے مشتق اس کا لغوی ترجمہ ہے پیچھے رہنا۔ اسی سے ہے خلاف۔ خلاف اور اختلاف میں بہت طرح فرق ہے۔ اس کا ذکر تفسیر عالمانہ میں ہوگا۔ حَتّٰی۔ انتہا کے لئے آتا ہے یہاں بمعنی اِلَّا ہے اس نے ماقبل کی نفی کو ختم کیا اور یہاں نا اختلافی کو ختم کر کے اختلاف شروع ہونے کو بیان کیا۔ جَآءَ جیئۃٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے قریب ہونا۔ آنا بھی قرب سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جَآءَ آنے کے معنی میں مستعمل ہے خواہ قدم اور حسی آنا ہو۔ یا روحانی یا فہم و ادراک میں یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ ھُمْ سے مراد یہودی بنی اسرائیل۔ اَلْعِلْمُ الف لام عہد ذہنی ہے۔ علم کے معنی لغتاً جاننا۔ یہاں بمعنی معلوم ہے۔ اگر جَآءَ کا پہلا معنی لیا جائے تو علم سے مراد معلوم بہ ہوگا اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ اِنَّ تحقیق و توکید کے لئے ہے۔ رَبَّكَ لفظ رب کی نسبت کَ ضمیر کی طرف ہے اور ضمیر واحد مذکر حاضر سے مراد نبی کریم ہیں اس میں اظہار شان مصطفٰے ہے یقضی۔ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے۔ بَیْنَ بمعنی درمیان منصوب ہے ظرفیۃ مکانی کی بنا پر اس کا مضاف الیہ ھم ضمیر جمع غائب سے مراد سب بنی اسرائیل ہیں کافر اور مومن یوم سے مطلق وقت مراد ہے اگرچہ اس کے حقیقی معنی ظہور آفتاب کا وقت ہے۔ اَلْقِیٰمَةِ۔ لفظِ قیامت قَوْمٌ سے مشتق ہے اس کا ترجمہ ہے کھڑا ہونا۔ ت مصدری ہے۔ جیسے کتابت طباعت وغیرہ قیام بروزنِ فِعَال خود بھی مصدر ہے مگر تاءِ مصدریہ نے مبالغہ پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ اس دن بہت دراز کھڑا ہونا ہے۔ اللہ کریم ہماری مشکل اپنے حبیب کے صدقے سے حل فرمائے۔ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ فِیْ جار یقضی کے متعلق ہے، مَا موصولہ مابعد کا پورا جملہ اس کا صلہ ہے۔ کَانُوْا ماضی استمراری کا ہے۔ دراصل کَانُوْا یَخْتَلِفُوْنَ تھا فیہ نے فاصلہ کر دیا جس سے تاکید کا فائدہ ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ اور البتہ بے شک ہم نے نازل کیا ہمیشہ بنی اسرائیل کو سچے اور اچھے مقامات پر۔ یہ جملہ نیا ہے۔ اس میں غرقِ فرعونی سے تا نزولِ قرآن کریم مختصر مگر جامع تاریخِ بنی اسرائیل اور اسرائیلی تہذیب و تمدن کی طرف اشارہ مل رہا ہے۔ کہ دورِ فرعونی میں تو ان پر غلامیت جاری تھی مگر غرقابی کے بعد سے اب تک دنیا کی عظیم سلطنتیں حکومتیں سرداریاں اور دولتیں اِن ہی بنی اسرائیل کے ساتھ رہیں مُبَوَّاَ صِدْقٍ کا معنی ہے ہر لحاظ سے اچھائی اور بہتری کا مقام اہلِ عرب کا طریقہ ہے کہ جو چیز ان کو خوبصورت اور فائدہ مند معلوم ہو اس کے

تعریف کرنے میں لفظ صدق استعمال کرتے ہیں۔ اسی رواج کے مطابق قرآن کریم میں بھی بہت جگہ لفظ صدق ارشاد ہوا۔ ایک جگہ تو یہ ہی دوسری جگہ ارشاد ہے رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ۔ یعنی اے رب کریم مجھ کو۔ مقامِ صدق اچھی جگہ میں مقیم فرما۔ اور اچھی جگہ کی طرف ہی خروج ہو۔ یا اچھے طریقے سے نکال۔ بنی اسرائیل پر یہ انعامات محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا۔ اسی لئے یہاں اِس کا ذکر ہوا وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ۔ اور ہم نے ان کو رزق حلال اور پاک رزق عطا فرمائے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ طیّب کے معنی ہیں حلال۔ اور یہی صحیح تر ہے (منجد صـ۴۹۵) اور بعض نے کہا کہ طیبے سے مراد لذیذ اشیاء ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ لذت صرف کھانے پینے میں ہوتی ہے حالانکہ رزق عام ہے ہر مستعمل چیز کو لہٰذا حلال مراد لینا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ یہ عام ہے اور پھر اس کی تائید حدیث پاک سے بھی ملتی ہے چنانچہ حدیث پاک کی کتاب ابن ماجہ صـ۲۳۴ پر ہے کہ مشہور کوا جو گھروں پر منڈلاتا ہے۔ وہ حرام ہے۔ اس حرمت کے لئے بھی لفظ غیر طیب استعمال ہوا۔ ارشاد ہے وَقَدْ سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسِقًا۔ وَاللّٰهِ مَا هُوَ مِنَ الطَّيِّبَاتِ۔ یعنی نبی کریم علیہ السلام نے کوّے کا نام فاسق (موذی) رکھا اللہ کی قسم یہ حلال جانوروں میں سے نہیں۔ موذی اور نقصان دہ صرف یہی کوا ہے جو گھروں سے چیزیں بچے پیلے اٹھا کر لے جاتا ہے اور یہاں طیب سے مراد لذیذ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی دیگر گوشتوں کی طرح گوشت ہے اگر عمدہ پکا کر کھلایا جائے تو لذت یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہابیوں نے ۷/۸/۲ کو سلانوالی میں خوب دعوت کر کے کوّے کھائے (حوالہ نوائے وقت اخبار ۷ اگست ۱۹۷۶ء) صرف وہابی ہی اس کو حلال کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے اس کی حرمت ثابت (دیکھو فتاویٰ العطایا احمدیہ) دنیا میں سب سے بڑی نعمت حلال طیب روزی ہے۔ جس کو یہ میسر وہ دین و دنیا میں خوش قسمت ہے۔ خیال رہے کہ رزق کی حلت و حرمت بندے کے اپنے فعل سے متعلق ہے۔ بندے ہی کے عمل سے روزی حلال ہو جاتی ہے اور بندے کے ہی فعل سے رزق حرام ہو جاتا ہے۔ مثلاً سود۔ رشوت۔ جس نے لیا۔ دیا ہے اس کے لئے ہی حرام حلال ہے اور وہی بدترین و گناہگار ہوگا۔ دوسرا شخص خرید کر یا ہدیۃً یا اجرت میں سودی چیز لے لے تو اس کے لئے حرام نہ ہوگا فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ۔ پس نہ اختلاف کیا انہوں نے کسی بات میں مگر جب آگیا ان کو علم۔ یہ ان کی ناشکری کا ذکر ہے اختلاف سے مراد دینی فرقہ وادی کا جھگڑا ہے یہاں اختلاف کے ابتدا کی بات ہے جس سے ثابت ہوا کہ پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اب اس میں اقوالِ مفسرین مختلف ہیں کہ پہلے کیا تھے۔ جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ دورِ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر بعثتِ ختم المرسلین تک تمام نبی بنوت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قائل تھے بلکہ متفقاً منتظر تھے۔ اور آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تو قبول ہوتی تھیں۔ لیکن جب سراپاِ علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے تو بعض نے انکار کر کے آپس میں اختلاف کر لیا۔ بعض نے کہا یہ اختلاف نبی کریم کے بارے میں نہ تھا۔ بلکہ اپنے دین ایمان و کفر میں اختلاف تھا کہ کچھ کافر ہو کر شریعتِ موسیٰ علیہ السلام سے پھر گئے اور کچھ مومن رہے (معانی) علامہ طبری نے فرمایا کہ سب اسرائیلی پہلے کافر ہو گئے تھے اور سب نے ابن اللہ کا عقیدہ بنا لیا تھا بعثتِ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کچھ یہودی آپ پر ایمان لے آتے جس سے ان میں دو مختلف

گروہ بن گئے۔ مگر ہمارے نزدیک پہلا قول معتبر ہے کہ مقصد کلام اسی طرف راغب۔ اس آیت پاک میں اگرچہ اِخْتَلَفُوْا ہے مگر مراد خلاف ورزی ہے۔ قانونِ فقہ میں اختلاف اور خلاف میں چند طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ اختلاف وہ ہے کہ راستہ جدا جدا مگر منزل ایک ہی جیسے کہ شریعت کے چار سلسلے اور طریقت کے چار راستے۔ خلاف وہ ہے کہ راستے بھی جدا اور منزل بھی جدا۔ جیسے کہ اسلام کے دیگر فرقے وہابی۔ معتزل۔ خارجی۔ رافضی وغیرہ کا خلاف اہل سنت کے ساتھ۔ دوسرا فرق یہ کہ اختلاف فروعی مسائل میں اور خلاف اصولی مسائل میں ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ اختلاف نظریات میں ہوتا ہے اور خلاف عقائد میں ہوتا ہے اس آیت میں یہ ہی مراد ہے۔ اور اختلاف سے مراد مخالفت ہے۔ حتّٰی اس لفظ نے اختلاف کی ابتداء کا ذکر کیا جَآءَ اس کا حقیقی ترجمہ ہے دور سے کسی چیز کا نزدیک ہونا۔ یہاں حقیقی معنٰی میں ہی ہے۔ ھُمْ سے مراد موجودہ اسرائیلی ہیں یا جنس بنی اسرائیل اَلْعِلْمُ جمہور فرماتے ہیں کہ علم سے مراد قرآن کریم ہے بعض نے کہا توریت وانجیل اور آنے سے مراد مجازاً۔ پڑھنا سمجھنا ہے (بیان) لیکن ایک قوی احتمال یہ بھی ہے کہ اس علم سے مراد خود نبی کریم کی ہی ذات مقدسہ ہو۔ اوّلاً اس لئے کہ کفار کا اختلاف نبی کریم کے بارے میں ہی تھا دوم اس لئے کہ لفظِ جَآءَ کا حقیقی معنٰی نبی پاک علیہ السّلام سے ہی متعلق ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں جَآءَ اور اُرْسِلَ بَعَثَ وغیرہ الفاظ انبیاءِ کرام کے لئے ہی مستعمل ہیں قرآن کریم اور دیگر کتب سماوی کے لئے اَنْزَلَ اُنْزِلَ جیسے لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ سوم اس لئے کہ آیات سے ثابت ہے کہ نبی کریم سببِ علم ہیں چنانچہ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ والی آیت بھی یہی ثابت کر رہی ہے اور مشہور اصطلاح میں سبب کو مسبّب کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے متعلق یہ بات کسی آیت سے ثابت نہیں۔ چہارم اس لئے کہ پہلے سب بنی اسرائیل نبی اکرم کو جانتے مانتے تھے اور عقائد بالکل یکساں تھے جب نبی کریم تشریف لائے تب بعض کو حسد لگا اور یہ حسد یہودیوں کو ولادت پاک سے ہی شروع ہو گیا تھا نہ کہ نزول قرآن سے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔ بے شک آپ کا رب ان جھگڑالوؤں کے درمیان قیامت کے دن سچا فیصلہ فرمائے گا۔ اس طرح کہ دنیا میں تو ہر شخص ہر قوم ہر دین والا کہتا پھرتا ہے کہ میں سچا۔ یہاں کوئی خاص نشان معین نہیں جس کے ذریعے کھرے کھوٹے کی پہچان ہو کیونکہ یہ دار الجزا نہیں بلکہ دار العمل و دار الاختیار ہے یہاں پردہ پوشی بھی ہے اور ڈھیل بھی۔ آخرت دار الجزاء ہے وہاں عذاب اور ثواب اس لئے وہاں تفریق ضروری ہے۔ وہاں ایسا مضبوط فیصلہ ہوگا کہ جھوٹا خود اپنے کو جھوٹا کہے گا۔ بینھم میں ھُمْ ضمیر کا مرجع اگرچہ صرف بنی اسرائیل ہی ہیں مگر مراد سارے کافر ہو سکتے ہیں کیونکہ قیامت میں سب کفار ومسلمان کا فیصلہ ہوگا۔ کہ ہر نیک وبد۔ صدیق وزندیق کا مقام ودرجہ علیحدہ ہوگا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** تمام عزتیں اللہ رسول کی طرف سے میسّر ہیں اگرچہ ویسے جداگانہ ہوتے ہیں یہ فائدہ مِنَ الطَّيِّبٰتِ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** حلال روزی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگرچہ ٹاٹ کا لباس۔ رہائش کی جھونپڑی۔ اور کھانے کی چٹنی ہو۔ حرام غذا و اشیاء سے بچنے والا ہی بندۂ مومن اور ولی اللہ ہے یہ فائدہ مِنَ الطَّيِّبٰتِ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** دینی امور میں خلاف تو ہر لحاظ سے منع ہے مگر برائے استفادہ اور خلوص

قلبی اختلاف جائز ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق۔ خلاف اور اختلاف دونوں حرام ہیں۔ اللہ کریم نے کسی بشر کو اجازت نہ دی کہ اپنے عقلی جھگڑوں میں سرور کونین کو محور بنایا جائے۔ اسلام میں ہمیشہ بہت فرقے جنم لیتے رہے اور مجادلے مناظرے مکالمے ہوتے ہی رہے مگر صرف اسلامی باتوں میں۔ نبی کریم کے بارے کبھی کسی فرقے نے زبان درازی یا گستاخی نہ کی تھی گستاخیِ رسول اللہ کی ابتدا اسی موجودہ دور کے فرقہ باطلہ خبیثہ وہابیہ نے کی۔ اللہ ان کو خائب و خاسر کرے **چوتھا فائدہ** دنیائے دون میں باطل کا عروج دلیلِ حقانیت نہیں کیونکہ فیصلہ تو آخرت میں ہونا ہے۔ یہ فائدہ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** جھگڑا اور اختلاف صرف کفر واسلام کا ہے۔ اسی کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ کفریہ دینوں کے اعمال افعال واقوال وعقائد کا آپس کا اختلاف شرعاً کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ کفر سب ایک ہی ملت ہے یہ فائدہ يَخْتَلِفُوْنَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا رَزَقْنٰهُمْ ہم نے ان کو رزق دیا۔ حالانکہ دنیاوی رزق تو کسبِ انسانی کے اختیار میں ہے۔ پھر نسبت الی اللہ کیوں ہے۔ اگر کسبِ انسانی سے نہ مانا جائے تو حرام بھی رزق ہے وہ کون دیتا ہے۔ رزقِ حرام کی نسبت اللہ پاک کی طرف کرنا عین بے ادبی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نیک بندے حلال کمائی کرتے ہیں اور برے آدمی حرام روزی کماتے ہیں۔ پس یہ انسان کا اپنا فعل ہے اور حصول رزق خود انسان کرتا ہے۔ تو رَزَقْنٰهُمْ کی نسبت کس وجہ سے ہے۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ رزق ملنا تین طرح سے ہے ایک عطاءِ رزق دوسرا حصول رزق تیسرا ذریعہ رزق عطاء رزق محض فضل ربی ہے جس میں کسی بندے کے کسب کو دخل نہیں حصول رزق بندے کی ہمت پر موقوف ہے ذریعہ رزق بندے کا کسب اور تمام وسیلے ہیں کسی کا کسی کو کچھ دینا محض ذریعہ ہے عطا اسی پروردگار عالم کی طرف سے ہوتی ہے۔ اگر عطاءِ رزق بالوسیلہ ہو تو صفت رازقیت ہے اس وجہ سے رب تعالیٰ کو رازق کہا جاتا ہے یہ صفت غیر خصوصی ہے دوسروں کو بھی رازق کہا جا سکتا ہے اور اگر عطا بلا وسیلہ ہو تو صفت رزاقیت کا ظہور ہے اب رب تعالیٰ کو رزاق کہا جاتا ہے۔ یہ صفت خصوصی ہے کسی اور شخص کو رزاق کہنا گناہ ہے۔ یہاں رزقنٰہم کی نسبت سے یہی مراد ہے اب بندہ اگر حصول رزق کیلئے بحکم نفس امارہ کسب کرے تو حرام روزی میسر ہوگی اور اگر نفس مطمئنہ کے ذریعہ راہ حلال اختیار کرے تو طیب رزق ملیگا بذات خود کوئی رزق حرام نہیں بندے کے غلط طریقے اسکو حرام کر دیتے ہیں۔ دوسرا جواب اس طرح ہے کہ رازق اللہ کریم ہے۔ باقی ذریعے۔ عارضی اور مجازی ہیں یہاں حقیقت کا ذکر ہے لہذا نسبت سے **دوسرا اعتراض** اس آیت پاک میں مِنَ الطَّيِّبٰتِ کے لفظ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو طیب رزق دیتا ہے کسی کو حرام اور یہ بھی پتہ لگا کہ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی اور دونوں کا رازق اللہ ہی ہے تو پھر حرام خوروں کی برائی کیوں؟ کہ وہ بھی اسی کی عطا ہے۔ **جواب** یہ اعتراض تب وارد ہوتا جب یہاں مِنْ تبعیضیہ ہو۔ حالانکہ یہاں۔ حرفِ مِنْ بیانیہ ہے۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم نے اُن کو طیب رزق ہی عطا فرمایا۔ اور حرام سے بچایا۔ خیال رہے کہ رزق ہر نفع والی چیز کو کہتے ہیں اور حرام میں نفع نہیں ہوتا بلکہ جسمانی یا روحانی نقصان ہی ہوتا ہے۔ روپیہ پیسہ وغیرہ بذاتہٖ حرام نہیں اس کی حرمت لغیرہٖ ہے جو بندے کے کسب سے ہوئی ہے اس لئے سود وغیرہ کا پیسہ فقط سود خوار پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو طیب ہی عطا فرماتا ہے مگر بدکار لوگ اس کو گندا کر لیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ جب مومن خشوع قلبی وخلوص ومحبت سے اتباع نبوت میں اللہ کی ذات میں مشغول ہوتا ہے تو رب تعالیٰ بطفیل نبی کریم علیہ السلام بندے مومن کو مقام صدق عطا فرماتا ہے۔ اس مقام میں بقا کا رزق میسر ہوتا ہے جس سے معرفت روحانی کے سوتے پھوٹتے ہیں یہی ابدی رزق طیب ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِهٰذَا الرِّزْقِ۔ چمن معرفت کی اس بہار سے پہلے ہر نفس اس بہار کا متمنّی ہوتا ہے مگر جب اکرم الاکرمین اپنے کرم ازلی سے علم لدنّی عطا فرما دیتا ہے تو نفس امارہ اپنی سرکشی سے نفس مطمئنہ سے ہر طور مخالفت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ اب نفوس قدسیہ کا ہی عروج ہے مگر ہر وقت اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ میری سرداری اور حکومت قائم ہو۔ میری ہی سچائی کا گن گایا جائے۔ اس لئے باطل اپنے آپ کو ہی درست سمجھتا ہے۔ اہل دنیا تو اس کے جھانسے میں آجاتے ہیں۔ اس لئے کہ اس عالم فانی میں حق وباطل کا کوئی امتیازی نشان نہیں مگر اللہ والے جانتے ہیں کہ اگرچہ عذاب وثواب کا کوئی نشان یہاں ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ایسا فیصلہ بذریعہ عذاب باطل وثواب حق رب تعالیٰ قیامت کے دن ہی فرمائے گا لیکن طریقت الہیہ کا ایک عظیم نشان یہاں بھی موجود ہے جس سے عشق ومعرفت والے بخوبی حق وباطل۔ خبیث وطیب۔ کھوٹے۔ کھرے کا فر ومومن کا فرق محسوس کر لیتے ہیں۔ وہ نشان عشق محمد مصطفٰے ہے اور احترام احمد مجتبیٰ اور اولیاء اللہ کا ادب ہے۔ کہ جس دل میں یہ رزق طیبات موجود ہے وہ اہل حق بنے جس کو اس سے محروم کیا گیا وہ باطل ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ

تو اگر ہو تو میں شک سے اس نازل کیا ہم نے طرف تیری تو پوچھ ان لوگوں

اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان

يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ

پڑھتے ہیں کتاب سے پہلے تجھ سے البتہ بیشک آیا تیرے پاس حق سے

سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں بے شک تیرے پاس

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

رب تیرے تو نہ ہو تو سے شک کرنے والوں اور نہ ہو تو سے ان لوگوں

تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو اور ہرگز ان میں نہ ہونا

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۹۵﴾

جھٹلایا انہوں نے کو آیتوں اللہ ورنہ ہوگا تو سے گھاٹے والوں

جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں بہت دور سے بنی اسرائیل کے تاریخی حالات کا سبق آموز عبرت انگیز ذکر چلا آرہا ہے۔ جن میں کچھ واقعات تو رونما ہو کر نیست و نابود ہو چکے کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ واقعات کے نشان باقی رہے جن کا دیکھ کر مشاہدہ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن جن کے نشان بھی باقی نہ رہے ان کی تصدیق بجز اقوال و عبارات ممکن نہ تھی۔ قرآن کریم میں یہ سب ہی موجود ہیں مگر منکر لوگ یہود و نصاریٰ ان کو ماننے پر تیار نہ تھے اس لئے اس آیت پاک میں حکم دیا جارہا ہے اگر تم لوگ ان قرآنی خبروں میں کچھ شک کرتے ہو تو جاؤ انجیل و زبور کے عالموں سے پوچھ لو یہ بعض واقعات ان کتب میں بھی لکھے ہیں۔ ان زبور و توریت کے جاننے پڑھنے والوں کو اس کے اقرار و تصدیق کے سوا چارہ نہیں یہودی راہبوں سے پوچھنے کی اس لئے دعوت دی گئی کہ قرآن کریم کی طرح انجیل وغیرہ اتنی عام مشہور نہ تھیں جو ہر ایک خود دیکھ کر پڑھ لیتا **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان صفات قدسیہ کا ذکر تھا جو کتب سابقہ میں مذکور تھیں۔ اور بعثت پاک سے پہلے سب اہل کتاب ان کو جانتے مانتے تھے بلکہ اہلسنت والجماعت کی طرح اپنی وعظ و تقریر میں بطور نعت خوانی ان محاسن کا ذکر فرمایا کرتے تھے لیکن جب احمد مجتبےٰ تشریف لے آئے تو یہ یہودی منکر شان رسالت بن گئے بلکہ جو یہودی یا عیسائی حسب سابق نبی کریم کی نعت خوانی یا محفل ذکر منعقد کرتا تو یہ اس کے مخالف ہو جاتے جیسے کہ آج کل دیوبندی وہابی۔ یہاں تک کہ اس چیز کا بھی انکار کر دیتے کہ انجیل توریت میں۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نعت نہیں تھی اس آیت میں اسی شک کا جواب دیا جارہا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا۔ اہل کتاب باوجود ہماری نعمتیں اور رزق پاتے کے پھر ہمارے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہوئے۔ اور دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو عبرت پکڑو۔ تم ایسے شکوک میں نہ پڑنا کہیں تم بھی گھاٹے میں رہو۔

تفسیر نحوی فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ ۔ ف تعقیبیہ ہے۔ حرف اِن شرطیہ ہے۔ مگر زجاج نحوی کہتے ہیں کہ اِن نافیہ ہے اور ان کے نزدیک یہ جملہ شرطیہ نہیں بلکہ خبریہ سالبہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمان پس نہیں ہے تو شک میں اس سے جو تیری طرف نازل کیا ہم نے لیکن مزید قوت یقینی کے لئے تم کو اہل کتاب سے پوچھنے کی اجازت ہے (روح المعانی) لیکن صحیح تر یہ ہے کہ اِن حرف شرط ہے اور مابعد جملہ شرطیہ ہے كُنتَ فعل ماضی كَانَ تامہ سے صیغہ واحد حاضر اس کا فاعل ضمیر کا مرجع عام انسان ہے یا عام مسلمان بعض نے کہا یہ فعل ناقصہ ہے اور لَا حِقْ فِي شَكٍّ سے جڑ کر پوشیدہ خبر ہوگئی یہ بھی احتمال ہے کہ كُنتَ بمعنی صِرتَ ہو۔ تو مطلب ہوگا کہ اگر اب تجھ کو شک

ہو۔ فِیْ شَکٍّ فِی حرف جار لفظ شک کو اسی نے زیر دیا۔ مِمَّآ یہ دو لفظ ہیں مِنْ حرف جارہ مَا اسم موصول اس کا اردو ترجمہ ہے اس سے۔ ما اسم موصول کا صلہ ہے اَنْزَلْنَا پورا جملہ۔ صیغہ جمع متکلم نسبت فاعلی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اِلَیْکَ الیٰ حرف جار کَ ضمیر ہے واحد مذکر حاضر کی۔ اس کا مرجع عام انسان ہے یا عام مسلمان فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ۔ فَ جزائیہ ہے اور اگلا پورا جملہ سابقہ شرط کی جزا ہے۔ اِسْئَلْ بحث امر حاضر معروف ہے ہمزہ گر گئی فا جزائیہ کی بنا پر اس کا فاعل بھی عام انسان یا عام مسلمان ہے یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ۔ یَقْرَءُوْنَ بحث فعل مضارع بمعنی حال۔ صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل۔ بنی اسرائیل کے راھب ہیں۔ اس کا مادہ قَرْءٌ مہموز اللام ہے۔ قَرْءٌ کا لغوی ترجمہ زبان سے پڑھنا ہے مگر یہاں مراد ہے جاننا علم رکھنا۔ اَلْکِتَاب میں الف لام جنسی ہے اور اس سے تمام آسمانی کتب مراد ہیں مِنْ قَبْلِکَ مِنْ حرف جر بیانیہ ہے قبل اسم ظرفی ہے اس کا مضاف الیہ ظاہر ہے اس لئے یہ حالت جر میں کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ہے اس کا مرجع بھی عام انسان ہے لَقَدْ جَآءَکَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔ لام تحقیقیہ اور قَدْ جَاءَکَ ماضی قریب معروف کَ ضمیر واحد مفعول فیہ یعنی تیرے پاس۔ اس کا مرجع بھی عام انسان۔ اَلْحَقُّ میں الف لام عہد ذہنی ہے مراد اس سے قوی تر یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ ہیں مِنْ رَّبِّکَ مِنْ جارہ بیانیہ ہے اس کا معنی طرف سے رَبِّکَ مرکب اضافی الی ضمیر تام ہے فَلَا تَکُوْنَنَّ فَ فائدہ کی ہے لَاتَکُوْنَنَّ فعل نہی با نون ثقیلہ جس سے تاکید کا فائدہ ہوا مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ میں مِنْ بعضیت کا ہے۔ ممترین اسم فاعل صیغہ جمع۔ مِتْرٌ سے مشتق ہے۔ مِتْرٌ کا لغوی ترجمہ ہے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا اور کسی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا ارادہ کرنا۔ دور ہونا جانا رَسّی کھینچ لے جانے کے لئے بھی یہ معنی مستعمل ہیں کیونکہ اس طرح بھی دوری ہوتی ہے (معانی) منجد ص ۷۹۱ اس کا اصطلاحی ترجمہ صرف ابتدائی شک کرنا جو ابھی تکذیب سے دور ہو وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَکُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ حرف واؤ سر جملہ ہے جس سے نئے جملے کی ابتداء ہے لَاتَکُوْنَنَّ نہی با نون ثقیلہ واحد کا صیغہ ہے جیسے کہ پہلے مِنْ یہاں تبعیضیہ ہے اَلَّذِیْنَ حالت جر میں اسم موصول جمع مذکر ہے کَذَّبُوْا بابِ تفعیل کا ماضی مطلق ہے جمع کے صیغہ سے سب کفار مراد ہیں اس کا معنی ہے کسی چیز کا مطلق انکار کرنا یا اس کے وجود کا یا اس کے صفات کا یا نوعیت کا۔ یہاں تینوں معنی شامل ہیں۔ بِاٰیٰت میں بِ زائدہ ہے مگر عمل میں درست ہے کہ مابعد کو زیر دیا آیات کا لغوی معنی نشانی یہاں قرآن و حدیث مراد ہیں یا صفات احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان تمام کی نسبت اللہ کی طرف کرنی بالکل درست ہے کیونکہ قرآن کریم کی طرح فرمودات نبی کریم بلکہ خود ذات محمد مصطفےٰ آیات اللہ ہیں۔ فَتَکُوْنَ۔ فَ تعقیبیہ بیان نتیجہ کے لئے اور اس کا معنی ورنہ تَکُوْنَ مضارع بمعنی مستقبل کَانَ ناقصہ بمعنی صَارَ سے مشتق ہے۔ اس کا اسم اَنْتَ ضمیر کا مرجع وہی عام انسان یا عام مسلمان قیامت۔ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ مِنْ تبعیضیہ ہے اَلْخٰسِرِیْنَ میں الف لام استغراقی ہے۔ خٰسِرِیْنَ اسم فاعل حالت جر میں ہے۔ جمع ہے خَسْرٌ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے ہلاکت۔ جان۔ مال۔ عزت۔ دین ہر قسم کی ہلاکت کو شامل ہے۔

تفسیر عالمانہ | فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ۔ پس اگر تو اے انسان اس کی طرف سے شک میں

ہو جو ہم نے تیری طرف نازل کیا۔ یہاں خطاب عام مسلمان سے ہے نہ کہ نبی کریم سے بعض مفسر کُنْتَ کا فاعل نبی کریم کو تصور کرتے ہیں مگر وہ بھی فرضًا کی قید لگاتے ہیں اور ان کے عقائد میں بھی یہ ہے کہ نبی کریم کا قرآن کریم یا کسی بھی وحی کے بارے شک کرنا محال بالذات ہے جو انبیاءِ کرام کے متعلق شک کرنے کا عقیدہ بنائے وہ شرعًا بے دین ہے۔ میں کہتا ہوں کہ روشِ کلام سے بھی یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں عام مسلمان ہی مراد ہے عقلاً نقلاً نبی پاک کو مراد نہیں لیا جا سکتا اس لئے کہ اگر خطاب معاذ اللہ احمدِ مجتبیٰ کو ہو تو یا فرضی مانا جائے گا یا غیر فرضی۔ اگر فرضی مانا گیا تو غلط کیونکہ فرضی بات میں حکم نہیں دیا جا سکتا بلکہ فرضی کلام کے نتیجے کا ذکر ہوتا ہے مثلاً قرآن کریم فرماتا ہے اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو آسمان اور زمین میں فساد ہو جاتا یا جیسے کہ اگر زید شیر ہوتا تو چیر پھاڑ کر کھاتا مگر اس آیت میں اِنْ کُنْتَ کے بعد فَاسْئَلْ کا حکم دیا جا رہا ہے جس سے واضح ہوا کہ یہ جملۂ شرط فرضی نہیں بلکہ غیر فرضی ہے اور اگر غیر فرضی مان کر پھر نبی پاک ہی مخاطَب مراد لے جائیں تو عین گمراہی۔ کہ محال بالذات ہے لہٰذا صحیح تفسیر یہ ہی ہے کہ یہاں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ اور شک ہونا اگرچہ عیب تو ہے مگر علم والوں کے لئے یہی وجہ ہے کہ انبیاءِ کرام شک سے یکسر منزّہ اور مُبرّہ ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ حضرات اَعْلَمُ الْعَالَمِین ہوتے ہیں۔ لیکن عوام اپنی بے علمی کی بنا پر یقینی باتوں میں بھی شک کر جائیں تو کفر یا گمراہی نہیں اس لئے کہ شک کرنا اپنے بس کی بات نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کافر سے خطاب ہو۔ مگر یہ بات قوی نہیں کیونکہ کُفّار کا شک یقینی ہے وہاں اِنْ کُنْتَ کہنا کچھ غیر مناسب لگتا ہے میری اس تفسیر کی تائید اس حدیثِ پاک سے ہوتی ہے کہ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی تو تمام حاضرین کے سامنے پیارے آقا صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا لَا اَشُکُّ وَلَا اَسْئَلُ یعنی اے قیامت تک کے لوگو یہ نہ سمجھنا کہ یہ خطاب مجھ کو ہے کیونکہ میں تو نہ شک کرتا ہوں نہ پوچھتا ہوں۔ نبی کریم کی اس شان کو خود باری تعالیٰ بھی جانتا ہے تو پھر نبی کریم کو خطاب کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ خطاب نبی کریم کو ہے مگر مراد دیگر لوگ ہیں۔ مِمَّآ اَنْزَلْنَآ سے تمام قرآن مجید مراد نہیں بلکہ قرآن پاک اور احادیثِ مبارکہ کے بیان کردہ وہ قِصّے ہیں۔ جو توریت و زبور کے علاوہ تاریخی معتبر کُتُب میں بھی مذکور تھے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ اس طرح نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیقِ نبوت مورخین اور علماءِ عالَم کی زبانوں سے بھی ہو جائے اِلَیْکَ خیال رہے کہ یہ قرآن کریم نبی پاک کی طرف بھی نازل ہوا اور صحابہ کرام کی طرف بھی اور ہم سب مسلمانوں کی طرف بھی اور تمام کفار کی طرف بھی۔ مگر نوعیتِ بیان مختلف ہے۔ جس کا ذکر مختلف جگہ پر قرآن کریم میں ہے اسی اسلوب کے مطابق یہاں اِلَیْکَ فرما کر عوام کو خطاب ہے فَاسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکَ ۔ بس پوچھ لے ان لوگوں سے جو کتاب پڑھتے ہیں تجھ سے پہلے سے۔ فَاسْئَلْ۔ اس لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ شک فرضی مراد نہیں بلکہ حقی شک کی طرف اشارہ ہے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ نبی اکرم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں انسانوں کے تین گروہ بن چکے تھے ایک مخلص جیسے صحابہ کرام دوسرے بالکل منکر جیسے کافر۔ منافق تیسرے شک میں پڑے رہنے والے کہ جن کے لئے ارشاد ہوا لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ۔ یہاں خطاب اسی قسم کے لوگوں سے ہے اَلَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ ۔ سے کون سے افراد مراد ہیں اس میں دو قول ہیں بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ صحابہ مراد ہیں جو پہلے راہب اور عالم توریت و انجیل تھے۔ جیسے عبداللہ بن سلام۔ کعبِ احبار۔ تمیم داری۔ عبداللہ بن صوریا رضی اللہ تعالیٰ عنہم (کبیر) مگر صحیح تر یہ ہے

کہ اس سے قیامت تک کے کافر راہب پادری پڑھے لکھے مراد ہیں۔ اور وہ مسلمان بھی شامل ہیں جن کو معلوماتِ عالم حاصل ہیں۔ کیونکہ یہی مقصدِ امر ہے۔ اور پھر حضرت عبداللہ بن سلام و تمیم داری وغیرہ اس آیت کے نزول کے بعد مدینے پاک میں ایمان لائے حالانکہ یہ آیا مکیہ ہیں (معانی) الکتاب میں جنسی الف لام ہے (معانی) جس سے ہر معلوماتی تاریخی واقعاتی کتاب شامل ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ بجز آسمانی کتب کے دیگر کتب پہ اتنا اعتماد کسی کا نہ تھا اس لئے یہاں مراد توریت زبور انجیل ہی ہو سکتی ہیں ان زمانوں میں مذہبی کتب اور قابلِ عقیدہ بس یہی کتابیں تھیں۔ اسی لئے مِنْ قَبْلِكَ سے اشارہ فرما دیا۔ یعنی جو واقعات تمہارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سنا رہے ہیں وہ واقعات بہت سے راہب وغیرہ اپنی کتب میں پڑھ چکے ہیں تو جو ذات بغیر پڑھے سنے وہی واقعے تم کو بتائے گی وہ یقیناً اللہ کا نبی ہے کیونکہ غیب بجز نبی کون جان سکتا ہے لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ۔ البتہ بے شک آیا تیرے پاس حق تیرے رب کریم کی طرف سے پس نہ ہو تو۔ شک کرنے والوں سے۔ پہلے شاکی اور کم علم لوگوں کو دعوتِ عام تھی کہ جاؤ میرے حبیب کے فرمودات کی حقانیت کو جانچتے پھرو۔ ہر طرح حق پاؤ گے اب مسلمانوں کو مزید پیار سے سمجھایا جا رہا ہے کہ اے مسلم تیرے پاس حق یعنی ایسا مضبوط دین۔ یا خود ذاتِ محمدِ مصطفےٰ تشریف لے آئے جس کو کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔ حق کا حقیقی ترجمہ ہے۔ ناقابلِ فنا چیز۔ اور پھر وہ حق کسی معمولی شخص کی طرف سے نہیں آیا کہ اس میں کچھ تردد کیا جائے بلکہ مِنْ رَّبِّكَ اس ذات نے اس حق کو بھیجا جو تجھ کو پالنے والا ہے اور ہر وقت تو اس کی پرورش میں ہے۔ ایسا رحیم کریم بھلا تیرے نقصان پر راضی ہو سکتا ہے جب کائنات کی ہر نعمت تیرے فائدے کے لئے ہے تو یقین کر لے کہ قرآن وحدیث اور اسلام میں بھی تیرے لئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ پس نادان نہ بن اور کسی شیطان کے بہکانے سے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ نہ ہو جانا پھسلنے والوں میں سے۔ خیال رہے کہ ریب۔ شک اور امتراء کا اردو لغت سے ایک ترجمہ ہے یعنی شک۔ مگر حقیقت میں کچھ اختلاف ہے۔ چنانچہ ریب وہ ہے کہ چیز کے وجود یا صفت یا نوع میں فی الواقع کچھ گڑبڑ ہو۔ یا منکر کی اپنی ذہنی خرابی ہو۔ اور یہ گڑبڑ یا خرابی ابتدا ہی سے ہو۔ اور شک یہ ہے ابتداء ہی سے منکر کا دل اس پر نہ جمتا ہو۔ صدق و کذب کے کسی بھی پہلو پر وہ قائم مزاج نہ رہتا ہو اس کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں۔ امتراء یہ ہے کہ کسی چیز پر پہلے یقین ہو جائے بعد میں کسی بہکانے ورغلانے سے یقین کی منزل سے پھسل جائے۔ یہاں امتراء سے مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے۔ شک انسان کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے اس سے نہ روکا گیا بلکہ اس سے بچنے کا حسبِ موقع موثر طریقہ بتا دیا گیا۔ لیکن امتراء سے بچنا انسان کے بس میں ہے کہ بری محفلوں کتابوں یاروں سے بچے۔ امتراء ایسی بیماری ہے کہ اس سے ہی تکذیب کی کفریہ بیماری شروع ہوتی ہے اسی لئے آگے ارشاد ہوا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ اور نہ ہونا تو ان لوگوں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو ورنہ ہو جائے گا تو گھاٹے والوں سے یہ خطاب بھی عام مسلمان سے ہے اور مضمون مسلسل ہے یا مقصد ہے اظہارِ نتیجہ کہ اگر کوئی امتراء کرے گا تو وہ ہی گویا کہ جھٹلانے والوں کے مثل ہو گا اور یا یہ مراد ہے کہ امتراء

جڑ ہے جس سے تکذیب وغیرہ کے نقصان دہ پھل لگتے ہیں اسی لئے پہلے امتراء سے منع کیا گیا بعدہٗ اس حکم کا ذکر ہوا۔ اس کا تفسیری ترجمہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ امتراء کرنے والوں سے نہ ہو ورنہ آئندہ چل کر تکذیب والوں سے ہو جائے گا۔ اور وہ کون ہیں؟ وہ ہیں اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وہ کافر جنہوں نے قرآن پاک رسول کریم اور آپ کے معجزات کو نہ مانا۔ پس اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو فَتَکُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ تو سخت گھاٹے والوں سے ہو گا۔ لفظ خسرین خسران سے مشتق ہے خاسر وہ ہوتا ہے جو سب کچھ کرے پھر کیا کرایا برباد ہو جائے یہ سخت تکلیف دہ چیز ہوتی ہے۔ اے میرے رب کریم میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب امت کو اس خسارۂ اخروی سے بچانا۔ آمین۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** سب بیماریوں سے سخت بیماری وہم اور شک کی بیماری ہے۔ شک وشبہ میں پڑا رہنے والا ہمیشہ پریشانی میں ہی مبتلا رہتا ہے۔ دنیوی معاملات میں بھی شک وشبہ بلاوجہ کرنا برا ہے خاص کر دینی معاملات اور قرآن وحدیث میں شکوک پیدا کرنا تو بہت ہی برا ہے جس کا نتیجہ خسارۂ اخروی بھی ہے اور دنیا کی ذلت بھی۔ مسئلہ کوئی یقین شک سے نہیں ٹوٹتا (کتب فقہ) **دوسرا فائدہ** دین اسلام بہت ہی مضبوط دین ہے کہ اس کو رب تعالیٰ نے حق فرمایا **تیسرا فائدہ** چھوٹے گناہوں سے بچنا لازم ہے کیونکہ یہ چھوٹے گناہ بڑے گناہوں کا پیش خیمہ اور ذریعہ ہوتے ہیں۔ جس طرح شک کو امتراء سے بچایا جائے۔ لہٰذا جس جگہ سے یہ چھوٹے گناہ کا اندیشہ ہو وہاں سے بھی بچو بری مجلسوں کتابوں سے اسی لئے منع کیا جاتا ہے **چوتھا فائدہ** نبی کریم کے فضائل سننے کے لئے کسی کے پاس جانا یا کسی کافر کی کتاب یا لکھی ہوئی نعت سننا بھی عبادت ہے یہ فائدہ فَاسْئَلِ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت پر چند اعتراض وارد کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** آخر کیا وجہ ہے کہ اس آیت میں نبی کریم کو مخاطب نہ بنایا جائے جبکہ بہت سے مفسرین نے تمام کلام کا فاعل نبی پاک کو ہی تصور کیا ہے اس آیت کے تمام واحد حاضر کے صیغوں کو موڑ کر دوسرے مسلمانوں کی طرف لے جانا ایک اختراع ہی معلوم ہوتا ہے۔ جواب اس کی تین وجہ ہیں پہلی وجہ تو تفسیر میں عرض کر دی گئی کہ اگر خطاب حضور علیہ السلام کو ہو تو فرضی ماننا پڑے گا ورنہ گمراہی لازم ہے۔ اور فرضی ہو نہیں سکتا کیونکہ فَاسْئَلِ کا امر بعد میں موجود ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضور علیہ السلام کو خطاب مقصود آیت کے خلاف ہے۔ مقصد تو نبی کریم کی ہی شان کا اظہار۔ تو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم خود اپنی اظہار شان کے لئے پوچھتے پھریں۔ تیسری وجہ یہ کہ شک ہوتا ہے جہالت اور بے علمی کی بنا پر انبیاء کرام بے علمی سے بالکل پاک ہوتے ہیں بلکہ جس جھوٹے کو اپنے جھوٹ کا علم ہو وہ بھی شک سے دور ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کفر پھیلاتا پھرے **دوسرا اعتراض** اس آیت میں مِنَ الْخٰسِرِیْنَ کیوں فرمایا گیا؟ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا تو صراحتاً کفر ہے۔ جواب اس لئے کہ کافر دو قسم کے ہیں اور ان کو علیحدہ علیحدہ دو قسم کی ہی رسوائیاں اور نقصان ہیں پہلا وہ کافر جس نے نیکی کی نہیں اس کو قیامت میں حرمان یعنی نعمت عقبیٰ سے محرومی نصیب ہو گی مگر کم از کم اس نے دنیا میں عیش کر لیا۔ دوسرا وہ کافر

جس نے پہلے اسلام قبول کر کے خوب نیکیاں عبادت و ریاضت کی مشقتیں کیں پھر امتراء اور شک کی بیماری میں مبتلا ہوا جس سے ساری نیکیاں برباد ہو گئیں۔ اس کو قیامت میں خسران نصیب ہو گا۔ یہی گھاٹے والوں سے گنا جائے گا۔ جیسے کہ ایک وہ شخص جس نے کھیت بویا ہی نہیں اور دوسرا وہ جس نے مکمل بویا مگر حفاظت نہ کی جنگلی چوہوں نے سب برباد و ویران کر دیا تو پہلا شخص حرمان سے اور دوسرا خسران سے دوچار ہوا مگر زیادہ پریشانی اور گھاٹا دوسرے کا ہے اسی چیز کا یہاں مِنَ الْخٰسِرِیْنَ فرما کر اشارہ کیا جا رہا ہے تیسرا اعتراض یہاں مِمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ بتا رہا ہے کہ اس جگہ مخاطب نبی کریم ہیں کیونکہ وحی صرف انبیاء پر آتی ہے اور قرآن کریم نبی اکرم کی طرف ہی نازل ہوا۔ جواب یہ غلط ہے۔ بلکہ مُمْتَرِیْنَ اور خاسرین جیسے سخت الفاظ وعید ہی بتا رہے ہیں نبی کریم مخاطب نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ٹھیک ہے کہ انبیاء پر نزولِ وحی ہوتا ہے مگر ہوتا سب کائنات کی طرف ہے۔ یہاں طرف کا ذکر ہے نہ کہ پر کا۔ اسی لئے قرآن پاک نے ایک جگہ فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ اس طرح کی بہت سی آیات موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ سب بندوں کی طرف قرآنِ مجید نازل ہوا۔ امام ابن ابی بکر رازی نے اس جگہ یہ بھی جواب دیا کہ اِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ میں اِنْ نافیہ ہے۔ اور پورے کلام کا ترجمہ اس طرح ہے۔ کہ اے حبیب تم شک میں تو نہیں ہو۔ پھر بھی پوچھ لو توریت و زبور پڑھنے والوں سے تاکہ اُن کی زبانی تصدیق بھی سب کو معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

تفسیر صوفیانہ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں راہ سلوک میں سب سے زیادہ جاہل عقل ہے اور سب سے زیادہ عالم عشق ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا بدقسمت وہ ہے جس کو علوم وہبی و کشفی کا حصہ نہ ملا۔ ایسے شخص سے خطرہ ہے کہ خاتمہ بالخیر نہ ہو۔ کم از کم حصہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی تصدیق کرتا رہے۔ اور کم از کم بدنصیبی یہ ہے کہ صدیقین اور مقربین کے علم سے کچھ بھی نہ ملے اور یہی منکر بدقسمت کی ادنیٰ سزا ہے۔ جب قلبِ مومن پر انوارِ معرفت کا نزول ہوتا ہے تو عقل وادیِ تحیر میں غوطہ زن ہو جاتی ہے اس کو اِن آیات سے کچھ سمجھ نہیں آتا تو مرشد برحق اس بھٹکتی عقل کو ارشاد فرماتا ہے اگر تجھ کو ان آیاتِ اسرار میں شک ہے جو قلبِ مرید پر ہم نے تیری ہدایت کے لئے نازل کی ہیں تو اس دریا کے پہلے شناور اور اس مدرسے کے پہلے شاگردِ عشق سے پوچھ لے۔ یہ شریعت و طریقت کا حق تیرے رب کی طرف سے تیرے ہی لئے آیا ہے۔ پس اے عقلِ حیوانی امتراء کے خاردار جنگل سے نکل۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تکذیب کے کانٹوں میں اُلجھ کر دامنِ ایمان و عافیت کو تار تار کر کے ابدی ازلی گھاٹے والوں میں سے ہو جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (۹۶)

بیشک وہ لوگ مضبوط لگ گیا پر جن کلمہ رب تیرے کا نہ لائیں گے ایمان

بے شک وہ جن پر تیرے رب کی بات ٹھیک پڑ چکی ہے

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

اگرچہ آئے اُن کو ہر نشانی یہاں تک کہ دیکھیں عذاب درد ناک

ایمان نہ لائیں گے اگرچہ سب نشانیاں ان کے پاس آئیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت مبارکہ میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو شیطانی وساوس سے عارضی طور پر شکوک و شبہات میں پڑ گئے مگر ان کا پھر ہدایت کی طرف رجوع ممکن تھا اب اس طبقہ کا ذکر ہو رہا ہے جن کا حق کی طرف آنا ناممکن ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ظاہراً بتایا گیا کہ اسلام کی باتوں میں شک مت کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اب اشارۃً فرمایا جا رہا ہے کہ کفر کی برائی میں بھی شک نہیں کرنا چاہیئے بلکہ بالکل یقین کر لو کہ ایسے سخت کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ گویا کہ پہلے اچھوں کی اچھائی میں شک سے روکا گیا تھا اب بروں کی برائی میں شک سے روکا جا رہا ہے **تیسرا تعلق** پہلے فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو تم کیسے کچے ایمان کے ہو کہ باوجود اسلام میں آنے کے پھر ذرا سے وسوسے سے اسلام و قرآن جیسے مضبوط قانون میں شک کرنے لگے۔ اس شک کی برائی فرمائی گئی اور بچنے کا طریقہ بھی ارشاد ہوا اب بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو کافر اپنے کفر میں کتنا سخت ہے کہ ہر طرح کی آیات دیکھ کر بھی کفر سے مشکوک نہیں ہوتا نہ کفر سے باز آتا ہے **چوتھا تعلق** پہلے ارشاد ہوا تھا کہ شک اور امتراء سے باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ کر تکذیب نہ کرنا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں پر مہر کفر لگ چکی ہے وہ تمام نشاناتِ حق دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر نحوی اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ہے یہ حرف ہمیشہ شک کو دور کرنے اور کلام میں پختگی پیدا کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اس کا صلہ اگلا جملہ ہے حَقَّتْ ۔ فعل ماضی باب نَصَرَ يَنْصُرُ صیغہ واحد مؤنث کا ہے حَقٌّ نعیف مقرون سے مشتق ہے بمعنی مضبوط ثابت ہونا جو ختم نہ ہو سکے عَلَيْهِمْ ۔ عَلٰی حرفِ جار جب کسی ضمیر سے متصل ہوتا ہے تو اس کا الف ممدود گر جاتا ہے۔ ہِمْ سے وہی مخصوص طبقۂ کفر مراد ہے جو اَلَّذِيْنَ کا صلہ ہے۔ كَلِمَتُ رَبِّكَ کلمۃ سے مراد کفر کی مہر ہے یا ازل تقدیر کا فیصلہ مراد ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ نافع اور ابن عامر کی قرأت میں کلمات جمع ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک كَلِمَتُ واحد لفظ ہے رَبِّكَ مرکب اضافی ہے کَ ضمیر سے مراد عام مسلمان ہے۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّ کی خبر ہے اس لئے اس کا اعراب حکائی رفع ہے یہ جملہ اسمِ اِنَّ کا نتیجہ ہے۔ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ واؤ وصلیہ ہے لَوْ حرف شرط ہے مگر یہاں محض وصل کے لئے ہو گیا۔ جَآءَتْ صیغہ واحد مونث اس کا فاعل كُلُّ اٰيَةٍ ہے مَجِيْءٌ سے مشتق ہے بمعنی دور سے آنا۔ کُل سے مراد صرف حق کی طرف ہے۔ اٰيَةٍ کا معنی نشانی یہاں مرکب اضافی استعمال کر کے ثابت کیا کہ ایک ایک نشانی کا پورا پورا جز حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۔ حرفِ حَتّٰى انتہاء کے لئے ہے۔ يَرَوْ جمع کا صیغہ فعل مضارع مراد زمانہ مستقبل ہے۔ رَاْیٌ سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا۔ خواہ آنکھ

سے یا سب جسم سے اَلْعَذَابَ الف لام عہد ذہنی ہے عذاب کے معنی سزا العلیم الف لام صفتیت کا ہے۔ یہ مرکب توصیفی یَرَوُا کا مفعول بہٖ ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بے شک وہ کافر لوگ جن پر تیرے رب کا کلمہ ٹھیک پڑ چکا وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہ آیت کریمہ انتہائی عبرت ناک ہے ہر انسان کو اپنے رب کریم کی پناہ کی دعا مانگنی چاہیئے۔ یہاں ان کفار کا ذکر ہو رہا ہے جن کا کفر پر رہنا اور کفر پر مرنا مقدر ہو چکا ہے۔ لفظ حَقَّتْ سے مراد یا تو ازلی تقدیری فیصلہ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت حضرت آدم کو زندہ فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے پشتِ آدم علیہ السلام کے دائیں طرف دستِ قدرت پھیرا تو بہت سی ذریت کا خروج ہوا ارشاد ہوا یہ جنتی ہیں پھر بائیں طرف ہاتھ پھیرا تو بہت ہی زیادہ ذریت برآمد ہوئی تو ارشاد ہوا کہ جہنمی ہیں (ابوداؤد) ترمذی عن مسلم بن یسار اسی طرح کی ایک حدیث مسند احمد میں بروایت ابونصرۃ ہے۔ یا حَقَّتْ سے مراد لوحِ محفوظ میں لکھنا ہے۔ کَلِمَتُ سے مراد یہی فیصلۂ کفر ہے۔ اس آیت سے جہاں مسئلۂ تقدیر ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ضد ہٹ دھرمی۔ غرور تکبر۔ بزرگانِ دین کی گستاخیاں انبیاء اولیاء سے حسد و بغض سب کچھ اُن ازلی تقدیری مردودین بارگاہ کی علامات دنیاوی ہیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ اگرچہ قرآن و حدیث اور معجزات و کرامات کی ہزار ہا نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کے پاس سب آیات آجائیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی قدرتی سزائیں ناگہانی آفات اُن پر وارد بھی ہوتے رہیں۔ پھر بھی نگاہِ عبرت نہیں کھولتے۔ یہ لوگ اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہتے ہیں حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ یہاں تک کہ یہ مردودین اللہ کا دردناک عذاب دیکھ لیں۔ یا موت کے وقت یا قیامت کے میدان میں۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہاں عذاب موت مراد ہے اس لئے کہ مومن کی موت تو وصالِ حبیب کی بنا پر لذت آفریں ہے مگر کافر کی موت بھی اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور بہت کافروں نے مرتے وقت کلمہ بھی پڑھا۔ جیسے کہ فرعون اور قارون وغیرہ۔ بلکہ زبان حال سے سب ہی کافر بوقت موت ایمان لے آتے ہیں اور جن چیزوں پر ایمان لانا اُن کی عقلوں کے خلاف تھا اب ملک الموت وغیرہ کو دیکھ کر مان جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بدر کے کنوئیں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوجہل سے پوچھا تھا اب بتا تو نے میرے رب کا وعدہ سچا پایا کہ نہیں۔ مگر اس وقت کا ایمان معتبر نہیں اسی لئے لفظِ حَتّٰی بول کر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہاء کا ذکر فرمایا اگر قیامت کا عذاب مراد ہو تب بھی ٹھیک ہے کیونکہ قیامت میں کافر کہیں گے کاش ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جاتا تو پھر کبھی کفر نہ کرتے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** تعلیم انبیاءِ کرام مثل بارش کے ہے کہ اس سے وہی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو تقدیر الٰہی میں مومن ہیں کہ یہ مثل زرخیز زمین بے آباد زمین کے ہیں ازلی مردودین اس سے فائدہ نہیں لے سکتے کہ وہ مثل پتھریلی چٹان کے ہیں۔ لیکن بارش سب جگہ ہی ہوتی ہے **دوسرا فائدہ** تقدیر دو قسم کی ہے۔ ۱۔ تقدیر مبرم جو ٹل نہ سکے ۲۔ معلق جو دعاؤں سے ٹل جائے۔ مگر گستاخ نبوت و ولایت کی بدنصیبی مبرم ہے جو ٹل نہیں سکتی

یہاں وہی مراد ہے **تیسرا فائدہ** موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں اسی طرح مجبوری کی خیرات یا جبر کی نماز بھی قابلِ ثواب نہیں جب مصیبت پڑی تو لگیں نیازیں بٹنے یہ اللہ کو پسند نہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں تو ارشاد ہوا کہ جن لوگوں پر رب کا حکم ثابت ہو چکا وہ کبھی بھی ایمان نہ لائیں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر کے آگے سب مجبور ہیں۔ مگر دوسری جگہ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر رب چاہے تو سب ایمان لے آئیں اور پھر بہت سے کافر دن رات مسلمان بنتے ہیں بہت سے بے دین دعاؤں سے ایمان والے بن جاتے۔ لہٰذا تعارض پیدا ہو گیا۔ **جواب** یہ بات بالکل صاف ہے یہاں فیصلے اور ازلی تقدیری حکم ہو چکنے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ایسا فیصلہ نہ ہوتا بلکہ سارے ہی مومن ہو جاتے۔ رہا دعاؤں سے ایمان ملنا تو یہ تقدیرِ معلّق کی وجہ سے ہے اور پھر یہاں اُن کفار کا ذکر ہے جن پر مہر لگ چکی نہ کہ سب کفار کا۔ لفظِ اَلَّذِیْن بتا رہا ہے کہ سب کافر ازلی مردود مہر شدہ نہیں۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا پس جو لوگ کفر سے تائب ہوتے ہیں وہ ازلی تقدیری کافر نہیں ہوتے۔

تفسیر صوفیانہ

صوفیا کی اصطلاح میں بدنصیب انسان وہ ہے جس کو نورِ معرفت کا حصّہ عطا نہ ہو۔ ایسے ہی بدنصیبوں کی علامات اس آیت میں بیان ہو رہی ہیں کہ اِن لوگوں پر محرومیتِ اسرار کی مہر لگ چکی ہے۔ یہ کبھی بھی تصوّف و طریقت کی حسین وادیوں کو تسلیم نہ کریں گے۔ اور ایسے ہی ملحدانِ راہِ خدا کے کمالات پر لَایُؤْمِنُوْنَ ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ اُن کی عقلِ سلیم اور نفسِ مطمئنہ انوار و تجلّیاتِ قلوب کی ساری علامتیں اُن کے سامنے لے آئے۔ ہاں جب نفسِ مطمئنہ وادیِ فنا میں چلا جاتے اور ضمیر مردہ ہو کر طرح طرح کی وسواسِ شیطانی سے شقّ القلب کے درجے میں ہو اور نماز و ذکر اللہ سے حصولِ مدارج نہ ہو اور بے یقینی کا عذابِ الیم دیکھ لیں تب حصۂ معرفت اور راہِ سلوک کے متلاشی ہوتے ہیں مگر اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا پس اسی طرح خائب و خاسر ہو کر دنیا جہان سے جاتے ہیں۔ عرائس البیان نے فرمایا کہ سرِّ ازلی نے ازل سے بارگاہِ قدس میں اس کے قہر و لطف کا مطالبہ کیا کسی ایسے اہل کا جو لطف و قہر کے مَصرَف ہوں انہیں سے صادر ہوں انہیں کی طرف لوٹنے والے ہوں تو اللہ مجدہٗ کی طرف سے جواب آیا کہ اسرارِ الٰہیہ ازلی کلمے ہیں سعادت سعیدوں کے لئے ہے اور شقاوت شقیوں کے لئے ہے لہٰذا ضروری ہے لطف کے نشانات مقبولوں کے چہروں پر اور قہر کے نشانات مطرودین کی گردنوں پر۔ یہ نشانات مطرودین کی گردنوں پر ازل میں ہی لٹکائے گئے پس لطف والے ازل سے ابد تک لطفِ الٰہیہ سے بہرہ مند ہوں گے اور ان مقبولین سے رب تعالیٰ ہی کے ارادے مشیت اور کام صادر ہوں گے لیکن قہر والے ازل سے ابد تک ظلماتِ قہر میں رہیں گے اسی لئے وہ بدبخت انبیاء کرام اولیاء عظام کے وہ انعاماتِ معرفت نہیں دیکھتے جو محض عطیاتِ ربانی ہیں اسی وجہ سے منکر ہو جاتے ہیں وہ لوگ اندھیری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ امام واسطی نے فرمایا وہ لوگ جو نورِ ازلی سے ملحق نہ ہوتے ان پر صفائیٔ وقت روشن نہیں ہوتی کیونکہ اوقات کی صفائی انوارِ ازلیہ کے نتیجے ہیں اور یہ محرومی بھی دردناک عذاب ہے اَللّٰھُمَّ وَقِنَا مِنْ ھٰذَا الْعَذَابِ۔ وَ اَعْطِنَا اَنْوَارَ مَعْرِفَتِكَ۔ اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ

تو کیوں نہ ہوئی یہ بات کہ کوئی بستی ایمان لائے پس نفع دے اس کو ایمان اس کا مگر قوم

تو ہوئی ہوتی نہ کوئی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں یونس کی قوم جب ایمان لائے

يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

یونس جب کہ وہ ایمان لائے دور کیا ہم نے سے ان عذاب ذلیل میں زندگی

ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور ایک

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

دنیا اور نفع دیا ہم نے ان کو تک ایک وقت اور اگر چاہتا رب

وقت تک انہیں برتنے دیا اور اگر تمہارا رب

لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ

ترا البتہ ایمان لاتا وہ جو میں زمین تمام ان کے ایک دم کیا پس تو مجبور کرے گا

چاہتا زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو

النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

لوگوں کو تاکہ ہوں وہ مومن اور نہیں ہے لیئے کسی

زبردستی کرو گے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کی قدرت

اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى

جان کے یہ کہ وہ ایمان لائے مگر سے حکم اللہ اور بناتا ہے عذاب کو پر ان

نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور عذاب ان پر ڈالتا ہے

الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کے جو نہیں عقل رکھتے

جنہیں عقل نہیں

تعلق اس آیات کے پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہیں۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا تھا کہ موت یا عذاب الیم دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں ہے۔ اس کے تجرباتی ثبوت کو بطور چیلنج اس آیت مبارکہ میں پیش کیا جارہا ہے۔ کہ واقعۃً ایسا کبھی نہ ہوا کہ آخری دم کسی کا ایمان قبول ہوا ہو **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ازل میں فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ جن کے کفر پہ مرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ لاکھوں نشانات قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اب ارشاد ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ فیصلہ نہ ہوتا بلکہ سارے انسان و جنات ایک دم مومن ہو جاتے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت پاک میں بیان ہوا تھا کہ کافر لوگ عذاب الیم دیکھ کر ہی ایمان لا سکتے ہیں اس کے علاوہ نہیں اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تو وہیں بیان فرمادی گئی کہ یہ ازلی فیصلہ ہے۔ دوسری وجہ اس آیت پاک میں بیان ہو رہی ہے کہ وہ بے عقل اور بے وقوف ہیں۔ اور اللہ کا عذاب ان کی اپنی بے وقوفیوں کی بنا پر ہے۔ گویا کہ پچھلی آیت کریمہ میں بغیر عذاب دیکھے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان ہوئی تھی اور یہاں ان کفار ازلیہ پر عذاب آنے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر نحوی فَلَوْلَا۔ یہاں فِ سوالیہ ہے۔ لَوْلَا۔ ھَلَّا کے معنیٰ میں ہو کر توبیخ اور جھڑک پیدا کرتا ہے یعنی اے کم عقلو سمجھ لو کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تو اب تم کیوں موت کے انتظار میں بیٹھے۔ کَانَتْ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ تامّہ ہے اور قَرْیَۃٌ اس کا فاعل ہے اور یہ جملہ فعلیہ تامّہ مکمل ہو کر موصوف ہوا گلا جملہ اٰمَنَتْ اس کی صفت ہوا مگر صحیح تر یہ ہے کہ کانت فعل ناقصہ ہے قَرْیَۃٌ اس کا اسم ہے اور اٰمَنَتْ کا پورا جملہ اس کی خبر۔ قَرْیَۃٌ کا حقیقی معنیٰ ہیں بستی۔ خیال رہے کہ چند اینٹ پتھر سے ایک دیوار چند دیواروں سے ایک گھر چند گھروں سے ایک گاؤں چند گاؤں سے ایک قصبہ چند قصبوں سے ایک تحصیل چند تحصیلوں سے ایک ضلع چند ضلعوں سے ایک کمشنری چند کمشنریوں سے ایک صوبہ چند صوبوں سے ایک ملک بنتا ہے یہ ہے موجودہ انسانوں کی تقسیم قریہ لغوی لحاظ سے ہر بستی کو کہہ سکتے ہیں۔ مگر عرفِ عام میں چھوٹی دیہاتی بستی کو کہہ دیا جاتا ہے قرآنِ کریم میں بہت جگہ لغت کا اعتبار کیا گیا ہے جیسے کہ یہاں۔ قریہ کا مجازی معنیٰ ہے۔ بستی میں رہنے والے وہی یہاں مراد ہے گویا کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔ اٰمَنَتْ مونث کا صیغہ ہے اس کا فاعل قَرْیَۃٌ کی ضمیر ہِیَ اور یہ پورا جملہ کانت کی خبر ہے۔ فَنَفَعَھَا فِ عطف کی ہے پہلا جملہ معطوف علیہ اور سبب ہے اور یہ مسبب معطوف ہے (تفسیر صاوی) اگر کَانَتْ تامہ مانا جاتے تو یہ فَنَفَعَھَا اٰمَنَتْ کا معطوف بنے گا پھر اٰمَنَتْ قَرْیَۃٌ کی صفت ہو گی۔ ھَا ضمیر کا مرجع قَرْیَۃٌ اِیْمَانُھَا یہ مرکب اضافی نَفَعَ فعل متعدّی کا فاعل ہے اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ۔ اِلَّا حرفِ استثناء کے بارے نحاۃ کے تین قول ہیں پہلا یہ کہ یہ مستثنیٰ منقطع کے لئے ہے۔ علامہ زجاج و سیبویہ اور کسائی نحوی کے علاوہ اکثر نحوی علماء اسی طرف راغب ہیں (صاوی۔ معانی۔ مظہری۔ جلالین) دوسرے یہ کہ یہ استثناء متصل ہے یہ قول زمخشری کی طرف منسوب ہے۔ مگر بعض نے کہا کہ اِلَّا بمعنیٰ غیر ہے۔ اور اِلَّا کو ماقبل کی صفت بنایا ہے۔ حالتِ نصب میں۔ قوم کو زبر پڑھایا گیا مگر چند نحویوں نے اس کو حالتِ رفع میں مانا ہے۔ ان کے نزدیک یہ بدل ہے قَرْیَۃٌ کا اس وقت اِلَّا کو غیر کے معنیٰ میں مان کر نفی پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ بدل غیر موجب کلام میں ہی ہوتا ہے۔ یُوْنُسَ۔ لفظ یونس اُنْسٌ سے مشتق ہے

مهموز الفا ہے بعض نحویوں نے کہا یہ وَنَسٌ سے مشتق ہے بمعنی تنہائی۔ لفظ یونس کی نون ہمیشہ مضموم ہوگی غیر منصرف ہے وزن فعل اور عَلَم کی وجہ سے روح البیان نے فرمایا کہ عجمی اور عَلَم ہے۔ لَمَّآ۔ حرفِ شرط ہے یہاں بیانِ نتیجہ کے لئے ہے اٰمَنُوْا یہ جملہ خبریہ ہے وجہ استثناء کی خبر دے رہا ہے کَشَفْنَا عَنْهُمْ کَشَفْنَا صیغہ جمع متکلم اس کا فاعل ضمیر نا کا مرجع ذات باری عَزَّ اِسْمُهٗ ہے یہ کَشْفٌ سے مشتق ہے بمعنی کھولنا ہٹانا دور کرنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں عنہم حرفِ عن جارہ بُعدِ مکانی کے لئے ہے هُمْ سے مراد قومِ یونس علیہ السّلام ہے۔ یہ ہے وہ فائدہ جس کا لَمَّآ اٰمَنُوْا سے بیان ہوا عذاب بمعنی سزا۔ خیال ہے کہ عذاب مطلق سزا کو کہتے ہیں۔ یہ کَشَفْنَا کا مفعول بہ ہے اَلْخِزْيِ۔ عذاب کا مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی تمام مفعول ہے الخزی خزیٌ سے مشتق ہے بمعنی رگڑنا ذلیل کرنا الف لام عہد ذھنی ہے۔ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فی جارہ ظرفیت کے لئے خواہ زمانی یا مکانی۔ حیٰوۃ حَیٰوۃٌ سے مشتق ہے بمعنی بقاءِ روحِ حیوانی مرکب توصیفی ہے۔ دنیا سے مراد عالمِ اجسام وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ واؤ عاطفہ مَتَّعْنَا صیغہ جمع متکلم مراد رب تعالیٰ ہے مَتْعٌ سے مشتق ہے بمعنی کچھ نفع دینا هُمْ سے مراد وہی قومِ یونس۔ الیٰ انتہاء کے لئے آتا ہے۔ حِیْنٌ سے مراد وقتِ غیر معینہ یا زمانۂ غیر معینہ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ واؤ سر جملہ ہے کیونکہ نئی بات کا ذکر ہو رہا ہے شَآءَ فعل ماضی متعدّی بیک مفعول ہے اس کا مفعول اِیْمَانَهُمْ پوشیدہ ہے۔ یہاں لفظِ رب کا استعمال اسی طرف اشارہ کر رہا ہے یہ فیصلہ سابقہ انتہائی حکمت پر مبنی ہے۔ رَبُّكَ شاء کا فاعل ہے۔ اور مضاف الیہ کی ضمیر کَ سے یا تو حسبِ سابق عام مسلمان ہی مخاطب ہے یا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ اس سے ربطِ کلام نہیں ٹوٹتا لَاٰمَنَ۔ لام ابتدائیہ جوابِ شرط کے لئے ہے یہ لام اسم فعل حرف سب پر آجاتا ہے۔ اٰمَنَ فعل ماضی مطلق سابقہ شرط کی جزا ہے۔ مَنْ اسم موصول اٰمَنَ کا فاعل ہے۔ اصلاً وحدت کے لئے ہے مگر جمع کے لئے بھی آجاتا ہے یہاں جمعیت ہی مراد ہے مابعد قرینے کی بنا پر فِی الْاَرْضِ فی بمعنی علیٰ ہے یعنی زمین پر بسنے والے لوگ مراد صرف انسان ہیں بعض کے نزدیک جنات بھی شامل ہیں۔ ارض کے معنی فضاءِ زمین ہے نہ کہ فقط مٹی۔ اور فی کا اشارہ سکونت کی طرف ہے نہ کہ ظرفیت کا ارض کا لغوی ترجمہ برابر کیا ہوا بستر ہے یہ جار مجرور موجودٌ پوشیدہ کے متعلق ہو کر موصول کا صلہ ہوگا اور پھر مؤکد ہو کر اٰمَنَ کا فاعل ہوا كُلُّهُمْ مَنْ کی تاکید ہے جَمِيْعًا کُلُّھُم کا حال ہے اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ۔ ہمزہ سوالِ انکاری کی ہے فَاَنْتَ فِ تعقیب کی۔ ضمیر واحد کا مرجع دونوں سابقہ احتمال رکھتا ہے۔ مگر قوی یہ ہے کہ خطاب نبی کریم سے ہے تُكْرِهُ واحد حاضر کا صیغہ کُرْهٌ سے مشتق ہے بمعنی جبر یا ناپسندیدگی یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اَلنَّاسَ میں الف لام عہد خارجی ہے اور ناس سے مخاطب کے ہم زمانہ کافر مراد ہیں۔ حَتّٰی بمعنی کَیْ۔ جس کا اردو ترجمہ ہے تاکہ مگر یہاں اِلٰى اَنْ کے معنی میں ہے یعنی یہاں تک۔ نحاۃِ کوفہ کے شیخ امام کسائی نحوی کے نزدیک حتّٰی خود ناصب ہوتا ہے (الانصاف ۲۵) يَكُوْنُوْا۔ فعل مضارع معروف کَانَ بمعنی صَارَ سے بنا ہے۔ دراصل یَکُوْنُوْنَ تھا۔ حتّٰی نے نونِ اعرابی کو حذف کر دیا مُؤْمِنِيْنَ جمع ہے مومن کی اصطلاحی معنی میں ہے یعنی شریعتِ محمدِ مصطفیٰ اور طریقتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و زبان سے ماننے والا مَا كَانَ مانفی کا ہے۔ کَانَ تامّہ ہے اس کا فاعل قُدْرَۃٌ یا ثُبُوْتٌ پوشیدہ ہے۔ اگر قدرتٌ

ہو تو بیان سابقہ کلام کی وجہ ہوتی ہے۔ اور اگر ثبوت پوشیدہ ہو تو سابقہ کلام کی بطور تائید یا چیلنج خبر دی جا رہی ہے لِنَفْسٍ لام جارہ ملکیت کا ہے۔ نفس سے مراد بدن و روح کا وہ مجموعہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل حکمت۔ طبیعت۔ شہوت ودیعت فرمائے اس کا جوہر اصلیہ قلب ہے۔ جار مجرور متعلق ہیں مَاکَانَ کے (کتاب النفس لامام رازی) اَنْ تُؤْمِنَ اَنْ ناصبہ تُؤْمِنَ فعل مضارع مونث یہ جملہ مَاکَانَ کا مفعول بہ ہے اِلَّا حرفِ استثنا ہے جس کا ماقبل مستثنیٰ منہ اور مابعد مستثنیٰ ہے اس نے سابقہ نفی مطلق کو ختم کر دیا بِ جارۂ معیت کے لئے ہے اذن سے یہاں مراد مشیت ہے کیونکہ پہلے اسی کا ذکر ہوا اس جگہ لفظ اللہ فرمانا صمدیت کی طرف اشارہ کرتا ہے وَیَجْعَلُ یہ فعل حال جمہور قرآء کے نزدیک صیغہ واحد غائب ہے ایک قرأت میں نَجْعَلُ صیغہ جمع متکلم ہے مگر فاعل ہر دو صورت میں ذات باری ہے جَعْلٌ سے بنا بمعنی بنانا ڈالنا اشارہ اس طرف ہے کہ عذاب خصوصی طور پر بنایا ان ہی بیوقوفوں کے لئے ہے۔ اَلرِّجْسَ۔ الف لام جنسی ہے۔ رِجْسٌ ر۔ کے زیر سے۔ گندگی۔ پلیدی۔ بری حالت یا برا کلام و عمل رِ کے زبر سے بادل کا کڑکنا یہاں بکسر الراء ہے یعنی گندگی پلیدی کا عذاب۔ عَلَی الَّذِیْنَ۔ عَلٰی جارہ اپنے معنی میں ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع کے لئے ہوتا ہے اس سے عمومیت ختم کی جاتی ہے اور از خود خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لَایَعْقِلُوْنَ یہ فعل حال منفی ہے جس میں کفر کفار کی صفت اصلیہ اور وجہ کفر کی طرف اشارہ مقصود ہے یہ عَقْلٌ سے مشتق ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِیْمَانُهَا تو کیا کبھی ایسا ہوا بھی ہے کہ کوئی بستی بوقت عذاب ایمان لاتی تو اس کو اس کے ایمان نے نفع دیا ہو۔ یہ نیا کلام ہے جس سے ہلاک شدہ کفار کا ذکر ہو رہا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ قانون قدرت بن چکا ہے کہ عذاب دیکھ کر یا موت کے فرشتے دیکھ کر ایمان معتبر نہیں۔ ایمان صرف وہی قابل بارگاہ ہے جو بغیر کچھ دیکھے سنے اندھا دھند نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم اور حکم سے اختیار کیا جائے۔ خیال رہے کہ عذاب دیکھنے سے مراد عذاب کا نزول ہے اور ملاحظہ کرنا ہے۔ اس آیت کو فَلَوْلَا سے شروع کرنے کا مقصد دنیا بھر کے تاریخ دانوں اور جغرافیہ کے اساتذہ کو چیلنج عظیم ہے۔ کہ اگر تم فیصلۂ ازلیہ ربانیہ سابقہ کو نہیں تسلیم کرتے یا تم معاذ اللہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معترض ہو تو کیا نبی کریم کے اس بیان کردہ فیصلۂ ربانیہ کے خلاف ثبوت پیش کر سکتے ہو۔ عبارۃً یہ چیلنج فقط اُن یہود و نصاریٰ کو ہے جو انجیل و توریت میں عذاب کے تاریخی واقعات مثلاً فرعون و قوم لوط کے واقعات پڑھتے رہتے تھے اور قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام نہ مانتے تھے اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔ اِلَّا کے بعد قوم کا ذکر کرنا دو وجہ سے منقطع ہے اولاً اس لئے کہ اِلَّا سے پہلے قَرْیَۃٌ ہے اس سے قوم کو نا قبولیت والے حکم میں سے علیحدہ کرنا حالانکہ بستی اینٹ پتھر کی ہوتی ہے اور قوم انسانوں کی ہوتی ہے ان میں کوئی مناسبت جنسی یا نوعی نہیں دوم اس لئے کہ قوم یونس کے عذاب دیکھنے اور ایمان میں دوسرے کفار سے فرق ہے۔ لہٰذا فقط قوم یونس علیہ السلام کی یہ شان ہے کہ لَمَّآ اٰمَنُوْا کَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ جس وقت وہ ایمان لائے ہم نے ان سے ذلت کا عذاب ہٹا دیا حضرت یونس علیہ السلام کا پورا واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ سے آٹھ سو سال پیشتر ملک عراق میں ایک قوم سیریا آباد تھی اور ان ہی کی سلطنت تھی اس سلطنت کا مرکزی مقام تقریباً

۵ میل مربعہ پھیلا ہوا ایک شہر نینوا دریار دجلہ کے کنارے شہر موصل کے قریب واقع تھا۔ یہ قوم بہت ظالم اور بت پرست تھی
حضرت یونس علیہ السّلام مُتّی کے بیٹے بنی اسرائیل سے تھے حضرت الیاس علیہ السّلام کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے (صاوی سورۂ صافات)
اٹھائیس سال کی عمر شریف میں نبوت کا تاج عطا فرمایا گیا پھر قوم سیریا کی طرف بھیجا گیا یہ قوم بنی اسرائیلی نہ تھی۔ اس کو قوم یونس فرمانا امت
ہونے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص نبی کی قوم میں شمار ہوتا ہے جو ان کی امت ہو خواہ برادری اور قبیلہ سے بھی نسبت ہو یا نہ ہو۔ اس قاعدے
سے قیامت تک کے سب مسلمان آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو ترک ظلم و بت پرستی کی
تبلیغ فرمائی مگر انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا کافی عرصہ تبلیغ فرماتے رہے مگر ایک بھی مسلمان نہ ہوا تب آپ نے رب تعالےٰ
سے عرض کی کہ اے مولا یہ تو میرا کہنا نہیں مانتے۔ وحی آئی کہ تین دن بعد اِن پر عذاب نازل ہو گا۔ حضرت یونس نے اپنی قوم سے یہ ہی فرما
دیا۔ تب قوم نے آپس میں مشورہ کیا بعض نے کہا یہ جھوٹ ہے مگر اکثریت نے کہا کہ اس سے پہلے ہم نے اُن کی زبان پر جھوٹ نہیں دیکھا یہ
خبر آزمائش کے قابل اگر عذاب کی رات حضرت یونس ہمارے پاس رہتے تو یہ بات اور عذاب کی خبر غلط ہے اگر نہ ہوئے تو ٹھیک ہے۔ عذاب
کے وعدے والے دن سے پہلی رات کا جب کچھ حصہ گزر گیا تو حضرت یونس بستی سے نکل گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو بستی والوں نے دیکھا کہ
آسمان پر کالی گھٹائیں بڑے خوف ناک طریقے پر چھائی ہیں اور تمام بستی پر عجیب اداسی چھائی ہوئی ہے۔ اور گھٹاؤں کا اندھیرا لمحہ بہ لمحہ زیادہ
گہرا ہوتا جاتا ہے تب سمجھ لیا کہ اسی بادل میں عذاب ہے اور یہ ہو کا عالم عذاب ہی کا پیش خیمہ ہے پھر پریشان ہوتے اور دوڑے حضرت یونس
علیہ السّلام کو تلاش کرنے مگر آپ نہ ملے تو اور بھی عذاب کا یقین ہوا۔ بس پھر کیا تھا سب بڑے بوڑھے۔ عورت و مرد۔ بچے جوان
گھروں سے باہر نکل آئے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گیا۔ اولاد ماں باپ سے جدا۔ کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ تھا۔ سب عذاب
سے معافی اور سابقہ کفر بت پرستی۔ ظلم وغیرہ گناہوں سے سچّی توبہ میں مشغول ہو گئے اور سجدہ ریز ہو کر رو رو کر گڑگڑاتے تھے اور عرض
کرتے تھے اے ہمارے معبود ہم تیری وحدانیت پر اور تیرے انبیاء کی نبوّت و تبلیغ پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں ہم بت پرستی و
ظلم سے توبہ کرتے ہیں۔ تو وہ عذاب اُن سے ہٹا دیا گیا (معانی۔ بیان۔ کبیر) ادھر حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر دریائے دجلہ
کے کنارے پہنچے اور کشتی میں سوار ہوئے یہ واقعہ جمعہ کے دن محرم کی دس تاریخ عاشورہ کے دن ہوا۔ حُسنِ اتفاق اور میری خوش نصیبی
ہے کہ اس آیت کی تفسیر بھی میں نے ۱۳۹۶ھ محرم کی دس عاشورے کے دن بروز سنیچر (ہفتہ) کو شروع کی۔ اس زمانے میں عجیب قانون
قدرت یہ تھا کہ جس کا غلام بھاگ کر دریا پار کرنے کی غرض سے کشتی میں بیٹھتا تو بیچ دریا کے کشتی رُک جاتی ملاح کو پتہ لگ جاتا
کہ کوئی فرار شدہ غلام کشتی میں بیٹھا ہے تو وہ قرعہ ڈال کر نام کا پتہ لگا لیتے جس کا نام نکلتا اس کو دریا میں پھینک دیتے تو کشتی چل پڑتی
اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کشتی رُک گئی جب ملاّح نے قرعہ ڈالا تو حضرت یونس کا ہی نام نکلا۔ لوگوں نے حضرت یونس سے عرض کیا
تو آپ نے فرمایا کہ میں ہی کسی ذات کا غلام ہوں مجھ کو دریا میں ڈال دو انہوں نے آپ کو دریا میں ڈال دیا تو کشتی چل پڑی۔ آپ کے دریا
میں تشریف لاتے ہی بحکمِ ربّی ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اور چالیس دن آپ شکم ماہی میں رہے جہاں آپ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ
اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ کا ورد کرتے رہے۔ چالیسویں دن آپ کو مچھلی شریف نے کنارۂ دجلہ پر اُگل دیا۔ آپ بے ہوش تھے

دس دن تک آپ بوجہ کمزوری اٹھ نہ سکے تو قدرت کی طرف سے کدو کی بیل نے آپ پر سایہ کیا اور مشک نافہ والی ہرن نے آپ کو دودھ پلایا۔ پچاس دن بعد آپ طاقت یافتہ ہو کر قوم میں تشریف لائے تو سب قوم بہت خوش ہوئی اور آپ کے دست مبارک پر بیعتِ ایمان کی۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ آپ بستی سے نکل کر پہلے جنگل میں بیٹھ گئے اور عذاب کو دیکھتے رہے مگر جب عذاب مل گیا تو حضرت یونس نے گمان کیا کہ اگر اب میں اپنی قوم میں گیا تو مجھ کو جھوٹا کہا جاتے گا اس لئے آپ دریا کی طرف چل دیئے قومِ یونس علیہ السلام کے مسلمان ہونے کے بعد اُن کے آپس میں کے ظلم بھی ختم ہو گئے اور اُن کو رب تعالیٰ کی طرف سے رزقِ وافر سے نوازا گیا اور تقریباً سو سال اُن کی سلطنت قائم رہی اسی لئے ارشاد ہوا یہ عذاب کا دور کرنا دنیا کی زندگی میں ہے۔ عذاب عَذْبٌ سے مشتق ہے بمعنی دور رکھنا (منجد۔ مجمع البحار) قرآن کریم میں اکیس ۲۱ قسم کا عذاب بیان ہوا جن میں سے پندرہ قسم کے عذاب بعدِ قیامت جہنم میں کفار کو دیئے جائیں گے اور چھ قسم کے عذاب دنیا میں نازل ہوئے۔ چنانچہ ۱ عذابِ مقیم ۲ عذابِ آخرت ۳ عذابِ نار ۴ عذابِ مبین ۵ عذابِ عظیم ۶ عذاب ہون ۷ عذابِ شدید ۸ عذابِ اکبر ۹ عذابِ حریق ۱۰ عذابِ حمیم ۱۱ عذابِ سعیر ۱۲ عذابِ جہنم ۱۳ واصب ۱۴ جحیم ۱۵ عذابِ خلد یہ تمام عذاب صرف کفار کو آخرت میں ہوں گے۔ اور ۱ عذاب غلیظ ۲ عذاب بئیس ۳ عذاب خزی ۴ عذاب الیم ۵ عذاب نکر ۶ عذاب قریب۔ یہ دنیا میں کفار پر وارد ہو چکے۔ ان میں سے عذابِ غلیظ اور عذابِ الیم۔ بعد قیامت بھی ہوگا۔ اس آیتِ کریمہ میں عذابِ خزی کا ذکر ہے جو صرف دنیاوی عذاب ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالےٰ کی سزائیں تین قسم کی ہیں ۱ سزاءِ عبرت یہ اکثر صرف مسلمانوں کی ہوتی ہے تاکہ وہ غفلت اور گناہوں سے باز آئیں اس میں چند ایک کو ہلاک کر کے باقی قوم کو بطورِ عبرت بچانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ سزا قیامت تک جاری رہے گی ۲ سزاءِ عذاب یہ صرف کفار کے لئے ہے دنیا میں ہلاکت کفر کے لئے اور بعد قیامت تا ابد الم ناک ذلت کے لئے ۳ سزاءِ درستگی جیسے استاد کا شاگرد کو مارنا یا سونے کو آگ کی بھٹی میں ڈالنا۔ یہ سزا صرف گناہ گار مسلمانوں کو بعد قیامت کچھ دن کے لئے ہوگی۔ مگر رب کریم نے اس سزا کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہ فرمایا صرف امت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اے ہمارے رب ان سب سزاؤں سے ہم کو بچا قومِ یونس کا یہ عذاب دنیا میں ہی نازل ہونے والا تھا اس لئے فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فرمایا گیا۔ یہ عذاب فقط ان کی سچی توبہ سے ہٹایا۔ اور آخرت کے عذاب کا ہٹنا خاتمے پر موقوف وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ۔ اور نفع دیا ہم نے ان کو کچھ مدت تک۔ یعنی صحبت نبی علیہ السلام جو سب سے بڑا خوش قسمتی کا نفع ہے اور دنیا کی سلطنت۔ عمر کی زیادتی۔ الی حین سے مراد وقت وفات ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ قوم یونس علیہ السلام قیامت تک زندہ رکھی گئی جس طرح کہ اصحاب کہف اور پہاڑوں میں پوشیدہ ہے۔ (صاوی۔ معانی) معانی نے کہا کہ یہ قوم بقول بعضے امام مہدی کے زمانے میں ظاہر ہو کر ان کی معاون ہوگی واللہ اعلم۔ مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ مَتَّعْنٰهُمْ کے خلاف۔ جب نہ سلطنت باقی نہ سرداری نہ جہان کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں تو مَتَّعْنٰهُمْ کا کیا مطلب ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آثارِ عذاب دیکھ کر قوم یونس علیہ السلام نے اپنے علماءِ کرام کی تعلیم سے یہ دعا بکثرت پڑھی اَللّٰهُمَّ يَا حَيُّ حِيْنَ لَا حَيَّ وَيَا حَيُّ يَا مُحْيِ الْمَوْتٰى وَيَا حَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ اس کی برکت سے عذاب دور

ہو گیا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتا ہر وہ شخص جو زمین میں ہے تمام ایک دم۔ یعنی وہ اپنے فیصلے میں صمد اور صاحب اختیار ہے جیسے چاہے کرے چاہے تو سارے مومن ہوتے اور چاہتا تو اس کا برعکس ہوتا مگر حکمت یہ تھی کہ کچھ کافر کچھ مومن ہوں اس لیے وہ نہ چاہا جس کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا۔ اللہ کریم عزوجل کے فیصلے پانچ طرح پر ہوتے ہیں ۱۔ رضاء رب تعالیٰ ۲۔ حکم رب تعالیٰ ۳۔ قانون رب تعالیٰ ۴۔ محبوبیت رب تعالیٰ ۵۔ مشیت رب تعالیٰ یہاں اسی کا ذکر ہے یہ سب فیصلے حکمت ربانی پر مبنی ہوتے ہیں۔ مگر ان میں فرق بہت ہیں۔ لفظ کُلُّهُمْ سے تمام افراد کا ایمان لانا مراد ہے اور جمیعًا سے ایک دم بیک مجلس ایمان لانا مراد یہاں تو فیصلۂ ربانی کا ذکر ہوا مگر انبیاء کرام اور خصوصاً ہمارے آقا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کے ایمان کے خواہش مند و حریصٌ علیکم ہیں اور ان کی محبت میں اولیاء علماء اور عام مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ سب لوگ مسلمان اور اللہ رسول کے مطیع ہو جائیں اس لئے سب سے خطاب ہو سکتا ہے کہ۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ کیا پس تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب مومن ہو جائیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ بعض کا ایمان اللہ کی مشیت میں ہے ہی نہیں۔ تو کون شخص اس کو ایمان یا ہدایت دے سکتا ہے۔ ہاں تمہارا کام صرف تبلیغ فرمانا ہے۔ اے نبی آپ کیوں ملول خاطر ہوتے ہیں اور خود کو قلبی و جسمانی مشقت میں ڈالتے ہیں یا اے مبلغ اسلام مسلمانوں تم صرف اپنا فرض تبلیغ کئے جاؤ۔ ایمان دینا تمہارے بس کی بات نہیں کیونکہ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ کسی نفس انسانی یا جناتی میں طاقت نہیں کہ ہدایت وایمان پالے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے۔ یہاں مَا كَانَ میں مفسرین کے تین قول ہے حواشی شہابیہ میں فرمایا کہ یا مَا وُجِدَ کے معنیٰ میں ہے کہ آج تک پایا نہ گیا۔ اور یا مَا صَحَّ کے معنیٰ میں ہے یعنی یہ بات درست نہیں کہ بغیر امر ربی کوئی ایمان لے آتے اعلیٰحضرت مجدد ملت علیہ الرحمۃ نے قدرت کے معنیٰ لئے ہیں اگر مَا وُجِدَ کے معنیٰ لئے جائیں تو نفس کو کسی ذی علم سے مقید ماننا پڑے گا۔ دوسرے اقوال میں یہ احتمال نہیں چونکہ ذکر اذن کا ہے اس لئے اَنْ تُؤْمِنَ سے صرف ایمان کا بیان ہوا اور نہ کفر کفار بھی اسی کے باحکمت فیصلۂ قدرت سے ہے۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یہ استثناء مفرغ ہے حالات کی عمومیت سے یعنی کسی حال میں بھی ایمان نصیب نہیں ہو سکتا۔ امیر ہو یا غریب بادشاہ ہوں یا رعایا عالم ہوں یا جاہل۔ خردمند ہوں یا بیوقوف غرضیکہ دنیا کی عقل سے دنیا کی ہزاروں چیزیں مل سکتی ہیں مگر دولت ایمانی اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے میسر ہوتی ہے پھر تا وفات اس دولت کا حافظ و ناصر بھی وہی ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا یہ استثناء مفید اس بات کو ہے کہ جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے وہ کسی وجہ سے بھی ایمان نہیں لا سکتا۔ گویا کہ لوگوں کے ایمان تابع ہیں علم الٰہی کے۔ تو جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے۔ اس کا ایمان بھی علم الٰہی میں ہونا محال ہے کیونکہ یہ نقیض ہے اور تبدیلی علم ہے اور انقلاب علم جہالت ہے اور جہالت ذات باری کے نا ممکن کہ جب اللہ نے کسی کے کفر کا ارادہ کیا تو ایمان کا ارادہ محال اور جب ارادہ ہی نہیں تو بلا ارادۂ الٰہی ایمان محال۔ اسی لئے فرمایا مَا كَانَ لِنَفْسٍ (الخ) اذن سے مراد یا علم الٰہی یا مشیت الٰہی یا لطف الٰہی یا ارادۂ الٰہی علامہ ابی طاہر کی تفسیر ابن عباس میں ارادہ ہی مراد لیا ہے۔ لیکن تفسیر خازن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مسلک میں امر الٰہی مراد لیا ہے۔ یا توفیق الٰہی مراد ہے خواہ آخری عمر میں

ہو۔ ہاں البتہ علم الٰہی کے کافروں کی دنیا میں نشانی یہ ہوتی ہے کہ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ اور ڈالتا ہے رِجْسْ اُن لوگوں پر جو بالکل عقل نہیں رکھتے۔ لفظ یَجْعَلُ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خالقِ ایمان اور خیر اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح خالقِ شر بھی اللہ ہے۔ رِجس کا لغوی ترجمہ گندا عمل ہے۔ بُرے اور گندے عمل دو قسم کے ہیں ۱ کفر ۲ فسق و فجور۔ قرآن کریم میں دونوں معنی مراد لئے گئے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد باری ہے یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ اے اہل بیتِ نبی اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رِجس یعنی فسق و فجور دور ہٹائے۔ دوسری جگہ اس رِجس سے کفر مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ پس زیادہ کیا نزولِ آیات و سُوَر نے اُن کو کفر میں ان کے کفر کی طرف۔ اس آیت مذکورہ زیر تفسیر میں چونکہ پہلے کفر ہی کا ذکر ہے لہٰذا یہاں رِجْس سے مراد کفر ہے (معانی و کبیر) مجدد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رجس کا ترجمہ عذاب اس لئے کیا ہے کہ سبب بول کر مسبّب مراد لیا ہے کیونکہ کفر و فسق ہی عذابِ خداوندی کا سبب ہے۔ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ یہ عذاب ان پر آتا ہے جو نہ خود میں غور کرتے ہیں نہ زمین و آسمان میں اگر عقل سے غور کرتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار اور پھر شکر و حمدِ خالق بجالاتے اور دولتِ ایمانی سے سرفراز ہوتے عقل والے ہی جانتے ہیں کہ شکر سے شاکر کا ہی نفع ہے نہ مشکور کا۔ خیال رہے کہ عقل باری تعالیٰ رحیم کریم کی ایک عظیم نعمت ہے اور اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے اس کی حقیقت اور محل وقوع کو بجز اللہ رسول کے کوئی نہ جان سکا۔ حکما علماء عقلا مفکرین کے عقل کی تعریف و تقسیم میں بے شمار قول ہیں اور سب ایک دوسرے سے متفرق ہیں عقل کے بارے سب اقوال دیکھے جائیں تو عجب الجماد ے کا جال نظر آتا ہے گویا کہ عقل کی تعریف میں خود عقل ناکام ہے۔ چنانچہ حکماء فرماتے ہیں کہ عقل ایک لطیف شی ہے اس کی کیفیت ہمارے ذہن نہیں جان سکتے۔ اور فلاسفۂ قدیم کہتے ہیں کہ عقل ایک جوہر ہے جو روحِ انسانی کو روشن کرتی ہے اور روح کو زندگی بخشتی ہے جیسے کہ روح جسم کو۔ تو جس طرح قوتِ جسم روح سے وابستہ ہے۔ اسی طرح قوتِ روح عقل سے۔ قوتِ جسم سے انسان دنیاوی اعمال و احوال پر بخوبی قابو پا سکتا ہے۔ اور قوتِ روح سے ایمان و عرفان نصیب ہوتا ہے۔ یہی عقل کفار کو میسر نہیں اسی کا لَا یَعْقِلُوْنَ میں ذکر ہے۔ بعض نے کہا کہ عقل محض سبب یا آلہ ہے حصولِ معرفت کا۔ بعض نے کہا یہ عقل روح سے متعلق نہیں بلکہ قلبِ انسانی سے متعلق ہے اور اس کو روشن کرتا ہے (تمہید ابو شکور سالمی ص۳) بعض نے کہا کہ عقل قوت نفس کا نام اور علم عقل کا تابع ہے۔ بعض محققین نے کہا کہ عقل علومِ غیبیہ کے ادراک کرنے کا ایک جوہر ہے (کتاب الاسلام ص۳) علماء عارفین فرماتے ہیں کہ عقل چار قسم کی ہے ۱ **عقلِ حقیقی** اسی کو منطقی لوگ عقلِ اوّل کہتے ہیں اسی سے تمام عالم کا وجود ہے۔ اسی کے متعلق آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل پیدا فرمائی اسی عقل کو عرش والے احمدِ مجتبٰے کہتے ہیں اور فرش والے محمدِ مصطفٰے کہتے ہیں ۲ **عقلِ غریزی** جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدا فرمائی ہے۔ اس کے ذریعے اچھے برے۔ صحیح۔ غلط کاموں میں فرق کر سکتا ہے۔ اسی کے ذریعے انسان جانوروں سے مخصوص و ممتاز ہے ۳ **عقلِ مجازی** یہ ایک ادراک ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائی اس میں زیادتی کمی ہوتی ہے یہ عقل کبھی کبھی ختم بھی ہو جاتی ہے اور کبھی خود اپنی بداعمالیوں سے چھین لی جاتی ہے صفائی قلب کی زیادتی سے اس

ہو۔ ہاں البتہ علم الٰہی کے کافروں کی دنیا میں نشانی یہ ہوتی ہے کہ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ اور ڈالتا ہے رِجْسُ اَن لوگوں پر جو بالکل عقل نہیں رکھتے۔ لفظ یَجْعَلُ سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خالقِ ایمان اور خیر اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح خالقِ شر بھی اللہ ہے۔ رِجس کا لغوی ترجمہ گندا عمل ہے۔ بُرے اور گندے عمل دو قسم کے ہیں ۱۔ کفر ۲۔ فسق و فجور۔ قرآن کریم میں دونوں معنی مراد لئے گئے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد باری ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ الخ اے اہل بیتِ نبی اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رِجس یعنی فسق و فجور دور ہٹائے۔ دوسری جگہ اس رِجس سے کفر مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ پس زیادہ کیا نزولِ آیات و سُوَر نے اُن کو کفر میں ان کے کفر کی طرف۔ اس آیت مذکورہ زیرِ تفسیر میں چونکہ پہلے کفر ہی کا ذکر ہے لہٰذا یہاں رِجْس سے مراد کفر ہے (معانی و کبیر) مجدد بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رجس کا ترجمہ عذاب اس لئے کیا ہے کہ سبب بول کر مسبّب مراد لیا ہے کیونکہ کفر و فسق ہی عذابِ خداوندی کا سبب ہے۔ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ یہ عذاب ان پر آتا ہے جو نہ خود میں غور کرتے ہیں نہ زمین و آسمان میں اگر عقل سے غور کرتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار اور پھر شکر و حمدِ خالق بجالاتے اور دولتِ ایمانی سے سرفراز ہوتے عقل والے ہی جانتے ہیں کہ شکر سے شاکر کا ہی نفع ہے نہ مشکور کا۔ خیال رہے کہ عقل باری تعالیٰ رحیم کریم کی ایک عظیم نعمت ہے اور اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے اس کی حقیقت اور محل و قوع کو بجز اللہ رسول کے کوئی نہ جان سکا۔ حکما علماء عقلا مفکرین کے عقل کی تعریف و تقسیم میں بے شمار قول ہیں اور سب ایک دوسرے سے متفرق ہیں عقل کے بارے سب اقوال دیکھے جائیں تو عجب الجادے کا جال نظر آتا ہے گویا کہ عقل کی تعریف میں خود عقل ناکام ہے۔ چنانچہ حکماء فرماتے ہیں کہ عقل ایک لطیف شئی ہے اس کی کیفیت ہمارے ذہن نہیں جان سکتے۔ اور فلاسفۂ قدیم کہتے ہیں کہ عقل ایک جوہر ہے جو روحِ انسانی کو روشن کرتی ہے اور روح کو زندگی بخشتی ہے جیسے کہ روح جسم کو۔ تو جس طرح قوتِ جسم روح سے وابستہ ہے۔ اسی طرح قوتِ روح عقل سے۔ قوتِ جسم سے انسان دنیاوی اعمال و احوال پر بخوبی قابو پا سکتا ہے۔ اور قوتِ روح سے ایمان و عرفان نصیب ہوتا ہے۔ یہی عقل کفار کو میسر نہیں اسی کا لَا یَعْقِلُوْنَ میں ذکر ہے۔ بعض نے کہا کہ عقل محض سبب یا آلہ ہے حصولِ معرفت کا۔ بعض نے کہا یہ عقل روح سے متعلق نہیں بلکہ قلبِ انسانی سے متعلق ہے اور اس کو روشن کرتا ہے (تمہید ابو شکور سالمی ص) بعض نے کہا کہ عقل قوتِ نفس کا نام اور علم عقل کا تابع ہے۔ بعض محققین نے کہا کہ عقل علومِ غیبیہ کے ادراک کرنے کا ایک جوہر ہے (کتاب الاسلام ص) علماء عارفین فرماتے ہیں کہ عقل چار قسم کی ہے ۱۔ **عقلِ حقیقی** اسی کو منطقی لوگ عقلِ اوّل کہتے ہیں اسی سے تمام عالم کا وجود ہے۔ اسی کے متعلق آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل پیدا فرمائی اسی عقل کو عرش والے احمدِ مجتبٰے کہتے ہیں اور فرش والے محمدِ مصطفٰے کہتے ہیں ۲۔ **عقلِ غریزی** جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدا فرمائی ہے۔ اس کے ذریعے اچھے برے۔ صحیح۔ غلط کاموں میں فرق کر سکتا ہے۔ اسی کے ذریعے انسان جانوروں سے مخصوص و ممتاز ہے ۳۔ **عقلِ مجازی** یہ ایک اِدراک ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائی اس میں زیادتی کمی ہوتی ہے یہ عقل کبھی کبھی ختم بھی ہو جاتی ہے اور کبھی خود اپنی بداعمالیوں سے چھین لی جاتی ہے صفائیِ قلب کی زیادتی سے اس

میں زیادتی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ فراستِ مومن کا لقب پاتی ہے۔ حلال غذا اور صحبتِ صالحین اس کیلئے اکسیر ہے حرام غذا زہر قاتل بعض نے فرمایا لَا یَعْقِلُوْنَ میں یہ ہی مراد ہے ۔ عقل الہامی بعد بلوغت یہ عقل انسان کو عطا ہوتی ہے اور لحظہ بلحظہ ملتی ہے۔ اس کے ذریعے خالق و مخلوق کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ اسی سے حق تعالیٰ کی صنعتیں اور قدرتیں جانتا ہے اسی نور سے قرآن و حدیث اشیاء عالم اور خود اپنی خلقت میں غور کرتا ہے۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہاں لایعقلون میں یہ ہی عقل مراد ہے کفار اس سے بے نصیب ہیں (ارشاد السالکین لامام بلخی) ۵ عقل دنیوی جو صرف دنیا کی الجھنوں اور مکر و فریب ہی کی طرف عاقل کو چلاتی ہے تصوف یا منسوخ اسی کی برائی کی ہے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** ہر شے کا خالق اللہ ہے خواہ وہ شی خیر ہو یا شر لہٰذا معتزلہ کا مذہب اس آیت کے خلاف ہوا اور مذہب اہل سنت برحق ہے **دوسرا فائدہ** حضرت یونس کے چند تاریخی واقعات نبی اکرم کی سیرت سے ملتے جلتے ہیں مثلاً نبی کریم کو بھی قوم کفار نے امین اور صادق الوعد کہا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی یہی خطاب ملا۔ جیسا کہ آپ کی تاریخ میں عرض کیا گیا۔ قوم یونس سے بھی اللہ کریم نے عذاب نہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی عذاب سے بچایا گیا اور جس طرح حضرت یونس کی قوم بعد میں ایمان لائی اسی طرح فتح مکہ کے دن نبی پاک کا قبیلہ اکثریت سے ایمان لایا۔ اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی یُوْنُسَ بْنَ مَتّٰی۔ مجھ کو یونس بن متی پر فضیلت مت دو۔ حالانکہ یہ امر متفقاً مسلمات سے ہے کہ ہمارے آقا نبی اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ اس حدیث پاک کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم مقابلہ بازی میں سڑکوں گلیوں میں یہود و نصاریٰ کے سامنے ایسی باتیں نہ کرو کہ یہ مجھ کو اچھی نہیں لگتیں۔ تب یہ اظہار کسرِ نفسی ہے یہ فائدہ حضرت یونس علیہ السلام کے تاریخی حالات سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متی تھا **تیسرا فائدہ** دینِ اسلام خوش اخلاق اور محبت سے پھیلا نہ کہ تلوار سے۔ کتنے متعصب اور احمق ہیں وہ یہودی اور عیسائی جو اپنی کتابوں اور تعلیم گاہوں اسکولوں کالجوں میں اور جھوٹی بناوٹی تاریخوں میں یہی بتاتے ہیں کہ دینِ اسلام تلوار سے پھیلا حالانکہ اس آیتِ کریمہ میں تو اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ فرما کر زبانی جبر سے بھی منع فرمایا گیا اور پھر ایسی غلط بیانی سے نئی نسل کو اسلام سے متنفر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی یہ غلطبیانیاں ہی اسلام کی شان اور نبی کریم کا معجزہ ثابت کرتی ہے۔ اس لئے کہ تلوار سے دین پھیلانا انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ دین کا تعلق دل سے ہے تلوار کے دباؤ سے جسم تو قابو میں کیا جا سکتا ہے مگر دل ہرگز مائل نہیں ہوتا۔ اور پھر ایک آدمی تلوار لے کر کثرتِ افراد پر قابو نہیں پا سکتا اس لئے وہ کثرت آنے والے کو مغلوب کرے گی اگر وہ فردِ واحد کثرت کے مقابل زیر نہ ہو تو یہ بھی اس کا معجزہ ہے۔ ایک شخص عام کے لئے تلوار چلانے میں تلوار چلانے والا لشکر درکار ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریم رؤف رحیم کسی ملک کے بادشاہ نہ تھے۔ اگر معاذ اللہ اسلام تلوار سے پھیلا تو تلوار چلانے والے اور ... قربان ہونے والے کہاں سے آتے کیونکہ تلوار سے تو نفرت پھیلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی لشکر کشی کرتا ہے تو صرف فوج اور شاہی خاندان کو نشانہ بناتا ہے نہ کہ عوام کو۔ عوام کو ہر حکومت خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے جو لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں تاریخ اس کو ظالم کہتی ہے۔ اور ان کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں۔ اسلام نے کروڑہا فدائی پیدا

کئے جن سے دامنِ تاریخ درخشاں ہے ثابت ہوا کہ اسلام تلوار سے نہ پھیلا بلکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم
اور عاداتِ حمیدہ سے پھیلا ہاں اسلام کے نشوونما کے بارہ سال بعد مسلمانوں نے صرف ظالم کے ظلم۔ مغرور سرکش بادشاہوں
کی سرکشی توڑنے اور اپنے دفاع کے لئے اور ملکی انتظام کے لئے تلوار پکڑی نہ کہ اسلام کو پھیلانے کے لئے۔

اعتراضات اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں **پہلا اعتراض** اس آیت کا ابتدائی لفظ لَوْلَا ہے اس کا معنی
مفسرین نے هَلَّا کیوں کئے اس کو اپنے اصل معنی میں کیوں نہ رکھا (امام واحدی نحوی وابو مالک) **جواب** اسلوب
قرآن کریم کے مطابق تقریبًا اس قسم کی تمام آیات کا تعلق سابقین سے بھی ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں سے بھی۔ لَوْلَا کے معنی چھوڑ
کر هَلَّا کے معنی میں لانے سے۔ نفی اور توبیخ دونوں کا فائدہ حاصل ہوا کہ نفی کا تعلق سابقین سے ہو گیا۔ اور توبیخ کا تعلق سننے والی
قیامت تک کی آئندہ نسلوں سے ہے اس لئے لَوْلَا بمعنی هَلَّا بالکل درست ہے (صاوی) **دوسرا اعتراض** اس آیت میں پہلے
فرمایا گیا رَبُّكَ پھر فرمایا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ وہاں لفظِ رب یہاں لفظِ اللہ ارشاد فرمانے میں کیا حکمت ہے دونوں جگہ ایک ہی لفظ
چاہیئے تھا یا ہر دو جگہ اللہ ہوتا یا فقط لفظِ رب۔ **جواب** لفظِ رب میں کرم اور رحم کی صفت ہے اور ایمان کرم و رحم خداوندی سے
ہی نصیب ہوتا ہے دوسرے یہ کہ لفظِ رب کی اضافت ہے احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ کی طرف وہاں محبوبیت کی
جلوہ گری ہے اس لئے وہاں پیار اور کرم کا لفظ لانے میں عین حکمت و مصلحت ہے مگر بِاِذْنِ اللّٰہِ میں قوت و طاقت کا ذکر ہے اور
لفظ اللہ جامع صفات ہے یہاں اظہار صمدیت اور بے پرواہی مقصود ہے۔ لہٰذا یہاں اسی لفظ کے ارشاد میں حکمت ہے۔ **تیسرا
اعتراض** کہ فرعون اور اس کی آل عذاب کے وقت ایمان لاتے تو قبول نہ ہوا اور عذاب سے ہلاک کر دیا گیا لیکن قومِ یونس
(قوم سیریا) عذاب کے وقت ایمان لاتے تو ان کا ایمان قبول ہوا اور عذاب بھی ہٹا لیا گیا۔ اس تفریق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب** قومِ
فرعون اور قومِ یونس اور اُن کے عذابوں میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ قوم فرعون نے انبیاءِ کرام کا مقابلہ کیا اور کرایا حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی گستاخیاں کیں مگر قومِ یونس نے نہ حضرت یونس کا مقابلہ کیا نہ گستاخی بلکہ آخری دم تک حضرتِ یونس
علیہ السلام کی صداقت کا اعتراف کرتے رہے صرف مسلمان ہونے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنے سے انکار کیا دوسرے
یہ کہ قومِ فرعون مغرور اور متکبر تھی اور تکبرِ قلبی ہی ایمان سے دور اور سرکشی سے قریب کرتا ہے۔ لیکن قومِ یونس میں ظلم اور غنڈہ
گردی چوری لوٹ مار تو تھا مگر غرور و تکبر نہ تھا دیکھا گیا ہے کہ چور ڈاکو لٹیرے اور آوارہ بدمعاش قسم کے لوگ عوام پر ظلم تو
واقعی بہت کرتے ہیں مگر اللہ کے عذاب اور پیر فقیر اولیاء علماء سے بہت ڈرتے ہیں۔ آستانوں کا مزارات کا بہت احترام
کرتے ہیں اکثر دین کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں کئی گرہ کٹ اور ڈاکوؤں کو تسبیح اور نماز کا پابند دیکھا گیا ہے۔ چور ڈاکو
مغرور نہیں ہوتے تیسرے یہ کہ قومِ فرعون کو جب عذاب کی خبر سنائی جاتی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے اور
اس خبر کو قطعًا جھوٹ سمجھتے (معاذ اللہ) یہی حال تمام ہلاک ہونے والی قوموں کا تھا۔ مگر قومِ یونس علیہ السلام خبر عذاب سن کر
فورًا نرم پڑ گئی اور اپنے ایمان کو مقررہ رات میں حضرت یونس کی موجودگی پر موقوف کر دیا۔ چوتھے یہ کہ فرعون اور قومِ فرعون اکثر

وقت ایمان لائے جب ان پر عذاب اتر پڑا اور انہوں نے خود بعینہٖ عذاب کو دیکھ لیا۔ قانونی طور پر اس وقت کا ایمان معتبر نہ تھا۔ لیکن قوم یونس علیہ السلام نے بعینہٖ عذاب نہ دیکھا صرف نشان عذاب سیاہ بادل کو دیکھا اور ایمان لے آئے اور جب انہوں نے حضرت یونس کو تلاش کیا تو نہ پایا دن تاریخ بھی وہی تھی سمجھ گئے یہ یوم عذاب ہے۔ فوراً کفر سے تائب ہوئے۔ بادل بذات خود عذاب نہ تھا اس میں عذاب تھا نہ معلوم کس نوعیت کا تھا سیلاب کا تھا یا آگ کا یا پتھر کا۔ پس قوم یونس کا ایمان عذاب دیکھ کر یا عذاب کے نزول سے ہوا اس لئے قبول ہوا۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت میں کُلُّھُمْ فرمانے کے بعد جمیعًا فرمانے کی کیا وجہ تھی۔ سب کی شمولیت اور احاطہ تو کُلُّھُمْ سے ہی معلوم ہو گیا تھا **جواب** جمیعًا کے لفظ نے اجتماعی صورت کو ثابت کیا یعنی سب کے سب ایک دم پیدا بھی ہو جاتے اور عالم ارواح میں قَالُوْا بَلٰی کہنے کی طرح ایک دم سب مومن ہو جاتے ایک دم نماز ایک دم روزہ ایک ساتھ ساری کائنات کے جن وانس کا سجدہ سجود ہوتا۔ عجب نظارہ ہوا کرتا جیسے کہ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ کہ سب ملائکہ حضرت آدم کو ایک دم اجتماعی صورت سے سجدہ کیا۔

تفسیر صوفیانہ سلطنتِ قالب میں عقل امیر مملکت ہے اور عشق وزیر اعظم ہے۔ عقل اور عشق دونوں شہنشاہ قلب کے عملے میں ہیں۔ عقل کا کام ہے پہچاننا اور عشق کا کام ماننا۔ عقل ماننے پر راغب نہیں ہوتی اور عشق پہچاننے سے قاصر ہے۔ مومنِ اسرار الٰہیہ کے لئے دونوں ضروری ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فقط عقل کی پہچان سے ایمان بغیر عشق قبولِ بارگاہ ہوا ہو ایسی کہیں مثال نہیں ملتی مگر عشقِ الٰہی والی قوم کہ ان کا ایمان بہر حال قبول ہے اور وہی لوگ لذتِ انوار کا نفع ابدُ الاٰباد تک پاتے ہیں ان کی بے سر و سامانی معمولی زندگی میں قبض کے دروازے پر بسط اور کَشَفْنَا کا حکم لگ جاتا ہے۔ ہاں نظامِ کائنات چلانے کے لئے کبھی کبھی اسرار و انوار کا دروازہ کشف سے قبض کے درجے میں آتا ہے۔ کیونکہ شعر

اگر درویش یک حالے بماندے ٭ سرِ دست از دو عالم بر فشاندے

اور کسی کسی کو نعمتِ عشق میسر ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہی عشق کا متوالہ بنا دیا جاتا۔ عقل و عشق کا یہ عطیہ محض فضلِ ربی ہے اگر تم اے کائنات والو چاہو کہ کسی کو عاقل عاشق بنا دو تو ناممکن۔ دولتِ ایمان معرفت نور اللہ الصمد کے لطف پر ہی موقوف ہے۔ اور فراق کا عذاب انوارِ عقل سے محروموں کے لئے۔ عقل ایک نور کا شجر ہے۔ جس سے محبت۔ علم۔ حلم۔ انس۔ بقا حیات کی کلیاں چٹکتی ہیں اور ہر کلی سے مختلف۔ سمع بصر۔ تکلم۔ شوق۔ طلب۔ صدق۔ ارادت۔ معرفت۔ وفا۔ حیا۔ تحمل۔ سکون۔ شفقت۔ رحمت ثبات۔ دوام۔ فہم۔ فراست کے پھول و پھل لگتے ہیں۔ پس جو عقل سے محروم وہ ان تمام نعمتوں سے بے نصیب رہا۔ تاویلات نجمیہ ہے کہ رجس سے مراد عذابِ حجاب ہے۔ اور لَا یَعْقِلُوْنَ سے وہ بے عقل مراد ہیں جن کے پاس نورِ ایمانی کے پہچاننے والی عقل نہیں ہے۔ یہی عقل توحید و معرفت کا راستہ دکھاتی ہے۔ عقل مجردہ کو یہاں تابِ قیام نہیں (روح البیان) حق تعالیٰ کی مشیت عقل کے دائرے اور اس کے طریقوں کے ماتحت نہیں ہوتی سننِ الٰہیہ کے سامنے عقلیں حیران ہیں۔ بعض کو انوارِ ولایت سے مزین فرمایا بعض کو محروم کر دیا تاکہ محبوبوں کی خصوصیت باقی رہے۔ کسی ذی روح میں یہ طاقت نہیں کہ اس کی قبولِ محبت اور لطفِ معرفت کا مزہ لے

سکے ہاں اس کے حکم ازلیہ سے ہی حصہ نصیب ہوتا ہے (عرائس)

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی

تم کہو دیکھو وہ جو ہیں آسمانوں اور زمین اور نہیں غنی

تم فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا ہے اور آیتیں اور

الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ

کرتیں آیتیں اور ڈرانے والے کو اس قوم نہیں ایمان لاتے پس نہیں

رسول انہیں کچھ نہیں دیتے جن کے نصیب میں ایمان نہیں تو انہیں

یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ

انتظار کرتے مگر مثل کا دنوں ان لوگوں کے گذر گئے سے پہلے ان کے

کا ہے کا انتظار ہے مگر انہیں لوگوں کے سے دنوں کا جو ان سے پہلے

قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ

تم فرماؤ پس انتظار کرو تم بیشک میں ساتھ تمہارے سے انتظار کرنے والوں پھر

ہو گذرے تم فرماؤ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں پھر ہم

نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا

بچاتے ہیں ہم رسولوں اپنے اور ان کو جو ایمان لائے اسی طرح ثابت ہے

اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے بات یہی ہے ہمارے ذمہ کرم

نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۱ ۱۰ ۱۵

پر ہم بچا لیں ہم مومنوں کو

پر حق ہے مسلمانوں کو نجات دیں

تعلق :- اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق پچھلی آیات میں سابقہ قوموں کے حالات انجام اور وجہ عذاب کا تذکرہ ہوا تھا ان آیات میں آئندہ نسلوں اور موجود

کو عبرت حاصل کرنے کی رغبت دی جارہی ہے کہ آسمان زمین میں غور کرو تاکہ پتہ لگے کہ خالق اور سچا معبود کون ہے۔ اور نافرمانوں کے تاریخی حالات پڑھو سنو اور سبق حاصل کرو۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں پا سکتا۔ اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ قرآن کریم کی آیات یا انبیاء کرام بھی فقط ایمان والوں کو ہی غنی کرتے ہیں بے دینوں کو وہ بھی کچھ نہیں عطا کرتے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بے وقوفوں پر عذاب نازل ہوتا ہے یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم بھی بے وقوف ہو تو تم بھی عذاب کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ تمہاری ہلاکت دیکھنے کا منتظر ہوں **چوتھا تعلق** پہلے فرمایا گیا کہ ہم نے حضرت یونس اور ان کی قوم کو عذاب سے بچالیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ بچانا قانون کے خلاف نہیں ہوا۔ بلکہ یہ سب کچھ قانون کرم کے مطابق ہوا کیونکہ ہم اپنے رسولوں اور ان کے مومن فرماں بردار سچی توبہ کرنے والوں کو دنیا و آخرت کے عذابوں سے بچاتے رہے ہیں اور بچاتے رہیں گے **پانچواں تعلق**۔ پہلے فرمایا گیا کہ ان کفار پر طرح طرح کے عذاب اس لئے آتے رہے کہ یہ بے وقوف اور بے عقل تھے اب اس آیت کریمہ میں اُن کی بے عقلی کی نشانی بتائی جارہی ہے کہ اُن کو تدبّر فی المخلوق کی دعوت دو اگر عقل ہوگی تو مخلوق الٰہی میں غور و فکر و تدبر کریں گے بلکہ سب سے پہلے خود میں غور کریں گے۔ اور روشن ضمیری حاصل کریں گے۔ لیکن وہ کبھی اس طرف نہ آئیں گے ثابت ہوا کہ بے عقل ہیں **چھٹا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایمان اللہ کی مشیت سے ملتا ہے اس میں جبر نہیں ہوتا اب آسمان و زمین میں غور کا حکم دیا جارہا کہ ثابت ہو جائے کہ نبی کریم نے کبھی جبر فی الدین کو پسند نہ فرمایا بلکہ دعوت غور و فکر دی۔

تفسیر نحوی قُلِ انْظُرُوْا۔ لفظ قُلْ بحث فعل امر حاضر ہے قولٌ سے مشتق ہے قرآن کریم میں یہ لفظ دو سو اٹھانوے دفعہ آیا ہے اس میں عام طور پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے مگر بعض جگہ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ عام مسلمان کو خطاب ہو مگر اس سے کافر کو ہر گز ہر گز خطاب نہیں ہوتا۔ بعض نحویوں نے فرمایا کہ قل کے لام کو زیر ہے اس لئے کہ جب دو ساکن جمع ہوں تو اول کو زیر دیا جاتا ہے بعض نے کہا کہ لام کو ضمہ ہے جو اُنْظُرُوْا کے ہمزہ سے منتقل کیا گیا ہے اُنْظُرُوْا امر حاضر جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد اگر قلبی دیکھنا ہے تو یہ متعدی فِیْ سے ہے۔ اور اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہے تو یہ متعدی اِلٰی سے ہے۔ پہلا قول صحیح ہے۔ (کبیر) مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ لفظ مَاذَا میں نحات کے تین قول ہیں ایک یہ کہ پورا مَاذَا اسم موصول ہے بمعنی اَلَّذِیْ اور اگلی عبارت فِی السَّمٰوٰتِ (الخ) اس کا صلہ۔ اور پھر یہ سب اُنْظُرُوْا کا مفعول بہٖ ہم نے اپنے لفظی ترجمے میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ دوسرے یہ کہ مَاذَا۔ پورا اسم استفہام ہو اور مبتدا کی بنا پر حالت رفع میں ہو اگلی عبارت اس کی خبر ہو پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہٖ ہو پہلے فعل کا۔ اعلیٰحضرت نے اپنے ترجمے میں اسی کو ترجیح دی ہے تیسرے یہ کہ لفظ مَا سوالیہ رہا اور ذَا اسم موصول بمعنی اَلَّذِیْ ہو مابعد کی عبارت اس کا صلہ ہو اور یہ سب مَا مبتدا کی خبر ہو کر اُنْظُرُوْا کے متعلق ہو محلاً زبر کی حالت میں ہے یہاں حرف جر فِیْ۔ یا اِلٰی پوشیدہ ہے۔ اس کو تفسیر روح المعانی نے ترجیح دی۔ اَلسَّمٰوٰتِ میں الف لام استغراقی ہے یہ جمع ہے سَمَاءٌ کی اسی طرح وَالْاَرْضِ میں بھی الف لام استغراقی ہے۔ یہ دونوں لفظ مونث ہیں وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ

حرف ما صحیح یہ ہے کہ نفی کا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ ما صلے کا ہے بمعنی اَیُّ شیءٍ تُغْنِیْ مونث کا صیغہ فعل مستقبل غنیٰ سے مشتق ہے بمعنی محتاجی کو ختم کرنا۔ اَلْاٰیٰتُ میں الف لام استغراقی ہے جمع ہے آیت کی جمع مونث سالم وَالنُّذُرُ۔ واؤ عاطفہ ہے۔ الف لام استغراقی ہے نذیر کی جمع ہے۔ مراد انبیاء کرام ہیں اور تا قیامت علماء و مشائخ ہیں۔ بعض نحوی ائمہ نے فرمایا یہ اِنذار بمعنی ڈرانے والی چیزوں کی جمع ہے۔ بعض کے نزدیک نُذُرٌ واحد ہے اور خود مصدر بمعنی اِنْذَارٌ ہے (تفسیر معانی) مگر پہلا قول مرجوح عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۔ عن حرف جار نے متعدی کے معنی پیدا کئے قوم جماعت کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ کفار ہیں۔ جن پر خَتَمَ اللّٰهُ کا فیصلۂ الٰہیہ ہو چکا ہے۔ لفظِ قوم موصوف ہے لَا یُؤْمِنُوْنَ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ فَ تعقیبیہ ہے۔ لفظِ هَلْ نفی کے لئے ہے یَنْتَظِرُوْنَ۔ نَظْرٌ۔ سے مشتق ہے بمعنی غور فکر کرنا باب انفعال میں آکر طلب سے معنی پیدا ہو گئے یعنی آئندہ شی کا انتظار کرنا۔ خیال رہے کہ نَظْرٌ، بَصْرٌ اور بَصِیْرٌ بلحاظ ترجمہ سب کا ایک معنی ہے دیکھنا لیکن نوعیت مختلف ہے۔ جسمانی ظاہری آنکھ سے دیکھنا بَصْرٌ ہے۔ قلب یا دماغ سے دیکھنا بصیرت ہے اور نَظْرٌ عام ہے ہر دو کو۔ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ۔ اِلَّا حرفِ استثناء نے نفی کو توڑ دیا مثل حرف تشبیہ پر محلاً زبر ہے ماقبل کی مفعولیت کی بنا پر قاعدۂ نحویہ کی بنا پر ہر حرف تشبیہ بذات خود جزئی تشبیہ پیدا کرتا ہے نہ کہ کلّی۔ بلکہ بعض موقعوں پر کلی تشبیہ ناممکن ہوتی ہے جیسے کہ یہاں موجودہ ایام سابقہ ایام سے کُلِّیَۃً ہرگز مشابہ نہیں ہو سکتے صرف جنسِ عذاب میں تشبیہ ہے۔ اسی طرح بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بھی محض جزئی تشبیہ ہے۔ جہلاءِ زمانہ اس بات پر غور نہیں کرتے اور نبی کریم کی مثلیت کا دعویٰ کر کے ایمان برباد کر لیتے ہیں ایام جمع ہے یوم کی مراد ہے مطلق زمانہ نہ کہ سورج والا دن۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع ہے۔ خَلَوْا جمع کا صیغہ بحث ماضی مطلق معروف خُلُوٌّ سے بنا لُغَۃً بمعنی علیحدہ ہونا اصطلاحًا بمعنی گزر جانا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ مِنْ زائدہ ہے قَبْلِهِمْ مرکب اضافی ہے یہ ظرف زمانی ہے۔ خیال رہے چھ قسم کے ظرف زمانی و مکانی ایسے ہیں کہ ان کا احاطہ مقرر نہیں کیا جا سکتا ۱۔ قَبْلُ ۲۔ بَعْدُ ۳۔ فَوْقُ ۴۔ تَحْتُ ۵۔ عِنْدَ ۶۔ بَیْنَ یَدَیْهِ۔ یہ ظروف بجز متکلم محدود نہیں کئے جا سکتے۔ هِمْ ضمیر جمع غائب مجرور متصل سے مراد موجودہ اہل عرب ہیں فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ۔ قُلْ میں خطاب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ فَ تعقیبیہ ہے اِنْتَظِرُوْا صیغہ امر جمع کا ہے اس کا فاعل کفارِ عرب ہیں یہ متعدی بیک مفعول ہے یہاں مفعول بہٖ پوشیدہ ہے۔ یا عذاب اور یا ہلاکا میری ہلاکت، اِنِّیْ میں اِنَّ حرف تشبیہ کلام کی مضبوطی کے لئے لایا گیا۔ یاءِ متکلم کا مرجع ذات محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ مَعَ ظرفیت زمانی کے لئے ہے صرف معیت انتظار ثابت کر رہا ہے کُمْ سے مُخَاطَبِیْن کفار مراد ہیں مَعَكُمْ مرکب اضافی ظرفِ مقدم مِنْ تبعیضیہ ہے۔ اَلْمُنْتَظِرِیْنَ میں الف لام عہد خارجی ہے بعض نے فرمایا الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ ہے مُنْتَظِرِیْنَ اسم فاعل جمع ہے یہاں بھی مفعول بہٖ یا لفظ عذاب یا لفظ هَلَاكَكُمْ پوشیدہ ہے ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ثُمَّ حرف عطف ہے اس کا معطوف علیہ پورا جملہ فعلیہ پوشیدہ ہے یعنی نُهْلِكُهُمْ (مدارک کبیر) نُنَجِّیْ مضارع معروف صیغہ جمع متکلم نَجْوٌ بمعنی علیحدہ ہونا سے مشتق ہے باب تفعیل میں علیحدہ کرنا کے معنی پیدا ہوئے۔ کسائی نحوی اور یعقوب نحوی نے فرمایا

یہ بغیر تشدید باب افعال سے ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ معطوف علیہ و معطوف دونوں فعل بمعنی حال ہوں مگر روش کلام سے صحیح تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو فعل مستقبل ہیں۔ رُسُلَنَا یہ مرکب اضافی حالت زبر میں مفعولیت کی بنا پر ہے رُسُل جمع ہے رسول کی مراد انبیاء و مرسلین سب ہیں بوجہ لغوی عموم کے نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذات وحدہ لاشریک ہے واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع ہے اس کا صلہ اٰمَنُوْا جملہ فعلیہ ہے۔ کَذٰلِکَ حرف تشبیہ۔ سابقہ قانون کی مشابہت کے لئے ہوتا ہے۔ حَقًّا مفعول مطلق ہے اس کا عامل حَقَقْتُ یا حَقَقْنَا پوشیدہ ہے۔ اس کا معنی ہے لازم کر لیا ہم نے لازم کرنا عَلَیْنَا اپنے پر۔ علیٰ حرف جار محض لزوم کے لئے ہے وجوب شرعی کے لئے نہیں کیونکہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز فرض یا واجب نہیں علیٰ کا الف۔ نا کے اِتّصال کی وجہ سے گر گیا نحوی قاعدہ ہے کہ آخری الف کبھی بھی درمیان میں نہیں رہ سکتا نُنْجِ ایک قرأت میں نُنْجِیْ اصلی حالت میں ہے۔ پہلی قرأت میں۔ ی۔ بوجہ اتصال۔ الف لام۔ گر گئی باب افعال کا مضارع ہے بمعنی حال یہ جملہ فعلیہ حالت نصب میں ہے بوجہ حَقَقْنَا فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہونے کے اَلْمُؤْمِنِیْنَ الف لام جنسی ہے (معنی) مگر میرے نزدیک استغراق ہے انبیاء اس میں شامل نہیں صرف اُمّتیں مراد ہیں۔ مومنین جمع ہے مومن کی حالتِ زبر ہے نُنْجِ کا مفعول بہ ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اے پیارے حبیب تم فرماؤ کہ دیکھو اس کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس آیت میں نبی اکرم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے کہ موجودہ کافروں کو دعوتِ فکر دو۔ کہ وہ آسمانوں زمین میں غور کریں۔ اس دعوت کی تین وجہ ہیں پہلی یہ کہ کفار کی بے عقلی ثابت کرنا مقصود ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت وغیرہ میں غور و فکر کرنا معرفتِ الٰہیہ تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ ؎

ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

جب یہ کفار اس دعوت کو قبول نہ کریں گے تو ان کی بے عقلی سب پر ظاہر ہوگی دوسری وجہ یہ کہ آسمانوں میں عجائبات بھی ہیں۔ فلکیات بھی شمس و قمر بھی سیارے اور نجوم بھی بارش بھی ہے بجلی بھی۔ زمین میں ذرے بھی پہاڑ بھی نباتات بھی ہیں جمادات بھی۔ کانچ پتھر بھی ہیں لعل و یاقوت بھی ظواہر بھی ہیں اسرار بھی۔ اور دنیا میں مختلف اشخاص کے مختلف فکریات و نظریات ہیں ان ہی آسمانوں زمین میں منطقی فلسفی غور کرتا ہے تو اس کو ہر طرف سائنس ہی نظر آتی ہے۔ جب علماء فقہا تدبر فرماتے ہیں تو ہر سمت میں قانونِ خداوندی اور عجائباتِ الٰہیہ ہی کی بہاریں نظر آتی ہیں۔ اولیاء اللہ کے تدبر سے ان آسمانوں زمینوں میں اسرار ہی اسرار سمجھ آتے ہیں۔ جیسی عقل و یسا تدبر و فکر ؎

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

ہر شخص کی فکر و نظر اس کی ہمتِ عقل کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر بے عقل لوگ کچھ بھی نظر نہیں رکھتے یہاں دعوتِ نظر اسی لئے دی گئی ہے تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ اِن کی فکر اِن کو کس طرف لے جا رہی ہے اور جب آسمان و زمین میں تدبّر سے نہ دنیا ہی حاصل کر سکے نہ دین ہی تو بے عقلی بالکل واضح ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اِس جیسی دیگر آیات

میں صرف آسمانوں اور زمین اور ان کی چیزوں میں غور فکر کرنے کی دعوت دی اس کے علاوہ کسی بھی چیز میں خاص طور پر دینی ایمانی روحانی عرفانی چیزوں میں کسی شخص کو عقل دوڑانے کی اجازت نہیں۔ اس لئے کہ عقل انسانی آسمان وزمین اور ان کی اشیاء میں تو غور وفکر کر سکتی ہے اور کچھ اچھا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ مگر ایمان اور ایمانیات کے سمجھنے میں عقل انسانی ناکارہ ہے۔ عقل وہ پرزہ ہے جو صرف دنیا سمجھنے کے لئے بنایا گیا ہے اس سے دین وایمان کو نہ پرکھو۔ یہ عقل صرف اسی لئے ہے کہ زمین وآسمان کو دیکھو اور ہوسکے تو اس سے خالق کائنات کے نشان قدرت معلوم کرو دین وایمان کی دولت تو صرف احمد مجتبیٰ کے دامن کی عطا ہے۔ اگر دامن مصطفےٰ سے وابستگی نہیں تو ہزار بار آسمانوں زمین میں غور کرنے سے بھی اُخروی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ نشانات قدرت ایمان کی دولت کے ساتھ غنی کر سکیں کیونکہ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۔ اور نہیں غنی کر سکتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لاتے۔ علماء مدبرین فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق آیات اللہ ہیں انسان کو چاہیئے مخلوق کو دیکھے اور خالق کو پہچانے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تَفَکَّرُوْا فِی الْخَلْقِ وَلَا تَتَفَکَّرُوْا فِی الْخَالِقِ۔ (کبیر) یعنی جس کا ایمان مشیت الٰہی میں نہیں ہے وہ واضح نشانات قدرت خدا تعالیٰ کو دیکھ کر بھی اُن میں ایسا غور نہیں کرتے جو اُن کو معرفت خالق کائنات عطا کرے اوّلاً تو بغور دیکھتے ہی نہیں اور غور بھی کریں تو بیہودہ اور خلاف حقیقت جیسے کہ سائنسدان یا فلاسفۂ قدیم کہ اُن کے غور نے ان کو ایمان وعرفان سے اور دور کر دیا۔ نُذُر سے مراد انبیاء کرام یا اُن کے فرمودات ہیں گویا کہ بے ایمان قوم کو انبیاء کرام جو خزائن قدرت کے مختار ہوتے ہیں اُن سے کچھ ایمان نہیں ملتا۔ اور ایسے کریم داتا سے بھی یہ بدنصیب خائب وخاسر رہتے ہیں۔ اور یہ اُن کی حماقت ہے کہ یہ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ۔ پس نہیں انتظار کرتے مگر ان لوگوں کے دنوں کی مثل جو ان سے پہلے گذر چکے۔ شروع کائنات سے کفار کا یہ طریقہ رہا کہ انبیاء کرام کی خبروں کو جھٹلاتے اور مذاق اڑاتے رہے بلکہ عذاب کو جلدی مانگتے رہے۔ اسی طرح مکے کے کافروں نے بھی بطور مذاق مختلف قسم کی گستاخیاں کیں جن کو یہاں بیان فرمایا گیا۔ لفظ ایام کا یہاں استعمال کرنا گویا ظرف بول کر مظروف مراد لینا ہے۔ اس لئے کہ ایام سے مراد زمانہ ہے زمانے کا انتظار تو نہیں کیا جاتا نہ وہ لوٹ کر آسکتا ہے۔ ہاں البتہ اس عذاب کا انتظار تھا جو پہلے زمانوں میں گذشتہ مردود کفار پر واقع ہوا لفظ خَلَوْا میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے پیارے حبیب نہ وہ کفار باقی نہ ان کا نام ونشان رہا سب کے سب گذر گئے نہ یہ باقی رہیں گے ایسے فنا ہو جائیں گے کہ نام نشان نہ رہے گا۔ ان سب کو فنا ہے ہاں بقا صرف نبی کریم اور ایمان والوں کی ہے۔ جو ابدالآباد تک ہے۔ اگر یہ کفار اس اشارے کو بھی نہ سمجھیں تو قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ فرمادو۔ پس انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں یعنی تم اپنی ہلاکت کا اور میں تمہاری ہلاکت کا۔ یا تم اپنے پر عذاب نازل ہونے کا اور میں مومنوں کے بچ جانے کا تاکہ اُن کو بتایا جائے کہ دیکھو کافر نبی کی گستاخی کی بنا پر جنگ بدر میں باوجود کثرت کے ہلاک ہوئے اس لئے کہ جنگ بدر درحقیقت عذاب الٰہیہ تھا جو بیک وقت مسلمانوں اور فرشتوں کے ہاتھوں وارد ہوا۔ مسلمان فتح یاب ہو کر اپنی سچائی پر مزید مضبوط ایمان لے آئے اور مسلمانوں کو نبی کریم کی اس خبر پر مزید یقین آگیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم عذاب

سے کافر کو ہلاک کرتے ہیں ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔
پھر بچا لیتے ہیں ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اسی طرح حق ہے ہم پر کہ بچالیں ہم مومنوں کو۔ حرفِ ثُمَّ نے ایک لطیف
اشارہ فرمایا کہ نزول عذاب کے بعد بچایا جاتا ہے جو بجز قدرتِ الٰہیہ کے ناممکن ہے یہ اس لئے ہے کہ ہر مومن اپنے بچنے پر
حیران ہو کر رب کریم کی رحمت و شفقت پر بصدق دل مزید عین الیقین حاصل کرے نجات یا تو اس طرح ہوتی ہے کہ مومنوں کو
ان کے نبی علیہ السلام کے ساتھ اس عذاب کی جگہ سے ہٹا لیا جاتا ہے یا وہیں رہ کر عذاب سے بچایا جاتا۔ اور یا اس طرح کہ وہی
چیز کافروں کے لئے عذابِ خداوندی بن جاتی ہے اور مومنوں کے لئے رحمت مثلاً دنیا کی غربت مفلسی یا تکالیف کہ مومن
ان کو منجانب اللہ سمجھ کر راحت قلبی اور صبر و عبادت کا ذریعہ بنا لیتا ہے مگر کافر ان میں دل تنگی کی موت مر جاتا ہے۔ یا جیسے موت
یا جنگ میں قتل ہونا کفار کے لئے سراسر عذاب ہے مگر مومن کے لئے رحمت نجات پانے والے دو ہی گروہ ہیں ایک بلاواسطہ یعنی
گروہ انبیاء اور دوسرے بالواسطہ۔ یعنی عام مومن کہ یہ لوگ دامنِ نبی کے واسطے سے نجات پاتے ہیں۔ کذالک سے جملہ معترضہ
یعنی علیحدہ جملہ شروع ہوتا ہے جس میں اس نجات دینے کی وجہ بتائی گئی کہ یہ ہمارا شروع سے کرم رہا۔ اور ہم نے اپنے کرم سے اپنے
پر یہ نجات لازم کر لی ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب استحقاقی نہیں۔ بندوں پر ہر چیز واجب استحقاقی ہے جس کے
نہ کرنے سے بندہ گنہگار ہوتا ہے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں اور مخلوقات میں دیکھنا اور غور
کرنا بہت مفید ہے عقل سے دیکھنے میں دنیاوی فائدے ہیں بشرطیکہ ایمان و عرفان کا ذریعہ بنے۔ عشق اور قوت
روحانی سے دیکھنا محبوبین کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔ ہر قسم کا علم سیکھنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے مگر پہلے دینی علم سیکھنا چاہیے
یہ فائدہ قُلِ انْظُرُوْا (الخ) سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** جس طرح کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ جل شانہ کی معرفت کے
بے شمار نشانات بکھرے ہیں صرف عقل و خرد کی نظر چاہیے۔ اسی طرح آسمان اور زمین میں محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت
اور آپ کی سچی نبوت پر بھی بے شمار دلائل و نشانات قائم ہیں صرف ذوق و شوق کی گہری نظر چاہیئے۔ یہ فائدہ بھی قُلِ انْظُرُوْا
(الخ) سے حاصل ہوا کیونکہ کفار کا یہی مطالبہ تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنی نبوت اور صداقت پر کوئی نشانی دکھایئے
ان کے جواب میں ہی ارشاد فرمایا گیا قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ ۔ (الخ) یعنی اے کافرو آسمانوں زمین میں غور کرو ہزاروں
لاکھوں نشانیاں ہمارے نبی کی صداقت پر مل جائیں گی تم غور ہی نہ کرو یا غور کرنے والی عقل ہی تمہارے پاس نہ ہو تو تمہارا اپنا
قصور ہے **تیسرا فائدہ** مومن کا ہر کام عبادت ہے یہاں تک کہ ہلاکت کفار کا انتظار کرنا بھی نیکی ہے کیونکہ کافر اللہ کا دشمن ہے
اور کسی کے دشمن کی ہلاکت چاہنی اس شخص کی دوستی اور محبت کی علامت ہے۔ لہٰذا کفار سے دشمنی بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی نشانی
ہے جو عین عبادت ہے۔ اسی طرح مومنوں کی نجات اور فائدے کا انتظار کرنا یا ایمان والوں کو فائدہ پہنچانا بھی خوشنودی باری تعالیٰ
کی نشانی ہے۔ لہٰذا مومن مسلمان کو کسی طرح نقصان پہنچانا۔ سراسر بے ایمانی ہے۔ ہر مسلمان کو اس بدخصلت سے بچنا چاہیئے

چوتھا فائدہ لفظ مومنین میں یا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وغیرہ میں انبیاء کرام شامل نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ نُنۡجِ سے روشلنگ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** اس آیت کے شروع میں ارشاد ہوا قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ لفظ مَاذَا عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ سات آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو دیکھو۔ حالانکہ طاقت بشری تو در کنار طاقت جنی بلکہ طاقت ملکی کے لئے بھی اللہ کی ساری مخلوق کو دیکھنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہم سب اشیاء کو نہیں دیکھ سکتے ایک آسمان کی پوری چیزیں بھی نظر نہیں آتیں چہ جائیکہ سات آسمان کی چیزیں لہٰذا یہ امر یا محال ہے۔ جو حکمت کے خلاف ہے۔ خود قرآن پاک ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ تو یہاں ایسا مشکل تر حکم کیوں دیا گیا؟ **جواب** اسکے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ واقعی مَاذَا عام ہے۔ لیکن ہر شخص کے عقل اور ادراک کے اعتبار سے۔ یعنی دیکھو وہ جو اے انسانو تمہارے ادراک میں آسکے۔ مثلاً چاند، سورج۔ ستارے۔ دریا۔ سمندر۔ پہاڑ غار خزانے۔ کانیں۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات پھر ان کی خلقت اور ان کی حکمتیں فائدے معلوم کرکے قدرت خداوندی کا مشاہدہ کرو۔ ہر انسان کو بحسب طاقت جو نظر آسکے وہی اس کے لئے کُل ہے۔ اور چونکہ یہ حکم قیامت تک کے تمام انسانوں کو ہے۔ جن میں فلسفی۔ منطقی۔ سائنس دان سب ہی شامل ہیں جو آنکھوں کے علاوہ دوربین خوردبین سے بھی بے شمار چیزیں دیکھ سکتے ہیں اس لئے یہ حکم محال یا حکمت کے خلاف نہ ہوا۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں نظر سے مراد غور کرنا ہے اور غور کرنے کے لئے آنکھ سے دیکھنا ضروری نہیں۔ غور میں بہت وسعت۔ ہماری آنکھ تو محدود ہوسکتی ہے مگر غور کرنے کے لئے کوئی حد بندی نہیں اَن دیکھی چیزوں پر بھی ہو سکتا ہے۔ غور کا تعلق ہمارے خیالات و تصورات سے ہے جن کا کوئی شمار نہیں **دوسرا اعتراض** اس آیت میں فرمایا حَقًّا عَلَیْنَا تمام مفسرین۔ حقًا کا ترجمہ واجب کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ پر واجب کوئی چیز نہیں۔ وجوب دو چیزوں کا متقاضی ہے ۱۔ محتاجی کو جس پر واجب ہے وہ محتاج ہو ۲۔ ترک پر گناہ لازم ہو یہ دونوں چیزیں خالق کائنات کے لئے ناممکن ہیں۔ **جواب** واجب دو قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا واجب استحقاقی جس کو واجب شرعی کہا جاتا ہے۔ اس کا تارک گناہگار ہوتا ہے۔ یہ کسی کے واجب کرنے سے واجب ہوتا ہے۔ اپنی ذات کا اس واجب کرنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ صرف بندوں پر واجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ دوسرا واجب واجب اختیاری ہے۔ جو خود اپنے پر بلا معاوضہ واجب کیا جاتا ہے محض کرم اور رحم سے۔ یہ کوئی دوسرا شخص واجب نہیں کر سکتا۔ اس کو واجب غیر استحقاقی بھی کہا جاتا ہے۔ یہی یہاں مراد ہے۔ اس کے ترک پر نہ گناہ نہ اس میں محتاجی کا شائبہ اس کی دنیاوی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص آپ کا کام اجرت پر کرتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وقت معینہ تک کام کرتا رہے وہ چھوڑے گا تو مجرم ہوگا وہ آپ کا محتاج بھی ہے۔ دوسرا شخص آپ کا کام بلامعاوضہ حسن عقیدت میں کرتا ہے جیسے مرید یا شاگرد یا والد اپنے بیٹے کی شفقت میں اس کا کام کرے تو یہ جو اس نے اپنے پر واجب کیا خود اپنی

رضا اور کرم سے کیا اس کے ترک پر نہ گناہ نہ ہی اس وجوب میں کچھ محتاجی۔ بس پہلا واجب شرعی ہے اور دوسرا واجب اختیاری۔ یہی یہاں مراد ہے لہٰذا اعتراض غلط ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

صوفیاء کی اصطلاح میں سمٰوات گویا قلوب ہیں ارض گویا قالب ماذا سے مراد خطرات قلب و قالب اور واردات انوار و تجلیات ہیں۔ پیشانی مرد مومن مثل آفتاب اور رخسارے مثل قمر ہیں۔ جن کی ضیا نور اور چمک ان محبوبوں کو نظر آتی ہے جو غیر پر نظر کرنے کی بجائے خود اپنے پر نظر رکھتے ہیں۔ اسی لئے ہر بشر انسان کو تا قیام قیامت دعوت عام ہے کہ اگر تمہارے پاس بصیرت صفاتیہ اور بصارۃ ذاتیہ ہے تو دیکھو اور غور کرو۔ کیونکہ جمالِ قدیم عاشقوں کے لئے ظاہر ہے اور مشتاقوں کے لئے عیاں ہے۔ محبین کے لئے بیان زمنکشف ہے پس اے شعور والو قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ دیکھو وہ جو تمہارے آسمانِ قلب اور زمینِ قالب میں ہے۔ مگر جن کو شعور کے چشموں سے کچھ حصہ نہ ملا اور جن بدقسمتوں کو انوار سے کوئی نور حاصل نہ ہوا وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ ان کے لئے یہ قلب و قالب محض ایک گوشت کا ڈھیر ہے۔ ان کو آیات اور نشانات کیسے غنی کر سکتے ہیں جو ایمان حقیقیہ سے محروم ہیں (عرائس البیان) بعض نے فرمایا کہ وہ عقلیں جو خالی ہیں راہِ نجات کی توفیق سے ان کو ضیاءِ عقل رسوائی کے اندھیرے کے باوجود روشنی کے ذریعے غنی نہیں کر سکتی اس لئے کہ انوار عقل اس کو نفع دیتے ہیں جو توفیق کے انوار اور ازلی عنایات سے تائید شدہ ہو۔ ورنہ بہت سے بے نصیب اپنی عقل کی وجہ سے ھلاکت کے غار میں چلے جاتے ہیں اور اہل معرفت کے نزدیک یہ محرومی ہی سب سے بڑا عذابِ قہار ہے جس سے اپنے رسولوں کو اور ان کے دامن عافیت و لذات سے وابستہ مومنوں کو بچا لیا جاتا ہے ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی انبیاء کرام اور مومنین تا قیامت محفوظ ہیں نورِ عنائت کی وجہ سے قہرِ محرومی سے اس طرح کہ انبیاء کی نجات ہے خطرات کے حجابات سے۔ عارفین کو نجات دی شہوات کے حجاب سے اور عام مومنوں کو نجات دی۔ ابلیس کی غارتوں سے اور شیطانوں کے سلبِ ایمانی سے۔ یہ انعام اُس رعایتِ قدیمہ کی بدولت ہے جو محبت ازلی سے وابستہ ہے چونکہ عارفین کو چن لیا کرامات اور ولایات سے۔ اس لئے حَقًّا عَلَيْنَا۔ ان کی نجات ہم پر واجب ہے۔ بعض عرفا نے فرمایا کہ نجات کا مطلب ہے کہ ہم اپنے رسولوں کو۔ مراد نفس۔ غلبہ شہوت۔ غفلۃ وقت۔ دشمن کی غالبیت اور۔ اسرار کی دوری سے بچاتے ہیں اسی طرح ان کو نجات دینا بھی ہم پر واجب ہے جو ہماری عبودیت میں صادق ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ

فرماؤ اے لوگوں اگر ہو تم میں شک سے دین میرے پس

تم فرماؤ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو تو میں تو اسے نہ

فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ

نہیں عبادت کروں گا میں ان کی عبادت کرتے ہو تم سے سوا اللہ کے اور لیکن

پوجوں گا جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہاں اس اللہ کو پوجتا ہوں جو

اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی وہ جو وفات دیتا ہے تم کو اور حکم دیا گیا ہوں میں یہ کہ رہوں

تمہاری جان نکالے گا اور مجھے حکم ہے کہ ایمان والوں

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۙ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ

میں سے مومنوں اور یہ کہ قائم رکھ تو چہرے اپنے کو لیے دین

میں ہوں اور یہ کہ اپنا منہ دین کے لیے سیدھا رکھ سب

حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ

علیحدہ ہو کر اور نہ ہو تو بالکل سے مشرکوں اور نہ عبادت

سے الگ ہو کر اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا اور اللہ کے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

کر تو سے سوا اللہ اس کو جو نہ نفع دیتا ہے تجھ کو اور نہ نقصان دیتا ہے تجھ کو۔

سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا پھر اگر ایسا کرے گا تو اس

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

تو اگر کیا تو نے تو بیشک تو تب سے ظالموں

وقت تو ظالموں سے ہو گا

تعلق اس آیت کریمہ کے پچھلی آیات سے چند تعلق ہیں پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار کو دعوت غور فکر دینے کے ساتھ ان کی عقلی کمزوری بھی ثابت کی گئی تھی کہ ان کفار کو شک شبہ محض نادانی کی بنا پر ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے۔ کہ یہ لوگ راہ راست پر نہیں آسکتے کیونکہ یہ بے عقلی سے شک میں پڑے ہیں۔ عقل والا اگر شک کرے تب تو دلائل سے دور کیا جا سکتا ہے

لیکن جہالت کا شک دور نہیں ہو سکتا لہٰذا اے مسلمانوں کہدو کہ تم سمجھ لو ہم تمہارے جہالت سے بنائے ہوئے معبودوں کو نہیں پوجیں گے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار عذاب کا انتظار کرتے ہیں اس آیت میں فرمایا گیا کہ موت بھی جو کفار کے لئے ایک سخت عذاب ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ لہٰذا کس طرح تم عذاب کا انکار کر سکتے ہو یا کس طرح بچ سکتے ہو **تیسرا تعلق** پچھلی آیت پاک میں فرمایا گیا تھا کہ ہم مومنوں کو کفر اور عذاب سے نجات دیتے ہیں یہ ہمارا بہت بڑا انعام ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس انعام کو نہ ٹھکرانا اور خود بخود مشرکوں سے نہ ہو جانا نہ ان کے ساتھ کسی محفل میں رہنا نہ ان کے سے شرکیہ کام کرنا ورنہ تم بھی ظالم تصور ہو گے **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی نفع دیتا ہے کہ ایمان والوں کو نجاتِ عذاب ملتی ہے اور اسی کی طرف سے نقصان آتا ہے کہ کفار کو عذاب سے ہلاک کیا جاتا ہے اس آیت میں فرمایا گیا کہ کافروں کے بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان گویا کہ پچھلی آیات میں نفع نقصان دینا اللہ کی طرف منحصر کیا گیا تھا اس آیات میں اس کا ثبوت دیا گیا **پانچواں تعلق** پچھلی بہت سی آیات میں کافروں کے عقیدے بت پرستی۔ ضد بازی۔ اسلام میں طرح طرح کے شک شبہے اور وہم کرنا بیان ہوتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم اپنے عقیدے بیان کرو کہ ہم بھی حق پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔

تفسیر نحوی قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي ۔ قُلْ کا فاعل نبی کریم ہیں۔ یَا حرفِ ندا ہے أَيُّهَا فاصلے کے لئے ہے کیونکہ بقاعدہ نحو منادیٰ معرف باللام ہو تو فاصلہ ضروری تاکہ اعراب قائم رہے۔ جہاں کہیں فقط أَيُّهَا ہو جیسے کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وہاں بوجہ قرینہ حرفِ یَا پوشیدہ ہوتا ہے۔ اَلنَّاسُ جمع ہے انسان کی منجد والے عیسائی نے انسان کی جمع اَنَاس لکھی ہے وہ اس کی جہالت ہے قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اَلنَّاس میں الف لام استغراقی ہے۔ انسان کی جمع اُناس اور اِنس بھی آتی ہے۔ ہر آدمی کو شامل ہے مگر یہاں فقط کافر مراد ہیں۔ اِنْ حرفِ شرط ہے۔ كُنْتُمْ فعل تامہ ہے۔ یہ پورا جملہ شرط ہے فِی ظرفیت کا ہے۔ شَكٍّ مظروف ہے۔ مِنْ بیانیہ ہے۔ دین سے مراد قانون اسلامی بھی ہو سکتا ہے۔ یاءِ متکلم سے خود آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۔ یہ پورا جملہ سابقہ شرط کی جزا ہے۔ فقط ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے ورنہ حقیقت میں خبر کے درجے میں ہے۔ لَا أَعْبُدُ واحد متکلم ہے اس کا فاعل ظاہراً باعتبار سیاقِ کلام نبی کریم ہیں مگر حکم تا قیامت سب مسلمانوں کو ہے۔ اَلَّذِينَ اسم موصول مراد بت ہیں مِنْ زائدہ ہے دون کے معنیٰ سوا۔ مرکب اضافی ہے لفظ اللہ مضاف الیہ ہے یہ ذاتی نام ہے اس لئے یہاں استعمال ہوا یہاں صفاتی نام مناسب نہ تھا جیسا کہ تفسیرِ عالمانہ میں عرض کیا جائے گا وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۔ واؤ تفسیریہ کے درجے میں ہے۔ لٰکِنْ حرفِ تحقیق اِستدراک کے لئے ہے جو پچھلے کلام کی نفی اور اگلے کلام کو ثابت کرتا ہے۔ اَعْبُدُ عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلا سوچے سمجھے جھک جانا۔ عقل و شعور کو تردد باقی نہ رہے۔ یہ فعل متعدی بیک مفعول ہے۔ لفظِ اللہ موصوف اَلَّذِي موصول اس کی صفت ہے يَتَوَفَّىٰ وَفْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پورا کرنا یہاں مراد ہے عمر پوری کرنا وفات دینا فعل حال ہے یہ بھی متعدی بیک مفعول ہے كُمْ اس کا مفعول بہ ہے اس کا مرجع کفار ہیں اور یہ سب جملہ اَعْبُدُ کا مفعول بہ بنتا

ہے وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ واؤ سببیہ ہے۔ یعنی پہلی تمام عبارت اور گفتگو درپردہ مسبب ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اُمِرْتُ ۔ صیغہ واحد متکلم کا فاعل ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں متعدی بیک مفعول اگلی ساری عبارت مفعول بہ ہے اَنْ ناصبہ نے مفعول کا درجہ دیا اَكُوْنَ كونٌ سے مشتق ہے بعض نے فرمایا تامہ ہے صحیح یہ ہے کہ بمعنی صار ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ رہوں ہیں۔ مِنْ بعضیت کا ہے۔ صحیح تر یہ بھی ہو سکتا ہے مِنْ میں ساتھ کے معنی ہوں یعنی مومنوں کے ساتھ اَلْمُؤْمِنِيْنَ میں الف لام استغراقی ہے اور قیامت تک کے مومن مراد ہیں وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۔ واؤ عاطفہ ہے پہلا جملہ معطوف علیہ تھا یہ آئندہ عبارت معطوف ہے۔ وَجْهَ کا لفظی ترجمہ چہرہ ہے مگر مراد ساری ذات ہے کیونکہ چہرہ جسم میں اشرف ہے اور اشرف کل پر دلالت کر دیتا ہے۔ کَ مرجع میں دو نوں احتمال ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ سب تعلیم نبی پاک کو ہے۔ لِلدِّيْنِ ۔ میں لام ملکیت کا ہے یا تعلیلیہ ہے اور الف لام عہد ذھنی دین سے مراد پورا قانون اسلامی اور شریعت مطہرہ طریقت طیبہ۔ حنیفًا ۔ حَنَفٌ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے ہر طرف سے ہٹ کر ایک جگہ مضبوطی سے لگ جانا۔ اس کی نحوی ترکیب میں تین احتمال ہیں ۱ یہ کہ حنیفا اقم کے فاعل کا حال ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ وجہ کا حال ہو۔ تیسرے یہ کہ دین کا حال ہو۔ صحیح یہ ہے کہ وجہ کا حال ہے۔ اسی کو اعلحضرت اور ہمارے حضرت صدر الافاضل نے اختیار فرمایا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ واؤ عاطفہ اور عطف پہلے جملے اَنْ اَقِمْ پر ہے لَا تَكُوْنَنَّ بحث نہی با نون ثقیلہ ہے۔ جس نے کلام میں شدت پیدا کر دی مِنْ میں یہاں دو احتمال ہیں کہ یہ من بعضیت کا ہو یا بمعنی مع ہو اَلْمُشْرِكِيْنَ الف لام جنسی یا استغراقی ہے مشرکین مشرک کی جمع ہے۔ شِرْكٌ سے مشتق بمعنی اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یا اللہ تعالیٰ کے صفات خصوصیہ کسی مخلوق میں ماننا وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۔ یہ واؤ بھی عاطفہ ہے ماسبق پر عطف ہے لَا تَدْعُ فعل نہی ہے مگر یہاں نون ثقیلہ یا خفیفہ سے شدت نہیں مِنْ زائدہ ہے۔ دُوْنِ کے معنی مقابل ہیں اضافت ہے ذات باری کی طرف ما اسم موصول ہے اصلاً غیر عقل والوں کے لئے ہے مراد مٹی کے بت ہیں دھات کے بھی شامل ہیں۔ لَا يَنْفَعُ فعل نفی ہے دونوں زمانوں حال و مستقبل کو شامل ہے۔ كَ ضمیر سے مراد ہر مخاطب ہے وَلَا يَضُرُّكَ واؤ عطف کی لَا يَضُرُّ فعل نفی ہے۔ نفع نقصان سے عام ہے کہ جسمانی ہو یا روحانی۔ مالی ہو یا بدنی۔ صیغہ مضارع منفی ضَرٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی چھیننا فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ ف تعقیبیہ بیان نتیجے کے لئے ہے حروف عطف سے ہے اس کا معطوف علیہ یا تو فقط لا تدع کا جملہ ہے تنبیہ کے لئے ہے۔ اور یا پچھلے تمام احکام پر عطف ہے تو یہ جملہ حقیقۃً شمار کے لئے ہے۔ ان حرف شرط ہے فَعَلْتَ کا مرجع اگر نبی کریم ہیں تب یہ شرط بالمحال فرضی ہے اور اگر مرجع عام مسلمان ہے جیسا کہ سابقہ روش کلام سے ظاہر ہے تو شرط غیر محال حقیقی ہے فَاِنَّكَ میں ف جزائیہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق نے کلام میں یقین پیدا کیا كَ ضمیر اسم اِنَّ ہے۔ اِذًا اِذْ مفاجاۃ ہے بعد کا الف صرف مِنْ حرف جار تبعیضیہ سے تعلق کی بنا پر ہے اَلظّٰلِمِيْنَ ۔ الف لام عہد خارجی ہے۔ یعنی صرف اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے جس کو سب جانتے ہیں۔ ظُلْمٌ کے معنی ہیں نقصان خواہ کسی کا یا اپنا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ فرمادو اے حبیب اے لوگو اگر تم میرے دین میں شک میں پڑے ہو تو یادرکھو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑکر عبادت کرتے ہو۔ قُلْ کا امر ظاہراً تو صرف نبی کریم کو ہے لیکن اشارۃً قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ حکم ہے اسی طرح یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے اشارۃً تاقیامت تمام کفار کو خطاب ہے۔ واضح رہے کہ اصطلاحات قرآنیہ کے مطابق اَیُّهَا النَّاس کا خطاب صرف کفار کو ہوتا ہے اس میں کوئی مسلمان مومن شامل نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے لئے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے پیارے لقب سے ندا ہوتی ہے اور اس لقب میں حبیب کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہوتے۔ اگرچہ ان کا شک اور وہم یقینی تھا مگر حرف شرط فقط اپنے عقیدے کو ثابت اور بیان کرنے کے لئے ارشاد ہوا شک عام وہم کو کہتے ہیں۔ اس کی تین قسمیں ہیں ۱۔ ریب ۲۔ امتراء ۳۔ تردد اگر عقلی دلائل سے شک پڑے تو ریب کہلاتا ہے اگر بلا سوچے سمجھے بغیر غور وفکر شک میں مبتلا ہو جیسے کہ جہلا حمقا کے شکوک وہ امتراء کہلاتے ہیں اور اگر شک ویقین دونوں جانب میلان نظر آتا ہو تو تردد ہے۔ یہاں امتراء مراد ہے۔ مِنْ دِیْنِیْ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ میرے دین کی درستی میں شک ہو۔ دوسرے یہ کہ خود مجھ میں دین پر قائم رہنے کی طرف سے کفار کو شک ہو اور اپنی طرف سے گمان کئے بیٹھے ہوں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمان لوگ (معاذ اللہ) ایک نہ ایک دن اسلام سے ہٹ کر ہم کفار کی موافقت میں آجائیں گے تو اے کافرو تمہاری یہ آرزو ہرگز پوری نہ ہوگی کیونکہ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ میں ان کی کبھی بھی عبادت پوجا نہ کروں گا۔ اَعْبُدُ میں چونکہ فقط پوجنے کا ہی مطلب ہوتا ہے اس لئے اَلَّذِیْنَ فرماکر تمام معبودانِ باطلہ کو شامل کر لیا خواہ بے عقل ہوں جیسے مٹی اور دھات کے بت یا تصویریں یا چاند سورج۔ خواہ ذوی عقول ہوں جیسے خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون نمرود وغیرہ۔ یا جبراً بلا خواہش معبود بنالئے جانے والے جیسے یہودیوں میں حضرت عزیر عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ یا جیسے سنا گیا ہے کہ ایران میں حضرت علی کی خود ساختہ تصویر کی بھی پرستش کی جارہی ہے۔ حالانکہ یہ پرستش ان بزرگوں کی خواہش کے قطعاً خلاف ہے غرضکہ مومن کو حکم ہے کہ ہر قسم کے کافر سے علی الاعلان کہہ دے فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ (الخ) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ دُوْنَ کے بہت سے معنیٰ ہیں یہاں بمعنیٰ سوا ہے۔ (روح المعانی) یہ جملہ اگرچہ ف جزائیہ کے ساتھ ہے مگر مقصود خبر دینا ہے یعنی کسی وقت کسی زمانہ میں بھی یہ بات ممکن نہیں نہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ نہ سچے مومن سے کیونکہ جس پر احمد مجتبیٰ کے عشق ومعرفت اور آپ کی تعلیم کا رنگ چڑھ گیا ہو بھلا اس کو کون بھٹکا سکے۔ یہاں لَاۤ اَعْبُدُ فعل نفی کے پہلے لانے اور فعل مثبت تَعْبُدُوْنَ کے بعد میں لانے میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ عبادت انتہائی تعظیم ہے اور بُت انتہائی ذلیل چیز ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ مخلوق میں اشرف انسان اور انسانوں میں اشرف عقلا اور عقلاء سے اشرف مومن پھر اولیاء پھر علماء پھر صحابہ رضی پھر انبیاء پھر محمد مصطفےٰ علیہ الصلٰوۃ والسلام سب سے ذلیل کی عبادت کریں۔ تقدیم نفی میں شدت پیدا ہوئی (خازن) لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ۔ لیکن میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا جو تم کو موت دیتا ہے۔ حرف لٰکِنْ نے بتایا کہ عبادت کسی کی جائز نہیں خواہ کوئی مخلوق میں اچھے برے دینی دنیوی کسی مقام پر ہو سوائے اللہ

تعالیٰ کے اس لئے کہ تعلیم اسلامی کے مطابق ہر بزرگ کی تعظیم حسب مرتبہ جائز ہے۔ تعظیم کی پانچ قسمیں ہیں ۱ خدمت گذاری ۲ فرمانبرداری ۳ اطاعت ۴ اتباع ۵ عبادت۔ اسی طرح تعظیم کے لائق بھی پانچ قسم کے بزرگ علی الترتیب ہیں ۱ والدین ۲ حکمران ۳ علماء اولیا ۴ انبیاءِ کرام ۵ خالق کائنات اللہ جلّ مجدہٗ پس جس طرح آخری اور انتہائی تعظیم عبادت ہے اسی طرح اس کے لائق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ انتہائی بزرگی اسی کی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کی بڑائی اور بزرگی ناممکن اس لئے عبادت بھی اس کے سوا کی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم ورحیم کی بے شمار صفات ہیں مگر یہاں مارنے کی صفت کا ذکر فرمایا اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عقل والا ہر چیز کی دلیل کا طالب ہوتا ہے۔ یہاں اس چیز کا دعویٰ ہے کہ تمہاری عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے یَتَوَفّٰکُمۡ میں اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ چونکہ وہی اللہ تم کو موت دیتا ہے اور اس سے پہلے زندہ بھی تم کو اسی نے کیا وہی تمہارا خالق ہے تم کو زندہ کر کے اتنی قوت طاقت اسی نے دی پھر تمہیں وفات دے کر تمہاری ساری کی ساری اکڑیں ختم کر دے گا گویا کہ تم بالکل ہر طرح اس کے قابو میں ہو۔ اس لئے اسی کی عبادت کرو دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اہل ذوق تو محبت سے عبادت کرتے ہیں مگر مفسد لوگ خوف سے بات مانتے ہیں۔ یہاں کافرین مفسدین کو خطاب ہے اس لئے ہیبت ناک موت کا ذکر کیا گیا۔ تیسری وجہ یہ کہ یہ منکر لوگ عذاب کے منتظر رہتے تھے علاب میں بھی موت وہلاکت ہی ہے اور پھر کافر کی موت بھی اس کے لئے عذاب ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں اس قہاری صفت کا ذکر فرمایا گیا وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ آخر دم تک مومنوں کے ساتھ رہوں۔ یہاں سے آخری آیت تک تمام مسلمانوں کے لئے شریعت واسلام کے چار عظمت والے حکم ہیں پہلے ہوئے پہلے دو کرنے والے اور پھر دو حکم نہ کرنے والے۔ کرنے والے حکموں ہیں ایک یہ ہے کہ میں حکم دیا گیا ہوں (الخ) اگر یہاں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہی مراد لی جاتے تو مطلب یہ ہوگا کہ دیگر انبیائے کرام تو کچھ مدت کے لئے اپنی امتوں میں رہے مگر ہمارے نبی قیامت تک اپنے غلاموں کے پاس حاضر وناظر ہیں۔ جیسا کہ موجودہ انجیل سے بھی ثابت ہے (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۸ نیا عہد نامہ صفحہ ۹۹) یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام چمن اجڑ گئے۔ ہمارے آقا محمد مصطفٰے کا باغ اب بھی ہرا بھرا اور علماء اولیاء کے غنچے چٹکے ہوئے ہیں مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ مِنۡ میں معیت کے معنی پیدا ہیں۔ اور اگر یہ حکم عام مسلمان کو ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اسلام پر قائم رہو اور ادھر ادھر مت بھاگو ہر وقت ہر حالت میں ہر لحاظ سے صرف مومنوں کے ساتھ رہو ان کی جماعت میں ہی شامل رہو۔ دوستی رکھو تو صرف مسلمانوں سے وہی تمہارے سچے دوست ہو سکتے ہیں کافر تمہارا دوست کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہر طریقہ سے اپنا اسلام ظاہر کرتے رہو۔ شکل صورت۔ اعمال۔ افعال۔ کردار۔ اخلاق لباس۔ گفتگو وغیرہ سے تمہارا مسلمان ہونا عجب شانِ امتیازی معلوم ہوتا رہے اس معاملے میں کچھ بناوٹ لگاوٹ نہ رکھو کیونکہ تقیہ اور فریب اسلام میں حرام ہے۔ دوسرا حکم ہے وَاَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا اور یہ حکم دیا گیا ہوں کہ قائم رکھوں اپنی ذات کو دین پاک کے لئے سب باطل دینوں سے علیحدہ ہو کر۔ یعنی اپنی طرف سے کسی عمل یا فعل سے اس کے لئے شریک نہ بناؤں نہ ظاہر نہ باطن۔ جس طرح کہ وہ ذات پاک اپنی مخلوق میں کسی کو شریک نہیں فرماتا نہ ہی خالقیت میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اسی طرح مخلوق کو چاہئے

رکہ اس کی عبادت میں سجدہ سجود میں بھی کسی کو شریک نہ کرے خیال رہے کہ ہر وہ اطاعت جو کسی کو معبود سمجھ کر کی جائے یا خدائی طاقت مان کر کی جائے تو وہ عبادت ہوتی ہے۔ معبود سمجھنا یہ ہے کہ کسی میں ذاتی اختیار و قوت و کمالات تسلیم کئے جائیں۔ دین سے یہاں مراد قانون الٰہی ہے۔ حَنِیْفًا کا مطلب مخلص ہو کر بغیر ڈر سے جھجکے اور بغیر ریا اس کی طرف مائل ہونا۔ مگر اس خلوص کے لئے پہلے ایمان شرط ہے اسی لئے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کا امر پہلے ہوا یہ امر بعد میں وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور قطعًا نہ ہونا تو مشرکین میں سے۔ یا اس طرح کہ خود مشرک نہ بننا تب یہ خطاب کی توجہ عام مسلمان کی طرف ہے اور یا اس طرح کہ ان کی دوستی کے ساتھ نہ ہونا یا ان کے مشابہ لباس وغیرہ میں نہ ہونا یا کسی وجہ سے ان کی حمایت میں نہ ہونا تب روئے خطاب نبی کریم کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ اے مسلمان جب تو نے ان حکموں کو عملی طور پر سمجھ لیا تو تجھ کو چوتھا حکم یہ ہے کہ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ۔ نہ دعا مانگ تو اس چیز سے جو نہ تجھ کو نفع دے سکے اور نہ تیرا نقصان کر سکے۔ لغوی اعتبار سے لَا تَدْعُ کے تین معنیٰ بن سکتے ہیں کبھی اس کا ترجمہ عبادت کرنا کئے جاتے ہیں۔ کبھی پکارنا۔ کبھی دعا مانگنا ہوتا ہے اور یہی اصل ہے کیونکہ لاتدع کا مادۂ اشتقاق دَعْوٌ ہے اسی سے دعا ہے اگرچہ اس کے تین معنیٰ ہوتے ہیں مگر یہاں عبادت کا احتمال درست نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ عبادت غیر اللہ کی نفی لَا اَعْبُدُ الَّذِیْنَ سے ہو گئی یہاں ضرورت نہیں دوسری وجہ یہ کہ عبادت میں مطلق حکم ہوتا ہے کہ کسی کی بجز خدا تعالیٰ عبادت جائز نہیں جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا خود باری تعالیٰ نے اَلَّذِیْنَ فرما کر سب مخلوق کی عبادت باطلہ کی نفی کر دی مگر لَا تَدْعُ میں بہت سی قیدیں لگائیں اور ثابت کیا کہ مطلق پکارنا اور غیر اللہ سے مانگنا برا نہیں فقط ان بتوں وغیرھم غیر ذوی العقول نباتاتی جماداتی چیزوں سے مانگنا حرام ہے مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ جو تیرے مانگنے پکارنے سے تجھ کو کچھ دے نہیں اور اگر تو ان کا منکر ہو تو تیرا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ دنیا میں صرف مشرکین کے بت ہی ایسے ہیں ملائکہ اور جنات سے دن رات بکثرت اس نفع نقصان کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس لئے انسانوں فرشتوں جنوں سے مانگنا جائز ہے اور پکارنا بھی۔ پس ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ انبیاء کرام سے قبل وفات اور بعد وفات مانگنا بالکل جائز ہے ممانعت کہیں ثابت نہیں اگر یہ مانگنا اور پکارنا بھی منع ہوتا جیسا کہ کم عقل وہابی کہتے ہیں تو اس آیت میں لفظ ما۔ نہ ہوتا بلکہ۔ مَنْ یا الّذی ہوتا۔ بلکہ یہی ثابت ہوا کہ اے مسلمان تو بتوں سے مت مانگ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اگر تو نے ان حکموں پر کان نہ دھرا اور یہ کارہائے ممنوعہ کر لئے تو بے شک تو ظالموں کے ساتھ شمار ہوگا۔ یہ جملہ شرطیہ سابقہ چار حکموں کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔ اس میں ظاہرًا اور حقیقۃً ہر دو طرح عام مسلمان کو خطاب ہے (بیضاوی۔ خازن۔ مدارک) کیونکہ نبی پاک کے لئے یہ جملہ بولنا نتیجۃً محال بالذات اور اگر کوئی اس جملے کی نسبت فاعلی نبی کریم کی طرف ہی کرے تو یہاں فرضی ترجمہ کیا جائے گا۔ یعنی اگر تم ایسا کرتے تو ایسے ہو جاتے۔ اور پھر اس ترجمے میں کچھ دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ پس بہتر ہماری ہی تفسیر ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کی نسبت نبی پاک کی طرف کرنی جائز ہے لہٰذا جائز ہے یہ کہنا کہ نبی کریم کا قرآن۔ نبی کریم کا اسلام۔ حضور اقدس کا قانون۔ نبی پاک کا کعبہ آپ کی جنت۔ تمام

کائنات آپ کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ فائدہ مِنْ دِیْنِیْ میں نسبتِ احمدِ مجتبیٰ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** بزرگانِ دین اور دیگر لوگوں کے خطابات القابات اور پکارنے میں فرق ہونا ضروری ہے۔ جو الفاظ و خطابات انبیاء کرام کے لئے مقرر ہیں وہ ہی الفاظ کسی اور کے لئے بولنے جائز نہیں اگرچہ صحابی ہو یا عالِم یا ولی اللہ جیسے لفظِ علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم اور جو الفاظ صحابہ کے لئے معین ہیں وہ دیگر علماء اولیاء کے لئے استعمال کرنا غلط ہے جیسے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ یہ صحابہ کے لئے امتیازی جملہ بن چکا ہے۔ غیر صحابی کے لئے نہ بولا جائے۔ اسی طرح اس کے برعکس کہ عام خطابات میں خواص کو نہیں شامل کرنا چاہیئے۔ جیسے یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں انبیاء کرام شامل نہیں ہوتے اور اَیُّهَا النَّاسُ میں مومن شامل نہیں یہ فائدہ یَاۤ اَیُّهَا النَّاسُ کے خطاب سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** اللہ کے بندوں کا کام اللہ ہی کام ہے۔ اولیاء اللہ سے مانگنا اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام کا کسی کی مشکلیں حل فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی مشکل کشائی ہے۔ دیکھو موت دینا جان نکالنا حضرت عزرائیل کی ڈیوٹی ہے۔ مگر رب کریم ان کے اس فعل کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا یَتَوَفّٰكُمْ **چوتھا فائدہ** عبادت میں اور حاجت روائی کے لئے پکارنے میں بڑا فرق ہے عبادت کسی کی بھی جائز نہیں خواہ معبودانِ باطلہ ہوں یا نبی ولی۔ مگر فریاد کرنا صرف بتوں وغیرہ سے منع ہے انبیاء کرام اولیاء علماء سے جائز ہے۔ یہ فائدہ فَلَاۤ اَعْبُدُ کے عموم اور لَا تَدْعُ کے مقید فرمانے اور الگ ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں **پہلا اعتراض** کفار کا شک کرنا دین اسلام میں یقینی امر ہے پھر اس کو اِنْ كُنْتُمْ سے جملہ شرطیہ کیوں بنایا گیا۔ اگر مگر سے چیز یقینی نہیں رہتی **جواب اولاً** اس لئے کہ سارے کافروں کا شک یقینی نہیں اس لئے کہ بعض کافر محض ضد سے نہیں مانتے۔ ان کو حقانیت اسلام کا یقین ہوتا ہے۔ جیسے کہ زمانہ نبوی کے یہود و نصاریٰ ایسے ہی کفار کے بارے میں ارشاد باری ہے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ **دوم** اس لئے کہ یہاں جملہ شرطیہ بولنا ان کے قلبی ارادوں کو توڑ کر اپنے عقیدوں کو ثابت کرنا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ شرط بمعنی وصلیہ ہے۔ یعنی اگرچہ تم شک میں ہو ہماری طرف سے مگر ہم تمہاری طرف آنے والے نہیں **دوسرا اعتراض** نحوی قاعدے کے مطابق حال یا فاعل کا ہوتا ہے یا مفعول بہ کا مگر یہاں لفظ حَنِیْفًا حال ہے اور اس کا ذوالحال دین ہے حالانکہ لِلدِّیْنِ نہ فاعل ہے نہ مفعول پس یہ آیت قواعد نحویہ کے خلاف ہے **جواب** نحویہ کا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ ہی قرآن کریم نحو کے انسانی ساختہ قوانین کا پابند ہے۔ اس کے باوجود لفظ حنیفا میں تین قول ہیں کہ اس کا ذوالحال یا اَقِمْ کا فاعل ہے یا وَجْهَكَ مفعول بہ ہے ان دونوں صورتوں میں تو اعتراض پڑتا ہی نہیں تیسرا قول یہ کہ اس کا ذوالحال لِلدِّیْنِ ہو۔ جس کو معترض نے اختیار کیا مگر قاعدہ کلیہ نہ ہونے کی بنا پر اعتراض ختم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ اے عشقِ الٰہیہ میں سرشار کہہ دے ان بے خبروں منکروں سے کہ اگر تم میری منزلِ حقیقیہ ابدیہ کے بارے شیطانی وہموں میں مبتلا ہو تو یاد رکھو کہ میں اس نفسِ امّارہ کی اور اس کی خواہشاتِ رذیلہ کی پیروی نہ کروں گا جس کی تم پرستش کرتے ہو اپنے خالق سے منہ پھیر کر۔ لیکن میں تو اسی کی عظمتِ قدیمہ کا معترف رہوں گا جو تم کو فنا کی موت

اور غفلت کی ھلاکت عطا فرماتا ہے۔ جس سے ضمیر مردہ ہوکر راہ سعادت سے دور ہوجاتا ہے۔ اور میں امر کیا گیا ہوں کہ اسرار الہیہ کا مشاہدہ کرنے میں شامل رہوں۔ اور مشاہدین کے ساتھ رہوں پھر اپنی ذات ذی صفات کو محبت باری تعالیٰ اور دیدار کے شوق کے لئے اور معرفت صفات خداوندی کے لئے اس لئے قائم کر دوں کہ تمام ماسوای اللہ کی محبتوں سے چہرہ پھیر کر مخلوق سے بری ہوجاؤں اور اپنے خالق میں ایسا مشغول ہوجاؤں کہ اسی کو دیکھوں اسی کی طرف دوڑوں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دین محبت کا نام ہے اور دین حنیف ماسوای اللہ سے دوری ہے۔ محبت الہی نور کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔ آقائے کائنات جو ان خزانوں کے خازن ہیں صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ذرہ بھر حجاب ہٹ جائے اور ان انوار کا قطرہ منکشف ہوجاتے تو حدِ بصر تک جل جائے مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اسی کا حکم ہے کہ اے مومن کامل مضبوطی سے قائم ہوجا۔ تاکہ رب کریم کے مشاھدے کے انوار کو برداشت کر سکے۔ اور جب یہ نعمت عظیم تجھ کو حاصل ہوجائے تو وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ان میں سے نہ ہوجانا جو اللہ سے غیر اللہ کے طالب ہوجاتے ہیں اور نہ ہی اس کے مشاھدے کے بعد پھر غیر کا مشاہدہ قلب و قالب میں آئے۔ کیونکہ جس نے اپنے مولیٰ کو پہچان لیا وہ اس معرفت کے بعد دوسری طرف متوجہ ہو تو یہ شرک طریقت ہے اس کو اصحاب قلوب شرک خفی کہتے ہیں (عرائس و تفسیر کبیر) اور اے مشاہد انوار سے قرب الہی پانے والے وہی موجود ہے باقی سب معدوم ہے اور جو کچھ ہے ایجاد حق سے ہے توجب ایسا ہے پس ماسوا اللہ کا وجود اسی کی ایجاد ہے لہٰذا کوئی نافع نہیں بجز حق تعالیٰ کے اور کوئی ضار نہیں سوا رب کے لہٰذا اے بندے نہ فریاد کر مگر اسی سے اور نہ رجوع کر مگر اسی کی طرف اس کے اغیار کو نہ پکار کیونکہ وہ بے بس ہیں خود محتاج ہیں۔ اس کے اپنوں کے پاس جا کہ ان میں بڑی طاقتیں بڑے اختیار ہیں۔ لیکن اگر اس پیار اور محبت الہیہ کے حصول کے بعد پھر بھی اس کو پکارا جو خود اپنے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا تو پھر تو اس کے قہر سے مغلوب اپنے حصۂ انوار سے متروک اور اپنی مراد سے محروم ہوجائے گا۔ اور غیر اللہ کی وجہ سے اللہ سے محجوب رہے گا۔ تیرا رکوع۔ سجود۔ نماز۔ روزہ علم و عمل سب تیرے لئے حجاب ہوں گے تیری مرادیں فوت ہوجائیں گی اور جو ایسا ہو وہ اپنے نفس پر ظالم ہے۔ اور اگر تو نے نفع نقصان کا مرکز اللہ کے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کو بنالیا تو تو ظالموں میں سے ہوجائے گا اس لئے کہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا ہی ظلم ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم بالصواب۔
(کبیر و عرائس)

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَ
اور اگر تکلیف پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ نقصان تو نہیں کھولنے والا کو اس مگر وہ اور
اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور

إِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيبُ بِهٖ مَنْ

اگر ارادہ کرے تجھ کو خیر کا تو نہیں روکنے والا کوئی فضل اس کے پہنچاتا ہے کو فضل

اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ يٰٓأَيُّهَا

جس کو چاہتا ہے لیے بندوں اپنے اور وہ بخشنے والا رحیم ہے تم فرماؤ اے

بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے تم فرماؤ اے لوگو

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

انسانوں یقیناً آیا تمہارے پاس حق طرف سے رب تمہارے تو جو ہدایت پا گیا

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا تو جو راہ پر آیا وہ اپنے

فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

تو فقط ہدایت پاتا ہے لیے نفس اپنے اور جو گمراہ ہوا تو فقط گمراہ ہوتا ہے پر اپنے

بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے برے کو بہکا

وَمَآ أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۸﴾ ؕ وَاتَّبِعْ مَا يُوحٰٓى إِلَيْكَ وَ

نفس اور نہیں ہوں میں پر تم کچھ ذمے دار اور اتباع کرو اس کی جو وحی کیا گیا طرف تیری

اور کچھ میں کروڑا نہیں اور اس پر چلو جو تم پر وحی ہوتی ہے اور

اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِينَ ﴿۱۰۹﴾

ع ۱۱ ۶ ۱۴

اور صبر کرو یہاں تک کہ حکم کرے اللہ اور وہ اچھا تمام حاکموں سے

صبر کرو یہاں تک کہ اللہ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے

تعلق اس آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں باطل اور جھوٹے معبودوں بتوں وغیرہ کی عبادت سے منع کیا گیا تھا اور بہترین عقلی وجہ بیان فرمائی تھی کو جو نفع یا نقصان کا مالک نہ ہو وہ تو منہ

لگانے کے قابل بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ عبادت کی جائے۔ اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے۔ کہ نفع نقصان اس اللہ کے قبضے میں ہے وہی اپنے بندوں کو یہ قوت عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا وہی تمہاری عبادت کا مستحق ہے **دوسرا تعلق** پہلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ سچے دین پر آجاؤ یہی ہدایت ہے جس سے کسی کم عقل کو شک پڑ سکتا تھا کہ شاید اسلام قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کو یا رسول پاک کو کوئی ذاتی نفع ہوگا۔ ان آیات میں اس باطل خیال کو توڑا جا رہا ہے کہ ہدایت و گمراہی کا نفع نقصان خود اسی شخص کو ہے جس نے ان میں سے کوئی راہ اختیار کی **تیسرا تعلق** پچھلی آیات مطہرات میں یہ حکم تھا کہ اے مومنوں تم کافروں سے یہ کہہ دو۔ یہ کہہ دو۔ کہہ دو چار پانچ قولی حکم تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کفار کی بدتمیزیوں سے پریشان دل مت ہو بلکہ صبر کرو۔ اور اپنے حال پر ڈٹے رہو گویا کہ پہلے قال کا حکم تھا اور اب حال کا۔

تفسیر نحوی

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ۔ واؤ تفسیریہ ہے جو پچھلے صلے موصول کی تفسیر کرتی ہے۔ ان حرف شرط نے اس پورے جملے کو جملہ شرطیہ بنا دیا یَمْسَسْ فعل مضارع ہے مَسٌّ بمعنی چھونا سے مشتق ہے باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے آکر چھلانا کے معنی پیدا ہو گئے۔ کَ ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے لفظ اللہ فاعل ترکیبیہ ہے بِضُرٍّ ب بعضیت کی ہے ضُرٍّ میں تنوین تنکیری ہے جس سے عموم پیدا ہوا۔ فَلَا میں فاء جزائیہ ہے۔ لَا ما و لَا و اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ لائے نفی جنس ہے کَاشِفَ اسم فاعل کَشْفٌ سے مشتق ہے بمعنی کھولنا۔ لام حرف جار مفعولیت کا ہے ہٗ ضمیر غائب سے مراد تکلیف ہے اِلَّا حرف استثنا منقطع ہے۔ هُوَ سے مراد باری تعالیٰ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ۔ واؤ عطف کی ہے اِنْ حرف شرط ہے یُرِدْ۔ دراصل یُرِیْدُ باب افعال کا مضارع تھا۔ حرف شرط نے جزم دیا تو اجتماع ساکنین کی بنا پر یاء کو گرا دیا۔ بمعنی ارادہ کرنا۔ کَ مفعول بہ بِخَیْرٍ ب بعضیت کی ہے۔ خیر سے دنیا کی بھلائی اور نفع مراد ہے۔ فَلَا رَآدَّ میں ف جزائیہ۔ لا نفی جنس رَآدَّ رَدٌّ سے مشتق اسم فاعل ہے۔ لائے نفی جنس کا اسم ہے۔ لا کی خبر پوشیدہ موجود ہے۔ لِفَضْلِهٖ لام مفعولیت کا ہے فضل سے مراد حلال رزق ہے ہٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ یُصِیْبُ فعل مضارع واحد غائب صَوْبٌ سے بنا ہے بمعنی گرانا اسی سے ہے مصیبت ب مفعولیت کی ہے ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع فضل ہے۔ مَنْ اسم موصول یصیب کا مفعول بہ ہے یَشَآءُ پورا جملہ صلہ مفعول ہے نہ کہ فاعل کیونکہ یشاء کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے مِنْ بعضیت کا ہے۔ عباد جمع ہے عبد کی ہٖ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے وَهُوَ الْغَفُوْرُ۔ واؤ سے جملہ تعلیلیہ ہے ماقبل مشیت اور عطاء فضل کی علت بیان کر رہی ہے۔ هُوَ مبتدا ہے۔ اَلْغَفُوْرُ غَفْرٌ سے مشتق ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے ڈھانکنا۔ اسی سے ہے مغفر یعنی سر کو ڈھکنے والی لوہے کی ٹوپی۔ الف لام عہد ذہنی ہے۔ یہاں مراد ہے گناہوں کو بخشنا۔ الرحیم۔ الف لام استغراقی ہے۔ بعض نے کہا یہاں بھی عہد ذہنی ہے۔ صفت مشبہ ہے رحم سے مشتق ہے۔ یعنی ہر وقت ہر مخلوق پر ہر طرح رحم فرمانا۔ رحم کا لغوی ترجمہ ہے۔ ہر شخص کو بلحاظ حیثیت جگہ دینی اسی کو شفقت کہتے ہیں قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قُلْ امر ہے نبی کریم کی ذات پاک مراد ہے۔ اور ناس سے مراد کافر ہیں۔ قَدْ جَآءَ فعل ماضی قریب ہے۔ کُمْ جمع میں تا قیامت کفار شامل

ہیں۔ اَلْحَقُّ میں الف لام عہد ذہنی ہے۔ حق بمعنی سچ۔ مبالغے کا صیغہ ہے۔ اور اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ذات مقدسہ ہے۔ مِنْ کے معنی طرف سے رَبِّكُمْ مرکب اضافی میں رب کی نسبت کفار کی طرف کرنے سے اچھے کلام اور نرم زبان کی حکمت ہے فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۔ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا. ف تعقیبیہ ہے مَنْ اسم موصول عموم پر دال ہے اِهْتَدٰى باب افتعال کا ماضی مطلق هُدًى سے مشتق ہے بمعنی صحیح راہ پر آنا ف جزائیہ ہے اِنَّمَا نے حصر کا فائدہ دیا يَهْتَدِىْ کا پورا جملہ بیانِ نتیجہ کے لئے ہے۔ اسی لئے اس میں حال و مستقبل ہر دو زمانہ مراد ہے لِنَفْسِهٖ میں لام جارہ نفع کا ہے اور نفس سے مراد پوری ذات ہے۔ ہ کا مرجع مَنْ ہے۔ وَمَنْ ضَلَّ میں واؤ عاطفہ ہے۔ مَنْ سے عموم ثابت ہے ضَلَّ فعل ماضی ہے باب نَصَرَ يَنْصُرُ۔ ضَلٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ لفظِ مشترک ہے۔ اس کے بہت معنی ہوتے ہیں یہ لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء و مرسلین کے لئے بھی بولا گیا۔ وہابی لوگ اس لفظ سے گستاخی کا راستہ نکال لیتے ہیں مگر یہ ان کی اپنی جہالت اور کم عقلی ہے۔ فا تعقیبیہ ہے يَضِلُّ فعل مضارع دونوں زمانوں کا حامل ہے۔ عَلَيْهَا علیٰ فوقیت کے لئے ضمیر مونث من کے عموم اور جنسیت کو ثابت کر رہی ہے وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ۔ واؤ سر جملہ ما نافیہ مشبہ بلیس۔ اَنَا ضمیر متکلم سے مراد نبی پاک ہیں۔ علیٰ فوقیت کے لئے ہے کم سے مراد مخاطبین کفار ہیں۔ ب زائدہ ہے۔ وکیل وَكْلٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ سپرد کرنا ہے۔ یہاں مراد ذمے دار۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۔ واؤ سر جملہ اِتَّبِعْ۔ تَبْعٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی نقشِ قدم پر چلنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے پیچھے چلنا۔ مگر یہاں مراد ہے روشنی پکڑ کر چلنا۔ روشنی خواہ اپنے لئے پکڑی جائے یا کسی کے لئے۔ ما اسم موصول مفعول بہ ہے ما قبل کا يُوْحٰى فعل مجہول اس کا صلہ ہے۔ وَحْیٌ سے مشتق ہے بمعنی اللہ تعالیٰ کا پیغام۔ اس کے تین معنی ۱ کلام الہام یہ غیر نبی کو بھی عطا ہوتا ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں ۲ کلام جلی اس کو وحی جلی بھی کہتے ہیں ۳ کلام خفی اس کو وحی خفی بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں معنی حقیقی ہیں یہاں یہ دونوں مراد ہیں۔ اِلَيْكَ۔ الیٰ انتہاءِ ظرفیت مکانی کے لئے ہے ک سے مراد یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وَاصْبِرْ واؤ عاطفہ ہے اَصْبِرْ مطرد کے تیسرے باب کا امر ہے۔ صَبْرٌ سے مشتق ہے بمعنی کسی بھی کاروائی سے رک جانا۔ حَتّٰى انتہا کے لئے ہے کوفی نحوی کہتے ہیں کہ حتیٰ خود ناصب ہے مگر بصرے کے نحوی کہتے ہیں حتیٰ میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ مضارع کو زبر دیتا ہے (الانصاف فی مسائل الخلاف ص ۵۹۵) يَحْكُمَ فعل مضارع نصب کی حالت میں ہے۔ اس کا نصب حتیٰ کی وجہ سے ہے۔ یہ حُكْمٌ سے بنا ہے یعنی فیصلہ کرنا۔ اس کا فاعل آگے لفظ اللہ ہے وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ واؤ سر جملہ هُوَ مبتدا ہے اس کا مرجع اللہ کریم ہے۔ خیر کا معنی بہتر اَلْحٰكِمِيْنَ الف لام استغراقی ہے۔ حاکمین جمع سالم ہے۔ حاکم کی۔ عام ہے بادشاہ وزیر اعظم اور کسی بھی مفتی۔ قاضی۔ جج۔ مجسٹریٹ کو۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ. اور اگر چھوا دے تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نقصان تو نہیں ہے ہٹانے والا اس نقصان کو مگر وہی اللہ اور اگر اللہ ارادہ فرمائے

تجھ کو بھلائی دینے کا تو کوئی بھی چھیننے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔ یعنی اگر تیرے اپنے قصور و خطا سے۔ اللہ کی ناراضگی کے باعث تجھ کو معمولی نقصان بھی پہنچے تو وہ بھی کوئی دور کرنے والا نہیں۔ کسی انسان میں طاقت نہیں کہ معمولی تکلیف کو بھی دور کر دے چہ جائیکہ بڑی مصیبت کو دور کر سکے۔ اسی لئے یہاں۔ یَمْسَسْ کا لفظ بولا گیا جس کا مطلب ہے فقط چھو جانا۔ وہی اللہ تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔ یعنی اصل فاعل ذاتی جو خالق تکلیف ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ فاعل ذاتی اس کے سوا کوئی نہیں۔ نہ نبی نہ ولی نہ ڈاکٹر نہ حکیم نہ بادشاہ نہ وزیر۔ نہ حاکم نہ امیر۔ لیکن اس کے باوجود شریعت الٰہیہ نے ان کے پاس جانے ان سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات اللہ کے اذن سے دے سکتے ہیں۔ انبیاءِ کرام تو دنیا و آخرت کی ہر تکلیف باذنِ پروردگار دور فرما دیتے ہیں آگر بان کا دینا رب کا تسقاد ینا ہے اس آیت لَا کَاشِفَ کی نفی سے مراد یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہوتا ہے۔ ورنہ انبیاء اولیاء تو بڑی شان والے ہیں دنیا کی عام چیزیں تین قسم کی ہیں ۱۔ نفع دینے والی ۲۔ نقصان دینے والی ۳۔ نہ نفع نہ نقصان (تفسیر کبیر) یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر مومن کا عقیدہ یہ ہونا چاہیئے کہ کہیں سے شفا آتے اس کو من جانب اللہ ہی سمجھنا چاہیئے۔ نقصان آئے تب بھی اسی طرف کو لگاتے۔ جدھر بھی جائیے اسی کے بھروسے پر اس کی رضا سے سب دے سکتے ہیں اس کے بغیر رضا نہ نبی کچھ عطا فرمائیں نہ ولی نہ ڈاکٹر نہ حکیم شعر

سائیں آنکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام ✿ ذرا سی جھاتی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی قسم کی بھلائی کرنا چاہے تو رب تعالیٰ کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ نہ چھین سکتا ہے۔ اس جگہ فَلَا رَادَّ لَہٗ کی بجائے فَلَا رَادَّ لِفَضْلِہٖ فرمانے میں یہ نکتہ ہے کہ تکلیف اور نقصان بندے کے اپنے فعل گناہ خطا وغیرہ سے آتے ہیں مگر بھلائی رحمت اور دنیا و آخرت کی نعمتیں فقط رب تعالیٰ کی عنایت اور فضل سے ملتی ہیں (خازن۔ کبیر۔ ابن کثیر) اسی لئے پہلے فرمایا اِلَّا ھُوَ۔ اِلَّا سے نفی توڑ کر ثبوت پیدا کیا گیا۔ پھر فرمایا فَلَا رَادَّ لِفَضْلِہٖ گویا کہ بندے کا نقصان مطلوب بالعرض ہے اور نفع مطلوب بالذات۔ یہی وجہ ہے کہ نقصان اور تکلیف تو مستحقین کو پہنچتی ہے مگر فضل رب العالمین بلا استحقاق عطا ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے قَالَ اللہُ تَعَالٰی سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ۔ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ تکلیف اور خسارہ تو صرف بیوقوفوں کو ان کی اپنی کوتاہیوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ مگر رزق حلال اور رحمت پروردگار یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ؕ اپنا فضل پہنچاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے۔ یعنی طیب رزق جو محض فضل ربی سے ملتا ہے وہ بھی اسی اللہ کی عطا ہے بعض نے فرمایا کہ بہٖ سے مراد نفع نقصان دونوں ہی ہیں (خازن) مگر صحیح تر یہ ہے کہ صرف خیر مراد ہے (بیضاوی) کیونکہ من یشاء کی عمومیت اور منْ عبادہٖ کی پیار بھری عبارت میں شر یا نقصان کیسے مراد لیا جا سکتا ہے لہٰذا یُصِیْبُ بِہٖ سے صرف خیر اور فضل ہی مراد ہے اس لئے اسکے آگے ارشاد ہوا وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اور وہی اللہ تمام گناہوں کو چھپانے والا یعنی بخشنے والا ہے۔ یہ کرم صرف مومنوں کے لئے ہے۔ رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں سب پر اور آخرت میں صرف ایمان والوں پر۔ یہ عبارت بھی اس کی خیر پر دال ہے۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ اے لوگو۔ خلق ایجاد۔ ابداع تکوین میں وہ اللہ

واحد و منفرد۔ بجز اس کے کسی خیر و شر کا کوئی موجد نہیں لہٰذا وہی معبود ہو سکتا ہے۔ اتنی مدلل پیاری۔ اور شاندار تعلیم و تقریر سے بھی اگر یہ کفار ہدایت پر نہ آئیں تو اے میرے پیارے حبیب قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا - فرما دو! اے لوگو بے شک آگیا ہے تمہارے پاس حق۔ تمہارے رب کی طرف سے تو جو ہدایت لے لے پس ہدایت لیتا ہے اپنے ہی فائدے کے لئے اور جو غلط راستے چل پڑتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی ہی نقصان پر۔ جبکہ سابقہ کلام میں توحید۔ نبوت۔ موت و حیات نفع نقصان کے خالق حقیقیہ کے سب دلائل پیش کر دیئے گئے تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا جا رہا ہے کہ حق یعنی محمد مصطفٰے خود تشریف لے آئے یہ تمہارے رب کی طرف سے آخری رسول ہیں اِن پر رب تعالیٰ کی شریعت مکمّل ہو چکی ہے اِن سے جس نے بھی ہدایت لینی ہے اُس کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اور جس نے اتنی باتیں سننے کے بعد بھی گمراہی پر ہی رہنا ہو اور سرورِ کائنات آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ [illegible] ستانے پر نہ آئے تو اُس کی اپنی بدنصیبی ہے۔ اگرچہ چند مفسّرین نے حق سے مراد قرآن یا اسلام لیا ہے مگر اکثر نے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مراد لیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ لفظ جاء مطابق اصطلاحات قرآنیہ ہمیشہ انبیاء کرام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے لئے اَنْزَلَ وغیرہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہاں قَدْ جَآءَ سے ثابت ہوا کہ حق سے مراد نبی کریم ہیں اگر قرآن مجید یا اسلام مراد لیا جائے تو حقیقی معنٰی چھوڑ کر مجازی معنٰی ماننے پڑیں گے حالانکہ بلا عذر ترک حقیقت ممنوع ہے جیسا کہ روح المعانی نے فرمایا۔ دوسری وجہ یہ کہ لفظِ حق باصولِ نحویہ مبالغ کا صیغہ ہے جو کثرت اور زیادتی کو چاہتا ہے اور حقانیت کی کثرت ہر لحاظ سے جتنی ذات محمد مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہیں اتنی کہیں نہیں کہ علم۔ عمل۔ کردار۔ اخلاق۔ اطوار۔ معاملات۔ کمالات۔ برتاؤ۔ تہذیب۔ حسن معاشرت۔ عدل انصاف۔ طرزِ گفتگو۔ رہن سہن پختگی۔ غرضیکہ ہر طرح حق ہیں۔ گویا کہ مکمل قرآن اور مکمل اسلام خود میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چالیس سال نبی کریم نے اپنے عمل سے قرآن مجید پیش فرمایا اور تیئیس سال اپنے قول سے۔ تو اے پیارے نبی فرما دو کہ اگر اب بھی تم مجھ سے دور ہی رہے تو میں تم کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہ چھڑاؤں گا نہ شفاعت کروں گا۔ کیونکہ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ اور میں تمہارا کوئی ذمہ دار نہیں۔ کہ کل قیامت میں نہ تم میرے سامنے گڑگڑانا فریاد کرنا۔ نہ تمہارا کچھ استحقاق مجھ پر قائم ہو سکے۔ نہ ہی تمہاری گمراہی کے بارے مجھ سے کچھ پوچھ گچھ ہو۔ مجھ کو تو صرف اپنے رب جَلّ جَلَالُہٗ کا یہ حکم ہے کہ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ اور تم اسی راہ چلو جو وحی کی گئی ہے تمہاری طرف یعنی قانون خداوندی کی۔ عملی۔ قولی۔ تبلیغ فرماتے جاؤ۔ خیال رہے کہ امت پر واجب ہے کہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرے۔ بجز انبیاء کسی کی پیروی جائز نہیں اگرچہ کوئی عالم ہو یا ولی۔ کیونکہ اتباع اور پیروی کہتے ہیں بلا سوچے سمجھے نقش قدم پر چل پڑنا۔ اور فطری طور پر بجز انبیاء ہر شخص کے اعمال و افعال میں لغزش ہو سکتی ہے۔ اسی لئے۔ دیگر اکابر کی صرف اطاعت کا حکم ہے لیکن نبی علیہ السلام کی اطاعت کے علاوہ اتباع کا بھی حکم ہے۔ ہاں خود انبیاء کرام کو صرف کلام اللہ کے فرمودات کے مطابق اتباع یعنی تبلیغ وغیرہ کرنے کا حکم ہے اور یہ حکم اتنا اٹل ہے کہ اگر اس

تبلیغ احکام خداوندی پر کفار کی طرف سے شدید تکالیف بھی پہنچیں تب بھی تبلیغ نہ چھوڑیں بلکہ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۔ اور صبر کئے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود کوئی نیا حکم فرمائے۔ یعنی اے نبی کریم ابھی کچھ دن تو صرف عملی اور زبانی سمجھاؤ اور ان بیوقوفوں کی تکلیفوں پر صبر کرو۔ پھر جب سختی اور جہاد وغیرہ کا حکم فرمائے تو اس وقت کفار پر سختی اور اپنی قوت خداداد کا اظہار فرمانا تاکہ اس صبر سے کوئی شخص انبیاء کے متعلق بے ہمتی اور بزدلی کی رائے قائم نہ کر سکے مگر یہ سختی کا حکم ابھی نہیں وہ فیصلہ تو رب تعالیٰ کی اپنی حکمت پر مبنی اس فیصلے کے مناسب وقت کو وہ خود ہی سمجھتا ہے کیونکہ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ ۔ اور وہ اللہ تمام حاکموں سے اچھا حاکم ہے کہ اس کے تمام فیصلے وقت کے بالکل مطابق ہوتے ہیں اور اس میں کوئی خطا کا امکان بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ ظاہر باطن۔ وجود و عدم سب کو جانتا ہے۔ بخلاف دیگر فیصلہ کرنے والوں کے وہ جاہل و غافل بھی ہو سکتے ہیں۔ اور کم عقلی کے ساتھ ان کے فیصلوں میں غلطی یا جلد بازی بھی ہو سکتی ہے۔ لہذا چاند سورج اور دیگر تمام مخلوق کی پیدائش۔ اور نافرمانوں کے عذاب کی تاخیر اور اولیاء اللہ کو عطاءِ قوت اور قوم نوح کی غرقابی اور فرعون کی مدت بادشاہت اور پھر اس کی غرقابی بنی اسرائیل کی ذلت پھر حضرت موسیٰ کے ذریعے ان کو عزت بخشنا اور موسیٰ علیہ السلام کی قوت خداداد اور قوم یونس علیہ السلام کی قبولیت توبہ۔ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچانا اور محفوظ رکھنا پھر سب سے آخر میں حق بنا کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا۔ ان پر اپنے کلام اور دین کو مکمل فرمانا۔ ان کے گستاخ گمراہ کو ابدی جہنم دینا۔ غرضیکہ سارے فیصلہ جو سورۃ یونس میں مذکور ہوئے بالکل درست اور برحق ہیں کیونکہ اسی خیر الحاکمین کی طرف سے ہوئے۔ اس آیت میں نبی پاک اور صحابہ کو تسلی دینا مقصود ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو منسوخ کہا ہے۔ اس کی ناسخ آیاتِ قتال ہیں خیال رہے کہ سورۃ یونس میں چار آیتیں منسوخ ہیں **پہلی آیت** اِنِّىْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۔ اس کی ناسخ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ الخ ہے **دوسری آیت** قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۔ اس کی ناسخ آیتِ سیف ہے۔ **تیسری آیت** وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّىْ عَمَلِىْ ۔ ہے اس کی ناسخ جہاد کی آیات ہیں **چوتھی** یہ آخری آیت۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** مسلمان کو چاہیئے کہ ہر موقع پر اللہ کا بھروسہ اپنے لئے سہارا بنائے اور یہ پختہ عقیدہ رکھے کہ سب کچھ اللہ ہی دینے والا ہے اگرچہ کسی ذریعے سے دے **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نقصان نہیں دیتا۔ بندہ خود گناہ کر کے رب کو ناراض کر لیتا ہے تب اس کا قہر اور اس کی طرف سے تکلیف آتی ہے ہاں اللہ کی رحمت بلا معاوضہ خود بخود بندے کو عطا ہوتی ہے یہ فائدہ لَهٗ کی جگہ لِفَضْلِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انبیاءِ کرام کی تبلیغ سے مومن کو فائدہ اور کافر کو نقصان ہوتا ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ کو یا اس کے رسولوں کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں **چوتھا فائدہ** انبیاءِ کرام بہت قوت و ہمت والے ہوتے ہیں مگر اس کا مظاہرہ بغیر حکم الٰہی نہیں کرتے۔ کفار کی سختیاں ظلم تشدد محض اتباعِ حکمِ پروردگار کی بنا پر برداشت کر جاتے ہیں نہ کہ کمزوری کی وجہ سے۔ یہ فائدہ فَاصْبِرْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ضرر اور نقصان کا ذکر فرمایا تو یَمْسَسْ کا صیغہ فرمایا اور خیر کے تذکرے میں ارادے کا ذکر کیا۔ حالانکہ سورۃ انعام کی آیت ۱۷ میں ۔ ضرّ اور خیر دونوں کے لئے یَمْسَسْکَ ارشاد ہوا ۔ جواب اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ سورۃ انعام میں قانون کا ذکر ہے کہ کسی انسان پر ضر اور خیر واقع ہوتی ہے ۔ وہاں وقوع ہی وقوع کا ذکر ہے دونوں ایک درجے پر ہیں لہذا دونوں کے لئے ایک مَسّ کا لفظ مناسب ہے مگر یہاں نقصان میں وقوع کا ذکر ہے اور خیر میں رَدّ کا اس لئے دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ لفظ استعمال ہوئے ۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں نقصان کے ذکر میں فلا کاشف لہٗ الا ھو ہے ۔ اور کشف کے لئے مکشوف شئی کا ہونا ضروری ہے اس لئے یَمْسَسْکَ ارشاد ہوا لیکن رد کے لئے شئی کے وجود کی ضرورت نہیں فقط ارادہ بھی رد کیا جا سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ارادۂ نقصان نقصان نہیں نہ اس کے لئے کشف کی حاجت مگر ارادۂ خیر بھی خیر ہے اور اس ارادے کا لوٹانا ممکن تھا اس لئے فلا رادّ کہہ کر اس امکان کی نفی کر دی لہذا یہاں یُرِدْکَ کہنا بالکل مناسب ہے اور کشف کے لئے شئی کا وجود ضروری ہے اس لئے وہاں یَمْسَسْکَ ارشاد ہوا بخلاف سورۂ انعام کے کہ وہاں واقع کرنا مقصود ہے ۔ نہ کہ فقط ارادہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کے ارادے کو بھی ٹالنے والا کوئی نہیں چہ جائیکہ وقوع نعمت کو **دوسرا اعتراض** اِهْتَدٰی باب افتعال سے اور باب افتعال کی اصل خصوصیت ہے خود گیری اور اتخاذ یعنی خود جس کا معنی ہوا خود ہدایت لے لے ۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا جیسا کہ بہت سی آیات سے ثابت ہے ۔ جواب اھتدٰی کا معنی خود ہدایت لینا نہیں بلکہ خود ھدایت قبول کرنا ہے ۔ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے مگر ہدایت قبول کرنا اور انبیاء کرام کی بات ماننا بندے کا اپنا اختیار ہے **تیسرا اعتراض** وحی قرآنی آیات کا نام ہے ۔ اور قرآن کریم تو صرف متقیوں کی ہدایت کیلئے ہے نبی کریم تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہیں تو پھر آپ کو وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی کا حکم کیوں دیا گیا ۔ جواب وحی کا لغوی ترجمہ ہے مطلقاً پیغام دینا اور اصطلاحِ شریعت میں رب کے پیغام کو وحی کہا جاتا ہے اگر یہ پیغام غیر نبی کی طرف ہو تو الہام کہلاتا ہے ۔ اگر نبی کی طرف بذریعہ جبریئل ہو تو وحی جلی یعنی قرآن پاک ۔ اگر بلا واسطہ جبریئل ہو تو وحی خفی یعنی حدیث شریف ۔ اور یہ بات پہلے تفسیر میں بتا دی گئی کہ انبیاء کی اتباع تبلیغ ہے ۔ خواہ وہ حکم جس کی تبلیغ کرنی ہے بشکلِ قرآن ہو یا حدیث ۔

تفسیر صوفیانہ صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ ویسے ہر مومن کو ہر معاملے میں اللہ ہی کا بھروسہ چاہیئے لیکن خصوصی طور پر منزلِ طریقت اور راہِ معرفت کو طے کرنے والوں پر تواشد لازم ہے کہ ہر وقت اسی رب ذوالجلال کی بارگاہ میں سربسجود رہے ۔ اور شکر پروردگار میں صلاۃ دائمی کا نمونۂ اتم پیدا کرے ۔ کہ یہ نازک رشتہ ہے ٹوٹتے دیر نہیں ذرا سی کوتاہی ہزاروں نقصان مرد مومن کو پہنچا سکتی ہے ۔ تمام زیست و حیات اور تمام محرکات ازلیہ و ابدیہ اسی کے قبضۂ جلال میں ہے ہر سعادت و سیم ۔ قلب و نفس ۔ ہمت و عقل ۔ کفایۃ و استغراق اسی کے قدرتِ بحر کی لہر ہے ۔ ان پر اسی کے فیصلے اور قدرتیں جاری و ساری ہیں ۔ اُس کی ہر مشیت سے نفع نقصان کا امتحان ہے ۔ اسی رب قہار کا قبض منزّہ ہے اور اسی رب کریم کے ارادہ محبوبانہ ابسط

اولیاء کی فضیلت ہے۔ پس لائق ہے کہ مردِ کامل بجز اس کے کسی غیر کو نہ دیکھے اگر وہ حجاب کے نقصان کو وارد کرے تو کوئی کھولنے والا نہیں بجز اسی کے انوار وصال کا ظہور اور اگر اے بندۂ مومن تجھ پر جمالِ جہاں آرا کے ظہور سے خیر کثیر کا ارادہ فرمائے تو کوئی اس کے وصال کے فضل کو کسی سبب یا علت روکنے یا چھیننے والا نہیں۔ جو اس کے وصال ازلی سے مختص ہوا کسی شی سے محجوب نہیں ہو سکتا۔ کسی شقاوتِ قلبی کا پردہ اس پر نہیں آسکتا۔ مگر ایسی خوش نصیبی ہر ایک کو میسر نہیں آسکتی بلکہ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۔ اپنے عارفین کاملین میں سے جس کو چاہے اس کو لقاءِ محبوب کا تمغہ عطا ہو۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ ہی قباءِ عصمت کے تحت ہیں۔ اس کے طوفانِ قہر سے محفوظ ہیں انہیں کے ساتھ اس کے جمال کا رحم اور وصالِ الٰہیہ کی پناہ ہے منزلِ حق اور رغبت ورحیت کا راستہ یہی کہ بندہ یقین سے سمجھے کہ ضار اور نافع فقط وہی ذات ہے اے حبیب کائنات کے بدنصیبوں اور خوش نصیبوں سے فرما دو۔ کہ تمہارے رب کی طرف سے حق یعنی انوار ازلی ذات محمد مصطفٰے وصفاتِ احمد مجتبےٰ آگئی جو اپنے رب کے حقائق کی کامل تعبیر ہے اور تجلیِ ذات ہے اس کی صفات میں اور تجلی صفات ہے اس کے فعل میں۔ یہی وہ حق ہے جو عارفوں کے سینے کو مشکوٰۃ چراغ ابدی بنانے والا ہے اسی نور سے ہر مبارک انسان برکاتِ تجلی پانے والا ہے۔ مگر ہر محروم سے یہ نور دور ہے۔ پس جس نے اس نور کے قرب سے ہدایتِ معرفت حاصل کر لی تو اس کا ہی فائدہ ہے۔ اور جس نے منکرانہ حجاب کی بنا پر دوری اختیار کی اور اِس لذتِ بے بہا سے جاہل رہا تو اس کی جہالت کا وبال اسی پر ہے کیونکہ ردائے کبریائی۔ معرفتِ عارفین۔ اور جہالت جاہلین سے پاک منزہ اور بے پرواہ ہے۔ نہ جاہلوں کی جہالت سے اس کا نقصان اور نہ عارفوں کی معرفت سے اس کا فائدہ۔ بس ہدایت و گمراہی کا متولّی وہی اللہ وحدہ لا شریک وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ۔ میں تمہارا ذمہ دار نہیں۔ میں تو فقط گلشن معرفت کا مالی ہوں اور دنیا و دین۔ عرفان و اتقان کی نعمتیں بانٹنے والا ہوں۔ دینے والا وہی ہے۔ مگر بانٹ میرے دروازے سے ہو گی پس جو آ گیا بارگاہِ رسالت میں وہ پا گیا۔ جو نہ آیا وہ محروم اور کسی سے مواخذہ نہ ہو گا۔ اے قربِ حق کے متوالو تمہارا کام یہ ہے کہ میری اتباع کرو اور مجھ کو حکم ہے کہ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ الخ اتباع کرو اس کی جو وارد ہو آپ کے قلبِ پاک پر ازلی خطاب سے۔ اور غور کرو اس صَوْتِ سرمدی پر جو اُذُنِ قدسیہ میں سمائے اور طیب کرو اپنی روح منور کو اس ذاتِ قدیم کی خوشبو سے۔ اور جب تم اس خوشبوئے لذتِ وصال حاصل کر لو تو اسی کے قیام پر صبر کرو۔ اور زیادتی وصل کی خواہش میں اضطراب نہ کرو۔ یہاں تک کہ رَبّ ذو الجلال خود اپنے مشاہدے سے فراق کے پردے ہٹا دے اور اے پیارے حبیب آپ کی بدولت۔ عارفین محبوبین۔ مشتاقین اس خوشبوءِ مستانہ سے سرشار ہو کر حجاب کی تکلیف دِہ بلاؤں سے بچ جائیں ہمیشہ کے لئے یہ ہے بہترین لذت آفریں فیصلہ اُس ذات واحد کی طرف سے جو سب حاکموں سے اچھا حاکم ہے۔ اس طرح کہ تفریق فرماتا ہے اپنے دوست اور دشمن کے درمیان۔ اور ازلی محروموں کی اذیت سے اہلِ معرفت کو خالص کر لیتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اِتباع پر صبر یہ ہے کہ نفس و عقل کی تدبیروں سے کنارہ کش ہو جائے اِسی سے نفس کی مکاریوں سے نجات اور مخالفتِ حق کی موت ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔ (عرائس۔ بیان مواہب)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ ھود مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر اس کی چار آیات مکی نہیں مدنی ہیں ۱؎ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ (الخ) ۲؎ فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعۡضَ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ (الخ) ۳؎ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ (الخ) ۴؎ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ (الخ)۔ چونکہ پہلی آیت کا مدنی ہونا مختلف ہے اس لئے متفقاً مدنی صرف چار آیات ہیں اس میں کل آیات ایک سو تیئس ہیں اور دس رکوع اور ایک ہزار چھ سو کلمات۔ اور نو ہزار پانچ سو سڑسٹھ حروف ہیں۔ اس سورت میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر ہے اسی لئے اس کا نام سورۂ ھود رکھا گیا۔ لفظ ھود غیر منصرف ہے عجمی اور علم ہے۔ اس سورت میں قیامت حشر نشر اور عذاب عتاب اور غضب الٰہی کا بہت ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اتنی جلدی بوڑھے کس طرح ہو گئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو سورۂ ھود۔ واقعہ مرسلات عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ۔ اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ۔ اَلۡحَآقَّۃُ اور ہَلۡ اَتٰىکَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَۃِ نے بوڑھا کر دیا اللہ اکبر کتنا غم ہے پیارے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی گنہگار امت کا جس کا ذکر اور نافرمانیوں کی سزا کا تذکرہ ان سورتوں میں آرہا ہے۔ سورۂ ھود میں تین آیتیں منسوخ ہیں پہلی آیت مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا وَ زِیۡنَتَہَا (الخ) اس کی ناسخ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ الخ دوسری آیت وَقُلۡ لِّلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ (الخ) اس کی ناسخ آیت جہاد ہے۔ تیسری آیت: انۡتَظِرُوۡا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ اس کی ناسخ بھی آیت جہاد ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔ ایک روایت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔

رُکُوعَاتُہَا ۱۰	سُوۡرَۃُ ھُوۡدٍ مَکِّیَّۃٌ (۱۱)	اٰیَاتُہَا ۱۲۳

سورت ھود مکیہ ہے اس میں دس رکوع ایک سو تیئس آیتیں اور ایک ہزار چھ سو کلمے ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سے نام اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ

یہ کتاب ہے حکمت دی گئی ہیں اس کی آیتیں پھر تفصیل کی گئی سے طرف

یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت بھری ہیں پھر تفصیل کی گئیں

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ

حکمت والے خبر والے　یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر　اللہ بیشک میں لیئے تمہارے

حکمت والے خبردار کی طرف سے کہ بندگی نہ کرو مگر اللہ کی بے شک میں تمہارے لیئے اس

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

سے اس ڈرا اور خوشی سنانے والا ہوں　اور یہ کہ بخشش مانگو تم رب اپنے　پھر

کی طرف سے ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

توبہ کرو تم طرف اس کے نفع دے گا وہ تم کو نفع دینا اچھا　مدت مقرر

طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا برتنا دے گا ایک ٹھہرائے وعدے تک

وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ

اور دے گا ہر والے فضل فضل اس کا　اور اگر پھر جاؤ تم پس

اور ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا　اور اگر منہ پھیرو تو میں تم پر

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ

بیشک میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب دن بڑے　طرف اللہ لوٹنا ہے تمہارا

بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں　تمہیں　اللہ ہی طرف

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④

اور وہ پر ہر چیز قادر ہے

پھرنا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے

تعلق اس صورت کا پچھلی سورت سے چند طرح تعلق ہیں پہلا **تعلق** پچھلی سورت میں علمی اور عقلی بحثوں سے کفار کو سمجھا گیا تھا جس سے زیادہ تر پڑھے لکھوں نے سمجھ حاصل کی اس سورت میں مثالوں سے سمجھایا جا رہا ہے تاکہ کم عقل بھی سمجھ لیں دوسرا **تعلق** پچھلی سورت میں اُس نبی علیہ السّلام کا ذکر تھا جو غیر قبیلے میں تبلیغ فرمانے آئے اور اُن کی قوم اُن کے خاندان

کے علاوہ تھی اب اس آیت میں اس نبی کا ذکر پاک ہے۔ جو اپنے علاقے سے دوسرے علاقۂ عرب میں تبلیغ کرنے تشریف لائے اس طرح کہ قوم سیریا میں پہلی مرتبہ نبی حضرت یونس تشریف لاتے اور عرب میں پہلے نبی حضرت ھود مبعوث ہوئے۔ اس مناسبت سے سورۂ یونس کے بعد سورۂ ھود کو ترتیب دیا **تیسرا تعلق** سورۂ یونس کے گیارہ رکوعوں میں صداقتِ وحی پر علمی دلائل اور تاریخی واقعات کا ذکر ہوا جس سے کسی کسی کو سبق اور عبرت حاصل ہوتا ہے۔ یہاں عام مثالیں دے کر دلائل عام فہم پیش کئے گئے **چوتھا تعلق** سورۂ یونس میں۔ پیار محبت اور نرم کلام درگذری سے سمجھایا گیا تھا۔ یہاں شدت۔ عتاب اور جھڑک سے سمجھایا جارہا ہے۔ کہ جب نرم کلامی سے منکر کو اثر نہ ہو تو عتاب و سختی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ اس طرح سورۂ یونس کے بعد یہ سورت عین مناسب ہے **پانچواں تعلق** سورۂ یونس میں حضرت نوح کا ذکر بہت ہی مختصر اور اجمال کے ساتھ آیا تھا اس سورت میں واقعات نوح علیہ السلام بہت تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئے اتنی تفصیل کسی اور جگہ مذکور نہیں ہوئی۔ سورۂ یونس اور سورۂ ھود میں یہ مناسبت بھی ہے کہ اس کے ابتدائی کلمات الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ہیں اور سورۂ ھود کے ابتدائی کلمات الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ۔ معنیً بترًا مقصداً بالکل ایک جیسے ہیں۔

تفسیر نحوی الٓرا اس لفظ کے بارے میں قرّا اور علماء نحو کے بہت سے مختلف اقوال ہیں چنانچہ تفسیر روح البیان نے تاویلات سے قول نقل فرمایا کہ الٓر کا معنیٰ ہے ھٰذہٖ السورہ۔ یعنی یہ سورت۔ روح المعانی نے سیبویہ اور خلیل نحوی کے حوالے سے فرمایا کہ یہ سورت کا نام ہے۔ تنویر المقباس نے فرمایا۔ الٓر کا معنیٰ ہے میں اللہ ہوں دیکھتا ہوں بعض نے کہا یہ قسم ہے۔ اور اس کا معنیٰ ہے۔ اقسم بہ میں قسم کھاتا ہوں۔ تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ الف سے مراد آلاءِ رب تعالیٰ یعنی نعمتیں اور لام سے مراد لطف اور را سے مراد ربوبیت خداوندی۔ ان ہی مطالب و معانی کی بنا پر اس لفظ کو مختلف پیرائے سے ترکیب نحوی میں شامل کر لیا ہے چنانچہ امام رازی نے اس کو مبتدا بنایا اور کتاب اس کی خبر ہے۔ انوار التنزیل نے کہا یہاں ھٰذا پوشیدہ ہے۔ مگر یہ سب اختراعی باتیں ہیں صحیح تر یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہیں اور اس کا مطلب قول امام حنیفہ کے مطابق مخلوق میں صرف محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ کتابٌ نکرہ ہے اور تنوین تعظیم کی یعنی بہت بڑی کتاب ترکیب نحوی کے اعتبار سے موصوف ہے اور اگلی عبارت اس کی صفت ہے۔ پورا جملہ توصیفی ھٰذا مبتدا کی خبر ہے یہی زجاج نحوی نے کہا۔ ان کا یہ قول صحیح ہے کہ الٓرا مبتدا نہیں بن سکتا۔ اگرچہ ان کی دلیل غلط ہے کہ مبتدا ہونے کی شرط یہ ہے کہ خبر اس میں محصور ہو۔ حالانکہ مبتدا کی یہ شرط نہیں امام رازی نے زجاج کے اس قول کو صرف اسی دلیل کی بنا پر رد کر دیا۔ یہ امام رازی کی لغزش ہے۔ کیونکہ دلیل کی غلطی سے اصل قول غلط نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی صحت پر اور بھی دلائل ہیں جن میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ یہ حروف مقطعات ہیں ان کا ترکیبِ نحوی سے کوئی تعلق نہیں۔ ترکیب شروع ہوتی ہے كِتٰبٌ یہ کتاب کتبٌ سے مشتق ہے۔ اس کے بہت سے معنیٰ ہیں ۱ کتاب بمعنی مکتوب لکھی ہوئی چیز ۲ واجب ولازم قانون ۳ کتاب بمعنیٰ حکم یا زبردست شاہی فرمان یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں۔ اُحْكِمَتْ۔ حکمٌ

سے مشتق ہے۔ فعل ماضی مجہول۔ اصول فقہ کے لحاظ سے ظہور کے آخری درجے کو مُحکَم کہتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ۔ نحاۃ کے نزدیک متفقاً ثُمَّ تراخی کے لئے آتا ہے تراخی تین قسم کی ہے ۱؎ تراخی مکان ۲؎ تراخی زمان یا وقت ۳؎ تراخی حال۔ یہاں تراخی حال مراد ہے (مدارک۔ کبیر) جیسے کہا جاتا ہے زید امیر ہے پھر سخی بھی ہے۔ فُصِّلَتْ میں دو قرأتیں ایک یہ کہ یہ صیغہ واحد مونث اس کا نائب فاعل کتاب کی ضمیر ہے۔ یہی جمہور قرأت ہے دوسری یہ کہ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل باری تعالیٰ ہے۔ اسی طرح اُحْكِمَتْ کی بھی دو قرأتیں ہیں۔ ہر دو قرأت میں باب تفعیل ہے اور فَصْلٌ سے مشتق ہے بمعنی پورا کھول کر بیان کرنا۔ مِنْ حرف جر بیانیہ ہے۔ لَدُنْ اسم ظرف مبنی ہے اس کے آخر پر کوئی حرکت نہیں ہو سکتی۔ یہ بالکل ابتداء کے لئے آتا ہے خواہ ابتدا زمانی ہو یا مکانی بخلاف عِنْدَ اور لَدٰی کے کہ وہ مقصد کے ابتدا کے لئے بھی آجاتے ہیں اور انتہاء وغیرہ کے لئے بھی۔ حکیم مبالغے کا صیغہ ہے حُکْمٌ یا حِکْمَۃٌ سے مشتق ہے اسی طرح خَبِیْرٌ بھی مبالغہ ہے خبرٌ سے مشتق۔ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ لَدُنْ کے مضاف الیہ ہیں۔ بعض نے فرمایا یہ آپس میں موصوف صفت ہو کر مضاف الیہ ہے پھر یہ مکمل عبارت جملہ عاطفہ ہو کر صفت ہے کتاب کی اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰہَ۔ اَلَّا دراصل ان لآ تھا یہ اَنْ ناصبہ تعلیلیہ ہے یہ پورا جملہ علت ہے اور پہلا جملہ معلول ہے۔ بعض کا قول ہے کہ اَنْ تفسیریہ ہے اور ما بعد مفسر ہے ماقبل فُصِّلَتْ کا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ علیحدہ جملہ ہے۔ ماقبل سے منقطع ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور اَنْ سے پہلے لام جارّہ پوشیدہ ہے۔ پوری عبارت لِئَلَّا تھی۔ تَعْبُدُوْا عَبْدٌ مصدر سے مشتق ہے جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ فعل نہی کی ممانعت سب انسانوں کو ہے اِلَّا بمعنی غیر ہے نہ کہ استثناء کے لئے لفظ اللہ اسم ذاتی ہے۔ تمام صفات خصوصیہ و غیر خصوصیہ کا جامع ہے (مناظرہ رشیدیہ ص۳) صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ جامد ہے اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ۔ اِنَّ محض تاکید کے لئے ہے یاءِ متکلم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لَكُمْ میں لام نفع کا ہے۔ کُمْ ضمیر سے مراد بھی تا قیامت سب انسان ہیں۔ مِنْ جارہ ابتداءِ مقصد کے لئے ہے۔ ہٗ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یہ جار مجرور۔ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ نکرہ کی صفت ہے تقدم سے حصر کا بھی فائدہ ہوا اور حال کا بھی۔ بعض نے فرمایا مِنْ حرف جار میں صلہ کے معنی پیدا ہیں۔ اور ہٗ کا مرجع یا اللہ تعالیٰ ہے یا کتاب۔ نذیرٌ مبالغہ ہے نَذْرٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی یقینی مصیبت سے ڈرانا واؤ عاطفہ ہے۔ بشیرٌ بُشْرٌ سے مشتق ہے اسی سے ہے بشارت۔ ہر آنے والی اچھی چیز کی اچھی خبر دینا وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ۔ واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا عطف اَلَّا تَعْبُدُوْا (الخ) پر ہے۔ یہ جملے کا جملے پر عطف ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معطوف علیہ معطوف کے درمیان فاصلہ اجنبی سے جائز ہے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ نفی کا عطف ثبوت پر اور اس کا عکس جائز ہے۔ اَنْ مصدریہ ہے قواعد نحویہ کے مطابق۔ فعل امر۔ نہی۔ نفی۔ ثبوت۔ سب مضارعوں پر آسکتا ہے۔ اِسْتَغْفِرُوْا امر حاضر غَفْرٌ سے مشتق ہے۔ لغوی معنی چھپانا ہے۔ یہاں مراد گناہ چھپانا یا بخشنا مٹانا ہے۔ بابِ استفعال میں آکر طلب کے معنی پیدا ہوتے۔ رَبَّكُمْ۔ ربّ۔ اسم صفاتی ہے۔ ربوبیت صفتِ لطف ہے نہ کہ قہر۔ کُمْ میں ہر انسان مسلمان کافر۔ گناہگار۔ اور نیک شامل ہیں ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ثُمَّ حرف عطف تراخیِ زمانی کے لئے ہے فرّا نحوی کہتے ہیں کہ ثُمَّ بمعنی واؤ عطف ہے اور عطف تفسیری ہے۔ بعض نے کہا کہ تراخی رتبی

ہے تُوبُوا تَوْبٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی رجوع کرنا۔ امر حاضر کا صیغہ ہے۔ اِلَیْہِ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیئے ہے اس کا متعلقہ
ہُ ضمیر کا مرجع ذاتِ الٰہی ہے یُمَتِّعْکُمْ مَتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ۔ یُمَتِّعْ
باب تفعیل کا مضارع معروف مَتْعٌ سے مشتق ہے بمعنی نفع دینا اَلَّا تَعْبُدُوْٓا سے تُوبُوا تک تمام امر نہی کے صیغوں کا جواب
ہے اور فِ جزائیہ یہاں پوشیدہ ہے۔ جس نے اس کو جزم دے دیا۔ مَتَاعًا موصوف ہے حَسَنًا صفت اور مرکب توصیفی ما قبل فعل
کا مفعول مطلق ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ مفعول بہٖ ہے اس لئے کہ مَتَاعًا خود دنیا کی سامانِ آسائش کا نام ہوتا ہے۔ اِلٰی انتہاء
کے لئے ہے اس کا منتہا اجل بمعنی مدت ہے مُسَمًّی اسم مفعول ہے وَسْمٌ یا سَمْوٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے نام رکھنا یا نشان
لگانا۔ یہاں مراد ہے مقرر کی ہوئی مدت جو بھی ہو۔ وَیُؤْتِ واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف الیہ سابقہ فعل یُمَتِّعْکُمْ ہے یُؤْتِ
دراصل یُؤْتِیْ فعل مضارع معروف تھا۔ عطف کے جزم سے یاءِ آخری گر گئی۔ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یہاں زمانہ مستقبل
مراد ہے کُلَّ مفعول بہٖ عمومِ نوعی کے لئے ہے ذِیْ حالتِ جر میں ہے اَسْمَاءِ سِتّہ مکبّرہ سے ہے فَضْلٍ کا مضاف ہے فضل
سے مراد ثواب ہے ہٗ کا مرجع یا تو ذی فضل ہے تب دونوں فضل سے مراد ثواب ہے یا اس کا مرجع پہلا فضل ہے تب پہلے فضل
سے مراد نیکی اور دوسرے سے مراد ثواب یا اس کا مرجع اللہ ہے تب بھی دونوں فضل سے ثواب مراد ہو سکتا ہے۔ فَضْلٍ نکرہ
ہے حالتِ جری میں اضافت کی وجہ سے ہے۔ فَضْلَہٗ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے۔ اس کا عامل یُؤْتِ ہے۔ یہ پوری عبارت
وَیُؤْتِ کُلَّ سے۔ قضیہ موجبہ کلیہ تقییدیہ ہے وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ۔ واؤ سر جملہ اِنْ
حرفِ شرط تَوَلَّوْا فعل ماضی مطلق معروف وَلْیٌ سے مشتق ہے بعض کے نزدیک جمہور نحاۃ کہتے ہیں کہ وَلْیٌ سے مشتق ہے۔
باب تفعل ہے اور یہاں سلبی معنی پیدا ہیں۔ یعنی وَلْیٌ کے معنی ہیں اچھی دوستی لگانا۔ تَوَلِّیْ کے معنی دوستی چھوڑنا۔ باب تفعّل کی
چھ خصوصیات میں سے ایک سلب ہے۔ وہی یہاں ہے۔ فَاِنِّیْ میں ف جزائیہ ہے۔ اِنَّ نے تاکید بتائی یاءِ متکلم کا مرجع
رحمت عالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اَخَافُ متکلم مضارع خَوْفٌ سے بنا ہے خَوْفٌ کے معنی خوف کرنا یا خوف دلانا
یہاں دونوں بن سکتے عَلَیْکُمْ علی حرفِ جار مخالفت کے معنی میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں وہ نہیں ہے۔ کُمْ سے مراد مخاطبہ
کافر ہیں۔ عَذَابٌ سے مراد سزاءِ اُخروی ہے مفعول بہٖ ہے اَخَافُ کا۔ یَوْمٍ کَبِیْرٍ موصوف صفت ہیں۔ کَبِیْرٍ مبالغے نے بتایا
کہ ہمیشہ بڑا رہنے والا دن ہے۔ اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ۔ اِلٰی بیانِ انتہا کے لئے ہے یہ جملہ علّت یا سبب ہے اِنِّیْٓ اَخَافُ کا یہ انتہا
زمانی کے لئے ہے نہ کہ مکانی کیونکہ اللہ کریم انتہاءِ مکانی سے پاک ہے۔ مَرْجِعُ جیم کے فتح سے اسم ظرف ہوتا ہے۔ اور جیم
کے زیر سے۔ مصدر میمی ہے یہاں یہی مراد ہے کُمْ سے مراد کفار ہیں وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ واؤ حالیہ ہے سر جملہ
بھی ہو سکتا ہے ھُوَ ضمیر واحد کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ عَلٰی جارّہ فوقیت کے لئے ہے۔ قضیہ موجبہ کلیّہ ہے۔ کُلِّ بحالتِ جر
ایجاب کا سور ہے شَیْءٍ بمعنی مشیّت ہے۔ قَدِیْرٌ صیغہ صفتِ مشبہ ہے یعنی ہمیشہ قدرت و طاقت والا۔ خبر ہے ھُوَ
مبتدا کی۔

تفسیر عالمانہ الٓرا۔ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ رحمٰن نے قرآن پاک سکھایا القرآن میں استغراقی الف لام ہونے کی وجہ سے لازمی بات ہے کہ پورا قرآن پاک سکھایا اور پورے میں تو یہ حروف مقطعات بھی ہیں پس ثابت ہوا کہ ان کا علم بھی اپنے رسول مکرم کو بتادیا ورنہ نزول باطل ہوجاتا کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ۔ یہ ایسی شان والی کتاب ہے کہ منظم و مضبوط کردی گئیں اس کی تمام آیتیں پھر مکمل تفصیل کی گئی حکمت والے خبر والے کی جانب سے کتاب سے مراد قرآن پاک کیونکہ اس پر دو پیش (تنوین) تعظیم کے لئے ہیں۔ یعنی بڑی جامع مانع کتاب ہر لحاظ سے مکمل و معظمہ کتاب بجز قرآن کریم کوئی نہیں ہوئی۔ لفظ اُحْكِمَتْ میں دو قرئتیں ہیں پہلی جمہوری قرئت تو یہی ہمزہ مضمومہ کے ساتھ ہے۔ اس اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات کی چار خصوصی شانیں ہیں پہلی یہ کہ اس کی تمام آیات شاندار منظم اور بہترین ترتیب کے ساتھ نازل ہوئیں دوسری یہ کہ صحابہ کرام نے خصوصًا خلفاء راشدین کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے کہ قرآن پاک کو اسی ترتیب کے ساتھ لکھا جس ترتیب سے عرش اعظم پر یہ قرآن مجید لکھا ہوا ہے۔ یہی وہ ترتیب ہے جس کا احترام نماز اور بیرونِ نماز کرنا واجب ہے۔ تیسری شان محکم ہونے کی یہ ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت۔ سورت۔ بلکہ الفاظ و حروف بھی بے جوڑ و بے تعلق نہیں جس طرح کہ ہم اپنی اس تفسیر میں ہر آیت کے تحت تعلقات میں بیان کردیتے ہیں۔ چوتھی شان خصوصی یہ ہے کہ قرآن پاک کا قانون۔ شریعت۔ مضمون۔ عبارات اتنے اٹل۔ مضبوط و محکم ہیں۔ کہ تاقیامت کوئی انسان۔ کوئی کتاب۔ کوئی حکومت۔ اس کے ایک حرف یا ایک چھوٹے اور معمولی استحبابی قانون کو بھی منسوخ یا ختم نہیں کرسکتی۔ بخلاف انجیل۔ زبور۔ توریت اور دیگر کتب کے۔ کہ وہ سب ختم ہوگئیں اور اُن کی شریعتیں منسوخ کردی گئیں۔ پانچویں شان۔ محکم ہونے کی اس طرح ہے کہ اس کتاب کو عطا کرنے والا اپنی توحید میں اور لینے والا اپنی محبوبیت۔ نبوت۔ رسالت میں۔ محکم و لازوال ہے کہ جب تک وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ اللہ کی توحید باقی ہے اس وقت تک پیارے آقا کی محبوبیت و نبوت اور آپ کا قرآن مجید۔ محکم۔ چھٹی شان یہ ہے کہ کسی آیت کا اپنے مابعد یا ماقبل کوئی تناقص یا ٹکراؤ و مخالفت نہیں۔ ایسی کمال فصاحت و بلاغت ہے کہ جس کی کائناتِ دھر میں مثال نہیں ملتی آیَاتُہٗ جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی یہاں مراد ہے قرآن مجید کے فصیح الفاظ و مضامین وقصص یا احکام یا صفات علم ادب کے لحاظ آیت صرف اس کلام کو کہا جاتا ہے جو فصاحت میں کمال کے درجے کو پہنچا ہو۔ ہٗ ضمیر کی نسبت نے ثابت کردیا کہ منزل فصاحت میں کمال کے درجے پر صرف رب العالمین کا ہی کلام ہے ثُمَّ کی تراخی جیسے کہ پہلے بیان ہوا نہ مکانی ہے نہ زمانی بلکہ حالی ہے۔ یعنی دنیا بھر کے فصاحت و بلاغت اور علم کلام کے دعویدارو اور ملکہ خطاب و تصنیف رکھنے والو۔ تمہارے کلاموں خطابوں میں بیک وقت فقط ایک ایک شان اجاگر ہوتی ہے۔ مگر یہاں عظمت کتاب تو دیکھو کہ ہر آیت کے محکم ہونے کے ساتھ ساتھ فُصِّلَتْ ایسی مکمل تفصیل ہے کہ یہیں شریعت ہے یہیں طریقت یہیں حقیقت ہے یہیں معرفت۔ یہیں توحید ہے یہیں رسالت۔ یہیں علم بدیہی ہے جیسے قصص الانبیاء اور الفاظ قرآن کریم اور یہیں علم نظری ہے۔ جیسے اسرار قرآن معرفت الٰہیہ اور ملائکہ اور حقیقتِ محمدیہ۔ یہیں علومِ عملیہ ہیں۔ جیسے عبادات

وریاضات ۔ یہیں علوم علویہ ۔ اور پھر ایسی تفصیل ہوئی کہ سورت ۔ سورت ۔ آیت ۔ آیت کی خوشبو علیحدہ علیحدہ ہوگئی تفصیل کا یہ انداز بھی کتنا حسین ہے ۔ کہ آیات قرآنیہ کا نزول مختلف ضروریات وموقعوں پر ہوتا ہے جس سے آیت منزلہ کے بہت سے مطالب کی تفصیل صرف نزول سے ہی سمجھ آجاتی ہے ۔ پھر طریقۂ نزول کو بجائے تحریر کے زبانی اور الفاظی شکل میں اختیار فرمانے سے کتنی بہترین تفصیل ہوجاتی ہے کہ بہت سے مقصد ومعانی صرف طرز گفتگو سے سمجھ لئے جاتے ہیں یہ ہے وہ انوکھی تفصیل جو کسی اور کتاب یا تصنیف میں نہیں ۔ یہ خصوصی شان صرف اس لئے ہے کہ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ حکمت والے خبر والے اللہ کریم کی جانب سے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تھوڑے الفاظ میں حلال حرام ۔ ترغیب وترہیب ۔ امر نہی وعدہ وعید ۔ مواعظ ونصائح ۔ نذارت وبشارت ۔ نشانات وعجائبات القاب وخطابات کے بحر بے کراں سمو دیئے ہیں ۔ اور حق وباطل کا اس طرح فرق کیا کہ کوئی لہر کسی بحر سے نہیں ٹکراتی ۔ صاحب کشاف نے فرمایا کہ یہ اَحْكَمْتُ اور فَصَّلْتُ متکلم کے صیغے سے ہیں مگر یہ درست نہیں اَلَّا تَعْبُدُوٓا اِلَّا اللّٰہَ یہ تفصیل اس لئے کی گئی کہ تم اے دنیا والو اسی حکیم خبیر اللہ کی عبادت کرو ۔ کسی اور کی طرف مت جھکو ۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے ۔ کہ تفصیل آیات یہ ہے کہ تم نہ عبادت کرو مگر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی ۔ رہا میرا سوال تو یاد رکھو کہ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ وَّبَشِيرٌ ۔ اے قیامت تک کے انسانوں بے شک میں تم سب کو اپنے اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور خوشخبری دینے والا ہوں تم جہاں کہیں بھی رہو غاروں ۔ صحراؤں بستیوں ۔ دریاؤں میں مجھ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کون ڈرائے جانے کے لائق ہے اور کون خوشخبری پانے کے لائق ۔ میں اپنے رب کی طرف سے ایسا غیب دان باختیار خبر والا اور مشاہدے والا نذیر ہوں جانتا ہوں کہ جو کفر پر رہے گا اس کے لئے نذیر ہوں عذاب آخرت سے اور جو مومن متقی بن جائے اس کے لئے بشیر ہوں دنیا میں عزت وسکون کی بشارت اور آخری وقت خوشنودیٔ باری تعالیٰ کی خوشخبری آخرت میں ثواب لازوال کی خوشخبری ۔ لہٰذا بہتر اور فائدہ مند یہی ہے کہ بندے بن جاؤ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اپنے پچھلے کفر اور گناہوں کی بخشش مانگو اپنے پالنے والے سے پھر ہر برے کام سے ہٹ کر اسی کی طرف لوٹ جاؤ ۔ یا اس طرح کہ شرک وکفر سے استغفار کرو اور گناہوں سے توبہ ۔ یا اس طرح کہ رب سے بخشش مانگو اس کا طریقہ یہ ہے کہ توبہ کرو ۔ اس صورت میں ثُمَّ واؤ تفسیریہ کے معنی میں ہوگا ۔ اور یا اس طرح کہ شرک اور گناہوں اور اعمالِ باطلہ سے بخشش مانگو پھر توبہ یعنی راہِ نجات پر چلنے اور قائم دائم رہنے کی توفیق طلب کرو ۔ فراء نے کہا کہ ثُمَّ بمعنی عاطفہ واؤ محض تاکید کے لئے ہے ۔ استغفار اور توبہ ان کے نزدیک ہم معنی ہے ۔ رَبَّكُمْ فرما کر صفتِ ربوبیت کا اظہار مقصود ہے ۔ جس سے عظیم شفقت رحم کرم ثابت ہوتا ہے کہ اے بندو اس سے بخشش مانگو ۔ اور اسی کے دین کی طرف لگ جاؤ اور اس کے ایسے بن جاؤ کہ اسی کا بولن بولو ۔ اسی کا کہنا سنو اسی کے دین کو شعارِ زندگی بنالو اس لئے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ جس نے عالمِ ارواح وشکمِ مادر میں تمہاری ربوبیت فرمائی اور جب تم دنیا میں پیدا ہوئے تو تم دنیا میں کیسے بھی بن جاؤ ۔ کافر یا مسلمان ۔ فرماں بردار یا نافرمان وہ اللہ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ہر حال میں ہر قسم کا نفع عطا فرماتا ہے تم کو بے شمار نفع موت کی مقررہ مدت تک ۔ علماء کرام فرماتے ہیں نفع تین قسم کا ہے ۱ نفع بلذّتِ دنیا یہ

صرف کفار کو عطا ہوتا ہے۔ کہ وہ ہر قسم کی عیاشی کر لیتا ہے۔ مگر آخرت کے دروازے اس پر بند ہوتے ہیں ۲۔ نفع فی الدنیا یہ متقی مومن کو دنیاوی ساز و سامان سے میسر ہوتا ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنی عبادت اخلاص تقوے اور سچی نیت سے دنیا کو بھی دین بنا لیتا ہے اور اس متاعِ فانی کو باقی بنا لیتا ہے۔ اس کے لئے پھر الیٰ اجل کی قیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان دو نفعوں کا ذکر یہاں ہوا تیسرا نفع اُخروی) اس کا ذکر اگلی عبارت میں ارشاد ہوا وَیُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ۔ اور عطا فرمائے گا ہر فضل والے کو اس کا فضل۔ یا اس طرح کہ دنیا میں اس بندئے مومن نے اپنے دن رات کو اللہ کے لئے وقف کر دیا۔ تو اللہ نے اس کے تھوڑے معمولی عمل میں اتنی برکت فرمائی کہ دنیا میں اس کو راحتِ قلبی میسر آئی۔ اور اس کا متاعِ قلیل اس کے لئے حقیقی فضلِ رب ہو گیا۔ جیسا کہ تجربہ ہے کہ پرخلوص اور صاف نیت والے کے حلال رزق میں بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ یا اِس طرح کہ نیک اعمال کی بدولت آخرت کا ثواب جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا جو صرف مومن کا حصۂ فضل۔ یا اس طرح کہ متاع تو کسی چیز کا بدلہ بن سکتا ہے مگر فضل صرف کرم پر موقوف ہے بلا معاوضہ۔ یہ صرف پیاروں کو دیا جاتا ہے۔ نافرمان کفار کا اس میں کوئی حق نہیں یا اس طرح کہ صاحب عقل کو دنیاوی اعمال اخلاق و کمالات دیئے جاتے ہیں جس سے اچھا نفع پاتا ہے اور صاحبِ شعور کو کمالاتِ روحانیہ عطا فرماتا ہے جو محض رب کریم کا فضل ہے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ۔ اور اگر تم نے اپنے رب سے دوستی نہ لگائی منہ پھیر لیا تو بے شک میں اندیشہ کرتا ہوں تم نافرمانوں پر بڑے دن کے عذاب کا۔ یعنی اے لوگو اگر تم نے میرے یہ حکم ۱۔ عبادتِ الٰہیہ ۲۔ استغفار ۳۔ اور توبہ حقیقیہ نہ مانے اور میرے دین سے منہ پھیرا تو تم کو ایسے رب تعالیٰ کا سخت عذاب ضرور پکڑے گا۔ میں اپنی رحم دلی اور کریم طبیعت کی بنا پر تمہاری مصیبتوں سے اندیشناک بھی ہوں اور غمگین بھی۔ اور پھر وہ عذاب آج دنیا میں نہ ہو گا کہ یہ تو معمولی ہے۔ ڈھلتی دھوپ ہے۔ اترتی چاندنی ہے۔ راہِ سفر ہے۔ روزِ زیست کا آخری حصہ ہے۔ موت کی شام ہونے والی ہے۔ وہ عذاب تو یومِ کبیر کو ہو گا۔ جو بہت ہی بڑا ہے جس کا اول ہے آخر نہیں۔ ابتدا ہے انتہا نہیں (اے میرے کریم رب اپنے حبیب کے صدقے ہم سب مسلمانوں کو اس عذاب سے بچا۔ مجھ کو اور میری اولاد میری بیوی بہنوں بھائی کو بھی) بعض نے فرمایا کہ یہاں دنیا کی قحط سالی آفات و بلیات اور ذلت و خواری مراد ہے (کبیر، معانی، بیان) اے کافرو۔ یہ عذاب یقینی ہونے والا ہے اس سے بھاگ نہیں سکتے کیونکہ اِلَی اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ اللہ کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے۔ اِلَی اللّٰهِ کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اور کسی طرف بھی نہیں جا سکتے۔ دنیا میں ہزاروں سفر ہوتے ہیں ہزاروں بچنے کے ذریعے لاکھوں حصولِ آرام کیو اسطے ہوتے ہیں حق و باطل جدھر سینگ سمائیں انسان چلا جاتا ہے لیکن وہ دن ایسا ہے کہ خوشی سے ہو یا ناخوشی سے ہیں اسی کے حضور ہے خوش قسمت ہے وہ جو ہنستا خوش ہوتا اس کی بارگاہ میں جاتے حدیث پاک میں آتا ہے کہ رب کا ارشاد ہے۔ جو ایک بالشت میری جانب بڑھتا ہے۔ میں دو بالشت اس کی جانب آتا ہوں (اربعہ تفاسیر) اور تم میں سے کوئی یہ بھی گمان نہ کرے کہ کوئی اس کے عذاب سے جبراً تم کو چھڑا سکے یا وہ عذاب نہ دے سکے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ نافرمانوں کو پوری پوری سزا دے گا اس لئے کہ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اور وہ اللہ اپنی ہر مشیت اور ارادے پر قادر ہے۔ اور یہ قدرت دنیا میں بھی ہے آخرت میں بھی اوّل سے آخر تک ازل سے ابد

نیک قدیم ہے۔ وہ قادر ہے کہ اپنے پیاروں کو انعامات سے اور دشمنوں نافرمانوں بدکاروں کو عذاب سے نوازے۔ وہی بدیع ہے متصرف فی الخلق ہے وہی مدبر تدبیر ہے۔ نہ اس کی قضا کو کوئی دفع کرنے والا ہے نہ اس کی مشیت کو کوئی روکنے والا۔ پس سوچ لو کہ جب بندہ اتنا کمزور وحقیر ہو۔ اور مولیٰ اتنا قوی و قدیر ہو تو بندے کو کیا کرنا چاہیئے۔ اے میرے اللہ مجھ کو اور میری ذریت نسبت کو اپنے حضور میں سچے سجدے کی توفیق عطا فرما وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** قوانینِ اسلامیہ ہر دور میں ہر انسان کے لئے یکساں مفید ہیں اور بہت آسان ہیں یہ جو بعض جہلا کہہ دیتے ہیں کہ معاذ اللہ اسلام پر پورا عمل نہیں کیا جاسکتا وہ قطعًا غلط ہے۔ یہ فائدہ اُحکِمَتْ کی تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک ہر انسان کے لئے نذیر و بشیر ہیں۔ اور اپنی تمام امت سے ہر لحہ واقف کہ کس کو ڈرانا اور کس کو بشارت دینا ہے اور حضور بشارتیں دیتے ہیں یہ فائدہ اِنَّنِیْ لَکُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر بہت محبت فرمانے والے ہیں۔ بلکہ غیر مسلموں اور کفار پر بھی شفقت فرماتے ہیں آپ کو کسی انسان کی تکلیف گوارا نہیں انسانی ہمدردی آپ کے قلب پاک میں بدرجۂ اتم موجود ہے انگریز عیسائی یہودی یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا (معاذ اللہ) وہ حقیقت کے خلاف محض اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں جھوٹا پرچار کرتے ہیں۔

اعتراضات اس آیتِ کریمہ پر چند اعتراض وارد کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں تو فرمایا گیا کِتَابٌ اُحْکِمَتْ۔ یہ کتاب محکم ناقابلِ نسخ ہے حالانکہ قرآن کریم میں کل دوسو بارہ آیتیں منسوخ ہیں جن میں سے بعض کو خود قرآن کریم نے منسوخ فرمایا اور کچھ آیات کو حدیث پاک نے۔ پھر محکم ہونا کس طرح ہوا۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ محکم ہونے کا مطلب ہے کوئی انسان یا کتاب اس طرح منسوخ نہیں کرسکتی کہ یہ شریعت ختم ہوجائے اس کی جگہ دوسری آجائے جیسے کہ توریت و زبور سے ہوا۔ خود قرآن پاک یا حدیث پاک کا کسی آیت کو منسوخ کرنا۔ اس مطلب کے خلاف نہیں۔ اس طرح یہ محکم اور اس کا قانون تاقیامت اٹل اور آخری ہے۔ دوسرا جواب تفسیر کبیر نے دیا کہ زیادہ آیات غیر منسوخ ہیں بہت تھوڑی منسوخ ہیں پس لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ کے قاعدے سے گویا کہ سب ہی محکم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ محکم سے مراد آیات صفات وقصص و عدل وخبر ہیں۔ یہ ہرگز منسوخ نہیں ہوسکتیں۔ مگر پہلا جواب قوی ہے واللہ اعلم بالصواب **دوسرا اعتراض** حدیث پاک میں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ دوسری حدیث حسن میں ہے انبیاء کرام کو سب سے زیادہ تکلیفیں آتی ہیں۔ پھر اولیاء اللہ کو پھر عام مومنوں کو درجہ بدرجہ۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے کہ اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لوگ ایک امت ہیں تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمٰن کے کافر ہوئے ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا بنادیتے ان احادیث و آیات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے خاص فرماں بردار بندے دنیا میں مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر یہاں بتایا جارہا ہے کہ متاعًا حسنًا یعنی دنیا کی راحت و آرام سے نوازا جاتا ہے۔ آپس میں تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے۔

جواب یہ بات تفسیر عالمانہ میں بھی بتا دی گئی یہاں بھی اور سمجھ لو کہ کافر کا متاع حسن دنیا کا ساز و سامان ہے۔ اس کو وہ دیا جاتا ہے۔ مگر مومن کا متاع حسن دنیاوی ساز و سامان نہیں بلکہ ذکر الٰہی عشق نبی۔ محبت خداوندی۔ نماز روزے کی لذت۔ کیونکہ جس سے جس کو راحت اور آرام سکون حاصل ہو وہی اس کا متاع حسن ہے۔ اولیاء اللہ اور مومن کامل کا توکل علی اللہ اتنا پختہ ہوتا ہے کہ اس کو نہ دنیا کے جانے کا غم ہوتا ہے نہ آنے کا سرور۔ وہ اپنے ہی حال میں مست و مسرور رہتا ہے دنیا داروں کی طرح دنیا کے لئے مضطرب پریشان نہیں ہوتا۔ یہ سکون قلبی ہی اس کے لئے متاع حسن ہے۔ اسی کا نام حُبُّ اللہ ہے۔ اسی سے بندے کو حیات طیبہ میسّر ہوتی ہے (کبیر) **تیسرا اعتراض** اس آیت میں لفظ اَجَلٍ مُّسَمًّى سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کی دو موتیں ہیں کہ اگر نیک ہو تو اس وقت ہوگی اور اگر بد ہو تو اس وقت (معتزلی) جواب یہ غلط ہے ہرگز اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر انسان کا زندگی و موت کا فیصلہ فرمایا ہے۔ کہ فلاں نیک کتنا عرصہ زندہ رہے گا اور فلاں بد کب تک تو دو قسم کی زندگی دو قسموں کے شخصوں کی حیثیت سے ہے نہ کہ ایک شخص کی دو زندگی (کبیر) **چوتھا اعتراض** متاع دنیا کا نام متاع کیوں رکھا گیا اور **منفعتِ** اُخروی کو فضل کیوں فرمایا گیا۔؟ جواب اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت حقیقۃً حقیر ذلیل خسیس ہے کیونکہ قابلِ فنا ہے دولتِ اُخروی باقی ہے اور بے حد و بے شمار ہے۔ اس لئے اس کو فضل فرمایا گیا۔ (تفسیر کبیر) **پانچواں اعتراض** استغفار کو مقدّم کیا گیا اور توبہ کو موخّر اس میں کیا حکمت ہے۔ حالانکہ توبہ مقدّم ہونی چاہئے استغفار پر **جواب** اس کے تین جواب۔ پہلا یہ کہ استغفار میں طلب فعل ہے کیونکہ بابِ استفعال سے ہے۔ اور توبہ میں بندے کا اپنا فعل ہے۔ پس اللہ کی مدد و توفیق مقدّم ہونا ضروری ہے۔ بعد میں بندے کا عمل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی امداد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا اسی لئے یہاں استغفار مقدّم اور توبہ کو موخّر کیا کہ پہلے اللہ سے استعانت کرو پھر اسی کی دی ہوئی ہمت سے اس کی طرف دوڑو۔ دوسرا جواب یہ کہ استغفار میں شرک کفر کی گندگی سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اور توبہ میں رجوع الی اللہ ہے۔ استغفار کے مقدّم کرنے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے پاک و ستھرے ہو جاؤ پھر اللہ کی بارگاہ میں اطاعت کرتے ہوتے جاؤ۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بقول قُرّاء نحوی ثُمَّ تراخی کے لئے نہیں باقی بلکہ یہاں بمعنیٰ واؤ عاطفہ ہے۔ اس قول سے اعتراض بالکل ختم ہو جاتا ہے (اسئلۃ الرازی ص۱۳۳) **چھٹا اعتراض** جبکہ بغیر استغفار اور بغیر توبہ بھی متاع دنیا مل جاتا ہے۔ اور فاسق و کافر دنیاوی ساز و سامان کی وسعت اور درازیٔ عمر صحت وغیرہ حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تو استغفار اور توبہ کا کیا فائدہ اور یہاں کیوں فرمایا گیا کہ توبہ استغفار سے متاعِ حسن ملے گا **جواب** اس کا ایک جواب تو ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کر دیا کہ توبہ استغفار متاع حسن کا سبب نہیں بلکہ توبہ الی اللہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ کیوں اللہ کی طرف جاؤ؟ اس لئے کہ وہ تمہارا محسن ہے تم سب کو متاعِ حسن عطا فرماتا ہے۔ دوسرا جواب مسائل الرازی ص۱۳۱ پر اس طرح دیا ہے۔ کہ جمہور صحابہ و محققین فرماتے ہیں کہ سچا متاع حسن اور اصل نفع استغفار اور توبہ سے ہی ملتا ہے۔ وہ رزقِ حلال ہے جو صرف مستغفر تائب اور متقی کو دیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تمام اوّلیاتِ ازلیہ لائق ہیں اُسی ذاتِ الٰہیہ کو جو تمام لوازماتِ عبودیت کو پیدا کرنے والا ہے ازل سے واجب لازم ہیں اہلِ عبودیت پر اُن اوّلین احکام کی اطاعت یہی اشارہ ہے الف اور لام سے ایسے ہی لازمی اطاعت کرنے والوں کو مشاہدۂ ذات سے راحت ہے یہ اشارہ ہے را سے ۔ تاویلاتِ نجمیہ نے فرمایا۔ الف سے اشارہ ہے۔ اللہ جو شائقینِ ذات کو مشاہدۂ جمال سے نوازنے والا ہے اور مراد لام سے جبریلِ عشق ہیں جو واسطۂ خالق و مخلوق ہیں۔ را سے مراد رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی طفیل و برکت جمالِ یار کا آئینہ ہے ۔ مگر یہ سب صوفیانہ اشارات ہیں۔ اِن کی حقیقت رسولِ پاک ہی جانتے ہیں کہ وہی کائناتِ دھر میں اللہ کی مکمل کتاب ہیں۔ بعض نے فرمایا کتابٌ قلبِ محمد مصطفٰے ہے۔ جس پر عظمت کی تنوین جلالِ الٰہیہ کا مظہرِ اتم ہے اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ اس کتاب قلبِ پاک کی آیات یعنی معجزات حقائق اور صفاتِ قدسیہ۔ معانی و اسرار و لطائفِ باطنیہ کو اتنا محکم و مضبوط بنایا کہ ابد تک مشتاقِ الٰہیہ سیراب ہوتے رہیں ۔ اور عالمِ کلیات میں اِس طرح ہمیشہ ثابت قدم رہیں کہ نہ ماحول سے تبدیلی نہ زمانے سے تغیر نہ طوفانوں کی یلغار سے پاۓ ثبات میں لغزش نہ اَغیار کی سازشوں سے کچھ فساد محکم اس شان کا کہ ہر نقص و آفت سے محفوظ (ابن عربی۔ عرائس) ثُمَّ فُصِّلَتْ۔ باطن ایسا تھا کہ عالمِ کلی میں شانِ ایۃُ اللہ بن کر جلوہ گر ہوا۔ اور ظاہر ایسا ہے کہ عالمِ جزئی میں اور کائنات ما کان وما یکون کی جز جز میں قدرِ معلوم و معین سے قلوبِ عارفین کی تفصیل کے لئے سمایا ہوا (ابن عربی) روحِ عارف و قلبِ شائق میں ایسا تفصیل کیا گیا کہ ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے ۔ یہ تفصیل اہلِ مشاہدہ و صاحبِ مکاشفہ کے لئے ہے تاکہ وہ احکامِ ربوبیت و عبودیت کو انوارِ حق کی کرنوں سے دیکھ کر عبادتِ الٰہی کی چاشنی حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے جو لذّت ذکر و عبادت صحابہ کو ہوئی وہ لذّات اولیاء و غوث و قطب بلکہ قطب الاقطاب کو نہیں مل سکتی۔ کیونکہ اُن کی عبادت جمالِ جہاں آرا کی کرنوں سے چھن چھن کر گزرتی تھی مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ یہ کتاب۔ آیات اور تفصیل کلامِ ازلی سے ہے۔ جس کا متکلم قدیم۔ اپنی معرفت و حکمت سے عرفان کے لئے ذاتِ محمد کو مصطفٰے بنانے میں حکیم ہے۔ اور محبین کو عبودیت کی محبت کے وصف سے ان کی ہمت و استعداد کے مطابق مدارجِ قبولیت عطا فرمانے میں خبیر ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ قلبِ پاک محمد مصطفٰے میں اسرار کی امانت رکھنے میں حکیم ہے اور اس کی تفصیل سے تعلیم دینے میں خبیر ہے۔ ایسا حکیم و خبیر کہ اس سے زیادہ شان والی تفصیل کوئی نہ کر سکے ۔ اور ایسی تفصیل جو تقدیر۔ توقیت تدبیر و ترتیب کے مدارجِ اعلیٰ پر ہے لٰہذا اے اسرارِ سرمدی کے طالبو اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ شیطان۔ دنیا۔ ھوائے نفسی اور ماسوا اللہ کی عبادت نہ کرو۔ کہ نہ زبانِ نطق سے نہ زبانِ حال سے دلالتِ غیریت ہونہ کردار سے ۔ اور اس معبودِ حقیقی کی عبادت میں غیر اللہ کی طرف قطعًا توجہ نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ میں اسکے فراق اور قبض کے بڑے قہر سے تم کو ڈرانے والا ہوں اور منزلِ شوق پر رواں دواں کو وصلِ الٰہی کے لطائف کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ گویا کہ محرومین کے لئے فراقِ ابدی کا نذیر ہوں اور اہلِ شعور کے لئے وصلِ دوام کا بشیر ہوں۔ میں نشانِ قدرت ہوں اُسی کی طرف سے جو حکیم و خبیر ہے۔ شرک جلی و خفی کا نذیر ہوں اور ثوابِ توحید کا بشیر ہوں۔ پھر حکم فرمایا مشاھدے کے خواہش

والوں کو اور وصال پر فخر کرنے والوں کو طلب غیر سے نیت استغفار کرنے والوں کو اور اس کے قہر سے ہٹ کر لطف کی طرف رجوع چاہنے والوں کو۔ اور خواہشات سے کنارہ کر کے ارادۂ اتباع حقیقیہ کرنے والوں کو کہ وَاِنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ بخشش مانگو راہ اسرار میں کوتاہیوں کی پھر توبہ کرو طلب انوار کے لئے۔ یا بخشش مانگو عمر کے ان دنوں کی جو طلب غیر اللہ و ترک طلب اللہ میں گذرے۔ یا استغفار کرو ذلت سے اور توبہ کرو غفلت سے۔ کیونکہ۔ استغفار تقدیس ہے اور توبہ تخلیص کہا عرائس نے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے کسی طالب مولیٰ نے پوچھا۔ کہ وصل باللہ کا طریقہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وصل الہٰی کے چار منازل ہیں۔ پہلا اجابت دوسرا انابت۔ تیسرا توجہ چوتھا استغفار۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ استغفار ظاہری قالب سے اور انابت قلب سے ہوتی ہے اور استغفار تقصیرات کی ہمیشگی توبہ ہے امام یوسف نے فرمایا۔ استغفار تین قسم کی ۱۔ عوام کی گناہوں سے ۲۔ خواص کی ظاہر پر نظر رکھنے اور توجہ باطنی کے چھوڑنے سے ۳۔ اکابر کی ماسوی اللہ کو دیکھنے سے۔ عارفین کی استغفار اس سے بھی وراء ہے کہ وجود حق کے ساتھ اپنے وجود کے خیال سے بھی استغفار کرتے ہیں جب بندۂ کامل اس طرح کی استغفار سے پاک منزہ ہو جاتا ہے تو يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا نفع دے گا تم کو اچھا نفع کہ مقامات سفلیہ سے مدارج علویہ کی طرف ترقی ہوگی اور مدارج علویہ سے بارگاہ عَلِيُّ الْكَبِيْرُ میں باریابی نصیب ہوگی جو بہت خوش بختی کا مقام ہے۔ کہ وہیں سے انوار توحید صفائی احوال حلاوۃ افکار فرحت رضوان ظہور لطائف لذت اذکار۔ عیش مشاہدۂ ذات ہے اور اس سے بھی سوا وَيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ۔ اور عطا فرمائے گا ہر مجاہدے والے کو بقدر ہمت طلب کرامات فضل و عنایات ازل۔ کہ متاع حسن تو راہ سلوک کے حصہ ہیں اور سالک کا زاد سفر اور وصول رب کی ابتدا۔ اس لئے وہ قابل منتہیٰ مگر فضل کی اجل کچھ نہیں۔ ہاں اے منزل عشق کے راہ نوردو یہ مقام صبر و ہمت ہے۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا اور اگر طلب وصل سے ہمت ہار کر یا وسوسۂ نفسانی کی وجہ سے منہ پھیر دیا اور سیر الی اللہ سے ہٹ گئے فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ۔ تو میں خوف کرتا ہوں تمہاری روحانی ہلاکت کا فراق اور قبض اور ظلمات حجاب کے نابرداشت ہونے والے دن کے عذاب سے۔ نافرمانی کی صورت میں تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے کیونکہ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ اللہ ہی کی طرف ہے تم محروم و منصور کی آخری منزل خوشی سے جاؤ یا ناراضی سے۔ خوش جانے والا کامیاب و کامران ہے۔ جبراً گھسیٹا جانے والا خائب و خاسر ہے۔ پھر تم بے بس بیکس ہو گئے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ ہر لطف و قہر پر قادر ہے کہ سب دانشمندیاں عقلیں تدبیریں اس کے مقابل ہیچ ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ
خبردار بیشک وہ لوگ دوہرے کرتے ہیں سینوں کو اپنے تاکہ پردہ کریں وہ سے اس
سنو وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں کہ اللہ سے پردہ کریں

أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ
خبردار جس وقت ڈھانپتے ہیں کپڑوں سے خود کو جانتا ہے اس کو جو چھپاتے ہیں
سنو جس وقت وہ اپنے کپڑوں سے سارا بدن ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کا
وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
اور اس کو جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ جاننے والا ہے کو سینوں والی
چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے بے شک وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ... کو متاعِ حسن دیتا ہے اور نیکوں کو فضل دیتا ہے۔ جس کا مدار بندے کی نیت اور خلوصِ عمل پر تھا اور نیت ... بھی چیز ہے جس کا نیت والے کو پتہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ایک عجیب انداز سے اس چیز کو ثابت کیا جا رہا ہے کہ اللہ بندے کے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے اس سے نہ تمہارا قلب پوشیدہ ہے نہ قالب **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ... کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید سزا و جزا کی قدرت کا ہی تذکرہ ہے۔ اس آیت کریمہ ... خیالِ باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ نہیں۔ وہ اللہ مطلقاً ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے ظاہر و پوشید کو بھی جا...

تیسرا تعلق پچھلی آیات میں عذاب کا ذکر تھا اور عذاب جرم کے پتہ لگنے کے بعد ہوتا ہے تو اس آیت میں اس چیز کا ... کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر پوشیدہ سب جرم جانتا ہے۔ لہٰذا عذاب دینے میں حق ہے۔ گویا کہ یہ آیت پچھلی آیات کی علت ...

شانِ نزول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت اخنس بن شریک کے متعلق نازل ہوئی جو نبی کریم ... علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر بڑی شیریں اور مگاوٹ کی باتیں کرتا مگر دل میں عداوتِ نبی کریم سے بھرپور ہوتا ایک دفعہ ای... تو اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں اس کی کیفیت ظاہری و باطنی کو تمثیلاً بیان فرمایا گیا۔ کہ یہ بیہودہ لوگ اپنی ... کو اس طرح چھپائے رکھتے ہیں جس طرح کپڑوں میں شرمگاہ۔ حالانکہ رب تعالیٰ سے جسم کا کوئی حصہ پوشیدہ نہیں اسی طرح ... دشمنی بھی چھپی ہوئی نہیں (خزائن) بخاری نے اپنے اِفراد میں دوسرا شانِ نزول بیان فرماتے ہوئے ایک حدیث شریف نقل ... غلبۂ شرم و حیا میں مغلوب مسلمان۔ خلوت کی جگہ اور استنجا گاہ میں بھی شرمگاہ کھولتے جھجکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم ... ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے بندو اتنا تکلف نہ کرو وہ تو خالق و مالک ہے اس سے کیا چھپ سکتا ہے وہ تو تمہارے کپڑوں کے اندر سے بھی تمہارے جسم کو دیکھتا ہے۔ پس ایسا جبر کر کے اپنی جانوں پر بوجھ نہ ڈالو۔ یہ شانِ نزول ... حق ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت مکی ہے۔ اور مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہ تھا حالانکہ اخنس منافق مدنی تھا۔ حضرت ابن عبا...

کا کہنا فقط تشبیہ کے لئے ہو سکتا ہے نہ کہ شانِ نزول کے طور پر۔ ایک صحیح قول یہ بھی ہے کہ مشرکین کی ایک جماعت مکے میں تھی جن کا طریقہ یہ تھا۔ اُن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (خازن) جن لوگوں نے ابن عباس رض کا قول تسلیم کیا ہے وہ کچھ اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیت مکی ہے مگر اس میں منافق کی شناخت کرائی جارہی ہے۔ کہ وہ اس طرح کے ہوں گے بہر حال کلام کی سختی اس طرف بھی راجح ہے۔

تفسیر نحوی اَلَآ اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْہُ اَلَا حرفِ تنبیہ اگلے کلام کو شدید اور خطرناک ثابت کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ اِنَّ حرفِ تاکید۔ اَلَا کے بعد ضرور آتا ہے جس سے سختی کلام مزید ہو جاتی ہے۔ ھُمْ سے وہی لوگ مراد ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یَثْنُوْنَ جمع غائب مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ ثنیٌ یا ثَنٌّ سے مشتق ہیں ثنیٌ کے معنٰی ہیں طہہ کرنا۔ مروڑنا اعراض کرنا۔ اور ثَنٌّ ایک کمزور گھاس کو کہتے ہیں۔ عرب میں ایک چھوٹی بیل ہوتی ہے جس کو ثناءِ مکی کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے دل میں چیز چھپاتے ہیں۔ یا شرمندگی کی طرح سینے کو سمیٹتے ہیں۔ حضرت ابن عباس کی قرأت میں ہے تَثْنَوْنِیْ جمع مونث کے صیغے سے یہ مضارع ہے اس کا ماضی اِثْنَوْنٰی بروزنِ اِفْعَوْعَلَ بتکرارِ عین یہ صیغے مبالغے کے وزنوں میں سے ہے۔ ایک قرأت میں ہے تَثْنَوِنَّ۔ یہ دراصل تَثْنَوْنِنَّ تھا۔ ثَنٌّ سے مشتق ہونے کی صورت میں۔ مگر جمہور قرأت میں یَثْنُوْنَ ہے جس کی اصل یَثْنِیُوْنَ تھی۔ عربی میں دو کو اثنان اسی لئے کہتے ہیں کہ ایک عدد اپنے پہلے واحد سے لپٹا ہوتا ہے۔ صُدُوْر جمع ہے صدر بمعنی سینے کی۔ صدر کے معنٰی نکلنا۔ یہاں مصدر بمعنٰی ظرفِ مکانی ہے یعنی نکلنے کی جگہ چونکہ سینے سے ہی ہر خیال و علم و یقین نکلتا ہے اس لئے عربی میں سینہ کو صدر کہتے ہیں صدر کے حقیقی معنٰی ہیں سامنا۔ مقابل۔ مجازاً جسمانی سینے کو صدر کہتے ہیں۔ کہ بالکل صاف مثل میدان کے ہوتا ہے۔ صُدُوْرَھُمْ یَثْنُوْنَ کی صورت میں حالتِ زبر میں ہے بوجہ مفعولیت اور تَثْنَوْنِیْ کی صورت میں حالت رفع میں بوجہ فاعلیت ھُمْ سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یَسْتَخْفُوْا۔ لام تعلیلیہ ہے۔ خفیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی چھپنا بابِ استفعال سے طلب کے معنٰی پیدا ہوتے یعنی چھپنا چاہتے ہیں اگرچہ کامیابی نہ ہو۔ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر اس کا فاعل وہی لوگ ہیں جن کے لئے نازل ہوئی۔ اصل میں یَسْتَخْفُوْنَ تھا نون اعرابی لام جازمہ سے گر گئی۔ مِنْہُ مِنْ بیانیہ ہے اور ہٗ کا مرجع باری تعالٰی اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَھُمْ۔ اَلَا حسبِ سابق حرف تنبیہ ہے۔ دوبارہ ارشاد میں تاکید مزید ہے حِیْنَ ظرفِ زمانی ہے اسم جامد مبنی ہے۔ یَسْتَغْشُوْنَ کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا یَعْلَمُ کے متعلق ہے (معانی) مگر یہ صحیح نہیں۔ یَسْتَغْشُوْنَ۔ غشیٌ سے مشتق ہے بابِ استفعال کا مضارع ہے۔ ابن شداد کے نزدیک بمعنٰی یَلْتَحِفُوْنَ ہے۔ یعنی رات کو لحاف اوڑھتے ہیں ایک قول ہے کہ بمعنٰی یَتَغَطُّوْنَ ہے یعنی لباس پہنتے ہیں۔ غشیٌ کا لغوی معنٰی ہے چھپانا یا چھپنا۔ یہاں لباس پہننے کے معنٰی زیادہ درست ہیں کیونکہ ثِیَابَھُمْ اس کا مفعول بہٖ جمع ہے ثوب کی۔ مطلقاً کپڑے کو کہتے مگر قدیم و جدید اصطلاح میں مخصوص عربی کُرتے کو کہتے ہیں ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع یَسْتَغْشُوْنَ کا فاعل ہے یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ یَعْلَمُ علمٌ سے مشتق ہے اسکا لغوی ترجمہ ہے مطلقاً جاننا۔ خواہ ذاتی ہو یا عطائی۔ یہاں عطائی مراد نہیں ہو سکتا بلکہ یہاں ذاتی علم مراد ہے۔ جبکہ

کوئی تقسیم اور حد نہیں ہے ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ باقی تمام مخلوق کا علم عطائی ہے۔ منطقی لوگ علم کے پانچ معنیٰ کرتے ہیں وہ صرف مخلوق کے علم کی اقسام ہیں۔ علم باری تعالیٰ ان سے وراء الوراء ہے ما دونوں جگہ موصولہ ہے۔ اس کا صلہ یعنی شیٔ پوشیدہ ہے ایک قول ہے کہ دونوں جگہ ما مصدریہ ہے۔ پہلا قول قوی ہے۔ صلہ موصول پورا جملہ یَعْلَمُ کا مفعول بہ ہے یُسِرُّوْنَ فعل مضارع سِرٌّ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ راز۔ بعید۔ یا پوشیدہ بات۔ یہاں باعتبار شان نزول پوشیدہ جسم مراد ہے۔ یُعْلِنُوْنَ۔ مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اِعْلَانٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ ظاہر کرنا اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ یہ جملہ تعلیلیہ ہے۔ ماسبق کی علت بیان کر رہا ہے۔ اِنَّ حرف تشبیہ بالفعل ہے۔ شک دور کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع یَعْلَمُ کا فاعل ہے یہ اِنَّ کا اسم ہے اگلا جملہ اسمیہ اِنَّ کی خبر ہے عَلِيْمٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ جس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ بِ زائدہ ہے۔ لفظ ذات بمعنیٰ ذُوْ ہے جس کا ترجمہ ہے والا۔ صدور جمع ہے صدر کی اصطلاحاً سینے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے دل۔ ذاتِ الصدور کا معنیٰ ہوا دل والی باتیں

تفسیر عالمانہ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ۔ خبردار بے شک وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپا لیں خود کو اللہ سے اے ایمان والو خبردار ہو جاؤ اِن مشرکین مکہ کی پر فریب چالوں سے کہ دل میں مسلمانوں کے نبی اور اسلام سے دشمنی رکھتے ہیں اور ظاہراً تم سے بہت میٹھی زبانوں اور طرح طرح کی لالچ دینے کے انداز سے ملتے ہیں اور تمہارے پاس بڑے جھکتے ہوتے اپنے سینوں کو نیچے کرتے لپیٹے ہوتے آتے ہیں غلط عقیدے سے کہ شاید ہم اللہ سے چھپ گئے یہ کفار اندھے چور کی مثل ہیں کہ مالک ان کی ہر حرکت دیکھتا ہے مگر یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم دھوکا لگا گئے۔ یا اے پیارے حبیب سنو کو بھی کہ یہ بعض بھولے بھالے شرمیلے مسلمان اپنا ستر کھولتے وقت یعنی استنجا یا جماع کے وقت باوجود خلوت کتنے جھجکتے ہیں اپنے سینوں کو لجاجت سے سکیڑتے ہیں تاکہ چھپا لیں خود کو اس اللہ سے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ۔ مزید ہوشیار ہو جاؤ اور سمجھو کہ جس وقت یہ اپنے دروازے بھی بند کر لیتے ہیں اور بستروں لحافوں میں اپنے جسموں کو چھپا لیتے ہیں اور نیند سے پہلے عادت انسانی کے مطابق جو جو خیالات اُن کے دل میں گذرتے ہیں یا جب یہ شرمیلے مسلمان اپنے جسموں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ تب بھی اللہ تعالیٰ ان کے تمام اُن ارادوں کو جو عداوتِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پوشیدہ رکھتے یا جو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کرتے ہیں یا جسم کے تمام اعضا جن کو کپڑوں سے پوشیدہ کر لیتے ہیں اور وہ اعضا ہاتھ پاؤں جو ظاہر کرتے ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ اور یہ جاننا کیوں ہے اس کی علت کیا ہے؟ اس لئے کہ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ بے شک وہ اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ۔ ازل سے ابد تک اوّل سے آخر تک ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر دین دنیا کی۔ ظاہر پوشیدہ۔ خیر و شر۔ دوستی۔ دشمنی سب کو جاننے والا ہے۔ اور ہر موقع پر ہر طرح اپنے حبیب کو کائنات کی ہر چیز سے خبردار کرنے والا ہے۔ لہٰذا ذاتی طور پر اللہ سے کچھ پوشیدہ نہیں اور عطائی طور پر اس کے حبیب علیہ السلام سے کچھ پوشیدہ نہیں پس نہ اُس کو کوئی دھوکا دے سکے نہ اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

فائدے۔ اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے پہلا فائدہ قیامت تک ہر قسم کا کافر ہر طرح ہر مسلمان کو فریب دینے کی کوشش کرتا

رہے گا خاص کر ہندو اور انگریز مسلمانوں کو چاہیئے کہ انکے فریب کاری سے بچتا رہے یہ فائدہ اَلَا اِنَّهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** کڑوی دشمنی سے میٹھی دشمنی زیادہ خطرناک ہے یہاں میٹھی دشمنی کا ذکر ہے اس سے بچنا زیادہ مشکل ہے یہ فائدہ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** تقویٰ یا طہارت، شرمندگی ہو یا حیاداری۔ نماز ہو یا روزہ وہی اچھی ہے جو رسول اللہ کے فرمان سے ہو۔ دیکھو ستر کھولنے میں جھجک اچھی ہے مگر یہاں صرف اسلئے برائی کی گئی کہ شریعت کیخلاف تھی۔ لہٰذا ملنگوں اور جھوٹے پیروں کے خود ساختہ تقوے سب غلط ہیں **اعتراضات** اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں **پہلا اعتراض** تنبیہ تو مجرم کو کی جاتی ہے نہ کہ غیر کو مگر یہاں اَلَا سے تنبیہ مسلمان کو کی گئی۔ نہ کہ کفار کو کیونکہ یَثْنُوْنَ غائب کا صیغہ ہے حالانکہ تنبیہ مخاطب کو ہوئی اور یہاں مخاطب مسلمان ہیں جیسا کہ آپکی تفسیر سے بھی معلوم ہوا **جواب**! تنبیہ دو قسم کی ہے۔ ایک ہے مجرم کو باز رکھنے کیلئے اور دوسری ہے۔ اپنوں کو بچانے کیلئے یہاں دوسری قسم مراد ہے۔ **دوسرا اعتراض** یَعْلَمُ سے پہلے حِیْنَ ظرف زمانی ہے یَعْلَمُ اسکا مظروف ہوا جس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت جانتا ہے جب کوئی بستر میں لیٹ کر خیال یا ارادہ کر لیتا ہے۔ پہلے نہیں جانتا۔ اس سے لازم آیا کہ اسکا علم محدود اور حادث ہے حالانکہ اللہ کی تمام صفات غیر محدود اور قدیم ہیں۔ **جواب**! اوّلاً تو یہ کہ حِیْنَ کا تعلق یَعْلَمُ سے نہیں جیسا کہ روح المعانی میں صحیح قول منقول ہے۔ بلکہ صرف یَسْتَغْشُوْنَ سے ہے اور یَعْلَمُ کے تقدم سے مطلب ہوا کہ اسکو بھی جانتا ہے جو وہ بستروں میں چھپ کر ارادہ کرتے ہیں پس دوسری باتیں بدرجہ اولیٰ جانتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ صفات باری تعالیٰ بالقوۃ تمام قدیم ہیں مگر بالفعل اور بالظہور بعض حادث ہیں۔ لہٰذا بعد ارادہ جاننا بھی اس کی شان کیلئے مضر نہیں۔ اور محدود ہونا تو کسی صورت لازم نہیں آیا **تفسیر صوفیانہ**! اے انوارِ تجلّیات کے طالبو۔ بحرِ معرفت کے غوطہ خوردو۔ اور راہِ تصوف کے مسافرو۔ خبردار ہو جاؤ کہ اس منزل کو پانا آسان نہیں ہے۔ نفس و شیطان کے ہزاروں وسوسے منہ لپیٹے سینوں کو ڈھکے کئے دوستی کے لباس میں دشمنی لے کر تم کو بھٹکانے کے لئے اِس طرح آئیں گے کہ ضمیرِ قلب اور نفسِ مطمئن سے اور قوت لاشعوری سے خود کو چھپالیں۔ اور سنو۔ کہ بعض بھولے بھالے منزلِ لاھُوت کے نووارد۔ قلبی خطرات کو الٰہ العالمین سے بھی چھپانا چاہتے ہیں۔ سمجھ لو کہ جس وقت یہ کفار حقیقتِ مکر کے جال میں چھپتے ہیں یا جاھل صوفی راہِ ابلیس میں چل کر طرح طرح کی غیر شرعی ریاضتیں محض طلبِ دنیا کیلئے کرتا ہے تو یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ اللہ جانتا ہے جو خطرات چھپاتے اور جو نظرات ظاہر کرتے ہیں یا جو اذکارِ قلب چھپاتے ہیں اور جو اخبارِ غیب ظاہر کرتے ہیں۔ یا جو حالات چھپاتے اور جو معاملات ظاہر کرتے ہیں یا وہ فریبی جو اخلاص کو چھپاتے ہیں اور عبادات کو ظاہر کرتے ہیں۔ انکی باطنی خباثت اسی طرح جانتا ہے جسطرح ظاہری کو۔ کیونکہ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ بیشک وہ ہر پوشیدہ کو پیدائش سے پہلے بھی جانتا ہے۔ قلبی خطرات اور قلب کو جاننے والا ہے شعر ے کہ درد دل نہاں کنی سترے ۔ آنکہ دل آفرید میداند۔ پس اے بندۂ عشق متنبہ ہو جا۔ کیونکہ قلب سلطانِ قالب ہے اور اعضاءِ ظاہری و باطنی رعایا ہیں اور نفس اور عقل مکّارِ قالب کے مشرک و منافق ہیں۔ عشق بھولا بھالا ہے۔ لہٰذا عشق کو بچانے کیلئے قلب کی حفاظت اشد ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ عقلِ نفسانی کے چار سو بیس فریبوں میں سے کسی فریب میں یہ پھنس کر ھلاک ہو۔ شعر

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے ۔ عشق بیچارہ نہ مُلّا ہے نہ زاہد نہ حکیم۔ پس سن لو کہ ظاہر کا کچھ اعتبار نہیں باطن پر نظر رکھو۔ شعر

صورتِ ظاہر ندارد اعتبار ۔ باطنی باید مبرّا از غبار۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سیدنا و مولانا محمد وَّعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاٰبَآئِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔ الحمد للہ پارہ گیارھواں ختم ہوا۔ اے اللہ مجھ کو بارھواں پارہ تفسیر کے ساتھ لکھنے کی اجازت عطا فرما۔ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔ ۵ رجب ۱۱-۱۲

کتابت: محمد اسلم کیلانی

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ گیارہواں اشرف التفاسیر